مختار آویزوف

ابھرتی ہوئی آوازیں

مختار آویزوف

ابھرتی ہوئی آوازیں

ناول

(تلخیص شدہ)

دارالاشاعت ترقی
تاشقند

8941

ترجمہ: منظر سلیم
ڈیزائن: ایم — کالینین

Мухтар Ауэзов

АБАЙ

роман

(в сокращении)

На языке урду

پڑھنے والوں سے

دارالاشاعت ترقی اس کتاب، اس کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے متعلق آپ کی قیمتی رائے اور آئندہ مطبوعات کی تجاویز اور مشوروں کا بصد شکریہ خیرمقدم کرے گا۔

براہ کرم اپنے تبصرے اور مشورے مندرجہ ذیل پتے پر بھیجئے:

دارالاشاعت ترقی کی شاخ
۳۰۔ نوائی اسٹریٹ
تاشقند، سوویت یونین

Progress Publishers Branch
30, Navoi Street,
Tashkent, USSR

سوویت یونین میں شائع شدہ

© اردو میں ترجمہ۔ جملہ حقوق بحق دارالاشاعت ترقی تاشقند شاخ محفوظ۔ ١٩٧٩ء

A $\frac{70303-840}{014(01)-79}$ 776—79—4702230200

Кітапхана
22537
Инв. №

ترتیب

پیش لفظ	۵

پہلا حصہ

واپسی	۲۹
بگولہ	۱۰۰
رہگزر پر	۱۴۱
گھنی جھاڑیوں میں	۱۸۷
دامن کوہ میں	۲۳۹
رفعتوں پر یلغار	۲۹۶
بلندیوں پر	۳۳۷

دوسرا حصہ

پایاب	۳۹۵
دامن کہسار	۴۴۴
پرانی ڈگر پر	۵۴۸
نازک حالات	۵۸۸
چوراہے پر	۶۲۱
چوٹی پر	۶۷۷
اختتامیہ	۶۸۸

پیش لفظ

مختار آویزوف (۱۸۹۷ء - ۱۹۶۱ء) کے متعلق لکھنا کوئی آسان بات نہیں۔ انہوں نے اپنے قومی ادب کے فروغ میں جو کردار ادا کیا، وہ جن بےمثال صلاحیتوں اور حیرت‌انگیز علم و فضل کے مالک تھے ان کا تذکرہ نہ کیا جائے، خود کو محض ان کی شخصیت ہی تک محدود رکھا جائے تو وہ بھی اتنی زیادہ منفرد اور نمایاں تھی، اس میں بھی اتنی زیادہ غیرمعمولی اور بعض اوقات متضاد نظر آنےوالی باتیں یکجا تھیں کہ روایتی الفاظ ان کی ذات کی عکاسی کے لئے ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے بھی بڑی نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ اپنے جسم کو جو ذرا قبل از وقت ہی فربہ ہو گیا تھا، بڑے پروقار انداز سے سیدھا کئے رھتے تھے اور ان کے چہرے پر جس کی پیشانی غیرمعمولی طور پر کشادہ تھی اور تنگ بھوری پرسکون آنکھوں سے تجسس جھلکتا تھا، انفرادیت کی چھاپ تھی... ایک اور بات بھی قابل ذکر ھے: ھر وہ شخص جو آویزوف کو جانتا پہچانتا تھا، ان سے وابستہ تھا، اپنے ذھن میں ان کا اپنا ایک الگ ھی تصور رکھتا ھے۔ خود میری بھی یہی حالت ھے۔

مجھے برسوں قبل کے وہ ایام اچھی طرح یاد ھیں جبکہ جنگ کے خاتمے پر بہت سے نوجوان پرانے فوجی کوٹ جن میں بارود کی بو بسی ہوئی تھی، پہنے ادبی دنیا میں داخل ہوئے تھے۔ ھم سب کے سب جنون کی حد تک آویزوف کی محبت میں مبتلا تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ھمارے پرجوش تخیلات نے اس پرکشش شخصیت کو ھمارے لئے کچھ اور بھی زیادہ پرکشش بنا دیا تھا۔ جہاں تک خود میرا تعلق تھا، میں ان کی ذات سے حیرت‌انگیز طور پر مرعوب تھا بالکل اسی

طرح جیسے کسی نوجوان کوہ پیما کو رونگھٹے کھڑے کر دینےوالی کہستانی چوٹی کا سامنا ہو جانے پر مرعوب ہونا ہی چاھئے۔

ہم لوگ آویزوف کی اس بات کے خاص طور پر مداح تھے کہ وہ نوجوانوں سے ہمیشہ ہی انتہائی محبت سے پیش آتے تھے۔ ہمارے لئے وہ بےحد مخلص، سیدھے سادے اور ہمارے درد کو سمجھنےوالے تھے۔ ان کے یہاں آنےوالے نوجوان ادیبوں کو ہمیشہ ہی یقین ہوتا تھا کہ بڑی خوبصورت مسکراھٹ کے ساتھ ان کا خیرمقدم کیا جائےگا۔ اور وہ ان پر کتنی فیاضی کے ساتھ محبت بھرے الفاظ کی بارش کرتے تھے! وہ ان کو کبھی سبزہ نودمیدہ سے تشبیہ دیتے تھے کبھی تازی کہستانی ھوا کے جھونکے سے۔ وہ نئی نسل سے، ان لوگوں سے گہری دلچسپی لینے کو جو اس دشوارترین پیشے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنا چاھتے تھے، بحیثیت ادیب اپنے کام کا ایک جزو تصور کرتے تھے۔ اس طرح ہم لوگوں نے ان کی محبت اور گرمجوشی کے سائے میں ان کی فہم و دانش سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا اور ان کی عادات، کردار اور آواز کے عادی ہو گئے۔

مختار آویزوف مبتدیوں کے "بڑے ہونے کے درد" کے معاملے میں ان سے پوری ہمدردی رکھتے تھے حالانکہ خود انہیں کبھی بھی اس درد سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ انہوں نے تو دنیائے ادب میں قدم رکھتے ہی اپنی دھاک جما لی تھی۔ ان کے ابتدائی افسانوں میں سے ایک افسانے "ایک یتیم کی بپتا" (۱۹۲۱ء) ھی نے انہیں اس میدان میں یورپی سطح کے ادیب کا درجہ عطا کر دیا تھا۔

وہ مبتدیوں کی اولین تخلیقات کو خاص طور سے نہایت ہی احتیاط کے ساتھ دیکھتے تھے۔ میں بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ کسی مبتدی ادیب کے مسودے کو اٹھاتے وقت اس تجربےکار فنکار کے ھاتھ کیوں کانپنے لگتے تھے۔ ان کے دل میں یقیناً وھی جذبات بیدار ھوتے ھوں گے جو کسی باپ کے دل میں اس وقت کروٹیں لینے لگتے ھیں جب اس کے پوتڑوں میں لپٹے لپٹائے نوزائیدہ بچے کو پہلی بار اس کی گود میں دیا جاتا ھے۔ انہیں یہ جاننے کا بڑا اشتیاق رھتا تھا کہ ادیبوں کی نئی نسل کیسی ھے، وہ کل کے قارئین کے لئے کس قسم کا ادب پیش کرےگی، اس کے خیالات، جذبات، رنگ، الفاظ اور انداز بیان کیا ھوں گے۔

اچھے برے کو پرکھنے کی زبردست صلاحیت کے حامل آویزوف کو اپنے قومی ادب کے مستقبل کی بھی اتنی ھی زیادہ فکر رھتی تھی جتنی که حال کی۔ وہ صحیح معنوں میں عظیم فنکار والی تیز نگاھی کی بدولت نوجوان ادیبوں کی صلاحیتوں کا بڑی سرعت کے ساتھ پتہ لگا لیتے تھے اور انھیں کسی نوجوان کے باصلاحیت ھونے کا یقین ھو جاتا تو پھر اس کی طرف سے کبھی بھی غافل نہ رھتے۔

ان ایام کے بعد جانے کتنا زمانہ گزر چکا ھے۔ کوئی شخص دنیا میں ھمیشه رھنے کے لئے نہیں آتا، لوگ سمندر کی لہروں کی مانند یکے بعد دیگرے آتے اور چلے جاتے ھیں۔ ایک دوسرے کی جگه لیتے ھیں، زندگی کے کسی چوراھے پر مختصر مدت کے لئے ایک دوسرے سے ملتے اور پھر بچھڑ جاتے ھیں۔ شہرہ آفاق سائنس‌داں قانیش ست‌پائیف اور مغنیه قولاش بائےسیئتوا، جو ھمیں بےحد عزیز تھے، زندگی سے رخصت ھو گئے۔ مختار آویزوف بھی دنیا سے کوچ کر گئے اور جتنی زیادہ ناقابل تردید طور پر یه بات ھم پر روشن ھوتی جا رھی ھے اتنا ھی زیادہ ھم مغموم ھوتے جا رھے ھیں، اتنی ھی شدت سے ھمیں اپنے نقصان کا احساس ھوتا جا رھا ھے۔ وہ زندہ تھے تو کچھ ایسا محسوس ھوتا تھا که قزاخ ادب کا مستقبل محفوظ ھے۔

قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ مختار آویزوف کو خوبیوں سے مزین کیا تھا۔ وہ ایک ممتاز ادیب، تیزفہم مفکر اور شاندار خطیب تھے۔ یه سوچ‌کے حیرت ھوتی تھی که ایسی اور اتنی نادر صفات ایک شخص کی ذات میں کیسے یکجا ھو گئی ھیں۔ آسودہ خاطری کو جس کا الیکساندر بلاک نے مذاق اڑایا تھا، ان کے مزاج میں ذرا بھی دخل نه تھا۔ وہ بارود کی بو سے بھری ھوئی عظیم اور مضطرب دنیا کے واقعات سے کبھی بےنیاز نہیں رھتے تھے۔ وہ ھر چیز سے دلچسپی لیتے تھے اور ان کے ذھن و تخیل ھمیشه بیدار رھتے تھے۔ ناولوں، افسانوں اور ڈراموں کی تخلیق کے ساتھ ھی ساتھ کبھی وہ ادب پر کوئی نہایت ھی عمدہ اصولی بحث‌والا مقاله لکھ ڈالتے، کبھی خالص لسانیاتی طویل مضمون یا پھر چرواھوں کے کام اور حالات زندگی جیسے کسی مسئلے کو اٹھاتے۔ دراصل مختار آویزوف اپنی فربہی کے باوجود بڑے مستعد اور پھرتیلے آدمی تھے خاص طور سے کام کے وقت۔ لیکن ادبی مقاله ھو یا ناول جو کچھ بھی لکھتے سب پر ان کی صلاحیتوں اور

جدت‌پسندی کی گہری چھاپ ہوتی، پڑھنےوالوں کے ذہنوں پر چھا جاتا اور انہیں آویزوف کے خیالات و تصورات کی دنیا میں پہنچا دیتا۔

ایک بار مجھے انہیں کام کرتے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں ان کے یہاں پہنچا تو ان کے مطالعے کے کمرے کا دروازہ کچھ کھلا ہوا تھا۔

وہ اپنے ناول "ابائی"* کی یہ سطور بول‌کے لکھا رہے تھے:

"گھوڑے ایک تخریبی قوت، استیپیوں کی کوئی آگ، طوفان باد و باراں یا سیلاب بن گئے۔ ان کا گلہ رات میں کسی ٹھوس سیاہ انبوہ کی طرح بڑھا اور سارے کھیت پر چھا گیا۔ تباھی و بربادی پھیلانےوالی ایسی غیرتسکین‌پذیر قوت جس کے ھزار سم تھے اور ھزاروں دانت..."

میں چند لمحوں کے لئے بھول ھی گیا کہ ان کے پاس کس کام کے سلسلے میں آیا ھوں۔ میرے تخیل میں سنسنی دوڑ گئی اور وہ ان وحشی گھوڑوں کے پیچھے پیچھے پرواز کرنے لگا جسے ادیب نے بجا طور پر ایک "سیاہ انبوہ" کہا ھے۔ اس وقت مجھے ایسا لگا جیسے اس نیم‌وا دروازے کے عقب میں کوئی دوسری دنیا موجود ھو۔ میں اسے بلا جھجک بہادروں کی دنیا قرار دیتا ھوں۔ مجھے خیال بھی نہ آیا کہ میں تخلیقی عمل کا مشاہدہ کر رھا ھوں۔

وہ اپنے موٹے جسم اور سقراط جیسی پیشانی کے ساتھ، نپے تلے قدموں سے کمرے میں ٹہل رہے تھے، ان کے ھاتھوں کی بھنچی ھوئی مٹھیاں ان کی جیبوں میں تھیں اور ان کی آنکھیں وفور جذبات کے ساتھ انسانی جذبات کی عجیب و غریب دنیا میں جو صرف انھی کو نظر آ رھی تھی، جھانک رھی تھیں۔ وجدانی کیفیت کے اس لمحے میں وہ اپنی قوی صلاحیتوں کو، اپنی تمام زبردست معلومات اور یادداشت کو یکجا کئے ھوئے، ذرا دیر کو بھی ٹھہرے بغیر، اپنی گہری اور رواں آواز سے بولتے چلے جا رہے تھے۔ وقتاً فوقتاً دو ایک بار

---

* اردو میں اس ناول کا نام مترجم نے "ابھرتی ھوئی آوازیں" رکھا ھے (یہ اور اس کے بعد دئے جانےوالے تمام نوٹ اڈیٹر کے ھیں)۔

کھانستے تھے جیسے اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کے دھارے کو روکنے کی کوشش کر رہے ھوں۔ اور ٹائپ رائٹر کی تیز تیز آوازوں کے پیچھے مجھے خشک استیپی کے آر پار وحشیانہ انداز میں دوڑتے ہوئے گھوڑوں کے ان ہزاروں سموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک قدرتی وحشی قوت تباہی پھیلانے کے لئے آزاد ہو گئی تھی اور وہی ایک شخص تھے جو اسے قابو میں کر سکتے تھے۔

میں قاری کو گمراہ کرنا اور یہ تاثر دینا نہیں چاھتا کہ آویزوف کے لئے ادب کی تخلیق کبھی بھی دشوار نہیں ثابت ہوئی یا یہ کہ دوسرے ادیبوں کو جس تخلیقی کرب و اضطراب سے گزرنا پڑتا ھے اس سے انہیں نہیں گزارنا پڑا۔ انہیں اکثر اپنے اوپر غصہ آ جاتا تھا، وہ افسردہ اور بعض اوقات چڑچڑے ہو جاتے تھے اور اپنے احباب کو بڑی مایوسی کے ساتھ بتاتے تھے کہ کسی خاص مقام پر بری طرح الجھکے رہ گئے ھیں، قلم آگے نہیں بڑھ پا رہا ھے۔ ایسے مواقع جنھیں وہ بدقسمتی کہا کرتے تھے، پیش آتے تو ان پر سردمہری اور خاموشی کا دورہ سا پڑ جاتا لیکن اس عالم میں بھی وہ خوش اخلاقی کا دامن کبھی بھی ھاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔

ہر قوم کی تاریخ میں ایسی شخصیتیں ملتی ھیں جن کی سوانح عمریاں قومی تہذیب کے ارتقا کے پورے پورے دور کی عکاسی کرتی ھیں۔ جہاں تک ھماری قوم کا تعلق ھے ھمیں سب سے پہلے عظیم شاعروں اور روشن خیالی کے علمبرداروں ماھمبیت، چوقان، ابرائی اور ابائی کا نام لینا چاھئے۔ ماھمبیت اور ابائی کی شاعری آج تک ایسی زرخیز مٹی کی حیثیت رکھتی ھے جس میں قزاخ ادیبوں کی تخلیقات، قطع نظر اس سے کہ ان کی عمر کیا ھے اور صلاحیت اور مقبولیت کس درجے کی ھیں، نشوونما پاتی ھیں۔

ماھمبیت کی نظموں کو جس چیز سے دائمی قوت ملتی ھے وہ یہ ھے کہ قومی آزادی تحریک کی شکست کے بعد قوم کی تاریخ کے اس سنگین‌ترین دور میں بھی، ان کی آزادی سے محبت کرنےوالی روح کو کچلا نہ جا سکا اور وہ زار اور خانوں کی من مانی حکومت کے خلاف جد وجہد جاری رکھنے کے عزم سے معمور رہی۔ ماھمبیت نے اپنے ھم‌وطنوں پر زور دیا کہ وہ تنگ نظری کے آئینہ‌دار دقیانوسی رسم و رواج، سالہاسال پرانے طریقوں اور رویوں کو جو حقیقی ترقی

کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہے تھے، چکنا چور کرکے نئے رویے اپنائیں۔ وہ عوامی بغاوت کے علمبردار اور ایک باغی شاعر تھے۔

ابائی نے جو ماهم‌بیت کے پیرو اور روشن‌خیالی کے علمبردار تھے، سب سے پہلے انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز کے برسوں میں اپنی آواز بلند کی۔ کم‌سنی هی میں ابائی نے اپنے والد قونان‌بائے کے مظالم اور مطلق‌العنانی کو دیکھا۔ نازک اور کمزور دل کے لڑکے ابائی کو اپنے والد کی دغابازیوں کی کثیر شکلوں اور طریقوں میں سے کسی ایک کا جب بھی سامنا کرنا پڑتا، اسے سخت اذیت پہنچتی۔ وہ اپنے نوجوان هم‌عصروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا، اس امید میں که وہ اس کے دکھ درد کو سمجھ سکیں گے۔ وہ انہیں سو سال قبل کے جرائم کے متعلق بتاتا۔ "طاقتور لوگ اب بھی کمزوروں کے خلاف من مانی کئے جا رہے هیں۔ اس ظلم کو جو پوری ایک صدی سے پھولتا پھلتا چلا آ رہا هے، آخر کون سے قوانین، کون سے رواج حق بجانب ثابت کر سکتے هیں؟ صرف ظالموں کے نام بدل گئے هیں: ایک کا نام کینگیربائے تھا، دوسرے کا قونان‌بائے اور آج کل اس کا نام عظیم‌بائے هے۔ ظلم‌وجبر کے طریقے بھی بدل گئے هیں: قدیم زمانے میں لوگوں کو سنگ‌سار کرکے هلاک کر دیا جاتا تھا اور آج فاقے کراکے مار ڈالتے هیں" ابائی اپنی تنهائی اور بےبسی کو دردناک طور پر محسوس کرتے هوئے کہتے۔

ابائی کو مایوسی کے لمحات میں ایسا لگتا که ان کی قوت جواب دینے کو هے، مسرت همیشه همیشه کے لئے چھن چکی هے، دنیا میں ان کا کوئی بھی نهیں رہا اور وہ اتنے زیادہ تھک چکے هیں که آگے نهیں بڑھ سکتے لیکن انهوں نے اپنی جدوجہد کو کبھی بھی ترک نه کیا اور دشوارترین مرحلوں پر اپنی ساری قوت اور امید کا سہارا لیا۔ "میری قوت میری شاعری هے اور میری امید، عوام۔ لیکن یه امید خواب غفلت میں کھوئی هوئی هے، بیدار هونے کا نام هی نهیں لیتی۔ اور میری شاعری؟ لوگ اسے کبھی سمجھ هی نه سکے تو کیا هوگا؟ اور کیا مجھ میں اتنا زیادہ صبر و تحمل هوگا، اتنی زیادہ قوت ارادی هوگی که تن‌تنها سر اٹھاکے کھڑا هو سکوں؟"

آج کے سازگار حالات میں یه کہنا بہت آسان هے که کمزوری کے لمحات میں شاعر کے شکوک بالکل بےبنیاد تھے کیونکه آج هم سب

جانتے ہیں کہ ان کے احسان‌مند ہم‌وطن ان کی کاوشوں کا کتنا زیادہ احترام کرتے ہیں۔ روشن‌خیالی کے مشہور قزاخ علمبردار چوقان ولی‌خانوف کے بعد سے اس ساری استیپی سرزمین میں اور کسی بھی شاعر نے اپنی زندگی کو عوام کی زندگی سے اتنی گہرائی کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جتنا کہ ابائی نے۔ ان کا دل اپنے ہم‌وطنوں کی زبوں‌حالی پر درد و کرب سے تڑپتا رہتا تھا اور وہ اس درد کو اپنے ساتھ اپنی قبر میں لے گئے۔

ابائی کے بعد سوویت دور میں نوجوان مختار آویزوف نے دنیائے ادب میں قدم رکھا۔ انہوں نے اپنے دونوں عظیم پیش روؤں ماہم‌بیت اور ابائی کی تخلیقات کی فضا میں ذہنی نشو و نما پائی۔ بہت کچھ سیکھا، سن شعور کو پہنچے اور ان کی تحریریں قزاخ قوم کی ذہنی و فکری صلاحیتوں اور امکانات کی علامت بن گئیں۔

نوجوان آویزوف نے ابائی کی زندگی اور کارناموں کا مطالعہ کیا تو انہیں کچھ ایسا لگا جیسے وہ خود ابائی کے المناک دور میں زندگی بسر کر رہے ہوں اس لئے یہ حیرت کی بات نہیں کہ ان کی تحریروں میں مختلف واقعات کے تجزیے اور تفہیم اور ان کی جذباتی رنگ‌آمیزی میں ہمیں بہ‌آسانی ابائی کی صدائےبازگشت سنائی دیتی ہے۔ لیکن روسی اور عالمی کلاسیکی ادب کے بہترین نمونوں سے استفادہ کرنےوالے آویزوف نے قزاخی حقائق کو اصولاً مختلف نقطہ نگاہ سے دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ نئی قزاخ نثر کو نئے معاشرتی حالات میں ارتقا کی منزلیں طے کرتے ہوئے عظیم شاعر ابائی کی حقیقت‌پسند اور جمہوری شاعری کو اپنانا اور اس کی روایات کو آگے بڑھانا چاہئے۔ چنانچہ ان کی تمام کتابوں میں ابائی کے معاشرتی، فلسفیانہ اور جمالیاتی خیالات کے اثرات علامتی طور پر خاصے نمایاں ہیں۔ ان کے بہت سے ابتدائی افسانوں میں سرقبیلی دیہی زندگی کے تضادات کی عکاسی کی گئی ہے لیکن طرز فکر ابائی سے مختلف ہے۔ ابائی قدیم رسم و رواج اور فرسودہ طریقوں پر اظہار خیال کرتے وقت فلسفیانہ عمومیت پسندی سے کام لیتے تھے جبکہ آویزوف نے ان کا گہرا تجزیہ کیا ہے۔

آلام و مصائب میں مبتلا افراد سے گہری ہمدردی اور زندگی سے محبت یہ دونوں باتیں آویزوف کے مزاج میں بھی کم‌عمری ہی سے

ویسے ہی فطری طور پر یکجا ہو گئی تھیں جیسے ماھبیت اور ابائی میں اور چونکہ آویزوف ان صفات کے مالک تھے اس لئے انہیں عوام کی امنگوں کو اپنی امنگیں تصور کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ چرواھوں کی ذہنیت سے بھی اتنی ہی قریبی واقفیت رکھتے تھے جتنی استیپی حکمرانوں سے جن کے ہشت پہلو سفید خیمے ہوتے تھے، دو دو، تین تین بیویاں ہوتی تھیں اور مویشیوں کے گلے، چراگاھیں اور پانی کے کنویں۔ وسیع و عریض استیپیوں کی کوئی بھی بات ان کے لئے راز نہیں تھی۔ وہ استیپیوں کے طرز زندگی، رسم و رواج اور عوام کی ذہنیت اور عادات سے بخوبی واقف تھے۔ وہ محبت کرنےوالوں کی مسرتوں اور غموں سے بھی آشنا تھے اور نوجوان بیواؤں کے غم و آلام سے بھی۔ وہ استیپی کے مغنی شاعروں کے شاندار فن کے مداح تھے، حاجتمند مفلسوں اور بےبس اور بےسہارا کمزوروں کے درد و غم کو محسوس کرتے تھے اور طاقتوروں کی بربریت سے واقف تھے۔

قزاخ نثر اپنے ارتقا کے ابتدائی مراحل میں بڑی حد تک لوک شاعری اور خاص طور سے رزمیہ نظموں سے متاثر تھی۔ اس کے اسباب کی بہآسانی وضاحت کی جا سکتی ہے۔ قزاخ ادب پر کئی صدیوں سے شاعرانہ روایات حاوی تھیں جس کے نتیجے میں اس کا ارتقا یکطرفہ ہوا۔ اس صدی کے تیسرے دھے کے ابتدائی زمانے میں قزاخ نثر نے شرماتے لجاتے ابتدائی قدم اٹھائے تو بالکل فطری طور پر اس نے جملوں کی ساخت اور پلاٹ کی تشکیل اور ارتقا کے معاملے میں زیادہتر لوک رزمیہ نظموں سے استفادہ کیا۔ زبانی لوک آرٹ کی بنیادی خصوصیات نے صرف جملوں کی ساخت ہی پر نہیں بلکہ کرداروں کے ارتقا، اسلوب بیان اور مناظر فطرت کی عکاسی پر بھی گہری چھاپ ڈالی۔ دراصل زبان میں روایتی پرشکوہ تشبیہات کی بھرمار تھی۔

نوجوان مختار آویزوف اس فضا میں ایک عجیب و غریب مظہر تھے، ان کا جیسا کوئی دوسرا موجود نہ تھا، وہ سب سے مختلف تھے چنانچہ کچھ دنوں تک ان کی تحریروں کو قارئین کا تو خیر ذکر ہی کیا ادیبوں، شاعروں تک نے نہ سراہا۔ ۱۹۱۷ء میں جبکہ ان کی عمر بیس سال کی تھی، انھوں نے "ینلیک کیبیک" نام کا جو ڈرامہ

لکھا تھا وہ بھی جدت طرازی کا نمونہ تھا۔ سے پہلی بار چنگیزتاؤ کے دامن میں واقع ابائی گاؤں کے دو ملے ہوئے خیموں میں (ایک خیمے میں اسٹیج تھا اور دوسرے میں ناظرین) اسٹیج کیا گیا تھا۔ اور یہ پیش کش دراصل قزاخ قومی تھیٹر کا نقطہ آغاز تھی۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک آویزوف نے کثیر تعداد میں مختصر افسانے، ناولٹ اور ناول "دشوار زمانے" (۱۹۲۸ء) لکھے۔ ان دنوں ھی مصنف نے اپنے طرز بیان میں سادگی اور صفائی سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ یہ وہ صفات تھیں جنہیں بعد میں ان کے طرز تحریر کی نمایاں خصوصیت بننا تھا۔

انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ایک ایسے زمانے میں کیا جبکہ دوسرے کی نفی کرنےوالی دو دنیائیں – قدیم اور جدید معاشرتی نظام – اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے بر سر پیکار تھیں۔ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی زرد شعاعیں اور طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کی چمکیلی روشنی، دونوں قزاخ استیپی پر پڑ رھی تھیں چنانچہ معاشرتی تضادات ان برسوں میں خاص طور سے بہت شدت اختیار کر گئے اور کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ دم توڑتے ہوئے معاشرے اور جنم لیتے ہوئے معاشرے کی اس جدوجہد کی عکاسی کرنا ادب کا براہ راست فریضہ تھا اور نئی قزاخ نثر نے جو انقلابی اصلاحات کے طوفانی ایام میں پیدا ہوئی تھی، فوراً ھی اس مسئلے کی طرف توجہ مبذول کی۔ نوجوان مختار آویزوف نئے اقتدار کے نہایت ھی ثابت قدم علمبرداروں میں سے تھے اور یہ کوئی اتفاقی بات نہیں کہ ان کے ابتدائی افسانوں کی گونج ان کے ہم‌عصروں، آرمینیا کے ادیب شیروان‌زادہ، تاجکستان کے صدرالدین عینی اور لاٹویا کے اندرے اوپیت کی تخلیقات میں بھی ملتی ہے۔

قزاخ قوم کی زندگی میں جس نے سرقبیلی برادری‌والے طرز زندگی سے سوشلزم کی طرف زبردست چھلانگ لگائی تھی، جانے کتنے ھی معاشرتی، نسلی اور اخلاقی مسائل موجود تھے۔ ان دشوار مسائل کو ان کی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ پیش کرنا، سوویت قزاخ ادیبوں کی پہلی نسل کا خاص کام تھا۔ ماورائے قفقاز اور وسط ایشیا نے بھی معاشرتی ترقی کے معاملے میں ایسی ھی زبردست چھلانگیں لگائی

تھیں اور ان کے ادیبوں شاعروں کی ذمےداریاں بھی اسی نوعیت کی تھیں۔

اس زمانے میں آویزوف کی تحریریں حقیقت کی صرف تنقیدی ترجمانی ھی تک محدود نه تھیں۔ انھوں نے متعلقه معاشرتی رشتوں کی گہرائیوں میں اترکے قدیم اور جدید جو وجود میں آ رھا تھا، دونوں کی اصلی قدر و قیمت متعین کرنے کی کوشش کی۔ اس میں شک نہیں که ان کے ابتدائی افسانوں میں قنوطیت کی ایک لہر ملتی ھے۔ لیکن ان افسانوں میں بھی وہ بڑی رجائیت کے ساتھ قزاخ عوام کی طاقت کی تعریفوں کے پل باندھتے ھیں جو صدیوں کے ظلم و جبر، غلامی اور لڑائی جھگڑوں کو جھیل‌کے کچھ اس طرح ابھرے تھے که ان کے حوصلے پست نہیں ھوئے تھے اور روشنی، آزادی، علم اور ثقافت سے متعلق ان کی تشنگی برقرار تھی۔

آویزوف اپنے تمثیلی افسانے "غضبناک بھورا بھیڑیا" (۱۹۲۹ء) میں بھیڑئے کے ایک بچے کا قصه بیان کرتے ھیں جسے ایک شخص نے پکڑکے پالا تھا۔ بچه بڑا ھوکے بھیڑیا بن گیا تو بھاگ کھڑا ھوا اور اس نے قید میں رہ‌کے پیٹ بھر کھانا کھانے کے وجود پر آزادی میں بھوکے رہ‌کے آن بان کے ساتھ موت کو ترجیح دی۔

افسانے "غضبناک بھورا بھیڑیا" کو فنی قوت اور مقامی رنگ کے اعتبار سے صرف جیک لندن کے "سفید دانت" ھی سے تشبیه دی جا سکتی ھے۔ صحیح معنوں میں صاحب کمال ادیب کے پرجوش قلم سے نکلا ھوا یه افسانه قزاخ ادب کی افسانه‌نگاری میں ایک ایسی بلند چوٹی کی حیثیت رکھتا ھے جسے اب تک کوئی بھی سر نہیں کر سکا۔

مختار آویزوف نے اپنے افسانوں میں قزاخوں کی حریت‌پسند روح اور آزادی کے لئے ان کی سالہا سال کی کوششوں کو سراھا ھی نہیں بلکه وہ پہلے حقیقت‌پسند ادیب تھے جنھوں نے معاشرتی خودمختاری کے لئے اپنے عوام کی جدوجہد کی صدیوں پرانی تاریخ کی چھان بین بھی کی۔

انھوں نے ۱۹۲۰ء اور ۱۹۴۰ء کے دوران اپنی تصانیف میں استیپیوں میں طبقاتی تقسیم کے عمل اور مویشی پالنےوالے غریبوں

اپنے متعلق شعور کی بیداری اور فروغ کو تاریخی حقیقت‌نگاری کے ساتھ اجاگر کیا۔

انہوں نے اس پیچیدہ عمل کو اپنی تخلیقات میں کسی آسان کام کی طرح نہیں پیش کیا اور ان کا افسانہ "قراش قراش پر ہونے‌والا واقعہ" (۱۹۲۷ء) اس کا ایک ثبوت ہے۔ اس میں انہوں نے کسی ماہر نفسیات اور کسی تجربے‌کار ماہر عمرانیات کی دروں‌بینی کے ساتھ اس طویل اور پرخار راستے کی نشان‌دہی کی جس سے کل کے دبے اور کچلے ہوئے مزدور کو جو زندگی میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کا عزم رکھتا تھا، گزرنا پڑا۔ استیپیوں میں رہنے‌والوں کی بتدریج بیداری کے ہر مرحلے کی حقیقت کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے۔ اس طرح ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک آویزوف کے افسانوں میں عوامی شعور کی بیداری کے موضوع کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ ان میں معاشرتی حقائق سے بھرپور تصاویر نظر آتی ہیں اور بڑے بڑے معاشرتی مسائل کا تذکرہ ملتا ہے۔ ہر افسانہ ایک ایسے وسیع رزمیہ کینوس کا پیش‌خیمہ بن جاتا ہے جسے بجا طور پر عوامی زندگی کا قاموس کہا جا سکتا ہے۔ ہر افسانہ کثیر پہلو قزاخی زندگی کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، سماجی حقیقت کے بموجب منفرد اور تابناک کرداروں کی تخلیق کرتا ہے۔ ان میں انسانی غم و نشاط، محبت و نفرت، اور ترقی و تنزلی کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس طرح ان کے اندر ایک بالکل نئی، غیردریافت‌شدہ دنیا کی مسلسل تصاویر ابھرتی ہیں۔

مختار آویزوف کی تخلیقات وطن دوستانہ کارنامہ ثابت ہوئیں۔ پچاس سال قبل تک قزاخی ادب کا باقاعدہ وجود ہی نہ تھا جبکہ آج قزاخ بجا طور پر اپنے کثیر پہلو، ترقی‌یافتہ اور ترقی‌پسند ادب پر فخر کر سکتے ہیں۔ یہ صورت حال بڑی حد تک مختار آویزوف کی صلاحیتوں کی رہین منت ہے۔ اس بیان کی تصدیق کے لئے ان کا عظیم‌الشان ناول "ابھرتی ہوئی آوازیں" کافی ہے۔

ابائی کا انتقال دو صدیوں کے سنگم پر ۱۹۰۴ء میں ہوا تھا جبکہ قدامت اور جدت کے تضادات خاصے نمایاں طور پر بےنقاب ہو چکے تھے۔ اس وقت مختار آویزوف صرف سات سال کے تھے اور دنیا سے ان کی واقفیت کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا لیکن انہیں

خوش‌قسمتی سے ابائی کو زندہ دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ بعد میں انھوں نے ابائی کے کثیر تعداد دوستوں اور دشمنوں، رشتےداروں اور هم‌عصروں کے درمیان زندگی بسر کی اور انھیں مختلف حالات میں جانا پہچانا۔ انھوں نے بایوں* اور منتخب ججوں کے تلخ مباحثوں میں شرکت کی جہاں دوسری تمام باتوں سے قطع نظر، مقررین کی تعریف ان کی خوش‌بیانی، ظرافت اور حاضردماغی کی بنا پر کی جاتی تھی اور جہاں دو یا تین جرگوں کے اهم تنازعوں کے فیصلے کئے جاتے تھے۔ آویزوف مختلف مواضعات میں گھوم پھرکے لوگوں میں صلح صفائی کراتے اور ایک باز لےکے شکار کھیلنے بھی جاتے تھے۔

مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ مختار آویزوف نے صرف ان لوگوں کے درمیان زندگی هی نہیں بسر کی جو ابائی کی زندگی میں ان سے واقفیت رکھتے تھے اور خوشی خوشی ابائی کی عادات اور کردار کے متعلق باتیں کرتے تھے بلکہ زیادہ عمر ہوئی تو ابائی کے گیتوں، نظموں اور فلسفیانہ نصائح کے مفید اثرات بھی قبول کئے کیونکہ وہ چنگیزتاؤ سے قریب هی اسی گاؤں میں رہتے تھے جہاں شیکسپیئر کی تصانیف میں پائی جانےوالی عداوتوں جیسے تنازعوں کا سلسلہ غصہ گرمی کم ہوئے بغیر صدیوں تک چلتا تھا، جہاں قبائلی تصادم برابر ہوتے رہتے تھے، جہاں مسلسل تباہ‌کن چھاپے مارے جاتے تھے جن میں حملہ‌آور مویشیوں کے گلوں کو اپنے ساتھ هانک لے جاتے اور لڑکیوں کو اغوا کر لیتے تھے۔

مختار آویزوف اپنے وطن سے شدید محبت کرتے تھے اور وہ قزاخ قوم کی منفرد حیات‌پسندی، اخلاقی شان و شوکت، فیاضی، مصیبت میں همت، تحمل اور قوت برداشت کے همیشہ بےحد مداح رہے۔ انھوں نے زارشاهی نوآبادیاتی نظام کے مضر اثرات کو بھی دیکھا جو بڑے پرجوش انداز میں قبائلی تصادموں، ضمیرفروشیوں اور خاندان کے بڑے بوڑھوں کی سنگ‌دلی کی حوصلہ‌افزائی کرتا تھا۔ قومی زندگی کے ان متضاد پہلوؤں کے متعلق ان کے مشاهدات هی نے غالباً ان خاص آویزشوں

---

* بائے — معزز اور دولت‌مند شخص۔

کا تعین کیا جو ان کی تخلیقات میں مثالی حیثیت رکھتی ھیں۔ ظاھر ھے کہ آویزوف کی اولین تصانیف میں جن باتوں کا آغاز کیا گیا تھا ان کی تکمیل بھی ھونی تھی اور ان کی یہ اھم‌ترین رزمیہ داستان "ابھرتی ھوئی آوازیں" اسی تکمیل کی آئینہ‌دار ھے۔

بنیادی کردار ابائی ھی کی طرح ناول کے دوسرے اھم کردار مثلاً یربول، جیرین‌شے، بائیسال، بائےدالی، بوجیئی، تکےجان، سویوندیک، آئی‌گیریم اور اول‌جان بھی فرضی نہیں اصلی افراد تھے۔ اسی وجہ سے وہ تمام واقعات جن کا ناول میں تذکرہ آیا ھے، افسانے کی بہ‌نسبت حقیقت سے زیادہ قریب ھیں۔ بلاشبہ ھر ناول اپنے دور کی تاریخی حقیقت کا کسی نہ کسی لحاظ سے آئینہ‌دار ھوتا ھے اور کتاب جتنی زیادہ حقیقت سے قریب اور پرخلوص ھوتی ھے اتنی ھی زیادہ تاریخی حیثیت رکھتی ھے۔ اس سلسلے میں روسی مورخ وی۔ او۔ کلوچیفسکی کے اس خیال سے متفق ھوئے بغیر نہیں رھا جا سکتا کہ پشکن کے ناول "کپتان کی بیٹی" میں "پگاچوف کی بغاوت کی تاریخ" کی بہ‌نسبت زیادہ تاریخ موجود ھے۔

ھم جب زندگی کی حقیقت‌پسندانہ عکاسی کی بات کرتے ھیں تو ایک ھی حقیقت پر پہنچتے ھیں۔ ھمارے ذھنوں میں سچے واقعات اور صحیح حقائق ھوتے ھیں اور ھمیں شک بھی نہیں ھوتا کہ ان کے پیچھے ایک نسبتاً زیادہ پیچیدہ اور اھم صداقت بھی ھو سکتی ھے جو "روح انسانی کے کونوں اور شگافوں" میں روپوش رھتی ھے۔ لازمی اور بنیادی صداقت متعلقہ شخصیتوں کی نفسیات میں مضمر ھوتی ھے جن کی ان انفرادی عادات و خصائل کا ان کی زندگیوں کے ساتھ خاتمہ ھو چکا ھے لیکن ان کی نفسیات کی چھان بین کے بغیر کسی ناول میں اصل زندگی کے ان افراد کی جسمانی طور پر از سر نو تخلیق ناممکن ھوتی ھے۔

اس دشواری کے علاوہ جس سے عام طور پر لوگ واقف ھیں اور جس سے دوران تخلیق ادیبوں کو یکساں طور پر سابقہ پڑتا ھے، مختار آویزوف کو ایک اور نہایت ھی سخت قسم کی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، ایک ایسی دشواری کا جو صرف قزاخ ادیبوں ھی کو پیش آتی ھے۔

منگول حملے سے قبل، قزاخوں کو قدیم تہذیب‌والی قوم تصور

کیا جاتا تھا اور ان کے اوترار جیسے شہروں سے اہل یورپ بخوبی واقف تھے۔ اوترار خاص طور سے قزاخوں کا (جنہیں زمانہ قدیم میں "قپ‌چاق" کہا جاتا تھا) پھولتا پھلتا ثقافتی مرکز تھا جہاں رصدگاہ، کتب‌خانے، مدرسہ اور ایسی کارواں‌سرائے موجود تھی جس میں دور دراز کے امیر تاجر قیام کیا کرتے تھے۔ یہ پہلا استیپی شہر تھا جس نے چنگیزخان کے گروہوں کا جو مشرق سے ابر سیاہ کی طرح زمین پر پھیلتے جا رہے تھے، مقابلہ کیا اور اپنی کوشش کی بنا پر صفحۂ ارض سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔

اس شکست کے بعد قزاخ جن کا خاص پیشہ مویشی پالنا تھا، استیپی میں دور دور تک اس طرح پھیل گئے جس طرح بقول آویزوف "ایک وسیع دسترخوان پر کسی کنجوس عورت نے چند سنبوسے ادھر ادھر رکھ دئے ہوں"۔ اس کے بعد سے آویزوف کے الفاظ میں "یہ سنسان وسیع و عریض علاقہ غریب زبوں‌حال قزاخ عوام کا وطن بنا ہوا ہے۔ زبردست ریگستان میں اکا دکا مواضعات کھوئے ہوئے سے ہیں۔ اور یہ صورت ہر اس جگہ ہے جہاں قزاخ آباد ہیں... چاروں طرف تنہائی اور ویرانی کا دور دورہ ہے۔ نہ مستقل رہائشی بستیاں ہیں، نہ زندگی کی چہل پہل سے معمور شہر..." آویزوف نے اپنے عوام کے ماضی بعید کو اپنا موضوع بنایا تو ان کے لئے پہلی دشواری یہ تھی کہ کسی بھی طرح کی تاریخی دستاویزات یا روزنامچے موجود نہ تھے۔ اوترار کی تباھی و بربادی کے بعد نہ لائبریریاں تھیں، نہ تاریخی دستاویزات کے محافظ‌خانے جہاں سے عوام کی سابق زندگی کے متعلق تحریری معلومات حاصل ہوتیں۔

آویزوف نے تاریخ کے رازوں کا بڑے صبر اور مستقل‌مزاجی سے سراغ لگایا۔ کبھی وہ اپنی پیش‌رو شخصیتوں کے فراہم‌کردہ ثبوت کی چھان بین کرتے، کبھی قدیم مغنی شاعروں کے گیتوں میں موجود واقعات و حقائق کے متعلق اکا دکا معلومات کو یکجا کرتے اور کبھی انہیں اتفاقاً کوئی نہایت ھی اہم بات معلوم ہو جاتی جو عوام کی یاد داشت میں محفوظ رہ گئی تھی۔ اس طرح وہ ماضی کی دنیا میں دور تک اندر گھستے چلے گئے۔ انہوں نے اپنی کوششوں کے متعلق لکھا تھا: "اس ناول کے لئے مواد یکجا کرنے کے سلسلے میں میرے کام کی مثال اس راہ‌گیر کی کوشش جیسی ہے جو کسی ایسی جگہ پر

بہت تاخیر سے پہنچنے کے بعد جہاں سے کارواں کو آگے بڑھے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہو، راکھ میں دبی ہوئی واحد چنگاری کو پھونکیں مار مارکے چمکیلے الاؤ میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مجھے ابائی کے ماضی کے تانے بانے ان یادداشتوں کی مدد سے از سر نو بننے پڑے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دھندلی پڑ چکی ہیں۔ ساٹھ سالہ آئی‌گیریم کے چہرے کو دیکھ‌کر اس کے شباب کی تصویر کھینچنی تھی، اس حسن کی رعنائیوں کو پیش کرنا تھا جس پر کبھی شاعر دل و جان سے فریفتہ ہوا تھا۔"

آویزوف ساری زندگی ابائی کا مطالعہ کرتے رہے لیکن محض اسی خیال سے نہیں کہ مستقبل میں وہ انہیں اپنے ناولوں اور ڈراموں کا ہیرو بنائیں گے۔ ابائی کے متعلق خالص تحقیقی نوعیت کے کام کے سلسلے میں بھی انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور ان کی زندگی اور تخلیقات پر متعدد طویل مقالات سپرد قلم کئے۔ یہی نہیں، انہوں نے ابائی کے مطالعے کا ایک مخصوص نصاب بھی یونیورسٹی کے پروگرام میں شامل کرایا۔

وہ ان ادیبوں میں سے تھے جو اپنے سخت‌ترین ناقد خود ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہیں قزاخوں کے ایسے دشوار اور سنگین رزمیے کی تخلیق شروع کرنے سے قبل پوری طرح یقین کر لینے کی ضرورت تھی کہ ابائی کے متعلق تمام ضروری معلومات انہیں حاصل ہو چکی ہیں۔ اس موضوع پر ان کی معلومات غالباً حرف آخر کا درجہ رکھتی تھیں پھر بھی انہوں نے فوری طور پر اس ناول پر کام نہ شروع کیا۔ پشکن کی صد سالہ سالگرہ کے موقعے پر انہوں نے اپنے آئندہ ناول کا ایک باب "تاتیانا کے گیت استیپیوں میں" کے عنوان سے شائع کیا گویا وہ اس معاملے میں ایک بار اور اپنی قوت آزمانا چاہتے ہوں۔

ہم اولین قزاخ رزمیے کی تخلیق کے کرب و اضطراب سے بھرے ہوئے عمل کا تصور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ آویزوف نے صرف اس وقت قلم اٹھایا جبکہ رومین رولاں کے الفاظ میں انہیں "تمام خاص کرداروں سے، نہایت ہی مثالی حیثیت رکھنےوالی ایک ایک شخصیت سے، مکمل روحانی ہم‌آہنگی حاصل ہو چکی تھی"۔ کرداروں اور شخصیتوں کی اندرونی دنیا سے اس نوعیت کی مکمل واقفیت کے بغیر، دنیا کے بارے میں انہی کرداروں جیسے انداز فکر کے حقیقی

حصول کے بغیر کوئی ادیب، کسی قوم کی تاریخ کے نہایت ہی متضاد اور پیچیدہ زمانوں میں اس کے روحانی، اخلاقی، فلسفیانہ اور معاشرتی جوہر کی تہ تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔

مختار آویزوف کی خدمات کلاسیکی کرداروں کی تخلیق ہی تک محدود نہیں تھیں۔ انہوں نے عوام کی دشوار زندگی کے ایک پورے عہد کو پھر سے زندہ کر دیا۔ ان کے اس ناول کی بدولت ابائی کے عہد کی تصاویر جو دھندلی پڑ چکی تھیں اور جنہیں لوگ فراموش کرچکے تھے، از سر نو زندہ ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام اس ادیب کے شکرگزار ہیں جس نے اپنے وسیع کینوس پر رسم و رواج، عقائد، اخلاقی ضوابط، مذہب اور نظام عدل غرضیکہ زندگی کی تمام تفصیلات پیش کر دیں۔ اکادیمیشین قانیش ستپائیف نے آویزوف کے اس ناول کو "انیسویں صدی کے آخری نصف حصے میں قزاخ قوم کی ہمہ‌پہلو زندگی کی ایک انسائیکلوپیڈیا" قرار دیا ہے۔ اور واقعی یہ ناول ہے بھی ایسا ہی۔ کتاب کے واضح ادبی محاسن سے قطع نظر، اس میں علمی معلومات کی ایک دنیا آباد ہے جو عام قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہے اور جس سے انیسویں صدی کے نصف میں قزاخ قوم کی تاریخ، معیشت، علم‌الاقوام اور فلسفۂ قانون کی چھان بین کرنےوالے محققین کو مدد ملتی ہے۔

اپنے افکار و خیالات اور تخلیقات کے اعتبار سے مختار آویزوف صحیح معنوں میں انسانیت دوست اور بین‌الاقوامیت‌پسند ادیب تھے۔ روشن‌خیالی کے نہایت ہی باصلاحیت اور بہترین تعلیم‌یافتہ قزاخ علمبرداران چوقان، ابرائی اور ابائی ہمیشہ ہی قوموں کے درمیان دوستی کی حمایت کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ انیسویں صدی کے آغاز میں ہی سمجھنے لگے تھے کہ روسی عوام کے ساتھ حقیقی دوستی کے بغیر قزاخوں کو یورپی تہذیب وتمدن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

سیدھے سادے عوام میں بھی علم و حرفت کے حصول کا رجحان موجود تھا۔ گہری تحقیق سے کام لیا جائے تو بہ‌آسانی پتہ چل جائےگا کہ روسیوں اور قزاخوں کی دوستی کی جڑیں بہت پرانی ہیں۔ یوں تو شاعر اول‌جاس سلیمانوف نے قزاخستان کو "روسی مملکت کے نقشے پر قید بامشقت کا ایک بہت بڑا جیل" کہا تھا لیکن اس زمانے

میں بھی ترقی‌پسند روسی دانش‌وروں نے ان دور دراز واقع استیپیوں تک دوستی کی ابتدائی راهیں هموار کر دی تھیں۔

جلاوطن فیودور دستوئیفسکی سے لےکر مختلف زمانوں میں جلاوطن کئے جانےوالے مارکسیوں تک، زارشاهی استبدادیت کے شکار، بیمار اور کمزور قیدیوں کا وسط روس سے قزاخستان میں تانتا سا بندھا رها۔ یه لوگ قزاخی نهیں بولتے تھے اور قزاخیوں کو ذرا بھی روسی نهیں آتی تھی لیکن عام لوگوں کے دل دوستی کے لئے کھلے هوئے تھے۔ قزاخوں نے ان سوکھے سمٹے دڑھیل جلاوطنوں سے نفرت نهیں کی۔ بحیرہ آرال کے ساحلی علاقوں کے مویشی پالنےوالے لوگ تاراس شیوچینکو کو "آقین ترازی" – "انصاف کا شاعر" کها کرتے تھے اور چوقان ولی‌خانوف نے ایک دوسرے جلاوطن فیودور دستوئیفسکی سے دوستی کر لی تھی۔ ان کے درمیان باقاعدگی سے خط و کتابت هوتی تھی اور اس عظیم روسی ادیب نے ولی‌خانوف کو مشورہ دیا تھا که وہ "اپنے عوام کے لئے روشن‌خیال شافع بنیں"۔

یوگینی میخائیلس جنهیں مشتبه سیاسی خیالات کی بنا پر جلاوطن کرکے قزاخستان بھیجا گیا تھا، ابائی کے قریبی دوست تھے اور متعدد بار ان کے گاؤں آکر ان کے مهمان هوئے۔ ان دونوں ترقی‌پسند افراد کی دوستی نے جس کا سلسله کئی برسوں تک جاری رها، قزاخ عوام کی تهذیبی تاریخ پر بعض اثرات ڈالے۔

میخائیلس نے ابائی کو روسی ثقافت و ادب سے متعارف کرایا۔ انهی کے مشورے سے ابائی رسالے "سوورےمینک" کے باقاعدہ قاری بنے اور بعد میں فلسفیوں اور روسی اور یورپی کلاسیکی مصنفین کی کتابوں کے مطالعے سے انهیں گهری دلچسپی پیدا هو گئی۔

مشهور امریکی سیاح اور اخبارنویس جارج کینان نے ابائی کا تذکرہ بڑے ستائشی انداز میں کیا هے۔ انهوں نے لکھا هے: "مجھے بتایا گیا تھا که ایک سن‌رسیدہ قزاخ جن کا نام ابراهیم قونان‌بائیف هے، اکثر لائبریری میں آکے مل، بوکل اور ڈریپر وغیرہ کی تصانیف کا مطالعه کرتے هیں۔ انهوں نے پهلی هی ملاقات میں مجھ سے استقرا اور استنباط کے متعلق دریافت کرکے مجھے متحیر کر دیا۔ پته چلا که ابائی کو انگریز اور مغربی یورپی فلسفیوں سے گهری دلچسپی تھی۔ ایک بار هماری بات‌چیت کا رخ ڈریپر کی کتاب "یورپ کے فکری

ارتقا کی تاریخ" کی طرف مڑ گیا تو انہوں نے اس موضوع سے بہت گہری واقفیت کا مظاہرہ کیا۔"

ابائی نے پشکن، لیرمونتوف، کریلوف اور گیٹے کی تخلیقات کے بڑے کامیاب ترجمے کئے۔ انہوں نے گیٹے کی نظم "پہاڑی چوٹیاں" اور پشکن کی نظم "یوگینی اونیگن" سے تاتیانا کے نام اونیگن کے خط کے لئے موسیقی کی دھنیں بھی ترتیب دیں۔

ابائی نے ساری زندگی احسان‌مندی کے جذبے کے ساتھ اپنے روسی دوست میخائیلس کو یاد رکھا جو ایک روز ان کا ھاتھ پکڑکے ایک پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے اور وھاں سے انہیں ھر زمانے کی تمام قوموں کی بستیاں دکھائیں اور انہیں سمجھایا که دراصل تمام لوگ ایک دوسرے کے رشتےدار ھیں چاھے وہ ایک دوسرے سے دور ھی کیوں نه رھتے ھوں۔ اسی وجه سے ابائی اپنے متعلق یه کہه سکے: "مجھے خوشی ھے که میں محض ایک قزاخ کا بیٹا نہیں بلکه ساری انسانیت کا بھی بیٹا ھوں"۔

اس کے پچاس سال بعد مختار آویزوف نے اپنی اس اھم‌ترین تصنیف پر قلم اٹھایا تو ابائی اور میخائیلوف (جو اصلی زندگی میں میخائیلس تھے) کی دوستی کو ھی اپنے ایک خاص موضوع کی حیثیت سے منتخب کیا کیونکه انسانیت‌دوست آویزوف نیک مقاصد کے بین‌الاقوامی انضمام کی زبردست اھمیت سے بخوبی واقف تھے۔

مختار آویزوف کی تصانیف سوویت کثیر قومی ادب کی کتاب میں نہایت ھی رنگا رنگ اور نرالے صفحات کی حیثیت رکھتی ھیں۔ جہاں تک قزاخوں کا تعلق ھے ان کے لئے وہ ادیب سے بڑے مرتبے کے مالک ھیں کیونکه قوم کے فکری احیا میں انہوں نے جو کردار ادا کیا ھے اس کی بنا پر انہیں محض ادبی شہرت ھی نہیں اور بھی بہت کچھ حاصل ھوا ھے۔

اور اب جبکه موت نے اس صحیح معنوں میں عظیم ادیب کو ھم سے چھین لیا ھے، ھمارے لئے معروضی طور پر اور بالکل ٹھیک ٹھیک اپنے ادب اور اپنی اخلاقی زندگی میں ان کے مقام کا تعین کرنا دشوار ثابت ھو رھا ھے۔ اس کا سبب شاید یه ھے که وہ اب بھی ھم میں سے ھر ایک کے اندر بہت زیادہ زندہ ھیں۔ یہی نہیں، وہ ھماری حواصله‌افزائی اور حمایت بھی کر رھے ھیں۔ ھم اب بھی ان کی

زبردست پرکشش شخصیت کے اثرات کے سائے میں زندگی بسر کر رھے ھیں اور ھم دنیا کو ان کی نگاھوں سے دیکھنے کی کوشش کرتے ھیں۔

قزاخ تحریری ادب کی پوری تاریخ مختار آویزوف کے نام سے وابستہ ھے۔ اور ان کے وسیع تجربات ایسے فیاض وسائل کی حیثیت رکھتے ھیں جن سے قزاخ ادیب استفادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ھر ادیب خود اپنے الگ انداز سے ان کا شاگرد ھے۔

قزاخ عوام جو عالمی تہذیب سے بالکل الگ تھلگ تاریکی اور غلامی کے دوھرے جوئے کے شکنجے میں جکڑے ھوئے تھے، صدیوں تک اپنی فہم و دانش کو فروغ دیتے رھے، اپنی زبان کو سنوارتے نکھارتے رھے، اس کے جاوداں الفاظ کو سونے کے قیمتی ذرات کی طرح یکجا اور محفوظ کرتے رھے۔ اور آخرکار کئی صدیوں بعد سوویت عہد میں اس قوم نے اپنے روشن‌خیال بیٹے کے ھاتھوں سے اس ساری دولت کو باھر نکال‌کے مہذب دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

بڑی آسانی کے ساتھ کہا جا سکتا ھے کہ یہ آویزوف ھی تھے جنھوں نے قزاخ ادب کو اعلاترین جدید سطح پر پہنچایا۔ ان کی تحریروں اور خیالات کی عوام بےحد قدر کرتے ھیں جن کی آن بان بڑھانے کے لئے انھوں نے کسی بھی دوسرے قزاخ کی بہ‌نسبت زیادہ خدمات انجام دی ھیں۔ کوئی بھی شخص جو خود کو آویزوف کا شاگرد کہنے کی جرأت کرتا ھے، اسے اس ادیب کی یاد کے سلسلے میں اور اپنے عہد کے سلسلے میں اپنی ذمےداریوں کا پوری طرح احساس ھونا چاھئے۔ اب آگے بڑھنے کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ھے کہ آویزوف کی بےکراں محبت، ان کی ثقافت اور ان کی زبان کو اپنایا جائے۔

آویزوف نے اپنی تخلیقات میں آسان راھوں کی تلاش نہیں کی۔ وہ جدید انسان کی تصویر اس کے کام، روزمرہ زندگی، جد و جہد اور پیچیدہ رشتوں کے پس‌منظر میں پیش کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسے حقیقی ھیرو کی تخلیق ان کی تخلیقی کاوشوں کا لب لباب بن گئی جو اپنے عہد کے متعلق ذمےدارانہ خیالات رکھتا ھو۔

زیرنظر ناول کو مکمل کرنے کے فوراً ھی بعد انھوں نے اپنے نئے ناول "نئی نسل" (۱۹۶۱ء) پر کام شروع کر دیا جسے ان کا آخری

ناول ھونا تھا۔ اس کے لئے مواد اکٹھا کرنے کے سلسلے میں انھوں نے سن‌رسیدگی کے باوجود مواضعات کا دورہ کیا، جنوبی قزاخستان کے بہت ھی دور دراز اور الگ تھلگ واقع مقامات پر گئے۔ کہیں صرف رات بھر قیام کرتے اور کہیں چند دنوں تک۔ علالت کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ قلم اور ڈائری لےکر لوگوں کی باتیں درج کرتے رہتے تھے...

ایک بار انھوں نے ایک بڑے اجتماعی فارم کے چرواھوں سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات گاؤں کے عقب میں ایک ٹیلے پر ھوئی۔ چرواھے اپنے محبوب ادیب کے انتظار میں بیٹھے ھوئے تھے۔ انھوں نے زیادہ انتظار نہ کرایا اور اپنے تھکے ھوئے چہرے پر تابناک مسکراھٹ بکھیرتے ھوئے وھاں پہنچ گئے اور دائیں بائیں سر ھلا ھلاکے چرواھوں کے سلام کا جواب دیا۔ وہ حلقے کے بیچ میں بچھے ھوئے قالین تک پہنچے اور خالص مشرقی انداز میں دوزانو بیٹھ گئے۔ پھر انھوں نے اپنی محبت بھری نگاھوں سے مجمعے کا سرسری جائزہ لیا اور اپنے معمول کے مطابق ھلکی سی کھانسی لینے کے بعد کہا:

"میرے لوگو! میرا دانش‌وروں جیسا گنجا سر بہت ممکن ھے مجھے آپ سے مختلف ثابت کر رھا ھو لیکن یقین مانئے کہ دوسری تمام باتوں میں، اپنے خیالوں اور ارادوں میں بالکل آپ ھی جیسا ھوں، آپ ھی میں سے ایک ھوں!"

اور واقعی اس جگہ پر وہ بالکل مختلف شخص معلوم ھو رھے تھے، اس آویزوف سے جسے ھم زندگی بھر سے جانتے تھے، یورپی تعلیم و تربیت‌والے مہذب دانش‌ور سے بہت ھی‌کم مشابہ تھے۔ اس وقت وہ زمانۂ قدیم کے کسی ایسے مشرقی عاقل جیسے زیادہ معلوم ھو رھے تھے جس نے اپنی ساری زندگی انھی سیدھے سادے ایماندار لوگوں کے درمیان بسر کی ھو۔

بنی نوع انسان کو ایسے بہت سے کارنامے یاد ھیں جو ان اچھی مثالوں کی حیثیت رکھتے ھیں جن کی آنےوالی نسلوں کو پیروی کرنی چاھئے۔ بہت ممکن ھے پھولتے پھلتے شہر حملہ‌آوروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے آکر تباہ و برباد ھو جائیں۔ بہت ممکن ھے زبانیں بہیمانہ معاشرتی حالات کے دباؤ سے ایک دوسرے سے مل جائیں یا اس طرح غائب ھوں کہ سراغ تک نہ ملے اور وہ کسی دوسری، نسبتاً

زیادہ طاقتور قوم کی زبان میں جذب ہوکے رہ جائیں۔ یہ سب کچھ ممکن ہے لیکن غیرمعمولی انسانی ذهانت کے کارناموں کی یاد عوام کے ذهنوں میں کبھی بھی دھندلی نہ پڑےگی۔ یہ کارنامے کہکشاں کی طرح تاریخ انسانی میں وقت کی خلا سے دنیا پر نور بکھیرتے رہیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ جب مہیلان دنیا کے نئے خطے دریافت کر رہا تھا اور جب سن‌رسیدہ هلیلے دهشت‌ناک اذیتوں اور موت کی دھمکیوں کے باوجود بار بار کہے جا رہا تھا: "زمین گھومتی ہے" تو اس وقت جو عظیم قوتیں ان کی هم‌سفر تهیں اور جو علم و ادب کے حقیقی صاحبان کمال کا ساتھ دیتی هیں ان کے نام هیں: **محنت، برداشت** اور **ثابت‌قدمی**۔

کوئی ادیب کسی دشوار راستے پر گامزن ہوتا اور اپنے لئے مشکل مقدر کا انتخاب کرتا ہے تو اسے طاقتور اور جرأت‌مند ہونا چاهئے، منزل یقیناً اس کے قدم چومےگی۔ مختار آویزوف نے همیں یہی سکھایا ہے، ان سب کو یہی سکھایا ہے جنہوں نے اپنے لئے ادیب کا مقدر منتخب کیا ہے اور جو انسانیت کے سارے درد، غصے، مسرت، جوش، جسارت اور خوابوں کو کندھوں پر اٹھاکے پرخار راستے پر بلندیوں کی طرف گامزن ہونے کو تیار هیں۔

اے۔ نورپیئسوف

پہلا حصہ

واپسی

۱

لڑکا گھر پہنچنے کو بری طرح بےتاب اور اپنے سفر کے تیسرے دن کو آخری دن بنانے کے لئے کچھ بھی کر گزرنے پر آمادہ تھا۔ اس نے اپنے رشتےدار بائےتاس کو جو اسے شہر سے لے جانے کے لئے آیا تھا، علیالصباح ہی بیدار کر دیا تھا۔ اس کی خوشامد کی تھی کہ دن طلوع ہونے کی ابتدائی علامات کے ساتھ ہی روانہ ہو جانا چاہئے اور اب اپنے گھوڑے کو مسلسل ایڑ لگائے جا رہا تھا تاکہ پیکان کی پرواز کے فاصلے بھر، اپنے ساتھیوں سے آگے رہے۔

"قبیلے کے پڑاؤ پر واپس پہنچنے کے لئے کتنی بےصبری دکھا رہا ہے!" بائےتاس اور معمر جمعہبائے بار بار کہے جا رہے تھے۔

"بےچارہ لڑکا! ساری سردیاں مدرسے* میں گزارتے گزارتے اکتاہٹ سے مرا جا رہا ہوگا!"

اور وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو زیادہ تیزی سے دوڑنے پر اکسائے چلے جا رہے تھے تاکہ لڑکے تک پہنچ جائیں۔ جمعہبائے پرانے ہتھیار سیاہ شوقپار** کو اپنے گھٹنے کے نیچے دبائے ہوئے تھا جبکہ بائےتاس برچ کی لکڑی کے لمبے سوئیل*** کو اپنے بوٹ کی نوک سے اس کی جگہ پر روکے ہوئے تھا۔ تقیربلاق میں واقع درختوں کے جھنڈ قریب

---

* مدرسہ — مسلمانوں کی مذہبی درسگاہ۔

** شوقپار — ہتھیار کے طور پر استعمال ہونےوالا ڈنڈا۔

*** سوئیل — لمبی بلی جس میں گھوڑوں کو پکڑنے کے لئے حلقہ لگا ہوتا تھا اور جسے گھڑسوار لڑائی میں بھی استعمال کیا کرتے تھے۔

آ گئے تو بائےتاس نے سوچا کہ لڑکے کو اب اس کی اس تندی و تیزی پر ٹوکنا بہتر ہوگا۔

"دیکھو اس طرح اکیلے گھوڑا دوڑاتے ہوئے نہ بڑھو" اس نے پکارکے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یسیم‌بائے تنگ گھاٹی میں رہزن موجود ہوں!"

"اور ہو سکتا ہے کہ ٹھیک اس لمحے بھی ان کی نظریں تمہارے اوپر جمی ہوئی ہوں" جمعہ‌بائے نے اضافہ کیا۔ "شاید وہ لوگ کہہ رہے ہوں "اکیلے گھڑسواری کرتے ہوئے اس بہادر کو تو دیکھو!" وہ لوگ ٹھیک تمہارے سر پر وار کریں گے۔"

"اور آپ؟ آخر آپ لوگ کس مرض کی دوا ہیں؟"

"ہم لوگ کر ہی کیا سکتے ہیں؟ ہم دو ہی آدمی تو ہیں۔"

"اور رہزنوں کا تو گروہ ہوگا" جمعہ‌بائے نے اتفاق رائے کیا۔ "ان لوگوں نے غلطی سے ہمیں اپنے قبیلے کے افراد تصور کر لیا تب تو خیر بچ نکلیں گے ورنہ ناخوشگوار صورت‌حال پیدا ہو جائے گی!" اس نے کم‌سن لڑکے کو خوف‌زدہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سرزنش کی۔

لیکن خطرے کی اس آگاہی کا اس پر خاک بھی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا۔

"اگر آپ ویسے بھی کچھ کر نہ پائیں گے تو اس سے تو اچھا ہے کہ میں اکیلا ہی رہوں۔ یہ لیجئے، میں تو چلا!"

وہ اپنے گھوڑے کو چابک پر چابک رسید کرتا ایک بار بھی مڑکے دیکھے بغیر، تیزی سے آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ یسیم‌بائے تنگ گھاٹی میں پہنچ گیا۔

سفر کے ابتدائی دو دنوں میں اس کے بڑوں نے اپنی کاہلی سے اسے مسلسل اشتعال دلایا تھا اور اب آخری دن ان دونوں کو اس طرح عجلت سے دوڑانے کا موقع میسر ہو گیا تھا تو وہ بےحد خوش تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اب تو قبیلے کے پڑاؤ تک وہ یونہی، ان دونوں سے کافی آگے چلتا ہوا سفر کرےگا۔

وہ ان دونوں کی نگاہوں سے تقریباً اوجھل ہو جانے کے باوجود گھوڑے کو سرپٹ دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ علاقہ سخت ناہموار قسم کا تھا، ہر طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں تھیں، ٹیلے ہی ٹیلے۔ مختلف

قبیلوں نے اپنے پڑاؤ چنگیز کوهساروں پر منتقل کر دئے تھے اس لئے سارا خطه سنسان پڑا هوا تھا۔ پہاڑیوں کے اوپر سے سڑک بہت نمایاں طور پر نظر آتی تھی اور گھاٹیاں اور درے، اچانک حمله کرنےوالوں کے چھپنے کے لئے بہت موزوں تھے۔

"آخر اسے خوف کیوں نہیں محسوس هو رها هے؟ اس کی عقل ماری گئی هے کیا؟" بائےتاس نے سرزنش کرنےوالے انداز میں اپنا سر هلایا۔

جمعهبائے بھی لڑکے کو یوں تیزی دکھانے سے باز نہیں رکھ سکا تھا اور اس نے فوراً هی بائےتاس کے تبصرے سے اتفاق رائے کیا:

"ارے بالکل اپنے باپ پر پڑا هے! اس کے طور طریقوں سے صاف ظاهر هوتا هے که بوڑھے بھیڑئے کا سچا بیٹا هے! اب هم لوگ رفتار تیز کرکے اس کے ساتھ ساتھ چلنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے رهے، کبھی ایک آگے نکل جاتا تھا کبھی دوسرا۔ بائےتاس، خود قونانبائے کے استعمال میں رهنےوالے سیاه ایال کے برقرفتار گھوڑے پر سوار تھا اور جمعهبائے اپنے مالک کے دوسرے گھوڑوں میں سے نائےمانکوک نامی ایک گھوڑے پر جو برف جیسا سفید تھا۔ دونوں ایک درے کو پار کرکے دوسرے کی طرف بڑھے اور بلند هوتے هوئے راستے سے ایک ایسی چوٹی پر جو دونوں جانب ڈھلواں تھی، پہنچے تو انهیں پته چلا که لڑکا کہیں نظر هی نہیں آ رها هے۔ انهوں نے نشیبی وادی کی طرف اترنا شروع هی کیا تھا که جمعهبائے کو اچانک گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں جو یسیمبائے درے کی طرف سے شاید خود تنگ گھاٹی هی سے آ رهی تھیں جو اس سے بھی زیاده خطرناک بات تھی!

جمعهبائے کا خوف کے مارے برا حال هو گیا۔ "شیطانوں کو ڈھیل مل گئی هے! انهوں نے لڑکے کو هلاک کر ڈالا" اس نے سوچا۔ "اور اب همارے پیچھے پڑے هیں" اس نے گھوڑے پر اندهادهند کوڑے برساتے هوئے اور بھی تیزی سے دوڑانا شروع کر دیا۔ جہاں تک مڑکے پیچھے دیکھنے کا سوال تھا اس کی همت هی نہیں پڑ رهی تھی۔ اتنے میں اچانک کسی گرجدار آواز نے حکم دیا:

"اپنی آنکھیں بند کر لو!"

جمعہ‌بائے نے مڑکے دیکھا لیکن اس کے تعاقب کرنے‌والے کا چہرہ تو رومال سے ڈھکا ہوا تھا، بالکل اس انداز میں جس سے مقامی لٹیرے دن دھاڑے حملہ کرتے وقت اپنے چہروں کو ڈھک لیا کرتے تھے۔ بائےتاس تیزی سے گھوڑا دوڑاتا آگے نکل گیا تھا اور اب جمعہ‌بائے اکیلا رہ گیا تھا... "میں اس سے نپٹ لوں‌گا" اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے گھٹنوں کے نیچے دبے شوق‌پار کو مضبوطی سے تھام لیا۔ "لیکن پہلے اسی نے اپنے شوق‌پار سے میرے سر پر ضرب لگا دی تو کیا ہوگا؟" اچانک یہ ہولناک خیال اس کے ذہن میں گونج اٹھا اور اس نے اس ضرب سے بچنے کے لئے اپنا سر گھوڑے کی گردن سے لگا دیا۔

اجنبی نے اسے دوبارہ شوق‌پار کو پکڑنے کی مہلت ہی نہ دی۔ وہ جھپٹ‌کے اس کے پاس پہنچا اور بوڑھے کی چوڑے چھجے‌والی سیاہ ٹوپی کو گھسیٹ‌کے اس سے آنکھیں ڈھک دیں۔ جمعہ‌بائے کو سر اوپر اٹھاتے خوف محسوس ہو رہا تھا، اپنے حریف سے گتھم گتھا ہو جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی اور فرار ہو جانے کی کوشش کے لئے بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ اتنے میں لٹیرے نے اس کے گھٹنے کے نیچے سے اس کے شوق‌پار کو الگ کھینچ لیا مگر اسی لمحے اس کا گھوڑا نائےمان‌کوک کچھ یوں اچانک ٹھہر گیا جیسے اس کے سامنے کوئی رکاوٹ آن کھڑی ہوئی ہو۔ جمعہ‌بائے احتیاط کے ساتھ سیدھا ہوکے بیٹھ گیا اور اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ٹوپی کو آنکھوں پر سے پیچھے کھسکایا۔

کہیں وہ فریب نظرکا شکار تو نہیں ہو گیا تھا؟ گھوڑے پر بیٹھا ہوا لڑکا اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ تو یہ تھا وہ حملہ‌آور جس نے اس کا ہتھیار چھین لیا تھا، اس کے گھوڑے کو روک لیا تھا اور اب ہنسی ضبط کرنے سے بےدم ہوا جا رہا تھا۔ اب تو نگاہوں کے دھوکا کھانے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا تھا: یہ ابائی ہی تھا، "قونان‌بائے کا بھیڑیا بچہ"۔

جمعہ‌بائے نے جو کم‌سن لڑکے سے بری طرح خوف زدہ ہو جانے کے باعث سخت برہم بھی تھا اور شرمندہ بھی، چبھتے ہوئے انداز میں کہا:

"ارے بیٹے، اس طرح کے عملی مذاقوں سے تو تم محض مصیبت

مول لے رهے هو اور کچھ بھی نہیں! اور ان کے لئے جگه بھی کون‌سی منتخب کی هے! ایسی جگه جو رهزنوں کا اڈه هے۔“

لڑکے کا سانولا چهره هنسی ضبط کرنے کی کوشش سے سرخ و سفید هو رها تھا۔ وه سر جھکاکے اپنی ٹوپی درست کرنے لگا۔ کسی سچ مچ کے رهزن کی طرح اس نے اپنی ٹوپی اوندھی کرکے پہن رکھی تھی اور اسے جمعه‌بائے تک پہنچ‌کے بدلی هوئی آواز میں اسے للکارنے میں ذرا بھی دقت نہیں محسوس هوئی تھی۔

بائےتاس مڑکے گھوڑا دوڑاتا هوا ان دونوں کے پاس آ گیا لیکن یه کہنا مشکل تھا که وه خوف‌زده هوا تھا که نہیں۔ بهرحال جب اسے پته چلا که هوا کیا تھا تو وه هنس پڑا اور ایسا لگا جیسے وه اس مذاق سے لطف‌اندوز هو رها هو۔

”اور ذرا یه تو دیکھو، اس نے اپنے لاکھی گھوڑے کی وه حگه تک ڈھک دی تھی جہاں بال نہیں هیں!“

جمعه‌بائے نے نظریں دوڑائیں۔ واقعی لڑکے کے گھوڑے کی آنکھوں کے اوپروالے نشان پر گیلی مٹی پوت دی گئی تھی۔ لیکن بوڑھا جو احترام کی نگاهوں سے دیکھے جانے کا عادی تھا، یه نہیں برداشت کر سکتا تھا که وه کسی مذاق کا مرکز بن‌کے ره جائے۔ چنانچه اس نے اس قصے کو هنسی میں ٹال دینے کی کوشش کی۔

”عجب ننھا شیطان هے یه بھی۔ بالکل اپنے باپ جیسا!“ اس نے زبردستی مسکراتے هوئے کہا۔ ”یه کوئی حیرت کی بات تھوڑی هے که کیریئی اور اوواق قبائل همیشه شکایت کیا کرتے هیں که سارے کے سارے توبیق‌تی* قبائلی، چور اور لٹیرے هیں۔ اب اگر یه کل

---

* توبیق‌تی — وسطی جوز (وسطی اوردہ) کے قزاخوں کا ایک بہت بڑا قبیله جس کے افراد موجوده ضلع سیمی‌پالاتنسک کے جنوبی حصوں اور چنگیز سلسله کوه اور اس کے شمال میں واقع استیپی کے تمام علاقوں میں آباد تھے۔ اس کے پڑوسیوں میں جنوب میں کیرئیی قبیله، شمال میں اوواق قبیله، مشرق میں سیبان قبیله اور مغرب میں قراکیسیک قبیله شامل تھے۔ توبیق‌تی قبیله متعدد جرگوں پر مشتمل تھا جن میں سے ارغیزبائے، جیگی‌تیک، بوکین‌شی، نورغئی، توپائے، قرابانر اور کوک‌شے وغیره جرگوں کا اس ناول میں تذکره آیا هے۔ ابائی ارغیزبائے جرگے سے تعلق رکھتا تھا۔

Республикасының
Ұл… №
92937
…ка
…публики Казахстан. Инв. №

کا چھوکرا تک رہزنی کی تمام چالوں سے واقف ہے تو ظاہر ہے کہ اس الزام میں صداقت بھی ہو سکتی ہے!"

ابائی بخوبی واقف تھا کہ اس کا باپ بوڑھے کی بہت عزت کرتا ہے۔ اسے جمعہ‌بائے کے شہر آنے کا مقصد بالکل ٹھیک ٹھیک تو نہیں معلوم تھا لیکن اپنے دونوں ساتھیوں کی گفتگو کے مختلف ٹکڑوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ بوڑھے کو خود قونان‌بائے نے کوئی اہم کام سپرد کیا تھا۔ اس نے ہنسنا بند کر دیا اور اپنے گھوڑے کو جمعہ‌بائے سے کچھ اور قریب لے آیا۔

"دراصل سفر خاصا طویل ہے اور میں نے یونہی وقت کاٹنے کے لئے یہ مذاق کیا تھا۔ مجھے معاف کر دیجئے چچا جمعہ۔" اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا اور بوڑھا دل ہی دل میں خوش ہو گیا حالانکہ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے برعکس بائےتاس نے ابائی سے کچھ یوں ہنسی مذاق شروع کر دیا جیسے وہ خاصی بڑی عمر کا آدمی ہو۔

"پہلے تو تم نے شرارت کی اور بعد میں کہتے ہو: "مہربانی کرکے مجھے معاف کر دیجئے!" اس پر مجھے اپنا گیت یاد آ رہا ہے:

ہو لدا وقت سفر کتنا بھی بوجھ
اونٹ لیکن جھیل جاتا ہے اسے
کانپ جاتا ہوں مگر یہ سوچ کر
اوئی‌کاپا کیسے جھیلے‌گی مجھے؟"

ابائی سوچ میں پڑ گیا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔

"اوئی‌کاپا کون ہے، بائےتاس آغا؟"

"ارے تمہیں اوئی‌کیپہ نہیں یاد رہی، میری بیوی بھئی؟"

"بےشک مجھے یاد ہیں مگر ان کے متعلق آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"گزشتہ سال میں گرمیوں بھر گھر سے باہر رہا۔ مختلف قبیلوں کے پڑاؤ پر جا جاکے ٹھہرتا اور لڑکیوں کے ساتھ رنگ‌رلیاں مناتا رہا۔ لیکن یہ سارا چکر ختم ہونے کو آیا تو مجھے اپنی بیوی کو منہ دکھانے کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی ندامت سے متعلق اس چھوٹے سے گیت کے ذریعے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے یہ گیت اپنے مغنی دوستوں تک پہنچا دیا اور

نتیجه یه هوا کہ میری بیوی کو میری واپسی سے پورے مہینہ بھر قبل ہی ان لوگوں سے یہ گیت سننے کو مل گیا۔"

خوبصورت بائےتاس اپنے گیتوں کی بنا پر قبائلیوں میں خاصی شہرت رکھتا تھا اور ابائی اس کا کھلے دل سے مداح تھا۔ اسے اوئیکیبہ اور بائےتاس کے احباب اچھی طرح یاد تھے جن سے گزشتہ گرمیوں میں اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ سب کے سب بڑے زندہ‌دل، خوش‌آواز اور انتھک مغنی تھے۔ لیکن کیا یہ قصہ یہیں پر ختم ہو جانا تھا؟ بائےتاس نے ابائی سے کچھ اس انداز سے بات کی تھی جیسے اپنے برابروالوں سے کی جاتی ہے اس لئے اس نے ہمت کرکے پوچھ ہی لیا۔

"اور اوئیکیبہ نے کیا کہا تھا، بائےتاس آغا؟"

بائےتاس ہنس پڑا لیکن اس نے جلدی سے سنجیدہ انداز اختیار کر لیا۔

"وہ کہہ ہی کیا سکتی تھی؟ بھلا بےچاری کسی عورت کا دل اس گیت کا مقابلہ کر سکتا ہے جو اسے بہت دور سے بھیجا گیا ہو اور جس میں اس سے معافی مانگی گئی ہو؟ میں اپنے گھوڑے پر گھر پہنچا تو اس نے باہر نکل‌کے میرا خیرمقدم کیا اور گھوڑے کو الگ لے جاکے باندھا۔ پھر یہ گیت چاروں طرف پھیل گیا اور مختلف قبائل کے پڑاوؤں پر اس کی گونج سنائی دی۔ اس طرح یہ قصہ ختم ہوا" بائےتاس نے جمعہ‌بائے کو آنکھ ماری۔

اس اثنا میں نائےمان کوک یکساں دلکی چال پر لگ گیا تھا اور اب سب سے آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ لڑکے کو اچانک احساس ہوا کہ وہ لوگ اس وقت کہاں تھے اور وہ ایک بار پھر گھر کی یاد سے تڑپ اٹھا۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کو چابک رسید کیا جو ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ دونوں ساتھیوں نے اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی:

"ارے بیٹے، تمہارا یہی حال رہا تو تم گھوڑے کی جان ہی لے لوگے!"

"تم یونہی اکیلے چلتے رہے تو واقعی لٹیروں کے چنگل میں پھنس جاؤگے!"

لیکن لڑکا جسے شہر اور مدرسے کی اکتا دینےوالی خواب‌آور فضا سے ابھی ابھی نجات ملی تھی، گھر کی یاد سے کچھ اتنا زیادہ تڑپ رہا تھا کہ اس نے ان لوگوں کی باتوں پر کان ہی نہ دھرے۔

اس نے سوچا کہ آخر اسے یسیم‌بائے تنگ گھاٹی اور لٹیروں سے جن کے تصور نے اس کے ساتھیوں کے دلوں پر دهشت طاری کر دی تھی، اس قدر خوف‌زدہ هونے کی ضرورت کیا هے؟ وہ ان سے خوف‌زدہ هی کیوں هو؟ آخر ان میں اور دوسرے قزاخوں میں فرق هی کیا هے؟ صرف یہی نا کہ ان کے کپڑے پھٹے پرانے هوتے هیں، ان کے گھوڑوں کی کاٹھیاں ٹوٹی پھوٹی هوتی هیں اور وہ سوئیل لئے رهتے هیں... ابائی ان جیسوں کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس نے بڑے بوڑھوں کے منھ سے ان کے قصے سنے تھے اور اسے اپنی آنکھوں سے لٹیروں کو چھاپہ مارتے دیکھ‌کر کوئی خاص پریشانی نہ هوتی۔

وہ سنتری پہاڑی، خفیہ تنگ گھاٹی اور ان دوسری تمام جگہوں سے اتنا هی مانوس تھا جتنا کہ خود اپنے رهائشی گاؤں سے۔ قونان‌بائے کا قبیلہ هر سال بہار اور خزاں کے موسموں میں اس علاقے میں متعدد مہینوں تک پڑاؤ ڈالے رهتا تھا۔ یہاں کے نالے، گھاٹیاں، نشیبی وادیاں، گھوڑوں کے بچھیڑے بچھیڑیاں رکھے جانے اور خیمے نصب کئے جانے کی جگہیں، سڑک سے نظر آتی هوئی بھیڑوں کی چراگاهیں — سب کی سب اس کی جانی پہچانی اور سب کی سب اسے عزیز تھیں۔ یہی یسیم‌بائے تو وہ جگہ تھی جہاں سے اسے گزشتہ خزاں میں مدرسے کو روانہ کیا گیا تھا۔ یہ بوخراؤ* کے دن کی بات تھی جبکہ بھیڑوں سے اون کترا جا رها تھا۔ یہ ابھی کل هی کی بات معلوم هوتی تھی جب وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ ان پہاڑیوں پر دوڑتا پھرتا تھا، گھوڑے کے ایک‌سالہ بچوں پر سواری کرتا تھا اور بھیڑوں کے گھٹنوں کی هڈیوں سے کھیلے جانےوالے کھیل میں حصہ لیتا تھا۔ شہر میں قیام کے دوران وہ ان شاندار ایام کو اکثر یاد کرتا رهتا تھا جو اس نے یہاں یسیم‌بائے میں گزارے تھے۔

اب اس سے کہا جا رها تھا کہ یہاں لٹیرے هی لٹیرے بھرے پڑے هیں، یہ خطرے اور مصیبت کی جگہ هے لیکن وہ ان باتوں سے خاک بھی متاثر نہیں هو رها تھا۔ یہ تو وهی پہلے جیسی پیلی پیلی سی پہاڑیاں تھیں اور سرسبزوشاداب مرغزار۔ وهی نقرئی پتیوں‌والی گھاس کے وسیع میدان حد نگاہ تک پھیلے هوئے۔ اس نے اس سارے ماحول

---

* بوخراؤ — روسی عیسائیوں کا ایک تیوهار۔

کو، بےکراں استیپی اور پہاڑیوں کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور اس کے طفلی کے ایام گزرے تھے۔ اس کا جی چاھا کہ وہ اس تمام ماحول کو، اس کی ایک ایک چیز کو کلیجے سے لگا لے۔ یہاں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ھواؤں کا جو نہ کبھی بہت تیز ھوتی تھیں نہ ٹھہرتی تھیں، لمس کتنا فرحت‌بخش تھا۔ ان ھواؤں میں نقرئی پتیوں کی گھاس ھلکورے کھاتی تھی اور اس میں مسلسل لہریں سی اٹھتی رھتی تھیں۔ جیسے وہ استیپیاں نہ ھوں بلکہ کوئی زبردست، کوئی عجیب وغریب سمندر ھو... وہ ان سے اپنی نگاھیں نہیں ھٹا پا رھا تھا کیونکہ ان شاندار وسعتوں نے اسے بےقابو سا کر دیا۔ بھلا ان سے خوف‌زدہ ھو جانے کا سوال ھی کیا تھا! وہ ان استیپیوں کو اپنی بانہوں میں لیے سکتا تو اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا ھوتا: "میں تم سے بچھڑکے کتنا زیادہ تڑپتا رھا ھوں! دوسروں کے لئے ھو سکتا ھے کہ تم مہیب ھو لیکن میرے لئے نہیں، میرا وطن، میری پیاری استیپیو!"

اور لڑکا، نقرئی سبزہ‌زاروں کے پس‌منظر میں برق‌رفتاری سے آگے بڑھتا رھا۔

"کیا ھم لوگ کسی کارواں کے گاڑی‌بانوں کی طرح اس کے عقب میں رینگتے رھیں گے؟" بائےتاس غصے سے چلایا۔ "ارے جمعہ‌کیپہ، ھمیں تیزی سے چلنا چاھئے، ھمارے لئے تو شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ھے!" اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی جو سرپٹ دوڑتا ھوا دور نکل گیا۔

جمعہ‌بائے کو یہ بات پسند رھی ھو یا نہ رھی ھو، اسے بہرحال ان کے ساتھ چلنا پڑا اور جلد ھی تینوں گھوڑے برق‌رفتاری کے ساتھ استیپیوں سے گزرنے لگے۔

لڑکے نے آخر اپنی بات منوا ھی لی۔ قوریق نامی جگہ سے روانگی کے بعد یہ لوگ ایک بار بھی کہیں آرام کرنے کے لئے نہ ٹھہرے اور جھاگ سے لت پت گھوڑوں پر بہت تیزی سے تمام دن چلتے رھے یہاں تک کہ نماز مغرب سے ذرا قبل جبکہ آفتاب غروب ھونے کو تھا، کول‌غینار میں واقع قونان‌بائے پڑاؤ کے قریب پہنچ گئے جہاں ابائی کی ماں اول‌جان رھتی تھی۔

کول‌غینار سے ھوکر بہنےوالا چشمہ ھمیشہ موجود صاف‌وشفاف

پانی کی فراوانی کی بنا پر دور دور تک شہرت رکھتا تھا تاہم اسے بڑا جنگلی علاقہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ قونان‌بائے کے قبیلے کے تین چار گروہ چنگیز کوھساروں پر واقع جائےلاؤ* کو جاتے ہوئے راستے میں عموماً یہاں پڑاؤ کیا کرتے تھے۔ قونان‌بائے کے خیموں کے نزدیک اس کے قریب‌ترین عزیزوں کے خیمے نصب تھے۔

استیپیوں کی شام کی فضا مختلف آوازوں سے گونج رہی تھی۔ ان میں کتوں کے بھونکنے اور گلےبانوں کی چیخ پکار کی آوازیں، بھیڑوں کی میماھٹ اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ کھول دئے جانےوالے نوجوان گھوڑے اپنی ماؤں کی تلاش میں ھنہناتے ہوئے ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے اور الاوؤں سے بلند ہونےوالا دھواں گہرے بھورے بادل کی طرح بستی کے اوپر منڈلا رہا تھا۔ یہ تھا وہ ماحول جس کے لئے ابائی اتنا زیادہ تڑپ رہا تھا، یہ تھیں وہ چیزیں جن کے نظارے سے اس کا دل بےچین نوجوان گھوڑوں کی طرح اچھلنے کودنے لگتا تھا۔

تینوں گھڑسوار چشمے کے کنارے واقع خیموں کی بستی کے قریب پہنچے۔ سامنے نمایاں مقام پر نصب پانچوں خیمے قونان‌بائے کی دو چھوٹی بیویوں اول‌جان اور آئی‌غیز اور ان کے بڑے خاندانوں کی رھائش‌گاھیں تھیں۔ قونان‌بائے کی سب سے بڑی بیوی کونکے ایک دوسرے پڑاؤ پر رہتی تھی۔

آنےوالوں کو جو بڑے خیموں کے نزدیک شام کی چراگاھوں کو بےترتیبی کے ساتھ جاتی بھیڑوں کے درمیان راہ بناتے چلے آ رہے تھے، فوراً ھی پہچان لیا گیا۔ ان پر سب سے پہلے دودھ دوھنےوالیوں کی نظریں پڑیں جو بڑے بڑے اپرن پہنے ہوئے تھیں اور جنہوں نے اپنی اسکرٹوں کے کونے اپنی پیٹیوں میں ٹھونس رکھے تھے۔

"شہر سے وہ لوگ واپس آ گئے! واپس آ گئے!"

"اور وہ رہا ابائی! ننھا ابائی!"

"ھاں ھاں وھی ہے۔ ذرا لپک کے اس کی ماں کو تو اطلاع کر دوں!" اور ان نوجوان عورتوں میں سے ایک، دودھ دوھنے کے برتن زمین پر رکھتے ہوئے بڑے خیمے کی طرف لپکی۔

---

* جائےلاؤ — موسم گرما کی چراگاہ۔

اول‌جان، بائےتاس کی ابائی کو شہر سے لانے کے لئے روانگی کے بعد سے دنوں اور گھنٹوں کا شمار کرتی رہی تھی اور شہر پہنچنے اور وہاں سے واپس لوٹنے کے وقت کا تخمینہ لگانے کے بعد، مسافروں کی اسی روز واپسی کی توقع رکھتی تھی۔ عورتوں کی چیخیں فوراً ہی اس کے کانوں تک پہنچ گئیں۔

اول‌جان اپنے گداز، زردی مائل چہرے پر جو ابھی تک جھریوں سے تقریباً خالی تھا، (حالانکہ وہ چالیس برس سے کچھ زائد کی ہو چکی تھی) مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی، اپنے بھاری بھرکم جسم کو وقار سے سنبھالتی اور اپنی معمر ساس زرہ کو محبت کے ساتھ بازو پکڑکے سہارا دیتی ہوئی، خیمے سے باہر نکلی۔ بوڑھی زرہ اپنے اس محبوب پوتے کے لئے سردیوں بھر تڑپتی رہی تھی۔ اسے پل بھرکے لئے بھی فراموش نہیں کر سکی تھی اور اس کی سلامتی کے لئے اس نے بےشمار نمازوں کی منت مانی تھی۔

تینوں گھڑسواروں کا خیرمقدم کرنے کے لئے بڑے خیمے اور مہمانوں کے لئے مخصوص خیمے کے درمیان خاصی بھیڑ سی اکٹھا ہو گئی۔

ابائی نے کھڑے کھڑے ہجوم کو پراشتیاق نگاہوں سے دیکھا، وہ بالکل بھول ہی گیا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑکے اکیلے ہی پہنچ گیا ہے۔ وہ نیچے اترا اور اس کے گھوڑے کو کوئی شخص وہاں سے الگ ہٹا لے گیا۔ اتنے میں اس کی نگاہیں اپنی ماں پر جم‌کے رہ گئیں۔ وہ فوراً ہی جھپٹ‌کے اس کی بانہوں میں سما گیا ہوتا لیکن اول‌جان نے اشارے سے اسے روک دیا۔

"ارے میرے بیٹے! دیکھو وہ رہے تمہارے اباجان! پہلے انہیں جاکے سلام کرو نا!"

ابائی نے تیزی سے مڑتے ہوئے اپنے باپ قونان‌بائے کو متعدد بڑے بوڑھوں کے درمیان دیکھا جو مہمانوں کے لئے محضوص خیمے کے عقب میں، دوسروں سے ذرا الگ تھلگ کھڑا ہوا تھا۔ نگاہ چوک جانے پر احساس ندامت کے ساتھ لڑکا ان لوگوں کی طرف بڑھا۔ بائےتاس اور جمعہ‌بائے بھی اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھامے تھامے جلدی جلدی قونان‌بائے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ قونان‌بائے ان‌کے سامنے کھڑا تھا، طویل قامت، گٹھا ہوا جسم اور سفید ہوتی ہوئی داڑھی۔ اس کی

واحد آنکھ جو اس کے زرد، پتھر جیسے سخت چہرے پر کچھ عجب انداز سے چمک رہی تھی، ان لوگوں کے وجود سے بےخبر سی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے گھڑسوار بھی اس کی طرف آ رہے تھے۔ طاقتور جسموں، اچھے کپڑوں اور عمدہ گھوڑوں‌والے مرد – یہ بڑے بوڑھے سردار تھے اور قونان‌بائے انھیں جس انہماک سے دیکھ رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان لوگوں کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔

بائےتاس اور جمعہ‌بائے سے قبل ھی ابائی اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ قونان‌بائے نے سر کی ہلکی سی جنبش سے لڑکے کے سلام کا جواب دیا لیکن جس انداز سے کھڑا ہوا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کی۔ ابائی پر بس ایک جائزہ لینےوالی نگاہ ڈالی اور کہا:

"تم بڑے ھو گئے ھو۔ بھلا تمہارے علم میں بھی کچھ اضافہ ھوا؟"

یہ فقرہ محض مذاق میں کہا گیا تھا یا اس کا مقصد اس کی معلومات سے متعلق شک کا اظہار کرنا تھا؟ کیا اس کا باپ واقعی اس کے بارے میں کچھ جاننا چاھتا تھا؟ بچپن ھی سے ابائی کسی سرزنش یا آگاھی کے لئے اپنے باپ کی بھنووں کی جنبش پر نظر رکھنے کا عادی تھا، ٹھیک اسی طرح جیسے ژوت* کے سال میں کوئی گلےبان بادلوں کو دیکھتا ھے۔ اور اس کی اسی صلاحیت کی بنا پر اس کا باپ اسے اپنے دوسرے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ابائی سمجھ گیا کہ قونان‌بائے اس لمحے اس کے متعلق ذرا بھی نہیں سوچ رہا ھے۔ اس نے تو ساری توجہ قریب آتے ھوئے لوگوں پر مبذول کر رکھی تھی۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے باپ کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ ناراض ھو جائےگا۔ اس لئے اس نے دھیرے سے پروقار انداز میں جواب دیا:

"الحمدلله اباجان" پھر اس نے اضافہ کیا۔ "مدرسہ ابھی بند نہیں ھوا لیکن آپ نے مجھے بلا بھیجا۔ حضرت نے از راہ کرم اجازت دے دی اور میں گھر آ گیا ھوں۔"

اس کے باپ کے بغل میں میباسر اور اس کا نوکر کھڑا تھا۔

---

* ژوت – ایک قدرتی آفت جبکہ طویل برفانی طوفانوں کے بعد گھاس برف سے ڈھک جاتی ھے اور مویشی چارے سے محروم ھوکے بھوکوں مر جاتے ھیں۔

میباسر، قونان‌بائے کے باپ کی چار چھوٹی بیویوں میں سے ایک کا بیٹا اور اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ قونان‌بائے نے اس سال کے ابتدائی ایام میں آغا سلطان منتخب کئے جانے کے بعد اپنے اس بھائی کو توبیق‌تی وولوست* کا سربراہ مقرر کر دیا تھا۔

"اب تو ابائی خاصا بڑا ہو چکا ہے..." میباسر نے اس کے جواب سے مسرور ہو کے کہنے کی جرآت کی۔

لیکن قونان‌بائے نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مختصراً حکم دیا:

"اچھا تو بیٹے، جا کے اب اپنی ماؤں کو سلام کرو!"

ابائی تو اسی کا منتظر ہی تھا اور وہ ان عورتوں کی طرف جو اسے رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے آپس میں کچھ کھسر پھسر کئے جا رہی تھیں، مڑا تو اس کے چہرے پر ایک بار پھر لڑکوں جیسی پرمسرت کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے عام پرجوش انداز سے ماں کی طرف لپکا لیکن بیچ ہی میں اسے کسی نے پکڑ لیا اور بوڑھے مردوں اور عورتوں نے اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔ تو وہ لوگ اسے اب بھی بچہ ہی سمجھ رہے تھے؟ اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ پڑ گیا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ ناراض ہو کہ نہ ہو۔ بعض بوڑھی عورتوں کی آنکھوں میں آنسو منڈلا رہے تھے۔

آخرکار ان سب سے کسی طرح جان چھڑاکے، ابائی تیزی کے ساتھ اپنی ماں اول‌جان کے پاس پہنچا جو قونان‌بائے کی تیسری بیوی خوبصورت آئی‌غیز کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔

"ان لوگوں نے اپنے گیلے گندے بوسوں سے ہمارے لڑکے کا سارا چہرہ داغدار کر دیا ہے اور ہمارے لئے کہیں بھی خشک جگہ باقی نہیں بچی!" آئی‌غیز نے کہا اور اس نے بڑے متکبرانہ تبسم کے ساتھ اس کی دونوں آنکھوں کو چوم لیا۔

خود اس کی اپنی ماں نے اس کا بوسہ نہ لیا۔ بس اسے کلیجے سے لگاکے بڑے اشتیاق سے اس کے بالوں کو سونگھنے لگی۔ دراصل اس کے باپ کا خود کو لئے دئے رہنے کا انداز اور اس کی سردمہری کافی عرصہ قبل ہی اس کی ماں کی شخصیت کا بھی جزو بن چکے تھے۔ ابائی کو اس کا احساس تھا اور اس نے اس سے زیادہ کی توقع

---

* وولوست — نظم و نسق کا علاقہ۔

بھی نہ کی تھی لیکن وہ اس طرح خاموشی سے کلیجے سے لگائے جانے میں کچھ ایسی گرمجوشی اور محبت محسوس کر رہا تھا کہ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"بھئی، تمہیں اپنی دادی اماں کو سلام کرنا چاھئے!" اس نے کہا اور بیٹے کا رخ بڑے خیمے کے دروازے کی طرف موڑ دیا۔

معمر زرہ اپنی چھڑی کے سہارے جھکی کھڑی ھوئی شکایتی انداز میں بڑبڑا رھی تھی۔

"شیطان کہیں کا! پہلے میرے پاس نہیں آیا، دوڑا دوڑا باپ کے پاس پہنچ گیا!" لیکن جیسے ھی ابائی اس کی بانہوں میں سمایا، اس کی یہ لعنت ملامت محبت کے لطیف‌ترین الفاظ میں بدل گئی۔

"میرے سورج، میرے چاند، میرے ننھے بچے، میرے جگر کے ٹکڑے!" وہ بار بار کہے جا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو منڈلا رہے تھے۔

ابائی بوڑھی عورت کے ھاتھ میں ھاتھ ڈالے ھوئے خیمے میں داخل ھوا اور وھاں بہت دیر تک، اندھیرا ھونے تک بیٹھا رھا۔ اس کی ماؤں نے اسے قمیز*، ٹھنڈا گوشت اور چائے دی لیکن کچھ کھانے کو اس کا جی ھی نہیں چاہ رہا تھا حالانکہ علی‌الصباح سے اس نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔

عورتوں اور لڑکیوں کے سوالات کا سلسلہ تھا کہ ختم ھونے کا نام ھی نہیں لیتا تھا۔

"تعلیم مکمل ھو گئی نا؟"

"تو اب تم ملا بن گئے؟"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں سب سے زیادہ کس کی یاد ستاتی تھی؟"

ابائی بہت مختصر، بس یونہی ھاں نہیں میں جواب دئے جا رہا تھا لیکن اس آخری سوال پر وہ چونک سا پڑا۔

"اوسپان کہاں ھے؟ آخر وہ کہاں چلا گیا؟" اس نے یہ بات کچھ ایسے فوری اھمیت کے انداز میں دریافت کی کہ دوسرے ھی لمحے ان سب کو معلوم ھو گیا کہ اسے سب سے زیادہ اس کے چھوٹے

---

* قمیز — گھوڑی کا دودھ۔

بھائی کی یاد ستاتی تھی – اسی شرارت کے پتلے کی، جس کا نام اوسپان تھا۔

"کون جانے؟ کہیں ادھر ادھر مارا پھر رہا ہوگا، ننھا بدمعاش کہیں کا۔ ہم سب آج اس سے اتنی زیادہ ناراض ہو گئیں کہ تمہاری دادی اماں نے اور میں نے اسے باھر نکال دیا" اول‌جان نے سر کی جنبش سے زرہ کی طرف اشارہ کیا جس نے یہ اندازہ لگاتے ہوئے کہ اس کے متعلق کچھ کہا گیا ھے، دریافت کیا:

"ارے بھئی کیا بات ھے؟ آخر یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے ایک لفظ بھی نہیں سنائی دے رہا ھے۔"

ابائی نے اس کے کان میں چیخ‌کے بتایا کہ کیا کہا گیا تھا۔

"لیکن دادی اماں، گزشتہ سال تو آپ ایسی نہ تھیں۔ یہ آخر آپ کے کانوں کو کیا ہو گیا؟"

وہ زرہ کو اپنی بانہوں سے بھینچتے ہوئے اس کے گھٹنوں سے چمٹ گیا۔ وہ اس کے الفاظ کو سمجھ گئی تھی۔

"میرے پیارے، اب تمہاری دادی اماں میں رہا ھی کیا ھے؟ مجھے تو بس ہڈیوں کا تھیلا سمجھو" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

ابائی کا دل اس معمر عورت کے غم سے تڑپ اٹھا جو اتنے زیادہ لوگوں کے درمیان بھی احساس تنہائی کا شکار ہو رہی تھی۔

"لیکن شاید آپ کے کانوں کا علاج کیا جا سکتا ھے۔ میرا مطلب ھے اگر واقعی کوشش کی جائے۔"

بوڑھی زرہ بھی دوسروں کے ساتھ ھنس پڑی لیکن اس خیال سے کہ ابائی کا دل نہ دکھے، اس نے محبت بھری مسکراھٹ سے کہا:

"ملا کچھ پڑھ‌کے میرے کانوں میں پھونک ڈال دے تو ہو سکتا ھے کہ بہتر طور پر سنائی دینے لگے۔ لوگوں کا کہنا ھے کہ اس سے فائدہ ھوتا ھے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ھے" آئی‌غیز ھنس پڑی۔ "آپ کا پوتا تو ملا ہو ھی چکا ھے۔ فائدہ ھوتا ھے تو آخر وہ کیوں نہ پھونک ڈال دے!"

لیکن دوسری عورتیں سنجیدہ ہو گئی تھیں جیسے وہ ابائی کے علم و فضل کی قوت میں سچ مچ یقین رکھتی ہوں۔

"ھاں ھاں، ابائی کو ضرور کانوں میں پھونک ڈالنی چاھئے۔ اس سے کچھ نہیں تو ان کے دل کو تو سکون مل ھی جائےگا۔"

اباثی اچھی طرح جانتا تھا کہ کسی شخص کے کانوں میں پھونک ڈالنا بھی مقدس تحریروں سے دھوئے ہوئے رنگ کو کسی زخم یا دکھتی ہوئی جگہ پر لگانے یا مریض کے پاس دعائیں مانگنے اور مقدس تحریروں کے اقتباسات پڑھنے ہی کی طرح، اس علاقے کے ملا لوگوں کا عام طریقہ تھا جو جادو ٹونے سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ بہرحال وہ اس ناخوشگوار صورت حال پر جس کا اس تجویز کے باعث سامنا کرنا پڑ رہا تھا، ذرا دیر تک بیٹھا مسکراتا رہا پھر اس نے اچانک بوڑھی عورت کا سر اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لیتے ہوئے اپنے ہونٹ اس کے کان پر رکھ دئے اور کچھ بڑبڑانے اور کچھ سرگوشی کرنے کے انداز میں کہا:

حسین چہرہ ہے اور آنکھوں میں ہے ہیروں کی تابانی
گلابوں جیسے گال، ان پر طلوع صبح کی سرخی۔
بہت نازک ہے گردن، برف سے بھی کچھ سوا اجلی
خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں بھنویں اس کی...

خیمے میں کسی کو بھی اس کے الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے لیکن عورتوں کو یقین تھا کہ وہ دعائیں مانگ رہا ہے۔ اس نے اپنے صحیح جذبات کو چھپائے رکھنے کے لئے چہرے پر سنجیدگی طاری رکھی اور کسی باقاعدہ ملا کی طرح دھیرے دھیرے بدبداتا رہا:

یہ سب کچھ ہے مگر قسمت سے جب ہم دونوں ملتے ہیں
تو ان لمحات نادر میں جسارت کیوں نہیں ہوتی
کہ اس کو آنکھ اٹھاکے دیکھ لوں، اک لفظ ہی کہہ دوں
مجھے سینے میں ہوتی ہے چبھن محسوس خنجر کی...

اس نے اپنی آنکھیں آدھی بند کر لیں، ہونٹ سکوڑے اور اپنی دادی اماں کے کان میں پھونک ڈالی:

"سو — سوں — چھو!"

یہ اس کے اپنے اشعار تھے جو اس نے نوائی اور فضولی کا مطالعہ کرنے کے بعد موسم بہار میں لکھے تھے۔ لیکن عورتوں کو یقین

تھا کہ ابائی کوئی دعا پڑھ‌کے کان میں پھونک رہا ہے۔ ان کی اس غلط‌فہمی کو طول دینے کے لئے لڑکا بہت ہی دھیمی آواز سے بدبدا رہا تھا اور اس نے بالکل آخر میں اپنی آواز بلند کرکے ان پر اپنے اس مذاق کا راز فاش کیا۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے کسی ملا کی طرح، وجد کی سی کیفیت میں جھومتے ہوئے اس نے مذہبی لحن کے ساتھ یہ آخری مصرعے پڑھے:

بڑی بی کو سنائی کچھ نہیں دیتا ہے مدت سے
وہ سوچیں، ٹھیک ہوں‌گے کان ان شعروں کی طاقت سے

"سو — سوں — چھو!" اس نے ایک بار پھر اس کے کان میں پھونک ڈالی لیکن اب اس کا مذاق سب پر واضح ہو چکا تھا اور سب نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔ بڑھیا بھی مذاق کو سمجھتے ہوئے خاموشی سے ہنس پڑی۔ اس نے خوش ہوکے اپنا رخسار ابائی کی پیشانی سے لگا دیا اور اس کی پیٹھ ٹھونکی۔

ابائی نے اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری رکھی حالانکہ اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک جھلک رہی تھی۔ اس نے بڑھیا کو لپٹاتے ہوئے پوچھا:

"کہئے۔ اب آپ کچھ بہتر طور پر سن سکتی ہیں نا؟"

"ہاں ہاں۔ بہت بہتر طور پر۔ خدا تمہیں دائمی مسرت عطا کرے، میرے بچے!"

لڑکے کے مذاق سے قہقہہ تو خیر بلند ہی ہوا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ عورتیں ایک طرح سے اس کی مداح بھی ہو گئیں۔

اس کی ماں اول‌جان نے دوسروں کی طرح قہقہہ نہ لگایا: وہ بڑے غور سے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگی۔ اس نے سوچا کہ سال ہی بھر کے اندر وہ کتنا بڑا ہو گیا ہے! اس میں کتنی مردانگی آ گئی ہے، اس کی آنکھوں سے کتنی ذہانت ٹپک رہی ہے! وہ قطعاً اپنے بھائیوں جیسا نہیں۔ اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"بیٹے، میں نے تو سوچا تھا کہ شہر میں ان لوگوں نے تم کو ملا بنا دیا ہے" اس نے کہا۔ "لیکن ایسا لگتا ہے کہ تم میرے خاندان‌والوں پر پڑے ہو!"

دوسروں کے لئے اس اشارے کو سمجھنا مشکل نہ ثابت ہوا اور خیمے میں مزید قہقہے بلند ہوئے۔

"ارے کیوں نہیں۔ یقیناً اس کی رگوں میں شنشار* خون دوڑ رہا ہے!"

"کوئی ایک نظر دیکھ ہی کے کہہ سکتا ہے کہ یہ تونتےکین کا نواسا ہے۔"

کسی نے تونتےکین کے وہ الفاظ یاد دلائے جو اس نے بستر مرگ پر کہے تھے: "حاجی اور ملا جو آس لگائے بیٹھے ہیں اس سے ان کو محروم کر دینا بڑی شرمناک بات ہے۔ میں مر جانے کو بہتر خیال کرتا ہوں کیونکہ اس طرح تدفین کی مراسم سے انہیں کم از کم کچھ آمدنی تو ہو جائے گی۔"

"امی‌جان، کیا تونتےکین کی طرح جان دے دینا اس بات سے بہتر نہیں کہ آدمی عطائی بن‌کر خیرات پر گزر بسر کرے؟"

"بڑی اچھی بات ہے کہ تم ایسا سوچتے ہے۔ تمہیں کتنی سوجھ بوجھ حاصل ہو گئی ہے، میرے بیٹے" اس کی ماں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

اتنے میں میباسر کا دڑھیل ملازم قامس‌بائے دروازے پر نمودار ہوا۔

"تمہیں اباجان یاد کر رہے ہیں، بیٹے!"

پل بھر کے لئے خیمے میں سناٹا چھا گیا اور ابائی کے ذہن پر جو خوشگوار کیفیت تمام شام طاری رہی تھی، غائب ہو گئی۔ وہ ایک لفظ بھی کہے بغیر باہر نکل آیا۔

مہمانوں کے خیمے کی فضا اس کی ماں کے خیمے جیسی قطعاً نہ تھی اور خیمہ باہر ہی سے کچھ غجیب کریہہ‌المنظر اور درشت سا معلوم ہوتا تھا۔ ابائی نے اندر داخل ہو کے صاف اور واضح انداز میں سلام کیا جس کا اس کے بڑوں نے جواب دیا۔ زیادہ افراد موجود نہ تھے: قونان‌بائے، جمعہ‌بائے اور توبیق‌تی قبیلے کے متعدد بڑے بوڑھے مثلاً بائیسال، بوجیئی، قراتائے اور سویوندیک اور

---

* شنشار — ایک قزاخ قبیلہ۔

بس۔ نوجوانوں میں صرف ایک یعنی جیرین‌شے ھی موجود تھا جو بائیسال کا رشتے کا بھائی تھا اور همیشه اس کے ساتھ رھتا تھا۔ وہ ابائی کا بھی دوست تھا حالانکه عمر میں اس سے بڑا تھا۔

ابائی بچپن ھی سے جانتا تھا که اس کا باپ اس طرح کے لوگوں اور خاص طور سے تین چار نہایت ھی باأثر بڑوں سے صلاح و مشورہ کرتا ھے تو اس کا مطلب یه ھوتا ھے که کوئی غیرمعمولی بات واقع ھونےوالی ھے۔ اس نے کبھی بھی اس نوعیت کے صلاح و مشورہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ یه پہلا موقع تھا جب اس کے باپ نے بات‌چیت میں حصه لینے کے لئے اسے بلا بھیجا تھا اور اس نے سوچا که اس اقدام کے پیچھے کوئی خاص سبب تو ھوگا ھی۔

ابائی کے بیٹھتے ھی بڑے بوڑھوں نے شہر، اس کی تعلیم اور صحت کے متعلق سوالات کی بوچھار کر دی۔ قراتائے نے جو بڑا باتونی بوڑھا تھا اور جس کے چہرے سے فراست ٹپکتی تھی، اس کے جوابات سے خصوصیت سے دلچسپی لی اور اس نے قونان‌بائے کے دوسرے بیٹوں کا بھی تذکرہ کیا۔

"بھئی، آپ کا تکےجان بہت بہادر ھے" اس نے کہا۔ "بہت ھی پھرتیلا اور ھوشیار۔"

"ھاں یه سچ ھے" بوجیئی نے کہا۔ "وہ کچھ بھی کر سکتا ھے۔"

"ھاں ھاں، وہ بالکل سوئی جیسا تیز ھے" بائیسال نے جلدی سے اپنی رائے ظاھر کی۔

یه تعریفیں صریحی طور پر قونان‌بائے کی تعریفیں تھیں لیکن اس پر اس چاپلوسی کا کوئی اثر نه ھوا اور وہ چپ چاپ بیٹھا رھا۔ پھر اس نے اچانک کچھ اس انداز سے جیسے ان لوگوں کو ذلیل کرنا چاھتا ھو، ابائی کی طرف مڑتے ھوئے کہا:

"بیٹوں میں اگر کسی سے کوئی توقع کی جا سکتی ھے تو بس اس کالے کلوٹے چھوکرے سے کی جانی چاھئے۔ وہ رھا!"

ٹھیک اسی لمحے ابائی کا چھوٹا بھائی اوسپان دوڑتا ھوا خیمے میں داخل ھوا۔

ابائی اس روز اس کے متعلق جانے کتنی بار دریافت کر چکا تھا! وہ اس شیطان کو دیکھنے کے لئے جانے کتنا بےتاب تھا!

اوسپان سب کو سلام کرنا تو نه بھولا لیکن سلام کے بعد پھر

اس نے اپنے باپ اور دوسرے لوگوں پر ذرا بھی توجه نه دی اور جھپٹ کے ابائی کی گردن سے لٹک گیا۔ وہ ابائی سے پانچ سال چھوٹا تھا اور اس سے دوسرے بھائیوں سے زیادہ محبت کرتا تھا۔

ابائی کو پوری طرح احساس تھا کہ اسے اپنے بزرگوں کی موجودگی میں مہذب اور پروقار رویه اپنانا چاھئے۔ چنانچه اس نے اپنے بھائی کو ذرا رسمی انداز میں گلے سے لگاتے ہوئے اس کے دونوں رخساروں کا بوسه لیا جیسا که بڑے بھائی کو کرنا چاھئے تھا۔ معمر لوگوں نے اس خیال سے که دونوں لڑکوں میں ابھی ابھی ملاقات ہوئی ھے، ان کی اس حرکت کے سلسلے میں نرمی اور مروت سے کام لیا لیکن اوسپان نے احمقانه حرکتیں شروع کر دیں اور اپنے متعلق بزرگوں پر جو خوشگوار تاثر چھوڑا تھا اسے جلد ھی زائل کر دیا۔ ابائی نے اس سے پوچھا که وہ تھا کہاں لیکن اس شریر نے کوئی جواب نه دیا۔ بس اس کی گردن سے کچھ اور زیادہ چمٹ گیا اور بہت دھیرے سے اس کے کان میں بعض گندے الفاظ کہے جو اس نے اپنے بڑے بھائی تکےجان سے سنے تھے۔ ابائی اپنے اس چھوٹے بھائی کی یاد میں تڑپتا رہا تھا لیکن اب جو ملاقات ہوئی تو اس کے روبه سے اسے شدید افسوس ہوا اور وہ خود کو اس سے الگ کرتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا کہا تم نے؟" لیکن اوسپان ایک بار پھر اس کی گردن سے چمٹ گیا۔

"اباجان سے نه کہئےگا! ان سے کہنے کی ہمت بھی نه کبجئےگا!" اس نے بھیانک انداز میں سرگوشی کی اور اچانک ابائی کو پیچھے ڈھکیلنے لگا۔

ابائی کو اچھی طرح معلوم تھا که اسے بزرگوں کے سامنے خود کو لئے دئے رھنا چاھئے چنانچه اس نے شریر لڑکے کی گرفت سے خود کو آزاد کرانے اور دوبارہ سلیقے سے بیٹھنے کی ھر ممکن کوشش کی لیکن طاقتور اوسپان نے اسے چت کر دیا اور اپنے منه سے کوئی لسلسی چیز نکال کے ابائی کے گریبان میں ڈال دی۔ ابائی نے شانوں کو موڑتے ہوئے اس سے جان چھڑانے کی کوشش شروع کی۔ پل بھر پہلے ھی وہ بڑے بوڑھوں کے پاس اپنی اھمیت کا احساس لئے ہوئے بیٹھا تھا لیکن اس ننھے شیطان بھائی نے آکر اسے سب کی نگاھوں

میں ذلیل کر دیا تھا! اوسپان اپنے باپ کو فراموش کرتے ہوئے قہقہوں کے درمیان چیخ پڑا:

"مینڈھک ہے، مینڈھک! میں نے ان کے گلے میں مینڈھک ڈال دیا!"

اس انکشاف کے بعد ابائی کچھ اور تیزی سے خود کو چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگا۔

قونان‌بائے نے اپنے عقب میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا لڑکوں کی طرف پہلے کوئی توجہ نہیں دی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا وہ جلد ھی خاموش ہو جائیں گے لیکن اب اس نے تیزی سے گردن گھمائی تو دیکھا کہ ناٹا اور گٹھلا اوسپان، ابائی کو زمین پر گرائے ہوئے اس کے سینے پر بیٹھا ہے اور اسے اٹھنے نہیں دے رہا ہے۔

قونان‌بائے نے مشتعل ہوکے ایک ہاتھ سے اوسپان کو پکڑا اور دوسرے سے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ لڑکے کے چہرے سے خون جھلکنے لگا لیکن وہ چپ چاپ اپنی بڑی بڑی آنکھیں چمکاتا ہوا کھڑا رہا۔ وہ ذرا بھی ڈرے سہمے بغیر اپنے باپ کو ایسے پرسکون انداز میں دیکھنے لگا جیسے کچھ ہوا ھی نہ ہو۔ لڑکے کی اس جسارت سے حیران و ششدر ہوکے سویوندیک، بائیسال کی طرف جھک گیا۔

"ننھا بھیڑیا ہے، بھیڑیا" اس نے کہا۔

"صحیح معنوں میں کوژ* ہے" بائیسال نے جواباً سرگوشی کی۔

قونان‌بائے نے اپنے نوکر کو اشارہ کیا۔

"ارے اس شیطان کو نکال باھر کر!" اس نے اوسپان کو دروازے کی طرف ڈھکیل دیا۔ لڑکے نے ٹھوکر کھائی اور نوکر نے اسے بروقت سنبھال نہ لیا ہوتا تو گر پڑتا۔ اس واقعے کے بعد چند لمحات تک مکمل خاموشی چھائی رھی۔ پھر لوگ کچھ کسمسانے سے لگے اور کوئی شخص دھیرے سے کھانسا تب کہیں جاکے قونان‌بائے نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

---

* کوژ — روایتی دیو پیکر سورما۔

۲

خیمے کے وسط میں نیچی گول میز پر رکھا ھوا مٹی کا چراغ جس کی لو ھوا کی رو سے تھرتھرا رھی تھی، ھلکی سرخی مائل روشنی بکھیر رھا تھا۔ قونان‌بائے اپنے بیٹے کے پاس بیٹھا ھوا تھا اور اس کے چہرے کا ایک رخ جس پر روشنی پڑ رھی تھی، کچھ عجیب مہیب سا معلوم ھو رھا تھا۔

اس کی ذات سردمہری کی آئینہ‌دار تھی۔ چہرہ جس سے خودسری ٹپکتی تھی، کچھ مغموم لیکن بےرحم سا تھا۔ اس کے الفاظ جو تیکھے اور موثر تھے، اپنی غضبناکی میں سننےوالوں کے لئے پتھر جیسے وزنی معلوم ھو رھے تھے اور اس کی تقریر میں پراسرار اقوال اور محاوروں کی بھرمار تھی۔

لڑکا سمجھ ھی نہیں پا رھا تھا کہ اس کے باپ کی باتوں کا مفہوم کیا ھے۔ اسے حیرت تھی کہ آخر ان الفاظ کے پیچھے کون‌سا خفیہ مقصد کارفرما ھے۔ لے دے کے چند غیرمربوط فقرے ھی اس کے پلے پڑ رھے تھے۔ دراصل وہ کسی آق‌سقال* کے روایتی انداز میں گھما پھرا کر باتیں کر رھا تھا، اپنے اصل موضوع کے گرد یوں چکر کاٹ رھا تھا جیسے کوئی باز اپنے شکار کے گرد کاٹتا ھے۔ آبائی کی خاک بھی سمجھ میں نہیں آ رھا تھا اور وہ بری طرح الجھن کا شکار تھا۔ اس کا بس چلتا تو بھاگ کے ماں کے خیمے میں پہنچ جاتا لیکن اس کے باپ نے اسے طلب کیا تھا اور وھاں سے اٹھکے چلے جانے کا سوال ھی نہیں اٹھتا تھا۔

وہ چپ چاپ بیٹھا سنتا رھا۔ بعض الفاظ اس کے لئے نئے اور بالکل ناقابل فہم تھے جنہیں اس نے اپنے ذھن میں رکھنے کی کوشش کی۔ دراصل اس کا باپ کسی سے ناراض تھا۔ کسی کو دھمکیاں دے رھا تھا۔ اس نے اپنے تصور میں مکمل طور پر مسلح کچھ افراد کو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے استیپیوں سے گھوڑے دوڑاتے ھوئے

---

* آق‌سقال — بوڑھا آدمی اور کسی قبائلی گروہ کا سردار (لفظی معنی "سفید داڑھی")۔

گزرتے دیکھا۔ پھر جب باپ کی یہ ساری جوشیلی تقریر اس کے لئے بالکل بےمعنی ہوکے رہ گئی تو اس نے کچھ سننے کے بجائے بیٹھے بیٹھے باپ کے چہرے کو تکنا شروع کر دیا اور اس کے خیالات کہیں اور بھٹکنے لگے۔

ابائی بچپن ہی سے قصہ‌گویوں، مغنی شاعروں اور ان دوسرے تمام افراد کے چہروں کو نظر ہٹائے بغیر غور سے تکتے رہنے کا عادی تھا، جن کی گفتگو اس کے لئے باعث کشش ہوتی تھی۔ اسے انسانی چہرہ قدرت کی عجیب‌وغریب تخلیق محسوس ہوتا تھا لیکن بوڑھوں کے جھری‌دار چہرے سب سے زیادہ دلچسپ معلوم ہوتے تھے۔ ان کے مرجھائے ہوئے رخساروں اور پیشانیوں کی جھریاں، غیر گنجان اور منتشر نوخیز پودوں کے جھنڈ یا کالی مٹی کے اوپر ہلکورے کھاتی ہوئی ملائم گھاس کی یاد تازہ کرتی تھیں... بعض اوقات اسے ان میں اور وحشی درندوں یا سیدھے سادے پالتو جانوروں میں کچھ عجیب طرح کی یکسانیت نظر آتی تھی۔ انسانی چہروں کی جنبشوں اور لکیروں میں اس کے لئے ایک پوری کائنات سی زندہ ہوکے سامنے آ جاتی تھی۔

اس کے باپ کا چہرہ لمبا اور ہنس کے انڈے کی شکل کا تھا جو داڑھی کی پتلی نوک کی وجہ سے کچھ اور بھی لمبا معلوم ہوتا تھا۔ ابائی کو ایسا لگتا جیسے وہ چہرہ ایک ایسا میدان ہو جس پر پہاڑیاں کھڑی ہوں اور ان پہاڑیوں پر اس کی بھنووں کی گنجان جھاڑیاں اگی ہوں۔ قونان‌بائے کی واحد آنکھ کسی چوکنے اور انتھک سنتری کی طرح بائیں پہاڑی کے قریب چوکسی کے ساتھ پہرہ دیتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آنکھ پلکوں کے نیچے کبھی بھی روپوش نہیں ہوتی۔ بڑی اور ذرا سا آگے کو نکلی ہوئی وہ آنکھ بڑی تیزی اور حریص نگاہ کی مالک تھی جیسے اپنے گرد و پیش کی ہر چیز کو کھا جانا چاہتی ہو۔ اور جھپکنا تو جیسے اسے آتا ہی نہیں تھا۔

قونان‌بائے کے شانوں پر کسی جوان اونٹ کی کھال کا روئیں‌دار کوٹ پڑا ہوا تھا اور وہ بڑے بھاری بھرکم پراعتماد انداز سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی واحد آنکھ سویوندیک پر جو اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا یوں جمی تھی کہ ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

سویوندیک ذرا ذرا دیر بعد مقرر کی طرف چوری چھپے کن‌انکھیوں سے دیکھتا تھا لیکن اس کی آنکھ کی طرف دیکھنے کی همت نهیں پڑ رهی تھی۔ اس کی سفید داڑھی هلکی نقرئی سی تھی اور چهرے کے نقوش ابائی کو بالکل بےجان اور معمولی قسم کے معلوم هو رهے تھے۔ ان نقوش کے پیچھے کچھ بھی تو نه تھا۔

پهلی نگاه میں بوجیئی بھی بالکل معمولی قسم کا آدمی معلوم هوتا تھا حالانکه اپنی زرد، زیتونی رنگ کی جلد، سیاه داڑھی اور نمایاں ناک کے ساتھ یقیناً وه خیمے میں موجود تمام افراد میں سب سے زیاده خوبصورت تھا۔ اس کے چهرے پر جھریاں بھی نسبتاً کم تھیں۔ اس نے قونان‌بائے کی طویل تقریر کے دوران ایک بار بھی نه جنبش کی اور نه هی نگاهیں اوپر اٹھائیں۔ یه کهنا مشکل تھا که وه اونگھ رها هے یا خیالوں میں غرق هے۔ اس کے ذهن میں جو کچھ بھی تھا اسے اس کی پلکیں چھپائے هوئے تھیں۔

صرف بائیسال هی جو ممتاز جگه پر بیٹھا هوا تھا، قونان‌بائے کی تقریر کے دوران اس کی طرف براه راست دیکھ رها تھا۔ وه طویل قامت، دیکھنے میں شاندار معلوم هونےوالا، سرخ و سفید چهرے کا آدمی تھا۔ اس کی بڑی بڑی نیلی نیلی آنکھیں، اس کی کم‌سخنی کا، کسی راز کو روح کی گهرائیوں میں چھپا لینے سے متعلق اس کی صلاحیت کا، بڑی سردمهری سے اظهار کر رهی تھیں۔

دوسرے لوگ یونهی بیزار سے بیٹھے هوئے تھے۔ صرف قراتائی اور میباسر کی آنکھوں سے ظاهر هوتا تھا که قونان‌بائے جو کچھ چاهتا تھا اس سے وه اچھی طرح واقف هیں۔

بڑے بوڑھے قبائلی سردار حلقے کی شکل میں بیٹھے هوئے تھے۔ یه حلقه ایک طرف ابائی پر ختم هوتا تھا جو اپنے باپ کے پاس بیٹھا هوا تھا اور دوسری طرف نوجوان بانکے جیرین‌شے پر۔

کوتی‌باق قبیلے کا یه نوجوان جو بائیسال کا رشتےدار تھا، صرف اس کا ملازم اور بانکا هی نهیں بلکه بهت هی هونهار، بهت هی نکته‌رس اور زبردست قوت مشاهده کا مالک بھی تھا۔ اس کے علاوه نهایت هی عمده قصه‌گو اور ظریف بھی تھا۔ ابائی کو اس کے کچھ مذاق اب بھی یاد تھے اور خیمے میں صرف وهی ایک ایسا شخص تھا جس سے وه کھلے دل سے باتیں کرنا پسند کرتا۔

لیکن دیکھنے میں ایسا لگتا تھا — اور بہت ممکن تھا کہ اس کا رویہ خلوص پر بھی مبنی رہا ہو — کہ وہ قونان‌بائے کی باتوں میں بڑی گہری دلچسپی لے رہا ہے اور اسے ابائی اور دوسرے لوگوں کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہو رہا ہے۔

آخرکار جب جیرین‌شے کچھ کسمسایا اور اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں تو ابائی کو اندازہ ہوا کہ اس کے باپ کی تقریر ختم ہونے کو ہے۔

"اس بدمعاش قودر کی روسیاھی سے دوسرے جرگوں کے سامنے میری نگاھیں نیچی ہوئی ہیں تو یہ بات ہمارے سارے قبیلے اور ان سب افراد کے لئے جو یہاں اکٹھا ہوئے ہیں، باعث شرم ہوگی! تم سب کے لئے باعث رسوائی!" اس نے اپنی تیر کی طرح چبھتی ہوئی آنکھ سویوندیک سے لےکر بائیسال تک ہر ایک پر دوڑائی اور پھر بوجیئی کو گھورنے لگا۔

بوجیئی اور بائیسال نے تو جنبش نہ کی لیکن دوسرے لوگ بےچینی سے کسمسانے لگے۔ قونان‌بائے کے الفاظ کے بوجھ سے خیمے میں موجود ہر شخص کے شانے دبے جا رہے تھے۔

"آن بان کا مطلب صرف موت ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زائد ہوتا ہے! بےنظیر جرم، بےنظیر سزا کا متقاضی ہے" قونان‌بائے نے گرجتے ہوئے کہا۔

اس کے لب ولہجے کی سختی ایک ناقابل تنسیخ فیصلے کی آئینہ‌دار تھی اور ہر شخص واقف تھا کہ قونان‌بائے ایک بار فیصلہ کر لے تو پھر کوئی طاقت اسے اس سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔

ان لوگوں کے لئے دو ہی راستے کھلے رہ گئے تھے: قونان‌بائے سے تکرار اور تو تو میں میں کریں، بغاوت کی علامات ظاہر کریں اور کھلم کھلا جھگڑے کا خطرہ مول لیں یا جیسا کہ بائیسال اور بوجیئی نے اکثر کیا تھا، اپنے اختلاف رائے کو چھپا لیں اور قونان‌بائے کو اکیلے ہی سب کچھ کرنے دیں، اسے ساری ذمےداری قبول کرنے اور نتائج بھگتنے دیں!

جب ان کے ذاتی مفادات کا سوال نہیں ہوتا تھا تو وہ لوگ عموماً زیادہ الفاظ نہیں استعمال کرتے تھے بلکہ اپنے خیالات کا مبہم اور گول مول انداز میں اظہار کرتے تھے لیکن اس بار تو قونان‌بائے

نے ان کے لئے بچ نکلنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں چھوڑی تھی اور ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ وہ جال میں پھنس کے رہ گیا ھے۔ خاموشی بڑی بوجھل سی ہوکے رہ گئی۔

ابائی قودر کو نہیں جانتا تھا لیکن "قوزی کورپیش اور بیان‌سلو"* نامی گیت میں جس قسم کے قودر کی عکاسی کی گئی تھی اس کی صورت نگاھوں میں پھر گئی۔ اس کے باپ نے قودر کو بدمعاش کہا تھا، یہ بات بھی اس گیت‌والے قودر کی شخصیت سے مطابقت رکھتی تھی جسے مغنی شاعر بائےکوک‌شے نے گزشتہ سال اسی خیمے میں گا کے اس کی ماؤں کو سنایا تھا۔

ذرا دیر تک تو ابائی سمجھتا رہا کہ لوگوں نے کسی ایسے شخص کو قودر کے فرضی نام سے پکارنا شروع کر دیا ھے جو اس گیت کے هیرو جیسا ہے۔

خاموشی کا طلسم سب سے پہلے قراتائے نے خوشامدانہ اور محتاط انداز میں بولتے ہوئے توڑا۔

"یہ تو واقعی بڑی انسانیت‌سوز بات ھے! خدا ھمیں معاف کرے کہ اس قسم کی حرکت ھمارے بیٹوں اور بیٹیوں سے سرزد ہوئی ہے! قودر نے اگر اس جرم کا ارتکاب کیا ھے تو اس کی جگہ کافروں میں ھے" اس نے کہنا شروع کیا۔

پھر اس نے محتاط انداز میں حیلے حوالے سے، کہیں کوئی سوال اٹھا کے، کہیں کوئی اشارہ کرکے، اپنے شکوک ظاھر کئے: لوگ قودر کے بارے میں جو کچھ کہہ رھے ھیں وہ شاید صداقت پر مبنی نہ ہو؟

جو لوگ موجود تھے ان میں صرف سویوندیک ھی قودر کا رشتےدار تھا اور یہی وجہ تھی کہ قونان‌بائے نے اپنی تقریر کے دوران مسلسل اس پر نظر جمائے رکھی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ سویوندیک کو قودر کے اس ناپاک جرم کا یقین دلا سکے تو اس سے اچھی اور کوئی بات نہ ہوگی کیونکہ اس طرح قودر خود اپنے

---

* اس رزمیہ نظم میں قودر خوبصورت بیان‌سلو کو اپنی بنا لینے کے لئے بےرحمانہ اور غدارانہ جرائم کرتا ہے۔

رشتےدار کی نگاہوں میں قابل مذمت ٹھہرےگا اور نتائج کی ساری ذمےداری سویوندیک اور اس کے جرگے پر عائد ہوگی۔

لیکن سویوندیک کو قودر کے جرم کا کسی طرح یقین نہیں ہو رہا تھا۔ قراتائے نے جو چال اپنائی تھی اس نے سویوندیک کو راستہ دکھا دیا تھا اور اس نے تیزی سے اس کے ان الفاظ کی آڑ لے لی: "...ویسے جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ شاید صداقت پر مبنی نہ ہو؟"

"قودر کے جرم کو ثابت کیا جا سکے" اس نے کہا۔ "تو اسے اب مار ڈالا جانا چاہئے! اس کے دل کو نیزے سے چھلنی کر دیا جانا چاہئے! لیکن سوال یہ ہے کہ جرم کی صداقت کی قسم کون کھا سکتا ہے؟"

قونان‌بائے کے جسم میں سختی پیدا ہو گئی اور اس نے آگے کی طرف بہت زیادہ جھکتے ہوئے کہا:

"ارے سویوندیک، چڑیلیں تو کمزور لوگوں کے انتظار ہی میں رہتی ہیں! قوت فیصلہ کی کمزوری دکھانےوالا، ہچکچانےوالا سردار اپنے اوپر تباہی لاتا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم قودر کے نام پر اپنی روحوں کی ضمانت دیں، قسم کھائیں کہ وہ ایماندار اور بےگناہ ہے؟ تم چاہتے ہو کہ ہم اسے بری کر دیں اور عاقبت میں اس کا جرم اپنے اوپر لے لیں؟ نہیں۔ میرے پاس کوئی فالتو روح نہیں ہے!" پھر وہ اچانک سویوندیک پر جو بالکل بدحواس ہو رہا تھا، گرج پڑا۔ "اور تم۔ کیا تم قودر کے بےگناہ ہونے کی قسم کھا سکتے ہو؟ کیا تم اس کے لئے قسم کھا سکتے ہو؟ کیا تم اپنی روح کو بطور ضمانت دے دوگے؟"

اس للکار نے سویوندیک کی مزاحمت کو توڑکے رکھ دیا۔

"میرے پاس بھی کوئی فالتو روح نہیں ہے! میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ ہمیں اس الزام کے سچ ہونے کا یقین ہو جانا چاہئے۔ اور میں یہاں اپنی روح کا سودا کرنے نہیں آیا ہوں" اس نے برہمی سے اضافہ کیا۔

سب لوگوں پر واضح ہو چلا تھا کہ سویوندیک اپنے موقف سے پیچھے ہٹ رہا ہے اور قونان‌بائے نے اس کی اس ذہنی کیفیت سے فائدہ اٹھانے میں خاصی تیزی دکھائی۔

"ارے بھئی، تمہیں ہم لوگوں کی باتوں پر یقین نہیں" اس نے

کہا۔ "تو کم از کم عوام پر ھی یقین کرو جو چاروں طرف قودر کی روسیاھی کا ڈھنڈورا پیٹتے پھر رھے ھیں! اور یہ بات صرف ھمارے ھی لوگ نہیں کہہ رھے ھیں۔ کل مشاورتی جلسے میں تو اجنبیوں تک نے ھمیں اس کا طعنہ دیا! انہیں بھی اس واقعے کا علم ھے۔ جاکے انہیں اس کا ثبوت پیش کر دو کہ یہ جھوٹ ھے! بند کر سکتے ھو تو جا کے ان کے منھ بند کرو! تمہارے پاس ایسا کرنے کی طاقت بھی ھے؟ اگر ھے تو جا کے اسے الزام سے بری قرار دو یا مجرم! لیکن یہاں بیٹھے بیٹھے، کھانس کھنکار کے ھچکچاھٹ کے ساتھ باتیں نہ کرو!"

سویوندیک سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ مختصر خاموشی کے بعد بائیسال گویا ھوا۔ وہ ھمیشہ کی طرح پرسکون اور پراطمینان نظر آ رھا تھا اور اس نے قونان‌بائے پر ایک نگاہ ڈالی۔

"ھم اس نتیجے پر پہنچیں کہ قودر سے یہ جرم سرزد ھوا ھے تو اس کی سزا کیا ھوگی؟" اس نے غیرجذباتی انداز میں دریافت کیا۔

قونان‌بائے نے جواب دیا:

"قزاخوں کے درمیان نہ کبھی کسی نے ایسا انسانیت‌سوز جرم کیا ھے اور نہ ھی ھمیں یہ معلوم ھے کہ یہ جرم کس سزا کا مستحق ھے۔ اس کا فیصلہ تو شریعت کے بموجب ھوگا۔ قانون کو اپنا راستہ اختیار کرنے دو۔"

قونان‌بائے اشتعال‌انگیز اور تلخ لہجے میں بول رھا تھا لیکن اب اس نے اس لہجے کو بدل دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ بھی کچھ پریشان سا ھے۔

اب بحث مباحثے کے تمام دروازے بند ھو چکے تھے اور ھر شخص محسوس کر رھا تھا کہ اسے اس معاملے پر مزید اظہار خیال سے کچھ اس طرح روک دیا گیا ھے جیسے کوئی گھوڑا اچانک کسی دیوار کے سامنے پہنچ کے رک جائے۔ خیمے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ بوجیئی نے دل ھی دل میں سوچا: یقیناً شریعت میں نیکی اور بدی میں امتیاز قائم کیا گیا ھے۔ لوگوں کو یوں بلا سوچے سمجھے کسی شخص پر تھوڑی ٹوٹ پڑنا چاھئے لیکن اسے اپنے خیالات کے اظہار کی ھمت نہیں پڑ رھی تھی۔ اس کے زبان ھلانے کا مطلب یہ تھا کہ

قونان‌بائے نہایت ہی سخت جواب سے اس پر وار کرتا چنانچہ اس نے خاموش رہنے کو ترجیح دی۔

لیکن قراتائے کے لئے اپنی بےصبری کے باعث چپ چاپ بیٹھے رہنا ممکن نہ ہو سکا۔

"اور اس مسئلے پر شریعت کیا کہتی ہے؟"

قونان‌بائے، جمعہ‌بائے کی طرف جو کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا، یوں مڑا جیسے اسے ابھی اس کی موجودگی کا پتہ چلا ہو۔

"میں نے حضرت احمد رضا سے فتوا حاصل کرنے کے لئے جمعہ‌بائے کو شہر بھیجا تھا۔ اس جرم کی سزا پھانسی ہے۔"

"پھانسی؟" قراتائے دہشت‌زدہ ہو گیا۔

بوجیئی، قونان‌بائے کو سوالیہ نگاہوں سے تکنے لگا جس کا چہرہ کچھ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پتھر سے تراشا گیا ہو۔

"کوئی دوسرا حل ممکن نہیں ہے کیا؟ وہ پاگل کتا ہی سہی لیکن بہرحال ہمارا رشتےدار ہے" بوجیئی نے کہا۔

قونان‌بائے کی آواز ایک بار پھر گرجی۔

"جس شخص کے دل میں قودر کا درد ہو وہ تمام جذبات سے محروم ہو جائے! آخر شریعت کے معاملے میں ٹانگ اڑانےوالے ہم لوگ کون ہوتے ہیں؟ معاملہ قودر کا نہیں، میری ساری زندگی کی مسرت کا ہوتا تب بھی میں نہ پیچھے ہٹتا نہ تذبذب کا شکار ہوتا!"

سب پر واضح ہو گیا کہ استیپیوں کے اس سرکش گھوڑے کو رسی سے باندھا نہیں جا سکتا۔

"آپ کو پوری طرح یقین ہے تو جیسا مناسب سمجھئے کیجئے" بوجیئی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

بائیسال نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

سویوندیک نے بوجیئی کے دکھائے ہوئے راستے کو اپنایا۔

"لوگوں پر آپ کی حکمرانی ہے اور بدکار شخص بھی آپ کے ہاتھوں میں ہے" اس نے کہا۔ "مجرم اور اس کا شکار دونوں آپ کی دانشمندی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم صرف ایک بات کا مطالبہ کرتے ہیں: جس سزا کے متعلق بھی آپ فیصلہ کریں، پہلے یہ پتہ لگا لیجئے کہ حقیقت کیا ہے۔ جہاں تک باقی باتوں کا سوال ہے وہ سب آپ اپنی مرضی کے مطابق کریں۔"

دوسرے سرداروں نے بھی سویوندیک کے الفاظ دوھرائے۔
"سچائی کا پتہ لگا لیجئیے اس کے بعد جو جی میں آئے کیجئیے!"
لیکن ان لوگوں کی رضامندی محض دکھاوے کی تھی اور تمام شام بغیر اعلان کے تصادم کی سی فضا قائم رہی۔ اشاروں کنایوں میں الزامات لگائے گئے لیکن کسی میں بھی قونان‌بائے سے کھلی ٹکر کا خطرہ مول لینے کی ھمت نہ تھی۔ بوجیئی کو اندازہ ھو گیا کہ یہ قودروالا معاملہ دراصل قونان‌بائے کی ایک چال کی حیثیت رکھتا ھے اور یہ معاملہ جیسا نظر آ رھا ھے ویسا ھی نہیں ھے بلکہ اپنے پیچھے کچھ اور بھی رکھتا ھے۔ اس نے سوچا کہ آخر اس کا انجام کیا ھوگا؟ بہرحال کچھ بھی نتیجہ نکلے، ساری ذمےداری قونان‌بائے ھی پر عائد ھوگی کیونکہ کسی نے بھی اس کی طرفداری نہیں کی۔ غالباً وہ بھی سمجھتا ھے کہ دوسرے لوگوں نے خود کو کسی بات کا پابند نہیں کیا۔ انہوں نے اس جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے خود کو پوری طرح آزاد رکھا ھے۔

قبائلی گروھوں کے سرداروں کو دل ھی دل میں امید تھی کہ وہ اس معاملے میں خود کو ملوث ھونے سے بچا لیں‌گے لیکن دوسری طرف قونان‌بائے نے دو ایک باتیں ان‌کہی چھوڑ دی تھیں: اس نے جو چال اپنائی تھی اس کی ذرا ذرا سی تفصیلات پوری طرح سوچی سمجھی ھوئی تھیں۔

ان چھ سرداروں کے ھاتھوں میں توبیق‌تی قبیلے کے ھزاروں خاندانوں کا مقدر تھا، قبائلی اور خاندانی معاملات کا سارا تانا بانا تھا، باھمی تعلقات کے تمام الجھاؤ، چالوں اور سازشوں سمیت۔ وہ اپنی آستینوں میں بےشمار متحدہ کارروائیوں، متحیر کر دینےوالے اچانک اقدامات کو، انسانی چالاکی کے عمدگی سے بنے ھوئے جال کو چھپائے ھوئے تھے۔

قونان‌بائے، آغا سلطان مقرر ھونے کے بعد دوسروں سے بلند و برتر ھو گیا تھا اور سارا اقتدار اس کے ھاتھوں میں تھا۔ وہ باھری دنیا سے، اعلاترین عہدیداروں سے روابط رکھتا تھا جو اس کا احترام اور اس کی رائے کی قدر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ حریص اور دولت‌مند بھی تھا۔ بڑا حاضر جواب تھا اور اس کی شخصیت بہت ھی متاثر کرنےوالی تھی۔ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک

اسے وہ سب حاصل نہ ہو جائے جو وہ چاھتا تھا۔ وہ بڑی مہارت سے خود کو حالات کے سانچے میں ڈھال لیتا اور ان سب لوگوں پر جو اس کے ارد گرد اکٹھا تھے، اپنی مرضی کو مسلط کرتا تھا۔

لیکن توبیق‌تی قبیلہ، جس طرح قونان‌بائے کی طاقت کا وسیلہ تھا اسی طرح اس کی کمزوری کا باعث بھی تھا۔ اس کی حالت اس قدیم قزاخی کہاوت جیسی تھی: "بلندیوں تک پرواز کرنے کے لئے بازو اور نیچے اترنے کے لئے دم"۔ یہ بڑے بوڑھے اور سردار قونان‌بائے کے لئے "بازو" بھی تھے اور "دم" بھی۔

گزشتہ سال کے دوران اسے محسوس ہوا تھا کہ اس پر سے لوگوں کا اعتماد کم ھوتا جا رہا ھے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کے اور ان لوگوں کے درمیان عدم‌اعتماد کی ایک غیرمرئی دیوار حائل ھو گئی۔ قونان‌بائے کو اس صورت‌حال کا بڑی شدت کے ساتھ احساس تھا لیکن اس وقت تک کسی نے بھی اس سے کھلم‌کھلا علاحدگی کا خطرہ مول لینے کی جرأت نہیں کی تھی اور سب کے سب اس کے آگے سر تسلیم خم کرتے رھتے تھے۔ یہ بات اس کے لئے بہت اھمیت رکھتی تھی کیونکہ ویسے تو وہ طاقتور بھی تھا اور اختیار و اقتدار کا مالک بھی لیکن اسے اب بھی ایک دوسری طاقت کو شمار میں رکھنا تھا اور یہ طاقت تھی قبیلے کا فیصلہ۔ قبیلے کی نگاہ میں اس سنگ‌دلانہ سزا کے لئے جس کا ان لوگوں نے فیصلہ کیا تھا، دوسرے سردار بھی اتنے ھی ذمےدار تھے جتنا کہ وہ خود۔ اس معاملے میں اگر قونان‌بائے سے جواب طلب کیا جا سکتا تھا تو دوسرے سردار بھی بہرحال جوابدہ تھے۔ قونان‌بائے سمجھتا تھا کہ دوسرے لوگ اس وقت کچھ بھی سوچ رہے ھوں، انہیں ثابت کرنا ھوگا کہ سزا درست اور منصفانہ نہ تھی چنانچہ اس نے ایسا ظاھر کیا جیسے اسے کسی بات کا شک نہ ھو۔

توبیق‌تی قبیلہ یوں تو بہت سے جرگوں اور خاندانوں پر مشتمل تھا لیکن ساری طاقت صرف پانچ چھ کے ھاتھوں میں تھی جن کے سردار قونان‌بائے کے خیمے میں اکٹھا ھوئے تھے۔ دراصل یہی چند جرگے اور خاندان، قبائلی اقدامات کی راھیں متعین کرتے اور قانون بناتے تھے۔ توبیق‌تی قبیلے کے اصل سردار یہی تھے۔

ان میں سے ایک یعنی بوجیئی جو قونان‌بائے کے دائیں جانب

بیٹھا ہوا تھا، باأثر جرگے جیگیتیک سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ جرگہ اپنے بےباک قبائیلیوں کے باعث خاصی شہرت رکھتا تھا جو لوٹ مار کے لئے چھاپے مارنے، مویشی چرا لینے اور ہر قسم کی خطرناک مہموں میں حصہ لینے کے بڑے شوقین تھے۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں بڑے تندخو اور سرکش تھے۔

بائیسال، کوتیباق جرگے کا سردار تھا جو اس علاقے میں بہت ہی بڑے اور بہت ہی طاقتور قبائلی گروہوں میں سے ایک تھا اور اس کو اکثر سرکش گھوڑوں کے گلے سے تشبیہہ دی جاتی تھی۔ کوتیباق لوگ مویشیوں کا کاروبار کرتے تھے اور سال بہ سال چراگاہوں کے لئے زیادہ سے زیادہ زمینوں پر قابض ہوتے جا رہے تھے۔ انہیں اپنی طاقت کا احساس تھا اور وہ بڑے سے بڑے جرم سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔

سویوندیک، بوکینشی جرگے سے تعلق رکھتا تھا جو سب سے چھوٹے اور سب سے غریب جرگوں میں سے ایک تھا۔ نانہالی سلسلہ نسب کے اعتبار سے ان لوگوں کی بورساق نامی چھوٹے سے جرگے سے رشتےداری تھی اور قودر جو قونانبائے کے عتاب کا مرکز بنا ہوا تھا، اسی جرگے کا رکن تھا۔

خود قونانبائے، ارغیزبائے جرگے کا تھا جو جیگیتیک اور کوتیباق جرگوں سے افراد کی تعداد کے اعتبار سے تو چھوٹا تھا لیکن ان سے کہیں زیادہ امیر اور بےحساب دولت کا مالک تھا۔ ارغیزبائے جرگا جانے کتنی ہی نسلوں سے توبیقتی قبیلے میں اپنے اثر و رسوخ اور ممتاز حیثیت کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔

قونانبائے کی بائیسال سے، بوجیئی اور سویوندیک کی بہنسبت زیادہ قریبی رشتےداری تھی اور وہ کوتیباق جرگے پر آدمی جمع کرنے کے لئے بھی اور عام حمایت کے لئے بھی، ہمیشہ بھروسہ کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس بڑے قبیلے میں اپنے اثرات برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔

قراتائے کی حیثیت دوسروں سے ایک حد تک مختلف تھی۔ وہ کوکشے نامی قدیم قبیلے کا سردار تھا جس کی باقی دوسرے قبیلوں سے دور کی رشتےداری تھی۔ یہ گروہ کسی بھی لحاظ سے بڑا گروہ نہ تھا لیکن اس کا باصلاحیت اور صاحب وسائل رہنما بڑی چالاکی

سے دوسرے قبیلوں سے اپنی رشتےداری کا فائدہ اٹھاتا رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ بہت زیادہ باخبر رہتا اور قبائلی مجلس کے تمام اہم فیصلوں میں حصہ لیتا تھا۔

یہ سردار جو کچھ کہتے یا جو فیصلے کرتے تھے انہیں سارے توبیق‌تی قبیلے میں بوڑھے اور جوان سب کے سب بلاتامل قبول کر لیا کرتے تھے۔

قونان‌بائے کے بھائی میباسر نے جو اب اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وولوست کا سربراہ مقرر ہو جانے کے بعد اپنے دوستوں بلکہ قونان‌بائے کے قریب‌ترین عزیزوں سے بھی علاحدگی اختیار کر لی تھی۔ قونان‌بائے کی موجودگی میں تو وہ کسی میمنے جیسا کمزور نظر آتا تھا لیکن دراصل ناقابل یقین حد تک ظالم اور سنگ‌دل تھا۔ وہ ان ارغیزبائیوں کا سرغنہ تھا جن کو قونان‌بائے کے اعلا مرتبے اور اقتدار کو برقرار رکھنے سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔

اسی میباسر ھی کے سوال پر بوجیئی کی قونان‌بائے سے جھگڑے کی پہلی بار نوبت آئی تھی۔ دو ماہ قبل ان لوگوں کی درخواست پر جو میباسر کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے، وہ قونان‌بائے کے پاس یہ مطالبہ لےکے گیا تھا کہ اس کا بھائی اپنے عہدے سے ہٹا دیا جائے لیکن قونان‌بائے نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسے میباسر کے ھاتھوں ہونےوالے مظالم کا علم تھا لیکن اسے ایک ایسے شخص کی موجودگی کی ضرورت تھی جس میں خود اس کی اپنی ناقابل تسخیر طاقت اور بےلوچ سنگدلی کی جھلک نظر آتی ہو۔ وہ سوچتا تھا کہ میباسر کی وحشیانہ حکمرانی ناقابل برداشت ہو جائےگی تو لوگ پناہ مانگنے کے لئے اس کے پاس، قونان‌بائے کے پاس آئیں‌گے۔ اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ میباسر لوگوں کو مسلسل احساس دلاتا رہےگا کہ قونان‌بائے کے اختیارات اور اقتدار کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ھے۔

بات‌چیت کا رخ قودر کے مسئلے سے موڑنے کے لئے قونان‌بائے نے بڑے بوڑھوں سے ان کے مویشیوں اور چراگاھوں کے متعلق سوالات کئے اور انہیں بتایا کہ انہیں اپنے قبائلی گروھوں کو لےکے کب اور کہاں منتقل ہونا چاھئے۔ اس سال بھی چنگیز سلسلہ کوہ پر پڑاؤ

ڈالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ سچ تھا کہ پہاڑیوں کی دوسری جانب واقع چراگاھیں کیرئیی قبیلے کی تھیں لیکن ان کے بالکل پاس ھی یہ لوگ پڑاؤ ڈال سکتے تھے۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے دریا کے کنارے کنارے آگے بڑھا جا سکتا تھا، اس خفیہ امید میں کہ آخرکار کیرئیی قبیلے کی چراگاھوں پر قبضہ کر لیا جائے گا۔

تناؤ کی فضا کسی حد تک ختم ہو گئی اور اب وہ لوگ آزادی سے کسی ٹال مٹول کے بغیر باتیں کرنے لگے۔ اس اثنا میں جیرین‌شے نے ابائی کو آنکھ ماری اور سر کی جنبش سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ابائی کو اب بھی نہیں معلوم ھو سکا تھا کہ قودر کون ھے اور اس نے کیا کیا ھے۔ لفظ "پھانسی" کو سن‌کے وہ کانپ اٹھا تھا اور اس نے اس احساس کے ساتھ کہ اس کا باپ ایسی ظالمانہ سزا پر بھی اصرار کر سکتا ھے، قونان‌بائے کی طرف بدحواسی سے دیکھا تھا۔ لڑکے نے کبھی بھی نہیں سنا تھا کہ یہاں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ھو۔ "یہ پھانسی دینے سے متعلق ساری بات محض دھمکی ھی ھے" اس نے سوچا۔ "یہاں ایسی بات نہیں واقع ھو سکتی۔"

لیکن اب کہیں جاکے اس کی سمجھ میں آیا کہ جمعہ‌بائے کو شہر کیوں بھیجا گیا تھا۔ وہ بدحواس ھوکے رہ گیا! وہ دونوں کتنے دنوں تک ساتھ رھے تھے لیکن بوڑھے نے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ موت کے اس پیامی نے جو شریعت کے پرجلال الفاظ کو اپنے سینے میں مقید کئے ھوئے تھا، اس کے ساتھ گھوڑے پر سفر کیا تھا، استیپیوں میں ساتھ ساتھ گھوڑا دوڑایا تھا اور اس سے ھنسی مذاق تک کیا تھا! اور اب جمعہ‌بائے کچھ اس طرح خاموش بیٹھا ھوا تھا جیسے یہاں کی کسی بات سے اس کا تعلق ھی نہ ھو! ابائی، جمعہ‌بائے کی طرف تکتے ھوئے بڑی عمر کے لوگوں کے عجیب و غریب رویے پر حیرت کرنے لگا۔ "میں خود زیادہ عمر کا ھوتا" اس نے سوچا "تو میں ان لوگوں کے رویے کو بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا، ان کے ارادوں سے واقف ھو سکتا تھا۔"

ابائی جیرین‌شے کو تلاش کرنے کے لئے چپ چاپ خیمے سے باھر نکلا۔ اس نے دیکھا کہ جیرین‌شے اپنے گھوڑے کو چرنے کے لئے

چھوڑنے سے قبل اس کی دونوں اگلی ٹانگوں کو رسی سے چھاند رھا ھے۔ خیمے کے دروازے سے باھر آتی ھوئی دھندلی سی روشنی میں جیرین‌شے نے لڑکے کو دیکھ کے دھیرے سے پکارا:

"ابائی یہاں آ جاؤ!"

"ارے جیرین‌شے، آخر یہ قودر کون ھے جس کے متعلق یہ لوگ باتیں کر رھے تھے؟ اور آخر اس نے کیا کیا ھے؟"

"قودر؟ بورساق جرگے کا ایک غریب آدمی ھے۔"

"اور اس وقت وہ کہاں ھے؟"

"چنگیز پہاڑیوں پر، بوکین‌شی درے کے دامن میں رھتا ھے۔"

"اور اس نے ایسی کون‌سی بات کر دی ھے؟"

"اس کے ایک بیٹا تھا، وہ بھی اس سال مر گیا تو لوگ کہتے ھیں کہ وہ وہ اپنی بہو کے ساتھ رھنے لگا۔"

"ساتھ رھنے لگا؟ کیا مطلب؟"

"ارے بھئی، وہ اس سے ھم‌بستری کرنے لگا۔"

"میں نہیں سمجھ سکا۔"

"تم بھی عجب احمق ھو۔ سمجھ میں نہیں آ رھا ھے کہ میں کیا کہہ رھا ھوں؟ بھئی یوں سمجھو کہ اونٹ اور اونٹنی کی طرح... اب سمجھ گئے نا؟" اور اس نے ایک فحش اشارے کے ذریعے وضاحت کی تکمیل کر دی۔

جیرین‌شے بڑے بوڑھوں کی باتوں سے اوب گیا تھا اور اسے بہار کی تازہ ھوا میں پہنچ کے خوشی ھوئی تھی وہ لڑکے کے ساتھ کھیلنا پسند کرتا لیکن ابائی کی کھیلوں میں حصہ لینےوالی حالت ھی نہ تھی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ھوئی تھی کیونکہ جیرین‌شے کے الفاظ نے اسے بری طرح پریشان کر دیا تھا۔

"کیا یہ واقعی سچ ھے؟"

"بھئی، اس بارے میں تو یقینی طور پر کسی کو کچھ بھی نہیں معلوم۔ افواھیں ضرور پھیلی ھوئی ھیں۔ اسی لئے تو سویوندیک کا اصرار تھا کہ پہلے سچائی کا پتہ لگا لیا جائے" جیرین‌شے نے جواب دیا۔

"تب تو ممکن ھے کہ یہ بات جھوٹی ھی ھو؟"

"بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے۔ بات یہ ہے کہ قونےکین نے سیبان قبیلے کے اجتماع میں شرکت کی تو سولتابائے نے انہیں سب کے سامنے اس کا طعنہ دیا۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا تھا: قونےکین نے اس سے کہا کہ اسے نسوار استعمال کرنے کی عادت ترک کر دینی چاہئے۔ اس شخص کو غصہ آ گیا اور اس نے جواب دیا: "نسوار کا استعمال کوئی خاص گناہ نہیں ہے اور ہمیں نصیحت کرنے سے تو بہتر ہے کہ آپ اس بال‌دار جادوگرنی کی سرگرمیوں کی روک تھام کریں جس نے آپ کی چنگیز ڈھلانوں پر بدی کا ایک نشیمن تعمیر کر رکھا ہے۔ قونےکین کو اس طنز سے شدید چوٹ لگی اور جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو وہ اب بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں آئے۔ بالکل گرجنےوالے بادل کی طرح سیاہ ہو رہے ہیں۔"

ابائی کے تصور میں اس کے باپ کا اس وقت کا چہرہ پھر گیا جب اس نے لفظ "پھانسی" ادا کیا تھا۔ اس کی نگاہیں قہرآلود تھیں اور چہرہ خوفناک ہو گیا تھا۔ لڑکا ذرا دیر تک تیوری چڑھائے کھڑا رہا پھر ایک گہری ٹھنڈی سانس لےکر تیزی سے مڑا اور اپنی ماں کے خیمے کی طرف چل دیا۔ جیرین‌شے نے اسے واپس بلانے کے لئے پکارا کیونکہ اسے کچھ اور بھی بتانا چاہتا تھا لیکن لڑکا آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ تاریکی میں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

۳

قودر دھیرے دھیرے باجرے کا دلیہ اور بھیڑ کی پنیر کھا رہا تھا۔ یہ کھانا اس کو بہو نے گرم کرکے دیا تھا۔

"میری عزیز قامقہ، آج جمعہ ہے نا؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں، آج جمعہ ہی ہے، مجھے قبر پر جاکے فاتحہ پڑھنا چاہئے" پھر تلخی سے آہ بھرتے ہوئے اس نے کہا۔ "گزشتہ رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا تھا۔ سب کچھ بالکل ایسے ہی تھا جیسے وہ زندہ ہوں۔"

---

* قونان‌بائے کا نام احترام کے ساتھ لینے کی ایک شکل۔

"اوہ خدائے رحیم، خدائے رحیم" قودر کراھا اور ایسا لگا جیسے اس ایک گھری کراہ سے اس کے طاقتور سینے میں بھرا ھوا سارا غم باھر آ گیا۔ اس نے سوچا کہیں خالی خولی تصورات سے بھی دل کو سکون مل سکتا ھے؟ اس نے بھی اپنے واحد بیٹے قوت‌جان کو خواب میں دیکھا تھا لیکن کیا اس خواب سے اسے تسلی حاصل ھو سکتی تھی؟ قامقه کا معامله قدرے مختلف تھا اور ایسا لگتا تھا که اسے اس طرح کے خوابوں سے کچھ راحت مل جاتی ھے۔ اس نے سوچا ٹھیک ھے، وہ ان خوابوں کا تذکرہ کرتی ھے تو کرنے دو۔ اس کے جوان دل کو یونہی کچھ سکون مل جائے۔ وہ جو کچھ کہتی ھے اسے سننا ھی چاھئے۔

"میں نے انہیں خواب میں اسی طرح دیکھا جیسے وہ زندگی میں تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار ھمارے خیمے کے سامنے آکے نیچے اترے۔ ھمیشه کی طرح پرجوش اور خوش و خرم نظر آ رھے تھے۔ خیمے میں آکے کہنے لگے: "سنو، تم اور اباجان بہت زیادہ رونے دھوتے ھیں۔ میں اکثر تمھارے کراھنے کی آوازیں سنتا رھتا ھوں۔ کیا تمھارا خیال ھے که میں واقعی مر چکا ھوں؟ تم خود ھی دیکھ رھی ھو که میں واپس آ گیا ھوں۔ بہت ھو چکا قامقه! اب مت روؤ۔ خوش ھو جاؤ نا!" ھاں انھوں نے یہی کہا اور میں بہت مسرور ھو گئی!"

بوڑھا مرد اور جوان عورت دونوں خاموش بیٹھے ھوئے تھے اور دونوں کے رخسار آنسوؤں سے تر ھو گئے تھے۔

چاروں طرف سناٹا چھایا ھوا تھا۔ صرف ایک عجیب‌وغریب چیخ کی سی آواز گونج رھی تھی جسے قامقه لگاتار کئی صبحوں سے سنتی آ رھی تھی۔

وہ اپنے زرد چھرے کو خسر کی طرف موڑکے اس آواز کو سننے لگی۔ اس کی آنکھوں کے حلقے سرخ ھو رھے تھے اور کنپٹی پر ایک نیلی رگ پھڑک رھی تھی۔

"پہاڑ کے پہلو میں جلتی ھوئی ھوا ھے اور کچھ نہیں" اس نے وضاحت کی۔

"لیکن ھوا اس طرح کراہ کیوں رھی ھے؟"

"یه تو پرانی پھوس کی چھت ھے۔ سینٹھے ڈھیلے ھو گئے ھیں

اور کمبخت ھوا میں چرمراتی رھتی ھے" اس نے اسے اطمینان دلانے کے لئے کہا۔

دونوں ساتھ ساتھ باھر نکلے۔

ان کا خیمہ جو بری طرح تاریک تھا اور جس میں جگہ جگہ پیوند لگے ھوئے تھے، ایک چھوٹے سے چھپر کے قریب سہما سہما کھڑا تھا۔ پڑوس میں اور کہیں زندگی کے آثار نہیں نظر آ رھے تھے نہ کوئی جھونپڑی تھی نہ خیمہ۔ پڑوسی خانہ‌بدوش خاندان کبھی کے اپنے موسم گرما کے مرکزوں کو منتقل ھو چکے تھے۔

جن دنوں قوت‌جان زندہ اور صحت‌مند تھا، اکثر کہتا رھتا تھا: "ھم نہیں چاھتے کہ جاتق* بن کے رہ جائیں! ھمیں باقی لوگوں کے ساتھ ساتھ چلنا چاھئے!" وہ ھمیشہ کسی نہ کسی طرح دوسروں کے ساتھ اپنے خاندان کو اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے دو تین اونٹوں کا انتظام کر لیا کرتا تھا۔ ان دنوں انہیں معلوم ھی نہیں تھا کہ مصیبت کس کو کہتے ھیں۔ چراگاھوں یا گزر بسر کے مصارف کی فکر کرنے کی ضرورت ھی نہیں پڑتی تھی۔ "قبیلے کے ساتھ سفر کرنا بہت اچھا ھوتا ھے" قودر کہا کرتا تھا۔ "ھمیں کافی دودھ مل سکےگا اور شاید گرمیوں کے لئے کوئی گائے بھی مانگے مل جائے۔" اور یہ لوگ بھی دوسرے خانہ‌بدوشوں کی طرح ادھر ادھر گھومتے پھرتے رھتے تھے۔

لیکن اس سال گرمیوں میں نہ بوڑھے سے گوارہ ھو سکا نہ قامقہ سے کہ وہ لوگ قوت‌جان کی قبر کو کسی دیکھ بھال کرنےوالے کے بغیر تنہا چھوڑ کے چل دیں چنانچہ وہ یہیں ٹھہرے اور رات رات بھر اس کا غم مناتے رھے۔

ان کے مویشیوں کا گلہ بہت چھوٹا تھا اور یہ مویشی مسلسل رات دن چرتے رھتے تب بھی چنگیز پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر واقع چراگاھوں کے سویں حصے کو بھی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ سردیوں میں قودر نے بیٹے کی موت کے بعد ایک بوڑھے رشتےدار کو بلا کے اپنے یہاں رکھ لیا تھا۔ غریب جام‌پیئس کے نہ کوئی خاندان

---

* جاتق — بہت ھی غریب پڑوسی جو قبیلوں کے دوسری جگہ منتقل ھوتے وقت املاک کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ٹھہرے رھتے تھے۔

تھا نہ سر چھپانے کی جگہ اور وہ دوسروں کے یہاں محنت مزدوری کرکے گزر بسر کیا کرتا تھا۔ "دو نصف جزو مل کے کل کی تکمیل کرتے ھیں! ھم لوگ اپنے اوپر بھروسہ نہ کریں‌گے تو اور کس پر کریں‌گے۔ ھمیں ایک دوسرے کی مدد کرتے ھوئے زندگی بسر کرنی چاھئے" قودر نے جام‌پییئس سے ٹھہرنے کے لئے اصرار کرتے ھوئے اس وقت کہا تھا جب وہ قوت‌جان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا۔ اور اس طرح یہ بےگھر بوڑھا ان لوگوں کے ساتھ رھنے لگا تھا۔

اب مویشیوں کے چھوٹے گلے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں باقی رہ گئی تھی اور گھر پر بھی کوئی خاص کام نہ تھا۔ اس لئے خسر اور بھو کے زیادہ‌تر وقت قوت‌جان کی قبر پر ھی گزرتا تھا۔ بوڑھا آدمی عمر اور افکار کے بوجھ سے جھکا ھوا تھا اور جوان عورت غم کی ماری ھوئی تھی۔ آج بھی یہ دونوں چپ چاپ قوت‌جان کی آخری آرام‌گاہ کی طرف چل نکلے۔

یہ مئی کا ایسا روشن دن تھا جو خاص طور سے مہربان اور دوست معلوم ھوتا تھا۔ استیپی میں چاروں طرف سنہری دھوپ پھیلی ھوئی تھی۔ آسمان کی نیلگوں وسعتوں میں بادلوں کے صرف چند سفید ٹکڑے جہاں تہاں تیرتے دکھائی دے رھے تھے۔ دور تک پھیلی ھوئی پہاڑیاں سبز و شاداب ھو چکی تھیں۔ نئی اگی ھوئی گھاس اتنی زیادہ گھنی تھی کہ لگتا تھا زمین پر نہایت ھی نرم قالین بچھا دئے گئے ھیں۔ ھر طرف اسنوڈراپ، لالہ، گیندا، جنگلی ایرس اور پوست کے پھول کھلے ھوئے تھے۔ بےشمار سرخ، زرد اور نیلے پھول جنھیں دیکھ کے ایسا لگتا تھا کہ ھر طرف بےشمار تتلیاں اڑتی پھر رھی ھیں۔ پہاڑی درے سے آتی ھوئی نسیم سحر جو ھمیشہ کی طرح سرد تھی، گرمی کو کم کرکے اپنے لمس سے ھر شے کو تازگی عطا کر رھی تھی۔

لیکن زندگی کی یہ ساری آب و تاب، قدرت کے نئے جنم کی یہ ساری پرجوش مسرت اپنے اندر، غم کے مارے ھوئے ان دونوں افراد کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتی تھی۔ ان کی نگاھیں صرف ایک چیز کو دیکھنے کے لئے بےتاب تھیں اور وہ تھی سامنےوالی چھوٹی پہاڑی پر بنی، پتھروں سے ابھری ھوئی نئی قبر۔ دونوں اس کی طرف بےتابی سے کھنچے چلے جا رھے تھے۔ پھول اور پودے انھیں

صرف موسم بہار کے ان ایام کی یاد دلا رہے تھے جب قوت‌جان زندہ تھا اور اس یاد کے ساتھ ہی ناقابل اظہار درد و غم کی ایک نئی لہر نے ان دونوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

قودر ساٹھ سال کی عمر میں سفید ہوتے ہوئے بالوں کے باوجود طاقتور جسم کا آدمی تھا۔ بیٹے کی موت کے اس ناقابل تلافی غم کے سوا، دنیا کی اور کوئی بھی چیز اسے شکستہ‌دل نہیں کر سکتی تھی۔ جوانی میں تو وہ طاقت کے اعتبار سے کسی دیو سے کم نہ تھا۔ ان دنوں مہارت اور جرأت کے معاملے میں کسی شخص کے اس سے سبقت لے جانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ اپنی زندگی بھر اس نے اپنے نام کے وقار کا ہر اس بات کے خلاف بہت چوکسی سے دفاع کیا تھا جو اسے داغدار بنا سکتی تھی اور اس نے ان لوگوں پر کبھی بھی رشک نہیں کیا تھا جو اقتدار کے بھوکے اور جھوٹی شان و شوکت کے نشے میں دھت تھے۔

اس نے خود کو ہمیشہ اپنی ذات تک محدود رکھا تھا اور زندگی نے اسے جو تھوڑی سی چیزیں دی تھیں ان پر مطمئن رہتے ہوئے اپنے خاندان کے اندر، دوسرے قبائلیوں سے بالکل الگ تھلگ خاموشی سے گزر بسر کی تھی۔ اس نے اجنبی قبائلی گروہوں کے پڑاؤ پر جانے کی کبھی فکر نہیں کی تھی۔ کبھی الٹی سیدھی باتوں میں، گپ‌بازیوں میں حصہ نہیں لیا تھا، کبھی کسی کی غیبت نہیں کی تھی۔ حالت یہ تھی کہ خود اس کے گروہ میں بھی بہت ہی کم لوگ اسے جانتے پہچانتے تھے۔ بورساق اور بوکین‌شی جرگوں میں خود اپنے رشتے‌داروں کے سوا اور کسی سے ملنا جلنا بھی اسے پسند نہ تھا۔

نصف سال قبل اس کے واحد بیٹے کی موت کی شکل میں تیرہ‌بختی کسی باز کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی تھی اور آج تک اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جا رہی تھی۔

اب وہ امید ہی کاہے کی کر سکتا تھا؟ تھا ہی کون جو اسے تسلی دیتا؟ وہ جانتا تھا کہ تقدیر بڑی بےرحم ہوتی ہے، غم میں گھلتے رہنے سے کچھ حاصل ہونے کا نہیں نیز یہ کہ اسے اپنے قنوطی خیالات سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہئے۔

اس کی بہو قامقہ، اس کی نگاہوں کے سامنے پژمردہ ہوتی جا

رهی تهی، قوت ارادی سے محروم اور غموں کی شدت سے بالکل پتھر بن کے رہ گئی تهی۔ اب اسے کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا؟ اس کا دل اس سوال کا جواب دیتے ڈرتا تھا۔ جب وہ سوچتا کہ کسی دن وہ بھی اسے چھوڑ کے چلی جائے گی، اس کے لئے اجنبی بن جائے گی تو اسے ایسا محسوس ہوتا کہ قوت‌جان کی موت کے لمحات ایک بار پھر اس کے اوپر بیت رہے ہیں۔ اس کی جدائی اس کے لئے دوسرا المیہ ثابت ہونے کو تھی کیونکہ وہ قوت‌جان ہی کے لئے نہیں، قامقه کے لئے بھی باپ جیسا تھا۔

قوت‌جان اور قامقه ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے تھے، کیسے خوشگوار تعلقات کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے! وہ سیبان قبیلے کی، جس کا پڑاؤ خاصی دوری پر تھا، ایک غریب اور یتیم لڑکی تھی اور اسے اپنے نئے گھر سے محبت ہو گئی تھی۔ قوت‌جان کی اس سے اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب وہ اپنی ماں کے رشتےداروں کے یہاں گیا ہوا تھا اور ملاقات کی پہلی ہی رات کو اسے لے کے چل دیا تھا۔ قودر اس سے اسی طرح محبت کرتا تھا جس طرح اپنے بیٹے سے۔ وہ دونوں کے لئے باپ تھا۔

چند روز قبل ہی اس سے جام‌پیئس نے ایک گندی افواہ کا تذکرہ کیا تھا جو اس نے پہاڑوں میں دوسرے چرواہوں سے سنی تھی۔ وہ اس کا تھوڑا ہی سا حصہ سمجھ سکا تھا لیکن اس سے بھی وہ سخت برہم ہوا اور اس نے اپنے رشتےدار کو جھڑکتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی زبان قابو میں رکھے۔ یہ کیا ان تنگ‌نظر اور بےغم لوگوں کی محض لغویت تھی جو ان سے ایسی فرضی کہانیاں ایجاد کراتی تھی؟ اس نے سوچا کہ یقیناً ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہوگا۔ "آخر قودر، ماند میں بیٹھے رہنےوالے کسی درندے کی طرح ہر وقت گھر میں کیوں گھسا رہتا ہے؟" وہ لوگ پوچھتے تھے۔ "آخر وہ کہیں اپنی صورت کیوں نہیں دکھاتا؟" جواباً دوسرے لوگ حقارت سے مسکراتے ہوئے کہتے: "اور اس کی بہو ابھی تک اس گھر میں کیوں گھسی رہتی ہے؟ آخر وہ سوچ کیا رہی ہے؟"

اس نوعیت کی بہتان‌تراشیوں سے قودر کو سخت اذیت پہنچ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ غالباً اس کے رشتےدار، قامقه کے لئے کوئی شوہر تلاش کرنے کی فکر میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ دلھن کے لئے

رسم کے بموجب دی جانےوالی رقم نه ادا کرنی پڑے۔ دوسرے الفاظ میں یه لوگ اس کے اوپر کوئی وارث مسلط کرنا چاهتے هیں جو اس کی املاک اور مویشیوں پر قابض هوجائےگا۔ کتنے افسوس کی بات تهی که اس قسم کی غدارانه سازش وه لوگ کر رهے تهے جو اس کے رشتےدار تهے اور ایسا ظاهر کر رهے تهے جیسے اس پر ترس کها رهے هوں۔ قودر نے هر شخص سے اپنے تعلقات منقطع کر لئے اور اس نے لوگوں سے ملنے جلنے سے انکار کر دیا۔ وه سوچتا تها: "کتنا اچها هوتا اگر یه لوگ قوتجان کی برسی تک میری بهو کے معاملے میں ٹانگ نه اڑاتے!" وه اس سے زائد مدت کی بات نهیں سوچنا چاهتا تها لیکن جهوٹی افواهوں کی ناپاک سانسیں اس کی خلوت میں بهی در آئی تهیں۔ قودر کے غریب پڑوسی جن کو صحیح صورت حال کا علم تها، بوڑهے کی طرفداری میں بهتان‌تراشوں سے بحث کرتے تهے لیکن اس سے کوئی نتیجه نهیں برآمد هوتا تها۔ کوئی شخص بڑی جانفشانی سے جهوٹی باتوں کا جال بنتا چلا جا رها تها۔ چنانچه اس بات کا دبایا جانا تو درکنار، یه دور دور تک پهیل گئی اور اس نے قودر کے وجود کو زهریلے دهوئیں کی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

مصیبت کبهی بهی اکیلے نهیں آیا کرتی۔ تین روز قبل سویوندیک نے جان بوجه کے باتونی بیک‌تین کو اس کے پاس بهیجا جس نے اسے آواز دے کے گهر کے باهر بلایا اور گهما پهرا کے ادهر ادهر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے آخرکار دهڑ سے کها:

"ذرا ان سارے لوگوں کی زبانیں بند کرنے کی کوشش کرکے تو دیکهو! نیک لوگوں کو تم سے همدردی هے اور انهوں نے اس جهوٹے الزام کا خاتمه کرنے کی بهی کوشش کی هے لیکن کوئی نتیجه نهیں برآمد هوا" اس کے بعد اس نے سویوندیک کا نام لیا اور یوں هی رواروی کے انداز میں اس کی تعریفوں کے پل بانده دئے۔ پهر اس نے مختلف اشاروں کنایوں اور الزامات کے تذکرے سے قودر کو اذیت پهنچانے کے بعد کهلم کهلا کها: "لوگ تمهارے اور تمهاری بهو کے متعلق بڑی ایسی ویسی، بڑی بهیانک قسم کی باتیں کر رهے هیں!"

قودر چونک اٹها۔

"ذرا زبان سنبهال کے بات کرو!"

"بهئی، دراصل قونان‌بائے کو بهی اس گپ کے سچ هونے کا یقین

ہے اور وہ تمہارے لئے بڑی ہولناک سزا کی تیاری کر رہا ہے“ بیک‌تین نے اطمینان کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی۔ ”لیکن کیا سویوندیک برے وقت میں اپنے کسی رشتےدار کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں؟ انہوں نے مجھے اس وقت خاص طور سے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے: ”قودر کو جتنی دور ممکن ہو سکے جاکے کہیں چھپ جانا چاهئے اور اس وقت تک روپوش رهنا چاهئے جب تک یه طوفان تھم نه جائے!“

”چلے جاؤ یہاں سے! دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے! مجھے قونان‌بائے کی سزا کی کیا پروا ہو سکتی ہے جبکه خود خدا نے مجھے سزا سے معاف نہیں رکھا؟ چلے جاؤ یہاں سے، میری بات سن رہے ہو نا؟“ قودر غصے کی شدت سے بالکل پاگل ہو اٹھا تھا۔

اس توہین نے اسے بری طرح مضطرب کر دیا اور ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی رگوں میں خون کھولنے لگا ہو۔ لیکن وہ قامقه سے اس کا تذکرہ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا حالانکه باپ جیسی محبت کرنےوالا اس کا دل معصوم تھا۔ اس کے لئے قامقه اس کی عزیز بیٹی تھی۔ دن گزرنے کے ساتھ ھی ساتھ ان دونوں نے مشترکه بوجھ کو، مشترکه غم کو یکساں طور پر برداشت کیا تھا۔ ایک دوسرے کی آهوں اور خیالوں میں شریک رہے تھے۔ دھیرے دھیرے دونوں ایک دوسرے سے بےحد قریب آ گئے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے دونوں کے دونوں بوڑھے افراد رہے ہوں جنھوں نے زندگی کے دکھ درد کو ساتھ ساتھ جھیلا ہو۔ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے اور کسی بھی مسئلے پر آپس میں کھلے دل سے بات‌چیت کر سکتے تھے۔ اس سب کے باوجود قودر، اس گھٹیا اور ہولناک الزام کا اپنی بہو سے تذکرہ کرنے پر خود کو آمادہ نه کر سکا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ان الفاظ کو اپنے منھ سے نکالنے کے معاملے میں جسمانی طور پر نااہل ہو۔

دھیرے دھیرے وہ دونوں اس تنہا قبر کے قریب پہنچ گئے۔ قودر کو قبر پر فاتحه پڑھنے کے مخصوص الفاظ نہیں آتے تھے اور قامقه نے تو خیر کبھی اس سلسلے میں کچھ سیکھا ھی نہیں تھا۔ اب انہیں خود اپنے الفاظ میں خاموشی سے دعائیں مانگنی تھیں۔ اپنے غموں اور مصیبتوں میں قوت‌جان کو شریک کرنا تھا اور بڑی نرمی کے ساتھ

اسے سرزنش کرنی تھی کہ وہ انہیں چھوڑ کے دنیا سے کیوں کوچ کر گیا۔

جانے کتنے مواقع آئے تھے جب دونوں نے گھٹنوں کے بل ایک دوسرے سے بہت قریب بیٹھ‌کے اشک آلود نگاہوں سے اس قبر کو دیکھا تھا۔ وہ قبر کے ابھار کے ایک ایک چھوٹے پتھر سے واقف تھے۔ ھوائیں خشک گھاس کے چند ٹکڑے اڑا کے ان پتھروں کے درمیان لے آتیں تو یہ دونوں فوراً ھی انہیں ھٹا دیتے، پتھر یا مٹی اپنی جگہ سے کھسک کے نیچے آ جاتی تو دوبارہ اس کی جگہ پر ڈھیر کر دیتے۔

آج بھی دونوں دیر تک قبر کے پاس موجود رھے۔

اچانک انہیں اپنے عقب سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور کچھ گھڑسوار ان کے قریب آ گئے لیکن قودر اور قامقہ نے مڑکے بھی نہ دیکھا کہ وہ لوگ کون ھیں۔

یہ لوگ پانچ افراد پر مشتمل تھے: میباسر کا پیغام‌رساں قامس‌بائے، قودر کا ایک دور کا رشتے‌دار جیت‌پیس اور قودر ھی کے جرگے کے تین بانکے۔ گھوڑے سے اترتے ھوئے قامس‌بائے بڑبڑایا۔

"دیکھو تو کیا کر رھا ھے، مکار کہیں کا!"

ان لوگوں کو یہ توقع نہیں تھی کہ قودر اور قامقہ کو قبر کے پاس پائیں گے۔ ان دونوں سوگواروں کو قبر کے پاس دیکھ‌کے کوئی بھی شخص ملول ھو جاتا اور قامس‌بائے کے ساتھیوں کو اپنے گھوڑوں سے نیچے اترنے میں شروع میں کچھ ھچکچاھٹ بھی محسوس ھوئی لیکن ان کا سرغنہ نہایت ھی چالاک اور ظالم تھا: اسے ایک بال کاٹنا ھوتا وہ سر قلم کر ڈالتا تھا۔ سنگ‌دلی کے معاملے میں خود میباسر بھی اس کا جواب نہ تھا۔

"نیچے اترو!" اس نے حکم دیا۔

قودر آخرکار یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ یہ لوگ محض اتفاقاً ھی وھاں نہیں پہنچے تھے، مڑا اور اس نے آھستگی سے پوچھا:

"کیا چاھتے ھو، نیک لوگو؟"

"تمہیں وولوست کے سوبراہ نے طلب کیا ھے!" قامس‌بائے نے سختی سے کہا۔ "قراشوقی میں تمام سردار اور بڑے بوڑھے اکٹھا ھیں، تمام معززترین آق‌سقال۔ وہ لوگ تمہارا انتظار کر رھے ھیں!"

"یہ سردار کون ھیں؟ اور سربراہ کون ھے؟"

"سربراہ میباسر ھیں اور ان سے بھی بلند و برتر ھیں قونان‌بائے۔ تم کو اور تمھاری بھو کو ان لوگوں کے سامنے جوابدہ ھونا ھے۔ اٹھو ابھی ھمارے ساتھ چلو!"

"ارے تم لوگوں کا دماغ خراب ھو گیا ھے کیا۔ میرا تم لوگوں سے کیا تعلق؟"

"یہ تم کیا کہہ رھے ھو؟ ھم لوگوں سے تمھارا کیا تعلق ھے؟ سربراہ نے تمھیں طلب کیا ھے اور بس، اتنا ھی بہت ھے!"

"لعنت ھو تم پر اور تمھاری دھمکیوں پر!" قامقہ غصے سے کانپتی ھوئی تیزی سے اٹھ کھڑی ھوئی۔

"تم پر خود لعنت ھو، بال‌دار جادوگرنی کہیں کی! فوراً چل پڑو!" قامس‌بائے انھیں اپنے کوڑے سے دھمکاتا ھوا گرجا۔ پھر تینوں کی طرف مڑتے ھوئے انھیں حکم دیا: "ان دونوں کو پکڑ کے گھوڑوں پر لاد لو!"

بانکے قودر پر ٹوٹ پڑے۔

"اوہ خدایا مجھ سے تجھے اب اور کیا چاھئے" قودر مایوسی اور پریشانی سے چیخ پڑا اور اس نے دو بانکوں پر جو اس سے سب سے زیادہ قریب پہنچ گئے تھے، وار کیا۔ ان میں سے ایک زمین پر ڈھیر ھو گیا لیکن اس اثنا میں تینوں دوسرے بانکے بوڑھے پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے اس کے بازوؤں کو مروڑ کے پیٹھ کے پیچھے مضبوطی سے باندھ دیا۔ قامقہ کو قبر کے پاس سے گھسیٹا اور اٹھا کے قامس‌بائے کے گھوڑے پر بٹھا دیا گیا جو اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔

جیت‌پیس اپنے گھوڑے پر قودر کے پیچھے بیٹھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی سوار ھو گئے اور یہ سب کے سب گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ھوئے مشرق کی طرف واقع قراشوقی کو چل دئے۔ "تلوار نیام سے باھر کھینچ لی گئی ھے، گولی چلائی جا چکی ھے۔ اب ان درندوں سے بات کرنا ھی فضول ھے" قودر نے سوچا۔ "میں سردار سے خود بات کر لوں‌گا" اور راستے بھر اس نے کسی سے، یہاں تک کہ اپنے رشتے‌دار جیت‌پیس تک سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

لیکن یہی جیت‌پیس اور اس کا عیار بھائی جیک‌سین ھی دراصل اس نئی آفت کے ذمے‌دار تھے جو قودر اور قامقہ پر نازل ھو گئی تھی۔

قودر کے تمام رشتےداروں میں یہ دونوں سب سے زیادہ امیر تھے اور موسم بہار میں قوت‌جان کی موت کے بعد لوگوں نے جیک‌سین پر نکتہ‌چینی شروع کر دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ قودر اس کا قریبی رشتےدار ہے، غریب ہے، بیٹے سے محروم ہو چکا ہے اور بالکل اکیلا رہ گیا ہے پھر بھی جیک‌سین اس کی مدد نہیں کر رہا ہے۔ اس نے قودر کو عارضی طور پر باربرداری کے جانور بھی نہیں دئے جو ترک سکونت میں کام آ سکیں اور اسے موسم سرما کے مرکز پر چھوڑ دیا ہے۔ لوگ اس معاملے میں بار بار کچھ ایسی لعنت ملامت کرنے لگے کہ جیک‌سین نے اپنی اس لاپروائی کا کوئی جواز سوچنا شروع کر دیا۔

"بدی سے میرے دل کو ہمیشہ نفرت رہی ہے" اس نے کہا۔ "یہ بات نہیں ہے کہ میں قودر کی مدد نہیں کرنا چاھتا لیکن دراصل اس کی روسیاھی سے مجھے کراھت محسوس ہوتی ہے" اس نے یہ بات بوکین‌شی اور بورساق جرگوں کے ایک کثیر تعداد اجتماع میں کہی تھی اور اس کی اسی بات سے افواہوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

جلد ہی سویوندیک نے یہ جاننے پر اصرار کیا کہ آخر جیک‌سین کے اشارے کا مطلب کیا ہے۔

"سننے میں آیا ہے کہ اس نے تو اپنی بہو سے تعلقات قائم کر لئے ہیں۔ آپ کے خیال میں مجھے کرنا کیا چاھئے؟ میں اسے اپنے گھر میں رکھ لوں تو آپ پہلے شخص ہوں‌گے جو میرے منہ پر تھوک دیں‌گے" اور اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے اس نے بتایا کہ قودر نے موسم بہار میں قوت‌جان کی موت کے ساتویں دن کی تقریب کے موقعے پر کیا کہا تھا۔

قودر جو غم کی شدت سے بدحواس ہو رہا تھا اس موقعے پر کہہ اٹھا تھا: "اب میرے کوئی باقی نہیں رہ گیا! بالکل تنہا رہ گیا ہوں! خدا نے مجھے سزا دینے کو بہتر خیال کیا، اچھی بات ہے! میں کافر کی طرح مرنا زیادہ پسند کروں‌گا لیکن اس کے آگے سر نہ جھکاؤں‌گا۔ خدا نے مجھے اپنے عتاب کا شکار کیا ہے تو میں اس سے بدلہ لینے کی کوشش کروں‌گا!"

"اب ذرا سوچئے تا آخر وہ خدائے بزرگ و برتر کا کیا بگاڑ

سکتا ہے؟" اور جیک‌سین نے آخر میں یہ الزام لگایا تھا کہ قودر نے اپنی بہو سے ناجائز تعلقات قائم کرکے خدا سے بدلہ لیا ہے۔

لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ جیک‌سین کو دراصل معاملے کے بالکل مختلف پہلو کی فکر تھی۔ جیک‌سین کے موسم سرما کے پڑاؤ کی جگہ سے ملا ہوا قودر کا ایک چھوٹا سا قطعہ آراضی تھا۔ "قودر کا قصہ تو اب ویسے ہی ختم ہے" اس نے سوچا۔ "اگر میں قبیلے کو کسی طرح قودر کو مار بھگانے پر آمادہ کر لوں تو یہ زمین میری ملکیت میں آ جائےگی" یہ زمین اس کے لئے خاصے لذیذ نوالے کی حیثیت رکھتی تھی۔

یہ افواہ خشک گھاس میں لگنےوالی آگ کی طرح پھیلتی رہی یہاں تک کہ قونان‌بائے تک پہنچ گئی اور پھر بجلی ہی تو گر پڑی۔ سویوندیک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے احساس ہوا کہ بات بہت آگے نکل چکی ہے۔ اس نے ایک بار پھر جیک‌سین کے پاس جاکے ثبوت طلب کیا۔ وہ اتنے ہی پر مطمئن نہ ہوا بلکہ اس نے قودر کے قریب رہنےوالے لوگوں سے بھی اس معاملے میں پوچھ گچھ کی۔ ان سادہ دل لوگوں کو جو سازش اور چالبازیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے تھے، قودر کی بےگناہی پر ذرا بھی شک نہ تھا۔ وہ تو صرف یہی بتا سکے کہ بوڑھا آدمی اپنے بیٹے کی موت سے بےحد غم‌زدہ اور ملول رہتا ہے۔

لیکن جیک‌سین اور جیت‌پیس کا اصرار تھا کہ اس کے غم‌زدہ ہونے کی بات صداقت پر مبنی نہیں ہے۔

"ارے وہ بہت ہی بنا ہوا آدمی ہے" ان دونوں نے کہا۔ "رات ہوتی ہے تو اس کے ذہن پر کچھ اور ہی بات طاری ہو جاتی ہے۔"

سویوندیک ایک بار پھر سچائی کا پتہ لگانے میں ناکام ہو گیا لیکن اسے ڈر تھا کہ افواہوں کی تصدیق ہو گئی تو قونان‌بائے اس بات کو بہانہ بناکر بوکین‌شی اور بورساق جرگوں پر اچانک دھاوا بول دےگا چنانچہ دوسرے جرگوں کے سرداروں سے بات‌چیت کرتے وقت سویوندیک نے بڑی ثابت‌قدمی کے ساتھ اصرار کیا: "یہ بالکل جھوٹا اور بےبنیاد الزام ہے!" وہ قونان‌بائے کے یہاں ہونےوالے جلسے

میں بھی قودر کی مدافعت کا ارادہ رکھتا تھا لیکن وھاں تو قونان‌بائے نے اس کی زبان ھی بند کر دی۔

قونان‌بائے کے خیمے میں ھونےوالے مشاورتی جلسے کے بعد سویوندیک نے خود پر اس بات کا یقین کر لینے کے سلسلے میں زور دےکر کہ قودر واقعی مجرم ھے، اپنے ضمیر کی آواز کا گلا گھونٹ دینے کی کوشش کی تھی۔

کسی کو قطعی طور پر کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اس کے باوجود قودر پر ایک مہیب آفت نازل ھو گئی۔

۴

قراشوقی، جو چنگیز سلسلہ کوہ کی چوٹیوں میں سے ایک تھی، قودر کے موسم سرما کے پڑاؤ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اس کی ڈھلانوں پر ھرے بھرے جنگلات کھڑے تھے اور نیچے ایک کہستانی ندی بہتی تھی جس کے دونوں کناروں پر بید، سفیدے اور ٹیڑھے پہاڑی برچ کے درخت بہار کے سبز لباسوں میں بہت ھی شاندار نظر آ رھے تھے۔ گھنی اور رس‌دار گھاس کی چراگاھوں کی افراط تھی جو ھمیشہ ھی سے غیرمتنازعہ طور پر بوکین‌شی اور بورساق جرگوں کی ملکیت تھیں لیکن بہت سے ارغیزبائے خاندان، قراشوقی کو جہاں جیک‌سین کے قبائلی گروہ کا پڑاؤ تھا، عرصے سے رشک کی نگاھوں سے دیکھتے چلے آ رھے تھے۔

یہ پڑاؤ چار خیموں پر مشتمل تھا جو ھواؤں سے بچنے کے لئے ندی کے اوپر آگے کو نکلی ھوئی ایک زبردست چٹان کی آڑ میں نصب کئے گئے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سب لوگ اکٹھا تھے اور جہاں قودر اور قامقہ کو لایا جا رھا تھا۔

"وہ لوگ آ رھے ھیں! وہ رھا قودر!" بہت سی آوازیں بلند ھوئیں۔ جیک‌سین کے خیمے میں بیٹھے ھوئے لوگ باھر نکلے۔ قونان‌بائے آگے آگے تھا۔ پڑاؤ کی جگہ سے کچھ آگے میدان میں مجمع تیزی سے بڑھنے لگا حالانکہ بانکے ابھی تک کچھ دوری پر ھی تھے۔

میدان کے وسط میں ایک زبردست سیاہ اونٹ کھونٹے سے بندھا بیٹھا تھا۔ اس کے کوھانوں کے درمیان بہت زیادہ نمدا رکھا

تھا جس کے اوپر کاٹھی کسی تھی اور اس کے گرد ایک لمبی رسی لپٹی ہوئی تھی۔

قامقہ جس نے راستے میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا، ھجوم کو دیکھ‌کے کانپ اٹھی اور قامس‌بائے کی طرف مڑی:

"سنو، تم ایک انسان ھو۔ آخر ھمارا جرم کیا ھے؟ تم لوگ ھمارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاھتے ھو؟ چاھتے ھو تو ھمیں ھلاک کر دو لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ آخر کیوں..."

قامس‌بائے بھی اب تک خاموش رھا تھا اب جو وہ بولا تو اس کے الفاظ زھر میں ڈوبے ھوئے معلوم ھو رھے تھے۔

"کیا تو اپنے خسر کے ساتھ رنڈی کی طرح نہیں رھتی تھی؟ سزا کے طور پر آج تجھے جان سے ھاتھ دھونا پڑےگا!"

قامقہ کراھتے ھوئے گھوڑے سے نیچے کھسکنے لگی اور قامس‌بائے زین سے گرتے گرتے بچا۔ آخر اس نے قامقہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑے کو دوڑاتا ھوا ھجوم کی طرف بڑھا جہاں قودر کو گھوڑے پر سے اتارا جا رھا تھا۔ میدان کے وسط میں قامس‌بائے نیچے اترا لیکن اپنے ایک ھاتھ سے قامقہ کو وہ اب بھی سنبھالے ھوئے تھا۔ پھر اس نے عورت کو گھوڑے پر سے اٹھا کے نیچے کھڑا کرنا چاھا لیکن وہ بےھوش ھو چکی تھی اور بالکل بےجان سی حالت میں زمین پر ڈھیر ھو گئی۔

اب قودر ھجوم کے سامنے تھا۔ سو یا کچھ زائد افراد موجود رھے ھوں‌گے جن میں قونان‌بائے، بوجیئی، قراتائے، سویوندیک، میباسر اور توبیق‌تی قبیلے کے دوسرے سردار بھی شامل تھے۔ ان کے عقب میں آق‌سقال اور دوسرے ممتاز لوگ کھڑے ھوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی شخص خراب بلکہ اوسط درجے کے کپڑے بھی نہیں پہنے ھوئے تھا۔ سب کے سب عمدہ لباسوں میں تھے کیونکہ نہایت ھی اھم جرگوں کے نہایت ھی اھم لوگ تھے، انکامنیر* تھے۔

قودر نے جس کے ھاتھ باندھے ھوئے تھے، ان کی طرف دیکھا۔ اس کے سینے میں نفرت کا طوفان برپا تھا اور اس نے قونان‌بائے کو جس کی واحد آنکھ ظالمانہ سختی سے اس پر جمی ھوئی تھی،

---

* انکامنیر — معمر قبائلی سردار۔

پہچانا تو غصے سے کانپنے لگا۔ نفرت کے جوش میں کچھ آگے بڑھتے ہوئے وہ چیخ پڑا:

"ارے قونان‌بائے! تم سمجھتے ہو کہ خدائے مطلق نے مجھے جو سزا دی تھی وہ کافی نہیں ہے؟ تم نے میرے خلاف کمینےپن کے کس نئے اقدام کی تیاری کی ہے؟"

میباسر اور دوسرے سردار یکبارگی اس پر چیخ پڑے اور اس کی آواز دب کے رہ گئی۔

"ارے اپنی زبان بند کر!"

"ارے چپ بھی ہو جا!" چاروں طرف سے غصے سے بھری ہوئی آوازیں بلند ہوئیں۔ قونان‌بائے کو، کسی کو بھی اتنے ہتک‌آمیز انداز سے مخاطب کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا۔

قودر انتظار کرتا رہا کہ یہ شور غل تھم جائے۔

"کیا تم مجھے ذلیل کرکے تقدیر سے اپنی ایک آنکھ ضائع ہو جانے کا انتقام لینا چاہتے ہو؟" اس نے سخت برھمی سے پوچھا۔

"اس کی زبان بند کر دو!" قونان‌بائے گرجدار آواز میں چلایا۔

میباسر بوڑھے کی طرف اپنا کوڑا لہراتے ہوئے جھپٹا۔

"لعنت ہو تجھ پر، ذلیل بوڑھا کہیں کا!"

قودر کی آواز کچھ اور بلند ہو گئی:

"میں ذلیل بوڑھا ہوں تو تم لوگ خون کے پیاسے کتے ہو! تم ہم پر ٹوٹ پڑے ہو اور ہمیں چیر پھاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہو۔"

قامس‌بائے چار بانکوں کی مدد سے قودر کو الگ گھسیٹ لے گیا لیکن بوڑھا اپنی ساری طاقت سے چیختا رہا:

"میں مجرم ہوں کہ معصوم یہ جاننے کی تمہیں پروا ھی نہیں۔ تم لوگ قاتل ہو قاتل!"

لیکن پھانسی کا پھندا اس کی گردن میں ڈالا جا چکا تھا اور چاروں بانکے اس کے سر پر ایک تھیلا ٹھونس کے اسے کالے اونٹ کے پہلو میں لے آئے تھے۔ مجموعی طور پر چھ افراد بہ‌دقت اسے قابو میں کرکے اونٹ کے پہلو سے ٹکائے ہوئے تھے۔ اس نے ان لوگوں پر آخری بار لعنت بھیجنے کے لئے منھ کھولا ھی تھا کہ اسے اپنے عقب میں کوئی چیز تیزی سے حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اونٹ

کھڑا ہو رہا تھا۔ اسی لمحے بوڑھے کو اپنے گلے پر کسی آہنی گرفت کا احساس ہوا، ایسی طاقتور گرفت کا جو لگتا تھا کہ اس کی روح کو دبا کے باہر نکال دےگی۔ اسے اپنے اوپر کسی بھاری چٹان جیسا وزن محسوس ہوا جیسے ساری دنیا اس کے اوپر پھٹ پڑی ہو۔ اسے زندگی کی لو کی آخری تھرتھراہٹ نظر آئی۔ اور اس کے بعد وہ کچھ دیکھنے سوچنے یا سمجھنے کی حد سے گزر گیا۔ ھجوم پر موت کی خاموشی طاری ہو گئی۔

اونٹ کے کھڑے ہو جانے کے بعد قامقه کو دوسری جانب رسی میں لٹکا دیا گیا تھا اور وہ فوراً ہی چل بسی تھی۔

لیکن جہاں تک قودر کا تعلق تھا، اس کے جسم میں اب بھی ذرا ذرا دیر بعد تشنج پیدا ہو رہا تھا کیونکہ موت ہرقلیس جیسے قوی ہیکل شخص پر جلدی سے غالب نہیں ہو سکی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے قد و قامت میں اور بھی اضافه ہو گیا ہو۔ اس کے پیروں کی انگلیاں زمین کو تقریباً چھونے لگی تھیں۔ تماشائی بالکل خاموش سہمے ہوئے سے کھڑے تھے۔

بائیسال سے یہ سماں دیکھا نہ جا سکا اور وہ وہاں سے الگ ہٹ گیا۔ دوسروں نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن وہ محض سرگوشیاں ہی کر سکے۔ قراتائے نے بڑی آہستگی سے بوجیئی سے کہا:

"بےچارے بدنصیب شخص کو کتنی دیر تک اذیت برداشت کرنی پڑ رہی ھے۔ مرنے کا نام ہی نہیں لے رہا ھے... مجھے تو اب کہیں جاکے پته چلا کہ وہ کیسے دیو جیسے قد و قامت کا آدمی تھا!"

بوجیئی نے جس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی، اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے دیو کو ایک گیدڑ نے چیر پھاڑکے رکھ دیا!" وہ بھی ہٹ کے ایک طرف ہو گیا۔

"زندہ ھے..! وہ اب بھی زندہ ھے!" ھجوم میں دبی دبی سی آوازیں سنائی دیں۔

قودر کا جسم ابھی تک تھرتھرائے جا رہا تھا۔

قونانبائے سن رہا تھا کہ ھجوم میں ابھرنےوالی سرگوشیاں بلند آوازوں کی شکل اختیار کرتی جا رہی ھیں۔ لوگ قودر کو پہنچنےوالی اذیت سے اتنے زیادہ متاثر ہو رہے تھے جتنے کہ خود

قتل سے نہیں ہوئے تھے۔ قونان‌بائے نے فوراً ہی مختصر اشارے سے حکم دیا کہ اونٹ کو بیٹھنے پر مجبور کر دیا جائے۔

اونٹ بیٹھا تو قامقہ کا بےجان جسم پل بھر تک کھڑا رہا پھر منھ کے بل زمین پر گر پڑا۔ قودر جو اب بھی زندہ تھا، زمین پر تڑپنے لگا۔ قونان‌بائے نے کسی کو کچھ سوچنے کا وقت دئے بغیر، کہستانی چوٹی کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے چوٹی پر لے جاکے وہاں سے نیچے پھینک دو!"

قامس‌بائے اور چار دوسرے افراد نے خاموشی سے قودر کو اونٹ پر رکھا اور دوسری جانب سے جدھر ڈھلان کی چڑھائی زیادہ دشوار نہ تھی، چوٹی کی طرف چل دئے۔ مجمع منتشر ہونے کو تھا لیکن قونان‌بائے کے نہایت ہی غضبناکی سے دئے ہوئے حکم نے اسے فوراً ہی روک دیا۔

"جو شخص جہاں ہے وہیں کھڑا رہے۔ کسی کو یہاں سے جانے نہ دو!"

لوگ چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔

دو گھڑسوار جنگلات سے نکل کے وہاں پہنچے۔ انہوں نے آخری خیمے کے قریب گھوڑوں کو ایک کھونٹے سے باندھ دیا اور ہجوم کی طرف بڑھنے لگے۔ ان میں سے ایک جیرین‌شے تھا اور دوسرا ابائی۔

اس اثنا میں وہ لوگ چوٹی پر دکھائی دئے جو قودر کو اٹھاکے لے گئے تھے۔ قونان‌بائے کا اشارہ پاتے ہی انہوں نے سبزہ‌زار کے اوپر آگے کو نکلی ہوئی چوٹی پر سے قودر کے بھاری بھرکم جسم کو نیچے پھینک دیا۔ طاقتور جسم ہوا کو چیرتا ہوا، نیچے آکے زور سے، ہجوم کے ٹھیک سامنے زمین پر گرا اور آگے کھڑے ہوئے لوگوں نے ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں تک سنیں۔

ٹھیک اسی لمحے جیرین‌شے اور ابائی ہجوم کے پاس پہنچے۔ سب لوگوں کی نگاہیں چوٹی پر جمی ہوئی تھیں چنانچہ ان دونوں نے بھی نظریں اوپر اٹھاکے ایک شخص کو نیچے گرتے دیکھا جس کے کپڑوں میں ہوا بھر گئی تھی اور وہ کسی زبردست پرندے کے بازوؤں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ جیرین‌شے تیزی سے آگے لپکا۔ ابائی نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور زمین پر بیٹھ گیا۔ سارا قصہ ختم ہو چکا تھا۔ بدنصیب شخص کو موت آ چکی تھی...

ابائی نے سوچا کاش وہ وقت پر پہنچ گیا ہوتا۔ اس صورت میں اس نے اپنے باپ کی خوشامد کی ہوتی کہ وہ قودر کی جان نہ لے لیکن وہ بہت دیر سے پہنچا تھا اور اب ان لوگوں کو دیکھنا اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک ہی خیال کروٹیں لے رہا تھا اور وہ یہ کہ جلدی سے اپنے گھوڑے کے پاس پہنچے اور تیزی سے کسی طرف نکل جائے۔ اتنے میں ہجوم بیدار سا ہو گیا۔

"اٹھاؤ نا۔"

"تم خود اٹھاؤ!"

"اور تم یہاں کاہے کے لئے ہو!"

چاروں طرف سے لوگ ایک دوسرے پر چیخ رہے تھے، ایک آواز دوسری کو دبائے دے رہی اور عام شور و غل کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ بعض لوگ پتھر اٹھا رہے تھے۔ "اب لڑائی ہوگی" لڑکے نے سوچا۔

لیکن وہاں لڑائی کا تو کسی کے دل میں خیال تک نہ تھا۔ دراصل لاش کے نیچے آ کے زمین پر گرتے ہی قونان‌بائے نے ایک نیا حکم جاری کر دیا تھا:

"ابھی اس میں جان باقی ہے۔ اس لعنت‌زدہ شخص سے مکمل نجات حاصل کرنے کے لئے توبیق‌تی قبیلے کے چالیس جرگوں کے چالیس منتخب افراد اس کے جسم کو سنگ‌سار کریں۔ اپنے اپنے پتھر اٹھا لو!"

قونان‌بائے نے خود بھی جھک کے ایک پتھر اٹھایا پھر بوجیئی اور بائیسال سے مخاطب ہوتے ہوئے نہایت ہی سخت لب و لہجے میں اپنا حکم دوہرایا:

"اپنے اپنے پتھر اٹھا لو!"

دونوں نے حکم کی تعمیل کی۔

"شریعت کا حکم یہی ہے! مارو!" قونان‌بائے زور سے چیخا اور اس نے پہلا پتھر قودر کے سینے پر خود مارا۔

یہی وجہ تھی کہ کچھ لوگ تو جھک کے پتھر اٹھانے لگے جبکہ دوسرے آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر پہل کرنے کے لئے زور دینے لگے۔

قریب پہنچ کے لڑکے نے ان لوگوں کو ایک ایک کرکے پتھر مارتے ہوئے دیکھا۔ جیرین‌شے نے ابائی کو ٹھوکا مارتے ہوئے سرگوشی کی:

"اس بوڑھے کو دیکھ رہے ہو نا؟ وہ قودر کا رشتےدار جیک‌سین ہے! تم اسے جانتے ہو؟ گندہ کھوسٹ کتا کہیں کا!"

ابائی کو جیک‌سین صحیح معنوں میں قاتل نظر آیا اور وہ اس کی طرف لپکا لیکن اس اثنا میں یہ شخص جو پتھر مارنے کے لئے ہاتھ اٹھا چکا تھا، چلایا: "تباہ ہو جا شیطان!" اور اس کے ساتھ ہی ایک بڑا سا پتھر قودر کی لاش پر جا پڑا۔

تب کہیں جاکے ابائی کو قودر کی لاش نظر آئی جس کی کھوپڑی چکناچور ہو چکی تھی... ابائی کا دل خون کے آنسو رونے لگا اور وہ غصے سے بدحواس ہو گیا۔

"بوڑھے شیطان" اس نے چیختے ہوئے کہا اور جیک‌سین کی پیٹھ پر ایک ہاتھ رسید کیا۔

جیک‌سین تیزی سے مڑا یقیناً اس خیال کے ساتھ کہ اتفاقاً کوئی پتھر اس کے آ لگا ہے لیکن اس نے اپنے سامنے قونان‌بائے کے بیٹے کو کھڑے پایا۔

"کمینے ذلیل بوڑھے!" ابائی اس پر چلایا۔

جیک‌سین حیرت‌زدہ ہو گیا۔

"ارے لڑکے، یہ آخر تم کو کیا ہو گیا؟ کیا صرف میں ہی مورد الزام ہوں؟ تمہیں اس معلے سے ایسی ہی ٹھیس پہنچی ہے تو تمہارے والد تمہارے پیچھے موجود ہیں" وہ کسی حد تک ھکا بکا ہوکے بڑبڑایا۔

ہجوم میں بےچینی کی لہر دوڑ گئی۔

"کیا ہو گیا؟ کیا بات ہے؟"

لیکن ابائی اس اثنا میں دوڑتا ہوا اپنے گھوڑے کے پاس پہنچ گیا جسے کھونٹے سے کھولتے وقت اسے آخری خیمے سے سسکیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

وہ عورتوں اور بچوں کی سسکیوں کی آوازیں تھیں جنہیں پھانسی کے واقعے سے قبل اس خیمے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ کچھ عورتوں کے جسم سسکیاں بھرنے سے ہل رہے تھے جبکہ دوسری بیٹھی ہوئی دھیرے دھیرے آہیں بھر رہی تھیں۔ بلند آواز سے رونے کی

کسی میں ہمت نہ تھی لیکن کسی سے آنسو ضبط بھی نہیں کئے جا رہے تھے۔

ابائی کو محسوس ہوا کہ اس کے دل میں کوئی تیر پیوست ہو گیا ہے۔ وہ اچھل کے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے سرپٹ دوڑاتا اسٹیپیوں میں نکل گیا۔

جیک‌سین نے غالباً قونان‌بائے سے شکایت کر دی تھی کیونکہ لڑکے کو اپنے باپ کی غصے سے بھری ہوئی چیخ سنائی دی۔

"ٹھہر جا بدمعاش! میں تجھے اس کی سزا دے کے رہوں‌گا!"

لیکن قونان‌بائے محض دھمکی دے کر ہی رہ گیا۔ وہ ابائی کو پکڑکے واپس بلانے پر خود کو آمادہ نہ کر سکا۔

ابائی اپنے قبیلے کے پڑاؤ کی طرف چل نکلا۔ جیرین‌شے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

"ارے اے باغی لڑکے! ارے اے ابائی، ٹھہرو بھی! ٹھہر بھی جاؤ، ضدی۔ لڑکے!" وہ چلایا اور پھر اس کو برا بھلا کہنے کے سلسلے میں جو بھی لفظ ذہن میں آ گیا، کہتا چلا گیا۔

اور وہ دونوں جلد ہی وادی میں غائب ہو گئے۔

دو انسانی جانیں لینے کے کام کی تکمیل کے بعد ہجوم منتشر ہو گیا۔ قبائلی سردار بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوکے چپ چاپ چل دئے۔

"پرانے زمانے میں کسی رشتےدار کے قتل کر دئے جانے پر آدمی معاوضہ طلب کر سکتا تھا" بوجیئی نے جو سویوندیک اور قراتائے کے ساتھ اپنے گھوڑے پر چلا جا رہا تھا، ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب بھلا کون ایسا کر سکتا ہے اب تو بہتر یہی ہے کہ زبان بند رکھی جائے! میں نے خود بھی اس کے ہلاک کئے جانے میں مدد کی! چالیس خاندانوں کی طرف سے ہم لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں اسے سنگ‌سار کیا۔ اب بھلا کوئی اس واقعے کے خلاف ایک لفظ بھی اپنے منھ سے نکال سکتا ہے!"

"قونان‌بائے نے شرعی حکم کے سب سے بھیانک حصے کو بالکل آخر تک بچائے رکھا" قراتائے نے کہا۔

"ایسا لگتا ہے کہ کوئی شخص چال‌بازی اور چالاکی سے کام لینا چاہے تو قانون میں اس کے لئے بھی گنجائش موجود ہے!"

سویوندیک خاصا ملول نظر آ رہا تھا۔

"جو کچھ ہوا ہے اسے ہمیں فراموش کر دینا چاھئے، میری تو خدا سے دعا ہے کہ یہ معاملہ بس اتنے ہی پر ختم ہو جائے" اس نے کہا۔

لیکن بوجیئی تجربےکار آدمی تھا اور قونان‌بائے کو دوسروں کی بہ‌نسبت زیادہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"معاملہ اتنے ہی پر ختم ہو جائے!" اس نے تلخی سے کہا۔ "بوکین‌شی اور بورساق جرگے کے لوگو، میرے الفاظ یاد رکھنا: آج تم لوگوں نے پھانسی کا پھندا قودر کی گردن میں نہیں بلکہ خدا کا نام لےکر خود اپنی گردنوں میں ڈال لیا ہے!"

تینوں بہت تلخی کے ساتھ مغموم اور مضطرب تھے۔ اس کے بعد ان میں سے کسی کا بھی بات کرنے کو جی نہ چاھا اور انہوں نے خاموشی سے سفر کیا۔

۵

ابائی اور جیرین‌شے جنگلوں سے گزرتے ہوئے ندی کے کنارے کنارے واپس لوٹ رہے تھے۔ ابائی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے دل پر برف کی کوئی سل رکھی ہوئی ہو۔ اس کے باپ کے اقدام نے، اس خیال نے کہ خود قونان‌بائے کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں، اس کے تمام جذبات کو مفلوج کرکے رکھ دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خود اس کا باپ کس قدر ظالم اور بےرحم ہے!

جیرین‌شے اسے چیخ چیخ کے پکارے جا رہا تھا لیکن وہ اس کی آوازوں پر کان دھرے بغیر گھوڑے کو انتہائی تیزی سے سرپٹ دوڑاتا چلا جا رہا تھا۔ شکاری کتا اس کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ دونوں دریا کے کنارے کنارے تیزی سے بڑھتے رہے۔ پھر دونوں جانب ڈھلواں بڑی چٹانوں میں سے ایک کی ڈھلان کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ اس جگہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ گھوڑے ایک ایک کرکے ہی گزر سکتے تھے اور باتیں کرنے میں دشواری ہوتی تھی لیکن جیرین‌شے آخرکار ابائی کے پاس پہنچ گیا اور اس کے بالکل پیچھے پیچھے گھوڑا دوڑاتا باتیں کرتا رہا۔ اس نے جلدی جلدی میں جیک‌سسن

کے پڑاؤ پر بانکوں سے دو چار باتیں کر لی تھیں اور جو کچھ سنا تھا اس سے ابائی کو بھی مطلع کرنا چاھتا تھا۔ لڑکا بخار کی سی حالت میں کانپ رہا تھا اور جیرین‌شے کے اکا دکا الفاظ ھی اس کے کانوں میں پڑ رہے تھے لیکن ان کا مفہوم سمجھ رہا تھا۔

دو جملے ھر ایک کی زبان پر تھے۔ ان میں سے ایک نے قودر پر الزام لگانے کے بہانے کا کام کیا تھا اور اسے پھانسی دئے جانے کے بہیمانہ اقدام کو حق بجانب قرار دینے کے لئے اس کا حوالہ دیا جا رہا تھا۔ قودر نے کہا تھا: "خدا نے مجھ پر مصیبت نازل کی ھے اور میں اس سے بدلہ لےکے رھوں‌گا۔" کم ازکم قودر کے قاتلوں کی طرف سے آج یہ جملہ یونہی دوھرایا جا رہا تھا۔ دوسرا جملہ وہ تھا جو قودر نے پھانسی سے قبل ان لوگوں کے منھ پر تھپڑ کی طرح رسید کیا تھا: "میں اگر ذلیل بوڑھا ھوں تو تم خون کے پیاسے کتے ھو!"

ابائی بری طرح کانپ رہا تھا۔ اسے خیمے میں بیٹھی ھوئی عورتوں کی قابل رحم، حلق میں پھنسی ھوئی دبی دبی سی سسکیاں یاد آئیں اور اچانک اسے رونا آ گیا جو خود اس کے لئے بھی ایک غیرمتوقع بات تھی۔ جیرین‌شے اپنے گھوڑے پر اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا پھر بھی اس نے اسے روتے ھوئے دیکھ لیا۔

"آخر یہ تمہیں ھوا کیا ھے، بدمعاش لڑکے، ضدی! آخر بات کیا ھے؟" اس نے اپنے گھوڑے کو چابک رسید کیا تاکہ وہ لڑکے کی بغل میں پہنچ‌کے اس کے ساتھ ساتھ سفر کر سکے۔

لیکن ابائی نے بھی اپنے گھوڑے کے کوڑے مارے جو کچھ زیادہ تیزی سے آگے نکل گیا۔

یہ لوگ گھاٹیوں کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے اور اب کشادہ وادی میں داخل ھو رہے تھے۔ ابائی نے اپنے گھوڑے کو کول‌غینار کی طرف موڑ دیا اور اسے ایڑ لگائی۔ وہ نہیں چاھتا تھا کہ جیرین‌شے اس کے آنسوؤں کو دیکھ سکے۔ نوجوان جیرین‌شے نے لڑکے تک پہنچنے کی سخت کوشش کی لیکن وہ تیر کی پرواز کے فاصلے بھر اس سے آگے تھا اور جب اس نے استیپیوں میں خود کو تنہا پایا تو پھوٹ پھوٹ‌کے رونے لگا۔

وہ برسوں سے نہیں رویا تھا لیکن اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا تمام جسم پگھل‌کے آنسوؤں کی شکل میں بہہ جائےگا۔

سسکیوں کے باعث وہ بمشکل سانس لے پا رہا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا رہا، تیزی سے دوڑاتا رہا اور استیپیاں موسم بہار کے کشادہ دریاؤں کی طرح گزرتی رہیں، پرجوش اور تیز، زبردست اور فرحت‌بخش۔ تیز ہواؤں کے جھونکے اس کے چہرے سے ٹکرا ٹکرا کے اس کے آنسوؤں کو اڑائے لئے جا رہے تھے...

ابائی اس سے قبل کبھی بھی اتنی شدید اذیت میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ ویسے اسے اب تک انسانی غم و آلام کے متعلق معلوم بھی کیا تھا؟ لیکن اب — اب تو وہ ان غم و آلام کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کا سارا وجود جذبات کی زبردست شدت کے ساتھ متاثر ہو رہا تھا۔ اسے ان دونوں بےگناہ انسانوں کے لئے پیدا ہونےوالے ترس کے جذبے نے بےقابو کر دیا تھا جنھیں اذیت پہنچاکر بہتان‌تراشیوں کا نشانہ بناکر، خوف‌زدہ کرکے ہلاک کیا گیا تھا۔

"اباجان"—کتنے عزیز، کتنے قابل فخر تھے یہ الفاظ! اس کے اندر ایک آواز مسلسل اس کے باپ کی طرفداری کئے جا رہی تھی۔ اس کے باپ کو ہر اس چیز سے بےتعلق قرار دئے جا رہی تھی جو ظالمانہ اور جرائم سے شرابور تھی۔ لیکن ایک دوسری آواز آج پیش آنےوالے دونوں افراد کے ہولناک قتل کی داستان دوہرائے جا رہی تھی۔ اس واقعے کے مہیب تصور سے اس کے خیالات الجھکے ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو رہے تھے۔

اسے مدرسے میں پڑھائے جانےوالے یہ الفاظ یاد آئے۔ "انسان کے آنسو گناہ‌گار کے گناہ کو دھو دیں‌گے، اس کے جرائم کا کفارہ ادا کر دیں‌گے"۔ اس نے سوچا: "کیا وہ یقین کر سکتا ہے کہ خود اس کے آنسو قاتلوں کے جرم کا کفارہ ادا کرنے کا کام کر سکتے ہیں؟" لیکن اس نے اس خیال کو مسترد کر دیا: "نہیں۔ یہ سچ نہیں ہے!"

قاتلوں نے دعوا کیا تھا کہ وہ ان دونوں افراد کو، قانون کے ظاہری معنوں میں جن کا تعین امام نے کیا تھا، مقدس ایمان کو برقرار رکھنے کے لئے موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہیں جس سے جاکے اس واقعے کی شکایت کی جا سکے؟ تو وہ ایک خاموش بیابان میں بالکل اکیلا رہ گیا ہے؟ اچانک اس نے اپنے دل میں آنےوالے ان سوالات کے ساتھ ہی خود کو بالکل بےبس محسوس کیا، کسی یتیم کی طرح جس کو سر چھپانے کی کوئی جگہ

میسر نہ ہو۔ وہ از سر نو بری طرح ملول ہو گیا۔ اس کے وجود کی نامعلوم گہرائیوں سے درد کی نئی لہر نے ابھرکے اس کے کمزور بچکانہ حوصلے پر شدید ضرب لگائی۔ ابائی پر ایک بار پھر رونے کا دورہ سا پڑ گیا اور رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ وہ یوں زور زور سسکیاں بھرنے لگا جیسے درد کی شدت سے چیخ رہا ہو۔ اس حالت میں بھی اسے یہ فکر تھی کہ اس کے رونے کی آوازیں جیرین‌شے کو نہ سنائی دیں۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے کو جس کی ٹاپیں زمیں اور گھاس کو روندے ڈال رہی تھیں، جیرین‌شے کے گھوڑے سے خاصے فاصلے پر دوڑاتا رہا۔

اسے گھوڑے کی تیزرفتاری کے باعث یا اس وجہ سے کہ اس کا اضطراب اس کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہو رہا تھا، اچانک شدید متلی نے بالکل نڈھال کر دیا۔ اس کا تمام جسم شدید اذیت سے تڑپ اٹھا پھر بھی وہ خود کو گھوڑے کی رفتار دھیمی کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لئے ایال کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے، گھوڑے کو جنونی کیفیت کے ساتھ سرپٹ دوڑانا جاری رکھا اور جیرین‌شے اس تک نہ پہنچ سکا۔

کول‌غینار میں گھوڑے سے اترکے وہ اپنی ماں کے خیمے کی طرف بڑھا۔ اول‌جان دروازے پر کھڑی ہوئی تھی اور ابائی کو دیکھتے ہی اس کا دل لرز اٹھا۔ اس کے بیٹے کا چہرہ، مردے کے چہرے جیسا زرد اور اجنبی معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ بےشک یہ ابائی ہی ہے لیکن کتنا بھیانک سا لگ رہا ہے! گھوڑے کو باندھکے وہ ماں کے پاس آیا تو اس نے فوراً ہی دیکھ لیا کہ روتے روتے ابائی کی آنکھیں سرخ ہو گئی ہیں۔

"ابائی‌جان، میرے پیارے بیٹے، کیا ہوا؟ کسی نے تمہیں دکھ پہنچایا ہے کیا؟" اس نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں باپ نے اسے مارا پیٹا تو نہیں، تشویش بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

اس جگہ اور کوئی موجود نہ تھا۔ ابائی نے خاموشی سے ماں کے گلے لگتے ہوئے اپنا جلتا ہوا سر اس کے سینے پر رکھ دیا اور بےحس و حرکت کھڑا رہا۔ اس نے سوچا کہ آخر وہ اس بات کو کیسے فراموش کر بیٹھا تھا کہ اس کی ماں موجود ہیں! وہ بےسہارا اور تنہا نہیں ہے!

اس کا جسم کانپنے لگا جیسے رونے کا دورہ پڑ گیا ہو لیکن اب اس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔

"بتاؤ تو میرے پیارے، میری زندگی کے آفتاب، آخر ہوا کیا ہے؟ تمہارے والد نے تمہیں مارا پیٹا ہے کیا؟"

"جی نہیں۔ مجھے کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ میں بعد میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔ آپا*، مہربانی کرکے میرا بستر درست کر دیجئے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" دونوں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے۔

اول‌جان نے صبر سے کام لیا۔ اس نے سوچا کہ وہ اس وقت اور کچھ نہ کہے گی۔ لڑکے کو پریشان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے خیمے کے داہنی جانب‌والے حصے میں زرہ کے پلنگ کے قریب اس کا بستر لگا دیا اور وہ لیٹ گیا تو اسے اپنے لومڑی کی کھالوں کے کوٹ سے اچھی طرح ڈھک دیا۔

لیکن دادی اماں نے فوراً ہی تاڑ لیا کہ ضرور کوئی ایسی ویسی بات ہوئی ہے۔

"کیا بات ہے، پیارے؟ کہیں کچھ طبیعت تو نہیں خراب ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ کچھ طبیعت ٹھیک نہیں" اول‌جان نے بہ عجلت جواب دیا۔ "اسے ذرا اکیلے چھوڑ دیجئے تاکہ سو جائے۔"

"تندوک** بند کر دو تاکہ اس کی آنکھوں میں دھوپ نہ لگے" اس نے دھیرے سے اپنی نوکرانی سے کہا۔ "اور سنو، دروازے کا پردہ گرا دو۔"

دادی اماں نے ابائی کی طرف غور سے دیکھا لیکن اس نے کروٹ لے کے منھ دیوار کی طرف کر لیا۔ بڑھیا نے مایوسی سے زبان چٹخائی۔ اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور وہ خاموشی سے دعائیں مانگنے لگی۔

اول‌جان حیرت میں پڑ گئی کہ آخر جیرین‌شے کہاں چلا گیا۔ اتنے میں کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا اور وہ دیکھنے کے لئے باہر

---

* آپا — ماں۔

** تندوک — خیمے کے بالائی روزن کو ڈھکنے‌والا مستطیل‌نما نمدا۔

نکلی۔ جیرین‌شے مہمانوں کے خیمے کے سامنے اپنے گھوڑے کو باندھ رہا تھا۔ اسے پکارکے اول‌جان نے اپنے پاس بلایا۔

جیرین‌شے نے سارا قصہ اس سے کہہ سنایا۔

شام کو گلے چراگاھوں سے واپس لوٹے اور پڑاؤ کی فضا بھیڑوں کی ممیاھٹ سے گونجنے لگی، تب کہیں جاکے ابائی بیدار ھوا۔ خاصی دیر ھو چکی تھی، بھیڑوں کا دودھ دوھا جا رھا تھا اور بالکل اندھیرا چھا چکا تھا۔ چاروں طرف آوازیں ھی آوازیں تھیں اور ابائی کی آنکھوں کے سامنے بھوری بھوری، دھندلی اور غیرواضح پرچھائیاں ناچ رھی تھیں۔ درد کی شدت سے اس کا سر پھٹا جا رھا تھا۔ سارا جسم بےحد گرم تھا جیسے اس میں آگ لگی ھوئی ھو۔ منھ خشک اور ھونٹ سوکھے ھوئے۔ اس نے ھونٹوں کو تر کرنے کی سخت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ھو سکا۔

اس کی ماں اور دادی اماں اس کے پاس بیٹھی ھوئی تھیں۔ اول‌جان نے اپنی ھتھیلی اس کی پیشانی پر رکھی۔

"آپا... دادی اماں... کیا میں علیل ھو گیا ھوں؟" اس نے پوچھا۔

خیمے میں سناٹا چھایا ھوا تھا۔ بھیڑوں اور میمنوں کی ممیاھٹ تھم چکی تھی اور استیپیاں غیرمعمولی طور پر خاموش تھیں۔

٦

ابائی کافی دنوں تک بیمار رھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے "اوشیق" ھو گیا ھے کچھ کا کہنا تھا کہ وہ "سوقپا"* میں مبتلا ھے جبکہ کچھ لوگوں کی رائے میں اسے ٹائیفائیڈ ھو گیا تھا لیکن یقینی طور پر نہ کوئی کچھ کہہ سکتا تھا کہ وہ کس مرض میں مبتلا ھے نہ ھی کسی نے اس کے علاج کی کوشش کی۔

صرف ایک بار، اس کی علالت کے دوسرے روز، اس کی دادی اماں کی ھدایت پر ایک بوڑھی عورت اسے غروب آفتاب کے وقت باھر لے گئی اور اسی وقت ذبح کی ھوئی ایک بھیڑ کے پھیپھڑے کو جس سے بھاپ نکل رھی تھی، کئی بار اس کے منھ پر تھپڑ کی طرح مارا۔

---

* اوشیق اور سوقپا — سردی لگنے سے ھونےوالے دو طرح کے بخار۔

"دفان ہو جا بدروح! دفان ہو جا، میرے بیٹے کو چھوڑکے چلی جا" بڑھیا چلائی اور اس نے اپنا یہ عجیب و غریب علاج جاری رکھتے ہوئے، منھ میں پانی لے لےکے ابائی کے اوپر چھینٹے ڈالے۔

ابائی کی ٹانگیں جواب دینے کو تھیں اس کا سر چکرا رہا تھا اور اسے خیمے سے باہر آنے میں سخت دشواری ہوئی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ اس کا سر چکرا رہا تھا، غروب آفتاب کے وقت کا آسمان اسے کچھ عجیب سا لگا اور اس نے سوچا کہ وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ بدحواسی کی اس دنیا میں ہر شے بالکل مختلف اور عجیب تھی...

اس کے دو روز بعد ہی ان کا قبیلہ چنگیز پہاڑیوں کے لئے روانہ ہو گیا۔ منتقلی کے انتظامات کے نگران افراد کئی دن سے اس طرف سے آنےوالے تمام مسافروں سے پوچھ رہے تھے کہ پڑاؤ کی جگہ پر برف پوری طرح پگھل گئی ہے کہ نہیں، زمین خشک ہو گئی ہے کہ نہیں اور کافی گھاس اگ آئی ہے کہ نہیں؟ چنگیز کی ترائیوں میں عموماً برف تیزی سے پگھلتی تھی اور وہ گھنی گھاس سے ڈھک جایا کرتی تھیں لیکن اس کے برعکس ڈھلانوں پر برف کی تہہ بہت موٹی ہوتی تھی اور تیزی سے نہیں پگھلتی تھی۔ ان حصوں پر آفتاب کی تمازت دھیرے دھیرے اثر کرتی اور جہاں تہاں ہی نظر آتی تھی۔

توبیق‌تی قبیلے کی "جائےلاؤ" جو بہت وسیع تھی اور جہاں پانی کی کافی سہولتیں میسر تھیں، چنگیز پہاڑیوں کے دوسری جانب واقع تھی۔ قونان‌بائے کے قبائلی گروہ کے کول‌غینار سے روانہ ہوتے ہی، دوسرے گروہ بھی جن کے پڑاؤ اس کے پڑوس میں تھے، چل دئے اور توبیق‌تی قبیلہ پہاڑی دروں تک جانےوالے تمام راستوں اور پگڈنڈیوں پر کچھ اس طرح آگے بڑھا جیسے پہاڑوں سے برف اور مٹی کے تودے پھسلتے ہیں۔

ابائی کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو وہ خوشی اور کھیل کود کے ان پربہار دنوں سے لطف‌اندوز ہوا ہوتا۔ موسم بہار میں قبائلی منتقلی، جو بڑوں کے لئے — گلےبانوں، چرواہوں اور "پڑوسیوں" — کے لئے سخت دشوار ہوتی تھی، بچوں اور کم عمر نوجوانوں کو تفریح اور کھیل کود کے مواقع فراہم کرتی تھی اور گزشتہ برسوں میں سفر کے دسوں مرحلے ابائی کے لئے ایک زبردست تیوہار کی حیثیت رکھتے تھے۔

اس سال قبائلی گروہ ایک ہی زمانے میں روانہ ہوکے استیپیوں میں ساتھ ساتھ داخل ہوئے تھے۔ ان سنسان علاقوں میں بھیڑیوں نے جو گروہوں کی شکل میں منڈلاتے پھرتے تھے، خانہ‌بدوشوں کو مسلسل پریشان اور اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ایک دوسرے سے حتی‌الامکان قریب رہتے ہوئے سفر کریں۔ سفر کے آغاز سے قبل بھیڑئیے پہاڑی ڈھلانوں پر گھوم پھرکے چوہوں اور دوسرے چھوٹے جانوروں کو اپنا شکار بناتے تھے لیکن اب وہ اندھیرے کی آڑ لےکے بھیڑوں وغیرہ کے گلوں پر حملے کرتے تھے چنانچہ گھڑسوار غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک گلوں کی حفاظت کرتے۔ رات بھر کیمپوں کے نزدیک الاؤ دھکتے رہتے اور صبح تک شور مچایا جاتا تاکہ بھیڑئیے قریب نہ آئیں۔ پڑاؤ کی عموماً پرسکون زندگی سے سفر کی یہ زندگی کتنی دشوار اور خطرناک تھی! دن طلوع ہوتے ہوتے سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہوکے چل کھڑے ہوتے تھے۔ مرد نیزوں، سوئیلوں اور بہت ہی لمبے بینٹ کی کلہاڑیوں سے لیس ہوتے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ کوئی زبردست مسلح گھڑسوار دستہ آگے بڑھ رہا ہے۔

لیکن ابائی کے لئے اس سال کا سفر تکلیف‌دہ طور پر دشوار تھا۔ اب اس کے جسم میں درد تو نہیں ہوتا تھا لیکن پوری طرح تندرست ہونے سے اب بھی بہت دور تھا۔ چلنے کی ذرا سی بھی کوشش کرتا تو سر اس طرح چکراتا کہ بےبسی کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہو جاتا تھا۔ مگر ظاہر تھا کہ قبیلے کی منتقلی کو محض اتنی سی بات پر ملتوی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ایک لڑکا بیمار ہے۔

قونان‌بائے کہیں تیسرے چوتھے دن اول‌جان سے ملنے آتا۔ اس کا زیادہ‌تر وقت جوان اور خوبصورت بیوی آئی‌غیز کے ساتھ گزرتا تھا اور سب سے بڑی بیوی کونکے کے یہاں بھی اکثر جاتا تھا جس کا اپنا علاحدہ قبائلی گروہ تھا اور جس کے ہمراہ قونان‌بائے سفر کرتا تھا۔ ابائی بیمار ہوا تو اس نے بس دو ایک بار اس کے متعلق پوچھا تھا اس کے بعد کچھ ایسا لگا جیسے وہ لڑکے کو فراموش ہی کر بیٹھا ہو۔

ابائی ابھی تک گھوڑے کی سواری کرنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ اونٹ پر البتہ اسے سوار کیا جا سکتا تھا لیکن اس کی ماں نے اس کی اجازت نہ دی۔ ”ہو سکتا ہے کہ اونٹ پر سے بوجھ پھسل کے

نیچے آ رہے یا وہ ٹھوکر کھا جائے" اس نے کہا۔ "اونٹ پر اسے سوار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔"

خانہبدوش، چار پہیوں‌والی گاڑیوں یا بگھیوں کے استعمال سے مانوس نہیں ہوئے تھے۔ تمام توبیق‌تی قبیلوں اور جرگوں کے درمیان دراصل صرف ایک ھی نیلے رنگ کی بگھی تھی جو دادی اماں زرہ اور اس کی بہو اول‌جان کے استعمال میں رہتی تھی۔ اسے قونان‌بائے نے آغا سلطان منتخب ہونے کے موقعے پر قارقرالنسک میں خریدا تھا اور اس نے اپنی ماں سے کہا تھا: "اس پر آپ پڑاؤ کی منتقلیوں کے دوران سواری کیا کریں گی۔"

اول‌جان کے لئے بھی گھوڑے پر سوار ھوکے پہاڑیوں پر سفر کرنا دشوار ھوتا جا رہا تھا کیونکہ ایک تو اس کی عمر زیادہ ھو چلی تھی، دوسرے موٹاپا بھی بڑھ گیا تھا۔ لیکن اس موقعے پر اسے صرف ابائی کے آرام کی فکر تھی۔ اس لئے اس نے اپنے آرام کا خیال نہ کیا اور لڑکے کو اس کی دادی اماں کے ساتھ اس بگھی میں سوار کر دیا۔ خود اپنے لئے اس نے ایک سیدھی گھوڑی منتخب کی جس کے اوپر سوار ھوکے برابر بگھی کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔

موسم گرما کے رھائشی مرکز تک سفر میں تین ھفتے لگے۔ اتنا وقت گزرنے کے بعد ھی کہیں جاکے ابائی چلنے پھرنے کے قابل ھوا اور کسی کی مدد کے بغیر خیمے سے باھر نکلنے لگا۔

اس کی افسردہ‌دلی بھی ختم ھو گئی اور توقع کی جا سکتی تھی کہ اسے ایک بار پھر اپنی بچکانہ، فکروں سے خالی، پرمسرت ذھنی کیفیت میسر ھو جائےگی لیکن حیرت کی بات تھی کہ اس سال اسے لڑکوں کے کھیل کود اور دھماچوکڑی سے ذرا بھی دلچسپی نہ پیدا ھوئی اور جن کھیلوں کا وہ بہت شوقین تھا، وہ اب اس کے لئے باعث کشش نہ ثابت ھوئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے بچپن سے محروم ھو گیا ھو۔ اس کی یہ کیفیت علالت کا نتیجہ تھی یا ان اذیتوں نے جن سے اسے حال ھی میں سابقہ پڑا تھا، اس پر جادو سا کر دیا تھا؟ کیا یہ اس کے بچپن کا اختتام تھا؟ کیا وہ سن شعور کی دھلیز پر قدم رکھ رہا تھا؟ نہیں، اس میں ابھی پختگی نہیں پیدا ھوئی تھی۔ کسی چیز نے اسے بچپن اور پختگی کے بیچوں بیچ روک دیا تھا اور یہ صورت‌حال کچھ ایسی ھی تھی جیسے اس کے سفر حیات

میں اچانک کوئی بلند دیوار اس کی راہ میں حائل ہو گئی ہو اور وہ اس کے سامنے پریشان‌خیالی اور مایوسی کے عالم میں کھڑا ہو۔

اس سال وہ تیرہ برس کا ہو گیا تھا اور دیکھنے میں بھی نہ بچہ لگتا تھا نہ جوان بلکہ ان دونوں کے بیچ‌والی کسی منزل پر کھڑا معلوم ہوتا تھا۔ طویل قامت تھا، بازو اور ٹانگیں لمبی ہو گئی تھیں، ناک جو سرے پر پہلے کچھ ابھری ہوئی سی لگتی تھی، اب واضح طور پر سیدھی ہو گئی تھی، چہرہ بھی عمر دیکھتے ہوئے زیادہ سنجیدہ نظر آتا تھا لیکن اس سب کے باوجود اس کے جسم کو دیکھ‌کے اندازہ ہوتا تھا کہ ابھی بہت کچھ نامکمل حالت میں ہے۔ وہ طویل قامت اور دبلا پتلا تھا. کسی ایسے پودے کی طرح جس نے تاریکی میں نشوونما پائی ہو: زرد اور کمزور، لمبے نازک تنےوالا پودا۔

اس کے زیتونی رنگ کے رخساروں پر ہمیشہ سرخی دمکتی رہتی تھی لیکن یا تو طویل مدت تک شہر میں قیام کے باعث یا علالت کے نتیجے میں، اس کا چہرہ زرد ہو کے رہ گیا تھا اور سیاہ بال اتنے چھدرے ہو گئے تھے کہ ان کے نیچے سر کی جلد دکھائی دیتی تھی؛ اسے ایک نظر دیکھ‌کے ہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ بیمار رہ چکا ہے اور کافی عرصے سے دھوپ میں نہیں نکلا۔

اس کی فطرت میں بھی زبردست تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ اب وہ گھڑسواری کر سکتا تھا لیکن اس کا جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنی عمر کے لڑکوں سے کترانے لگا اور اس نے نئے دوست تلاش کر لئے۔ ان میں سے بہترین دوست تھی اس کی دادی ماں اس کے بعد اس کی ماں۔

اسی سال ابائی کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس کی دادی اماں کہانیاں سنانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کے الفاظ کانوں میں رس گھولتے اور تخیل کو قوت پرواز عطا کرتے تھے۔

ابائی کو اپنی علالت کے دوران ایک روز درد کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے دادی اماں سے کوئی کہانی سنانے کی درخواست کی۔ بوڑھی زرہ ذرا دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہنا شروع کیا اور اس نے کہانی کی لڑی میں الفاظ نہیں پروئے۔ وہ تو موتیوں کی ختم نہ ہونےوالی لڑی تھی۔

نہاں ھیں کہرے میں صدیاں، ھماری نظروں سے
اب ان کے راز بھلا کون جان سکتا ھے؟

اس نے گیت کے انداز میں کہانی کا آغاز کیا - الفاظ ابائی کے حافظے پر نقش ھو گئے اور دوسری بار اپنی دادی اماں کا صرف گھٹنہ چھوکے اسے یاد دلانا ھی کافی ھوا:

نہاں ھیں کہرے میں صدیاں، ھماری نظروں سے
اب ان کے راز بھلا کون جان سکتا ھے؟

پھر نئی کہانیوں کے لئے خوشامد کرنے کے سلسلے میں اس شعر کو دوھرانا اس کا طریقہ ھی بن گیا۔ زرہ کو بہت سی کہانیاں یاد تھیں جن میں "ایدل جائق"، "جوپار قوریغا"، "قولا میرگین" اور دوسرے روایتی قصص بھی شامل تھے۔ ابائی کے اصرار پر وہ صبح سے شام تک یہ قصے سناتی رھتی اور سفر کے دوران بھی ان کا سلسلہ جاری رھا۔

ان قصوں کہانیوں سے ابائی کا کبھی جی نہیں بھرتا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری رھتی اور وہ ایک ایک لفظ کو بڑی توجہ کے ساتھ سنتا رھتا۔ زرہ تھک جاتی اور اس سے اور زیادہ بولا نہ جاتا تو وہ اول‌جان کے پاس چلا جاتا۔ اسے بھی بہت سی کہانیاں یاد تھیں لیکن دراصل اس کے منھ سے نظمیں سننا ابائی کو سب سے زیادہ پسند تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کو نہ لکھنا آتا تھا نہ پڑھنا اور برسوں سے اس سے کسی نے یہ نظمیں سنانے کی فرمائش بھی نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود اس نے ان نظموں کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھا تھا۔ اس بات پر ابائی کو حیرت بھی ھوتی تھی مسرت بھی۔ اسے اتنی زیادہ نظمیں یاد تھیں کہ وہ مسلسل کئی دنوں تک جیر*، آئیتس**، اخلاقی اصلاح سے متعلق گیت اور مزاحیہ اشعار پڑھتی رہ سکتی تھی۔

* جیر — مثنوی سے ملتی جلتی نظم جس میں عموماً کوئی تاریخی قصہ بیان کیا جاتا ھے۔
** آئیتس — شاعری کے مقابلوں کے دوران کہے جانےوالے اشعار۔

ابائی بھی اکثر ان کتابوں سے جنھیں وہ اپنے ساتھ شہر سے لایا تھا، نظمیں پڑھکے ان دونوں کو سنایا کرتا تھا۔ اس نے انہیں مثنوی "یوسف و زلیخا" پڑھکے سنائی اور فارسی کے نامانوس الفاظ کے معنی و مطالب بتائے۔ اس سے ان کو مزید کہانیاں جنھیں وہ جانتی تھیں، یاد آ گئیں اور ابائی اشتیاق اور توجہ سے پھر کہانیاں سننے لگا۔

لیکن زرہ کی یہ کہانیاں، جو حملوں اور لوٹ مار کی کہانیاں ہونی تھیں، کبھی اچانک مارے جانےوالے چھاپے کی ہولناکی کی اور کبھی غم و آلام اور تلخ بےعزتی اور پسپائی کی، بڑی بھیانک ہونی تھیں۔

ایک بار جبکہ ان لوگوں کی کہانیوں کا سلسلہ بہت زور و شور سے چل رہا تھا، دور کے دو مسافر ان کے پڑاؤ پر مہمان بن کے آئے۔ ان میں سے ایک بوڑھا اور ایک نوجوان تھا۔ ابائی اس نوجوان سے اچھی طرح واقف تھا اور اس کی آمد سے اسے بہت خوشی ہوئی۔ وہ مغنی شاعر بائےکوک‌شے تھا جو گزشتہ سال ان کے "جائےلاؤ" میں ان لوگوں سے ملنے آیا تھا اور تین دن تک ان لوگوں کو گا گاکے "قوزی‌کورپیش اور بیان‌سلو" نام کا نغمہ سنایا تھا۔ معمر شخص ابائی کے لئے اجنبی تھا حالانکہ اول‌جان اسے اچھی طرح جانتی تھی۔

رسمی صاحب سلامت اور خاندانی اور خانگی معاملات سے متعلق تمام سوالات کے جوابات کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اول‌جان مسکراتی ہوئی ابائی سے مخاطب ہوئی۔

"بیٹے، تم نے مجھے اور اپنی دادی اماں دونوں کو پریشان کرکے رکھ دیا... لیکن اب تو کہانیوں اور گیتوں کا سچ مچ کا خزانہ تمہارے سامنے ہے۔ مغنی شاعر برلاس ہیں۔"

برلاس کی پتلی نقرئی داڑھی، پروقار انداز اور سریلی آواز نے فوراً ہی لڑکے کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ ان بڑے بوڑھوں سے قطعاً مختلف نظر آتا تھا جو ہر اس بات کو جو انہیں معلوم ہوتی تھی، اپنی ذات تک محدود رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ وہ فطرتاً کھری کھری کہنےوالا، بےباک اور باتونی تھا اور پڑاؤ پر پہنچنے کے بعد ہی سے کچھ ایسا رویہ اختیار کیا جیسے اس کی ساری زندگی

یہیں گزری ہو اور وہ خاندان کا ایک رکن ہو۔ مغنی برلاس نے پیار سے مسکراتے ہوئے ابائی سے کہا:

"لوگ کچھ یوں کہتے ہیں، بیٹے:

چشمہ آب صفا جیسا رواں مطرب کا گیت
سننےوالے، ریت کی مانند اسے کرتے ہیں جذب..."

"خوش‌نصیب ہیں وہ لوگ جو کہہ سکتے ہیں اور سن سکتے ہیں اور ابائی کا اگر سننے سے جی نہ اوبے‌گا تو بائےکوک‌شے کہتے کہتے نہ تھکے‌گا۔"

پڑاؤ کی نئی جگہ سارے انتظامات معمول کے مطابق ہو جانے تو اول‌جان اکثر دوسرے قبائلی گروہوں کے مہمانوں کا جو یہاں آتے رہتے تھے، خیرمقدم کرتی تھی اور برلاس جو قریب ہی پڑاؤ کرنےوالے سیبان قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، اپنے پرانے دوستوں سے ملنے آیا تھا۔ راستے میں مامائے قبیلے کا بائےکوک‌شے اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ برلاس کا شاگرد تھا اور ہر سال گرمیوں میں متعدد مہینے اپنے استاد کے ساتھ گزارتا تھا جو ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ پر، ادھر ادھر گھومتا پھرتا رہتا تھا۔

دونوں مغنی شاعروں کی جس پرتپاک انداز میں خاطر مدارات کی گئی اس سے ان پر فوراً ہی بڑی خوشگوار کیفیت طوری ہو گئی اور شام کو جبکہ گوشت پکایا جا رہا تھا، برلاس نے "قوبلاندی باتر" کا گیت گاکے سنایا۔ ابائی کو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اس نے اتنی خوبصورت تخلیق کبھی بھی سنی یا پڑھی نہیں ہے۔ اس نغمے نے اسے کچھ اتنا زیادہ بےچین کر دیا کہ رات گئے تک اسے نیند نہ آئی۔

اگلے روز اول‌جان نے مہمانوں پر کچھ اور قیام کرنے کے لئے زور دیا۔

"آخر ایسی عجلت بھی کیا ہے۔ از راہ کرم چند روز ہم لوگوں کے ساتھ گزاریئے نا" اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

یہ درخواست ابائی کی خواہش پر کی گئی تھی۔ وہ اب تک یقین کرتا رہا تھا کہ دانش اور تعلیم کی ساری باتیں کتابوں ہی میں ملتی ہیں نیز یہ کہ صرف مدرسہ ہی علم و فن کا مرکز ہے۔ وہ سوچتا کہ

نظامی، نوائی اور فضولی کا بھی کوئی ثانی ھو سکتا ھے؟ بھلا شیخ سعدی اور خواجه حافظ کے لطیف تغزل یا فردوسی کے رزمیے کا بھی کوئی جواب ھو سکتا ھے؟ اسے کیا خبر تھی که قزاخوں کے درمیان اسان قائغی، بقار جراؤ، مرابائے اور صادق جیسے باکمال شاعر بھی گزرے ھیں اور "قوزی کورپیش" اور "اقباله بازدیق" جیسی اعلا پائے کی تخلیقات بھی موجود ھیں۔

چاھے یه برلاس اور بائےکوک‌شے کے گیتوں کی جانی پہچانی زبان کی وجه سے ھو، چاھے گانے کے اس انداز کی وجه سے جس سے وہ دونوں کبھی اپنی آواز بلند کرتے، کبھی دھیمی کرکے بالکل سرگوشی کی حد تک لے آتے اور روانی اور جوش و خروش سے اس میں تیزی لے آتے، اور چاھے دومبرے* کی موسیقی کی وجه سے – کچھ بھی وجه رھی ھو، بہرحال ابائی کو اب یقین ھو گیا که اس نے ان دونوں مغنیوں کے گیتوں سے بہتر گیت کبھی نہیں سنے۔

مرے خیالوں کے اسرار ھیں بہت گہرے
افق په پھیلی ھوئی دھند کی طرح مغموم
تڑپ رھی ھے مری روح شدت غم سے
چمک رھا ھے ھر اک لمحه نقرئی دریا
رواں ھیں زنده و تابنده آب کے دھارے
یه گیت ابھرتے ھیں برلاس ھی کے ھونٹوں سے

"برلاس اتنے اداس کیوں رھتے ھیں؟" ابائی نے اپنی ماں سے پوچھا۔

"وہ بڑی شاندار شخصیت کے مالک ھیں" اس نے جواب دیا۔ "وہ کبھی پستی میں اترکے برائی کی تعریف نه کریں‌گے۔ تحفے جمع کرنے کے لئے ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ پر نه جائیں‌گے۔ بیٹے، تم ان سے سیکھو اور ان کے الفاظ کو سینے میں محفوظ کر لو۔"

اس نے مغنی شاعر کے ایک ایک لفظ کو توجه سے سنا۔ اسے ان اشعار پر شدید حیرت بھی ھوتی تھی اور مسرت بھی جو فی‌البدیه

---

* دومبرا – ایک قسم کا قزاخی تار باجا۔

اس کی ماں کے خیمے میں کہے جاتے تھے۔ ان میں اکثر علاقے کے حکمرانوں کی مجرمانہ کارروائیوں اور خرابیوں کی بڑی تلخی کے ساتھ مذمت کی جاتی تھی۔

ابائی کو خوشی ہوئی کہ اس کا باپ پڑاؤ پر موجود نہیں ہے۔ اس کی دلی آرزو تھی کہ وہ کافی عرصے تک واپس نہ لوٹے۔ خوش‌قسمتی سے وہ اس زمانے میں جبکہ برلاس مقیم تھا، ایک بار بھی ان لوگوں سے ملنے نہیں آیا تھا۔ وہ تو متعدد دوسرے بڑے بوڑھوں اور سرداروں کے ساتھ قبیلے کے مختلف پڑاوؤں کا دورہ کر رہا تھا چنانچہ اول‌جان کو موقع مل گیا کہ وہ برلاس کو روکے رہے۔ دراصل قونان‌بائے گھر میں ہوتا تھا تو مغنی شاعر ان کے یہاں زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر پاتے تھے اور نہ ہی اپنے اشعار میں آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر پاتے تھے۔

ابائی سوچتا کہ برلاس نے حکمرانوں کے متعلق گیت کی تخلیق کی تھی تو بھلا اس کے ذہن میں کون شخص تھا؟ برلاس کے اشعار مبہم سے ہوتے تھے لیکن ابائی ان اشعار کو اپنے طور پر معنی پہناتا تھا۔ زندگی اس کے سامنے متعدد مثالیں پیش کر رہی تھی۔

لڑکے نے ان دونوں مغنی شاعروں سے خود بھی اصرار کیا اور اپنی ماں سے بھی کہلایا، چنانچہ برلاس اور بائےکوک‌شے ان کے یہاں پورے مہینے بھر ٹھہرے رہے۔ ابائی ان دونوں سے بہت قریب ہو گیا، رات کو برلاس کے پلنگ کے پاس سوتا اور دن کو اپنی عقیدت اور احترام کے مظاہرے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا۔ بوڑھا مغنی اس رویے سے بہت متاثر ہوا اور ایک روز جبکہ ان دونوں کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا، اس نے یہ مصرعے گائے:

بڑے ہو رہے ہو ابائی، مرے دل کے ٹکڑے
بڑے ہو کے تم کیا بنوگے، بتاؤ تو پیارے؟

اس کے بعد اس نے اپنا دومبرا لڑکے کو دے دیا۔

"اسے لے لو، میرے بچے اور اس کے ساتھ ہی میری دعائیں بھی۔ میں یہ بات خلوص دل سے کہہ رہا ہوں!"

ابائی اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ الفاظ اس کے جذبات کا ساتھ نہ دے سکے۔

یہ واقعہ دونوں مغنی شاعروں کی پڑاؤ سے روانگی سے ایک روز قبل پیش آیا تھا۔ صبح کو مغنیوں کے گھوڑوں پر کاٹھی کسی جا چکی تھی تو ابائی نے اپنی ماں کو آواز دے کے الگ بلایا۔

"آپا، مہربانی کرکے ان لوگوں کو کوئی اچھی چیز دیجئے گا۔"

اول‌جان نے کوئی جواب نہ دیا لیکن دونوں مہمان جی بھر کے قمیز پی چکے تو اس نے بولنے کے لئے سر اٹھایا۔ مہمان ٹھہر کے اخلاقاً انتظار کرنے لگے۔

"میرا بیٹا مدرسے سے واپس لوٹنے کے بعد بیمار پڑ گیا تھا اور اچھا نہیں ہو رہا تھا" اول‌جان نے کہا۔ "آپ لوگ اپنے ساتھ جو گیت لے کے آئے تھے انہوں نے اسے اچھا کر دیا۔ آپ کی آمد سے جتنی خوشی ہوئی اتنی کبھی بھی کسی مہمان کی آمد سے نہیں ہوئی تھی۔"

واقعی ان دونوں کے قیام کی ساری مدت میں ابائی کی طبیعت ٹھیک رہی تھی۔ اول‌جان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

"آپ لوگوں کو دیکھ‌کے ہمیشہ خوشی ہوگی، سفر بخیر! از راہ کرم ہمارا شکریہ اور وہ تحائف قبول فرمائیے جو باہر آپ کے لئے موجود ہیں۔ ہم لوگوں کے متعلق کوئی بری بات نہ سوچئے اور ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے رخصت ہوں۔"

ابائی مہمانوں کے ساتھ باہر آیا۔ اس اثنا میں دو خوبصورت گھوڑے ان لوگوں کے پاس لائے گئے۔ ہلکے بھورے رنگ کا طاقتور گھوڑا برلاس کے لئے اور لاکھی رنگ کا چار سالہ گھوڑا بائے‌کوک‌شے کے لئے۔

دونوں مغنی شاعر، ان گھوڑوں کو لئے ہوئے جو انہیں تحفے میں دئے گئے تھے، "قوش! قوش!"* کہتے وہاں سے چل دئے۔

ابائی کا دل احسان‌مندی کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ وہ اپنی ماں کے بھاری بھرکم جسم سے لپٹ گیا اور اس کے رخساروں، آنکھوں اور ہونٹوں پر بوسوں کی بوچھار کر دی۔

---

* قوش — الوداع۔

بگولہ

۱

قونان‌بائے کے قبائلی گروھوں نے اس سال بھیڑوں کا اون کترے جانے کا کام گزشتہ برسوں کی بہ‌نسبت کچھ پہلے ھی مکمل کر لیا۔ ماضی میں قونان‌بائے کبھی بھی موسم گرما کی چراگاھوں سے سردیوں کی قیام‌گاھوں کو منتقل ھونے کا حکم پہلی برف‌باری سے قبل نہیں دیا کرتا تھا لیکن اس بار اس نے اچانک اوائل اکتوبر ھی میں منتقلی کے احکام جاری کر دئے۔ دوسرے جرگوں کے سرداروں کو اس کے ارادوں کی ذرا بھی خبر نہ تھی حالانکہ وہ سب کے سب قونان‌بائے کے جرگے کے لوگوں کے ہم‌قبیلہ تھے۔

وہ لوگ سات مرحلوں میں کول‌غینار پہنچ گئے اور وھاں سے سردیوں کے قیام کے مختلف مرکزوں پر جانے کی تیاریاں ھی کر رھے تھے کہ قونان‌بائے نے اچانک حکم دیا کہ اس کی ھدایت کے بغیر کوئی بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ھو۔ وہ خود میباسر کے ھمراہ چنگیز پہاڑیوں پر گیا جو زیادہ فاصلے پر نہیں واقع تھیں۔ دونوں نے دن کا زیادہ‌تر حصہ ضلعے کے مختلف علاقوں کا جائزہ لینے میں صرف کیا اور غروب آفتاب کے وقت پڑاؤ پر واپس لوٹ‌کے قونان‌بائے سیدھا اپنی سب سے بڑی بیوی کونکے کے خیمے کی طرف چل پڑا۔

اس روز اس خیمے میں صرف عورتیں ھی اکٹھا تھیں۔ ان میں قونان‌بائے کی مائیں یعنی اس کے باپ کی بیوائیں، اس کے چچاؤں کی بیویاں اور دو نسلوں کی رشتے‌دار خواتین شامل تھیں۔ ان لوگوں کا گروہ جو یہی کوئی بیس خاندانوں پر مشتمل رھا ھوگا، کافی عرصہ قبل قونان‌بائے کے افراد خاندان کے خاص گروہ سے علاحدہ ھو گیا تھا اور اب آزادانہ مختلف علاقوں میں منڈلاتا رھتا تھا۔ یہ گروہ

اپنی روایت کے بموجب قونان‌بائے کے یہاں رشتےداروں سے ملنے جلنے آیا اور ایسے مواقع پر عموماً پیش کئے جانےوالے تحائف ساتھ لایا تھا۔

گروہ کی عورتیں سال میں دو بار اس نوعیت کے تحائف قونان‌بائے کے خیمے میں لایا کرتی تھیں۔ ایک بار موسم بہار میں جبکہ جرگے موسم بہار کی چراگاہوں میں پہنچتے تھے اور دوسری بار خزاں میں؛ موسم سرما کے مرکزوں پر جانے کے لئے رخصت ہونے کے وقت۔ پرانے دوستوں کی یہ ملاقات موسم سرما کی طویل جدائی کے بعد موسم بہار میں خاص طور سے بڑی خوشگوار ثابت ہوتی تھی۔ اس موقعے پر عورتیں پڑاؤ پر ہر ایک کے یہاں اور سب سے پہلے زرہ کے بڑے خیمے میں ملنے جلنے جایا کرتی تھیں۔

میباسر کے بصد احترام دروازہ کھولنے کے بعد قونان‌بائے کا بھاری بھرکم جسم نمودار ہوا تو قہقہوں اور بات‌چیت کا سلسلہ اچانک بند ہو گیا اور خاموشی چھا گئی۔

مرد بیٹھ گئے تو واحد عورت جسے قونان‌بائے کو مخاطب کرنے کی جرأت ہوئی، تان‌شول‌پان تھی، اس کے باپ کی دوسری بیوی جو عمر میں صرف زرہ ہی سے چھوٹی تھی۔

"میرے بیٹے، تمہاری مائیں اور یہاں موجود دوسری بڑی بوڑھیاں اس موسم کے تحائف لےکے آئی ہیں۔ ہم تمہاری قابل احترام ماں سے ملاقات کرکے اظہار عقیدت کر چکے ہیں اور اب اپنے الگ الگ راستوں پر روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔"

گزشتہ چند برسوں سے طریقہ بن گیا تھا کہ قونان‌بائے سن رہا ہوتا تو زرہ کا تذکرہ "قابل احترام ماں" کہہ کے کیا جاتا اور دوسروں کی طرح تان‌شول‌پان نے بھی اپنی سابق سوت کا اسی انداز میں تذکرہ کیا لیکن قونان‌بائے نے کوئی جواب نہ دیا۔ تان‌شول‌پان اس کے خاندان کی ایسی ماؤں میں سے تھی جو اپنی مرضی کی آپ مالک تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے جوانی میں دشمنوں کے ایک گروہ کا جس نے اس کے پڑاؤ کے مویشیوں پر ہلہ بول دیا تھا، نیزہ ہاتھ میں لےکے تعاقب کیا تھا۔ تان‌شول‌پان کے چار بیٹے تھے۔ جن بیویوں کے بہت سے بیٹے ہوتے تھے وہ اکثر بڑی تیزی اور سرکشی دکھایا کرتی تھیں۔

اسے قونان‌بائے کی خاموشی ناگوار ہوئی۔

"یہاں ہماری آمد کا مقصد کونکے کو نہیں بلکہ تمہیں عزت و تعظیم دینا ہے؛ تم عمر میں چھوٹے ہو لیکن بہرحال ہمارے سردار ہو" اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "کل ہم لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے کیونکہ ہمیں اپنے موسم سرما کے رہائشی مرکز پر جانا ہے وہاں ہم کو آمد بہار تک کچھ اسی طرح قیام کرنا ہوگا جیسے جانور اپنی ماندوں میں پڑے رہتے ہیں۔ کیا کیا جائے، عورتوں کی قسمت ہی ایسی ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ میں جو تحفے لائی ہوں وہ آنے والے سال میں تمہارے لئے باعث مسرت ہوں۔ ان کی حیثیت تمہاری مسرت کے لئے نذر جیسی ہے، میرے بیٹے!"

قونانبائے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

"آپ موسم سرما کے لئے جدا ہونے کی بات کر رہی ہیں؟" اس نے مختصر خاموشی کے بعد پوچھا۔ "لیکن ہم لوگ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں تو کیسا رہے؟ اس صورت میں تو آپ کو نئے سرے سے تحائف تیار کرنا ہوں گے!"

وہ معنیخیز انداز سے مسکرایا۔ عورتیں اس کا مفہوم نہ سمجھ پائیں لیکن فوراً ہی جواباً مسکرا دیں۔ طویلقامت، سانولی رنگتوالی کونکے نے جو لمبوترے زرد چہرے کی مالک تھی، قونانبائے کے اس پرمسرت موڈ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

"لیکن میں تو نوکروں سے کہہ چکی ہوں کہ کل سامان کے بنڈل کھول ڈالیں اور سب کے لئے خیمے نصب کر دیں۔ کیا ہم لوگوں کو اور آگے کے لئے کوچ کرنا ہوگا؟ ہم سخت الجھن میں مبتلا ہیں۔ کسی کو بھی نہیں معلوم کہ ٹھہرنا یا روانہ ہونا ہے" اس نے میباسر کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"لیکن آپ کو نئے تحائف ملیں گے" میباسر نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"سامان کھولنے اور خیمے نصب کئے جانے کی ہدایت نہ دو" قونانبائے نے کہا۔ "ہم لوگ کل ہی اپنا سفر جاری رکھیں گے۔"

"تو کل ہم لوگ چل رہے ہیں، میرے اچھے بیٹے؟ تم ہمیں کونسی نئی جگہ پر لے چلوگے؟" تانشولپان نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں، ہم لوگ ساتھ ساتھ کوچ کریں گے۔ کل علیالصباح

چنگیز کے لئے روانہ ہوں‌گے۔ ہم چراگاہوں کا جائزہ بھی لے چکے ہیں اور مختلف قبائلی گروہوں کے پڑاؤ کی جگہیں منتخب کر لی ہیں۔ سب جرگوں کو مطلع کر دیا جانا چاہئے تاکہ وہ تیار رہیں" قونان‌بائے نے جواب دیا۔

ارغیزبائے کے بیسوں گروہ دن طلوع ہوتے ہی چنگیز پہاڑوں کے وسطی علاقے کو چل کھڑے ہوئے۔

سب کے سب ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور کوئی ادھر ادھر بھٹک نہیں رہا تھا۔ خانہ بدوش گروہ اپنے کوچ کرنے کے دوران عموماً سارسوں یا ہنسوں کی پرواز کی طرح خاصے بڑے علاقے میں پھیلے ہوئے سفر کیا کرتے تھے لیکن اب وہ مرغابیوں کے ایسے جھنڈ کی طرح جسے کسی باز نے پریشان کر رکھا ہو، ایک دوسرے سے بالکل قریب رہتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس غیرمعمولی گشتی سفر کا آغاز بھی غیرمعمولی انداز سے ہوا تھا۔ قونان‌بائے نے علی‌الصباح ہی حکم دیا تھا:

"کسی کو ادھر ادھر قطعاً نہ بھٹکنا چاہئے! جلدی کرو! میں یہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ راستے میں کوئی شخص قافلے سے پیچھے رہ گیا ہے! ہم سب ایک ساتھ سفر کریں‌گے اور راستے میں کہیں قیام نہ کیا جائےگا" اس نے اپنے پیغام رسانوں سے کہا اور انہیں مختلف گروہوں کے پڑاؤ پر روانہ کر دیا۔

ان کے راستے کے بائیں جانب ایک بلند پہاڑی واقع تھی۔ قونان‌بائے نے، میباسر اور اپنے سب سے بڑے بیٹے قدائےبیردی کے ساتھ جو پہلی بیوی کونکے کے بطن سے پیدا ہوا تھا، آگے آگے گھوڑے پر سوار اس پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ صبح کے آسمان کے پس‌منظر میں اس کا لاکھی رنگ کا گھوڑا کچھ عجب اونچا، لمبا اور ہیجانی سا لگ رہا تھا۔ اس کے کان کچھ اس طرح پھڑک رہے تھے جیسے وہ کچھ سن رہا ہو اور سر اس طرح موڑتا تھا جیسے پہاڑی کے نچلے حصے میں انسانی ہجوم کی سست رفتاری پر بےصبر ہوا جا رہا ہو۔ قونان‌بائے، لوگوں سے بہت بلند، پہاڑی کی چوٹی پر کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس انبوہ کثیر سے خطاب کرنےوالا ہو۔

بیس قبائلی گروہ طلوع آفتاب سے قبل ہی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے اور جانوروں پر کسی شوروغل کے بغیر خاموشی سے سامان

لادنے لگے تھے لیکن وہ چل پڑے تھے تو افراتفری کی سی فضا پیدا ہو گئی تھی اور خانہ‌بدوشوں کے کارواں کی مختلف‌النوع آوازوں سے سارا ماحول گونج رہا تھا۔ کہیں کوئی اونٹ جس کی پیٹھ بھاری سامان باندھنے کی کسی ہوئی رسیوں سے دکھنے لگی تھی، بلبلا رہا تھا، کہیں ماں سے بچھڑ جانے‌والا کوئی اونٹ کا بچہ چلا رہا تھا۔ کہیں کتے گلا پھاڑ پھاڑکے بھونک رہے تھے، کہیں سامان اٹھانے‌والے اونٹوں کو اکٹھا کرنے‌والے گھڑسواروں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں، کہیں بچے رو رہے تھے اور مائیں انہیں ڈانٹ ڈپٹ رہی تھیں۔ بھیڑوں اور مویشیوں کے گلوں کی نگرانی کرنے‌والوں کی آوازیں بھی چاروں طرف سے بلند ہو رہی تھیں۔

سارا کارواں پوری طرح محو سفر ہو گیا تو قونان‌بائے، قامس‌بائے اور قدائے‌بیردی سے مخاطب ہوا:

"تمام قبائلی سرداروں کو بلا لاؤ" اس نے کہا۔

دونوں گھڑسوار تیزی سے جھپٹے۔ طویل‌قامت، گٹھے ہوئے جسم‌والے قدائے‌بیردی اور طاقتوار قامس‌بائے گھوڑوں کو دوڑاتے، ڈھلانوں پر سے اترتے ہوئے کارواں کے اگلے حصے کی طرف بڑھنے لگے۔ جو گروہ آگے تھے ان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے کچھ گھڑسواروں کے پاس پہنچ کے یہ لوگ پل بھر کو رکے اور پیچھے کی طرف دیکھا۔ فوراً ھی دو گھڑسوار یہاں سے روانہ ہوکے پہاڑی کی چوٹی کی طرف بڑھنے لگے جہاں قونان‌بائے کھڑا انتظار کر رہا تھا۔

قدائے‌بیردی کے کارواں کے بالکل عقبی حصے تک پہنچنے سے قبل ہی کوئی تیس آدمی قونان‌بائے کے پاس پہنچ چکے تھے جو ان کے حلقے میں بیٹھ گیا تھا۔ یہ موسم خزاں کا ہواؤں سے خالی دن تھا اور صاف و شفاف آسمان پہاڑیوں کو چھوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا، زرد اور ناقابل ادراک۔ صبح کے شاندار آفتاب نے ابھی دور دراز واقع علاقوں پر سرخیاں نہیں بکھیری تھیں کہ تمام قبائلی گروہوں کے گھڑسوار لپکتے ہوئے قونان‌بائے کے پاس پہنچ گئے۔

ان لوگوں سے خاصی بلندی پر چنگیز کی چٹانی وسعتیں موجود تھیں۔ ان کی تمام چوٹیاں جن کے دونوں جانب ڈھلانیں تھیں، دھند میں لپٹی ہوئی تھیں لیکن اب اچانک دھوپ نے جھلملاتی ہوئی چٹانوں کے تمام سلسلے کو منور کر دیا۔ کارواں کے شور سے بیدار ہونے‌والے

لووں کے جھنڈ کے جھنڈ آسمان کی طرف پرواز کرنے لگے اور ان کی چہچہاہٹ سے فضائیں گونج اٹھیں۔ محو پرواز سارسوں کا ایک جلوس جو بلندیوں پر بمشکل نظر آ رہا تھا، مسلسل اپنی عجیب وغریب الوداعی آوازیں بلند کئے جا رہا تھا: "ترو۔ ترو"۔

فدائےبیردی اور قامس‌بائے تمام قبائلی گروہوں کا چکر لگاکے قونان‌بائے کے پاس تین بوڑھے آدمیوں کے ساتھ لوٹ آئے تھے۔ ان میں سے ایک قونان‌بائے کا سوتیلا بھائی جقیپ تھا۔ ارغیزبائے سردار نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مختصراً حکم دیا: "ہمیں چلنا چاہئے!"

قونان‌بائے قبائلی بڑے بوڑھوں اور سرداروں کے ساتھ چنگیز پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا تو گھوڑوں کی ٹاپوں کی گڑگڑاہٹ سے پہاڑی ہلنے سی لگی۔ یہ لوگ قافلے کے پاس سے گزرنے لگے تو خانہ‌بدوش لوگ انہیں راستہ دینے کے لئے ایک طرف سمٹ گئے لیکن گھڑسواروں نے آگے بڑھ جانے میں عجلت نہ برتی۔

قونان‌بائے بیچوں بیچ میں تھا اور اس کے چچاؤں، بھائیوں، چچازاد بھائیوں اور دوسرے رشتےداروں نے اسے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

قونان‌بائے کو جو اپنے باپ کی سب سے بڑی بیوی زرہ کا واحد بیٹا تھا، "بڑا خیمہ" ورثے میں ملا تھا۔ وہ زبردست دولت اور ایسے اختیار و اقتدار کا مالک تھا کہ کسی کو اسے للکارنے کی جرأت نہ تھی۔ عمر میں بھی وہ سب سے بڑا تھا اور اس کے دادا ارغیزبائے کے ورثا میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جسے اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت ہوتی۔ مخالفت کرنے کا تو خیر سوال ہی کیا تھا، بیس کے بیسوں قبائلی گروہوں میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں تھا جو اس سے عدم‌اطمینان ہی ظاہر کر دیتا۔ قونان‌بائے کو کسی مسئلے پر حمایت کی ضرورت ہوتی تو اسے بےدریغ میسر ہوتی تھی۔ اس کے ارادوں کی قوت، اس کے حکم کی آواز ہی تمام لوگوں کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ دوسروں کی زمینوں پر قابض ہونے کا سوال ہو یا کسی سرکش جرگے کو کچلنے کا، قبائلی گروہوں کا ایک ایک سردار اس کی خفیف سی جنبش ابرو پر ہی تیزی سے ساتھ دینے کو اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ خاندانی معاملات میں بھی

جو بہت پیچیدہ اور اختلافات سے بھرے ھوتے تھے، قونان‌بائے کا نام ھی کسی جھگڑے کے خاتمے کے لئے کافی ھوا کرتا تھا۔ سرکش سوتنیں جو ایک دوسرے کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کو تیار رھتی تھیں، کھلم‌کھلا بلند آواز سے لڑنے جھگڑنے سے ڈرتی تھیں۔ ان کے شوھر کے بھائی اور معمر رشتےدار جلدی سے لپک‌کے جوان یا معمر عورتوں کا غصہ ٹھنڈا کر دیا کرتے تھے اور جو بیویاں زیادہ جھگڑالوپن دکھاتی تھیں انہیں گھونسوں اور مکوں کے ذریعے خاموش کر دیا جاتا تھا۔

بیس قبائلی گروہ قونان‌بائے کے گرد مضبوطی سے متحد تھے جیسے وہ ایک ھی ماند میں رھنےوالے درندوں کا جھنڈ ھوں۔

۲

چھ روز بعد خانہ‌بدوشوں کا ایک اور کارواں اسی راستے سے گزرا جو بوکین‌شی اور بورساق قبیلوں پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے بھی قزل‌شوقی کا چکر کاٹا تھا اور چنگیز پہاڑوں کے وسطی علاقے کو جا رھے تھے۔

لیکن یہ قافلہ ایک طویل بےترتیب قطار میں آگے بڑھ رھا تھا۔ اس میں شامل مختلف قبائلی گروہ الگ الگ سفر کر رھے تھے۔ اس میں گھڑسواروں کی تعداد بہت ھی کم تھی، صرف مویشیوں کو ھنکانے اور ان کی نگرانی کرنےوالے اور چند عورتیں ھی گھوڑوں پر سوار تھیں۔ باقی تمام افراد، بچے، بوڑھے اور عورتیں – سب کے سب سامان ڈھونےوالے اونٹوں پر سوار تھے۔ انہیں دیکھ‌کے صرف یہی سوچا جا سکتا تھا کہ ان قبائلی گروھوں نے اپنے مویشی موسم سرما کی چراگاھوں کو منتقل کر دئے ھیں اور اپنے ساتھ صرف اتنے ھی گھوڑے روک رکھے ھیں جن کی سفر کے سلسلے میں ضرورت ھے۔ حالت یہ تھی کہ مرد تک دو سالہ اونٹوں یا بیلوں پر سوار تھے۔ لیکن قافلے میں گھوڑوں کی کمی کا سبب دراصل کچھ اور ھی تھا؛ یہ دونوں جرگے غریب تھے اور ان کے صرف تین گروہ ھی جن کے سردار سویوندیک، جیک‌سین اور سوغیر تھے، مالدار تھے۔

دونوں جرگوں کے بڑے بوڑھے اور سردار بیس بانکوں کے حلقے

میں خاموشی سے سفر کر رہے تھے۔ نہ کوئی ھنسی مذاق کر رہا تھا، نہ قہقہے بلند ھو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ پرانے پوستین اور ٹوپیاں پہنے ھوئے یہ سفید بالوں‌والے بوڑھے کھرے اور خزاں کے آسمان کا جزو بن‌کر رہ گئے ھوں۔ سویوندیک خصوصیت سے مغموم نظر آ رہا تھا۔ لوگ توقع کرتے تھے کہ فیصلہ‌کن اقدام میں وہ ان کی رھنمائی کرےگا لیکن وہ خود کو اس پر آمادہ نہیں کر پا رہا تھا۔

"وھاں پہنچ‌کے دیکھا جائےگا۔ ھم لوگ اس سے باتیں کریں‌گے۔ وہ خود ھی بتائےگا کہ آخر یہ کہاں کی رسم یا قانون ھے کہ سب کو چھوڑکے وہ اکیلا ھی روانہ ھو گیا" یہ کہہ کے وہ اپنے قبائلیوں کے سوالات کو ٹال رہا تھا۔

جیک‌سین اس کی حمایت کر رہا تھا لیکن دوسرے لوگ جن میں جوان اور بوڑھے دونوں شامل تھے، غیرمطمئن تھے۔ قونان‌بائے موسم خزاں کی چراگاھوں سے غیرمعمولی طور پر قبل از وقت روانہ ھو گیا تھا۔ دوسرے جرگوں نے اس ڈر سے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ھے، جلدی جلدی اپنی بھیڑوں کا اون کترنے کا کام مکمل کر لیا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے روانہ ھو گئے تھے۔ بوکین‌شی جرگےوالے دیکھ چکے تھے کہ گرمیوں بھر آغاسلطان نے ان کے جرگے کو حقارت کی نظروں سے دیکھا تھا اور جانے کتنی ھی بار ان سے جھگڑنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کی تھی۔ اس صورت‌حال سے سویوندیک کو سخت تشویش پیدا ھوئی تھی اور وہ ایک بار پھر بوجیئی سے ملنے گیا تھا لیکن بوجیئی اس معاملے میں اسے کچھ بھی نہیں بتا سکا تھا۔

سویوندیک کے قونان‌بائے کے پیچھے روانہ ھو جانے کے بعد دوسرے جرگوں کو بھی خلش ھوئی تھی اور جلد ھی وہ بھی چل پڑے تھے۔ ان میں ارغیزبائے جرگے کے حامی بھی تھے اور بوجیئی اور توسیپ سمیت اس کے حریف بھی۔

چنگیز پر بوکین‌شی جرگے کے موسم سرما کے قیام کا علاقہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے وسط میں جیک‌سین کے پڑاؤ کی جگہ واقع تھی جہاں موسم بہار میں قودر کو قتل کیا گیا تھا۔ پہاڑوں کے قریب پہنچ‌کے خانہ‌بدوشوں کے مختلف گروہ ایک دوسرے سے الگ ھوکے اپنی جانی پہچانی چراگاھوں کی طرف چل پڑے۔

سویوندیک اور جیک‌سین کے گروہ دریا کے پاس پہنچ‌کے اس

کے کنارے کنارے جنگلی علاقوں سے گزرتے ہوئے آخرکار پہاڑی سلسلے کے ایک طرف کو نکلے ہوئے حصے کو پار کرکے اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ پہاڑی کا بالکل نچلے حصے کا میدان بھی ان کے سامنے تھا اور وہ چٹان بھی جس پر سے قودر کو نیچے پھینکا گیا تھا...

لیکن یہ کیا تھا؟ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین ھی نہیں آ رہا تھا۔ ڈھلوان چٹان کے سامنے واقع ترائی کی گھاس کاٹ‌کے اس کے ڈھیر لگا دئے گئے تھے۔ گایوں اور اونٹوں کا ایک بہت بڑا گلہ جیک‌سین کی زمینوں پر چر رہا تھا اور قریب ھی ایک خوشحال قبائلی گروہ کے حیمے نصب تھے۔ الاوؤں سے دھیرے دھیرے دھواں فضا میں بلند ہو رہا تھا اور میدان میں بھیڑیں ممیا رہی تھیں۔

موسم سرما میں قیام کی یہ جگہ اب جیک‌سین کی نہیں رہ گئی تھی۔ اس پر کوئی دوسرا گروہ ناجائز طور پر قابض ہو گیا تھا۔

کچھ اور زیادہ بلند ڈھلانوں پر گھوڑے چر رہے تھے جو تقریباً سب کے سب بھورے اور لاکھی رنگ کے تھے۔ بلاشبہ یہ قونان‌بائے کے مویشیوں کا گلہ تھا۔

"خدا نے ھمیں سزا دی ھے! پیارے سویوندیک، اب ھمیں کیا کرنا چاھئے؟" جیک‌سین آہ و زاری کرنے لگا۔

"ھاں... یہ تو ضرب‌المثلی مصیبت ھے: "جائےلاؤ" دشمن کے قبضے میں اور موسم سرما کی چراگاہ میں آگ لگی ہوئی!" سویوندیک بڑبڑایا اور اس نے مزید کچھ نہ کہا۔

وہ جانتا تھا کہ قونان‌بائے کسی مخالفانہ جوڑ توڑ میں مصروف ھے لیکن اس سے اس طرح کے اقدام کی کسی کو قطعاً توقع نہ تھی۔

"یقین کر لو کہ قونان‌بائے نے صرف جیک‌سین کی زمینوں پر ھی قبضہ نہیں کیا" جیت‌پیس نے شدید غصے سے کہا۔ "دیکھ لینا کہ اس نے بوکین‌شی جرگے کی تمام زمینیں ہڑپ کر لی ھیں! اس ذلت سے تو مر جانا بہتر ھے!"

متعدد نوجوان بانکے اپنے گھوڑوں کو کوڑے رسید کرتے ہوئے آگے لپکے اور ھجوم میں غصے سے بھری چیخیں بلند ھونے لگیں:

"ھماری زمینیں یا ان کا خون!"

"بوکین‌شی! کیا ہم لوگ حرامی یا باھر کے رھنےوالے ھیں؟ یا کوئی اور بات ھے؟"

"بزدلی کی یہ قیمت ادا کرنی پڑی!"

"آپ نے ہمیں کارروائی کرنے سے روکے رکھا اور نتیجہ یہ برآمد ہوا!"

سویوندیک کو اذیت سے جھرجھری آ گئی۔ یہ چیخیں اس کے جسم پر کوڑوں جیسی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے سوچا کہ اب آخر وہ کیا کرے؟ ان بانکوں کو روکا نہ گیا تو فوراً ہی قونان‌بائے کے کیمپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اور یہ جو لوگ چیخ پکار مچا رہے ہیں یہ کوئی بڑے بوڑھے نہیں بلکہ صورت حال سے بالکل بےخبر، بھکاری جیسے غریب لوگ ہیں۔ خدا ہی جانے کہ غصے میں کیا نہ کر بیٹھیں۔ الزام کس کے سر آئےگا؟ کل کو سب یہی کہیں گے کہ سویوندیک نے ان کی قیادت کی تھی، ان کو اشتعال دلایا تھا! ان خیالات نے اسے بری طرح خوف‌زدہ کر دیا۔

آخر سویوندیک اپنے گھوڑے کی لگام مضبوطی سے تھامنے ہوئے زور سے چیخا:

"رک جاؤ، بانکو! ٹھہرو!"

وہ رک‌کے اس کے ارد گرد اکٹھا ہو گئے۔

"لڑنے کا ارادہ رکھتے ہو تو جاؤ لیکن یاد رکھو کہ تم اکیلے ہی لڑوگے! میں تمہارے ساتھ نہ ہوں‌گا!.. جاؤ، وہ رہا راستہ! تم سمجھتے ہو کہ اپنے بیس سوئیلوں سے قونان‌بائے کو خوف‌زدہ کر سکتے ہو؟ اسے تمہارا خوف ہوتا تو اس نے ان زمینوں پر قبضہ ہی نہ کیا ہوتا۔ جہاں تم بیس ہو وہاں اس کے سو آدمی ہوں‌گے اور اگر تم سو ہوگے تو وہ لوگ ایک ہزار ہو جائیں‌گے! ادھر دیکھو!" اس نے پڑاؤ کی طرف اشارہ کیا۔

سویوندیک نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ خیموں کے پاس سے، پہاڑی چوٹی پر سے اور قریبی پہاڑیوں پر سے گھڑسوار کسی عجلت کے مظاہرے کے بغیر ان لوگوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ سوئیلوں سے لیس تھے جو تیاری کی حالت میں بعض گھڑسواروں کے زین پر اور بعض کے گھٹنوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ بعضوں نے اپنے یہ ڈنڈے ایک سرے پر بندھی ہوئی پکڑنے کی رسی کے ذریعے بازوؤں میں لٹکا رکھے تھے۔ ان کی تعداد سو سے بہرحال کم نہ رہی ہوگی۔ یہ لوگ مویشیوں

کے گلے کے درمیان سے گزرکے ایک ساتھ سامنے آئے اور باقاعدہ منظم گروہ کی طرح اپنے گھوڑوں پر سویوندیک کی طرف بڑھنے لگے۔

بوکین‌شی قبائلی ھکا بکا ھوکے خاموش ھو گئے۔

اس مرحلے پر سوغیر نے سویوندیک کی حمایت کی۔ وہ مویشیوں کے متعدد گلوں کا مالک اور بوکین‌شی جرگے کا امیرترین آدمی تھا۔

"ھم اکیلے نہیں ھیں" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ھمارے ھم‌قبیلہ افراد ھیں اور پھر اس علاقے کے عوام بھی سب کچھ سمجھتے ھیں۔ ھم ان لوگوں کو مجبور کر دیں‌گے کہ ھماری زمینیں واپس کریں! ھم اس معاملے کو عوام کے سامنے رکھیں‌گے۔ لیکن غصے کی شدت میں ھمیں اپنے آپ کو فراموش نہ کر دینا چاھئے، کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا چاھئے جس پر بعد میں پچھتانا پڑے!"

"جو لوگ جھگڑا شروع کریں‌گے انہیں اس کے نتائج کی قیمت اپنے سروں سے ادا کرنی پڑےگی" سویوندیک نے سختی سے کہا۔ "اس بات کو اچھی طرح ذھن‌نشیں کر لو!"

سامنے سے آتے ھوئے گھڑسواروں میں خود قونان‌بائے بھی نظر آنے لگا تھا۔ اس کا لمبا لاکھی گھوڑا، ایال کو جھٹکتا ھوا پروقار انداز میں یکساں چال سے آگے بڑھ رھا تھا۔ وہ لوگ قریب آ گئے تو آغا سلطان نے ھاتھ کے اشارے سے اپنے مسلح گھڑسواروں کو ایک طرف کر دیا اور صرف دس سرداروں کے ساتھ سویوندیک اور اس کے بانکوں کے قریب آیا۔

قونان‌بائے نے بوکین‌شی قبائلیوں پر ایک قھرآلود نگاہ ڈالی۔ اس کے رویے سے کچھ ایسا ظاھر ھو رھا تھا جیسے وہ کہہ رھا ھو: "ارے تم میرا بگاڑ ھی کیا سکتے ھو؟" اس کا سر کچھ عجب سرکش انداز سے پیچھے کی طرف ذرا جھکا ھوا سا تھا۔ تمام اتکامنیر حکمراں اس نوعیت کے پرجلال رویے کا مظاھرہ کیا کرتے تھے لیکن قونان‌بائے خاص طور سے بڑا بھیانک معلوم ھوتا تھا۔ سویوندیک جانتا تھا کہ یہ محض دھونس جمانے کا ایک انداز ھے کیونکہ وہ خود بھی دوسروں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے اسی قسم کا پرجلال رویہ اپنایا کرتا تھا لیکن اس وقت دوسروں کی طرح وہ بھی ارغیزبائے جرگے کے رھنما کی بارعب خاموشی کے سامنے پسینے پسینے ھو گیا۔

بوکین‌شی قبائلیوں کو سلام کے معاملے میں پہل کرنی پڑی جس

کا جواب قونان‌بائے نے اپنے ھونٹوں کی محض ایک حفیف سی جنبش سے دیا اور لمحے بھر تک تناؤ سے بھرپور خاموشی چھائی رھی۔
"مرزا، یہ گھڑسوار کیسے ھیں؟" آخرکار سویوندیک نے دریافت کیا (توبیق‌تی قبیلے کے تمام سردار قونان‌بائے کو مرزا* کہہ‌کے مخاطب کیا کرتے تھے)۔
"یہ گھڑسوار؟ ھم لوگ گھوڑوں پر نشانات بنانے جا رھے ھیں۔ انہیں موسم سرما کی چراگاھوں کو ھنکا دینے کا وقت ھو رھا ھے۔ اسی وجہ سے یہ گھڑسوار یہاں آئے ھیں" قونان‌بائے نے جواب دیا۔
ایسا لگتا تھا کہ اب مزید کچھ کہنے کی گنجائش ھی نہیں باقی رہ گئی۔ جیک‌سین نے مڑکے پیچھے دیکھا۔ ان لوگوں کے کاروان کے اگلے حصے نے پہاڑ کے آگے کی طرف نکلے ھوئے سلسلے کو پار کر لیا تھا اور اب وہ ان لوگوں کے قریب آ رھا تھا۔
"مرزا، یہ سامنے سے قریب آتے ھوئے قبائلی گروہ ھم لوگوں کے ھیں۔ ھم لوگ موسم سرما کے پڑاؤ کے لئے آئے ھیں لیکن ھماری جگہوں پر دوسرے لوگ قابض ھو چکے ھیں۔ اب آخر ھم کیا کریں؟" جیک‌سین نے قونان‌بائے سے کہا۔
"لیکن تم سے یہاں آنے کو کس نے کہا تھا؟" قونان‌بائے نے ٹکا سا جواب دیا۔ "بھلا یہ کون‌سا زعم باطل تھا کہ تم لوگ یہ پوچھے بغیر ھی چل کھڑے ھوئے کہ تمہیں کہاں جانا چاھئے؟ تمہارے قبائلی گروہ واپس جائیں‌گے!" اس کی آواز میں قانون جیسی سختی تھی۔
"لیکن کہا جاتا ھے کہ حکمراں عوام پر حکم چلاتے ھیں اور عوام زمین پر!"
"چنانچہ تم نے فرض کر لیا کہ حکمراں کو زمین سے بےتعلقی اختیار کرکے آسمان پر ڈیرا جمانا چاھئے؟ آخر یہ کہاں کہا گیا ھے کہ ارغیزبائے قبائلیوں کو چنگیز پہاڑوں پر موسم سرما گزارنے کا کوئی حق نہیں؟"
"لیکن مرزا، آپ کو چنگیز پہاڑوں پر سردیاں بتانے کی ایسی کیا ضرورت آ پڑی؟ آپ کے سردیوں کے پڑاؤ کے لئے تو دوسری بہت اچھی کافی زمینیں موجود ھیں" سویوندیک نے مصالحتی بات چیت

---

* مرزا — جناب۔

کی امید میں اعتراض کیا لیکن قونان‌بائے نے فوراً ھی اسے خاموش کر دیا۔

"سنو بوکین‌شی‌والو!" اس نے کچھ اس انداز میں کہنا شروع کیا جیسے کسی عام مشاورتی جلسے کو خطاب کرتے وقت عوام کے سامنے اپنا کوئی اھم فیصلہ پیش کر رھا ھو۔ "تم لوگ ھمارے بڑے بھائی ھو۔ تم ھم لوگوں سے پہلے سن شعور کو پہنچ گئے تھے اور تم نے چنگیز پہاڑوں کے تمام کشادہ نشیبی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ارغیزبائے قبائلی کسی زمانے میں تعداد میں کم اور عمر میں تم سے چھوٹے تھے لیکن تم نے سارے چنگیز پر انہیں زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ دیا اور اب تم سردیاں گزارنے کی دوسری زمینوں کی بات کر رھے ھو لیکن یہ دوسری زمینیں چنگیز کی زمینوں کے مقابلے میں حیثیت ھی کیا رکھتی ھیں؟ ھم لوگ اب بڑے ھو چکے ھیں اور آخر اس صورت‌حال کو مزید کتنے دنوں تک برداشت کریں؟ ارغیزبائے قبائلیوں کو موسم سرما کے لئے موزوں چراگاھوں کی ضرورت ھے۔ ھم بڑے بھی ھو چکے ھیں اور طاقتور بھی۔ ویسے ھم کوئی اجنبی بھی نہیں بلکہ تمہارے ھم‌قبیلہ ھیں۔ کیا ھم اس علاقے میں نئے آئے ھیں جو تم لوگ اس زمین کو دینے سے انکار کر رھے ھو جس پر ھمارا بھی اتنا ھی حق ھے جتنا کہ تمہارا؟"

قونان‌بائے کی تقریر، عرضداشت پیش کرنے‌والے کسی شخص کی طرف سے وکالت بھی معلوم ھو رھی تھی اور جج کا فیصلہ بھی۔

"آپ بوکین‌شی سے کتنی زمین لینے کا ارادہ رکھتے ھیں؟" سویوندیک نے پوچھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رھا تھا کہ قونان‌بائے کے مطالبات کتنے بڑے ھوں گے۔

"بوکین‌شی قبائلی اس علاقے میں موسم سرما کے استعمال کی تمام زمینیں ھمارے لئے چھوڑ دیں گے۔"

"اور ھم لوگ کہاں جائیں گے؟" جیک‌سین کا بھائی جیت‌پیس چلایا۔

چاروں طرف لوگ غصے سے چلانے لگے۔

"کیا بوکین‌شی قبائلیوں کو یہاں سے بھگا دیا جائے گا؟"

"کیا ھم روانہ ھوکے اور کہیں مارے مارے پھریں گے؟"

"کیا، کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو ہماری طرف سے بیچ میں پڑے؟"

قونان‌بائے نے فوراً ہی ان سب کو خاموش کر دیا۔ اس نے اپنی واحد آنکھ سے سویوندیک کو قہرآلود انداز میں گھورتے ہوئے بہ‌آواز بلند حکم دیا:

"انہیں خاموش کرو!"

سویوندیک جو اب بھی قونان‌بائے کا منظور نظر بنے رہنے کی امید کئے جا رہا تھا، لعنت ملامت کرنےوالے انداز میں بانکوں سے مخاطب ہوا:

"میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ جھگڑا نہ شروع کرنا۔ بڑھ چڑھ‌کے باتیں کرنےوالے گدھے کہیں کے! خاموش ہو جاؤ!"

لوگوں نے چیخنا چلانا بند کر دیا۔

"بوکین‌شی لوگو" قونان‌بائے نے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری موسم سرما کی چراگاہیں لے لی جائیں‌گی تو تم چراگاہوں کے بغیر رہ جاؤگے؟ میں کوئی چیز لیتا ہوں تو مفت ہی نہیں لے لیتا۔ تم لوگوں کو دوسری چراگاہیں مل جائیں‌گی۔ میں تو تمہیں یہیں چنگیز پہاڑی پر ہی موسم سرما کی چراگاہیں پیش کر رہا ہوں۔ پہاڑوں پر تال‌شوقی اور ترائی میں قراول۔ اپنے قبائلی گروہوں کو لےکے یہاں سے ان جگہوں کو چلے جاؤ۔ یہی میرا فیصلہ ہے!"

اس اثنا میں دو سمتوں سے آتے ہوئے گھڑسوار دکھائی دئے۔ دو گھڑسوار مغرب سے آئے تھے اور ان میں سے ایک سویوندیک کا بڑا بیٹا تھا۔

"ہماری زمینوں پر مرزا کے بھائیوں جقیپ اور جورتار نے قبضہ کر لیا ہے۔ اب ہم کیا کریں؟" اس نے اپنے باپ سے پوچھا۔

سوغیر کا ایک بانکا مشرق سے آیا۔

"ہماری سردیوں کی زمینوں پر مرزا کے چچاؤں مرزاتائے اور ہورکر نے قبضہ کر لیا ہے۔ میں لوگوں سے کیا کہوں؟ ہم اپنا سامان اونٹوں پر سے نہیں اتار سکتے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کریں" اس نے کہا۔

اتنے میں ان قبائلی گروہوں کے بڑے بوڑھے جن کو ان کی موسم

سرما کی زمینوں سے محروم کر دیا گیا تھا، مختلف سمتوں سے چار چار پانچ پانچ کے جتھوں میں وہاں پہنچ گئے۔ وہ لوگ بڑی تلخی کے ساتھ غصے میں بھرے ہوئے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ اپنے تمام رشتےداروں کی طرف سے اس واقعے کے خلاف نفرت اور لعنت ملامت کے جذبات کی ترجمانی کرنے آئے تھے۔

بوکین‌شی قبائلیوں کا ھجوم بڑھتا گیا لیکن قونان‌بائے ذرا بھی پریشان ہوئے بغیر اطمینان سے اپنے گھوڑے پر بیٹھا رہا۔ سویوندیک کو اپنے قبائلیوں کی بےبسی کا اندازہ ھو گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا گیا ھے۔ قونان‌بائے نے اسے اپنے قدموں تلے روند ڈالا ھے۔

"اب کیا کیا جائے؟ میں کر ھی کیا سکتا ھوں؟ اگر ھمارے ساتھ اجنبیوں نے گھات کی ھوتی تو" اس نے کہنا شروع کیا۔

لیکن جیت‌پیس نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔ -

"دنیا میں اب انصاف باقی نہیں رہا!" وہ چیخ اٹھا۔

ھجوم میں پھر بےچینی کی لہر دوڑ گئی۔

"کوئی ھماری طرف سے بولنےوالا نہیں رہا!"

"اس طرح ذلیل کرنے سے تو کہیں بہتر تھا کہ ان لوگوں نے ہمیں یہاں سے بھگا ھی دیا ھوتا!"

گھڑسواروں کے دو دوسرے گروہ ایک پہاڑی کے عقب سے نمودار ھوئے۔ پہلا جس میں کوئی دس افراد رہے ھوں‌گے، کوتی‌باق کے اتکامنیروں پر مشتمل تھا جن کی قیادت ان کا سربراہ بائیسال کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے قونان‌بائے کے قریب آکے سلام کیا اور اسے نہایت ھی پرتپاک انداز میں مبارک‌باد دی:

"مرزا، آپ کے نئے گھر میں ھم آپ کا خیرمقدم کرتے ھیں!"

"خدا آپ کو یہاں آنےوالے برسوں میں مسرت نصیب کرے!"

"خدا کرے آپ کا نیا گھر آپ کی خوش‌قسمتی کا وسیلہ بنے!"

دوسرا گروہ جو قونان‌بائے کے قریب پہنچ رہا تھا، اس کی قیادت تورغئی قبائلیوں کا معمرترین شخص بوڑھا قولین‌شاق کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے پانچوں بیٹے بھی تھے جو بہت ھی نڈر اور بہادر تصور کئے جاتے تھے اور جنہیں نیزے بازی میں کمال حاصل تھا۔ بوڑھے نے قونان‌بائے کے سامنے ٹھہرتے ہوئے کہا:

"السلام علیکم، میرے عزیز قونان‌بائے! تمہارے نئے گھر پر دلی مبارک‌باد پیش کرتا ھوں۔"

اس واقعے نے بوکین‌شیوں کی آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ انہیں صرف ارغیزبائے قبائلی ھی نہیں لوٹ رھے ھیں بلکہ قونان‌بائے کے شیطانی اقدامات کو کوتی‌باق، تورغئی اور توپائے قبائلیوں کے تمام سرداروں کی حمایت بھی حاصل ھے۔

اور سویوندیک نے اپنی ساری امیدیں کوتی‌باقیوں سے وابستہ کر رکھی تھیں! اس نے سوچا تھا: "بائیسال مضبوط ارادے کا مالک اور کھری کھری باتیں کرنےوالا آدمی ھے۔ یقیناً وہ اس ڈکیتی میں کوئی حصہ نہ لےگا۔" اب اس نے سوچا کہ آخر ان سب نے یہ سازش کب کی تھی؟ شاید یہ لوگ اب بھی کوئی بات چھپا رھے ھوں؟ قطعی طور پر کون کچھ کہہ سکتا تھا! بہرحال یہ طے تھا کہ قونان‌بائے نے سب سے بڑے جرگوں کے سرداروں کی حمایت حاصل کر لی تھی۔ بائیسال اور قولین‌شاق کی اچانک آمد محض اتفاقاً تھوڑی تھی۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ بوکین‌شیوں کی موجودگی میں اپنے اتحاد کا مظاھرہ کریں۔ قونان‌بائے نے خود ھی یہ سارا ناٹک رچایا تھا۔

یہ خیال صرف سویوندیک ھی کے دل میں نہیں آیا بلکہ جیک‌سین بھی اسے سمجھ گیا۔

"قسم کھاتا ھوں ھر اس چیز کی جو مقدس ھے" وہ بڑی تلخی سے پکارا۔ "یہ میرے آبا و اجداد کی موسم سرما کی زمینیں تھیں! یہیں ایک پہاڑی کے دامن میں بوکین‌شی جرگے کے ایک بیٹے کا خون بہایا گیا تھا۔ یہ زمین میری ھے۔ اسے میرے "یرازمت" کے خون سے دھویا گیا ھے!"

اس کے الفاظ پر سب لوگ چونک پڑے۔

"ٹھیک ھی کہا جاتا ھے کہ غم انسان کے ذھن کو پراگندہ کر دیتا ھے" سویوندیک غصے میں بڑبڑایا۔ "اب اس وقت ایسی باتوں کو یاد کرنے سے حاصل ھی کیا ھے؟"

قونان‌بائے جیک‌سین کے الفاظ سے کچھ بوکھلا سا گیا۔ اسے خیال بھی نہیں تھا کہ قودر کا تذکرہ آ جائےگا لیکن اب جو جیک‌سین نے اس کا نام لےکے وار کر ھی دیا تھا تو اس نے اس معاملے کو

زمینوں پر قبضہ کرنے کو حق بجانب قرار دینے کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ارے یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ بڑھاپے کی وجہ سے شاید تمہارا دماغ کچھ کمزور ہو چلا ہے۔ "تم نے اسے "یر"* قرار دیا! اگر وہ ایسا تھا تو پھر تم بوکین‌شی لوگ کیا ٹھہرے؟ قودر قطعاً ہیرو نہیں تھا وہ تو ایک بدمعاش تھا جس سے بوکین‌شی قبائلیوں کے آبا و اجداد کی روحوں نے بےتعلقی اختیار کر لی ہے۔ پورے توبیق‌تی قبیلے نے بےتعلقی اختیار کر لی ہے اور اسی وجہ سے میں نے اس زمین کو دوسروں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ اس کافر کے وجود کی آخری نشانیاں بھی مٹ جائیں، تاکہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کی یاد تک غائب ہو جائے! اور تمہاری یہ بات بہت ہی احمقانہ ہے!"

اس کے الفاظ تھپڑ جیسے تھے۔ تمام بوکین‌شیوں کے منہ پر تھپڑ جیسے اور اب قودر کے ہلاک کئے جانے کا اصل سبب ان کی سمجھ میں آ گیا۔ اسے ان کی موسم سرما کی چراگاہوں کو چھین لینے کے بہانے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔

اب سویوندیک سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔

"اوہ خدایا!" وہ چلایا۔ "یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ آہ عقلمند بوجیئی! تمہارے الفاظ کو میں کیسے فراموش کر سکتا تھا! تمہارے لفظوں میں کتنی صداقت تھی جب تم نے کہا تھا: "آج تم لوگوں نے پھانسی کا پھندا قودر کی گردن میں نہیں بلکہ خدا کا نام لےکر خود اپنی گردنوں میں ڈال لیا ہے!" اوہ قودر، میرے شیر تم کسی قصور کے بغیر مار ڈالے گئے تھے! میرے بہادر، میرے پیارے قودر!"

اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ آخر وہ اپنے گھوڑے کی گردن پر گرکے اس سے لپٹ گیا۔

جیک‌سین نے اچانک رونا شروع کر دیا۔

"مجھے شرم آنی چاہئے" اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ "لعنت

---

* قونان‌بائے نے جان بوجھکر جیک‌سین کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ جیک‌سین نے قودر کو "یرازمت" یعنی میرا رشتےدار کہا تھا جبکہ قونان‌بائے نے صرف "یر" کہا یعنی بہادر آدمی یا ہیرو۔

ھو میرے اوپر! میں کتا ھوں، بدبخت کتا! اوہ میرے اپنے، میرے بہت ھی اپنے قودر!" اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قودر کے موسم سرما کے سابق گھر کی طرف لپکا۔

اس کے الفاظ خشک گھاس پر گرنےوالی چنگاری ثابت ھوئے۔ جنازے کے موقعے پر بلند کیا جانےوالا ماتمی نعرہ اب سب کے لبوں پر تھا۔ "اوہ میرے اپنے، میرے بہت ھی اپنے!" سب لوگوں نے جیک‌سین کے پیچھے جانے کے لئے اپنے گھوڑے ادھر موڑ دئے اور سویوندیک بھی اس ھجوم میں شامل ھو گیا۔

قونان‌بائے کو جو اب بائیسال اور اپنے خدمت‌گاروں کے ساتھ وھاں کھڑا رہ گیا تھا، اپنے اوپر کچھ جھلاھٹ سی محسوس ھوئی لیکن اس کے رویے سے ایسی کوئی بات بھی ظاھر نہیں ھو رھی تھی جس سے اندازہ ھوتا کہ وہ اپنے الفاظ پر پچھتا رھا ھے۔ وہ چپ چاپ کھڑا بوکین‌شی قبائلیوں کو گھوڑوں پر وھاں سے دور جاتے ھوئے دیکھتا رھا اور سوچتا رھا کہ بالکل غیرمتوقع طور پر ان لوگوں کے مشتعل ھو جانے کی بظاھر سب سے زیادہ معقول نظر آنےوالی وضاحت کیا ھو سکتی ھے۔

"تمہیں معلوم ھے کہ ان لوگوں کو کس نے بھڑکایا ھے؟" اس نے بائیسال سے مخاطب ھوتے ھوئے پوچھا۔ "جہاں دکھتا ھو وھاں ذرا چھوکے دیکھو اور ان کے دلوں کی ساری پوشیدہ باتیں باھر نکل آتی ھیں! دراصل انہیں بوجیئی نے مشتعل کیا ھے! ھاں ھاں، صرف اسی نے اور کسی نے نہیں! وہ توبیق‌تی قبیلے میں میرے خلاف جال بچھانا چاھتا ھے! تم ھمیشہ ھمارے اتحاد کی بات کیا کرتے ھو۔ اب خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ اس کی حقیقت کیا ھے!"

بائیسال نے کوئی جواب نہ دیا۔

"لیکن خدا منصف ھے" قونان‌بائے نے اپنی بات جاری رکھی۔ "جو ھونا ھے ھو، میں اسے برداشت کروں‌گا" پھر اس نے کچھ اس انداز میں جیسے بائیسال پر اپنے اعتماد پر زور دے رھا ھو، اپنی بات ختم کرتے ھوئے کہا: "سویوندیک، سوغیر اور جیک‌سین سے کہہ دینا کہ انہیں عوام کو مشتعل نہ کرنا چاھئے۔ انہیں لوگوں کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاھئے۔ میں نے چنگیز پہاڑوں پر بوکین‌شیوں کے لئے جن جگہوں کا انتخاب کیا ھے ان سے قطع نظر، میں اس بات کا خیال رکھوں‌گا

که گروهوں کے سرداروں کو کوئی نقصان نه برداشت کرنا پڑے۔ ان تینوں کے لئے حتی‌الامکان سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ یه لوگ میری بات کا یقین کر سکتے ھیں!"

۳

بوکین‌شی جرگےوالے چنگیز پر سے تو واپس چلے گئے لیکن ان علاقوں کو نه گئے جن کا قونان‌بائے نے تذکرہ کیا تھا۔ انہوں نے قزل‌شوقی میں اپنے خیمے نصب کئے اور وھیں ٹھہر گئے۔

دوسرے جرگے موسم سرما کے پڑاؤ کی اپنی اپنی علاحدہ جگہوں کو کافی پہلے جا چکے تھے۔ اور اب گھاس کاٹنے اور سکھاکے ڈھیر لگانے، ایندھن کے لئے گھوڑوں کی لید سکھانے، اصطبل صاف کرنے، گھروں اور زمین‌دوز رھائشی جگہوں پر سفیدی پھیرنے، آتش‌دان بنانے اور ایسے ھی دوسرے فوری اھمیت کے کاموں میں مصروف تھے۔

بوکین‌شی قبائلیوں کو ابھی ان سب فکروں نے نہیں گھیرا تھا کیونکه انہیں معلوم ھی نہیں تھا که وہ سردیاں کہاں گزاریں گے۔

قونان‌بائے کا پیغام رساں سویوندیک تک اس کی یه ھدایت پہنچا چکا تھا: وہ لوگ قراول پر کسی جگه کا انتخاب کر سکتے ھیں اور موسم گرما کی چراگاھوں کے لئے کول‌دینین اور شالقار بھی لے سکتے ھیں۔

سویوندیک اور جیک‌سین نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا که اگر ان دونوں کے گروہ قراول میں موسم سرما کے قیام کی جگہوں پر سب سے پہلے پہنچ جائیں اور گرمیوں میں دونوں دریاؤں پر قابض ھو جائیں تو ان لوگوں کے لئے شکایت کی کوئی وجه باقی نه رہ جائے گی۔ ان دونوں نے اس تجویز پر فوری طور سے عمل کرنے کا تہیه کر لیا اور اپنے دوسرے ھم‌قبیله لوگوں سے ایک لفظ بھی کہے بغیر، اپنے اپنے پڑاؤ کے افراد کو ھدایت کی که علی‌الصباح اونٹوں کو اکٹھا کریں اور خیمے اکھاڑکے باندھ لیں لیکن یه دونوں اپنے ھم‌قبیله لوگوں کو چھوڑکے جانے کو ھوئے تو بوکین‌شی جرگے کے بیس یا تیس افراد بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ھو گئے۔

یه بوکین‌شی کے غریب لوگ تھے۔ انہیں درکیم‌بائے نامی ایک

طویل‌قامت اور طاقتور بوڑھے نے بیدار کر دیا تھا۔ دراصل اسے اپنے تجربے کی بنا پر قبائلی سرداروں کی چالوں سے باخبر ہونا آ گیا تھا۔ وہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لئے سیدھا جیک‌سین کے پڑاؤ پر پہنچ گیا۔

"یہ تم کہاں چل دئے؟" اس نے دریافت کیا۔ "کیا لوگوں کو چھوڑکے چلے جانے کا ارادہ ہے؟" اس نے چلاتے ہوئے کہا۔ "اکیلے چلے جانے کی ہمت بھی نہ کرنا۔ تمہیں باقی ہم سب لوگوں کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا چاہئے۔ اپنے خیمے اونٹوں پر سے اتار لو!"

جیک‌سین اس مداخلت پر معترض ہونے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس نے کچھ ایسا ظاہر کرتے ہوئے جیسے ان لوگوں کے رویے سے تکلیف پہنچی ہو، پوچھا:

"دوستو، آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"بہتر ہوگا کہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ" درکیم‌بائے نے اکھڑپن سے کہا۔ "ہم لوگ سویوندیک کے یہاں چلتے ہیں اور اپنی بات‌چیت کا سلسلہ وہیں مکمل کر لیں گے!"

جیک‌سین اور جیت‌پیس کے پاس ان لوگوں کے ساتھ چلنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا۔

سویوندیک سے بھی مختصراً ہی بات‌چیت ہوئی اور درکیم‌بائے نے اسے بھی وہیں ٹھہرے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"کم از کم مجھے یہ تو بتا دو کہ تم لوگوں نے آخر آس کاہے سے لگا رکھی ہے؟" سویوندیک نے پوچھا۔ "سردیاں شروع ہو چکی ہیں۔ کیا ہم بوڑھوں بچوں کو یونہی سردی میں ٹھٹھرنے دیں؟ آخر یہاں اس طرح کتنے دنوں تک پڑے رہیں گے؟"

"سویوندیک اور جیک‌سین، تم دونوں ہماری قیادت کرو!" درکیم‌بائے نے سختی سے جواب دیا۔ "ہمیں بوجیئی کے یہاں چلنا اور اپنے قبیلے کے ان افراد سے بات‌چیت کرنی چاہئے۔ ہم ان سے کہیں گے: "تم بھی اگر ایسی حالت میں ہمیں چھوڑکے جاتے ہو تو دیکھ لینا تم پر بھی مصیبت نازل ہوگی اور اگر جیگی‌تیک لوگ ہماری مدد پر راضی نہ ہوں گے تو پھر دیکھا جائے گا!"

یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر دوپہر کے وقت بوجیئی کے پڑاؤ پر پہنچ گئے جو چنگیز پہاڑ کی شاندار چراگاہوں پر سردیاں گزار

رها تھا۔ یہ چراگاہیں اسے اس کے مورث اعلا کینگیربائے سے ورثے میں ملی تھیں۔

اس نے بوکین‌شی سرداروں کو دیکھا تو فوراً ہی بائےدالی اور توسیپ کو بلا بھیجا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ اس نوعیت کے معاملے میں جیگی‌تیک قبائلی اتفاق رائے سے کوئی فیصلہ کریں۔

پہلے کی طرح اس موقعے پر بھی سویوندیک نے محتاط اور کم‌گوئی کا رویہ اختیار کیا۔

"یہ لوگ تمہارے پاس آئے ہیں" اس نے بوجیئی سے کہا۔ "کیونکہ یہ تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ بولو، تم کیا کہتے ہو؟ تمہارے خیال میں ان لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟"

بوجیئی نے سویوندیک کے خیالات کو دل ہی دل میں سمجھنے کی کوشش کی۔ "ہمیشہ کی طرح بزدلوں جیسا رویہ اپنا رہا ہے" اس نے سوچا۔ "ہمیشہ کی طرح قوت ارادی کی کمی کا شکار اور قونان‌بائے سے خوف‌زدہ ہے" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

لیکن سویوندیک کی بزدلی کے برعکس اس کے ساتھ آنےوالے دوسرے بہت سے افراد کا غصے سے خون کھول رہا تھا۔

"بوجےکیہہ، ہم لوگ قونان‌بائے کے سامنے اپنے آپ کو بہت دن ذلیل کر چکے!" درکیم‌بائے نے غصے سے کہا۔ "بزدلوں کو ہمیشہ کتے کاٹتے اور مرغیاں چونچ مارتی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ کم از کم تم ہمیں گھٹنے ٹیکنے کا مشورہ نہ دوگے! ہمیں تو اس قسم کا کوئی مشورہ دو جس سے بالآخر ہمارے جرگے کو اپنے قدموں پر کھڑے ہونے میں مدد ملے اور ہم کسی سے دب‌کے نہ رہیں!"

مردانگی کے اس رویے نے بائےدالی کو بہت زیادہ متاثر کیا جو سخت رویے اور جرأت‌مندی کا احترام اور ہمیشہ فیصلہ‌کن اقدام کی حمایت کیا کرتا تھا۔ وہ جیگی‌تیک جرگے کی زبردست طاقت اور شجاعت کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔

"ارے سویوندیک" وہ پکار اٹھا۔ "تم کو تو درکیم‌بائے سے مشورہ کرنا چاہئے، وہ غریب ضرور ہے لیکن مردوں کی طرح بات کرتا ہے!"

بوجیئی نے طے کیا کہ طاقت کے استعمال سے قبل انصاف، قانون

اور روایات کا سہارا لیا جانا چاہئے۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہوگا تو وہ قونان‌بائے کی چالوں کے سلسلے میں عوام کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرےگا لیکن پہلے بوکین‌شی جرگے کو انتباہ دے دیا جانا چاہئے کہ ان پر کیا بیتنے کو ہے۔

"بوکین‌شیو! تم لوگ میرے ہم‌قبیلہ ہو" اس نے کہنا شروع کیا۔ "تمہارے ساتھ زیادتی کرنےوالا میرے ساتھ بھی زیادتی کرتا ہے۔ میری مسرت اور میری خوشحالی، تمہاری مسرت اور خوشحالی سے الگ نہیں کی جا سکتی۔ قونان‌بائے کا سارا منصوبہ پوری طرح مجھ پر واضح ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس نے تم لوگوں کو تال‌شوقی، قراول اور بال‌پان کی پیش‌کش کی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سب کا انجام کیا ہوگا؟"

بوجیئی نے ہجوم پر ایک نگاہ ڈالی۔

"قونان‌بائے کی خواہش ہے کہ جیگی‌تیک اور بوکین‌شی جرگوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں اور اس کا مطلب عموماً اختلاف رائے اور اچھے پڑوسیوں جیسے تعلقات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسے امید ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے پڑوس میں رہتے ہوئے ایک ایک جھاڑی پر، ایک ایک گھونٹ پانی پر آپس میں لڑیں جھگڑیں‌گے۔ وہ ہمارے درمیان دشمنی کے بیج بونا چاہتا ہے، ایک ایسی دشمنی کے بیج جو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہےگی۔ لیکن ہم ایسا نہ ہونے دیں‌گے! میرے عزیزو، میرا دل تمہارے دکھ درد میں برابر کا شریک رہےگا۔ اگر تم لوگوں کو تال‌شوقی اور قراول میں پڑاؤ ڈالنے پر مجبور کر دیا گیا تو میں اس سب میں جو میرے پاس ہے، تمہیں حصہ دوں‌گا۔ یہ ایک طےشدہ بات ہے لیکن پہلے تو ہم کو اس سے اس معاملے میں مباحثہ کر لینا چاہئے۔ ہم لوگوں کا تم سے اور ان لوگوں سے برابر کا رشتہ قائم ہے اور اگر ہم بیچ میں نہ پڑیں‌گے تو آخر اور کون پڑےگا؟" اس مرحلے پر اس نے توسیپ کی طرف دیکھا۔ "ہم کوشش کریں‌گے۔ اس سے کہیں‌گے کہ جیگی‌تیک جرگے کی رائے میں اس کا یہ اقدام غیرمنصفانہ ہے۔ اس کے بعد جو کچھ کرنا ہوگا، وہ دیکھا جائےگا۔ بولو، تمہیں اس تجویز سے اتفاق رائے ہے نا؟"

اس تجویز کو سب نے منظوری دے دی۔

"اچھا توسیپ، تو اب تم اپنے گھوڑے پر سوار ہوکے جاؤ۔ قونان‌بائے کو ہماری رائے سے مطلع کرو اور اس کا جواب لےکے آج ہی لوٹ آؤ" بوجیئی نے آخر میں کہا۔

"لیکن سنو، اسے ساری باتیں بتا دینا!" بائےدالی نے اضافہ کیا۔ "کچھ چھپائے بغیر، جو کچھ دل میں ہے سب کہہ دینا۔ ہم لوگ بہت دنوں تک بزدلی دکھا چکے! ناخوشگوار صورت‌حال پیدا ہو جائے تب بھی جو کچھ کہنے کے لئے تمہیں بھیجا جا رہا ہے، کہہ دینا!" بائےدالی کے لہجے سے اس کا غصہ اور عزم جھلکتا تھا۔ وہ توسیپ کی حوصلہ‌افزائی کرنا چاہتا تھا۔

قونان‌بائے قراشوقی میں اپنی بڑی بیوی کونکے کے موسم سرما کے گھر میں آرام کر رہا تھا۔ توسیپ غروب آفتاب کے وقت اس پڑاؤ پر پہنچا اور ارغیزبائے سربراہ نے قریب ہی واقع ایک چھوٹی پہاڑی پر اس سے ملاقات کی۔ بات‌چیت کا سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔ توسیپ نے اپنی بات بہت ہی محتاط انداز میں ادھر ادھر کے معاملات سے شروع کی۔ اس نے اتحاد اور قریبی رابطے کی ضرورت پر زور دیا اور آخرکار اپنی آمد کے مقصد پر بات چھیڑی۔

"آپ کے اقدام کی صرف بوکین‌شی ہی نہیں، پورا جیگی‌تیک جرگہ بھی مذمت کرتا ہے" اس نے کہنا شروع کیا لیکن قونان‌بائے نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ جیگی‌تیک قبائلی بوکین‌شیوں کی پشت‌پناہی کرنا چاہتے ہیں جن کے ساتھ ان کے دعوے کے بموجب زیادتی کی گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر وہ لوگ اپنے پڑوسیوں، کیریئی اور اوواق لوگوں کو کیوں فراموش کر رہے ہیں؟ آخر ان کے ساتھ بھی تو زیادتی کی گئی ہے؟ اور یہ زیادتی جانتے ہو کس نے کی ہے؟ جیگی‌تیکیوں نے! تم لوگوں نے ان سب کے ساتھ زیادتی کی ہے جو تمہارے قریب رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تم لوگ دوسروں کے مویشیوں پر قبضہ کر لیتے ہو اور اپنے پڑوسیوں کی محنت سے کمائی ہوئی دولت کو واپس کرنے سے انکار کرتے ہو۔ بوجیئی، بائےدالی اور خود تم پر توسیپ، اس سلسلے میں ان تمام لوگوں کی طرف سے بار بار الزامات لگائے گئے ہیں جو تم لوگوں سے واقف ہیں۔ پہلے خود اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر دو اس کے بعد

بوکینشی جرگے کی طرفداری کرنے کھڑے ہونا! پہلے تم خود اپنے چوروں اور لٹیروں کی سرگرمیوں کی تو روک تھام کر لو!"

"قونان‌بائے، بہتان‌تراشوں کی کہیں بھی کوئی کمی نہیں!" توسیپ مشتعل ہو گیا۔ "کیا بوجیئی اور توسیپ نے کبھی چوری کی ہے؟ شاید تم ہمارے اوپر مصیبت لانے کے لئے کوئی اور بہانہ تراش لوگے؟ لیکن تم کچھ بھی کہو، ہمارے دامن بےداغ ہیں۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا!"

"اور میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تم مجرم اور بےایمان ہو!"

"یہ سچ ہو تو غروب آفتاب کے اس پاک* لمحے میں اس کا ثبوت دو!" توسیپ غصے کی شدت سے سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔

"میں تم سے کہے دے رہا ہوں کہ بوجیئی کو میرے لئے جال بچھانے کا سلسلہ بند کر دینا چاہئے! اسے دوسروں کی پیٹھ کے پیچھے سے میری طرف نیزے پھینکنا بند کر دینا چاہئے! وہ اس پر راضی نہ ہو تو اس سے کہنا کہ اپنی بندوق سے لکڑی کی ساری گولیاں چلاکے دیکھ لے۔ نتائج کی ذمےداری اسی پر عاید ہوگی۔ اکیلا وہی جوابدہ ہوگا!"

قونان‌بائے نے بڑے تحکمانہ انداز میں اپنی بات ان الفاظ پر ختم کی:

"کل میں تمہارے پڑاوؤں پر ایک جلسہ منعقد کروں‌گا جس میں ہم لوگ کیریئی اور اوواق قبائلیوں کی شکایات سن‌کے تمہیں ان مویشیوں کو واپس کرنے پر مجبور کر دیں‌گے جن کی تم لوگوں نے چوری کی ہے۔ یہ تو ہوئی پہلی بات۔ دوسری بات یہ ہے کہ بوکینشی کے اس معاملے میں مت ٹانگ اڑاؤ۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ ایسے معاملات میں اپنے آپ کو فیصلہ کرنےوالا نہ تصور کرو۔ مصیبت نہیں مول لینا چاہتے تو مداخلت نہ کرو! اور اگر تم لوگوں نے اس

---

* قزاخی مسلمانوں کا خیال تھا کہ غروب آفتاب کے وقت زمین پر بدروحیں شکار کی تلاش میں منڈلاتی رہتی ہیں۔

حکم کی تعمیل نہ کی تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم میری مخالفت کرنے کے لئے جان بوجھکر اس معاملے میں الجھ رہے ہو! اب جاؤ اور میرے یہ الفاظ بوجیئی اور بائےدالی تک پہنچا دو۔"

۴

اگلے روز میباسر کے دو پیغام رساں قامس‌بائے اور جمعہ‌گل دوپہر کو جیگی‌تیک جرگے میں پہنچ کے اورکیم‌بائے کے پڑاؤ پر گھوڑوں سے اترے۔

قریب ہی چھ خیمے کھڑے تھے۔ گھڑسوار نزدیک آئے تو کتوں نے غضبناکی کے ساتھ بھونکنا شروع کر دیا لیکن انہیں کوڑوں اور گالیوں کے ذریعے بھگا دیا گیا۔ بچے غصے میں بھرے ہوئے ان مہمانوں کو دیکھکر ایسے خوف‌زدہ ہوئے کہ انہوں نے چوھوں کی طرح خود کو چھپا لیا اور دروازوں پر لٹکے ہوئے ٹاٹ کے پیچھے سے باھر جھانکنے لگے۔

اورکیم‌بائے اپنے بڑے سے بھورے رنگ کے خیمے میں اپنے مہمانوں، قومین اور قراشا کی خاطر مدارات میں مصروف تھا جو بوجیئی کے قریبی رشتےدار تھے۔ اچانک اورکیم‌بائے کی الجھے بالوں‌والی چھوٹی سی بیٹی دوڑتی ہوئی خیمے میں داخل ہوئی اور اپنے ننھے منے بدن کو باپ سے چمٹاتے ہوئے سرگوشی کی:

"پیغام رساں، پیغام رساں!"

بچے تک جانتے تھے کہ پیغام رساں مصیبت کا سندیسہ لےکے آیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں جو اختیار و اقتدار کی علامت کے طور پر چمڑے کی تھیلی لٹکائے اور تانبے کے بڑے بڑے بلے لگائے ہوئے تھے، خیمے میں داخل ہوئے تو چھوٹی بچی باپ کے پیچھے چھپ گئی۔

اورکیم‌بائے نے انہیں جس انداز سے سلام کیا وہ کیسا بھی رہا ہو، دوستانہ بہرحال نہ تھا۔

"کیوں بھئی، اس ساری ھنگامہ آرائی کا مطلب کیا ھے؟"

"فوری اھمیت کا معاملہ ھے! ایک ضروری حکم!.. اپنے خیمے نصب کرو کیونکہ تمہارے پڑاؤ پر جلسہ منعقد کیا جائےگا۔ لوگ یہاں اکٹھا ہوں‌گے، کیریئی اور اوواق جرگوں کے دادخواہ بھی آئیں‌گے،

قبائل کے درمیان تبادلہ خیال ہوگا اور چوروں کو مجبور کیا جائےگا کہ انہوں نے جو مویشی چرا لئے انہیں واپس کریں۔"

"کس نے کہا ہے؟" قومین نے غصے سے پوچھا۔

"اور چوری کے واقعات کے سلسلے میں جوابدہ کون ہوگا، چور یا سارا معاملہ بےگناہ لوگوں کے سر تھوپ دیا جائےگا؟" اورکیم‌بائے نے جلدی سے پوچھا۔

اس نوعیت کے جلسوں کے انعقاد پر ہمیشہ ہی کثیر رقوم صرف ہوا کرتی تھیں۔ اس جلسے میں بھی بہت سے لوگ شریک ہوتے — جن کے مویشی چرائے گئے تھے، جو اختیار واقتدار کے مالک تھے اور دوسرے جرگوں کے افراد جو اپنے تجسس کے جذبات کی تسکین کے لئے آتے۔ موٹے تگڑے اور بےحد حریص بائیوں کی پورے مہینے دعوت تواضع کرنے کے لئے مویشیوں اور بھیڑوں کو ذبح کرنا پڑتا۔ یہ بات سب کو معلوم تھی اور یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ حکمراں اس قسم کے جلسے کا انعقاد ہمیشہ ایسے قبائلی گروہ کے پڑاؤ پر کیا کرتے تھے جس سے وہ ناراض ہوتے تھے۔

قامس‌بائے کو ذرا سی بھی توقع نہیں تھی کہ خیمے میں بیٹھے ہوئے لوگ اپنے یہاں جلسہ کرنے پر خوشی خوشی تیار ہو جائیں‌گے۔ وہ جانتا تھا کہ ان لوگوں کو اس معاملے میں آغا سلطان یا میباسر سے شکایت کرنے کی تو یقیناً جرأت نہ ہوگی لیکن پیغام رسانوں سے ضرور بحث کریں‌گے۔ اس سے کچھ ہونے ہوانے کو تھا نہیں کیونکہ اسے اور جمعہ‌گل کو میباسر نے بہت سختی کے ساتھ حکم دیا تھا: کوئی بھی حیلہ بہانہ قطعاً برداشت نہ کرنا۔

"قونان‌بائے اور میباسر نے یہی ہدایت کی ہے" اس نے کہا۔ "یہ کوئی میری تجویز تھوڑی ہے" پھر اس نے بڑی بےباکی اور گستاخی سے قراشا کی طرف دیکھا۔ "بات‌چیت ختم ہوئی۔ اب ضروری تیاریوں میں مصروف ہو جاؤ! اپنے سب خیمے اکٹھا کرکے یہاں نصب کر دو! اور ہاں، یہ بھی اچھی طرح سوچ لو کہ کون‌سے مویشی کتنی تعداد میں ذبح کرنے ہوں‌گے۔ شروع میں کام چلانے کے لئے جیگی‌تیک جرگے کو پچاس بھیڑیں فراہم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ بھیڑیں ہم کو کس گروہ سے ملیں‌گی، اب اس مسئلے پر بات ہو جانی چاہئے!"

قومین جانتا تھا کہ پیغام رسانوں سے بحث مباحثہ کوئی معنی نہیں رکھتا چنانچہ وہ اورکیم‌بائے اور قراشا سے مخاطب ہوا۔

"اس معاملے کا صرف ہم لوگوں ہی سے تعلق نہیں۔ یہ تو سارے جیگی‌تیک جرگے کے لئے مصیبت کی بات ہے۔ بوجیئی سے بات‌چیت کرنے کا وقت ہی نہ ملےگا کیونکہ وہ یہاں سے کافی دوری پر ہیں۔ بائےدالی البتہ قریب ہی رہتے ہیں۔ قراشا، تم اپنے گھوڑے پر لپک‌کے ان کے پاس ہو آؤ، ہم ان کے جواب کا انتظار کریں گے۔"

"بہت اچھی بات کہی: ہاں، بائےدالی کے پاس چلے جاؤ!" اورکیم‌بائے نے تجویز کو منظور کرتے ہوئے کہا۔

پیغام رسانوں نے اس معاملے میں کوئی مداخلت نہ کی۔

قراشا تیزی سے اٹھ‌کے چل دیا۔ پیغام‌رساں بیٹھے چائے کی چسکیاں لیتے رہے۔ اورکیم‌بائے کو اتنا غصہ تھا کہ پھر اس نے ان دونوں سے کوئی بات نہ کی۔

انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ کچھ گھڑسوار خیمے کے باہر پہنچ‌کے جلدی سے گھوڑوں سے اترے۔ قراشا بائےدالی کے پاس سے واپس لوٹ آیا تھا لیکن اکیلا نہیں، کوئی دس بانکے بھی اس کے ساتھ تھے جو "بدمعاشوں کے گروہ" کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے اور استیپیوں میں لوٹ مار کرنےوالوں سے ان کے تعلقات بہرحال غیردوستانہ نہ تھے۔

جمعہ‌گل جو چالاک اور خاصا تیز فہم تھا، انہیں دیکھ‌کے ذرا بھی خوش نہ ہوا۔

"تم لوگ یہاں کیسے آ دھمکے؟" اس نے کہنا شروع کیا لیکن فوراً ہی ایک بانکے نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کہا جاتا ہے کہ تمہارے باپ پر دشمن حملہ کرے تو خود بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔" اس کے الفاظ سے ایک طرح کی للکار نمایاں تھی۔ "ہم لوگ یہاں اس لئے آئے ہیں کہ جیگی‌تیکیوں کے تمام مویشی چھین‌کے تمہارے حوالے کر دیں۔"

"تمام مویشی کیوں؟ ہم نے تو پچاس بھیڑیں کہی ہیں۔ لیکن اگر تم لوگوں کے پاس بہت زیادہ مویشی ہیں تو ان کو اس وقت لانا جب چوری کی شکایت کرنےوالے یہاں اکٹھا ہوں۔ عجلت کیوں برتو؟" قامس‌بائے نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"شاید ھم لوگوں کو مویشی تمھارے حوالے کر دینے چاھئیں؟"
قراشا نے اس کے پاس بیٹھتے ھوئے پوچھا۔

"اور کیوں نہیں؟"

"اوہ۔ خون کے پیاسے درندے! تم جتنی مصیبتوں کا باعث بن چکے ھو، کیا وہ ناکافی ھیں؟ آخرکار عوام کو اذیت دینے کا سلسلہ تم کب ختم کروگے؟"

"بہت ھو چکی اس طرح کی بات! مجھے پریشان مت کرو۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ بائےدالی نے جواب کیا دیا؟"

"ضرور بتاؤں‌گا۔ یہ ھے ان کا جواب!" اور قراشا نے تیزی سے کھڑے ھوکے اپنے بھاری کوڑے سے قامس‌بائے کے سر پر زوردار ضرب لگائی۔

پیغام رساں کو اٹھ‌کے کھڑے ھونے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ اورکیم‌بائے نے خیمے میں موجود بانکوں سے چلاکے کہا۔

"کوڑے مار مارکے ان کتوں کا کچومر نکال دو!"

جمعہ‌گل اور قامس‌بائے غصے سے گالیاں بکتے ھوئے ھاتھ پاؤں مارنے لگے لیکن بانکے ان کو سنبھلنے کا موقع دئے بغیر ان پر ٹوٹ پڑے۔ دونوں کو زمین پر گرا دیا اور طاقتور گھٹنوں نے انھیں مضبوطی سے دبائے رکھا۔

"یہ ھے بائےدالی کا جواب! انھوں نے ھمیں حکم دیا ھے کہ جب تک ھمارے اندر طاقت باقی رھے تم دونوں کو مارتے پیٹتے رھیں اور نیم‌مردہ حالت میں میباسر کے پاس واپس بھیج دیں۔ ھونھہ! تم اسی کے مستحق ھو!.." اور قراشا نے قامس‌بائے کے اوپر جھکتے ھوئے اس پر گھونسوں مکوں کی بارش کر دی۔

اورکیم‌بائے اور دوسرے بانکوں نے اتنی ھی تندی کے ساتھ جمعہ‌گل کی پٹائی کی۔

بری طرح زد و کوب کئے جانے کے بعد دونوں پیغام رساں جن کے کپڑے تار تار ھو چکے تھے، کسی نہ کسی طرح قراشوقی واپس پہنچے اور اپنے چہروں سے خون دھوئے بغیر سیدھے قونان‌بائے کے سامنے حاضر ھوئے۔

آغا سلطان خیمے میں مختلف لوگوں کے حلقے میں بیٹھا ھوا تھا جن میں بائیسال، میباسر، قولین‌شاق کے طویل قامت اور طاقتور بیٹے

نادان‌بائے اور مناس نیز متعدد بانکے شامل تھے۔ خیمہ پوری طرح بھرا ہوا تھا۔

پیغام رسانوں کی بپتا سننے کے بعد قونان‌بائے کچھ دیر تک خاموش رہا، پھر چہرے پر سنگدلی کی کیفیت طاری کرتے ہوئے بائیسال کی طرف مڑا اور دونوں آدمیوں کے چہروں کی خراشوں کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھ رہے ہو؟ اچھے رشتے‌دار ہونے کا یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ بوجیئی کے کوڑے سے ان دونوں کو نہیں بلکہ مجھے مارا پیٹا گیا ہے!" پھر اس نے بانکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا: "فوراً جاکے اورکیم‌بائے کو یہاں لے آؤ جس نے اپنے خیمے میں ان دونوں کو پٹوایا ہے!"

دس بانکے چھلانگ لگاکے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ہوا ہو گئے۔ ان میں قولین‌شاق کے بیٹے بھی شامل تھے۔

ان لوگوں نے شام کے جھٹپٹے میں اورکیم‌بائے کے پڑاؤ پر پہنچ کے سارے مردوں کو بےرحمی سے مارا پیٹا اور اورکیم‌بائے کو اس کے خیمے سے گھسیٹ کے باہر لے آئے۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ مقابلہ کرنے کا مطلب شدید طور پر زخمی ہو جانے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا لیکن اس نے خاموشی سے صورت‌حال کو برداشت کرنے کے عزم کے تحت اپنے دانت بھینچ لئے۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے کس کے باندھ دئے گئے اور نادان‌بائے کے گھوڑے پر اس کے آگے بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد غصے سے چیختے چلاتے ہوئے یہ بانکے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے قراشوقی روانہ ہو گئے۔

گھوڑے دریا کے کنارے کنارے دوڑتے چلے جا رہے تھے تو اندھیرا بڑھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان لوگوں نے چنگیز پہاڑوں کے وسط میں واقع اورکیم‌بائے کی سردیوں کی چراگاہیں پار کر لیں، دونوں جانب کو ڈھلواں چٹان پر واقع راستے تک پہنچے، چشمے کو پار کیا اور قراشوقی جانے کے لئے مغرب کی سمت مڑ گئے۔

انہیں راستے میں سفیدے کے درختوں کا ایک جھنڈ ملا جہاں

اچانک مسلح گھڑسواروں کا ایک گروہ تیزی سے وحشیانہ چیخ پکار کے ساتھ کھلے میدان میں آ گیا۔

"وہ جا رہے ہیں! ٹوٹ پڑو ان پر!"

"گھوڑوں کو نیچے کھینچ لو! لعنت ہو ان پر!"

"مارو کمبختوں کو، کھال کھینچ لو ان کتوں کی!"

کوئی چالیس افراد، قونان‌بائے کے بانکوں پر چیختے ہوئے ٹوٹ پڑے۔ شوق‌پار اور سوئیل فضا میں لہرانے لگے۔

حملہ‌آوروں کی قیادت قراشا کر رہا تھا۔ بائےدالی نے اسے انتباہ دیا تھا: "تم نے بڑا جرأت‌مندانہ اقدام کیا ہے۔ اب ذرا دھیان رکھنا کہ تم پر اچانک وار نہ کیا جا سکے! ہوشیار اور چوکنے رہنا!" اس انتباہ کے بعد قراشا اپنے گھوڑے پر سوار ہوکے نکل کھڑا ہوا تھا اور پہاڑوں پر مسلسل نظر جمائے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ شام کو اندھیرا ہوتے وقت اس نے گھڑسواروں کو اورکیم‌بائے کے پڑاؤ کے قریب پہنچتے دیکھا اور فوراً ہی اس پر ان کی آمد کا مقصد روشن ہو گیا۔ اس نے اپنے پڑاؤ پر پانچ بانکے ساتھ لئے اور وہاں سے لوٹ رہا تھا تو قومین کے بانکے بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔ یہ لوگ اورکیم‌بائے کے پڑاؤ ہی پر دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اس کے لئے بہت تاخیر ہو چکی تھی اس لئے مناسب جگہ پر گھات لگاکے حملہ کیا۔

قراشا سوئیل کی لڑائی میں خاصی مہارت رکھتا تھا اور اس کے قبائلی گروہ کے بانکے بھی لڑائی کے معاملے میں کسی سے کم صلاحیت کے مالک نہ تھے۔

قونان‌بائے کے آدمیوں کی قیادت مناس کر رہا تھا جو قولین‌شاق کے پانچ بہادر بیٹوں میں سے ایک تھا۔ اس حملے نے اسے حیرت‌زدہ نہ کیا اور جنگل سے نکل‌کے یہ طاقتور گروہ اس کے آدمیوں پر ٹوٹ پڑا تو اس کے اوسان خطا نہ ہوئے۔ اس نے گھٹنے کے نیچے سے شوق‌پار کھینچ‌کے نکال لیا۔

"ثابت قدم رہو" اس نے چلاکے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ بہادری کے ساتھ وار کرو!"

دونوں گروہ جنونی جوش و خروش کے ساتھ ایک دوسرے سے متصادم ہو گئے اور مناس نے دو جیگی‌تیکیوں کو ان کے گھوڑوں

سے مار گرایا لیکن قراشا اس اثنا میں کچھ اتنی تیزی سے اس پر حملہ‌آور ہوا کہ مناس کو مڑکے اپنے دفاع پر مجبور ہونا پڑا۔ اورکیم‌بائے نے جس کے ہاتھ مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے، اس دست بدست لڑائی میں قراشا کو دیکھ لیا اور چلایا:

"ارے قراشا، میں یہاں ہوں! مجھے آزاد کراؤ!"

قراشا نے چکر کاٹ‌کے اس گھوڑے پر حملہ کیا جس پر دو افراد سوار تھے لیکن وہ قونان‌بائے کے سرخی مائل بھورے تیز رفتار گھوڑوں میں سے ایک تھا اور اس تک پہنچنا ناممکن سا معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی قراشا نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس نے نادان‌بائے اور اس کے قیدی کو دوسروں سے الگ تھلگ کر دیا تھا اور تیزی سے ان کا تعاقب کئے جا رہا تھا۔ آخرکار نادان‌بائے اپنے دفاع کے لئے گھوڑے کے زین پر اپنا رخ موڑنے کے لئے مجبور ہو گیا۔ اورکیم‌بائے اس لمحے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھوڑے سے نیچے کود گیا اور اس کے دوستوں نے فوراً ہی اسے کھڑا کر دیا۔

لڑنےوالوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں کہستانی فضا میں گونج رہی تھیں اور جلد ہی دوسرے گھڑسوار بھی وہاں پہنچ گئے۔

"یہاں سے نکل چلو! چلتے چلتے ان سے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھو! میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ!" مناس یہ دیکھ‌کر کہ جیگی‌تیکیوں نے اپنے رشتےدار کو رہا کرا لیا ہے، چلایا۔

یہ لوگ ایک پہاڑی درے سے ہوتے ہوئے تیزی سے بھاگ کھڑے ہوئے اور جلد ہی اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

دونوں واقعات – میباسر کے پیغام رسانوں کے مارے پیٹے جانے اور اورکیم‌بائے کو رہا کرانے کے لئے ہونےوالی لڑائی نے جیگی‌تیک قبائلیوں کے حوصلے بڑھا دئے اور اپنی طاقت سے متعلق ان کا اعتماد مستحکم ہو گیا۔

۵

اگلا دن موسم کی تبدیلی کا پیامی بن‌کے آیا اور سردیوں کے اولین جھونکے تیزی سے چلنے لگے۔

چنگیز کی دونوں طرف کو ڈھلواں چوٹیوں سے عموماً مہربان

ہوائیں چلتی رہتی تھیں۔ موسم بہار میں یہ ہوائیں برف کو اڑاتی اور پہاڑی دروں اور جنگلوں کو صاف کرتی تھیں۔ سردیوں میں بھی یہ گلےبانوں کی مدد کرتی تھیں کیونکہ چراگاھوں پر جمی ہوئی برف کو اڑا لے جاتی تھیں اور شاذ و نادر ھی بہت زیادہ سرد ہوتی تھیں کیونکہ عموماً جنوب سے چل کے آتی تھیں۔ ویسے یہ خطرناک ضرور ہوتی تھیں کیونکہ بعض اوقات ان کے جھونکوں سے بلندیوں سے بڑی بڑی چٹانیں گرکے نیچے آ جاتی تھیں۔ یہ ہوائیں اونچے درختوں کو بھی بعض اوقات گرا دیتی تھیں اور صرف نیچی جھاڑیوں اور ایک قسم کی علاقائی گھاس ھی کو باقی رهنے دیتی تھیں جو سردیوں میں بھیڑوں کے لئے بہترین چارے کا کام کرتی تھی۔

خزاں میں البتہ چنگیز پہاڑوں کی یہ ہوائیں دشمن بن جاتی تھیں۔ ان کے غضبناک جھونکے ناقابل برداشت ہوتے تھے، اپنے ساتھ برف لےکے آتے تھے اور آسمان کو سیسے جیسے بادلوں سے ڈھک دیتے تھے۔

اس روز یہ ہوائیں برف کے گالے اڑاتی ہوئی آئیں اور سردیوں کی پہلی برفباری ہوئی۔

دروں اور وادیوں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے خانہبدوش سردیوں کے پڑاؤ کی جگہوں کو جا چکے تھے۔ اب بھی بہت سے لوگ خیموں میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن موسم پر برابر نگاہ رکھی جا رھی تھی اور سردیوں کے اس پہلے دن نے سب کو اپنے خیمے اکھاڑنے اور سامان نسبتاً گرم پناہگاھوں کو منتقل کرنے پر مجبور کر دیا۔ قراشوقی میں قونانبائیکے پڑاؤ پر اس روز کچھ ایسی مصروفیت کا ماحول پایا جاتا تھا جسے دیکھ کے لگتا تھا کہ کسی کے جنازے کے بعد ضیافت کے لئے تیاریاں کی جا رھی ھیں۔

میباسر کے بھیجے ہوئے بانکے اپنے قیدی کے چھین لئے جانے کے بعد خالی ھاتھ واپس لوٹے تو قونانبائے نے فوراً ھی چاروں طرف اپنے پیغام رسانوں کو روانہ کر دیا۔ بائیسال کے ساتھ جو سردار اس سے ملنے آئے تھے انہیں روک لیا گیا اور جلد ھی ارغیزبائے جرگے کے دوسرے لوگ بھی اکٹھا ہو گئے۔ جہاں جہاں پیغام رساں پہنچے، لوگ جلدی جلدی گھوڑوں پر سوار ہوکے قونانبائے کے پڑاؤ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

میباسر کی قیادت میں دس بانکوں کو بوکین‌شی جرگے کے پڑاؤ پر بھیجا گیا جو ابھی تک قراشوقی سے منتقل نہیں ہوئے تھے۔

یہ لوگ اپنے سردار کی طرف سے سخت احکامات کے ساتھ وہاں پہنچے اور آخرکار بوکین‌شی قبائلی وہاں سے قراول کا رخ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ سویوندیک اور سوغیر کافی دنوں سے اس منتقلی کے لئے تیار اور محض اشارے کے منتظر تھے۔ سب سے پہلے وہی دونوں روانہ ہوئے اور دوسروں کو ان کے پیچھے جانا پڑا۔

لیکن صرف بوکین‌شی قبائلی ہی اس روز نہیں روانہ ہوئے بلکہ قونان‌بائے کے متعدد قبائلی گروہ بھی چل کھڑے ہوئے۔ اس سے قبل آغا سلطان کی خواھش تھی کہ وہ اتنے قریب رہیں کہ آسانی سے ان تک پہنچا جا سکے لیکن اب جبکہ سردیوں کا آغاز ہو گیا تھا، وہ اپنی ماں زرہ، اول‌جان اور بچوں کو سردی میں ٹھٹھرنے کے لیے نہیں روک سکتا تھا۔

ان کے ڈیرے کے افراد کو روانہ کر دینے کے بعد قونان‌بائے نے اس عام بدنظمی سے فائدہ اٹھانے میں خاصی عجلت سے کام لیا جو چنگیز پہاڑوں پر خانہ‌بدوش گروھوں کی منتقلی سے پیدا ہو جایا کرتی تھی۔

پیغام رسانوں کے ذریعے جن گھڑسواروں کو طلب کیا گیا تھا وہ علی‌الصباح ہی سے اکٹھا ہو رہے تھے اور دوپہر تک ان کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ یہ لوگ نیزوں، شوق‌پاروں اور سوئیلوں سے مسلح تھے اور لڑنے کے لئے زبردست طاقت کی حیثیت رکھتے تھے۔

ارغیزبائے کے علاوہ دوسرے جرگوں کے لوگ بھی اکٹھا ہو گئے تھے اور ان میں کوتی‌باق قبائلی بھی شامل تھے جن کی قیادت بائیسال کر رہا تھا۔ ان کا موسم سرما کا پڑاؤ بھی قراشوقی کے قریب ہی واقع تھا۔

دوپہر کو قونان‌بائے عمدہ لباس زیب‌تن کئے ہوئے بائیسال اور میباسر کے ساتھ ھجوم کے سامنے آیا۔

"گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ!" اس نے حکم دیا۔

سب لوگ اچھل‌کے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ارغیربائیوں نے سب سے پہلے ھتھیار سنبھالے۔

ھوائیں تیز ہوکے کہستانی چوٹیوں پر چیخنے لگیں۔ برف

جمنے لگی تھی، اس کے گالے لوگوں کے چہروں سے ٹکراتے تھے اور ان سے زمین ڈھک گئی تھی۔ پہاڑ دھندلے دھندلے سے نظر آنے لگے تھے اور نہایت ھی سرد پالا دونوں جانب کو ڈھلواں چوٹیوں پر رینگتے ہوئے ھر چیز کو اپنے دامن میں چھپائے لے رھا تھا۔

قونان‌بائے نے اپنے بھورے گھوڑے پر سوار ھوکے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اس کی پیشانی کی شکنیں زیادہ نمایاں ھو گئی تھیں اور واحد آنکھ سے جو لال انگارہ ھو گئی تھی، شعلے سے نکل رھے تھے۔

اس نے بائیسال اور میباسر کو نہایت ھی مختصر سا حکم دیا: "آگے بڑھو!"

لوگوں کا یہ ھجوم بوجیئی کے سردیوں کے پڑاؤ توق‌پام‌بیت کی طرف بڑھا تو گھوڑوں کی بےشمار ٹاپوں سے برف‌پوش زمین گڑگڑانے لگی۔ ھراول دستہ قونان‌بائے اور اس کے ساتھیوں پر مشتمل تھا اور جلد ھی ان سب کے گھوڑے تیز دلکی چال سے دوڑنے لگے۔

آفتاب اب بھی بلندی پر تھا جب قونان‌بائے اور اس کے مسلح حملہ‌آور پہاڑ کی آگے کو نکلی ھوئی اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں سے بوجیئی کا پڑاؤ زیادہ دور نہیں تھا۔

توق‌پام‌بیت میں موسم سرما کے لئے آخری تیاریاں کی جا رھی تھیں۔ چمنیوں سے بھیڑوں کی لید کا دبیز زرد دھواں بلند ھو رھا تھا اور متعدد افراد جھونپڑیوں کے سامنے مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ گھوڑے دیواروں کے قریب بندھے ھوئے تھے لیکن جیسا کہ قونان‌بائے نے فوراً ھی اندازہ لگا لیا، ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ باقی گھوڑوں پر کاٹھیاں کسی ھوئی تھیں لیکن ان کے اگلے پیروں کو رسیوں سے چھاندکے ھری بھری چراگاھوں میں چرنے کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

جھونپڑیوں کے قریب موجود لوگوں نے اتنی زبردست تعداد میں گھڑسواروں کو آتے دیکھا تو بڑی تیزی سے بھاگ دوڑ میں مصروف ھو گئے۔ ھر شخص گھوڑوں، نیزوں اور سوئیلوں کی طرف دوڑ پڑا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیگی‌تیک قبائلی جانبازانہ مقابلے کے لئے تیار تھے اور چند لمحوں کے اندر ھی سب کے سب گھوڑوں پر سوار ھو جائیں گے۔

قونان‌بائے کو فوراً ھی اس صورت‌حال کا اندازہ ھو گیا اور اس نے بہت تیزی سے کارروائی شروع کر دی۔

"اول‌جائے! اول‌جائے!"* اس نے گھوڑے پر کوڑے برسانے ھوئے نعرہ لگایا۔

سارا دستہ اس کی قیادت میں زور زور سے نعرے لگاتا ھوا آگے بڑھنے لگا: "ارغیزبائے! ارغیزبائے!" "توپائے! تورغئی!" یہ لوگ استیپیوں میں تیزی سے پھیلتی ھوئی آگ کی طرح ڈھلانوں پر دور تک پھیل گئے۔ ان کے لڑائی کے نعروں، چیخ پکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازوں سے پہاڑیاں اور وادیاں گونج اٹھیں۔

بوجیئی کے آدمی قونان‌بائے کے آدمیوں کے مقابلے میں تعداد میں تو کم تھے ھی، بروقت اکٹھا بھی نہ ھو سکے کیونکہ اچانک حملے نے انہیں کسی حد تک بوکھلا دیا تھا۔ دستور کے مطابق حریف کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے ارادوں سے ھی نہیں بلکہ لڑائی کی جگہ تک سے مطلع کر دیتا اور اس کے بعد گھڑسواروں کو میدان میں اتارتا لیکن قونان‌بائے نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس نے تو کسی انتباہ کے بغیر ھی حملہ کر دیا تھا۔

بوجیئی کے ارد گرد صرف پاس پڑوس میں رھنےوالے ھی اکٹھا ھو سکے کیونکہ دامن کوہ میں پڑاؤ ڈالے ھوئے گروھوں اور دریا کے کنارے مقیم جیگی‌تیکیوں کو آگاھی دینا ناممکن تھا اور پہاڑوں پر جیگی‌تیک قبائلی سردیوں کے گھروں کو منتقل ھونے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

بوجیئی کے پاس اکٹھا ھونےوالوں میں درکیم‌بائے کے لائے ھوئے دس افراد بھی شامل تھے۔ صبح کو اس نے ارغیزبائیوں کے مختلف پڑاووں سے مسلح افراد کو قراشوقی کی طرف جاتے دیکھا تھا تو اس کے دل میں شکوک بیدار ھو گئے تھے اور اس نے سوچا تھا کہ قونان‌بائے غالباً اپنے قبیلے کے دوسرے افراد کو بوجیئی اور تمام جیگی‌تیک جرگے پرحملہ کرنے کے لئے اکٹھا کر رھا ھے۔ اس نے دوپہر سے بہت پہلے ھی بوجیئی اور قبیلے کے دوسرے افراد کو آگاھی

---

* اول‌جائے — ارغیزبائے جرگے کے مورث اعلا کا نام اور لڑائی کے وقت کا نعرہ۔

دے دی تھی اور راستے میں اس نے بائےدالی، قراشا. قومین اور اورکیم‌بائے سے بھی ملاقات کی تھی۔ اس کے بعد یہ لوگ بھی اپنے بیٹوں کے همراہ چل کھڑے هوئے تھے۔

اس طرح بوجیئی کے حیمے کے پاس اپنے سربراہ کی حفاظت کرنے کے لئے مجموعی طور پر چالیس افراد اکٹھا ہو گئے تھے جن میں قومین اور قراشا کے بہادر بیٹے اور دوسرے نوجوان بانکے بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اچھی طرح مسلح اور اپنے عوام کے لئے جان کی بازی لگانے کو تیار تھے۔ پہلے ان لوگوں نے سوچا کہ دوڑکے قریب ہی چرتے ہوئے گھوڑوں کے پاس پہنچیں، ان پر سوار ہوں، اپنا لڑائی کا نعرہ "کینگیربائے! کینگیربائے!" بلند کریں اور ھاتھوں میں سوئیل اور شوق‌پار سنبھال‌کے دشمن کا مقابلہ کریں لیکن بائےدالی نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔

"ٹھہرو!.. تم لوگ بوجیئی کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دوگے کیا؟ مرنا ہی ہے تو ساتھ ساتھ مرنا چاھئے!"

قونان‌بائے کے حملہ‌آور تیزی سے قریب آتے جا رہے تھے۔ آگے آگے بانکے تھے جن کی قیادت وہ اپنے بےرحمانہ ارادوں کے ساتھ خود کر رہا تھا۔

بوجیئی بالکل بدحواس ہوکے رہ گیا "ہم لوگوں پر کیسی مصیبت نازل ہو گئی! وہ ہماری بےخبری کے عالم میں آکے ہم پر ٹوٹ پڑے! ایک بار پھر کسی انتباہ کے بغیر تباہی آ گئی!" اس نے مایوسی کے ساتھ دوھرایا۔

اب اس کا واحد سہارا وہ بانکے تھے جو کسی نہ کسی طرح گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے۔ وہ اپنے ھاتھوں میں سوئیل سنبھال‌کے پانچ پانچ دس دس کے چھوٹے چھوٹے گروھوں میں قونان‌بائے کے حملہ‌آوروں کے دائیں بائیں حصوں پر وار کرنےوالے تھے۔ لیکن ان کی تعداد کتنی کم تھی! دوسرے لوگ اب بھی میدان میں دوڑ دوڑکے اپنے گھوڑوں کو پکڑ رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ کیا دشمن انہیں گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع دئے بغیر ہی مار گرائے گا؟

قونان‌بائے تیزی سے لپکتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار دھیمی کئے بغیر دو سو افراد کو ھدایت کی کہ وہ الگ ہٹ کے

حریفوں پر دونوں جانب سے حملہآور ھوں۔ اس کے گرجتے چنگھاڑتے گروہ میدان میں پہنچے تو چرتے ھوئے گھوڑے ادھر ادھر بھاگے اور سوئیلوں کی ضربوں سے ان کی لکڑی کی کاٹھیاں ٹکڑے ٹکڑے ھو گئیں۔

جیگیتیکیوں کی بےترتیب صف نے پیدل ھی قونانبائے کا سامنا کرنے کی کوشش کی لیکن ارغیزبائیوں کے طوفان نے انھیں بےقابو کر دیا۔ دراصل ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ دو سو افراد کے حملہ کرنے کی غرض سے ادھر ادھر ھو جانے سے بھی اس میں کوئی کمی نہیں نظر آ رھی تھی۔ جیگیتیک گھڑسواروں نے قونانبائے کے حملہآوروں کے دائیں پہلوؤں پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن جلد ھی انھیں گھوڑوں سے مار گرایا گیا۔ یہ کام بہت ھی آسان ثابت ھوا کیونکہ فریقین کی طاقت میں ایک اور چالیس پچاس کا فرق تھا۔

جو لوگ چراگاھوں میں اپنے گھوڑوں تک نہ پہنچ سکے انھوں نے بھی پیدل ھی لڑنے کی کوشش کی لیکن مسلح گھڑسوار کے مقابلے میں کسی پیدل شخص کی حیثیت ھی کیا ھو سکتی تھی؟ پلک جھپکتے ھی میں ان سے بھی نپٹ لیا گیا۔ ان لوگوں کے لئے تو صرف ایک ھی نپیتلی ضرب کافی ثابت ھوئی اور ان میں سے ھر ایک زمین پر ڈھیر ھو گیا۔ یہی حشر ان لوگوں کا بھی ھوا جو جھونپڑیوں سے نکلکے منتشر ھو گئے تھے۔ حملہآوروں کو اپنی برتری کا اندازہ ھو گیا اور ان کے لڑائی کے نعرے کہیں زیادہ بلند آواز سے گونجنے لگے۔

"اولُجائے! اولجائے! ارغیزبائے! ارغیزبائے! توپائے! تورغئی!" وہ لوگ اپنے دشمنوں کے دلوں پر ھیبت طاری کرنے کے لئے اولجائے اور اپنے دوسرے مورثان اعلا کی روحوں کو پکار رھے تھے۔

ساری مزاحمت چکنا چور ھو گئی تو فاتحین یکجا ھوکے گھروں پر ٹوٹ پڑے۔ ان لوگوں کے نعرے، ان کے سوئیلوں کی کھڑکھڑاھٹ اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں عام شور و غل میں ضم ھوکے رہ گئیں۔ بھیانک حملے کے خاتمے کا آغاز ھو رھا تھا۔

بوجیئی کے پاس موجود چھوٹا سا جتھا اپنی جگہ سے نہیں ھٹا تھا۔ وہ لوگ اپنے شوقپاروں اور سوئیلوں کو بلند کئے ھوئے جوش

میں بھرے لڑنے کو تیار کھڑے تھے اور ھتھیار نہیں ڈالنا چاھتے تھے حالانکہ چاروں طرف سے گھر گئے تھے۔

"پیچھے ھٹ کے گھروں میں چلے جاؤ! دروازوں کی حفاظت کرو اور ان لوگوں کو اندر نہ آنے دو! ھم لوگ آخری دم تک لڑتے رھیں گے!" بائےدالی نے بلند آواز سے ھدایت کی اور اپنے آدمیوں کی قیادت کرتا ھوا خیموں کے قریب آ گیا۔

بائےدالی اور بوجیئی نے پڑاؤ میں داخلے کے خاص دروازے پر دفاعی مورچہ سنبھالا۔ ان کے ارد گرد ان کے سب سے زیادہ طاقتور اور بہادر بانکے کھڑے تھے جن کی قیادت قومین کے دونوں بیٹے کر رھے تھے۔

لیکن دشمن کے آدمیوں کی تعداد بہت زیادہ اور بےقابو کر دینےوالی تھی۔ ارغیزبائیوں کے گھوڑے عین دروازے پر اچھل کود رھے تھے اور ان کے سوار احکام کے منتظر تھے۔

قونانبائے جو اب بھی اپنے گھوڑے پر سوار تھا، اپنے آدمیوں کے درمیان موجود تھا۔

اسی لمحے درکیمبائے نے بوجیئی اور بائےدالی کے درمیان کسی نہ کسی طرح راستہ بناکے چقماق سے شعلہ پیدا کرنےوالی ایک پرانی بندوق سے جو تپائی کے اوپر رکھی ھوئی تھی، نشانہ لینا شروع کیا۔ یہ کہنا بہت مشکل تھا کہ اسے یہ بندوق کہاں سے ھاتھ لگ گئی تھی لیکن وہ بھری ھوئی تھی اور اس میں صرف شعلہ لگانے کی دیر تھی۔ اس نے بڑی بےصبری سے بوجیئی کو پکاں کے کہا:

"یہ کانا دیو بڑا بےرحم ھے! ایک بار پھر ھمارا مذاق اڑانے آیا ھے لیکن یہ بندوق اسے چاروں شانے چت کر دےگی! ذرا ایک طرف ھٹ جائیے!" اور وہ شعلہ پیدا کرنے کے لئے چقماق کو ٹٹولنے لگا۔

لیکن بوجیئی نے لپک کے اس کا ھاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں نہیں، ایسا نہ کرو! اسے سزا دینا ھمارا کام نہیں ھے۔ اسے تو ھمارے آبا و اجداد کی روحیں سزا دیں گی!"

اچانک شور و غل کی اس فضا میں قونانبائے کی آواز گونجی۔

"ان لوگوں کو ان کی ماندوں سے باھر گھسیٹ لاؤ۔ غلاموں کی طرح باندھکے انہیں باھر کھینچ لاؤ!"

اس حکم کی عدم تعمیل کا سوال هی نہیں اٹھتا تھا۔ میباسر کی قیادت میں ارغیزبائیوں کا ہجوم دروازے کی طرف بڑھا۔ قونان‌بائے نے انہیں ہچکچاہٹ محسوس کرتے دیکھا تو زوردار انداز میں انہیں اکساتے هوئے کہا:

"سب لوگ گھوڑوں سے نیچے اتر آؤ اور دروازے کو توڑ ڈالو! سب ایک ساتھ مل کر!"

درکیم‌بائے اور ان لوگوں نے جو بوجیئی اور بائےدالی کے ارد گرد کھڑے هوئے تھے، جانبازی سے مقابلہ کیا لیکن ان کی اور ان کے حریف کی طاقت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ آخرکار ارغیزبائے قبائلی گھر کے اندر داخل هو گئے۔

چھت کے نیچی ہونے کی وجہ سے دفاع کرنےوالے اپنے سوئیل تک نہ گھما پائے اور چند منٹ کے اندر هی ان پر قابو پا لیا گیا، ان کے ہتھیار چھین لئے گئے اور انہیں باهر گھسیٹ لایا گیا۔

قراشا، اورکیم‌بائے اور جیگی‌تیک کے نوجوان بانکے جیسے هی باهر نکلے، ان پر گھونسوں مکوں کی بارش کر دی گئی۔ انہیں بری طرح مارا پیٹا گیا تھا، ان کے کپڑوں پر خون کے دھبے پڑے هوئے تھے لیکن وہ اب بھی مقابلہ کرنے کے سلسلے میں ہاتھ پاؤں چلائے جا رہے تھے اور قونان‌بائے کو گندےترین الفاظ سے گالیاں دے رہے تھے لیکن ان کے یہ الفاظ افراتفری کے شور میں دب‌کر رہ گئے۔

"انہیں کوڑوں کا مزہ چکھاؤ!" میباسر جس کی آنکھیں غضبناکی سے لال انگارہ هو رهی تھیں، گرجا۔ "ان کی مرمت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو! ذرا انہیں بتا دو کہ انہوں نے کس سے جھگڑا مول لیا هے!"

میباسر کے بانکے جن کی قیادت قامس‌بائے اور جمعہ‌گل کر رهے تھے، انہیں بڑی سنگدلی سے کوڑے مارنے لگے۔

قونان‌بائے کے لئے یہ سماں دلچسپی کا باعث نہ تھا۔ اس کی نظریں تو هر اس شخص کا گہری نگاہ سے جائزہ لے رهی تھیں جسے گھسیٹ کے گھر سے باهر نکالا جا رها تھا۔ دراصل اسے اس شخص کی تلاش تھی جس پر وہ سخت برهم تھا۔ اس کی نگاہ تو بوجیئی کو ڈھونڈ رهی تھی۔

آخرکار بوجیئی بھی باهر نکلا لیکن اس کی حالت قطعاً دوسروں

جیسی نه تهی کیونکه اسے هاتھ لگانے کی کسی کو جرأت نہیں هوئی تهی۔ اس کے سر پر سمور کی ٹوپی ادھر ادھر نہیں کھسکی تهی اور کپڑے بهی نه الجهے تھے، نه پھٹے تھے۔ اسے گھسیٹ کے بهی باهر نہیں نکالا گیا تها۔ وه خود چلتا هوا باهر نکلا تها۔ ارغیزبائیوں نے صرف یه کیا تها که اسے اپنے تنگ حلقے میں لئے هوئے تھے۔

قونان‌بائے نے اپنے گھوڑے کو چابک رسید کیا اور اس کے قریب آ گیا۔ بائیسال بهی اپنے گھوڑے کو قریب لے آیا۔

جمعه‌گل اور قامس‌بائے بوجیئی پر ٹوٹ پڑے اور اسے زمین پر گرا دیا۔

"اس کے کوڑے مارو! کپڑے اتارکے اتنا مارو که کھال ادھڑ جائے!" قونان‌بائے نے شدید غصے میں حکم دیا۔

"خدا کرے تمهاری یه ایک آنکھ بهی پھوٹ جائے! ارے قونان‌بائے تم پر تمهارے آبا و اجداد کی روحیں لعنت بهیجیں گی" بوجیئی خود کو چهڑانے کے لئے هاتھ پاؤں مارتے هوئے غصے سے چلایا۔

لیکن اس کی ٹوپی اور سمور کا کوٹ اتار لیا گیا اور قامس‌بائے نے اپنا کوڑا لہرایا۔ بوجیئی کی پیٹھ ننگی تهی اور اس کا سفید جسم قونان‌بائے کے لاکھی رنگ کے گھوڑے کی ٹاپوں کے قریب پڑا هوا تها۔ مجمعے پر سناٹا چها گیا اور کسی نے جنبش تک نه کی۔

قامس‌بائے کا کوڑا هوا میں لہرایا لیکن اتنے هی میں اچانک ایک آدمی بهیڑ کو چیرتا هوا لپک کے آیا اور بوجیئی پر گرتے هوئے اسے اپنے جسم سے ڈھک لیا۔

وه کوتی‌باق جرگے کا پشاربائے تها، بوجیئی کا ایک دوست۔

"بہت هو چکا، بہت هو چکا، قونان‌بائے! اراشا! اراشا!..*" اس نے چلاتے هوئے کہا۔

"اسے بهی کوڑے مارو! مارو بهی اس کتے کو!" قونان‌بائے نے غصے سے اپنے کوڑے کو گھمانا شروع کر دیا تها۔

"ذرا کوئی همت کرکے تو دیکھے!" ایک طاقتور تحکمانه آواز گونجی جو بائیسال کی تهی۔

---

* اراشا — "میں بیچ میں پڑتا هوں"۔ جو شخص اراشا کہه دیتا تها وه دوسرے کا الزام اپنے سر لے لیتا تها۔

قونان‌بائے نے تیزی سے مڑتے ہوئے اس کے چہرے کو گھورا۔ بائیسال کا چہرہ اب جن جذبات کا آئینہ‌دار تھا وہ بہت کچھ کہہ رہے تھے لیکن قونان‌بائے پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"مارو! دونوں کو کوڑے مارو!" اس نے حکم دیا۔

میباسر نے پہل کی اور بعد میں اسی کی طرح دوسرے ارغیزبائے قبائلیوں نے بھی حکم کی تعمیل کی چنانچہ بوجیئی اور پشاربائے پر کوڑے برسنے لگے۔

اچانک بائیسال نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قریب پہنچتے ہوئے تیزی سے جھک کے میباسر کو الگ ڈھکیل دیا۔

"کوتی‌باق! میرے پیچھے آؤ، سب کے سب کوتی‌باقیو!" یہ ایک قبائلی نعرہ تھا جس کے نتیجے میں کثیر تعداد کوتی‌باق قبائلیوں نے خود کو قونان‌بائے کے آدمیوں سے الگ کر لیا اور جیگی‌تیکیوں سے جا ملے۔

جیگی‌تیک جرگے کے لوگ پوری طرح مغلوب اور بے‌بس ہو چکے تھے اور وہ بائیسال کی کوئی خاص مدد نہیں کر سکتے تھے لیکن لڑائی دوبارہ نہ شروع ہوئی۔ صاف ظاہر تھا کہ بوجیئی، پشاربائے اور اس کے تمام لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اس سے بائیسال بری طرح مشتعل ہو گیا تھا اور غصے اور تلخی کے ساتھ اچانک جیگی‌تیکیوں سے جا ملا تھا۔

یہ بات بانکوں اور میباسر کے پیغام‌رسانوں پر پوری طرح واضح ہو چکی تھی اور اب انہیں مار پیٹ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے الگ ہٹتے ہوئے بوجیئی کو کھڑے ہو جانے دیا۔

"ارے اے قونان‌بائے!" بوجیئی نے وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے سردار کو بڑے طیش سے پکارکے کہا۔ "میں نے تو تمہیں گولی سے بچا لیا اور تم نے مجھے شعلوں میں پھینک دیا۔ میں تمہیں اس دن کی ضرور یاد دلاؤں‌گا!"

قونان‌بائے نے کوتی‌باقیوں کے چلے جانے کے بعد بچے کھچے لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنے جتھے کے ساتھ جو اب بھی کافی بڑا تھا، قراشوقی لوٹ آیا۔

رهگزر پر

۱

آفتاب ابھی ابھی غروب ہوا تھا اور رات کے گھرے ھوتے ھوئے سائے، کمرے کے تمام کونوں سے رینگتے ھوئے سائے دھندلے دھندلے بادل کی شکل میں چھت کی طرف بلند ھو رھے تھے۔

اول‌جان کا مکان جس میں ابائی اپنی ماں اور دادی اماں کے ساتھ رھتا تھا، موسم سرما کی جیدےبائے بستی میں سب سے بڑا تھا۔ یه کشادہ اور مہمان‌نواز مکان قالینوں، پردوں اور الاشوں* سے سجا ھوا تھا۔

لیمپ ابھی روشن نہیں کیا گیا تھا کیونکه خاندان کے زیادہ‌تر ارکان کھلی جگه میں مختلف کاموں میں مصروف تھے اور یه شاندار کشادہ کمرہ اپنی خاموشی کی بنا پر کچھ اور بھی کشادہ معلوم ھو رھا تھا۔

ابائی، دریچے کے پاس، جس سے چنگیز کی دونوں جانب کو ڈھلواں چوٹیاں نظر آ رھی تھیں، گھٹنوں کے بل بیٹھا ھوا تھا۔ اس نے اپنی کہنیاں دریچے کے آگے کو نکلے ھوئے پتھر پر ٹکا رکھی تھیں اور ٹھڈی کو ھتھیلیوں پر سنبھالے ھوئے تھا۔ اس کے داھنی جانب زرہ ایک نیچے دیوان پر بیٹھی دھیرے دھیرے اپنے گھٹنے سے اپنی پوتی قمشات کے پالنے کو جو آئی‌غیز کی بیٹی تھی، ھلائے جا رھی تھی۔ بڑھیا، جیسا که پہلے بھی اکثر کیا کرتی تھی، اس وقت بھی ایک لوری گنگنائے جا رھی تھی۔ پرانا گیت تھا، زرہ کی عمر سے بھی زیادہ پرانا اور اب صرف وھی اسے گاتی بھی تھی۔ ابائی کو یه گیت اتنا ھی پرمحبت اور پیارا معلوم ھوا جتنی که خود اس کی

* الاشا — بیل بوٹوں‌والا اونی پلنگ‌پوش۔

دادی اماں تھی۔ کافی دن پہلے کسی زمانے میں خود وہ بھی اسی گیت کو سنتے سنتے سو جایا کرتا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک اس گیت میں ذرا بھی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اس کا ایک لفظ بھی تو نہیں بدلا تھا کیونکہ اچھا گیت ماں کے دل کی طرح سچا ہوتا ہے اور بدلا نہیں کرتا۔ یہ سریلا گیت رات کی لطیف سانسوں کی طرح پاک تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے دادی اماں کی آواز غروب آفتاب کے وقت کی اس گہری خاموشی میں اضافہ کر رہی ہو۔ اس لوری کو سنتے ہوئے ابائی کو محسوس ہوا کہ بوڑھی زرہ کا محبت سے بھرا ہوا لیکن اداس گیت خود اسے نیند کی آغوش میں کھو جانے کی ترغیب دے رہا ہے۔ اس کا جی چاہا کہ گیت دیر تک، بہت دیر تک، ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے۔

بستی میں سب لوگوں کی آمد کے بعد سے ابائی اپنی شامیں دادی اماں کے ساتھ گزار رہا تھا حالانکہ وہ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون‌سی چیز تھی جو اسے بڑھیا کی طرف اتنا زیادہ کھینچے جا رہی تھی۔ شام کو اندھیرا ہونے لگتا، مویشی چراگاہوں سے لوٹنے لگتے تو وہ اپنی چھوٹی ماں آئی‌غیز کے گھر جاکے ننھی بہن قم‌شات کو گود میں لیتا اور دادی اماں کے یہاں آکے اس سے کھیلنے لگتا۔

لیکن اس شام قم‌شات کو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ دادی اماں گنگناتے گنگناتے ذرا دیر کو بھی رکتی تو وہ اپنی سیاہ کشمش جیسی آنکھیں کھول‌کے لمبی لمبی پلکوں کو جھپکاتی اور دودھ پینے کی سی آواز نکالتی جیسے مطالبہ کر رہی ہو کہ لوری کا سلسلہ جاری ہے۔

ابائی عموماً شام کا وقت تنہائی میں گزارتا تھا۔ وہ اس وقت گھر سے باہر ہوتا تو کسی قریبی پہاڑی پر چڑھ جانا پسند کرتا تھا۔ استیپیوں میں اسے کوئی پراسرار، بےقابو کر دینے‌والی قوت سمائی ہوئی معلوم ہوتی جو کچھ عجب انداز سے اس کے خیالات کو متاثر کرتی تھی۔

اور اب جبکہ وہ دل کو تسکین دینے‌والے اس گیت کو سن رہا تھا، اس کی نگاہیں پہاڑوں میں، چنگیز کے عقب میں ٹیڑھے میڑھے خط فلکی پر اور بہت دور بمشکل ہی نظر آنے‌والی کہستانی چوٹیوں کی دھند میں بھٹک رہی تھیں۔

چنگیز پہاڑ جیدےبائے سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر واقع تھے لیکن وہ بڑھتی ہوئی تاریکی میں کچھ اور بھی دور جاتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ زبردست ڈھلواں چٹانوں کے نیلے اور ڈراؤنے سرد خاکے دیکھکے دل میں خیال آتا تھا کہ دراصل وہ بڑے دیو تھے جو پتھروں میں تبدیل ہو گئے تھے، بالکل بےحس و حرکت اور خاموش، جنھوں نے خود کو دھیرے دھیرے تاریکی کے لبادے میں لپیٹ لیا۔

پہاڑوں پر کیا ہو رہا تھا؟ جیگیتیک جرگے پر کئے جانےوالے حملے کی خبر ابھی تک اس پڑاؤ پر نہیں موصول ہوئی تھی لیکن یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ بوکین‌شیوں کو قراشوقی سے بھگا دیا گیا ہے اور انھوں نے خون کے آنسو روتے ہوئے اپنے موسم سرما کے اس رہائشی مرکز کو خیرباد کہا ہے۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ پیچ وخم کھاتے ہوئے چنگیز پہاڑوں پر کوئی بھیانک مصیبت نازل ہوئی ہے اور ابائی کو بھی اس کا اندازہ ہو گیا تھا۔

پہاڑوں سے آنےوالی سرد ہوائیں، وہاں پائی جانےوالی بےرحم زندگی کی سانسوں جیسی معلوم ہو رہی تھیں لیکن ان کے برفیلے جھونکوں کو دادی اماں کے گیت کی حرارت پگھلائے دے رہی تھی۔ گیت میں بھی کتنی زبردست طاقت مضمر تھی!

ابائی اپنے خیال پر چونک سا پڑا اور اس نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں۔

آسمان پر مہ کامل جگمگا رہا تھا جو کبھی کسی تنہا سیاہ پارۂ ابر سے مس ہو جاتا اور کبھی اس کی آڑ میں جاکے شرارت‌آمیز انداز میں باہر جھانکنے لگتا۔ ابائی اتنا مسحور ہوا کہ دنیا کو بھول گیا۔

مہ کامل نے اپنے نیچے تیرتے ہوئے ابر کے ایک ٹکڑے میں غوطہ سا لگایا، پل بھر کو ابھرا لیکن دوسرے ہی لمحے پھر غوطہ لگایا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ آنکھ مچولی کھیل رہا ہو۔ کبھی وہ نظروں سے بالکل اوجھل ہو جاتا اور کبھی اچانک سیاہ پردے کے پیچھے سے اپنی تمام رعنائیوں اور مسکراہٹوں کے ساتھ نمودار ہوتا مگر دوسرے ہی لمحے پھر غائب ہو جاتا۔ کبھی ایسا لگتا کہ وہ کسی کو چھیڑنے کے لئے آنکھ مار رہا ہے، کبھی کسی نقرئی گول طشتری کی طرح، پرسکون انداز میں تیرتا معلوم ہوتا اور کبھی پھر ایک بار دھند میں

غائب ہو جاتا۔ چاند بھی کتنا زندہ دل اور خوش‌طبع تھا! اس نے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بادلوں کے عقب سے پل بھر کے لئے باہر جھانکا تو ابائی مسکرا دیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ چاند بھی کسی شریر بچے کی طرح کھیل رہا ہے۔

یہ اتنا دلچسپ نظارہ تھا کہ ابائی گھنٹوں یونہی تکتا رہتا لیکن اچانک باہر سے کوئی آواز سنائی دی اور اس نے کسی کے دوڑتے ہوئے دروازے تک آنے کی آہٹ سنی۔ دوسرے ہی لمحے اوسپان اندر داخل ہوا۔ ابائی نے سوچا کہ وہ اپنی عادت کے مطابق کسی کو چھیڑ رہا ہوگا اور اب بھاگ کھڑا ہوا ہے۔ وہ بڑے جوشیلے انداز میں ہنستا ہوا اندر آیا تھا اور ابائی کی چھوٹی اماں آئی‌غیز کا بیٹا سماگل جو اوسپان ہی کی عمر کا تھا اور بڑی تلخی سے رو رہا تھا، اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اوسپان نے سماگل کے ساتھ کوئی گھٹیا قسم کی حرکت کی تھی۔ ابائی اچھل‌کے کھڑا ہوا اور اس نے اپنے بھائی کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد سماگل نے بھی اس شریر کو اپنی گرفت میں لے لیا لیکن اوسپان اب خود اپنے گھر میں پہنچ چکا تھا اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑنے پر آمادہ تھا۔

"تمہیں چاہئے کیا؟" اس نے سماگل کے کالر پکڑتے ہوئے چلاکے پوچھا۔

ابائی نے دونوں لڑکوں کو جو ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے، کھینچ‌کے الگ کیا۔

"آخر اس نے کیا کیا ہے؟" اس نے سماگل سے پوچھا۔

"اس نے میرے کھیلنے کی بھیڑوالی ہڈی لے لی ہے!" اور اس نے کچھ اور بھی زیادہ زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"میں نے لے لی ہے؟ رونٹا کہیں کا!" اوسپان نے اسے دق کرنے کو کہا پھر اس نے سماگل کی نقل اتارتے ہوئے اضافہ کیا۔ "اس نے میرے کھیلنے کی بھیڑوالی ہڈی لے لی ہے۔"

"اچھا واپس تو کرو" ابائی نے سختی سے کہا۔

لیکن اوسپان نے تو اچھے برے ہر طریقے سے مقابلہ کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔

"ارے بالکل جھوٹا ہے۔ اس کے پاس ہڈی کبھی تھی ہی نہیں!"

اباثی نے اس کی تلاشی لینے کی کوشش کی لیکن اوسپان نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کر لیا اور بھاگ‌کے آتش‌دان کے پاس پہنچ گیا جہاں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے کرکے بڑے سرکش انداز میں کھونٹے کی طرح کھڑا ہو گیا۔ قریب ہی ایک برتن میں قمیز رکھا ہوا تھا اور اس نے سوچا کہ صورت‌حال بہت خراب ہو جائےگی تو وہ برتن کو الٹ دےگا جس سے خود اباثی بھی چکر میں پھنس جائےگا لیکن اباثی نے اس کے ارادے کو بھانپ لیا اور اس سے دور ہی رہا۔

"اچھا مجھے اپنے ہاتھ تو دکھاؤ" اس نے کہا اور اچانک لپک‌کے اوسپان کا کان پکڑ لیا۔

اوسپان نے غصے سے چلاتے ہوئے برتن میں ٹھوکر ماری۔ اباثی نے اسے برتن کو الٹنے سے تو روک لیا لیکن اس کا ڈھکن الگ جا گرا۔ اتنے میں اوسپان نے جنونی انداز میں کسمساتے ہوئے ہڈی کو قمیز کے اندر پھینک دیا۔

"اوئی‌بائے! یہ دیکھو! میرے ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں!" اس نے شکایتی انداز میں روتے ہوئے کہا۔

اباثی نے اس ہڈی کو قمیز میں گرتے نہیں دیکھا تھا لیکن سماگل اپنے اذیت دینےوالے پر نگاہ جمائے ہوئے تھا چنانچہ وہ لپک‌کے برتن کے پاس پہنچا اور آستین چڑھاکے اپنا گندہ ہاتھ قمیز کے اندر ڈال دیا۔ آستین نیچے کھسک آئی اور وہ بھی قمیز میں بھیگ گئی لیکن سماگل نے سرگرمی سے ہڈی کی تلاش جاری رکھی۔ اباثی کو اس کی اس حرکت پر غصہ آ گیا اس لئے اس نے اوسپان کو چھوڑ دیا تاکہ سماگل کو قمیز کے برتن کے پاس سے گھسیٹ‌کے الگ کر سکے۔

اتنے میں اوسپان کسی باز کی طرح اپنے سونیلے بھائی پر ٹوٹ پڑا۔ پیٹھ پر متعدد مکے رسید کئے اور بڑے پرمسرت قہقہے کے ساتھ اس کا سر قمیز کے برتن میں ٹھونس دیا۔ بےچارے سماگل کے اب اپنا خزانہ ڈھونڈ نکالنے کا سوال ہی نہ اٹھتا تھا کیونکہ قمیز اس کے منہ اور ناک میں بھر گیا اور اس کا دم گھٹنے سا لگا۔ وہ قمیز کو تھوتھو کرکے منہ سے نکالتا ہوا اوسپان کی طرف جھپٹا۔

"بدتمیز کہیں کا!" اس نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا اور اس

کے بعد اپنی بات پر زور دینے کے لئے گندی گالیوں کی بوچھار کر دی۔

اباِئی کو سخت کراھیت سی محسوس ہوئی۔

"ارے بےوقوف! سور کہیں کے، آخر تم کو یہ الفاظ کس نے سکھا دئے!"

اس نے سماگل کے کان اینٹھے اور اوسپان کو بھی جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا تھا، دو ایک ھاتھ رسید کئے۔ دونوں سوتیلے بھائی انتہائی زور زور سے روتے چلاتے مختلف سمتوں کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اوسپان اپنی دادی امار کے قدموں پر گر پڑنے کے لئے اس کے پاس گیا۔ اور سماگل اپنی ماں کے پاس۔

اباِئی کو سماگل کے گندی گالیاں بکنے پر سخت حیرت تھی۔ اچانک اسے پھر اس کے رونے کی آواز سنائی دی لیکن یہ آواز آئیغیز کی چیخ پکار میں دب کے رہ گئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ساتھ لےکے اس کے پاس آ رہی ہے۔

بڑے خیمے کا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا اور آئیغیز اپنے بیٹے کو اندر ڈھکیلتے ہوئے، دھلیز پار کرنے سے قبل ھی زور زور سے چیخنے چلانے لگی۔

"لو یہ رھا! جی بھرکے اسے مارو پیٹو! ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو اس کے۔ کچا چبا جاؤ اسے!" وہ اباِئی کے پاس پہنچ گئی۔

"کشی آپا..."* اس نے کہنا شروع کیا۔

لیکن آئیغیز نے اسے کچھ کہنے کا موقع ھی نہ دیا۔ وہ غصے میں بڑی تیزی سے بڑبڑائے چلی جا رھی تھی۔

"ٹھیک ھے، ٹھیک ھے۔ تم اس سے زیادہ طاقتور ھو تو اس کا فائدہ اٹھاؤ! تعداد میں بھی زیادہ ھو، ایک ھی ماں سے چار بیٹے!"

"کشی آپا، مہربانی کرکے میری بات تو سنئے... کاش کہ آپ نے وہ الفاظ سنے ہوتے جنہیں، سماگل استعمال کر رہا تھا!"

"مجھے سننے کی کیا ضرورت ھے؟ تم بڑے ھو گئے ھو اور اب

---

* کشی آپا — چھوٹی اماں۔ باپ کی چھوٹی بیویوں کو اسی نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

اپنے دانت دکھانا چاہتے ہو، یہی بات ہے نا؟ تم نے اسے مارا پیٹا کیونکہ وہ تمہاری ماں کی سوتن کا بیٹا ہے!"

"اوہ توبہ، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"تم کو اپنے سے کم‌سن‌والوں کو، کمزوروں کو مارنے پیٹنے میں مسرت ہوتی ہے نا؟ ذرا ٹھہر جاؤ۔ کل خلیل تم کو اس کا مزہ چکھا دے گا!"

خلیل اس کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو شہر کے اسکول میں زیر تعلیم تھا۔

ایسا لگتا تھا جیسے یہ دونوں خاندان لڑائی جھگڑے کی تیاری کر رہے ہوں۔

"کیا آپ جو ہماری ماں ہیں، ہم سے صرف یہی بات کہہ سکتی ہیں؟"

"چپ بھی رہو! بہت ہو چکیں ایسی باتیں! تم لوگ بڑی بیوی کے خاندان کے ہو اور ہم لوگ – ہم ٹھہرے توقال*، ہماری تو قسمت ہی میں لکھا ہے کہ ذلیل کئے جائیں۔ مارے پیٹے جائیں۔ ہے نا؟"

ابائی اپنی چھوٹی اماں کی اس کھلی ہوئی ناشائستگی سے سخت پشیمان ہوا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس نے غصے سے کانپتے ہوئے طے کیا کہ نہ اس سے معافی مانگے گا، نہ دبے گا۔

"اب یہ سلسلہ بند بھی کیجئے! آخر آپ کس قسم کی خاتون ہیں؟" اس نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا کیونکہ اس سے اور کچھ بھی نہیں کہا جا رہا تھا۔

بہری زرہ سارے جھگڑے کو سن تو نہیں سکی تھی لیکن اس نے عورت کے اشاروں سے اس کا مطلب سمجھ لیا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ ابائی پریشان نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ قمشات کے پالنے کو چھوڑ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلی جاؤ یہاں سے، دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے!" وہ آئی‌غیز پر برس پڑی۔ "آخر یہ تم نے کیا بکواس لگا رکھی ہے؟ بچوں کے درمیان نفاق اور نفرت کے بیج بو رہی ہو۔ کیوں یہی کر رہی ہو نا؟ قبل اس کے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے، چلی جاؤ یہاں سے!"

---

* توقال – ایک سے زائد بیویوں میں چھوٹی عمر والی بیوی۔

آئی‌غیز، بوڑھی عورت کے غصے کے مد نظر دھیمی تو پڑ گئی لیکن اس نے اپنی شکایت کا سلسلہ بدتمیزی کے ساتھ جاری رکھا۔

"تم لوگ محض اس لئے میرے خلاف ہو کہ میں توقال ہوں۔ تم سب کے سب میرے خلاف ہو۔ لیکن تم لوگ دیکھ لوگے! ٹھہر جاؤ، ذرا کل ان کو آ جانے دو!"

اس کی مراد قونان‌بائے سے تھی۔ حسین توقال اس کی منظور نظر تھی اور اس پر بھروسہ کر سکتی تھی۔ تاھم وہ یہ باتیں زیادہ بلند آواز سے نہیں کہہ رھی تھی کیونکہ وہ چاھتی تھی کہ انہیں زرہ نہیں صرف ابائی ھی سن سکے۔

اچانک اس کے پیچھے سے ایک پرسکون آواز سنائی دی جو اول‌جان کی تھی۔ وہ کافی پہلے ھی اندر آ گئی تھی اور چپ چاپ کھڑی آئی‌غیز کی یہ جلی کٹی باتیں سن رھی تھی۔

"اب یہ باتیں بند بھی کرو، تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ بہت ہو چکا! ذرا بچوں کا خیال کرو نا... میں انہیں اس قسم کی باتوں سے بچاتی رھی ھوں لیکن ایسا لگتا ھے کہ تمہیں اس کی خاک بھی پروا نہیں" اس نے کہا۔

"تم تو چاھوگی کہ میں خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتی رھوں۔ چاھتی ھو نا؟"

"بھئی، مہربانی کرکے اب یہ سلسلہ بند بھی کرو۔ جاؤ بھی یہاں سے! تم نے اس وقت جو باتیں کہی ھیں ان کو میں تمہیں کبھی بھی یاد نہ دلاؤں‌گی لیکن مہربانی کرکے اب یہاں سے چلی جاؤ اور اپنے غصے کو اپنے ھی تک محدود رکھو" اول‌جان کی آواز ھمیشہ کی طرح پرسکون تھی۔

آئی‌غیز نے اس پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی، اپنے لڑکے کا ھاتھ پکڑا اور چل دی۔ اول‌جان اسے باھر جاتے ھوئے دیکھتی رھی۔ بعد میں اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنا کوٹ اتار دیا۔ پھر چقماق اٹھاکے اس نے شعلہ پیدا کیا اور لیمپ جلایا۔ اس کی ھلکی سرخ روشنی میں جو اس بڑے کمرے میں بمشکل ھی اجالا کر پا رھی تھی، اسے ابائی کا مغموم، تمتماتا ھوا چہرہ دکھائی دیا۔

"ابائی جان، تمہیں کیا ھوا ھے، میرے بیٹے؟"

"آپا، آخر یہ کشی آپا اکثر لڑتی جھگڑتی کیوں رہتی ھیں؟"
اس نے پوچھا۔

اس سوال سے بالغوں جیسی سوجھ بوجھ جھلکتی تھی۔ اول‌جان دوسرے بچوں سے اپنے خیالات پوشیدہ رکھنے کو ترجیح دیا کرتی تھی لیکن ابائی سے کوئی بات چھپانے پر خود کو آمادہ نہ کر سکی۔ اس پر تو وہ اپنے رازوں کے معاملے میں اعتماد کر سکتی تھی۔

"میرے بیٹے" اس نے کہا۔ "سوتیں بہرحال سوتیں ھی رھیں گی۔ ھماری زندگیاں اپنے زخموں کو چاٹتے گزرتی ھیں۔ تم کیسے جان سکتے ھو کہ مجھ پر کیا بیت رھی ھے؟"

ابائی اپنے دل کی گہرائیوں میں ماں کی اس بات کو سمجھ گیا لیکن الفاظ میں اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

دروازے پر کوئی شخص ھنس پڑا اور دوسرے ھی لمحے ابائی کا بڑا بھائی تکےجان اور ملا عابدخان نوجوانوں جیسی بےفکری اور پرمسرت موڈ کے ساتھ کمرے میں داخل ھوئے۔

تکےجان جو سولہ سال کا ھونے کو تھا، کھرا اور بےتصنع لڑکا تھا۔ اسے ھنسی مذاق اور ذھانت سے بھری ھوئی کہاوتوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اس نے جانے کیسے عابدخان سے دوستی کر لی تھی اور عمروں کے فرق کے باوجود اس سے برابروالوں جیسا برتاؤ کرتا تھا چنانچہ ملا کے ساتھ کمرے میں داخل ھوتے ھی اس نے اس کے عجیب و غریب تلفظ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

عابدخان جو تاتار تھا، چند برس قبل فوجی بھرتی سے بچنے کے لئے بھاگ کے قارقرالنسک پہنچ گیا تھا۔ یہاں بیرتیس جرگے نے اسے قبول کر لیا تھا اور وہ ایک ایسے خاندان کے پڑاؤ پر رھنے لگا تھا جس سے ارغیزبائے جرگےوالوں کی دور کی رشتےداری تھی۔ وہ ابھی جوان ھی تھا لیکن لوگ اسے بہت ھی عالم و فاضل تصور کرنے لگے تھے اور قونان‌بائے کے باپ کی برسی کی تقریب کے موقعے پر اسے ارغیزبائے سردار کے پڑاؤ پر قیام کرنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔

عابدخان اب بھی قزاخ زبان پر عبور نہیں حاصل کر سکا تھا اور اس زبان کو بڑے دلچسپ انداز میں توڑ مروڑکے باتیں کر پاتا تھا لیکن اس کی سادگی، شرافت اور علم و فضل نے سب کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ جوان اور بوڑھے، سب لوگ اسے دوست تصور

کرتے تھے اور صرف تکےجان ھی ایک ایسا تھا جو اس کا مذاق اڑاتا رھتا تھا۔

عابدخان گزشتہ چند شاموں سے ماؤں کے گھر میں "الف لیلی" کی داستانیں سنا رھا تھا۔ اس روز چائے کے بعد اول‌جان کی درخواست پر اس نے تین نابیناؤں کی سنسنی‌خیز داستان شروع کی لیکن ایک گھڑسوار کی آمد نے جسے ان لوگوں نے آتے ھوئے کھڑکی سے دیکھا تھا، اس داستان میں خلل ڈال دیا۔

"بھلا کون ھو سکتا ھے؟"

"جو بھی ھو، یقیناً بہت عجلت میں معلوم ھوتا ھے!"

پیغام رساں جمعہ‌گل کمرے میں داخل ھوا۔

مختصر صاحب سلامت کے بعد اس نے ایک روز قبل توق‌پام‌بیت میں ھونےوالی لڑائی کا بڑی تفصیل سے نقشہ کھینچنا شروع کر دیا۔ اس نے اس میں خود جو کردار ادا کیا تھا اس کا ثبوت اس کے بائیں رخسار کی خراشوں سے مل رھا تھا۔ اس نے بلند آواز میں بولتے ھوئے تاکہ زرہ بھی سن سکے، بوجیئی کے مارے پیٹے جانے کا قصہ مزہ لے لےکے سنایا اور اپنی مسرت کو چھپانے کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔

زرہ اس قصے کو سننے کے بعد نیری سے جمعہ‌گل کی طرف مڑی اور اس سے کہا کہ وہ ایک بار پھر سنائے۔ آخر اسے یقین ھو گیا کہ اس نے جو کچھ سنا وہ ٹھیک ھی تھا تو اس نے تند و تیز لہجے میں کہا:

"بوجیئی ھمارے قبیلے کے دانشمند سرداروں کے سلسلے کی آخری لڑی ھے۔ تم سب کے پاس ضمیر نام کی تو کوئی چیز سرے سے باقی ھی نہیں رھی! اور تم فضول کی بک بک کرنےوالے آدمی، آخر اس قسم کی باتیں بچوں کی موجودگی میں کیوں چیخ چیخ‌کے بیان کر رھے ھو؟"

شاید اس وجہ سے کہ سب لوگ بوجیئی کو ایک باعزت اور باوقار شخص کی حیثیت سے جانتے تھے یا پھر شاید اس وجہ سے کہ بوڑھی ماں کے تحکمانہ انداز گفتگو نے ھمیشہ کی طرح اس وقت بھی اثر دکھایا، سب لوگ احساس ندامت کے ساتھ خاموش ھو گئے۔ صرف تکےجان نے اپنے باپ کے اقدام پر اظہار پسندیدگی کیا۔

"انہیں معلوم تو ہو گیا کہ ہم لوگوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا! جہاں تک بوجیئی کا تعلق ہے تو وہ اسی کے مستحق تھے!"

اول‌جان نے سرد مہری سے اس کی طرف دیکھا۔

"بہتر ہوگا کہ تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو! بوجیئی کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہی کیا کم خراب ہے؟" اس نے کہا۔

جمعہ‌گل کے ساتھ ساتائے نام کا ایک بوڑھا گلےبان بھی آیا تھا۔ پہلے تو وہ خاموشی سے بیٹھا سب لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ پھر وہ بھی بات‌چیت میں شریک ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ اس روز دوپہر کو جبکہ وہ چراگاہوں پر گیا ہوا تھا تو اس نے بوجیئی، بائےدالی اور دوسروں کو دیکھا تھا۔ مجموعی طور پر کوئی دس افراد رہے ہوں‌گے۔ یہ لوگ کینگیربائے کی قبر کے پاس اپنے گھوڑوں سے اترے اور کافی دیر تک پہاڑی پر کھڑے رہے تھے۔ اس نے بتایا کہ ان لوگوں کے ساتھ سفر کرنےوالے ایک بانکے نے ساتائے سے کہا تھا: "بوجیئی اور اس کے رشتےدار قونان‌بائے کی شکایت کرنے کے لئے قارقرالنسک جا رہے ہیں اور راستے میں اپنے مورث اعلا کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے ذرا دیر کو رک گئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی جمعہ‌گل کو اپنی آمد کے مقصد کا خیال آیا۔ دراصل قونان‌بائے نے اسے ابائی کو اپنے ساتھ لے آنے کو بھیجا تھا۔ قونان‌بائے بھی کل قارقرالنسک جانےوالا تھا اور اس نے بیٹے کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

کمرے میں تکلیف‌دہ خاموشی چھا گئی۔ یہ اطلاع سب کے لئے باعث پریشانی تھی۔

اگلے روز خاندان کے تمام ارکان ابائی کو اس کے طویل سفر پر رخصت کرنے کے لئے باہر نکلے۔ جمعہ‌گل دودھیا رنگ کے ایک گھوڑے کی لگام تھامے تیار کھڑا تھا۔ گھوڑے پر بڑی شاندار کاٹھی رکھی ہوئی تھی جس پر چاندی کے پتر جڑے ہوئے تھے۔

ابائی رخصت ہونے کے لئے سب سے پہلے زرہ کے پاس گیا۔

"خدا حافظ، دادی اماں" اس نے اس کا چھوٹا سا مرجھایا ہوا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

زرہ نے اپنا چہرہ اس کی پیشانی سے ٹکا دیا۔

"خدا تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ تمہارا سفر پرمسرت ہو ابائی، میرے جگر کے ٹکڑے!"

دوسروں سے ابائی محض "قوش قوش!" کہہ کے رسمی انداز میں رخصت ہوا۔

اول‌جان، ابائی کے گھوڑے کے پاس کھڑی تھی اور اس کی لگام جمعہ‌گل سے لےکے خود پکڑ لی تھی۔

"میرے پاس آؤ" اس نے بیٹے کو پکارا۔ "تمہیں خوش‌قسمتی نصیب ہو" اس نےکہا اور گھوڑے پر چڑھنے میں اس کی مدد کی۔

ابائی نے اپنے لبادے کے دامن سمیٹے اور روانہ ہونے ہی کو تھا کہ اول‌جان اپنی لمبی پتلی انگلیاں گھوڑے کے ایال پر رکھ دیں۔

"میرے بیٹے" اس نے کہا۔ "زیادہ عمر کے لوگ اکثر امن کو ترک کرکے لڑائی جھگڑے میں الجھ جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جہاں تک حریفوں کا تعلق ہے ان کی خاک کے گولے بھی دشمن ہوتے ہیں لیکن تمہیں خود کو ان باتوں سے الگ رکھنا چاہئے۔ بوجےکین سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کی عزت کرنا اور ہمارا سلام پہنچانا۔ ہم نے رشتےدار کی حیثیت سے ہمیشہ ان کی عزت کی ہے۔ اس قصے میں کون غلطی پر ہے، کون نہیں ہے، اس کا فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔ اپنے والد کی دشمنیوں کو ان کے لئے چھوڑ دو۔ خود تم کو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔"

ابائی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ وہ بار بار مڑ مڑکے پیچھے دیکھتا رہا جہاں اس کے رشتےدار اس پر نظریں جمائے، اب بھی کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے کانوں میں ماں کے الفاظ گونج رہے تھے اور بوجیئی کی شخصیت اس کے لئے بہت عزیز ہو گئی تھی۔ اب وہ ایک ایسا شخص تھا جسے ابائی کی تمام ہمدردیاں حاصل تھیں۔

۴

ابائی اور اس کے باپ کو قارقرالنسک پہنچے ہوئے کافی دن ہو چکے تھے۔ سردیاں شروع ہو چکی تھیں اور زمین پر برف کسی دبیز قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ مکان ایک مہمان‌نواز تاتار تاجر کی ملکیت تھا جو قزاخوں کو پسند کرتا تھا۔

آغا سلطان متعدد رشتےداروں اور نوکروں کے ساتھ قصبے میں قیام کے لئے آیا تھا جو پاس پڑوس کے مکانوں میں مقیم تھے۔

ابائی کا جی اپنے باپ کے مکان میں اوبنے لگتا تو وہ جی بہلانے کے لئے دوسروں کے مکانوں میں چلا جاتا۔ اس روز جبکہ دھوپ پھیلی ہوئی تھی، اس نے چائے کے بعد میباسر کے یہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ قرب و جوار کی پہاڑیاں برف سے ڈھکی اور سردیوں کی گہری نیند میں کھوئی ہوئی تھیں۔ قصبے کے مضافات میں صنوبر کے چھریرے درخت برف کے ڈھیروں میں دھنسے ہوئے تھے اور پہاڑ سفید سمور کی ٹوپیاں پہنے ہوئے بوڑھوں جیسے معلوم ہوتے تھے۔

باد شمال برائے نام ہی چل رہی تھی۔ اس کے باوجود یہ خاصا سرد دن تھا۔ ابائی نے لومڑی کے سمور کی ٹوپی نیچے کھینچ کے کانوں کو آرام‌دہ انداز سے ڈھکا تو اسے دادی اماں کی یہ نصیحت یاد آئی کہ ٹوپی کے کانوں کو ڈھکنےوالے پٹوں کو اچھی طرح باندھنا کبھی نہ بھولنا۔ اس نے ابائی کو آگاہی دیتے ہوئے کہا تھا: "بہرے ہونے سے خراب اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ دیکھ رہے ہو نا، مجھے کتنی پریشانی ہوتی ہے۔" اس نے سوچا کہ دادی اماں جانے کس حال میں ہوں‌گی۔ "شاید برف کے ہر طوفان کے دوران، ہر سرد دن وہ میرے بارے میں سوچ سوچ‌کے فکرمند ہوتی ہوں‌گی" اس نے اپنے آپ سے کہا اور جیدےبائے میں مقیم ان افراد کا خیال آتے ہی جو اسے بےحد عزیز تھے، وہ گھر کی یاد سے تڑپ اٹھا۔

جمی ہوئی برف کی اوپری سطح اس کے قدموں کے نیچے چرمراتی تھی اور اس کے تنگ پنجے کے نئے بوٹ برفیلی سڑک پر بار بار پھسل جاتے تھے۔ دیکھنے میں اب وہ لڑکا نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ نوجوانوں جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پر سیاہ مخمل اور لومڑی کے سمور کی ٹوپی تھی۔ معمر افراد لومڑی کے پنجوں کی کھال کی ٹوپی پہنا کرتے تھے اور توبیق‌تی نوجوانوں نے ادھر کچھ دنوں سے خود کو ان سے ممیز کرنے کے لئے لومڑی کی پیٹھ کی کھال کی ٹوپیاں پہننے لگے تھے۔ وہ رواج کے بموجب نقرئی سفید تاروں کی جھلک رکھنےوالے سیاہ مخمل کے ڈھیلے لبادے کے نیچے گلہریوں کی کھال کا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ آستینیں زیادہ لمبی نہیں تھیں۔ ڈھیلی ڈھالی لمبی آستینوں‌والے لبادے صرف قارقرالنسک کے قزاخ ہی پہنا کرتے

تھے۔ ان کے کالروں کی کاٹ بھی توبیق‌تی باشندوں کے لبادوں کے کالروں کی کاٹ سے مختلف ہوا کرتی تھی اور ان کی سمور کی ٹوپیاں چھ کے بجائے چار پہلوؤں کی ہوتی تھیں۔ توبیق‌تی نوجوان چمڑے کی پیٹی کے بجائے نیلے کپڑے کے پٹکے باندھتے تھے۔

راستے میں ابائی کی ملاقات اپنے قبائلی گروہ کے بہت سے قزاخوں سے ہوئی جن میں سے زیادہ‌تر گھوڑوں پر سوار تھے اور قونان‌بائے کے مکان کو جا رہے تھے۔ وہ اتکامنیر تھے جو مختلف عرضیوں اور مدعیوں کے ساتھ قصبے کو آئے تھے اور جنہیں صبح سے شام تک آغا سلطان کے مکان پر بیٹھے رہنا تھا۔

میباسر کے مکان کے احاطے میں ایک کھلے سائبان کے نیچے بہت سے لوگ اکٹھا تھے۔ یہ وہ توبیق‌تی قبائلی تھے جو قونان‌بائے سے الگ دوسرے مکانوں میں رہتے تھے۔ یہاں کوئی اجنبی موجود نہیں تھا۔ مجمع صرف قبیلے کے لوگوں اور جان پہچان‌والوں پر مشتمل تھا اور ان میں سے زیادہ‌تر لوگ سن‌رسیدہ تھے۔ ان کے درمیان طویل قامت اور سرخ و سفید میباسر اپنے شانوں پر سفید میمنے کی کھال کا لبادہ ڈالے کھڑا ہوا تھا۔

چار نوجوان بانکے ایک چوڑی چکلی پیٹھ والی چار سالہ گھوڑی کو زمین پر گرا رہے تھے۔ دراصل میباسر قارقرالنسک میں قونان‌بائے کے قیام کے پہلے ھی دن سے ارغیزبائے سردار کے لئے تحفوں کے طور پر موٹی تازی بھیڑیں بچھیڑے بچھیڑیاں اور عمدہ گوشت کے دوسرے مویشی اکھٹا کرتا رہا تھا اور اب دوستوں کی ضیافت کے لئے ایک موٹی گھوڑی ذبح کی جانے‌والی تھی۔

قارقرالنسک آتے وقت راستے میں بھی اور خود قصبے کے اندر بھی تمام ارغیزبائیوں کا پرتپاک خیرمقدم کیا گیا تھا اور فیاضی کے ساتھ خاطر مدارات کی گئی تھی چنانچہ قصبے میں اکٹھا ہونے‌والے ارغیزبائے قبائلی قونان‌بائے کے بہت شکرگزار تھے کیونکہ ان کی یہ ساری آوبھگت اسی کے دم سے تھی۔

"مرزا کا یہ سفر خاص طور سے کامیاب رہا" قونان‌بائے کے بھائی جقیپ نے کہنا شروع کیا۔

"اور ضیافت دینے کی وجہ بھی تو کتنی معقول ھے! کتنی شاندار مسجد ھے!"

"قارقرالنسک میں تو ایسی آب و تاب کبھی دیکھی ھی نہیں گئی" دوسروں نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

ابائی اس مسجد کے متعلق قصبے کے لوگوں اور خود اپنے باپ سے بہت کچھ سن چکا تھا۔ اس کا سنگ بنیاد گزشتہ سال رکھا گیا تھا اور عمارت کی تعمیر قونان‌بائے کی فراھم کی ھوئی رقوم سے ھوئی تھی جس کے نتیجے میں اسے سارے علاقے میں عزت و احترام کی نگاھوں سے دیکھا جانے لگا تھا۔ آج قارقرالنسک کی یہ پہلی اور واحد مسجد، عبادت کے لئے وقف کی جانےوالی تھی اور قصبے کے ملا لوگ اور قبائلی گروھوں کے سردار اس خانۂ خدا کی تعمیر کے سلسلے میں قونان‌بائے کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔

دو روز قبل قونان‌بائے سے خود 'مام، ملا حسن سراتاؤ ملنے آیا تھا جو قزاخوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

"آپ عام لوگوں سے ترقی کرکے خان بن گئے ھیں" امام نے کہا تھا۔ "قرآن میں مسجد کو "خانۂ خدا" قرار دیا گیا ھے۔ آپ نے ان بےخبر اور غیرروشن خیال لوگوں کے درمیان خانۂ خدا کی تعمیر کی ھے۔ آپ کو خالق حقیقی کی خوشنودی حاصل ھوگی!"

اس کے بعد امام نے اتکامنیروں کی موجودگی میں قونان‌بائے کو دعائیں دی تھیں اور آغا سلطان نے اپنی اس تعریف و توصیف کے معقول صلے کے طور پر امام کی روانگی سے قبل اسے سواری کے لئے ایک گھوڑا اور ایک اونٹ نذر کیا تھا۔

ابائی اچھی طرح دیکھ رھا تھا کہ اس کا باپ دوسرے تمام اتکامنیروں سے کہیں زیادہ طاقتور اور بااثر ھے۔ وہ بڑے تجسس کے ساتھ ھر چیز کا جائزہ لیتا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا تھا کہ آخر اس کے باپ کو یہ رتبہ کیسے حاصل ھوا ھے لیکن وہ باپ کے ساتھ جتنا زیادہ وقت گزار رھا تھا، جتنا زیادہ اس کے اقدامات کو دیکھ رھا تھا، اتنا ھی زیادہ اس کا باپ اس کے لئے معما بنتا جا رھا تھا۔

ذبح کی جانےوالی گھوڑی کا گوشت باورچی‌خانے کو لے جایا گیا۔ قصبے میں دوسری جگھوں پر ٹھہرے ھوئے توبیقتی قبائلی بھی وولوست سربراہ کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے آ گئے اور مکان کے احاطے میں خاصی بھیڑ اکٹھا ھو گئی۔ میباسر اپنے قبیلےوالوں کو گھر کے اندر لے جا رھا تھا اور مہمان اپنی جگھوں پر بیٹھنے کے لئے

تیار تھے مگر اتنے ھی میں باھری گیٹ کو تیزی سے کھولتے ھوئے فونان‌بائے کا پیغام رساں قراباس اندر آیا۔

وہ بڑی عجلت میں معلوم ھوتا تھا۔

"الشےکین* جلد ھی یہاں پہنچنےوالے ھیں! لوگ کہتے ھیں کہ الشےکین چل پڑے ھیں اور راستے میں ھیں" اس نے میباسر اور جقیپ سے کہا: "مرزا بلا رھے ھیں۔ جلدی چلئے!"

میباسر نے جلدی جلدی بھیڑ کی کھال کا لبادہ پہنا اور جقیپ اس کے ساتھ چلنے کو تیار ھو گیا۔ ابائی رکنا چاھتا تھا لیکن میباسر نے اس سے کہا:

"ابائی، تم ھم لوگوں کے ساتھ چلو! وہ تمہارے ھونےوالے خسر ھیں اور تمہیں چل‌کے انہیں سلام کرنا چاھئے!" وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

قونان‌بائے نے دو سال قبل الشین‌بائے کی پوتی دلدا کے لئے ابائی کا پیغام دےکر اس سے اپنی دوستی کچھ اور مستحکم کر لی تھی اور اس طرح الشین‌بائے ابائی کا ھونےوالا دادیا خسر بن گیا تھا۔

الشین‌بائے جس کا علاقے کے قبائلی سردار بہت زیادہ احترام کرتے تھے، قونان‌بائے کے قارقرالنسک میں قیام کے دوران اس سے متعدد بار ملاقات کرتے آ چکا تھا۔ ابائی نے کبھی نہیں سنا تھا کہ کوئی اسے خالی "الشین‌بائے" ھی کہے۔ اس کا تذکرہ تو ھمیشہ "الشےکین" کہہ کر کیا جاتا تھا۔ اس کے جرگے کا نام قراکوک تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دلدا جس سے ابائی کی منگنی ھوئی تھی بہت ھی قدیم اور معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور ایسی بیوی کے لئے زبردست جہیز** کا مطالبہ کیا جاتا تھا چنانچہ قونان‌بائے کے گروہ سے گھوڑوں اور اونٹوں کے جھنڈ کے جھنڈ الشین‌بائے کے گروہ کو پہنچائے جا چکے تھے۔ اسی شادی کے امکان اور شاید بعض دوسرے اسباب سے بھی دونوں رھنما ایک دوسرے کے جگری دوست بن چکے تھے۔ اسی لئے میباسر اور جقیپ کو جیسے

---

* الشےکین — الشین‌بائے کا نام احترام سے لینے کی ایک شکل۔

** جہیز۔ قدیم رسم کے بموجب قزاخوں میں یہ جہیز لڑکےوالے دیا کرتے تھے۔

ھی الشین‌بائے کی آمد کی اطلاع ھوتی، وہ اس کی آنکھوں کے اشاروں پر ناچنے لگتے۔

میباسر اپنے بھتیجے کو اس کی ھونےوالی بیوی کے مسئلے پر چھیڑنے کا کوئی بھی موقع ھاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"کتنا شاندار خسر تم کو ملنےوالا ھے! ارے میاں، علاقے کے سب سے بڑے اور اھم آدمی ھیں وہ تو! کیا مجال جو ان تک عام لوگوں کی رسائی ھو سکے۔ ان کے آنے پر تمہیں سر جھکاکے تعظیم دینی چاھئے۔"

اس قسم کے مذاقوں ھی کی وجہ سے ابائی ھر ممکن کوشش کرتا تھا کہ الشین‌بائے سے ملاقات کی نوبت نہ آئے لیکن دو روز قبل قونان‌بائے اور الشین‌بائے نے اسے بلوایا تھا اور آخرالذکر نے اس کے ضرورت سے زیادہ شرمیلے ھونے پر نکتہ چینی کی تھی۔ ابائی اب خود کو مکمل طور پر بانکا تصور کرتا لیکن اپنے خسر کی موجودگی میں بری طرح گھبراھٹ کا شکار ھو جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی کوشش رھتی تھی کہ اس کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ دراصل الشین‌بائے اسے پسند بھی نہ تھا اور بےشمار مذاقوں اور اس کے ھونےوالے ساس سسر کے مسلسل تذکرے اور "شادی"، "دلھن" اور "دولھا" کے الفاظ پر بار بار زور دئے جانے کا نتیجہ یہ ھوا تھا کہ اسے خود دلدا کے تصور سے بھی نفرت سی ھو گئی تھی۔

لیکن اس وقت جبکہ وہ چاروں قونان‌بائے کے گھر کی طرف جا رھے تھے، میباسر نے ابائی کو سنجیدگی سے دیکھتے ھوئے کہا:

"دیکھو بھئی، میں تم سے ھنسی مذاق کے بغیر ایک بات کہنا چاھتا ھوں اور بچوں کی طرح سے ناک بھوں نہ چڑھانا! تم بڑے ھوکے اچھے خاصے آدمی بن چکے ھو اور اب تمہیں سمجھنا چاھئے کہ ھم لوگ زیادہ گھوڑے اور اونٹ الشین‌بائے کے یہاں بلاسبب ھی نہیں بھجوا رھے ھیں۔ نئی مسجد عبادت کے لئے کھل جائےگی اور تعطیلات ختم ھوں‌گی تو ھم زیادہ سنجیدگی سے اس معاملے پر بات کریں‌گے۔"

"اباجان نے شاید شادی میں جلدی کرنے کا فیصلہ کیا ھے۔ اس بار وہ شادی کرکے ھی رھیں‌گے۔" ابائی نے دل ھی دل میں سوچا اور اس کے چہرے سے تشویش جھلکنے لگی۔ اسے یہ تو معلوم نہیں تھا کہ سبب کیا ھے لیکن شادی کے تصور سے اسے کچھ عجب نفرت سی

محسوس ہوتی تھی۔ دلدا کا نام ہی بندھن اور فرض کی علامت معلوم ہوتا تھا۔

اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور آنکھوں میں غصے سے چمک پیدا ہو گئی۔ بس یہی وہ طریقہ تھا جس سے وہ اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر سکتا تھا۔ چچا کی بات کی تردید کرنے کے لئے جرأت ہی کہاں تھی۔

قونان بائے کے مکان پر پہنچ کے چاروں گیٹ کے اندر داخل ہوئے۔ احاطے میں گھڑسواروں سمیت بہت سے لوگ موجود تھے اور فضا غیرمعمولی طور پر پرشور تھی۔ چاروں طرف مقدمے باز اور مدعی پانچ پانچ دس دس کے گروہوں میں کھڑے بحثوں میں الجھے ہوئے تھے۔ بار بار ایک ہی جیسے الفاظ سنائی دے رہے تھے: "وولوست سربراہ، بائے... تحقیقات، فیصلہ... شرائط، جرمانہ... جرم، صلح، جھگڑا..." ان میں سے زیادہ تر لوگ جیسا کہ چوغوں سے اندازہ ہوتا تھا، بوشان قبائلی تھے۔ ویسے توبیق تی قبائلیوں کو بھی ان کے مخصوص لباس سے پہچانا جا سکتا تھا اور بھیڑ کی کھال کے لبادوں اور چھجے دار ٹوپیوں کے ساتھ کیریئی قبائلیوں کو بھی۔

ابائی تو چاہتا تھا کہ وہیں احاطے میں گھومتا پھرتا رہے لیکن اس کے ساتھی سیدھے مکان کے اندر چلے گئے۔ جقیپ نے جو آگے تھا، دروازہ کھولا اور چاروں نے اندر داخل ہو کے ایک ساتھ سلام کیا۔

کشادہ، روشن کمرہ عجیب عجیب ڈیزائنوں والے شوخ رنگ کے قالینوں سے سجا ہوا تھا۔ دیواروں پر شہر کے رواج کے مطابق سمور کے قیمتی کوٹ، کڑھے ہوئے مصلے اور ایسے کپڑے لٹکے تھے جن پر عربی رسم الخط میں ضرب الامثال اور اقوال درج تھے۔ کمرے کی دیواروں سے لگے ہوئے دھات کے چمچماتے پلنگ بچھے تھے جن پر تکیے ڈھیر تھے۔ سرسراتے ہوئے ریشمی پردے پارٹیشن کا کام دے رہے تھے اور دروازوں اور کھڑکیوں پر بھی قیمتی پردے لگے ہوئے تھے۔ قونان بائے اور الشین بائے ایک نیچی لیکن خاصی کشادہ چوکی کے قریب بچھے ہوئے گدوں پر نرم گاؤ تکیوں کی ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دونوں نے اندر داخل ہونے والوں کے سلام کا جواب، کسی گرمجوشی کے بغیر، ہونٹوں کی محض ہلکی سی جنبش سے دیا۔

نو وارد، میزبان اور مہمان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے تو

الشین‌بائے نے جو کچھ کہہ رہا تھا، اپنی بات جاری رکھنے سے قبل، خاموش ہو کے قونان‌بائے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ آخرالذکر نے اشارہ کیا کہ وہ کسی اندیشے کے بغیر اپنی بات جاری رکھ سکتا ہے۔

الشین‌بائے سفید داڑھی، سرخ و سفید چہرے اور بھاری بھرکم جسم کا آدمی تھا۔ اس نے بیش‌میت* کے اوپر لومڑی کی کھالوں کا لبادہ پہن رکھا تھا جو یوں ہی لاپروائی کے انداز میں شانوں پر جھول رہا تھا۔ چھوٹی سی لوہے کے رنگ کی قزاخی ٹوپی جو اس کے سر پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھی، اس کے گنجےپن کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔

"بائےمورین بھی مطمئن نہیں ہے" الشین‌بائے نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ناراض ہے اور اپنی ناراضگی پر پردہ نہیں ڈال پا رہا ہے۔"

قونان‌بائے نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی لیکن الشین‌بائے نے بڑے انہماک سے اسے دیکھتے ہوئے اضافہ کیا:

"وہ یہ کہتا ہے "لوگوں کی رائے ہے کہ بوجیئی میرا مہمان ہوگا تو قونان‌بائے ناراض ہو جائیں گے" لیکن سوال یہ ہے کہ توبیق‌تی لوگ میرے کھانے کے پیالوں کے کب سے مالک ہو گئے؟"

"کیا بائےمورین نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ اس نے بوجیئی کی طرف‌داری کرنے کا کیوں فیصلہ کر لیا ہے؟" قونان‌بائے نے سختی سے پوچھا۔

ابائی کو معلوم تھا کہ وہ لوگ کاھے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ دراصل دو روز قبل اس کے باپ نے الشین‌بائے سے اپنی طویل بات‌چیت کے دوران بوجیئی کے خلاف بڑے دھمکی‌آمیز انداز میں کہا تھا: "بہتر ہوگا کہ وہ میرے خلاف اپنی شکایت کو واپس لےلے۔ وہ ایسا نہ کرےگا تو میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں‌گا جب تک اسے سفید کفن پہنا کر بہت ہی دور دراز نہ بھیج دیا جائےگا!" قونان‌بائے اور بوجیئی کے درمیان مصالحتی بات‌چیت اور طنز‌ بھرے مزاحیہ فقروں کا تبادلہ الشین‌بائے اور بائےمورین کی وساطت سے ہوتا تھا۔ ان میں سے آخرالذکر قارقرالنسک کے نہایت ہی ممتاز

---

* بیش‌میت — ہلکا ریشمی یا سوتی لباس۔

قزاخوں میں سے ایک تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ الشین‌بائے اس وقت قونان‌بائے کو اس کے مخالفین کی تازہ‌ترین سرگرمیوں سے مطلع کرنے آیا تھا۔

قونان‌بائے کو عرصے سے معلوم تھا کہ بائے‌مورین، بوجیئی کی حمایت کر رہا ہے اور الشین‌بائے کے الفاظ نے اس کے شکوک کی تصدیق کر دی لیکن اسے بائے‌مورین کی خاک بھی پروا نہ تھی۔ وہ اس کا خاص دشمن بھی نہ تھا اور سوچتا تھا کہ وہ ناراض ہے تو رہا کرے۔ بائے‌مورین کی ناراضگی کے متعلق فکرمند ہونا اس کا نہیں، الشین‌بائے کا کام ہے اور خود الشین‌بائے بھی اپنے ہم‌قبیلہ بائے‌مورین کے سوال پر شاید ہی قونان‌بائے سے جھگڑا مول لیتا۔ دونوں سرداروں کے رشتے خاصے مستحکم تھے جو گزشتہ چند برسوں کے دوران بار بار مختلف آزمائشوں پر پورے اتر چکے تھے۔ مجوزہ شادی اور باہمی دوستی ان کے نزدیک قبائلی رشتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی تھیں۔

"ارے بھئی، تم نے جو دھمکی دی ہے اس کے سلسلے میں پہلے بوجیئی کا جواب تو سن لو" الشین‌بائے نے ذرا دیر کی سنجیدہ خاموشی کے بعد کہا۔ "دوسری باتوں پر ہم لوگ بعد میں تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔ اس نے یہ کہا ہے: "سفید کفن مرزا کا نہیں خدا کا بنایا ہوا ہے اور ہمیں دیکھنا ہے کہ اسے پہننا کس کی قسمت میں لکھا ہے" یقیناً کوئی شخص اس کو اکسا رہا ہے۔ چاہے بائے‌مورین ہو، چاہے کوئی اور۔"

بوجیئی کے سرکشی سے بھرے ہوئے الفاظ سن‌کر میباسر اور جقیپ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے جیسے وہ کہہ رہے ہوں: "وہ تو خود ہی مصیبت مول لے رہا ہے" ابائی خود بھی تمام دن سوچتا رہا تھا کہ الشین‌بائے کے ذریعے بوجیئی کو جو پیغام بھجوایا گیا ہے اس کا جانے وہ کیا جواب دے‌گا اور اب اس کا جواب سن‌کر اسے بھی خاص حیرت ہوئی۔ "ان الفاظ میں جانے کتنی نفرت کوٹ کوٹ‌کے بھری ہے!" وہ سوچے بغیر نہ رہ سکا۔ "اور بوجیئی بھی کتنا بہادر ہے!"

قونان‌بائے ذرا دیر تک خاموش رہا۔ وہ اپنے سر کو پیچھے کی طرف کچھ جھکائے ہوئے اپنی واحد آنکھ کی بےحس نگاہ سے اپنے سامنے کی طرف دیکھے جا رہا تھا اور اس کا زرد خشمگیں چہرہ

کچھ اور بھی زیادہ مکروہ نظر آنے لگا تھا لیکن اس کے اندر ھی اندر جو ھلچل مچی ھوئی تھی، اس کا اس نے ایک بھی لفظ، حرکت یا آواز سے اظہار نہ ھونے دیا۔

الشین‌بائے نے نگاھیں پھیر لیں۔ دراصل قونان‌بائے کے چہرے پر اس وقت جو کیفیت طاری تھی اس سے وہ خود بھی کسی حد تک فکرمند ھو گیا تھا۔

ھر شخص خاموش تھا۔ اتنے میں قراباس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ھوا۔

"مائیر* آ گئے ھیں، مرزا" اس نے اطلاع دی۔

قونان‌بائے نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ آخر دروازہ کھلا اور بھاری بھرکم میجر اندر آیا۔ سوکھا سہما، زرد رنگت اور بکرے جیسی داڑھی‌والا قزاخ ترجمان قاسقہ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

میجر نے قونان‌بائے اور الشین‌بائے سے مصافحے کئے لیکن ان کے پاس فرش پر نہ بیٹھا بلکہ کمرے میں موجود اکیلی کرسی لےکے قونان‌بائے کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر خشخشی زردی مائل داڑھی تھی اور بڑی بڑی نیلی آنکھیں ذرا بھینگی سی معلوم ھوتی تھیں۔ گدی پر گہرے سرخ رنگ کے گوشت کی موٹی موٹی تہیں سی پڑی ھوئی تھیں۔

قزاخ لوگ آپس میں بات‌چیت کے دوران ان "مائیروں" کے نام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے حلیے اور وضع قطع کی بنیاد پر ان کے فرضی نام رکھ چھوڑے تھے۔ مثلاً "مچھندر مائیر"، "موٹو مائیر" وغیرہ۔ چیچک کے داغ‌والے ایک افسر کا نام ان لوگوں نے "کارن‌کریک (corn-crake) ** مائیر" رکھ چھوڑا تھا۔

قونان‌بائے کے کمرے میں داخل ھونے‌والے اس "مائیر" کی شکل و صورت کی بنا پر اس کے بھی متعدد نام رکھ لئے گئے تھے۔ کچھ لوگ اسے "بھینگی آنکھوں‌والا مائیر" کہتے تھے کچھ "گھنے

---

* مغربی سائبیریا میں زیادہ‌تر زارشاھی افسران فوجی تھے اس لئے قزاخ انہیں عموماً "میجر" کہا کرتے تھے جو بگڑکے "مائیر" ھو گیا تھا۔

** اناج کے کھیتوں میں رھنے‌والے پرندے "کارن کریک" کے انڈوں کی طرف اشارہ جن پر چھوٹے چھوٹے داغ پڑے ھوتے ھیں۔

بالوں‌والا مائیر" یا "توندیل مائیر"۔ قونان‌بائے اور الشین‌بائے اس کو خاصا کندذهن تصور کرتے تھے۔ اس لئے وہ دونوں اسے "پیس‌کن‌باس مائیر" کہتے تھے یعنی "ابلے ہوئے سروالا میجر"۔

قارقرالنسک "دوان" (قزاخ لوگ ضلعے کو "دوان" اور ضلعے کے سربراہ کو "دوان کا سربراہ" کہا کرتے تھے) کے سربراہ قونان‌بائے اور میجر دونوں ہی تھے۔ قونان‌بائے کو سربراہ اور میجر کو اس کا نائب تصور کیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر قونان‌بائے کو آغا سلطان کا خطاب ملا ہوا تھا۔ جونیر سلطان جو ضلعے کے سربراہوں میں تیسری حیثیت رکھتا تھا، ان دنوں وہاں موجود نہیں تھا۔

میجر، بوجیئی کے معاملے میں قونان‌بائے سے ملنے آیا تھا۔ ارغیزبائے سردار بوجیئی کے جواب سے سخت برہم تھا اور میجر کی آمد اس کی خواہش کے عین مطابق تھی۔ اس نے ادھر ادھر کی رسمی باتوں پر وقت نہ ضائع کیا۔

"بھئی مائیر، آپ کے آبا و اجداد توبیق‌تی قبیلے کے نہ تھے لیکن ایسا لگتا ہے کہ آپ کو یہاں، قارقرالنسک میں ایک رشتےدار مل گیا ہے۔ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ بوجیئی کو جلا وطن کر دیا جانا چاہئے اور اس طرح یہ مسئلہ حل ہو جائےگا؟ لیکن آپ خواہ مخواہ معاملے کو طول دے رہے ہیں اور یہ قصہ کسی پرانی بیماری کی طرح گھسٹتا چلا آ رہا ہے۔ آخر بات کیا ہے؟ وہ آپ کے جگر میں سما گیا ہے کیا؟ یا یہ کہ آپ کا رشتےدار بن گیا ہے؟* آخر آپ کو اس سے اتنی ہمدردی کیوں پیدا ہو گئی ہے؟"

اس نے اپنی واحد آنکھ سے سختی کے ساتھ میجر کی طرف دیکھا اور آخرالذکر نے اپنے ترجمان پر سوالیہ نظر ڈالی۔

قاسقہ دہشت‌زدہ ہوکے کبھی ایک اور کبھی دوسرے کو دیکھنے لگا۔ ایک طرف تو اس کو جتنے روسی الفاظ آتے تھے وہ قونان‌بائے کی باتوں کا ترجمہ کرنے کے لئے ناکافی تھے اور دوسری طرف اسے ایک سربراہ کے غصے سے بھرے ہوئے الفاظ کو دوسرے سربراہ تک پہنچاتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ آخر وہ اپنی اس ہچکچاہٹ

---

* ایک ناقابل ترجمہ جگت — یہاں قزاخی زبان کا لفظ "باؤر" استعمال کیا گیا ہے جس کے دو معنی ہوتے ہیں: "جگر" اور "رشتےدار"۔

میں احمقانہ انداز سے مسکراتے ہوئے اپنی انگلی سے نمدے پر لکیریں کھینچنے لگا۔ اس سے چپ چاپ بیٹھا ہی نہیں جا رہا تھا۔

قونان‌بائے برس پڑا:

"کیا عجب ترجمان ہے! ارے بھئی، جو کچھ میں نے کہا ہے بالکل ٹھیک ٹھیک ان سے کہہ دو نا! اور یہ دم ہلانےوالی چڑیا جیسی اضطراری حرکتیں ختم کرو!"

اس تقابل پر میباسر کو ہنسی آ گئی لیکن قونان‌بائے کی ایک نگاہ نے اسے خاموش کر دیا۔ ابائی بھی اپنے باپ کے جملے سے خاصا لطف اندوز ہوا: دراصل ترجمان کچھ اتنا بوکھلا گیا تھا کہ وہ واقعی ریت پر پھدکتی ہوئی اس ننھی چنچل چڑیا جیسا نظر آنے لگا تھا۔

آخر قاسقہ نے دھیرے دھیرے لیکن درستی کے ساتھ، قونان‌بائے کی کہی ہوئی بات کا ترجمہ کر دیا لیکن میجر ذرا بھی پریشان نہ ہوا اور اس نے کسی عجلت کے بغیر بلند اور پرسکون آواز میں وضاحت کی:

"ہمیں اقتدار اس لئے نہیں دیا گیا ہے کہ جن سے ہماری لڑائی ہو جائے ان سے بدلہ لیتے رہیں۔ بوجیئی یرالینوف نے بہت سی شکایات کی ہیں۔ ہمیں ان کا جائزہ لینا چاہئے۔ اور پھر وہ اکیلا تھوڑی ہے، بہت سے لوگ اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ اس وقت تو ہم اسے جلاوطن نہیں کر سکتے۔"

اس کے بعد گرما گرم بحث چھڑ گئی جس میں ایک نے دوسرے کو اپنی باتوں سے قائل کرنے کی کوشش کی۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم دونوں ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہیں؟ اسی چکر میں ہیں نا آپ؟"

"یہ محض میری ذاتی رائے ہی نہیں ہے" میجر نے جواب دیا۔ "سابق آغا سلطان قوس‌بیک اور جمان‌تائے کی بھی یہی رائے ہے۔ بائےمورین بھی جسے الشین‌بائے جانتے ہیں، میری ہی طرح سوچتا ہے۔"

"لیکن ان لوگوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ بس مٹھی بھر لوگ تو ہیں! وہ اقلیت میں ہیں! وہ تو محض رشک وحسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ میرے ساتھ ہیں۔ آپ خود اس بات کا اندازہ نہیں لگا پا رہے ہیں کیا؟"

"اقلیت میں ہیں؟ خیر، اقلیت ہی میں سہی مگر اس سے کیا

ہوتا ہے؟ یہ نہ بھولئے کہ قانون زار نے بنایا ہے اور اس قانون کی نگاہ میں سب کو مساوی حیثیت حاصل ہے۔ گواہان موجود ہیں اور ہمیں سننا چاہئے کہ آخر وہ کہتے کیا ہیں۔"

"اور آپ جج ہوں گے! یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپ بدمعاشوں کی حمایت کرتے ہیں تو وہ اور بھی زیادہ بےغیرت ہو جاتے ہیں!"

"قونان‌بائے مرزا، یہ الزام ایک دودھاری تلوار ہے جو دونوں طرف کاٹ کرتی ہے۔"

"میں آپ کی چال سے واقف ہوں!"

"آغا سلطان، آپ اپنے کو بھولتے جا رہے ہیں! ہم دونوں کی تقرری کور* کی طرف سے ہوئی تھی" میجر نے کہا۔

اس نے اپنا پائپ جلایا، کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور غصے میں بھرا ہوا کمرے میں ٹہلنے لگا۔

الشین‌بائے نے دیکھا کہ اب اس کے بیچ براؤ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ دونوں سربراہوں نے اپنی تکرار اسی انداز سے جاری رکھی تو صحیح معنوں میں جھگڑے کی نوبت آ جائےگی جس کا وہ قطعاً خواہاں نہ تھا۔ وہ حالات کو کوئی ایسا رخ نہیں اختیار کرنے دینا چاہتا تھا جو قونان‌بائے اور خود اس کے لئے بھی مضر ثابت ہو۔ اس وقت تک تو وہ میز پر کہنی ٹکائے بالکل خاموش بیٹھا تھا لیکن اب اس نے تیزی سے سر اٹھایا۔

"ارے بھئی مرزا! ارے مائیر صاحب! آپ لوگ ذرا ہوش میں آئیے نا!"

الشین‌بائے کی صرف قونان‌بائے ہی نہیں، میجر بھی عزت کرتا تھا جو ماضی میں مختلف اہم مسائل پر اس سے صلاح ومشورہ کر چکا تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس سے ان دونوں کے تعلقات میں کشیدگی کی نوبت آتی۔ ویسے تو الشین‌بائے کو سرکاری طور پر کسی نوعیت کے اختیارات حاصل نہیں تھے لیکن وولوست سربراہوں بلکہ خود آغا سلطان تک کے انتخابات میں، وہ ایک فیصلہ‌کن قوت کی حیثیت رکھتا تھا اور میجر سے یہ حقیقت ڈھکی

---

* قزاخی، گورنر جنرل کے دفتر کو اسی نام سے پکارتے تھے۔

چھپی نہ تھی۔ چنانچہ الشین‌بائے کی مداخلت پر اس نے کمرے میں غصے سے لمبے لمبے ڈگ بھرنے کا سلسلہ روک‌کے خشمگیں نگاھوں سے قونان‌بائے کو دیکھا۔ آخرالزکر بھی الشین‌بائے کے الفاظ سے متاثر معلوم ھوتا تھا۔

میجر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ خرخراھٹ کے ساتھ گھری گھری سانسیں لے رھا تھا جیسے سانس لینے میں دقت محسوس کر رھا ھو۔

"بھئی، آپ لوگ دوان کے سربراہ ھیں۔ آپس میں اس طرح کیسے لڑ جھگڑ سکتے ھیں؟" الشین‌بائے نے کہنا شروع کیا۔

ترجمان نے میجر کی طرف جھکتے ھوئے تیزی سے روسی زبان میں الشین‌بائے کے الفاظ دوھرائے۔

"آپ دونوں کو تو ایک دوسرے کی حمایت کرنی چاھئے۔ مل جل‌کے رھئے‌گا تو آپ لوگ منصفانہ انداز سے حکومت چلا سکیں‌گے۔ باھمی نفاق کی صورت میں دوان پر آپ کی حکمرانی بھلا کیسے چل سکے‌گی؟ آپ کا لڑنا تباہ‌کن ثابت ھوگا۔ آپ کو تو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاھئے۔ کسی بات پر اختلاف رائے ھو تو لوگوں سے مشورہ کیجئے۔ کم از کم میری تو یہی رائے ھے" اس نے اپنی بات ختم کی اور اسے یہ دیکھ‌کر اطمینان سا ھوا کہ دونوں کا غصہ تھوڑا تھوڑا ٹھنڈا پڑ چلا ھے۔ "جہاں تک بوجیئی کا تعلق ھے" اس نے قونان‌بائے پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتے ھوئے پھر کہنا شروع کیا۔ "تو قونان‌بائے مرزا، میں اسی کے سلسلے میں یہاں آیا ھوا ھوں۔ مائیر، کیا آپ اپنے فیصلے کو شام تک ملتوی رکھ سکتے ھیں؟ کیا اس معاملے کو اس وقت تک ٹال سکتے ھیں؟ ھاں یا نہیں میں صاف صاف بتائیے!"

اس مرحلے پر قراباس باھری کمرے سے ایک اونچی بڑی سی صراحی میں قمیز لے‌کے اندر آیا۔ میباسر، ابائی اور دوسروں نے خاموشی سے میزپوش بچھایا اور شوخ رنگوں کے نقشی پیالے ھر ایک کے سامنے رکھ دئے۔ میباسر نے دنبے کی سینگ کے ایک لمبے چمچے کو قمیز میں ڈال‌کے پھینٹا لیکن اس گاڑھے دودھ میں جو چمڑے کی مشک میں رکھے جانے کی وجہ سے کچھ زردی مائل ھو رھا تھا، جھاگ نہ اٹھا، بس یونہی ھلکورے کھاکے رہ گیا۔ مزید پیالے بھی لائے گئے جن

میں تلے ہوئے سنبوسے رکھے تھے۔ گرم گرم گوشت کی پلیٹیں بھی آئیں لیکن یه عام طور پر استعمال کئے جانےوالے تلے ہوئے قیمے کی نہیں، بلکه گردے کی تھیں جو قونان‌بائے کو بہت پسند تھا اور جسے وہ قمیز پیتے وقت کھایا کرتا تھا۔

الشین‌بائے اپنی بات پوری کر چکا تو قونان‌بائے نے اس سے اور میجر سے مخاطب ہوتے ہوئے مختصراً کہا:

"اب ہمیں کچھ کھانا چاھئے۔ سب لوگ اپنے اپنے پیالے اٹھائیں!"

پھر اس نے دعا پڑھکے منہ پر ہاتھ پھیرے۔ دراصل جب سے مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تھی اور قونان‌بائے ملاؤں اور اماموں کے ساتھ رہنے لگا تھا، تب ھی سے وہ بہت خداترس اور پاکباز ہو گیا تھا۔ اسے عربی کے الفاظ تو نہیں آتے تھے لیکن تمام رسوم ادا کیا کرتا تھا، دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتا تھا اور "بسم الله" کہنا کبھی بھی نہیں بھولتا تھا۔

الشین‌بائے کی باتوں میں کھانے پینے کی چیزوں کی آمد سے خلل پڑ گیا تھا لیکن اب اور کہنے کو کچھ تھا بھی نہیں۔ الشین‌بائے نے مسئلے کو حل کرنے کی ذمےداری سنبھال لی تو میجر بھی مزید بحث مباحثے کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا که کوئی ناخوشگوار صورت‌حال پیدا ہو گئی تو وہ سوچے‌گا که کیا کرنا چاھئے۔ فی‌الحال تو معامله الشین‌بائے کے ہاتھوں میں تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو" اس نے الشین‌بائے سے کہا۔ "مجھے پوری طرح اتفاق ھے مجھے انتظار رہےگا۔"

گفتگو کا رخ دوسری باتوں کی طرف مڑ گیا۔ میجر نے قمیز پر توجه مبذول کی اور تابڑتوڑ پانچ پیالے چڑھا گیا۔ اس نے کچھ گردہ بھی کھایا۔ اس کے بعد رخصت ہو گیا۔ ترجمان بھی اس کے پیچھے پیچھے ھی چلا گیا اور دسترخوان بڑھا دیا گیا۔

اس کے جاتے ھی قونان‌بائے نے اس خیال کا اظہار کرکے جی ہلکا کیا جو اسے تمام وقت پریشان کرتا رہا تھا۔

"ایسا لگتا ھے که اس "ابلے ہوئے سر" والے کا پیٹ رشوتوں سے ٹھونس‌کے بھر دیا گیا ھے۔ تم نے دیکھا که اسے کس طرح

سکھایا پڑھایا گیا ہے؟ بائےمورین کے ذریعے بوجیئی اور بائیسال نے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر دیا ہے۔"

الشین‌بائے کا بھی یہی خیال تھا لیکن وہ ذرا کچھ زیادہ گہرائی تک دیکھ رہا تھا اور اس کے ذہن میں ایک نیا شک کروٹیں لینے لگا۔ وہ ذرا دیر تک بیٹھا غور و خوض کرتا رہا۔

"میرے عزیز قونان‌بائے" آخرکار اس نے کہنا شروع کیا۔ "تم نے کبھی کوئی ایسا افسر بھی دیکھا ہے جو رشوت نہ قبول کرتا ہو؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جو کچھ انہیں ملتا ہے سب ہڑپ کر جاتے ہیں، ہر چیز کو ٹڈیوں کی طرح چاٹ جاتے ہیں؟ لیکن محض رشوت ہی اس مسئلے کا خراب‌ترین پہلو نہیں..."

پھر الشین‌بائے نے اس موضوع کو چھیڑا جس کے متعلق باتیں کرنے کے لئے وہ قونان‌بائے کے پاس آیا تھا۔ اس کی پیشانی پر عام طور پر نظر آنےوالی شکنیں اس وقت کچھ اور گہری ہو گئیں جب اس نے اپنی آنکھوں کو بھینچ کے تنگ کرتے ہوئے کہا:

"تمہارے تمام اقدامات اور اُن کے نتائج کو میں دور کھڑے رہ‌کر دیکھتا رہا ہوں۔ میرے والد کہا کرتے تھے کہ کھیل کو تماشائی، کھلاڑی سے بہتر طور پر دیکھ سکتا ہے۔ یہ بالکل سچ بات ہے اور میں تم سے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ توبیق‌تی جرگے کے لئے اپنا کھیل ختم کر دینے کا وقت آ چکا ہے۔ ایسا نہ کیا گیا تو توبیق‌تیوں کے لئے حالات خاصا خراب رخ اختیار کر سکتے ہیں۔"

قونان‌بائے چونک پڑا اور اسے تشویش لاحق ہو گئی۔

"الشےکیھہ!" وہ پکار اٹھا۔ "استیپیوں میں بوجیئی اور بائیسال میرے پاؤں پکڑے ہوئے تھے اور یہاں دوان میں یہ لوگ میرا گلا پکڑ لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد تم خود ہی بتاؤ کہ میں اس جھگڑے میں اپنا سب کچھ کیوں نہ جھونک دوں؟"

الشین‌بائے نے بڑی بےصبری کے ساتھ اپنا بایاں ہاتھ بلند کیا۔

"بےشک، تم اگر لڑائی کو جاری رکھنا چاہتے ہو تو اپنا سب کچھ اس میں جھونک دوگے، لیکن وہ لوگ بھی تو کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں‌گے۔ مائیر کو نہ بھولو! اور پھر ان لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جو بائےمورین کی طرح معمولی افواہوں اور ہتک‌آمیز بہتان‌تراشیوں کو پھیلائیں‌گے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان لوگوں نے

اس بات کو پوری طرح تسلیم کر لیا ہے کہ آغا سلطان کا عہدہ ان سے ہمیشہ کے لئے چھن گیا ہے؟ دراصل یہ لوگ ہر موڑ پر تمہیں زیر کرنے کے لئے گھات لگائے بیٹھے رہے ہیں اور اب ان کو تمہیں گدی سے کھینچ اتارنے کا یہ موقع مل گیا ہے۔ ذرا اس پہلو پر بھی ٹھیک سے غور کر لو! کسی ایسے مقدمے سے جس میں تمہارا نام بھی ملوث ہو، کوئی اچھا نتیجہ برآمد ہونے سے رہا۔"

بات قونان‌بائے کی سمجھ میں آ گئی۔ میجر اور الشین‌بائے دونوں جانتے تھے کہ دو بڑے جرگوں کا یہ تنازعہ ذاتی دشمنی پر مبنی ہے۔ ایسے میں اس بات کی ضمانت کون دے سکتا تھا کہ کوئی شخص یہ سوال نہ اٹھائےگا کہ آغا سلطان قونان‌بائے کو بوجیئی کے پڑاؤ پر حملہ کرنے اور لوگوں کو رسیوں سے باندھنے اور کوڑے لگانے کا بھلا کیا اختیار تھا؟ اس بات کا کس کو یقین ہو سکتا تھا کہ معاملات میں نہایت ہی ناپسندیدہ اور ناخوشگوار موڑ نہ پیدا ہو جائےگا؟ جہاں تہاں آگ سلگ ہی رہی تھی: "بوجیئی کی شکایت"... "ہمیں اس معاملے کی جانچ کرنی چاہئے"... "گواہان موجود ہیں" — اور یہ سب جملے اسی آگ کی چنگاریاں ہی تو تھے۔

قونان‌بائے نے اپنے رفیق کو سنجیدگی سے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے اس کا دوست اپنے دل کی بات کہہ لے۔ الشین‌بائے نے بھی جواباً اس کی طرف دیکھا لیکن پرسکون انداز سے۔

"مسجد آج پایۂ تکمیل کو پہنچ جائےگی" اس نے معنی‌خیز انداز سے کہا۔ "اس کے نتیجے میں تمہارا وقار دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ تمہارا نام ہر ایک کی زبان پر ہے۔ بہت سے لوگ تم پر رشک کرتے ہیں۔ ان میں کور اور میجر سب سے نمایاں ہیں۔ تم خود ہی اس جھگڑے کو ختم کر دوگے تو تمہاری عزت کو کوئی بٹا نہ لگےگا۔ ہر شخص سمجھ جائےگا کہ تم نے اپنے دشمن کو معاف کر دیا ہے اور تم خود کو دنیاوی معاملات کے بوجھ سے ہلکا کرنا چاہتے ہو، کیونکہ تم مسجد کو عبادت کے لئے کھولے جانے کی تقریب کے سلسلے میں مصروف ہو جیسے قرآن میں خانہ خدا کہا گیا ہے۔ تیرے رشتے‌دار کو تیرا دشمن نہ ہونا چاہئے، بھئی، تم بوجیئی کو اجنبیوں سے بغلگیر ہونے پر مجبور نہ کرو، اس سے صلح کرنے کی کوشش کرو۔"

قونان‌بائے دیر تک غور و فکر میں کھویا رہا۔ اس نے سوچا کہ الشین‌بائے جیسا شخص صلح کا مطالبہ کر رہا ہے تو آدمی کو انکار کرنے سے قبل اچھی طرح سوچ لینا چاہئے۔ وہ بہرحال قارقرالنسک علاقے کے سب سے بااثر بائیوں میں ایک ہے۔ پورے کے پورے قبیلے اپنے لڑائی جھگڑوں اور شکایات کے تصفیے کے لئے اس کے پاس آتے ہیں اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تورہ قوس‌بیک کو آغا سلطان کے عہدے سے اسی وقت ہٹایا گیا تھا جب اس کا الشین‌بائے سے جھگڑا ہو گیا تھا؟

نوبیق‌تی قبیلہ قارقرالنسک علاقے میں کسی بھی اعتبار سے سب سے زیادہ طاقتور یا سب سے زیادہ افراد پر مشتمل نہ تھا اور قونان‌بائے، الشین‌بائے کی دوستی کے نتیجے ہی میں آغا سلطان منتخب ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ بوجیئی سے اپنا موجودہ جھگڑا جاری رکھے‌گا تو بوجیئی مغلوب ہو جانے کے بعد بھی اسے پریشان کرنا ترک نہ کرے‌گا۔ صورت حال کچھ اسی نوعیت کی ہے۔ اور اگر یہ سوچا جائے کہ کس نے کس کے ساتھ زیادتی کی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ خود اسی نے بوجیئی کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ بھلا بوجیئی نے اس کے خلاف ایسی کون‌سی زیادتی کی ہے؟ اس نے کچھ بھی تو نہیں کیا! اب ان حالات میں الشین‌بائے صلح کرانا چاہتا ہے تو اسے راضی ہی ہونا پڑے‌گا لیکن اس کے اس فیصلے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ وہ اپنے رویے کو بالکل بدل ہی دے، فوراً ہی آمادگی ظاہر کر دے۔

الشین‌بائے کے سوا کسی اور نے تجویز رکھی ہوتی تو آغا سلطان کبھی بھی اتنی تیزی کے ساتھ فیصلہ نہ کرتا لیکن صلح صفائی کا مطالبہ تو الشین‌بائے کر رہا تھا اور قونان‌بائے کے پس وپیش کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

"الشے‌کیہہ" اس نے کہنا شروع کیا۔ "تم ایک ایسے شخص کی طرح باتیں کر رہے ہو جو معاملے کے مختلف پہلوؤں پر پہلے ہی غور و خوض کر چکا ہے۔ تم دوست کی حیثیت سے مشورہ دے رہے ہو۔ میں اس کی قدر نہ کر سکا تو ساری ذمے‌داری مجھ ہی پر عاید ہوگی۔ میں اپنے راستے سے ہٹنے‌والا نہیں تھا لیکن بھلا میں تمہاری حکم‌عدولی کرکے ضد اور سرکشی کے ساتھ، اپنے موجودہ راستے پر کس طرح گامزن رہ سکتا ہوں؟ مجھے خدا پر اور تم پر

بھروسہ کرنا ہوگا۔ مہربانی کرکے اب اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لو اور جس طرح چاہو حل کر دو۔"

بات‌چیت ختم ہو گئی اور الشین‌بائے اپنے قیام کی جگہ کو چلا گیا۔

ابائی، بوجیئی کے حالات بہتر ہونے کے امکانات سے کچھ اتنا زیادہ خوش ہوا کہ دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی، الشین‌بائے کو ایک طرح سے پسند کرنے لگا۔ نفرت کے آگے کو نکلے ہوئے دانت، اندر سمٹ کے رہ گئے تھے اور دنیا میں امن کی پرحرارت اور پرمسرت ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔

وہ اداسی کے لمحات ہی میں نہیں، مسرت کے لمحات میں بھی تنہا رہنا پسند کرتا تھا۔ اس لئے اس روز شام کو وہ قصبے میں اکیلے گھومنے پھرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

ابھی اس نے تین چار سڑکیں ہی پار کی تھیں کہ باتیں کرتے اور ہنستے ہوئے لوگوں کی خاص بھیڑ سی اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ ان میں سے وہ کسی کو بھی جانتا پہچانتا نہ تھا لیکن ان کے پیدل چلنے کی بنا پر اس نے اندازہ لگایا کہ وہ قصبے کے لوگ تھے۔ ان میں جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی، اور ہر ایک کچھ اتنا خوش و خرم تھا، کچھ ایسے دوستانہ رویے کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ ابائی کو ان لوگوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ وہ مسکرایا اور سڑک کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ یہ لوگ اپنے لانگ‌بوٹوں سے برف پر چرمراھٹ کی آوازیں پیدا کرتے ہوئے اس سے کافی قریب آ گئے لیکن کسی نے بھی ٹھہرکے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ بہرحال اب اس نے ان لوگوں کے درمیان ایک سن‌رسیدہ شخص کو دیکھا۔ وہ بھی ہنس رہا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ اس کی باتوں سے لوگ خوش ہو رہے ہیں۔

لیکن آخر لوگ اس شخص کو اپنے ساتھ اس عجیب انداز سے، اس طرح دونوں جانب سے سہارا دئے ہوئے کیوں لئے جا رہے تھے؟ اور آخر وہ اپنے سر کو اس طرح کیوں بلند کئے ہوئے تھا، جس سے بات کرتا تھا اسے دیکھنے کے لئے کبھی مڑتا کیوں نہیں تھا؟ ابائی نے ذرا قریب سے دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ بوڑھا شخص نابینا ہے۔

ابائی بھی اس ھجوم میں شامل ھو گیا، جیسے که دوسرے راھگیر یا اپنے دروازوں پر کھڑے ھوئے لوگ شامل ھوئے جا رھے تھے۔

ایک معمر شخص جس کی داڑھی سفید ھو چلی تھی، اوروں سے ذرا کچھ پیچھے رہ گیا۔

"یه بوڑھا کون ھے؟" ابائی نے اس سے پوچھا۔

"ارے تم نے کبھی شوجےکین کو دیکھا ھی نہیں کیا؟ اسے نہیں جانتے ھو کیا؟ ارے میاں یه شوجے ھیں شوجے، مغنی شاعر!"

ابائی اس مشہور مغنی شاعر کے متعلق سن چکا تھا لیکن دیکھنے کا موقع کبھی نہیں ملا تھا۔ اب وہ لپک‌کے آگے بڑھا تاکه اسے بہتر طور پر دیکھ سکے۔

"شوجےکیہه" ایک مقامی بوڑھے نے مغنی سے کہا۔ "آپ ھمارے قصبے میں ابھی ابھی آئے ھیں۔ ھمارے یہاں کی خبریں بھی سنیں؟"

"نہیں تو۔ بھئی کچھ بتاؤ نا که یہاں کیا واقعات پیش آئے ھیں؟ لوگ کاھے کے متعلق باتیں کر رھے ھیں؟"

بتانے کو بہت کچھ تھا۔ قونان‌بائے جس مسجد کی تعمیر کرا رھا تھا وہ مکمل ھو چکی تھی۔ قانان‌بائے اور الشین‌بائے کی طرف سے اس مبارک موقعے پر ضیافت ھونےوالی تھی۔ یه افواھیں بھی گشت کر رھی تھیں که قونان‌بائے، بوجیئی سے صلح کرنے کا ارادہ کر رھا ھے۔

ابائی کو بڑی حیرت ھوئی: اسے کب توقع تھی که اس جگه اپنے باپ کا نام سننے کو ملےگا "مسجد کا معامله تو خیر دوسرا ھے" اس نے سوچا۔ "لیکن ایسا لگتا ھے که لوگوں کو اباجان کی ساری مصروفیتوں کا علم ھے۔ اور تو اور لوگ ان کے لڑائی جھگڑوں تک کی خبر رکھتے ھیں!"

"الشین‌بائے کسی سے بھی صلح کرا سکتا ھے!"

"ارے بھئی، اسے ڈر جو ھے که قونان‌بائے ھر ایک سے یونہی الجھتا رھا تو اپنے عہدے سے برطرف کر دیا جائےگا۔"

"یه بھی تو سوچو که توبیق‌تی قبیلے کو یه عزت اس کی وجه سے نہیں تو اور کس کی وجه سے نصیب ھوئی ھے؟ ان لوگوں کی ساری آن بان اسی کے دم سے تو ھے! توبیق‌تیوں کو تو صرف اسی کا شکرگزار ھونا ھے!"

"ظاھر ھے که الشین‌بائے ان لوگوں کی حمایت کرتا ھے!"

"سو تو ھئی! اور تویبقتی لوگ گلے کے سب سے موٹے تگڑے مویشیوں کو ھڑپ کئے جا رھے ھیں، دکانوں کی تمام بھترین چیزیں لئے لے رھے ھیں!"

"دیکھ لینا جب تک یہ لوگ علاقے کے سارے موٹے تگڑے گھوڑوں کو نہ کھا جائیں گے، یہاں سے جانے کا نام نہ لیں گے۔"

شوجے نے جو ھلکی سی مسکراھٹ کے ساتھ یہ ساری باتیں سنتا رھا تھا، اچانک اپنی گونجتی ھوئی آواز میں گانا شروع کر دیا:

کانے پہاڑی کوے نے اور گنجے بلے نے
اک لنگڑے بوڑھے شخص سے یارانہ کر لیا
بولے: "ھمیں دعائیں دو، ھے تم کو اختیار!"
بلے نے دے دی کوے کو سب دولت عوام
کوے نے کرکے رکھ دیا ھر شے کو تارتار

سارے کے سارے لوگ قہقہے لگانے لگے اور کچھ افراد نے ان الفاظ کی برجستگی اور بوڑھے مغنی کی تیزفہمی پر حیرت‌زدہ ھوکر اپنی زبانوں سے کٹ کٹ کی آوازیں پیدا کیں۔

"گنجا بلا تو یقیناً الشین‌بائے ھے!"

"اور پہاڑی کوا ھے قونان‌بائے!"

"اور لنگڑا کون ھے، یہ تو سبھی جانتے ھیں!"

"ارے اس بوڑھے نے تو ایک ھی نظم میں ان سب کی خبر لے لی" چاروں طرف لوگ کہنے لگے۔

ابائی کا چہرہ سرخ ھو گیا اور اس نے اپنا منہ پھیر لیا۔ اس اثنا میں ایک مکان کے مالک نے باھر نکل‌کے شوجے کو اندر آنے کی دعوت دی۔ مجمع منتشر ھو گیا اور ابائی لمبے لمبے قدم اٹھاتا، وھاں سے چل دیا۔

شوجے کے گیت نے اسے بڑی تیزی سے متاثر کیا تھا اور وہ اب بھی اس کے کانوں میں گونج رھا تھا۔ اسے اس کے الفاظ یاد آئے اور اس نے بالکل غیرارادی طور پر اس گیت کو دوھرایا جس نے فوری طور پر دو پہاڑوں، الشین‌بائے اور قونان‌بائے کو گراکے زمین کے برابر کر دیا تھا۔

وہ شخص جسے "الشیرکین" کے سوا کسی دوسرے نام سے مخاطب کرنے کی کسی میں جرأت نہیں تھی، "گنجا بلا" بن گیا تھا۔ الشین‌بائے کے گنجے سر سے بھلا کون واقف نہیں تھا۔ اور اس کا باپ جو آغا سلطان تھا، پہاڑی کوا بن گیا تھا۔ کوا اور وہ بھی کیسا! وہ شخص جس کی دولت کا ٹھکانا نہ تھا، جو عظیم توبیق‌تی قبیلے کا حکمراں تھا، اس شکارخور پرندے کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا جو اپنی چونچ اور پنجوں سے ہر اس شے کو چیرے پھاڑے ڈال رہا تھا جسے عوام بہت عزیز رکھتے تھے!

تو یقیناً اس کا مطلب یہ تھا کہ دھرتی پر لفظوں سے زیادہ طاقتور اور کوئی بھی نہ تھا؟.. اسے ذہین اور ہوشیار قراتائے یاد آیا۔ "لفظ چٹان تک کو چیرتا ہوا اندر گھس سکتا ہے" اس نے کہا تھا۔

ابائی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے دنیا کو ہلا دینےوالی عظیم قوت کو دریافت کر لیا ہو۔ اسے نہ گرد و پیش کی خبر تھی، نہ راهگیروں کی۔ بس لمبے لمبے قدم اٹھاتا چلا جا رہا تھا۔

لیکن وہ ایک نکڑ پر مڑا تو اس کا تین گھڑسواروں سے سامنا ہو گیا۔ اس نے نظریں اٹھاکے دیکھا تو پتہ چلا کہ ان میں پہلا گھڑسوار بوجیئی ہے۔ اس کا زرد چہرہ لومڑی کی کھال کی ٹوپی کے نیچے کچھ مغموم سا لگتا تھا اور مونچھوں پر پالا چپکا ہوا تھا۔ بائیسال اور بائےدالی اس کے ساتھ تھے۔

ابائی بدحواس سا ہو گیا۔ قصبے میں اسے ابھی تک بوجیئی سے ملنے کا موقع نہیں حاصل ہوا تھا لیکن اس نے جلد ھی اپنے حواس درست کر لئے اور سڑک کے وسط میں کھڑا ہو گیا جیسے وہ گھڑسواروں کو روکنا چاھتا ہو۔ لوگوں نے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں۔ اس کے یوں اچانک سامنے آنے سے وہ یا تو حیرت‌زدہ ہو گئے تھے یا پھر اسے پہچان لیا تھا۔

ابائی نے بڑے ادب کے ساتھ دایاں ھاتھ اٹھاکے سینے پر رکھا اور بلند آواز سے سلام کیا:

"السلام علیکم!"

مدرسے میں اسے تعلیم کے دوران بتایا گیا تھا کہ امام کو اسی

انداز سے سلام کرنا چاهئے۔ غالباً اسے اپنی ماں کے وہ آخری الفاظ یاد آ گئے تھے جو اس نے اس کی قارقرالنسک کو روانگی کے وقت کہے تھے؟ لیکن نہیں، سلام کے یہ الفاظ تو از خود ھی اس کے منھ سے نکل گئے تھے۔

لڑکے کے اس غیرمعمولی طرز عمل سے بوجیئی کو حیرت ھوئی اور اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔

"وعلیکم السلام، میرے بیٹے" اس نے روایتی انداز میں جواب دیا۔

لیکن بائیسال نے ابائی کو پہچان لیا اور اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"تو یہ وہ ھے! چلو بھئی، چلیں!" وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگانے ھی والا تھا لیکن بوجیئی نے اسے روک دیا۔

"ذرا ٹھہرو تو۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے خیال میں مجھے اس شیطان کے بیٹے کے منھ سے سلام سن‌کے خوشی ھوئی ھے؟"

بائیسال نے ابائی کو نفرت بھری نگاھوں سے دیکھا۔

غصے سے ابائی کا چہرہ سرخ پڑ گیا، اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ وہ خود کو اس توھین کا مستحق نہیں تصور کرتا تھا چنانچہ اس نے دھکتی ھوئی آنکھیں بوجیئی کی طرف پھیریں۔

بوجیئی سمجھ گیا کہ لڑکے کے دل پر کیا بیت رھی ھے۔

"اچھا میرے بیٹے، سچ سچ بتانا۔ تمہارے باپ نے ھم لوگوں کو سلام کرنے کو کہا تھا یا تم نے خود اپنی مرضی سے ھمیں سلام کیا ھے؟"

"میرے والد کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے اپنی مرضی سے سلام کیا ھے۔"

ابائی پر یگانگت اور سکون کی اس خوشگوار کیفیت نے اب بھی جادو سا کر رکھا تھا جس کے ساتھ وہ اپنے باپ کے گھر سے روانہ ھوا تھا۔

قونان‌بائے نے ان لوگوں سے صلح کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کے متعلق بوجیئی یا بائیسال نے ابھی تک کچھ بھی نہیں سنا تھا۔ وہ

لوگ تو اس وقت الشین‌بائے کے یہاں جا رہے تھے جس نے انہیں بات‌چیت کے لئے مدعو کیا تھا۔ انہیں اس کی بھی خبر نہ تھی کہ الشین‌بائے کے یہاں کون‌سا معاملہ زیربحث آئےگا۔

"تم نے ہمیں اگر اپنے والد کی خواہش پر نہیں، خود اپنی مرضی سے سلام کیا ہے" بوجیئی نے پرسکون انداز میں کہا۔ "تو ذرا میرے قریب آ جاؤ تاکہ میں تمہیں دعائیں دے سکوں۔ میرے بیٹے، دراصل مجھے تمہاری آنکھوں میں خلوص کی جھلک نظر آ رہی ہے!"

بائیسال نے ایک بار پھر تیوریاں چڑھائیں اور بوجیئی نے اسے روکا نہ ہوتا تو وہ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا لے گیا ہوتا۔

"بھئی بائیسال، یہ نوجوان بہت ہی ہونہار معلوم ہوتا ہے" اس نے کہا اور ایک بار پھر ابائی سے مخاطب ہوا۔ "مستقبل کی ذمےداریاں تمہارے شانوں پر ہوں‌گی، میرے بیٹے۔ خدا تمہیں اپنے باپ کی سنگدلی کو چھوڑکر اور سب کچھ عطا کرے!" اور اس نے ابائی کے چہرے پر ہاتھ پھیرے۔

بوجیئی کی اس دعا کے وقت لڑکے کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی رہیں اور اس نے خود بھی دعا کے انداز میں اپنے ہاتھ اٹھا لئے۔ اس کے بعد اس نے منھ پر اپنے ہاتھ پھیرے۔

"اس لڑکے کی آنکھیں بالکل دھکتے انگاروں جیسی ہیں" وہ لوگ اپنے گھوڑوں پر چل کھڑے ہوئے تو بائےدالی نے بوجیئی سے کہا۔

ابائی سوچ میں ڈوبا ہوا دیر تک وہیں کھڑا رہا۔

وہ سوچنے لگا کہ ابھی ابھی جو کچھ ہوا ہے کیا وہ سب خلوص پر مبنی تھا؟ کیا بوجیئی کا رویہ اس کے خلوص کا آئینہ‌دار تھا؟ شاید وہ محض ترس کھا رہا ہو کیونکہ بائیسال نے اس کے متعلق سخت الفاظ کہہ دئے تھے۔ آخر بوجیئی پلک جھپکتے ہی میں اس کے دل کی باتوں کو، اس کے خیالات کو کیسے سمجھ گیا؟ وہ تو اسے ٹھیک سے جانتا تک نہیں! لیکن اس سے کیا ہوتا ہے، بڑے بوڑھے بہت تجربے‌کار اور عقل‌مند ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہیں دلوں کی گہرائیوں تک اتر جاتی ہیں۔ ابائی نے چلتے چلتے سوچا، بوجیئی کو اگر اس میں کوئی اچھائی نظر آئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے

که ابائی بہرحال اتنا برا نہیں ھے جتنا برا وہ خود کو تصور کیا کرتا ھے۔

ابائی نے اس واقعے کے متعلق جتنا زیادہ سوچا اتنا ھی زیادہ اس کی جوانوں جیسی خوداعتمادی میں اضافہ ھوتا گیا، اپنی نگاھوں میں خود اپنی عزت کچھ اور بڑھتی گئی۔ اسے ایسا لگ رھا تھا جیسے اس‌کا دل زبردست، طاقتور پروں پر آسمان کی بلندیوں کو اڑتا چلا جا رھا ھے۔

وہ دن دوسرے تمام دنوں سے کتنا زیادہ مختلف تھا! صبح کو اس کے باپ اور الشین‌بائے کی گفتگو نے اس کے دل پر نقوش چھوڑے، شام کو شوجے اور ھجوم سے تاثر قبول کیا اور اس وقت بوجیئی اور بائیسال کا سامنا ھوا جو ذرا ھی دیر قبل تاریکی میں نگاھوں سے اوجھل ھوئے تھے۔ قارقرالنسک میں، اس بھیڑوالے قصبے میں کتنی متضاد دنیائیں اکٹھا ھو گئی تھیں! اور ان کے درمیان کتنی وسیع پیمائش نہ کی جا سکنےوالی کیسی خلیج حائل تھی! یہ دنیائیں ایک دوسرے سے اتنی ھی دور تھیں جتنی کہ دھرتی کے سرے۔ ایک کے پاس طاقت تھی، دوسری کے پاس صلاحیت تھی اور تیسری کے پاس دل۔ آخر یہ تینوں دھارے آپس میں ضم ھوکے ایک کیوں نہیں ھو جاتے تھے؟ یہ لوگ متحد ھو جاتے، مل جل‌کے کام کرتے تو کیا کچھ نہیں ھو سکتا تھا؟

ابائی کے دل میں یہ خیال اچانک بڑی شدت کے ساتھ ابھرا اور اسے کچھ ایسا لگا جیسے اس سے قبل کبھی بھی کسی کے دل میں یہ خیال آیا ھی نہ ھو۔ "دانش، ارادہ..." "طاقت، شان، وقار..." کتابوں میں اس نے پڑھا تھا کہ ان چیزوں کے درمیان مسلسل ٹکراؤ کی سی کیفیت جاری رھتی ھے۔ اب اس ٹکراؤ کو اس نے اصلی زندگی میں دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک نئے نتیجے پر پہنچا: ان تمام خوبیوں کو ایک شخص میں مجتمع ھونا چاھئے۔

کتنے زیادہ اور کتنے مختلف‌المزاج تھے وہ لوگ جن سے وہ اس قصبے میں ملا تھا! کتنے زیادہ اور کتنے مختلف‌النوع تھے وہ خیالات جو یہاں اس کے دل میں آئے تھے! اس نے تو خود مشہور و ممتاز مغنی شوجے تک کو دیکھا تھا، اس کی باتیں اور اس کا نغمہ سنا تھا...

صلح صفائی کی بات‌چیت الشین‌بائے اور بائےمورین کے درمیان ہوئی لیکن ان کا فیصلہ عجب غیرمعمولی نوعیت کا تھا۔ انہوں نے دونوں حریفوں سے کہا:

"تم لوگوں کا مختلف قبائل سے تعلق ہوتا تو ہم تمہیں رشتےداری قائم کرنے کا مشورہ دیتے لیکن پہلے ہی سے تمہارے درمیان خون کا رشتہ قائم ہے۔ اس لئے تمہیں اس رشتے کو کچھ اور مستحکم کرنا چاہئے۔ بوجیئی کو چاہئے کہ وہ قونان‌بائے کے کسی بچے کو لےکر اس کی پرورش کرے۔ اسی بچے کی بنا پر تم دونوں میں میل محبت کو فروغ حاصل ہوگا۔"

ابائی کو اس خبر سے سخت حیرت بھی ہوئی اور وحشت بھی۔

۳

قونان‌بائے اور بوجیئی میں صلح ہو گئی۔

تین ہفتے بعد قونان‌بائے واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

روانگی کی خبر سے بوڑھوں اور جوانوں سب کو خوشی ہوئی. لیکن ابائی دوسرے تمام افراد کی بہ‌نسبت گھر پہنچنے کے لئے کہیں زیادہ بےتاب تھا۔ گزشتہ چند دنوں میں اس نے خوابوں میں بار بار اپنی ماؤں اور جیدےبائے پڑاؤ کو دیکھا تھا۔ ہر شخص بڑی لگن کے ساتھ روانگی کی تیاریاں کر رہا تھا، چاروں طرف ہنسی مذاق ہو رہے تھے، قہقہے بلند کئے جا رہے تھے۔ قارقرالنسک سے چنگیز کہساروں تک کا راستہ کسی بھی لحاظ سے مختصر نہ تھا اور اس سال دبیز برف کے باعث سفر خاص طور سے دشوار تھا۔ پہاڑیوں کی ڈھلانیں اور وادیاں دونوں ٹھوس جمی ہوئی برف سے ڈھکی تھیں۔ تیز بھیانک ہوائیں رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں۔ برف کے شدید طوفانوں کا سلسلہ کئی کئی دنوں تک رکے بغیر جاری رہتا جس سے جسم میں ڈنک مارتی ہوئی برف کے غبار کے بادل بلند ہوتے رہتے۔ ہوائیں برف کے ڈھیروں کو عجیب لہردار شکلوں میں بدلتی رہتیں اور مسافروں کے لئے کوئی واضح راستہ باقی نہ رہ جاتا۔

قونان‌بائے کا کارواں ترک سکونت کرنےوالے سارسوں یا دربدر منڈلاتے ہوئے خانہ بدوش قافلے کی طرح بہ‌دقت آگے بڑھ رہا تھا۔

قونان‌بائے ایک موٹے تازے، سنہرے رنگ اور سفید ایال‌والے تیز رفتار گھوڑے پر سوار کاروان کی قیادت کر رھا تھا۔ گٹھے ہوئے اور طاقتور جسم کا یہ گھوڑا دوسرے گھوڑوں کی طرح اپنا سر نہیں جھکاتا تھا اور سردیوں کے طویل سفر کے لئے قونان‌بائے اسی گھوڑے کو منتخب کرتا تھا۔

دن کے وقت وہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینے کی کوشش کرتا تھا لیکن جب وہ مختلف قبائل کے پڑاؤ پر آرام کرنے کے لئے ٹھہرتا تو وھاں سے جلد ھی آگے چل دینا مشکل ھوتا کیونکہ لوگ اس کو دیکھتے ھی تقریباً پوجنے جیسی عقیدت اور احترام سے پیش آتے تھے جیسے وہ مکہ شریف سے واپس آیا ھوا کوئی حاجی ھو۔

سارے قبائلی پڑاوؤں پر آق‌سقالوں، سرداروں اور کٹر مذھبی لوگوں کے ھونٹوں سے صرف ایک ھی بات، صرف ایک ھی لفظ سنائی دیتا تھا: "مسجد! مسجد!" بڑے بوڑھے نہایت خوشامدانہ انداز میں قونان‌بائے کو یقین دلاتے تھے: "آپ ایک معمولی قبیلے کے رکن سے ترقی کرکے خان بن گئے ھیں!" "لڑائی سے آپ کچھ اس انداز سے فارغ ھوئے ھیں کہ ایک خراش تک نہیں لگی!" "آپ کی حیثیت ایک زبردست نار* جیسی ھے جس کے گلے میں گھنٹیاں بج رھی ھوں!" لوگوں کی چاپلوسی کے چشمے خشک ھونے کا نام ھی نہیں لیتے تھے اور وہ آغا سلطان کو خوش کرنے کے لئے مسلسل اس کی تعریفوں کے پل باندھتے رھتے تھے۔

سردیوں میں بہت سے قبائلی گروھوں کے سردار مختلف تنازعوں کے سلسلے میں صلاح و مشورہ کے لئے قونان‌بائے سے ملنے قارقرالنسک آئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جنھیں اپنے دشمنوں سے پرانے جھگڑوں کا بدلہ لینے اور پرانے نقصانات کی تلافی کرنے کے معاملے میں قونان‌بائے نے مدد دی تھی۔ اب وہ ان لوگوں کے پڑاؤ پر پہنچتا تو ناگزیر طور پر صلاح و مشورے کے لئے الگ لے جایا جاتا۔ آگے بڑھنے لگتا تو اس کے قافلے میں گھڑسواری کے گھوڑوں

---

* نار — ایک کوھان کا اونٹ جو طاقت اور اقتدار کی علامت تصور کیا جاتا تھا۔

اور ذبح کرنے کے لئے کھلا پلاکے موٹی کی گئی گھوڑیوں کا اضافہ ہو جاتا جو اسے تحفے کے طور پر ملتے تھے۔

دو سیاہ، ایک سیاہی مائل سفید اور تین چار دوسرے گھوڑوں کی رسیاں قراباس اور بعض دوسرے افراد کے گھوڑوں سے بندھی ہوئی تھیں اور وہ ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ ان تحفوں پر پہلے تو ابائی کو سخت حیرت ہوئی لیکن اس مسئلے کو اس نے زیادہ اهمیت نہ دی مگر جیسے جیسے یہ لوگ توبیق‌تی علاقے کے قریب پہنچتے گئے ویسے ویسے تحفوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ قونان‌بائے کے قافلے میں شاید ھی کوئی ایسا شخص رہا ہو جو کسی گھوڑے کی رسی پکڑے اسے اپنے ساتھ نہ لئے جا رہا ہو۔ توبیق‌تی علاقے میں داخل ہوتے وقت تحفے کے طور پر ملنےوالے گھوڑوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ انہیں آگے آگے ایک گلے کی شکل میں ھنکاتے ہوئے لےکے چلنا پڑا۔

آغا سلطان کو اپنے سفر کے دوران ملنےوالی عزت و تعظیم کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا؟ اس لمحے قونان‌بائے کے پڑاؤ پر کوئی شخص بھیڑ کی مینگنیوں سے مستقبل کے متعلق پیش‌گوئی کر رہا ہوتا تو اس نے کہا ہوتا: "مسافروں کے پہلوؤں پر خاصا گوشت چڑھ گیا ہے اور وہ مال غنیمت سے لدے ہوئے ہیں۔" جیسے وہ لوگ قصبے سے نہیں بلکہ کسی ایسے دشمن کے علاقے سے واپس لوٹ رہے تھے جس کو انہوں نے بری طرح لوٹا تھا۔

سفر کے ساتویں روز قونان‌بائے اور اس کے ساتھی چنگیز کی مغربی ڈھلانوں پر پہنچ گئے۔ دراصل راستے میں رات بسر کرنے کے سوا وہ اور کہیں بھی نہیں ٹھہرا تھا۔ وہ لوگ تو دوپہر کا کھانا کھانے تک کو نہیں ٹھہرتے تھے۔

اس روز ان لوگوں نے تین بانکوں کو جا لیا جن کو آگے آگے چلنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ ابائی کو نہیں معلوم تھا کہ آخر انہیں دوسروں سے آگے آگے سفر کرنے کو کیوں بھیج دیا گیا تھا۔

ڈھلانوں پر تینوں گھڑسوار گھوڑوں کے ایک بہت بڑے گلے کو ھنکاتے ہوئے نظر آئے۔

"وہ رہے وہ لوگ" میباسر نے کہا۔

یقیناً وہ قونان‌بائے کے تینوں بانکے ھی تھے جو اپنے آگے آگے

تقریباً سو گھوڑوں کو ھنکائے لئے جا رھے تھے۔ صاف ظاھر تھا کہ ان گھوڑوں کا انتخاب بہت دیکھ بھال کے کیا گیا تھا کیونکہ سب کے سب بہت موٹے تگڑے اور بلند شانوں والے گھوڑے تھے۔

قونان‌بائے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھاکے ان گھوڑوں کو دیکھنے کے لئے گلے کے درمیان پہنچ گیا۔

اور تب ابائی کو کچھ اندازہ ھوا کہ حقیقت کیا ھے۔

"یہ کیسے گھوڑے ھیں؟ کون ھے ان کا مالک؟" اس کے قریب پہنچتے ھوئے پوچھا۔

"یہ تحفے ھیں۔ تحفے میں ملنے والے یہ گھوڑے تمھارے اباجان کے لئے ھیں۔"

"تحفے؟ آخر کیسے تحفے؟ دئے کس نے؟"

"ارے تم بھی بالکل بچے ھی ھو، کیا؟ تمھارے اباجان کی کوئی رعایا نہیں ھے کیا؟ تمھارے خیال میں آخر ان لوگوں کو ھوا کیا جو قصبے میں ان کے گرد بھیڑ لگائے رھتے تھے؟ انھوں نے ان لوگوں کی مدد کے لئے جو کوششیں کی تھیں ان کے بدلے میں انھیں کسی چیز کے حاصل کرنے کا حق نہیں ھے کیا؟ کیا انھیں ان لوگوں کے لئے کسی معاوضے کے بغیر بس یونہی کام کرنا چاھئے؟" قراباس کو ابائی کے سوال پر خاصی حیرت ھوئی۔

اس کے بعد ابائی نے کچھ اور نہ پوچھا کیونکہ اب اسے سب کچھ معلوم ھو چکا تھا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ کافی دنوں سے مقیم تھا لیکن اس کے دولت اکٹھا کرنے کے ذرائع کی طرف کبھی اس کا دھیان ھی نہیں گیا تھا۔

اسے شوجے کی یاد آئی۔ "بلے نے دے دی کوے کو سب دولت عوام، کوے نے کرکے رکھ دیا ھر شے کو تار تار..." اس کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھا مغنی اس کے باپ سے کافی دوری کے فاصلے پر رھتے ھوئے بھی قونان‌بائے کے بارے میں اس کے بیٹے کی بہ‌نسبت کہیں زیادہ جانتا ھے۔ یقیناً وہ قونان‌بائے کو بہت اچھی طرح سمجھتا ھوگا تب ھی تو اسے نہایت ھی موزوں طور پر پہاڑی کوے سے تشبیہہ دی تھی... "کتنی بھیانک بات ھے!" ابائی نے شرم کی آگ میں جلتے ھوئے سوچا اور اسے کچھ ایسا محسوس ھوا جیسے اس لمحے بھی بوڑھا مغنی اس کے بالکل پاس ھی کھڑا ھو...

گھڑسواروں کا یہ قافلہ پھر اپنی راہ پر چل پڑا تھا اور امید کی جاتی تھی کہ رات شروع ہوتے ہوتے قراشوقی میں قونان‌بائے کے پڑاؤ پر پہنچ جائےگا لیکن ابائی کے دل پر جو بوجھ تھا وہ دوستوں اور رشتےداروں سے ملاقات کے تصور سے بھی ہلکا نہ ہو سکا۔

وہ جتنا زیادہ سوچتا تھا اتنا ہی زیادہ اس کے باپ کی خفیہ چالیں اور بےایمانیاں اس پر روشن ہوتی جاتی تھیں۔ تو اسی طرح اکٹھا کئے ہوئے مویشیوں کے گلوں سے پچاس گھوڑے الشین‌بائے کے پڑاؤ پر بھیجے گئے تھے۔ ہونہہ جہیز! تو اس کی دلہن کے لئے الشین‌بائے کو دی جانےوالی رقم اور تحائف اس طرح سے اکٹھا کئے جا رہے تھے؟

لیکن ہو کیا رہا تھا؟ اس کے پرشباب خوابوں کی منور اور بےداغ دنیا کھو چکی تھی۔ "دلھن!" یہ ایک خوبصورت اور مقدس لفظ تھا لیکن اب یہ اپنے سابق معنوں سے محروم ہو چکا تھا۔ ابائی کے دل میں خود اپنے خلاف بھی اور دلدا کے خلاف بھی ناپسندیدگی کے جذبات ابلنے لگے۔ نہیں، یہ محض ناپسندیدگی ہی نہیں تھی۔ یہ تو اس سے زیادہ تیز جذبہ تھا، یہ تو غصہ تھا...

استحصال بالجبر، انتہائی قابل نفرت گناہوں میں سے ایک تھا، ایسا داغ جسے انسان کے دامن سے کبھی بھی دھویا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ بات اس نے مقدس کتابوں میں اکثر پڑھی تھی۔ یہی وہ گناہ تھا جس نے ماضی کے ایک مشہور بائے کینگیربائے کے نام کو ہمیشہ کے لئے داغدار کر دیا تھا۔ اس طرح کی دولت، قسمت کے آہنی جال میں پھنسے ہوئے کمزور اور بےبس لوگوں سے چھینے ہوئے نہایت ہی شرم‌ناک مال غنیمت کی حیثیت رکھتی تھی۔ ابائی نے سوچا کہ کیا اس "خانہ خدا" کی، اس مسجد کی جس نے قونان‌بائے کی شان و شہرت کو نقطہ عروج پر پہنچا دیا تھا، تعمیر بھی اسی طرح کی رقوم سے ہوئی تھی؟ رشوت کی رقوم سے تعمیر ہونےوالی مسجد آخر کھڑی کس طرح ہے؟ وہ شرم کے بوجھ سے منہدم کیوں نہیں ہو جاتی؟ کتنی ہولناک بات ہے کہ اس طرح کے گھر میں ملا بڑی پاکبازی کے ساتھ بخارا کے مخصوص طرز تلاوت میں بلند آواز سے قرآن‌خوانی کرےگا، خدا کے نام پر احکام الہی اور نبی کریم کی دوسری مقدس تعلیمات کے حوالے دےگا!..

وہ لوگ شام کے وقت کونکے کے پڑاؤ پر پہنچ ے ی ں . ں چے باپ کے ساتھ نہ ٹھہرا اور فوراً ھی جمعہ‌گل کے ساتھ جیدےبائے کے لئے روانہ ھو گیا۔ وہ وھاں پہنچنے کے لئے بےتاب تھا اور راستے بھر گھوڑے کو دوڑاتا رھا۔

رات ھوئے دیر ھو چکی تھی لیکن ابائی کی مائیں نہ ابھی سونے لیٹی تھیں، نہ ھی انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ اتنے میں دونوں گھڑسوار ان کی کھڑکیوں کے پاس سے گزرے اور کتوں نے انہیں پہچان‌کے اشتیاق سے بھونکنا شروع کر دیا۔

طویل قامت مرد جیسے نوجوان نے اندر داخل ھوکے انہیں سلام کیا۔ اس کے چہرے پر کسی مسافر کے چہرے کی طرح موسمی اثرات جھلک رھے تھے۔ اور وہ بڑے پروقار انداز میں مضبوطی کے ساتھ زمین پر قدم رکھ رھا تھا۔ اسے دیکھ‌کے گھر کے تمام لوگ باغ باغ ھو گئے۔

"ابائی!"

"ابائی‌جان!"

"میرے پیارے!"

"میرے جگر کے ٹکڑے، میرے سیاہ میمنے! ابائی‌جان!" اس کی ماں اور دادی اماں چلائیں۔ سب کے چہرے جوش مسرت سے تمتما رھے تھے۔

سب لوگ اچھے اور ٹھیک تھے۔ دادی اماں اور اول‌جان کی صحت خاص طور سے بہت اچھی معلوم ھوتی تھی۔ دونوں نے باری باری اسے لپٹاتے ھوئے اس پر بوسوں کی بوچھار کر دی۔ اوسپان بھی ابھی تک جاگ رھا تھا۔ وہ خوشی سے چیخنے اور اپنی رانوں پر ھاتھ مار مارکے اچھلنے کودنے لگا۔

"ھمارے لئے لائے کیا ھو؟ مٹھائیاں کہاں ھیں؟ لاؤ مجھے دو نا، مجھے دو نا!" وہ ابائی کو اپنی ماؤں، عابدخان اور تکےجان سے سلام تک کرنے کا موقع نہیں دے رھا تھا۔ آخر اس نے تیزی سے ابائی کے سینے کی جیبوں میں ھاتھ ٹھونس دئے۔

واپسی کے تقریباً ایک ھفتے بعد تک وہ ٹہلنے تک کے لئے گھر سے باھر نہ نکلا کیونکہ اسے اس بات کی خاص طور سے فکر تھی کہ کہیں اس کے باپ سے ملاقات نہ ھو جائے۔ جیدےبائے میں اطلاع آئی

تھی کہ قراشوقی میں زبردست مجمع اکٹھا ہے، کونکے کے پڑاؤ پر زبردست بھیڑ بھاڑ ہے کیونکہ مرزا کی صحت کے متعلق دریافت کرنے کے لئے بہت سے لوگ وہاں پہنچ گئے تھے۔

ابائی مسلسل کئی دنوں تک اپنی ماؤں اور عابدخان کو بتاتا رہا کہ اس نے قارقرالنسک میں کیا کیا دیکھا اور سنا۔ اس کی چھوٹی اماں آئی‌غیز بھی قصبے کی خبریں معلوم کرنے کے لئے ان لوگوں کے یہاں آ جاتی تھی۔

ابائی نے ان لوگوں کو بتایا کہ بوجیئی سے صلح ہو گئی ہے لیکن کسی بچےکو اس کے سپرد کرنے کے متعلق جو سمجھوتہ ہوا تھا، اس کے متعلق ایک لفظ بھی منھ سے نہ نکالا۔ یہ بھیانک فیصلہ کسی مستقل بوجھ کی طرح اسے پریشان کئے ہوئے تھا۔ اس نے سوچا: بہتر ہوگا کہ اباجان خود ہی اس کا تذکرہ کریں۔ وہ اپنے اندر اس مسرت کا سلسلہ ختم کرنے کی سکت نہیں پا رہا تھا جو اس کی آمد سے اس کی ماؤں کو ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ اس معاملے کے سلسلے میں انہیں کچھ بتا دےگا تو وہ لوگ رونے پیٹنے لگیں‌گی، سخت مایوس اور پریشان ہوں‌گی اور ان کے منھ سے ایسی باتیں بھی نکل جائیں‌گی جن پر بعد میں وہ پچھتائیں‌گی۔ بہتر ہے کہ وہ انہیں اذیت نہ پہنچائے۔

جیدےبائے آتے وقت راستے ہی میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس معاملے میں ان لوگوں کو کچھ نہ بتانا ہی بہترین طریقہ ہوگا اور اس نے اپنے ساتھی جمعہ‌گل سے بھی کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کسی کو کچھ نہ بتائے۔

پانچ دنوں کے بعد بوجیئی کی آمد کی اطلاع ملی۔

قونان‌بائے نے فوراً ہی قراباس کو جیدےبائے روانہ کیا۔

"مرزا نے آپ لوگوں کو سلام کہلوایا ہے" پیغام رساں نے زرہ اور اول‌جان سے کہا۔ "کل یہاں بہت سے مہمان آئیں‌گے۔ اس اجتماع اور بوجیئی سے قطعی مصالحت کے لئے بڑے گھر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بوجیئی اور بائیسال یہاں آئیں‌گے۔ مرزا نے آپ لوگوں سے مہمانوں کے شایان شان خیرمقدم کی تیاریاں کرنے کو کہا ہے۔"

اول‌جان اس خبر سے ذرا بھی نہ گھبرائی۔ اس نے آئی‌غیز کی مدد سے دن ختم ہوتے ہوتے ہی تمام تیاریاں مکمل کر لیں۔ اس نے

بڑے بڑے قالینوں اور نمدے کے آرائشی کمبلوں کے بنڈلوں کے کھولے جانے کا حکم دیا۔ ان چیزوں اور رنگ برنگے پردوں نے تینوں گھروں— زرہ کے بڑے گھر، مہمان‌خانے اور آئی‌غیز کے گھر کو پوری طرح سجا دیا۔ ڈھیروں سنبوسے تلے گئے، پوری پوری بھیڑیں بھونی گئیں اور کثیر مقدار میں پنیر اور دوسری غذائی اشیا تیار کی گئیں۔ ضیافت کے لئے مکھن کا انتخاب ان ذخیروں سے کیا گیا جن میں نمک تیز نہیں تھا اور جو اسی وجہ سے زیادہ ذائقے‌دار تھا۔

اگلے روز قونان‌بائے اور بوجیئی اپنے اپنے خدمت‌گاروں کے ساتھ پہنچ گئے۔

بوجیئی نے بڑے گھر کی دھلیز پار کرکے اندر قدم رکھا تو بوڑھی زرہ اپنی جگہ سے اٹھ‌کے اس کے پاس گئی اور اپنی آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے اس کا بوسہ لیا۔

"ارے میری آنکھوں کے نور! تمھارے دل میں ہم لوگوں کی طرف سے تلخی پیدا ہو گئی کیا؟ میرے لئے تو تم ہمیشہ بیٹے جیسے رہے ہو اور میں تمہاری ماں جیسی ہوں!" وہ کہہ اٹھی۔

"ارے جاریق‌تیق*! ہماری مہربان ماں!" بائےدالی، سویوندیک اور بوجیئی کے دوسرے ساتھی بوڑھی عورت کے الفاظ سے بے‌حد متاثر ہوکے پکار اٹھے۔

بوجیئی خود بھی بہت متاثر ہوا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے زرہ کو خلوص دل سے گلے لگایا اور منھ سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر، محض ہاتھ کے اشارے سے اس سے بیٹھنے کو کہا اور خود اس کے بغل میں بیٹھ گیا۔

ذرا دیر تک خاموش بیٹھے رہنے کے بعد وہ بچوں کی طرف مڑا اور سب سے پہلے ابائی سے مخاطب ہوا جو اپنی دادی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اوسپان اور سماگل کو پیار کیا۔ دراصل وہ زرہ کو یہ دکھانا چاھتا تھا کہ اس نے جس محبت بھرے انداز میں خیرمقدم کیا ھے، اس کے لئے وہ اس کا بہت شکرگزار ھے۔

بوجیئی اس بڑے گھر کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کے نزدیک

---

* جاریق‌تیق— بڑے بوڑھوں کی برتری اور اخلاقی خوبیوں پر زور دینے کے لئے انہیں "جاریق‌تیق" کہہ‌کر مخاطب کیا جاتا تھا۔

یہ خوشگوار اور مہمان‌نواز گھر محض قونان‌بائے ھی کا نہیں بلکہ سارے قبیلے کا گھر تھا۔

بوجیئی اور اس کے ساتھیوں کو مہمانوں کی طرح بٹھایا جا چکا تو قونان‌بائے، قراتائے، میباسر اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اندر آیا۔

ابائی سے اپنے باپ کو بوجیئی کے پہلو میں بیٹھے ہوئے دیکھنا برداشت نہیں ہو پا رہا تھا چنانچہ وہ بڑے بوڑھوں کے بیٹھنے کے لئے جگہ خالی کرنے کے بہانے کمرے سے باھر چلا گیا۔

اس روز شام کو اور اگلی صبح کو بھی وہ اس کمرے میں نہ گیا۔ اس کی ماں نے اسے بتایا کہ قونان‌بائے اور بوجیئی ایک دوسرے سے خوش‌اخلاقی سے پیش آئے لیکن کسی گرمجوشی کا مظاھرہ نہ کیا اور باتیں کچھ ایسے کھنچے کھنچے انداز میں ھوئیں کہ ایک دوسرے سے ھاں یا نہیں کے سوا کچھ اور کہنے کی نوبت نہ آئی۔

اگلے روز بوجیئی کو رخصت ھونا تھا اور دونوں ثالثوں کے بھیانک فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی گھڑی آ گئی تھی۔

آئی‌غیز سسکیاں بھرتے ھوئے فرش پر ڈھیر ھو گئی۔ قراباس نے قم‌شات کو اس سے لےکے اس ننھی بچی کو کپڑے پہنائے اور گود میں اٹھاکے بڑے گھر میں لے آیا۔ ننھی منی گوری رنگت‌والی بچی نے وھاں موجود لوگوں کو اپنی چمکتی ھوئی آنکھوں سے حیرت کے ساتھ دیکھا۔

"آغا، اتا*! اتا، آغا!" اس نے تتلاتے ھوئے کہا۔

اول‌جان بچی کی طرف دیکھنے کی تاب نہ لا سکی۔ وہ اس کے لئے ترس کے جذبے سے بےقابو ھوکر کمرے سے چلی گئی۔ زرہ فرش پر گرکے خاموشی سے رونے لگی اور ابائی کو محسوس ھوا کہ قبائلی سردار کچھ ایسی سردمہری کا مظاھرہ کر رہے ھیں جو دل کو تڑپا دینےوالی ھے۔ وہ بھی وھاں سے چلا آیا۔

قونان‌بائے ان سب کی پریشانی کو، ان کے چہروں کو جن سے ترس اور گہری ھمدردی کے جذبات جھلک رہے تھے، اپنی واحد آنکھ کی قہرآلود نگاہ سے دیکھتا رھا۔ وہ قارقرالنسک میں ھونےوالے فیصلے

---

* اتا — باپ۔

کو عملی جامہ پہنا رہا تھا۔ اس نے ایک بچی کو اس کی ماں کی گود سے چھین کے بوجیئی کے حوالے کر دیا تھا۔

قم‌شات اس بات سے قطعاً بےخبر کہ اس پر کیا بیتنےوالی ھے، چپ چاپ بیٹھی ھوئی تھی اور جب ایک اجنبی شخص اسے گود میں اٹھاکے وھاں سے لے جانے لگا تب کہیں جاکے اس نے پکارا: "آپا، آپا! اجے! اجے!"* اور رونا شروع کر دیا۔

اس کا ننھا منا دل خوف کے مارے شدید اذیت میں مبتلا تھا اور وہ یوں زور زور چیخیں مار رھی تھی جیسے اس کے ننھے پیر دھکتے ھوئے انگاروں پر رکھ دئے گئے ھوں۔

اس کی دردناک آواز اس وقت تک سنائی دیتی رھی جب تک بوجیئی اور اس کے ساتھی نظروں سے اوجھل نہیں ھو گئے۔ ان لوگوں کے گھوڑے جیسے جیسے دور ھوتے جا رھے تھے ویسے ویسے قم‌شات کی آواز کچھ اور زیادہ دردناک اور پریشانی اور مایوسی سے لبریز ھوتی جا رھی تھی۔ کسی ایسے شخص کی چیخ کی طرح جو ڈوب رھا ھو یا جسے کھمبے میں باندھ کر زندہ جلایا جا رھا ھو۔

---

* اجے — دادی۔

گھنی جھاڑیوں میں

۱

ابائی جیدےبائے میں اپنی ماں اور دادی کے ساتھ ھی مقیم رہا۔ اپنی واپسی کے دن کے بعد سے ایک بار بھی وہ اس بستی سے باھر نہیں گیا تھا۔

موسم بہار تک اس نے خود کو صرف مطالعے ھی میں مصروف رکھا۔ مدرسہ چھوڑے ھوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا جس کے باعث وہ عربی اور فارسی کو کچھ کچھ بھول سا چکا تھا لیکن اس نے عابدخان سے ڈکشنریاں مانگ لی تھیں۔

ملا عابدخان کو کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اس کے پاس فردوسی، نظامی، فضولی اور نوائی کے دیوان، "جمشید"، "الف لیلی"، "تاریخ طبری"، "یوسف و زلیخا"، "لیلی و مجنوں" اور "کیر اوغلی" اور دوسری کتابیں موجود تھیں۔ ابائی دن بھر بڑے اشتیاق کے ساتھ مطالعہ کرتا رھتا اور شاموں کو چائے اور کھانے کے درمیانی وقت میں زیر مطالعہ کتابوں کے دلچسپ قصے اپنی ماؤں کو سناتا۔

"بیٹے، یہ تو تم بہت اچھا کرتے ھو" زرہ نے کتابوں سے اس کی گہری دلچسپی پر تبصرہ کرتے ھوئے کہا۔ "اس دنیا میں جانے کتنے لوگ ایسے پڑے ھیں جو کھانے اور سونے کے سوا اور کسی چیز کے متعلق سوچتے تک نہیں! یہ لوگ کاھلی میں اپنی زندگیوں کو ضائع کر دیتے ھیں اور ھمیشہ کوڑھ مغز اور نکمے رھتے ھیں! تم ھرگز ان لوگوں جیسے نہ بننا۔ ان کتابوں کو جن میں دانش بھری ھوئی ھے، کبھی بھی ترک نہ کرنا!"

دادی اماں، ابائی کی کتابوں کو جس طرح احترام کی نظروں

سے دیکھتی تھی اس سے ابائی کو بہت خوشی ہوئی اور وہ کچھ اور زیادہ انہماک کے ساتھ مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے مسحور کر دینےوالے قصوں کو جو اب ہر روز سنائے جاتے تھے، اس کی مائیں، ملازمین اور بچے، سبھی سنتے تھے۔ آئیغیز بھی وقتاً فوقتاً آ جاتی اور گھنٹوں بیٹھی سنتی رہتی۔ قمشات کے اس سے چھین لئے جانے کے بعد وہ کھوئی کھوئی سی رہتی تھی۔ رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور اس کے خوبصورت چہرے پر غم کی پرچھائیاں منڈلاتی رہتی تھیں۔ ابائی اس کے دکھ درد کو بخوبی سمجھتا تھا اور وہ قصے سننے کے لئے آ جاتی تو وہ انہیں خاص طور سے جوش اور سلیقے کے ساتھ دوبارہ سناتا۔

ابائی بہت اچھا قصہ‌گو تھا اور عابدخان تک اس کے قصوں کو دلچسپی سے سنتا تھا۔

لیکن اس کی بدقسمتی که موسم بہار شروع ہونے تک ساری کتابیں ختم ہو گئیں۔

عابدخان اور ابائی نے ملاؤں اور کتب‌بینی کے شوقین دوسرے بزرگوں سے مزید کتابیں حاصل کیں۔ ایک بار عابدخان قراشوقی میں قونان‌بائے کے پڑاؤ پر گیا تھا، وهاں سے بورے بھر کتابوں کے ساتھ واپس ہوا۔

قونان‌بائے کو قارقرالنسک میں ملا حسن کے ذریعے یه کتابیں حاصل ہوئی تھیں۔ ایک بار ابائی نے اپنے باپ سے یه کتابیں مانگی تھیں لیکن قونان‌بائے نے جواب دیا تھا: ”یہاں میرے ساتھ ٹھہرے رہو اور کتابیں بلند آواز سے پڑھا کرو۔ لیکن تم ان سے تنہائی میں لطف‌اندوز ہونا چاھتے ہو تو میں تمہیں یه کتابیں دینے سے رہا۔“ ابائی باپ کے ساتھ قیام نہیں کرنا چاھتا تھا اس لئے اسے یه کتابیں نہیں مل سکی تھیں۔ اب عابدخان نے قونان‌بائے کو کسی نه کسی طرح کتابیں دینے پر راضی کر لیا تھا جو ابائی اور گھر کے تمام لوگوں کے لئے سچ مچ کا خزانه ثابت ہوئیں مگر بدقسمتی سے ابائی کو اس کے باپ نے قراشوقی سے بلا بھیجا اور اسے جانا ہی پڑا۔

کونکے کے پڑاؤ پر ابائی جیسے ہی پہنچا، اس کے باپ نے تورغئی جرگے کے ایک سردار قولین‌شاق کے پاس ایک پیغام پہنچانے کا کام

اس کے سپرد کر دیا۔ اس نے پیغام کو یاد کر لیا اور اسی روز قراباس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

قولین‌شاق کا پڑاؤ زیادہ دوری پر نہیں واقع تھا۔ دراصل خزاں میں بوکین‌شیوں کے علاقے پر قبضہ کر لئے جانے کے بعد تورغئی جرگے کو قراشوقی کی مغربی ڈھلانیں مل گئی تھیں جہاں کبھی قودر سردیاں گزارا کرتا تھا۔

راستے میں وہ قودر اور قامقہ کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے لئے رکا تو وہ ہولناک منظر کچھ اس طرح اس کی نگاہوں میں پھر گیا جیسے اس نے ایک روز قبل ہی دیکھا ہو۔ قودر کو پھانسی دئے جانے کے نتیجے میں اسے جو شدید صدمہ پہنچا تھا، جیسی اذیت ہوئی تھی، جس طرح آنسو بہے تھے۔ ساری کیفیتیں اس کے ذہن پر ایک بار پھر طاری ہو گئیں چنانچہ وہ قولین‌شاق کے پڑاؤ پر پہنچ کے گھوڑے سے اترا تو کچھ اس طرح خاموش، سنجیدہ اور خود کو لئے دئے ہوئے تھا جیسے وہ کم‌عمر نوجوان نہیں بلکہ کہیں زیادہ عمر کا آدمی ہو۔

وہاں لوگ اب بھی اپنے سردیوں کے گھروں میں مقیم تھے۔ ویسے تو عموماً موسم گرما کی آمد کی پہلی علامات کے ساتھ ہی لکڑی کی رہائش‌گاہوں کے پاس ہی خیمے نصب کر دئے جاتے تھے لیکن قولین‌شاق اب بھی مکان ہی میں مقیم تھا۔

ابائی، قونان‌بائے کے پیغام رساں کی حیثیت سے وہاں پہنچا تھا اس لئے اس کی کم‌سنی کے باوجود اس کا استقبال کسی بالغ شخص جیسا کیا گیا۔ صاحب سلامت اور ایسے مواقع کی تمام رسمی باتیں پوری ہو جانے کے بعد قولین‌شاق نے اپنی بیوی سے کہا:

"ارے خاتین*، مہمانوں کے لئے کچھ تیار کرو نا!"

اس کے پانچوں طاقتور بیٹوں میں سے جو "پانچ بہادر" کہلاتے تھے، صرف مناس ہی گھر پر موجود تھا۔ وہ صحیح معنوں میں بہت ہی طویل قامت بھاری بھرکم، جوان، طاقتور اور خوبصورت تیکھے نقوش‌والے چہرے کا آدمی تھا اور اس وقت چپ چاپ بیٹھا، اناڑی‌پن

---

* خاتین — بیوی۔

سے دومبرا بجاتے ہوئے، مہمانوں کو کبھی کبھی معاندانہ نگاہوں سے دیکھ لیتا تھا۔

چائے جلد ہی تیار ہو گئی۔ مناس کی جوان بیوی نے دسترخوان لگایا اور ناشتہ لے آئی۔ بیضوی چہرے اور سیدھی پتلی ناک‌والی اس عورت کے کسی حد تک نیلاھٹ لئے ہوئے سیاہ بال سر پر بندھے رومال کے نیچے سے دکھائی دے رہے تھے۔ ابائی کو وہ بڑی خوبصورت معلوم ہوئی۔ اس کی فطری شرافت، مستعدی اور خاموش مہمان‌نوازی میں دل موہ لینےوالا انداز پایا جاتا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات منکسر مزاجی اور وقار کی آئینہ‌دار تھیں۔ اس نے چائے لگا دی تو آخرکار ابائی نے اپنی آمد کے مقصد کا ذکر چھیڑا۔

"قولین‌شاق آغا!.."

قولین‌شاق اس کی طرف مڑا، چھوٹی سی سینگ نکالی، اسے انگلی کے ناخن سے تھپتھپایا اور اس میں سے ایک چٹکی تمباکو نکال کے بڑے خوشگوار انداز میں سونگھی۔

"میرے والد نے آپ کو سلام کہلوایا ہے۔"

"خدا کرے وہ بھی اچھے اور تندرست رہیں۔"

"انہوں نے مجھے آپ سے بیت‌قودیق میدانوں کے متعلق بات کرنے کو بھیجا ہے جو پہلے بورساق جرگے کے تھے لیکن اب سردیوں میں قیام کے مکانات سمیت آق‌بیردی کے قبضے میں آ گئے ہیں۔ گزشتہ سال آپ نے بورساق‌والوں سے معاھدہ کرکے ان میدانوں کو استعمال کیا تھا لیکن اب آق‌بیردی نے میرے والد سے کہا ہے: "اگر قولین‌شاق اس موسم بہار میں بھی وہاں اپنے خیمے نصب کرنا چاہیں گے تو کیا ہوگا؟ میں چاہتا ہوں کہ وہ زمین کچھ دنوں تک بنجر پڑی رہے۔ خزاں میں وہاں کی گھاس کٹواؤں‌گا۔ قولین‌شاق کو اپنے قبائلیوں کے پڑاؤ کے لئے کوئی دوسری جگہ حاصل کرنی چاھئے۔" انہوں نے آپ سے یہ بات میرے والد کی معرفت کہی ہے۔"

"آق‌بیردی کی میرے لئے کوئی حیثیت نہیں۔ تمہارے والد اس معاملے میں کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میرے والد، آق‌بیردی کے ہم‌خیال ہیں۔ انہوں نے مجھے آپ کے پاس یہ کہنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ اس سال بیت‌قودیق کو نہ منتقل ہوں۔"

ابائی کی آواز سے ثابت‌قدمی جھلکتی تھی۔ اس نے کسی بالغ آدمی کی طرح ٹھنڈے دل سے نپےتلے آنداز میں اپنی بات کہی تھی۔ قولین‌شاق نے سر ھلایا لیکن اس کی مسکراھٹ مسرت کی آئینہ‌دار نہ تھی۔

"ھم لوگوں کو چائے پینی چاھئے" اس نے مہمانوں سے کہا۔

ابائی نے چائے کا پیالہ اٹھا لیا اور اپنے میزبان کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

دو پیالے خالی کر دئے گئے لیکن اب بھی قولین‌شاق نے کچھ نہ کہا۔

"اچھا میرے بیٹے" آخر اس نے اچانک ابائی سے مخاطب ھوتے ھوئے کہا۔ "بتاؤ کہ تمہارے والد کو بیت‌قودیق میدانوں سے متعلق تمام تفصیلات کا علم بھی ھے؟ یہ میدان بورساقیوں کی ملکیت تھے تو ھم لوگ ان کا استعمال باری باری کرتے اور گھاس کو آپس میں برابر برابر بانٹ لیتے تھے۔ وہ اس بات کو جانتے ھیں کہ نہیں؟"

"جی ھاں، وہ جانتے ھیں اور اس معاملے میں ان کا کہنا یہ ھے: "ملکیت ایک چیز ھے اور معاھدہ بالکل دوسری چیز۔ بورساق قبائلی میدانوں کے مالک تھے۔ قولین‌شاق ان کا استعمال مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ مالکان سے کئے جانےوالے معاھدے کے تحت کرتے تھے۔ اب اگر وہ آق‌بیردی سے بھی اسی قسم کا معاھدہ کر لیں تو وہ ان میدانوں کا استعمال کر سکتے ھیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاھئے کہ یہ زمین اب آق‌بیردی کی ملکیت ھے۔"

"دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاھئے کہ آق‌بیردی گھوڑے کا مالک ھے۔ وہ اپنے لئے مفید تصور کرے تو ھم اس کے پیچھے بیٹھ سکتے ھیں۔ مفید نہ تصور کرے تو ھم پیدل چلیں۔ آخر دو اور دو چار کی طرح صاف صاف کیوں نہ کہا جائے: تم بیت‌قودیق میدانوں سے دستبردار ھو جاؤ حالانکہ وہ بالکل تمہارے سامنے موجود ھیں!" قولین‌شاق نے تندی و تیزی سے کہا۔

ابائی کو اس سے ھمدردی محسوس ھو رھی تھی اور وہ اس معاملے پر اصرار نہیں کر سکتا تھا۔ دراصل اسے اندازہ ھی نہیں ھوا تھا کہ اس کے والد نے کیسا ناخوشگوار کام اس کے سپرد کر دیا تھا۔ قولین‌شاق کے چہرے سے جھلکنےوالی پریشانی کو دیکھکر

ہی اسے کہیں جاکے اندازہ ہوا کہ اسے کس نوعیت کا کام سپرد کیا گیا تھا۔

"میں نے تو آپ کو صرف وہی بتایا ہے جو میرے والد نے کہا تھا۔ باقی باتوں کا انحصار خود آپ ہی پر ہے۔ آپ کے خیال میں جو بات بہترین ہو وہ کیجئے۔"

"کیا ہی کیا جا سکتا ہے، مجبوری ہے" قولین‌شاق نے ٹھنڈی سانس بھری پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اضافہ کیا:

"کہیں نہ ہوتی کوئی بدی گر نہ ہوتا آق‌بیردی!"

قولین‌شاق کی اس پھبتی سے جانے کیوں ابائی بہت محظوظ ہوا اور اس نے برجستہ یہ مصرعے پڑھے:

آق‌بیردی سے نہ بچے گا
کچھ بھی، دھرتی ہو یا پانی
چاند ہو یا ہوں تارے، کچھ بھی
اس کو تو ہے خدا نے بھیجا!..*

آق‌بیردی پر ابائی نے یہ جو چوٹ کی تھی اس سے ہر شخص ہنس پڑا۔ مناس کی بیوی نے جو چائے انڈیل رہی تھی، حیرت سے زبان چٹخائی اور اسے پرمسرت نگاہوں سے دیکھا۔ قولین‌شاق بہت خوش ہوا۔

"واہ بیٹے، کتنے مزے کی بات کہہ دی! کاش تمہارے الفاظ آق‌بیردی تک پہنچ جائیں!"

اس کے بعد اس نے گفتگو کا موضوع بدل دیا اور ابائی سے اس کے خاندان کے لوگوں اور اول‌جان اور زرہ کی خیریت پوچھی۔

"اچھا بیٹے، یہ تو بتاؤ کہ تم لوگوں نے اس بچی کے متعلق بھی کچھ سنا جو بوجیئی کے حوالے کر دی گئی تھی۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ بےچاری آئی‌غیز بہت دل‌شکستہ ہو گئی ہے۔"

ابائی کے لئے یہ بڑا تکلیف‌دہ موضوع تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا لیکن قولین‌شاق نے اپنی بات جاری رکھی:

---

* فراخی زبان میں "آق‌بیردی" کے معنی ہیں خدا کا بھیجا ہوا۔

"کہا جاتا ہے کہ جیگیتیک قبائلی مطمئن نہیں ہوئے کیونکہ ان کی جو توہین کی گئی تھی اس کا کوئی معقول معاوضہ نہیں ملا اور میں نے سنا ہے کہ تمہاری ننھی بہن کے ساتھ خراب برتاؤ کیا جاتا ہے۔ بےچاری آئیغیز بھی شاید دل ہی دل میں اس بات کو محسوس کرتی ہوگی۔ کیا حال ہے اس کا؟"

"آقسقال، از راہ کرم بتائیے کہ آپ کے بیٹوں کو "بیس قاسقہ"* کیوں کہا جاتا ہے؟ آئیغیز اور میں نے کل ہی اس بات پر بحث کی تھی..."

"بڑا تیز اور ذہین نوجوان ہے" قولینشاق نے یہ دیکھکے کہ ابائی اس کے سوال کو ٹال گیا ہے، سوچا۔ "اسے اپنی زبان کو قابو میں رکھنے پر کیسی قدرت حاصل ہے! وہ لوگ اسے اتنا تو سکھا ہی چکے ہیں" اور وہ مسکرا دیا۔

"یہ تو میرے بیٹے خود ہی اپنے متعلق سوچتے ہیں۔ پانچ بہادر افراد! لیکن انہوں نے کسی شخص کو خوفزدہ کر دیا ہو، یہ مجھے نہیں معلوم۔ محض خالی خولی بات ہے! بوکینشیوں نے اپنی موسم سرما کی زمینیں دینے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ قراشوقی کو چھوڑکے نہ جائیں گے، چاہے جانوں سے ہی ہاتھ دھونے پڑیں تو تمہارے والد کا حکم موصول ہوتے ہی میں ان پانچوں کو ساتھ لےکر دوڑا ہوا وہاں پہنچا تھا! مجھے امید تھی کہ جن زمینوں پر قبضہ کیا جا رہا ہے ان کا کم از کم ایک ٹکڑا تو مجھے بھی ملےگا لیکن ہمیں ملا کیا؟ منہ پر ایک تھپڑ اور بس، میرے پانچوں سورماؤں کو یہی ملا!" قولینشاق نے ایک بار پھر اس موضوع کو چھیڑتے ہوئے جو ابائی کے لئے خفت کا باعث تھا، اپنی بات ختم کی۔

"لیکن ایک کہاوت ہے: "جن لوگوں کو کنگال کر دیا گیا ہو ان سے بولدرغی** تک نہ لو!" بوکینشیوں کو لوٹ لیا گیا ہے۔ ان سے کوئی چیز لےکے کس کو فائدہ پہنچ سکتا ہے؟" ابائی نے تیزی وتندی

---

* بیسقاسقہ — اس سے دو معنی نکلتے ہیں: "پانچ گنجے آدمی" یا "پانچ بہادر آدمی"۔

** بولدرغی — چابک کے دستے سے لگا ہوا چمڑے کا حلقہ۔

سے پوچھا۔ "اور پھر وہ لوگ کوئی اجنبی تھوڑی ھیں۔ وہ تو آپ کے ھم‌قبیلہ ھی ھیں نا!"

قولین‌شاق اس سے مختلف رائے رکھتا تھا۔ مناس اور اس کی بیوی نے تو ابائی سے مکمل طور پر اتفاق رائے کیا لیکن قولین‌شاق اپنے ساتھ ھونےوالی زیادتیوں کی باتیں کرتا رھا، بات‌چیت کے آخر تک قونان‌بائے کی شکایات کرتا رھا۔ ابائی اچھی طرح سمجھ رھا تھا کہ قولین‌شاق کی برھمی کا خاص سبب یہ ھے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اسے نظر انداز کر دیا گیا ھے۔ ایسی غیرمعقول حرص ابائی کے لئے حیرت کا باعث تھی۔

واپسی پر ابائی نے اپنے باپ کو بتایا کہ قولین‌شاق راضی ھو گیا ھے لیکن اس کی برھمی کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اس نے اپنے دورے کی رپورٹ مختصراً، حتی‌الامکان کم سے کم الفاظ میں سنا دی۔

اس کے بعد قونان‌بائے نے قراباس کو بلوایا اور اس سے تفصیلی رپورٹ طلب کی۔ قراباس نے ابائی کی تعریفوں کے پل باندھ دئے۔

"آپ کے بیٹے نے الفاظ ضائع نہیں کئے" اس نے کہا۔ "اس نے اپنی باتیں خوش‌سلیقگی اور وقار کے ساتھ کہیں جیسے کسی مرد کو کہنی چاھئیں۔ اسے ذرا بھی الجھن یا گھبراھٹ نہیں محسوس ھوئی اور اس نے قولین‌شاق سے برابری کی سطح پر بات‌چیت کی۔"

قراباس ان تعریفوں کا سلسلہ جاری رکھنا چاھتا تھا لیکن قونان‌بائے نے اسے ھاتھ کے اشارے سے رخصت کر دیا۔

وہ اپنے بیٹے کے طرز عمل سے مطمئن تھا اور اگلے ھی روز اسے ایک دوسرے کام سے روانہ کر دیا۔ ابائی کو ابکے سویوندیک کے یہاں بھیجا گیا۔ قراباس اس بار بھی اس کے ساتھ تھا۔

وہ دونوں بوکین‌شی سردار کے پڑاؤ پر پہنچے تو اندھیرا ھو چلا تھا۔ بوکین‌شی جرگا جس کو اس کی سابق زمینوں سے محروم کر دیا گیا تھا، اب قراول کے بالائی علاقے میں "اونٹ کوھان" کہلانےوالی ایک گھاٹی میں مقیم تھا۔ وہ لوگ اپنے خیموں میں رھتے تھے کیونکہ اتنے زیادہ افراد کے لئے رھائش‌گاھیں بنانے کا انہیں وقت نہیں مل سکا تھا۔

سویوندیک کا سفید رنگ کا بڑا خیمہ خاصا گرم تھا۔ سردی سے حفاظت کے لئے اس کے اوپری حصے کو نمدے کی دو تہوں سے ڈھک

دیا گیا تھا اور اندر سے شوخ رنگ کے ڈیزائنوں‌والے اونی قالین استر کی طرح لگے ہوئے تھے۔

ابائی اب بھی سردیوں کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ گلہریوں کے سمور کے استروالے بیش‌میت اور نمدے کے استروالے لانگ‌بوٹوں کے باعث اسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس روز وہ کسی خیمے میں داخل ہوا تھا اور اس کا ماحول فرحت‌بخش اور حیرت‌انگیز طور پر پرمسرت معلوم ہو رہا تھا۔ دراصل بہار کے ابتدائی ایام میں اسے خیموں کے اندر کی زندگی خاص طور سے بہت پسند تھی جہاں آدمی استیپیوں کی تازی ہوا میں سانس لے سکتا تھا۔

خیمے کے وسط میں ایک لیمپ مدھم سی روشنی بکھیر رہا تھا اور وہاں سویوندیک، اس کی بیوی اور بیٹوں عادل‌بیک اور اصیل‌بیک کے علاوہ بہار کا تمام حسن ایک لڑکی کے روپ میں موجود تھا۔ وہ تھی سوبوندیک کی بیٹی توغ‌جان۔

وہ اپنی ماں، سویوندیک کی چھوٹی بیوی کے خیمے سے جو "چھوٹا خیمہ" کہلاتا تھا، بار بار بڑے خیمے میں آ جا رہی تھی۔ اس کے قدموں کی ہر جنبش پر بالوں سے لگے شول‌پی* سے ہلکی سی جھنکار پیدا ہوتی تھی۔ کانوں کی ننھی ننھی بالیاں، سر پر رکھی ہوئی چھوٹی سی سنجابی ٹوپی اور انگوٹھیاں — ساری چیزیں ابائی کو بڑی دل‌کش اور خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں۔ بڑی نفاست سے تراشی ہوئی سی ناک اور کالی کالی آنکھیں۔ کتنا دلربا تھا اس کا چہرہ! اس کی بھنویں، لمبی لمبی، واضح اور نمایاں بھنویں ابابیل کے بازوؤں کی طرح کنپٹیوں کی طرف ابھری ہوئی سی تھیں۔ توغ‌جان کچھ سننے لگتی، ہنستی یا شرما جاتی تو یہ نفیس بھنویں ایک لمحے پتلی سی محراب کی شکل میں اوپر اٹھ جاتیں مگر دوسرے ہی لمحے پھر اپنی اصلی خمدار حالت میں نظر آنے لگتیں۔ شاید وہ بھنویں نہیں تھیں بلکہ کسی غیرمرئی چڑیا کے بازو تھے جو کبھی پرواز کے لئے پھیل جاتے تھے اور کبھی بلندیوں پر پہنچنے کے لئے نشانہ باندھتے

---

* سول‌پی — جواں عورتوں کے بالوں میں لگانے کا سونے یا چاندی کا ایک زیور۔

تھے... چڑیا؟ نہیں... شاید چڑیا نہیں بلکه انہیں کوئی ناقابل ادراک، تیزرفتار روح کہنا زیادہ موزوں تھا — روح جو دل کو گرویدہ بناکے لپکتی ہوئی بلندیوں پر بہت دور پہنچ جاتی تھی۔ ابائی کے لئے اس کے چہرے سے نگاهیں هٹانا ناممکن هو رها تھا۔ وہ بالکل مسحور ہوکے اسے دیکھے جا رها تھا، اس حقیقت سے قطعاً بےخبر کہ وہ اسے ان شعرا کے تخلیق کئے ہوئے خیالی پیکروں میں سے ایک تصور کرکے دیکھ رہا تھا جن کا اس نے مطالعه کیا تھا۔

توغجان مہمانوں کی خاطر مدارات کے سلسلے میں خیمے میں آئی تھی۔ اس نے نوکرانی کو دسترخوان بچھاکے چائے رکھنے کی هدایت کی اور خود اپنے باپ کے بغل میں بیٹھ گئی۔

"سویوندیک آغا" ابائی نے میزبان کو مخاطب کیا۔ "اس سامنےوالے الگ تھلگ کھڑے پہاڑ کو قراول* کیوں کہا جاتا ہے؟"

"کون جانے بیٹے، کیوں کہتے هیں" سویوندیک نے جواب دیا پھر اس نے کہا۔ "توبیق‌تی اور مامائے قبیلے هر وقت اور هر دور میں مسلسل ایک دوسرے سے بر سر پیکار رهے هیں۔ یه نام یقیناً اسی قدیم زمانے هی میں پڑا هوگا۔"

"تو آپ کے خیال میں یه نام هم لوگوں کا، توبیق‌تیوں کا رکھا هوا ہے؟"

"اور کس کا رکھا هوا ہے؟ یہاں کی تمام جگھوں کے نام توبیق‌تیوں کے رکھے هوئے هیں۔"

"اور چنگیز کے بارے میں آپ کیا کہتے هیں؟ توبیق‌تی قبیلے میں کیا کبھی چنگیز نام کا بھی کوئی شخص گزرا ہے؟"

"نہیں تو! تم ٹھیک کہه رہے هو۔ آخر دونوں جانب کو ڈھلواں اس چوٹی کا نام چنگیز کیسے پڑ گیا؟" سویوندیک نے سوچنے کے انداز میں کہا۔

عادل‌بیک کو یه دیکھکر الجھن سی هوئی که اس کا باپ جواب دینے سے قاصر ہے اور وہ اس کی مدد کرنے کے لئے جلدی سے بول پڑا:

---

* قراول — پہرے کا مینار۔

"لوگ کہتے ہیں یہ نام "شین‌قیس"* سے نکلا ہے۔ موسم سرما میں یہاں ہمیشہ ہی بہت زیادہ سردی پڑتی رہی ہے۔"

"شاید ہی ایسا ہوا ہو" ابائی نے اعتراض کیا۔ "چنگیز تو ایک مشہور خان کا نام تھا۔"

"ہاں ہاں، یہ سچ ہے۔ میں نے اس کے متعلق سنا ہے لیکن جو کچھ سنا تھا، اب یاد نہیں رہا۔ ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ تو، بیٹے۔"

نوجوان نے چنگیز کے بارے میں جو کچھ اسے معلوم تھا، بتایا۔ اس کے بعد جرأت کرکے اپنی طرف سے بعض قیاس آرائیاں بھی کر ڈالیں۔

"غالباً یہی وجہ ہے کہ اس پہاڑ کو چنگیز اور اس کی سب سے بلند چوٹی کو "خان" کہا جاتا ہے۔ دوسرا پہاڑ جو اس سے کچھ الگ تھلگ سا واقع ہے غالباً چنگیزخان کے پڑاؤ کی جگہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا اس لئے اسے "اوردہ" کہا جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ "قراول" نام بھی اسی زمانے میں رکھا گیا ہو۔"

سویوندیک، ابائی کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ توغجان نے دیکھا کہ وہ باتوں میں اتنا زیادہ کھو گیا ہے کہ اس کے پیالے کی چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ وہ خود بھی ابائی پر سے آنکھیں نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ جہاں تک بڑے بوڑھوں کا تعلق تھا تو وہ اپنی لاعلمی پر ایک طرح کی ندامت سی محسوس کر رہے تھے۔

"یقیناً یہ نام اسی طرح پڑے ہوں" اصیل‌بیک اور قراباس نے کہا۔

سویوندیک، ابائی کی باتوں سے اس کا کچھ ایسا گرویدہ ہو گیا کہ اسے خود چائے کا پیالہ پیش کیا۔

"لو بھئی ابائی، از راہ کرم کچھ کھاؤ نا" اس نے جینت**، مکھن اور تلے ہوئے سنبوسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

توغجان کو بڑی حیرت ہوئی کہ اتنے کم‌سن مہمان پر اتنی زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ ابائی نے کئی بار دیکھا کہ وہ اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی ہے۔ اس کو ان آنکھوں میں خالی

---

* شین‌قیس — صحیح معنوں میں موسم سرما۔

** جینت — مکھن اور شہد ملی ہوئی پنیر۔

خولی تجسس هی نہیں، بلکه گہری توجه اور یگانگت کی جھلک نظر آئی۔

ابائی نے اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی لڑکی میں اتنی گہری دلچسپی نہیں لی تھی۔ وہ اسے مسلسل دیکھے جا رہا تھا، جواباً وہ خود بھی اس کی طرف دیکھتی تھی لیکن پھر شرماکے نظریں ھٹا لیتی تھی۔

سویوندیک کسی گہری سوچ میں ڈوبا ھوا تھا۔

"وسیع معلومات اس کی نہیں ھوتیں جس کی عمر دراز ھو بلکه اس کی ھوتی ھیں جس کا مطالعه وسیع ھو۔"

اس کے جواب میں ابائی نے کہا:

"سویوندیک آغا، مجھے جو کچھ معلوم ھے وہ سب میں نے آپ ھی جیسے قابل احترام لوگوں سے سیکھا ھے۔"

* * *

شام کا کھانا لگا دیا گیا اور چونکه مہمان ھم‌قبیله تھے اس لئے خاندان کے تمام ارکان کھانے پر موجود تھے۔ توغجان اپنے والدین کے درمیان، ابائی سے بہت قریب ھی بیٹھی تھی۔ اب وہ اس کے چہرے کا ایک رخ دیکھ سکتا تھا اور اس کی چھوٹی سی سیدھی ناک کی لکیر کچھ اور زیادہ دلفریب معلوم ھو رہی تھی۔ اس کی ٹھوڑی نرم اور گول تھی، ھلکے سرخ رنگ کے سیب جیسی۔ اس کے کالے کالے بالوں کی لمبی لمبی چوٹیاں اس کی خوبصورت سفید گردن پر لہرا رہی تھیں اور کانوں کی ننھی ننھی بالیوں میں پانی کے قطروں جیسی چمک تھی۔

توغجان کو ایک نئے جذبے نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا جس کے زیراثر پل بھر کو اس کے چہرے پر حیا کی سرخیاں منڈلانے لگتیں مگر دوسرے ھی پل، اچانک اس کا رنگ زرد پڑ جاتا۔ ابائی ایک بار پھر اس کے حسن کی رنگینیوں میں کھوکے رہ گیا۔

گرم طعاموں کے بعد قمیز لایا گیا جسے وہ لوگ بہت دیر تک پیتے رہے۔ بات‌چیت بڑی خوشگوار تھی اور وقت یوں گزرتا رہا که کسی کو پته ھی نه چلا۔

ابائی بہت ھی کم باتیں کر رہا تھا چنانچہ اس کے میزبانوں نے آخرکار طے کیا کہ اسے نیند آ رہی ھوگی۔ مرد اٹھکے خیمے سے چلے گئے اور عورتیں مہمانوں کے لئے بستر درست کرنے لگیں۔

ابائی وھاں سے کچھ الگ ھٹ گیا اور اس نے خود کو تنہا پاکے بڑی خوشی محسوس کی۔ اس کا دل ایک نئے، غیرمانوس جذبے سے لبریز تھا۔

محبوبہ... رگ و پے میں سنسنی دوڑا دینےوالا ایک لفظ، جو اس نے دوسروں کے منھ سے سنا اور کتابوں میں جانے کتنی ھی بار پڑھا تھا۔ آج یہ لفظ نغموں اور کتابوں کی دنیا سے نکلکے اپنے تمام جادو کرنےوالے معنی و مفاہیم کے ساتھ، اس کے سامنے نمودار ہوا تھا۔ اس کے لئے یہ لفظ آج ایک دوشیزہ کی ھنسی، اشاروں، مسکراھٹوں اور سانسوں میں حقیقت بن گیا تھا۔ دوشیزہ جس کا چہرہ بےحد دلکش تھا، جو بہت ھی نازک اندام تھی اور جس کی ایک ایک نگاہ دل میں جانے کتنی آرزوؤں کو بیدار کر رہی تھی۔

محبوبہ...

ابائی نے اپنا چہرہ ستاروں کی طرف اٹھایا۔ موسم بہار کی ٹھنڈی ٹھنڈی ھوائیں کہساروں سے چلی آ رہی تھیں جن میں وہ تیز تیز سانسیں لینے لگا۔

اس نے توغجان کے سفید ھاتھوں کو، دلکش گلے کو دیکھا۔ وہ اس کی سحر تھی!

محبت کی سحر ھو تم، مرے دل میں سمائی ھو...

یہ ابائی کی نہیں، اس کے دل کی آواز تھی۔ یہ اس کے دل کا اولین نغمۂ محبت تھا، توغجان سے متعلق نغمہ۔ الفاظ تھے کہ کسی کوشش کے بغیر امنڈے چلے آ رہے تھے...

قراباس کی آواز، جو اسے پکار رہا تھا، اسے خیالات کے آسمان سے زمین پر واپس لے آئی۔

ابائی اپنے بستر کے قریب پہنچا تو اچانک ایک پردے میں سرسراھٹ ھوئی اور دروازے میں توغجان کا خوبصورت جسم دکھائی دیا۔ اسی لمحے بالوں کے ننھے ننھے گھنگھروں کی ھلکی سی کھنک

سنائی دی۔ وہ ایک ریشمی چادر لئے ہوئے تھی اور کسی عجلت کے بغیر بلکہ بہت بہت دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ ہر قدم کے ساتھ ہی لطیف سی جھنکار سنائی دے رہی ہے۔

ایک نوکرانی نے ابائی کے لئے نرم اور آرام‌دہ بستر لگا دیا تھا لیکن توغ‌جان نے جو اب بھی اپنے ہاتھوں میں چادر لئے ہوئے تھی، دھیرے سے اس عورت سے کہا:

"پائنتی کی طرف بستر ذرا اور اونچا کر دینا!"

ان چند الفاظ نے ابائی کو احساس دلایا کہ وہ اس کے آرام کا بہت زیادہ خیال کر رہی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ اس کا کچھ کہنے کو جی تو بہت چاہتا تھا لیکن دل جذبات سے کچھ اتنا زیادہ لبریز تھا کہ اسے الفاظ ہی نہ مل سکے۔

توغ‌جان نے وہ ریشمی چادر بستر پر رکھ دی اور آہستگی سے دروازے کی طرف چل دی۔

یقیناً اس نے اس کے آرام کی بہت زیادہ پروا کی تھی لیکن کہیں یہ احترام کے جذبے کا خاموش اظہار تو نہ تھا؟ لیکن کیا بات صرف یہیں تک محدود تھی؟ توغ‌جان نے پیچھے مڑکے نہ دیکھا لیکن دروازے پر پہنچی تو جسم میں کچھ عجب انداز سے لوچ پیدا کر کے مڑی، مسکرائی اور چلی گئی۔

اس مسکراہٹ کے پیچھے کون‌سا جذبہ کام کر رہا تھا؟ شاید تمسخر؟ شاید وہ کسی نہ کسی وجہ سے اسی کا مستحق تھا؟ ابائی پریشان ہو گیا اور جلدی جلدی کپڑے اتارکے کمبل کے نیچے گھس گیا۔

اسے وہ جھنکار کچھ اور مدھم، کچھ اور مدھم ہوتی ہوئی جھنکار اب بھی سنائی دے رہی تھی یا شاید یہ محض اس کے دل کی دھڑکن تھی جو گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز جیسی بلند تھی اور دوسری تمام آوازوں کو دبائے دے رہی تھی؟ پھر وہ نقرئی موسیقی اچانک کہیں کھوکے رہ گئی جیسے کوئی غیر مرئی ہاتھ اسے چھین لے گیا ہو۔

قراباس نے پھونک مارکے چراغ گل کر دیا۔

لیکن ابائی کے لئے اس بات کی اہمیت ہی کیا تھی کہ چراغ

جل رہا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے تو ساری دنیا چکاچوند کر دینےوالی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ اسے تو تاریکی کا احساس تک نہ ہوا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن دماغ اب بھی شدید طور پر مضطرب تھا جیسے کسی بگولے میں پھنس کے رہ گیا ہو۔

ابائی کو علی‌الصباح تک نیند نہ آئی لیکن خیمے کے اندر اولین آوازوں کے ساتھ ہی وہ اٹھ بیٹھا اور اس کا چہرہ کچھ عجب تھکا تھکا سا زرد زرد سا نظر آ رہا تھا۔

سویوندیک جاگ گیا تھا۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکلا تو ابائی نے اسے سلام کیا اور اپنے باپ کا پیغام کہہ سنایا۔ اس موقعے پر بہت مختصر سی بات‌چیت ہوئی اور سویوندیک اپنے نوجوان مہماں کو چائے پلانے لے آیا۔

چائے پر نہ توغجان آئی، نہ ہی اصیل‌بیک اور عادل‌بیک۔ قراباس کو صبح ہی صبح، جبکہ فضا میں ٹھنڈک باقی تھی، واپسی کا سفر کرنے کی بہت فکر تھی اس لئے وہ چائے ختم کرتے ہی گھوڑوں پر زین کسنے چلا گیا۔

لیکن ابائی کا وہاں سے چلے آنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہاں رہنےوالے لوگ بڑے مہمان‌نواز اور شریف تھے اور ان کا گھر کسی گرم اور آرام‌دہ نشیمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ "اگر میں کوئی قریبی رشتےدار ہوتا" اچانک اس نے سوچا۔ "تو اکثر، بہت جلدی جلدی، جب بھی میرا جی چاہتا، ان سے ملنے کے لئے آ سکتا تھا..." لیکن اب تو روانگی کا وقت آن پہنچا تھا۔

سویوندیک نے اس سے اول‌جان اور زرہ کے متعلق دریافت کیا۔

"اپنی ماؤں سے میرا سلام کہنا، بیٹے" اس نے کہا۔

بائےبیشے* نے بھی جو گزشتہ شام کو اس سے بالکل بولی ہی نہیں تھی، اب اس سے کہا کہ اول‌جان سے سلام کہنا پھر اسے آئی‌غیز اور ننھی قمشات کا خیال آیا۔

"اچھا بتاؤ بیٹے، کچھ اس بچی کا بھی حال معلوم ہوا جو بوجیئی کو دے دی گئی ہے؟ بےچاری آئی‌غیز پر اس کی جدائی سے کیا بیت

---

* بائےبیشے — بڑی بیوی۔

رہی ہے؟ آخر تمہارے یہاں لوگوں سے برداشت کیسے ہوا کہ ایک روتی ہوئی بچی کو اٹھاکے کسی اجنبی کے حوالے کر دیا؟"

اس کے الفاظ سے صاف ظاہر تھا کہ اسے اس واقعے سے مایوسی ہوئی ہے اور وہ اس کی مذمت کر رہی ہے۔ ابائی نے اسے مختصر جوابات دئے لیکن ان سے اس کی حوصلہ‌شکنی نہ ہوئی اور اس نے اس مسئلے پر اظہار خیال جاری رکھا۔

"بوجیئی کی بیوی بڑی سخت‌دل ہے۔ اس کے خود ہی متعدد بیٹیاں ہیں اور اس بات کا امکان نہیں کہ وہ اس بےچاری بچی کا کوئی خیال کرےگی" اس نے اداسی کے ساتھ کہا۔

"لیکن بوجیئی کے بارے میں کیا کہتی ہو؟ اس کی بیوی بچی کا ذرا بھی خیال نہ کرےگی تو بوجیئی تو بہرحال خیال کرےگا ہی" سویوندیک بیوی کے الفاظ کی سختی کا اثر زائل کرنے کے لئے بیچ میں بول پڑا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں نے سنا ہے کہ ان لوگوں کے پڑاؤ پر لوگ عام طور پر کہتے رہتے ہیں: "ان لوگوں سے یہ نہ ہو سکا کہ ہمیں کچھ مویشی دے دیتے۔ مویشیوں کے بجائے یہ چھوکری ہمارے حوالے کر دی ہے"۔ اور میں نے سنا ہے کہ بچی کے ساتھ بڑا خراب سلوک کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اسے اس کی ماں کی گود سے چھین لیا اور بالکل بےمقصد ہی! بےچاری آئی‌غیز واقعی بہت پریشان رہتی ہوگی" اور بائےبیشے ترس کھاکے رونے لگی۔

ابائی بہت متاثر ہوا۔ بائےبیشے نے یہ باتیں سچ مچ خلوص دل سے، ہمدردی کے جذبے سے کہی تھیں۔ ان افواہوں سے ابائی کو خاصی پریشانی ہوئی اور اس نے سوچا کہ جیدےبائے میں گھر پر اس خبر کو سن‌کر سب کو اور بھی زیادہ اذیت محسوس ہوگی۔ اسے یاد آیا کہ آئی‌غیز اور دادی اماں کس طرح روئی تھیں لیکن اس وقت وہ لوگ محض بچی کی جدائی کے غم میں رو پڑی تھیں۔ اب یہ نئی خبر اپنی تمام ہیبت‌ناکی کے ساتھ ان کے دلوں پر پھٹ پڑےگی تو ان پر کیا بیتےگی؟ قولین‌شاق نے اس معاملے کا تذکرہ کیا تھا اور آج اس قبائلی گروہ کے لوگوں نے یہ بات چھیڑی۔ ہر شخص کہہ رہا تھا کہ ننھی قم‌شات کو گھروالوں نے خود سے الگ کر دیا، اسے دوسروں کی غلامی میں دے دیا۔ اب وہ مرکز حقارت

بنی ہوئی ہے اب اسے گالیاں کوسنے سننے کو ملتے ہیں۔ ان ساری باتوں میں بہرحال کچھ نہ کچھ صداقت تو ہوگی ہی۔ جیدےبائے پہنچ کے وہ گھر میں یہ ساری باتیں کہہ دےگا جو اس نے ننھی قمشات کے متعلق سنی ہیں۔ اس نے سوچا کہ اس کے والد کے جو جی میں آئےگا کہتے رہیں گے لیکن وہ تو ساری باتیں سب کو بتاکے ہی دم لےگا۔

روانگی سے قبل مہمانوں کو ایک بار پھر قمیز پیش کیا گیا۔ ایک بار پھر پرتکلف انداز میں کھانا کھلایا گیا تب ہی کہیں جاکے انہیں روانہ ہونے دیا گیا۔

دونوں، بڑے خیمے میں بزرگوں سے رخصت ہو چکے تھے ان کے گھوڑے اپنی راہ پر چل نکلے تھے لیکن ابائی اب بھی چھوٹے خیمے پر سے نگاہیں نہیں ہٹا پا رہا تھا: خیمے کا تندوک پہلے کی طرح اب بھی بند تھا۔

"توغجان کو مجھے دوبارہ دیکھنے کی بھی فکر نہیں! وہ الوداع کہنے بھی نہیں آ رہی ہے" ابائی نے سوچا اور غصے میں اپنے گھوڑے پر کوڑے رسید کئے۔ اس کے باوجود مڑکے ایک بار پھر پیچھے دیکھے بغیر نہ رہا جا سکا۔ چھوٹے خیمے کے پاس کوئی عورت کھڑی ہوئی تھی جو سیاہ ٹوپی اور ڈھیلا ڈھالا سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ کیا وہ توغجان تھی؟ غالباً وہ ابھی ابھی سوکے اٹھی تھی؟ اسے ایسا لگا جیسے اسے توغجان کے بالوں میں لگے شول‌پی کی ہلکی جھنکار سنائی دے رہی ہے پھر اس نے سوچا کہ کہیں یہ اس کے اپنے دل کی دھڑکنیں تو نہیں؟ کچھ بھی رہا ہو لیکن اب ٹھہر جانا تو ممکن ہی نہ تھا۔

"اونٹ کوھان" جو اس پڑاؤ کی جگہ کا نام تھا اور جو اب ابائی کو بہت عزیز ہو گیا تھا، جلد ہی بہت پیچھے چھوٹ گیا۔ دونوں گھڑسوار چنگیز کی ترائیوں سے ہوکے قراول دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ ابائی نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اب وہ دوڑنے کے بجائے عام رفتار سے چلنے لگا۔

اچانک اسے اپنے عقب سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور ایک نئی امید سے اس کا دل اچھل پڑا۔ اس نے تیزی سے مڑکے دیکھا لیکن گھڑسوار تو چوڑے چکلے شانوں‌والا کوئی بانکا

تھا اور وہ سویوندیک کے پڑاؤ کی طرف سے آ بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ قریب آیا تو ابائی نے دیکھا کہ وہ ایک کم عمروالا نوجوان تھا اور اس کے اوپری ھونٹ پر ابھی مسیں بھیگ ھی رھی تھیں۔ اس کی بھوری گھوڑی کے بال جس طرح کٹے تھے اس سے وہ تین سال کی معلوم ھوتی تھی۔ پاس پہنچ کے اس نے پرمسرت انداز میں مسکراتے ھوئے سلام کیا اور اس کے سفید دانت موتی کی طرح چمک اٹھے۔

اکیلے گھڑسواری کرتے ھوئے اس کا جی اکتانے لگا تھا اور اب ان دونوں کے ساتھ ھو لیا تھا تاکہ کچھ باتیں ھی کر سکے۔ اس کی گھوڑی کے سینے سے بھاپ نکل رھی تھی، منھ میں جھاگ بھرا ھوا تھا اور اس کے نتھنے کشادہ ھو گئے تھے۔

دونوں کو اس کی آمد سے خوشی ھی ھوئی۔ رسمی تعارف ھوا تو پتہ چلا کہ نوجوان جس کا نام یربول تھا، سویوندیک کے قبائلی گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔

قراباس نے جلد ھی اس سے کچھ یوں بےتکلفی سے باتیں شروع کر دیں جیسے وہ دونوں عرصے سے ایک دوسرے کے شناسا رھے ھوں۔ ابائی ان کی باتیں سنتا رھا اور اس نے اپنے اندر اس نوجوان بانکے کے لئے بےحد کشش محسوس کی۔ یربول کی ماں، توغجان کی ماں کی رشتے کی بہن نکلی تھی اس طرح وہ سویوندیک کا قریبی رشتےدار تھا اور جب بھی اس کا جی چاھتا سویوندیک کے گھر جا سکتا تھا۔ اس زندہ‌دل باتونی نوجوان نے فوراً ھی ابائی کو اپنا گرویدہ کر لیا۔

اس علاقے میں شکار بہت زیادہ تھے اور ابائی نے کہا کہ شکار کھیلنے میں تو بڑا مزہ آتا ھوگا۔

"تمہارے پاس کوئی شکرہ ھے؟" یربول نے فوراً ھی مثبت رد عمل ظاھر کیا۔ "شکرہ ھو تو ضرور ھمارے یہاں آنا میں تمہیں وہ جگہیں دکھاؤں‌گا جہاں ھنس اور مرغابیاں بھری پڑی ھیں۔"

گھر میں تکےجان نے شکرہ پال رکھا تھا اور یربول کی دعوت ابائی کے لئے بڑی پرکشش تھی۔ اس نے تو "اونٹ کوھان" علاقے سے نکلنے سے پہلے ھی طرح طرح کے منصوبے باندھنا شروع کر دیا تھا، سوچ سوچ کے پریشان ھونے لگا تھا کہ آخر کب اور کس بہانے

٢

قراشوقی میں وہ لوگ دو پہر کے کھانے کے بعد پہنچے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ قونانبائے نے کوئی جلسہ طلب کیا ہے کیونکہ بہت سے گھوڑے جن کی کاٹھیوں پر چاندی کے پتر جڑے ہوئے تھے، کونکے کے بڑے خیمے اور باورچی‌خانے کے طور پر استعمال ہونےوالے چھوٹے خیمے کے سامنے بندھے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کو داغ‌کے بنائے جانےوالے نشانات دیکھتے ہی قراباس نے اندازہ لگا لیا کہ وہاں اس وقت اکٹھا افراد بہت ہی قریبی علاقوں کے رہنےوالے تھے۔

"یہ ارغیزبائے، جووار،تیاق اور توپائے قبائلی لوگ ہیں، کوئی عام جلسہ ہے" اس نے کہا پھر ذرا تلخی کے ساتھ اضافہ کیا۔ "ان کے گھوڑوں پر کاٹھیاں کسی ہوئی ہیں اور یہ لوگ یہاں سے جانے ہی کو ہیں۔ ہم لوگ کھانے کے وقت نہیں پہنچ پائے!"

ابائی نے اندر داخل ہوکے سلام کیا۔ خیمہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ قونانبائے ایک بلند پلنگڑی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے شانے دوسروں سے کافی نمایاں اور بلند تھے اور سفید قمیض کے سامنے کے کھلے ہوئے حصے سے اس کا بال‌دار سینہ نظر آ رہا تھا۔ مہمانوں نے باہر استعمال کرنے کے کپڑے پہن لئے تھے اور قمیز کے گھونٹ لیتے ہوئے اپنے سردار کے آخری الفاظ سن رہے تھے۔ کچھ لوگ جو سمور کی ٹوپیاں پہن چکے تھے، اٹھتے اٹھتے ٹھہر گئے تھے اور اب گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔ کونکے پلنگڑی سے کچھ آگے دروازے کے قریب بیٹھی تھی اور بوڑھا جمعہ‌بائے اس کے پاس کھڑا قمیز کو پھینٹ پھینٹ‌کے پیالوں میں انڈیل رہا تھا۔ ابائی انہی دونوں کے قریب بیٹھ‌کے اپنے باپ کی باتیں سننے لگا۔

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں غلطی پر ہوں، نیز یہ کہ وہ لوگ کسی نئے جھگڑے کی سازش نہیں کر رہے ہیں، اچھی بات ہے۔ میں اس پر توجہ دوں‌گا، اس بات پر یقین کر لوں‌گا، حالانکہ اس سے مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے" اس نے آخری الفاظ کی اہمیت پر خاصی سنجیدگی کے ساتھ زور دیا۔ "میں اس وقت تک صبر سے کام لوں‌گا جب تک ساری چیزوں کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ اور جو لوگ میرے سچے دوست ہیں"۔ اس کی واحد آنکھ نے اس مرحلے

پر خیمے میں موجود لوگوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا اور جووان‌تیاق اور توپائے جرگوں کے سرداروں پر جم‌کر رہ گئی۔ "انہیں بھی میری طرح صبر سے کام لینا چاھئے۔ لیکن بہرحال سب کو تیار رھنا چاھئے اور جب میں اپنے گھوڑے پر سوار ھوں تو تم سب کو بھی میرے ساتھ ھونا چاھئے۔ تم لوگ ایسا کروگے تو خدا کی نگاہ میں تمھارا اقدام درست ھوگا اور تمہیں میری خوشنودی حاصل ھوگی۔ میں تم لوگوں سے کوئی اور درخواست، کوئی اور مطالبہ نہیں کر رھا ھوں" اس نے اپنی بات کچھ اس انداز سے ختم کی جیسے کہہ رھا ھو: "جو لوگ تیار ھو چکے ھیں وہ جا سکتے ھیں۔"

چاروں طرف سے رضامندی کی آوازیں ابھریں۔

"ایسا ھی ھوگا!"

"جیسا آپ کہتے ھیں، ویسا ھی ھوگا!"

ابائی نے سوچا: "یہ بالکل کسی حلف جیسی بات ھوئی! والد نے غالباً لگامیں کچھ اور زیادہ سختی سے کھینچنے کے لئے انہیں طلب کیا تھا۔"

قونان‌بائے ابھی ابھی لفظ "دوست" کا استعمال کیا تھا۔ ابائی نے خیمے میں موجود لوگوں پر نظر دوڑائی تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہ رھا جا سکا کہ یہ لوگ جنہیں اس کے والد نے اپنا دوست قرار دیا تھا، ایسے افراد تھے جن سے وہ یا تو سرے سے واقف ھی نہ تھا یا بس یونہی معمولی طور پر جانتا پہچانتا تھا۔ ایک زمانے میں اس کے والد نے بائیسال، قراتائے، بوجیئی، سویوندیک اور توسیپ جیسے لوگوں کو اپنے دوستوں میں شمار کیا تھا لیکن آج ان میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا۔ قولین‌شاق تک جس کے یہاں ابائی ابھی حال ھی میں گیا تھا، موجود نہ تھا۔ یہ کچھ عجیب و غریب سی بات معلوم ھوتی تھی۔ آخر یہ نئے دوست کون لوگ تھے؟ کیا کسی نئے اور خفیہ اقدام کی تیاریاں ھو رھی تھیں؟

ابائی کو یقین تھا کہ بدقسمت قمشات کے بوجیئی کے حوالے کئے جانے کے بعد اختلافات اور تنازعوں کا خاتمہ ھو چکا ھے اور مصالحت پر دوستی کی مہر ثبت کر دی گئی ھے۔ اس نے نہ مزید افواھیں اور

غیرذمےدارانہ باتیں سنی تھیں اور نہ ھی لوگوں کی سرگوشیوں اور دبی دبی باتوں پر کوئی خاص توجہ مبذول کی تھی۔

اب زیادہ‌تر مہمان جا چکے تھے اور قونان‌بائے نے صرف مٹھی بھر سرداروں کو روک رکھا تھا لیکن قریبی لوگوں کے اس چھوٹے سے حلقے میں بھی وہ آزادی کے ساتھ زیادہ باتیں نہیں کر رھا تھا اور اس پر ایک تناؤ کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس فضا میں ابائی کو اسے سویوندیک کے پڑاؤ پر اپنے دورے کے متعلق بتانے کا موقع نکالنے میں خاصی دشواری محسوس ھو رھی تھی۔ آخرکار اس کی صورت نکل ھی آئی۔ ساری باتیں بتا چکا تو اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے وھاں نہ ٹھہرنا چاھئے کیونکہ وہ جیدےبائے میں اپنی ماں کے پاس پہنچنے کو بےتاب ھو رھا تھا۔ لیکن قونان‌بائے نے اس کی اس خواھش پر سرزنش کر دی۔

"تم گڑیاں کھیلنےوالی کوئی ننھی بچی ھو کیا؟" اس نے سختی سے پوچھا۔ "کیا تمہارے لئے ضروری ھے کہ ھمیشہ بھاگ بھاگ‌کے ماں کے پاس پہنچو؟ ایسا لگتا ھے کہ تم مجھ سے تو نہیں لیکن عورتوں سے زیادہ گھل مل‌کے رہ لیتے ھو۔ ارے میاں، تم یہاں لوگوں سے مل سکتے ھو، دانش‌مندی کی باتیں سن سکتے ھو، زندگی بسر کرنا سیکھ سکتے ھو۔ وھاں کیا سیکھ سکوگے؟"

ابائی نجی طور پر اس کی اس رائے سے متفق نہ تھا۔ "آپ میرے والد ھیں اور وہ میری والدہ" اس نے سوچا۔ "بیٹوں کی پرورش دونوں ھی کرتے ھیں" لیکن باپ کی بات کی تردید نہ کر سکا۔

"دراصل میں نے گھر میں ایک شکرہ پال رکھا ھے" اس نے ھچکچاتے ھوئے وضاحت کی۔ "قرب و جوار میں بہت شکار پائے جاتے ھیں۔ میں نے سوچا تھا کہ جیدےبائے علاقے میں شکار کھیلوں‌گا۔"

قونان‌بائے کو اس کی یہ دلیل معقول معلوم ھوئی اور اس نے مزید اعتراض نہ کیا۔

"بس دو ایک روز اور ٹھہر جاؤ۔ کل میں تم کو بائےدالی کے یہاں بھیجنے کا ارادہ رکھتا ھوں، اس کے بعد جیدےبائے چلے جانا۔"

ابائی کو خوشی ھوئی اور دل کا بوجھ ھلکا ھو گیا لیکن خیمے سے باھر نکلتے ھی اس نے سوچنا شروع کر دیا۔

قونان‌بائے نے پہلے تو اسے قولین‌شاق کے پاس بھیجا جس سے اس کے اختلافات پیدا ہو گئے تھے پھر سویوندیک کے یہاں بھیجا جس سے اس کے اختلافات سب کو معلوم تھے۔ ان دونوں بڑے بوڑھوں میں سے کسی کے منھ سے بھی ابائی نے اپنے باپ کے سلسلے میں ایک بھی تعریفی کلمہ نہیں سنا تھا۔ اور اب اسے بائےدالی کے پاس بھیجا جائےگا جو بوجیئی کا دوست اور حمایتی تھا۔

آخر اس سب کا مطلب کیا تھا؟ اسے ان لوگوں کے پاس کیوں بھیجا جا رہا تھا؟ صاف ظاہر تھا کہ قونان‌بائے اسے ان لوگوں کے پاس بھیج رہا تھا جن سے اس کے جھگڑے چل رہے تھے۔ ابائی نے سوچا: "شاید میرے والد چاھتے ھیں کہ میں ان لوگوں سے مل‌کے دیکھوں کہ وہ ان کے دشمن ھیں، ان لوگوں کو بہتر طور پر سمجھنا سیکھوں اور اس طرح اپنے باپ کے طرز عمل کو بہتر طور پر سمجھنے اور ان کی کچھ اور زیادہ عزت کرنے لگوں!"

بات بس اتنی ھی تھی یا اس کے پیچھے کچھ اور بھی تھا؟ ابائی ایک بار پھر غور و فکر میں ڈوب گیا۔ کیسی بھول بھلیاں تھیں، کیسی ناقابل عبور گھنی جھاڑیاں تھیں جن میں اس کو، بےبس اور غیرمسلح ابائی کو، ایک آھنی عزم‌والی قوت، اندھا دھند چلنے پر مجبور کر رھی تھی۔

دو روز بعد وہ اور قراباس ایک بار پھر استیپیوں سے گزرے۔ اس بار وہ بائےدالی کے یہاں جا رہے تھے۔

لیکن بائےدالی کے یہاں ان کے سلسلے میں جو رویہ اختیار کیا گیا وہ قولین‌شاق اور سویوندیک کے یہاں کی جانےوالی خاطر مدارات سے ذرا بھی مماثلت نہیں رکھتا تھا۔

نہ کسی نے ان دونوں کا خیرمقدم کیا، نہ کھانے کو پوچھا۔ بھاری بھرکم خیمے کی دھلیز پار کرکے اندر قدم رکھتے ھی انہیں بائےدالی کی غصے سے بھری ھوئی آواز سنائی دی جس سے وہ کسی کو ڈانٹ ڈپٹ رہا تھا۔

خیمہ ناخوشگوار حد تک گرم تھا، ماحول میں گھٹن تھی اور افراتفری۔ دروازے کے قریب ھی ایک نوکرانی بھیڑ کے دودھ کی پنیر تیار کر رھی تھی اور خیمے کے وسط میں دیگچے میں کچھ ابل

رہا تھا۔ بائےدالی زیتونی رنگ‌والی ایک چھوٹی لڑکی کو غصے سے مار پیٹ رہا تھا۔

"نکل جا یہاں سے! کسی بھی وقت مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی، لعنت ہو تجھ پر!" اس نے بچی کو دور ڈھکیلتے ہوئے کہا۔ لڑکی خوف‌زدہ ہوکے آگ میں گرتے گرتے بچی اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ وہ سسکیاں بھرتے ہوئے زور زور سے چیخ رہی تھی اور آنسوؤں سے گلا گھٹنے سا لگا تو اس کا چہرہ نیلا پڑ گیا۔

"اس نکمی کو نکال باہر کرو! اس کی صورت تک دیکھنا میرے لئے ناقابل برداشت ہے!" بائےدالی نے لڑکی کو خیمے سے باہر بھگاتے ہوئے گرج کے بیوی سے کہا۔

ابائی اور قراباس نے اندر داخل ہوکے اسے سلام کیا جس کا اس نے سردمہری کے ساتھ جواب دیا۔

پنیر تیار کی جا رہی ہو، دیگچہ خالی نہ ہو تو ان لوگوں کو بڑا معقول عذر ہاتھ آ جاتا ہے جو اپنے مہمانوں کی تواضع گوشت سے نہ کرنا چاہتے ہوں۔ ویسے جہاں تک ابائی کا تعلق تھا، اس کا اس شور و غل اور افراتفری کی جگہ پر ٹھہرنے کا یوں بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ "کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے تو اور بھی اچھا ہے" اس نے سوچا اور دل ہی دل میں قراباس کی حالت پر ہنس پڑا جو کھانے کو زندگی میں ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کے لئے دوپہر یا رات کے کھانے پر گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا میسر ہونے کا امکان ہمیشہ ہی بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ابائی کو کسی جگہ سے لوٹنے کی جلدی ہوتی لیکن قراباس اسے محض اس بنا پر روک لیتا کہ رات کے کھانے پر دھوئیں میں بھنا ہوا گوشت ملنے کی توقع ہوتی تھی۔

میزبان نے جس کے سیاہ داڑھی‌والے چہرے سے سنگدلی ٹپکتی تھی، ان لوگوں کی طرف ایک بار بھی دیکھا تک نہیں۔ وہ چپ چاپ کھڑا قہرآلود نگاہوں سے دروازے کی طرف گھورے جا رہا تھا۔ آخرکار اس نے اپنی بیوی کی طرف مبہم سا اشارہ کیا جیسے دریافت کر رہا ہو: "کیا ہم انہیں قمیز پلا دیں؟"

قراباس جو اس اثنا میں اپنی پیٹی ڈھیلی کر چکا تھا، آرام سے بیٹھنے کی تیاری کر رہا تھا لیکن ابائی اپنے میزبان کے جذبات کو

پوری طرح سمجھ گیا اور وہاں دیر تک ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ آخر قمیز لایا گیا اور اسے بائےدالی نے خود ہی چمچے سے پھینٹ کے پیالوں میں انڈیلا۔

"کہو بھئی، تم لوگوں کا کدھر کا ارادہ ہے" آخرکار اس نے دریافت کیا۔ "یہاں کس کام سے آئے ہو؟"

ابائی نے فوراً ہی اپنے باپ کا پیغام کہہ سنایا۔

یہ معاملہ بھی چراگاہوں ہی سے متعلق تھا۔ قونانبائے نے گزشتہ سال جائےلاؤ کو روانہ ہونے سے قبل، بوکینشیوں کو قراشوقی میں ان سے چھین لی جانےوالی چراگاہوں کے بدلے، بائےدالی کی چراگاہوں سے ملی ہوئی زمینیں دے دی تھیں۔ اب اس نے بائےدالی سے درخواست کی تھی کہ وہ سوغیر اور سویوندیک کو اپنی چراگاہیں استعمال کرنے کی اجازت دے دے۔

ابائی اپنی بات کہہ چکا تو بائےدالی کی پیشانی پر بل پڑ گئے لیکن کافی دیر تک اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ابائی کو تیز تیز نگاہوں سے گھورتا رہا لیکن ابائی بھلا اس طرح کے رویے سے کب پریشان ہونےوالا تھا۔ اس کا چہرہ غیرمتغیر رہا، حیرت ضرور جھلکتی تھی لیکن وہ بھی کچھ یوں جیسے پوچھ رہا ہو: "آخر آپ مجھے اس انداز سے کیوں دیکھے جا رہے ہیں؟"

آخرکار بائےدالی نے جواب دیا۔

"خیر یوں ہی سہی۔ سویوندیک اور سوغیر میری چراگاہوں پر پڑاؤ ڈال لیں۔ اور میں کہہ ہی کیا سکتا ہوں؟"

یہ ایک ایسے شخص کا فیصلہ تھا جو جرأتمند اور باعزم تھا۔ اس نے بحث کرنے، اپنی حمایت میں دلیلیں پیش کرنے میں وقت نہیں ضائع کیا تھا حالانکہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اندر ہی اندر غصے سے سلگ رہا ہے۔ ابائی نے قمیز ختم کرکے میزبان کا شکریہ ادا کیا اور چلنے ہی والا تھا کہ بائےدالی پھر بول اٹھا:

"میں اس تجویز پر راضی ہو گیا ہوں لیکن مجھے تمہارے والد سے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ جو کچھ کہوں‌گا اسے لفظ بہ لفظ ان تک پہنچا دوگے نا؟"

"آقسقال، از راہ کرم بتائیے نا، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا پیغام لفظ بہ لفظ پہنچا دوں‌گا۔"

بائےدالی اس کے اس جواب سے خاصا متاثر ہوا۔

"کسی اور کے ذریعے پیغام پہنچاؤں‌گا تو بہت ممکن ھے کہ الٹی سیدھی باتیں اور جھوٹی افواھیں پھیل جائیں تمہارا معاملہ دوسرا ھے۔ تم سے اسی طرح کہہ سکتا ہوں جیسے تمہارے والد سے" اس نے کہا اور ایک بار پھر خاموش ہوکے کچھ سوچنے لگا۔

"کیا ابھی یہ کل ھی کی بات نہیں" آخر اس نے کہنا شروع کیا۔ "کہ قارقرالنسک میں بہت سے لوگوں کے سامنے ھم آپس میں صلح اور دوستی کے تعلقات قائم کرنے پر راضی ھو گئے تھے؟ لیکن ھماری صلح کا انجام کیا ھوا؟ اگر قونان‌بائے مجھے مسلسل پریشان کرتے رھتے ھیں تو پھر آخر ان کی صلح اور دوستی، کن معنوں میں تلخی اور دشمنی سے مختلف ھے؟ بھلا میں نے انہیں ناراض کرنے کے لئے کوئی بات کی ھے؟ کیا جیگی‌تیک جرگے نے کوئی ایسا کام کیا ھے جو تمہارے والد کی ناراضگی کا باعث ھو؟ ایک زمانے میں ھمارے مورث اعلا کینگیربائے نے تمہارے مورث اعلا ارغیزبائے کو اپنے بعد بائے بنائے جانے کی وصیت کی تھی۔ کیا تم سمجھتے ھو کہ خود ان کے بیٹے نہیں تھے؟ تھے کیوں نہیں۔ لیکن انہوں نے کہا تھا "ارغیزبائے کو سربراہ ھونا چاھئے"۔ اور اب قونان‌بائے ھمارے سروں پر کھڑے ھیں۔ وہ اقتدار اور شان و شوکت کے مالک ھیں۔ سوال یہ ھے کہ آخر وہ ھمارے عوام کو پامال کرنے کا سلسلہ بند کیوں نہیں کرتے؟ وہ تو ھمیں پل بھر بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ مسلسل اصرار کرتے رھتے ھیں: "تم لوگ آگ میں کود پڑو! میں جب تک اپنی بات منوا نہ لوں‌گا، چین سے نہ بیٹھوں‌گا!" وہ جواب چاھتے ھیں، چاھتے ھیں نا؟ اچھی بات ھے، تو تم ان تک یہ الفاظ پہنچا دینا: "اگر وہ ھم لوگوں کو پریشان کرنا ترک نہ کریں گے تو انہیں پچھتانا، غم جھیلنا پڑےگا۔ ان سے کہہ دینا کہ یہ پیغام کسی ایک فرد ھی کا نہیں بلکہ سارے جیگی‌تیک جرگے کی طرف سے ایک طرح کا سلام ھے۔ جہاں تک زمین کا تعلق ھے تو وہ اسے لے لیں! صرف یہی چراگاھیں نہیں بلکہ ساری کی ساری!"

بائےدالی نے اپنا ھاتھ ھوا میں لہرایا۔

خیمے میں خاموشی چھائی ھوئی تھی۔ صرف دیگچے کے نیچے جلتی ھوئی لکڑیوں سے چٹاخ چٹاخ کی آوازیں نکل رھی تھیں۔ شعلوں

کی لمبی لمبی زبانیں مسلسل اس بڑے برتن کو جس میں پنیر کھول رہی تھی، چاٹنے جا رہی تھیں۔ ترش دودھ گاڑھا ہو گیا تھا اور پوری طاقت سے اوپر اٹھ رہا تھا۔ بڑے بڑے بلبلے دھیرے دھیرے سطح پر نمایاں ہو رہے تھے۔ بائےدالی باتیں کر رہا تھا تو ابائی کی نظریں اسی کھولتے ہوئے دودھ پر جمی ہوئی تھیں جیسے اس نے اس پر جادو سا کر دیا ہو۔ اس نے سوچا کہ برسوں کا دبا ہوا غصہ جوش کھا رہا ہے! دیگچے کے اسی کھولتے ہوئے دودھ کی طرح یہ برہمی ہر جگہ اکٹھا ہو رہی ہے، بیک وقت متعدد جگہوں پر باہر پھوٹ نکلنے کے لئے ابھر رہی ہے۔ قولین‌شاق کی ناراضگی، سویوندیک کے تلخ الفاظ، بوجیئی کی نفرت اور اب بائےدالی...

بائےدالی نے یہ باتیں خاصے ضبط کے ساتھ کہی تھیں پھر بھی اس کے الفاظ جانے کتنے ہی گہرے زخموں کو چھو رہے تھے! جانے کتنے ہی تلخ خیالات اور پیچیدگیوں کو جنم دے رہے تھے۔ اس کا مختصر پیغام دراصل برسوں کے اختلافات، لعنت ملامت اور ایسے ناقابل تردید الزامات کے نقطۂ عروج کی حیثیت رکھتا تھا جنہیں مکمل طور پر ثابت کیا جا سکتا تھا...

ابائی نے اپنے چہرے سے کسی رد عمل کا اظہار نہ ہونے دیا۔ وہ بائےدالی کو یہ معلوم کرنے کا موقع نہیں دے سکتا تھا کہ اسے اس سے ہمدردی تھی کہ نہیں۔ وہ اپنی تمام توجہ اس کی باتیں سننے اور انہیں یاد رکھنے پر مبذول کر رہا تھا۔ آخر اس نے اپنا بید اور ٹوپی اٹھائی اور وہاں سے رخصت ہونے کو تیار ہوا لیکن اتنے ہی میں بائےدالی نے کچھ اور کہنے کا اشارہ کیا اور اس نے اپنی چیزیں رکھ دیں۔

بڑے بوڑھے جانتے ہیں کہ انہیں کس طرح پرسکون رہنا اور اپنے سنجیدہ‌ترین خیالات کو روح کی نامعلوم خفیہ گہرائیوں میں دفن کر دینا چاہئے لیکن بائےدالی نے جس طرح اچانک اپنے شدید غصے کی جگہ پرسکون رویہ اپنایا، ضبط نفس کی جس قوت کا مظاہرہ کیا وہ ابائی کے لئے بالکل نئی بات تھی۔ ابھی ابھی ایسا لگتا تھا کہ وہ غصے کی شدت سے برس پڑےگا لیکن اب اچانک اس کی گفتگو کا لہجہ بہت ہی پرسکون اور نرم ہو گیا۔

"قراتائے سے تمہاری اکثر ملاقات ہوتی ہے کیا؟ وہ بھی کتنا

شاندار آدمی ہے! افسوس کی بات ہے کہ وہ غریب جرگے کوک‌شے سے تعلق رکھتا ہے۔ ارغیزبائے جرگے کا ہوتا تو اس نے یقیناً بہت ترقی کی ہوتی۔

"ایک دن" اس نے پل بھر کی خاموشی کے بعد سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "قراتائے، بوجیئی، بائیسال اور میں، چاروں آپس میں بات‌چیت کر رہے تھے۔ اتنے میں ہم میں سے کسی نے پوچھا: "جن لوگوں کو ہم جانتے ہیں ان میں زیادہ فیاض کون ہے؟" ہم لوگوں نے اس سوال پر ذرا دیر غور کیا۔ بائیسال لیٹا ہوا کسی جنگلی جانور کی طرح سورج کو دیکھ دیکھ‌کے آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ آخرکار قراتائے نے جواب دیا: "قونان‌بائے۔" جلد ہی ایک دوسرا سوال پوچھا گیا: "سب سے اچھا خطیب کون ہے؟" قراتائے نے پھر جواب دیا: "قونان‌بائے۔" ہم نے تیسری بار سوال کیا: "ہم میں بہترین شخص کون ہے؟" اور تیسری بار بھی قراتائے ہی نے جواب دیا: "قونان‌بائے!" اتنے میں بائیسال نے تکیے سے سر اٹھایا۔ "ارے اے لومڑی! کیسی مہمل باتیں کر رہے ہو؟ قونان‌بائے فیاض ہے، قونان‌بائے خطیب ہے، قونان‌بائے بہترین شخص ہے! تو پھر آخر ہم اس پر ناک بھوں کیوں چڑھاتے ہیں، اس سے لڑتے جھگڑتے کیوں ہیں؟" قراتائے نے فوراً ہی جواب دیا: "قونان‌بائے کے عیوب کی کس کو فکر ہے؟ ان عیوب سے کیا ہمیں کوئی پریشانی ہوتی ہے؟ قطعاً نہیں۔ اس میں ساری خوبیاں موجود ہیں، ایک بس نرم‌دلی اور انسانی ہمدردی نہیں ہے! اور یہی وجہ ہے کہ ہم میں اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں" بائےدالی نے اس مرحلے پر ابائی کی طرف بہت غور سے دیکھا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک ایسے شخص ہو جسے الفاظ کی قدر و قیمت کا علم ہے۔ شاید تمہارے والد کو ہماری اس بات‌چیت کا کبھی بھی پتہ نہیں چلا۔ تم انہیں اس کے بارے میں بتا دینا۔ قراتائے ان کی سنگدلی اور مظالم کو بار بار دیکھ چکا ہے اور اب آئے دن جیگی‌تیک قبائلی بھی دیکھتے اور محسوس کرتے رہتے ہیں کہ قونان‌بائے کس قسم کے آدمی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم ان کے منہ سے "میں معاف کرتا ہوں" سننے کے لئے زندہ نہ رہیں گے۔"

بائےدالی ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

واپس ہوتے وقت ابائی راستے میں کہیں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے جو کچھ سنا تھا وہ تکلیف‌دہ بھی تھا اور سبق‌آموز بھی۔

"ہم لوگوں میں گھوڑے دوڑانے کا مقابلہ کیوں نہ ہو جائے" اس نے بائےدالی کے پڑاؤ سے باہر نکلتے ہی قراباس سے تجویز پیش کی۔

قراباس کو اس قسم کے کھیلوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اگر انہیں اندھیرا ہوتے ہوتے قراشوقی پہنچنا تھا تو ویسے بھی عجلت سے کام لینا تھا اور اس کی سیاہ گھوڑی بھی ابائی کے گھوڑے آئمان‌دائے ہی جیسی تیزرفتار تھی۔

"اچھی بات ہے آؤ، چلو!" اس نے گھوڑی کو ایڑ لگائی اور ابائی سے آگے نکل گیا۔

بہت دیر تک دونوں اسی طرح تیزی سے سواری کرتے رہے۔ کبھی ایک آگے نکل جاتا، کبھی دوسرا، لیکن دونوں میں سے کوئی بھی ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔ قراباس آگے نکل جانے کے بعد رفتار دھیمی کر دینا چاہتا تھا لیکن اتنے ہی میں ابائی اپنے آئمان‌دائے پر اس کے برابر پہنچ‌کے چلاتا: "تیز دوڑاتے رہو ورنہ میں آگے نکل جاؤں‌گا!"

'دراصل بائےدالی نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی ہے۔ اب اسے روکا تھوڑی جا سکتا ہے!" قراباس نے سوچا۔

ان کے گھوڑے جن پر جھاگ کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے، سرپٹ دوڑتے ہوئے غروب آفتاب سے ذرا ہی قبل قراشوقی میں داخل ہوئے۔

پڑاؤ سے کچھ آگے چٹانوں کی ایک نیچی سی پہاڑی تھی جس پر ابائی نے اپنے باپ کو میباسر کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس نے تیزی سے نیچے اترکے لگام قراباس کو تھمائی اور جلدی جلدی باپ کی طرف لپکا۔

قونان‌بائے نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ اس کا بیٹا تمام راستے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا ہے۔ یہ اندازہ اس کی تجربےکار آنکھ نے لاکھی رنگ کے گھوڑے کو دیکھتے ہی لگا لیا تھا جو پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوکے لگام کو گھسیٹ رہا تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔

لیکن قونان‌بائے کو اس کی ذرا بھی فکر نہیں ہوئی۔ وہ کم‌ظرف

نہ تھا اور اپنے لڑکوں کو کبھی اس قسم کی سرزنش سے پریشان نہیں کیا کرتا تھا: "ارے تم نے تو گھوڑے کا ستیاناس کر دیا!" گھوڑے ان کی سواری میں لنگڑے ہو جاتے یا گر پڑتے تب بھی وہ شاکی نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کوئی کچھ بھی کہے نوجوان بہرحال گھوڑوں کو تیزی سے دوڑائیں گے۔

قونان‌بائے کے لئے ایک دوسری ہی بات دلچسپی کا باعث تھی۔ ابائی گھر نہیں گیا تھا بلکہ عجلت کے ساتھ پہاڑی پر سیدھا اپنے باپ کے پاس آ گیا تھا۔ وہ بڑے غور سے اپنے بیٹے کو تکنے لگا نوجوان کی آنکھیں چمک رہی تھیں. رخسار تمتما رہے تھے او نتھنے کشادہ ہو گئے تھے۔ وہ کتنا بدلا ہوا سا نظر آ رہا تھا! ایسا لگتا تھا جیسے وہ عام طور پر پرسکون اور خاموش رہنے‌والا ابائی نہیں کوئی دوسرا تھا۔

"آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ تم پر اتنی سنسنی سی کیوں طار ہے؟ مجھے بتاؤ نا آخر کیا ہو گیا ہے؟" اس نے نوجوان کے قریب آتے ہی مطالبہ کیا۔

ابائی کو یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ وہ جس حالت میں تھا اس اس کا باپ کتنی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ پھر اس نے بیٹھکے بائے‌دا‌ا سے ہونے‌والی بات‌چیت لفظ بہ لفظ دوہرا دی۔

باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے باپ کو غور سے دیکھے جا رہا تھ پہلے تو قونان‌بائے خاصے صبر و ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن ان الفاظ پر "ہم جیگی‌تیکیوں نے آخر کس طرح انہیں ناراض کیا ہے؟" اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے ابائی کو گھورا، یہ سوچتے ہوئے کہ آخر ابائی کا اس سارے معاملے کے بارے میں کیا خیال ہے۔

باپ کی نظر چہرے پر جمی ہونے سے نوجوان ذرا بھی پریشان نہ ہوا۔ اس نے جیگی‌تیک جرگے کی تمام ناراضگی سے قونان‌بائے کو مطلع کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ خود اپنے اخذ ہوئے بعض نتائج بھی بیان کر ڈالے۔ باپ کے لئے بیٹے کی باتیں سننے کا وقت آ گیا تھا۔

ابائی نے آخر میں وہ دھمکی‌آمیز الفاظ بھی ادا کئے جو جیگی‌تیک جرگے کی طرف سے سلام کے طور پر کہے گئے تھے۔ قونان‌بائے اب بھی خاموش رہا تو ابائی نے قراتائے کے الفاظ کے متعلق بائے‌دا‌ل کا بیان کیا ہوا واقعہ بھی سنا دیا۔ "اب تو اباجان کو بولنا ہی

پڑےگا" ابائی نے سوچا۔ "لیکن وہ کہیں گے کیا؟" وہ بےصبری سے اتنظار کرنے لگا۔

قونان‌بائے اپنے بیٹے کے خیالات کو تاڑ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے نہ تو قراتائے کو جواب دینا ہے، نہ بائےدالی کو۔ اسے اپنے بیٹے کو جواب دینا تھا جو اس کے سامنے بیٹھا بےصبری سے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ اسے جواب دینا تھا، چاہے صرف اسی بات کے لئے کہ اس کے بیٹے کو اپنے باپ کے دشمنوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے۔

"قراتائے تجربےکار گھڑسوار ہے" اس نے کہا۔ "وہ جانتا ہے کہ کب رفتار تیز کرنی چاهئے، کب دهیمی۔ شاید اس کا کہنا درست ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی خوبیاں بڑھکر اس کے عیوب میں بدل سکتی ہیں۔ میری رائے میں ثابت‌قدمی اور استقلال، انسان کی بہترین صفات ہیں۔ میں کوئی کام شروع کرتا ہوں تو اس کے تلخ انجام تک کوششیں جاری رکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ میری غلطیوں کا سبب بھی یہی ہو۔"

وہ اپنا راکھ جیسا چہرہ لئے ذرا دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔

"انسان آخر ہے کیا، محضؔ خدا کا ایک بندہ۔ اور کتنے ہیں وہ عیوب جو ایک بندے میں پائے جا سکتے ہیں؟" اس نے اپنی بات کچھ اور زیادہ پرسکون لہجے میں جاری رکھتے ہوئے کہا۔

اور ابائی کو محسوس ہوا کہ اس کا باپ صحیح معنوں میں ایک بڑا آدمی ہے حالانکہ بالواسطہ طور پر، اس نے اپنے غلطی پر ہونے کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس معاملے میں وہ بائےدالی جیسا نہ تھا جو دوسروں پر تو بڑی تیزی کے ساتھ الزامات لگاتا تھا لیکن خود اپنی غلطیاں بڑی مشکل سے تسلیم کر پاتا تھا۔ اس کے باپ نے یہ باتیں محض خطیبانہ انداز میں نہیں کہی تھیں: اس کے الفاظ دراصل معنی سے لبریز تھے۔ قونان‌بائے کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ یہ کام اتنا ہی دشوار تھا جتنا کہ کسی پہاڑ کی پیچیدہ خلاؤں میں راستہ تلاش کرنا۔

باپ کے کچھ اپنے مقاصد تھے، کچھ اپنا الگ راستہ، بیٹے کے بھی کچھ مقاصد تھے اور الگ راستہ۔ ابائی گھر چلا گیا لیکن اس کے خیالات اسی انداز میں بری طرح ایک دوسرے سے الجھے رہے۔

جیدےبائے واپس لوٹنے سے قبل ابائی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اس سال وہ لوگ گرمیاں کہاں گزاریں گے۔ ایسا لگتا تھا کہ بڑے خیمے سے وابستہ گروہ سب سے پہلے روانہ ہوگا لیکن اس بار اس سمت میں نہیں جس میں عموماً روانہ ہوا کرتا تھا۔ پڑاؤ درے کے آگے باقانس وادی میں پڑنےوالا تھا۔

توبیق‌تی قبیلے کی چراگاہوں کے علاقے میں باقانس اور بائےقوش‌قار سب سے لمبے دریا تھے۔ اس سے قبل قونان‌بائے کے قبائلی گروہ گرمیوں میں بائےقوش‌قار کے کنارے جایا کرتے تھے جبکہ باقانس کوک‌شے جرگے کے قبضے میں رہتا تھا لیکن اب قونان‌بائے کا قراتائے سے جھگڑا ہو گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ اس نے قراتائے کی موسم گرما کی چراگاہوں پر قبضہ کر لینے کا عزم کر رکھا ہے۔

اس معاملے میں بعض دوسری مصلحتوں کا بھی ہاتھ تھا۔ تین جرگے: بوکین‌شی، جیگی‌تیک اور کوک‌شے ایک ساتھ گرمیاں گزارنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بائےدالی نے ابائی کے ذریعے قونان‌بائے کو جو دھمکی دی تھی وہ یوں ہی بےجان سی دھمکی نہ تھی اور بالکل واضح تھا کہ وہ ان تمام افراد کو جو اس کے ہم‌خیال تھے، اپنے ارد گرد اکٹھا کر رہا ہے۔ اس صورت‌حال کے مد نظر قونان‌بائے کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے بعض قبائلی گروہوں کو جیگی‌تیک علاقے میں داخل کر دے۔ اس کے بعد اس کو جیگی‌تیکیوں کی تمام چالوں اور ان کے ایک ایک خفیہ اقدام کی فوری طور پر اطلاع مل سکتی تھی۔

"بڑے خیمے" سے وابستہ گروہ کو پہلے روانہ کرنا سب سے زیادہ موزوں و مفید بات تھی کیونکہ زرہ کے خیمے سے توبیق‌تی قبیلے کے سب ہی لوگ واقف تھے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اول‌جان، کونکے کے برعکس، مہمان‌نواز، کشادہ‌دل اور فیاض تھی۔ وہ اپنے دوستانہ رویے کی بنا پر سب کے لئے باعث کشش تھی اور دلوں کو نرم اور عداوت کی دھار کو کند کرنا جانتی تھی۔

چنانچہ قونان‌بائے نے تمام مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے "بڑے خیمے" سے وابستہ گروہ کو باقانس روانہ ہونے کا حکم دیا۔ یہ جگہ پہاڑی درے کے بالکل آگے ہی واقع تھی۔ اس نے ان لوگوں کو ہدایت

کی که وهاں پہنچنے کے بعد بوکینشی جرگے کے خیموں کے قریب هی اپنے خیمے نصب کر لیں۔

ابائی اپنے باپ کے خفیه ارادوں کو نه تاڑ سکا۔ وه جانتا تها که دوسرے گروهوں کے ساتھ هوئے بغیر، صرف ایک گروه کا ترک سکونت کرنا خاصا دشوار کام هوگا پھر بھی اس کا دل مسرت سے لبریز هو اٹھا کیونکه قراول دریا کے کنارے کنارے باقانس تک سفر کرنے کا مطلب یه تھا که وه لوگ سویوندیک کے پڑاؤ سے قریب هو جائیں۔ وه یه سوچ سوچ کے ملول و مایوس هوتا رهتا تھا که توغجان سے اب کبھی ملاقات هونا تو درکنار، اس سے قریب هونے تک کی کوئی صورت نه نکل سکے گی۔ لیکن اب قسمت کے ناقابل تشریح طریقے ایک بار پھر توغجان کے پڑاؤ کی طرف اس کی رهنمائی کر رهے تھے!

ادھر کچھ دنوں سے توغجان کی یاد اسے کچھ اتنا زیاده مغموم کرتی رهی تھی که اس نے اپنے باپ کی هدایات سنیں تو وه اپنی مسرت کو چھپا نه سکا اور اس کا چهره خوشی سے دمکنے لگا۔ قونانبائے نے اس کی اس کیفیت پر توجه تو مبذول کی لیکن کچھ کہا نہیں۔ ابائی نے جائے سکونت کی منتقلی کے اس عجیب انداز پر کوئی اعتراض نه کیا۔ بس اتنا هی کہا که اسے مجموعی حیثیت سے اس بات کا یقین نہیں که کسی ایک گروه کا اس طرح اکیلے سفر کرنا اچھی بات هوگی۔

لیکن قونانبائے تمام تفصیلات پر غور و خوض کر چکا تھا۔

"تم لوگ اکیلے تھوڑی هوگے۔ میں نے ایک دو نہیں، دس گروهوں کو حکم دیا هے که وه تم لوگوں کے پیچھے پیچھے چل پڑیں" اس نے جواب دیا۔

ابائی تمام تفصیلات طے کرکے جیدےبائے واپس آ گیا۔

اس نے سوچا که وه توغجان سے پھر مل سکے گا، اس کا دیدار کر سکے گا اور شاید بار بار کر سکے گا۔ خوشقسمتی سے کیسا قیمتی، کتنا غیرمتوقع موقع هاتھ آ گیا هے! اب وه صرف توغجان کے بارے میں سوچ رها تھا، اس کی صورت برابر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رهی تھی۔

"میری لاثانی توغجان! میری امیدوں کا مرکز!" وه بار بار کہے جا رها تھا۔ یه الفاظ خود بخود اس کے منه سے نکلے آ رهے تھے

اور اتنی تیزی سے جتنی تیزی سے اس کے گھوڑے آئمان‌دائے کی ٹاپوں کی آوازیں ابھر رھی تھیں۔ یہ وہ لمحات تھے جو زندگی میں دوبارہ لوٹ‌کے نہیں آنےوالے تھے۔ ایک ایسے نوجوان کی کیفیت تھی جس کے جسم میں وفور جذبات سے آگ سی لگی ہوئی تھی، جیسے پرواز کے لئے بازو سے میسر آ گئے تھے۔

ابائی نے اپنے گھوڑے پر تمام راستہ تیز دلکی چال سے طے کیا۔ اس سے قبل یہ سفر کبھی بھی اتنا مختصر نہیں معلوم ہوا تھا اور اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کس طرح اپنی ماں کے پڑاؤ پر پہنچ گیا۔

جیدےبائے میں سب لوگ جانے کب ھی کے خیموں میں منتقل ھو چکے تھے۔ قراول دریا میں اس سال طغیانی آئی تھی۔ اس کا پانی دور دور تک پھیل گیا تھا جس کے نتیجے میں قرب و جوار کی ترائیاں گھنی رس‌دار گھاس سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ گروہ کے کثیر تعداد سفید سفید خیمے دیکھنے میں کچھ ایسے سجے سجائے سے معلوم ھوتے تھے جیسے بہت ھی عزیز مہمانوں کی آمد متوقع ھو۔ بھیڑوں کے گلے چاروں طرف چرنے میں مصروف تھے، ان کے بچے ماؤں کی تلاش میں میمیاتے پھر رھے تھے اور کتے بھونک رھے تھے۔ ھر طرف آدمی ھی آدمی دکھائی دیتے تھے اور پڑاؤ پر مصروفیت اور شور و غل کی فضا طاری تھی۔ ابائی نے بڑے خیمے کے سامنے جاکے گھوڑا کھڑا کیا۔ اپنی ماؤں کو سلام کیا اور انہیں اپنے والد کی ھدایات سے مطلع کیا۔ اس نے کہا کہ "جائرلاؤ" میدانوں میں اس سال ھری گھاس قبل از وقت نمودار ھو گئی ھے اور چنگیز پہاڑ پر مقیم قبائلی گروھوں نے دامن کوہ تک آنے کی مصیبت نہیں مول لی بلکہ فوری طور پر موسم گرما کی چراگاھوں کو روانہ ھو گئے ھیں۔ اس صورت میں "بڑے خیمے" سے وابستہ گروہ کو ان سے پیچھے نہ رہ جانا چاھئے۔

اول‌جان نے رضامندی ظاھر کی۔ اسے صرف ایک اعتراض تھا اور وہ یہ کہ فوری طور پر روانہ نہیں ھو سکتی۔ اس نے کہا کہ اسے کم از کم پانچ چھ دنوں کی مہلت درکار ھوگی تاکہ سامان بندھوایا جا سکے اور روانگی سے قبل موسم سرما کے مکانوں کی حالت ٹھیک کی جا سکے۔

ابائی فکرمند ھو گیا۔ اس نے سوچا کہ سویوندیک کے گروہ نے

ان لوگوں سے پہلے ھی پہاڑوں کو پار کر لیا اور اتنا زیادہ آگے نکل گیا کہ اسے راستے میں جا لینا ناممکن ھو گیا تو کیا ھوگا؟ اور اپنے دوستوں کے گروہ کے ساتھ سفر کرنا کتنا خوشگوار ھوتا ھے! ساتھ ساتھ آگے بڑھنا اور ساتھ ساتھ دن اور رات کو ایک ھی جگہ قیام کرنا کتنی اچھی بات ھوتی ھے! "جائےلاؤ" تک صحرانوردی کے زمانے میں عام رواج کے مطابق چھوٹے خیموں، جھونپڑیوں اور ھلکے خیموں میں قیام کیا جاتا ھے۔ آدمی محبت کر رھا ھو تو وہ اپنی محبوبہ سے چاندنی رات میں کسی چھوٹے خیمے کے اندر ملاقات کر سکتا ھے! ابائی نے ان بانکوں سے جو عمر میں اس سے بڑے تھے، اس طرح کی باتیں اکثر سن رکھی تھیں۔

لیکن اس کی ماں کا فیصلہ اٹل تھا۔ گھریلو معاملات میں اول‌جان ھمیشہ ھی جیسا چاھتی ویسا کرتی تھی اور قونان‌بائے تک سے مشورہ نہیں کرتی تھی۔ ابائی کو با دل ناخواستہ اس کی مرضی کے آگے جھکنا ھی پڑا۔

شام کے کھانے پر اس نے زرہ اور اول‌جان کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اس نے قم‌شات کے متعلق سنا تھا۔ اس نے کچھ چھپائے بغیر ساری تفصیلات بیان کر دیں۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ روتی اور غم‌زدہ ھوتی ھیں تو ھو لیں، وہ اب اس ننھی بچی کے مصائب کو ان لوگوں سے راز میں نہیں رکھ سکتا۔

زرہ نے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتے ھوئے قونان‌بائے کو غصے سے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اول‌جان ذرا دیر تک چپ چاپ بیٹھی رھی پھر اس نے ابائی سے کہا:

"دیکھو، آئی‌غیز کو اس بارے میں کچھ نہ بتانا۔ اس غریب کا دل ویسے ھی ٹوٹ چکا ھے۔ ابھی آج صبح ھی کی تو بات ھے ھم لوگوں سے کہہ رھی تھی کہ اس نے خواب میں قم‌شات کو آگ میں گرتے دیکھا ھے۔"

"سویوندیک کی بیوی صحیح معنوں میں ایک ماں ھے" اس نے پل بھر خاموش رھنے کے بعد مزید کہا۔ "بہت ھی نیک‌دل اور محبت کرنےوالی۔ وہ بلا کسی سبب، اس طرح کی باتیں کہنے سے رھی۔ ھم لوگ چنگیز پر پہنچ جائیں‌گے تو کسی بڑی عمر کے آدمی کو ساتھ لےکے قم‌شات کو دیکھنے چلے جانا۔ ھم لوگوں کو ساری باتیں ٹھیک

ٹھیک معلوم ہو جائیں گی تو تمہارے اباجان سے باتیں کریں گے۔ تب ضرورت ہوگی تو آئی غیز کو بھی بتا دیں گے۔"

دس دنوں کے بعد قونان بائے کے "بڑے خیمے" سے وابستہ گروہ نے چنگیز کو پار کیا اور جیگی تیک اور بوکین شی جرگوں کے قریب پہنچ کے اپنے خیمے نصب کر دئیے۔

جیسا کہ قونان بائے نے پہلے ہی بتا دیا تھا، تقریباً دس قبائلی گروہوں نے سفر کیا تھا۔ سفر کے آخری دن تک بوکین شی اور جیگی تیک قبائلیوں کو جو اس سے قبل چنگیز کی ترائیوں سے روانہ ہوئے تھے، راستے میں جا لینا ممکن نہیں ہو سکا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ بڑے خیمے کے گروہ نے دوسروں کی بہ نسبت سست رفتاری سے راہ طے کی تھی۔

ان لوگوں کی آمد کے پہلے ہی دن سے زرہ کے خیمے سے وابستہ افراد کے خیرمقدم کی علامت کے طور پر گوشت اور قمیز کے روایتی تحائف کثیر مقدار میں ملنے لگے۔ بوڑھی زرہ کا خیرمقدم کرنے کے لئے عورتوں کے جھنڈ کے جھنڈ بڑے خیمے میں داخل ہوتے رہتے تھے۔ قرب و جوار میں رہنے والے تمام ہم قبیلہ لوگ، قونان بائے سے اپنے جھگڑے کے باوجود، زرہ کو احتراماً سلام کرنے آئے۔ صرف بوجیئی، بائے دالی، سوغیر اور سویوندیک ہی نہیں آئے۔ زرہ سے ملنے کے لئے جو بھی آیا اس کا بڑی گرمجوشی سے خیرمقدم کیا گیا اور جو لوگ نہیں آئے تھے ان کے تذکرے سے، بڑی ہوشیاری کے ساتھ گریز کیا گیا۔

آمد کے دوسرے ہی روز ابائی اور عابدخان، بوجیئی کے پڑاؤ پر گئے جو مغرب میں سرسبز و شاداب پہاڑی کے پار، میٹھے پانی کی جھیل کے کنارے واقع تھا۔ یہ لوگ دوپہر کے کھانے کے وقت وہاں پہنچے اور ابائی نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ کوئی خوشحال گروہ نہ تھا۔ پڑاؤ پر صرف دو ایک ہی عمدہ نئے خیمے نظر آ رہے تھے، باقی سب کے سب اتنے پرانے تھے کہ ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔

بوجیئی کے خیمے کے سامنے دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے تو انہیں بتایا گیا کہ بوجیئی جھیل کی دوسری طرف اپنے کسی رشتے دار سے ملنے گیا ہوا ہے۔

گھوڑوں کو باندھ کے خیمے کے بالکل قریب پہنچنے پر ابائی اور

عابدخان کو کمزوری سے رونے کی "ایں ایں" کی آواز سنائی دی۔ ایسی دردناک آواز کسی بیمار بچے ھی کے منه سے نکل سکتی تھی۔

ابائی نے قمشات کی آواز پہچان لی اور اس کا دل مغموم ھو گیا۔ خیمے کا چکر لگاکے وہ دونوں دروازے پر پہنچے تو ایک کرخت آواز سنائی دی جو بچی پر لعنت بھیجتے ھوئے اسے غصے سے ڈانٹ رھی تھی۔ یه بوجیئی کی بڑی بیوی کی آواز تھی اور کمینگی سے بھرے ھوئے تلفظ کی بنا پر اس کا ایک ایک لفظ ابائی پر بڑی تکلیف‌دہ ضرب لگا رھا تھا۔

"اری کتے کی طرح مت بھونک! اپنا رونا چیخنا بند بھی کر، ماں باپ کا اتا پته نه رکھنے‌والی، پڑی ملنے‌والی کمبخت کہیں کی!"

ابائی پردہ ھٹاکے عابدخان کے ساتھ اندر داخل ھوا۔ کشادہ خیمه، باھر سے دیکھ‌کے جیسا اندازہ ھوتا تھا، اس سے کہیں زیادہ امارت کا آئینه‌دار تھا اور اس میں بہت سے قیمتی قالین اور پردے موجود تھے لیکن ھر چیز سے بےترتیبی جھلکتی تھی۔ فرش پر جھاڑو نہیں دی گئی تھی، بستر نہیں درست کئے گئے تھے اور مختلف چیزیں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔ ایک لمبی سی کالی کلوٹی عورت پلنگ کے قریب رکھے چرخے کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کے پھڑکتے ھوئے نتھنوں اور ھونٹوں کی مسلسل جنبش سے صاف ظاھر ھو رھا تھا که وہ بڑی بدمزاج عورت ھے۔

بوجیئی کی دونوں بیٹیاں پلنگ کے عقب میں فرش پر بیٹھی کشیدہ‌کاری میں مصروف تھیں۔ یه دونوں بدصورت اور بےڈول، ڈھلتی جوانی‌والی کنواریاں بھی اپنی ماں ھی جتنی بدمزاج معلوم ھوتی تھیں۔

بچی پہلے کی طرح اب بھی روئے چلی جا رھی تھی۔

ھاں، وہ قمشات ھی تھی۔ وہ گندے چیتھڑوں پر سمٹی سمٹائی لیٹی ھوئی تھی اور اس کے سر کے نیچے کسی پرانے کوٹ کی آستین تکیے کے طور پر رکھی ھوئی تھی۔ وہ بڑی نقاھت سے کانپتی ھوئی آواز میں رو رھی تھی اور اس کی یه ھلکی ھلکی چیخیں اپنے ارد گرد کے لوگوں کی لاپروائی اور سنگ‌دلی پر نوحے کی حیثیت اختیار کئے ھوئے تھیں۔

پھولے پھولے سرخ گالوں‌والی قمشات اب یوں کمزور اور زرد

پڑ گئی تھی جیسے کافی عرصے سے بیمار رہی ہو۔ ٹانگیں اور بازو تو خاص طور سے اتنے دبلے پتلے ہو گئے تھے کہ دیکھ‌کے حیرت ہوتی تھی۔ ننھا سا چہرہ، بےبسی سے اذیت جھیلنے کی کیفیت کا آئینہ‌دار تھا اور پچکے ہوئے گالوں پر کسی ایسے زیادہ عمروالے فرد کے چہرے کی طرح جھریاں پڑ گئی تھیں جو فاقے کرتا رہا ہو یا جسے شدید رنج و الم سے سابقہ پڑا ہو۔ اس بالکل نڈھال، بالکل نظر انداز کی ہوئی بچی کی حالت واقعی قابل رحم تھی۔

ابائی اور عابدخان لپک کے اس کے پاس پہنچے لیکن اس نے انہیں پہچانا ہی نہیں اور خوف‌زدہ ہو کے منھ پھیر لیا۔

عابدخان بدحواس سا ہو گیا اور خود کو قابو میں نہ رکھ سکا۔

"ارے میری بےچاری، بےسہارا ننھی منی۔ تمہیں کتنی زیادہ مصیبت جھیلنی پڑی ہے، میری معصوم بچی" وہ کہہ اٹھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ابائی کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ غصے کی شدت سے کانپنے لگا۔

عورتیں جلدی جلدی، بالکل مہمل قسم کی، ادھر ادھر کی صفائی پیش کرنے لگیں۔

"دوسرے بچوں کی صحت تو ٹھیک ہے لیکن یہ بےچاری بیمار ہے۔ پیٹ میں کوئی خرابی ہے اس کے" بوجیئی کی بڑی بیوی نے بڑے میٹھے لہجے میں وضاحت شروع کی۔

"ارے بھئی، وہ کہاوت ہے نا: "پیٹ میں درد ہو تو منھ خالی ہونا چاہئے" لیکن بھلا کیا یہ اس بات کو سمجھتی ہے؟ جی نہیں! ادھر اس کی طبیعت کچھ سنبھلی اور ادھر اس نے الم غلم جو بھی ہاتھ لگا منھ میں ٹھونسنا شروع کر دیا! اس طرح بھلا کیسے اچھی ہو سکتی ہے! یہ تو خود ہی اپنے آپ کو بیمار ڈالتی ہے" ڈھلتی جوانی‌والی کنواریوں نے فکرمندی کا مظاہرہ کرنے کی بےتابی میں ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

ابائی سے کچھ کہا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی ان بےرحم عورتوں کو دیکھ‌کے قم‌شات کے افسوس‌ناک حالات کا اندازہ لگا لیا تھا۔

بوجیئی کی بیوی نے سماوار آگ پر چڑھائے جانے کی ہدایت کی لیکن ابائی نے چائے پینے سے انکار کر دیا۔

"ہم چائے نہیں پئیں گے" اس نے کہا۔ "ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔"

اس جگہ کچھ کھانے پینے کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا جبکہ ننھی قمشات غلامی کی اذیتیں برداشت کر رہی تھی۔ "اوہ میرے اپنے، میرے بہت ہی زیادہ اپنے!" ان الفاظ میں کسی رشتےدار کی موت پر بین کیا جاتا تھا لیکن مرنےوالے کے لئے یہ آہ و زاری کس کام کی ہوتی تھی! اس نے سوچا کہ اسے جلد از جلد خیمے سے باہر نکل جانا چاہئے ورنہ وہ بچی کو اٹھاکے چلتا بنےگا۔ "میری بےچاری، بےسہارا ننھی منی!" وہ تقریباً چیختے چیختے رہ گیا۔

ان بےرحم عورتوں کے سامنے خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔ ویسے بوجیئی کی بیٹیوں کے جھوٹے الفاظ پر اسے اتنی زیادہ اذیت پہنچی تھی کہ وہ ان کے اوپر چیخنا چلانا چاہتا تھا۔ اس شدید برھمی کو، اس غصے کو ان لوگوں پر اتار دینا چاہتا تھا جو اس کا گلا گھونٹے دے رہا تھا لیکن اس نے سوچا کہ اس کے چیخنے چلانے سے قمشات کی مصیبتیں کم نہ ہوں گی بلکہ بڑھ ہی جائیں گی۔ اس حالت میں وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔

بوجیئی کی بڑی بیوی نے اسے قمیز کا ایک پیالہ پیش کیا لیکن اسے وہ کیسے پی سکتا تھا؟ اس نے پیالے کو ہونٹ سے لگائے بغیر ہی، جوں کا توں، فرش پر رکھ دیا۔ خیمے سے باہر نکلتے وقت وہ سوچنے لگا کہ آخر اسے کس پر غصہ آ رہا ہے؟ اس معاملے میں وہ سارے کا سارا الزام کس پر عاید کر سکتا ہے؟ کیا تمام الزام صرف بوجیئی کے خاندان ہی پر عاید کیا جا سکتا ہے؟ نہیں، قطعاً نہیں!

اس میں کبھی بھی اتنی غضبناکی نہیں پیدا ہوئی تھی۔ پڑاؤ پر واپس ہوا تو شام ہو گئی تھی پھر بھی اس کا غصہ تھا کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

بڑے خیمے اور مہمانوں کے خیمے کے درمیان قونان‌بائے کا لمبی پیٹھ والا لاکھی رنگ کا گھوڑا ایک کھمبے میں بندھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک دوسرا گھوڑا بھی بندھا تھا اور دونوں پر کاٹھی کسی ہوئی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا باپ ابھی ابھی آیا تھا۔ ابائی نے سوچا کہ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ باپ تک اس کی ننھی بیٹی کی قابل رحم اور دردناک

کراھوں کو پہنچا ھی کے دم لےگا۔ وہ خیمے میں داخل ھوا اور جیسا کہ اسے یقین تھا، قونان‌بائے جس نے بوڑھے جمعہ‌بائے کے ساتھ سفر کیا تھا، وھاں موجود تھا۔

ابائی کے بالکل پیچھے ھی پیچھے آئی‌غیز بھی اندر داخل ھوئی۔ غالباً ماں کے دل کو نئے دکھ درد کا پہلے ھی سے احساس ھو گیا تھا اور کوئی ناقابل مزاحمت قوت اسے وھاں کھینچ لائی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ابائی بوجیئی کے یہاں گیا تھا اور ان لوگوں نے ابھی دھلیز پار ھی کی تھی کہ اس نے منت سماجت بھرے لہجے میں دریافت کیا:

"ابائی‌جان! کچھ تمہیں اپنی ننھی بہن کے متعلق بھی معلوم ھوا؟"

زرہ اور اول‌جان بھی اس کی طرف مخاطب ھوکے جواب کا انتظار کرنے لگیں۔

ابائی نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو خاموش بیٹھا ھوا، آئی‌غیز کو سرد مہری سے دیکھ رھا تھا۔

"جی ھاں، میں نے اسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا" ابائی نے کہا۔ "قم‌شات علیل ھے۔ بالکل لب گور ھو رھی ھے۔ وہ تو ھم دونوں کو پہچان تک نہ سکی۔ وہ اجنبیوں اور دشمنوں کے بیچ پھنسی ھوئی ھے... میں کہہ ھی کیا سکتا ھوں؟"

قونان‌بائے نے اس پر ایک قہرآلود نگاہ ڈالی لیکن کہا کچھ نہیں۔ عورتیں ھانپتی کانپتی، رونے پیٹنے اور آہ و زاری کرنے لگیں۔

آئی‌غیز بالکل زرد پڑ گئی۔

"میری آنکھوں کا نور! میری ننھی فاختہ، میری ننھی بچی۔ ھائے تجھے ماں کی گود سے چھین لیا گیا!" اس نے روتے ھوئے کہا۔ "ارے اس دن کو کس نے بد دعا دی ھے جس دن تو پیدا ھوئی تھی؟"

قونان‌بائے نے عورتوں کو خاموش ھونے کا حکم دینے کے انداز میں اپنا ایک ھاتھ ھوا میں لہرایا یا شاید اس نے ایک ماں کی بد دعا سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے ھاتھ لہرایا تھا۔

آئی‌غیز نے جو ھمیشہ اس کے سامنے لرزتی رھتی تھی، اپنی آواز نیچی کرکے بمشکل سانس لیتے ھوئے، غمگین فقرے ادا کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میں کہتا ہوں خاموش ہو جاؤ نہیں تو تمہیں پچھتانا پڑےگا!" قونان‌بائے نے اسے زور سے ڈانٹا۔ "جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری یہ کینہ‌پروری!"

آئی‌غیز کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ اول‌جان نے البتہ جو ابائی کے بغل میں بیٹھی ہوئی تھی، کسی نہ کسی طرح اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے پوچھا:

"آخر یہ سب ہے کیا؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ غم سے ہمارے کلیجے پھٹ جائیں اور منھ سے کبھی آہ تک نہ نکلے؟ کیا واقعی یہی چاہتے ہیں آپ؟" پھر اس نے انتہائی مایوسی کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے غموں کی ابتدا آج ہی ہوئی ہے؟ ہم تو پہلے ہی دن سے قمشات کے لئے روتے رہے ہیں۔ اس معاملے میں شکایت بھی کی جاتی تو آخر کس سے؟ ہمارے غم کو سمجھے ہی گا کون؟"

قونان‌بائے نے اسے تو خاموش کر دیا لیکن اب زرہ مشتعل ہو گئی۔

"دیکھو میری بہوؤں کو خوف‌زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو!" اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ وہ غصے میں بپھری ہوئی فرش پر ہاتھ رکھ‌کے بیٹھ گئی اور اپنے بیٹے کی آنکھ میں دیکھا۔ ابائی نے اپنی دادی اماں کو کبھی بھی اتنی زیادہ پررعب حالت میں نہیں دیکھا تھا۔

وہ قونان‌بائے کو یوں ہی گہری نگاہوں سے گھورتی رہی۔ ان نگاہوں سے کچھ ایسا عزم جھلکتا تھا کہ قونان‌بائے نے اپنی آنکھ دوسری طرف پھیر لی۔

"یہ لوگ اپنے غموں اور اپنی امیدوں کا تذکرہ تم سے نہ کریں تو اور بھلا کس سے کریں؟" زرہ نے اپنے رویے پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے کہا۔ "بےرحم ہونےکا ایسا ہی تمہیں شوق ہو تو جاکے اپنے دشمنوں پر ظلم و ستم ڈھاؤ! آخر اپنے دوستوں میں، خود اپنے خاندان کے اندر تمہارے ظالمانہ رویے سے فائدہ کیا ہوگا؟ تم اپنے آپ کو زمین پر خدا تصور کر سکتے ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ تم آسمانوں سے نہیں اترے ہو۔ تم فانی انسانوں کی اولاد ہو اور ایک عورت نے تمہیں جنم دیا ہے: یہ میں ہی تھی جس نے تم کو پیدا کیا

ہے۔ یہ لوگ بھی مائیں ہیں اور تم کو اپنے دکھ درد میں شریک کرنا چاہتی ہیں۔ تم نے قمشات کو دوسروں کے حوالے کر دیا تاکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے جائیں اور اپنے اس اقدام سے ہمیں غموں اور مایوسیوں میں مبتلا کر دیا۔ اب یہ چیخنا چنگھاڑنا بند بھی کرو۔ تسلی دینے کا کوئی طریقہ تلاش کرو، اس خراب بات کی تلافی کی کوئی صورت نکالو! یتیم کر دی جانے والی اس بچی کو ایذا پہنچانے والوں سے نجات دلاؤ!"

زرہ نے یہ ساری باتیں بڑے تحکمانہ لب و لہجے میں کہیں۔

سب لوگ خاموش تھے۔ خود قونان‌بائے سے غصے کے مارے ایک لفظ بھی منھ سے نہیں نکالا جا رہا تھا۔ دراصل برسوں سے کسی کو اس سے اس انداز میں باتیں کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کی ماں کی آواز خود اس کے اپنے ضمیر کی بھی، انصاف کی بھی آواز تھی اور اس کے الفاظ بہت اذیت‌رساں تھے۔

"میں کر ہی کیا سکتا ہوں؟ جرگوں کے سرداروں نے یہی فیصلہ ہی کیا تھا!" اس نے اپنے اقدام کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ابائی جو عرصے سے اس فیصلے کا تصور کراہٹ اور نفرت کے ساتھ کرتا چلا آ رہا تھا، اچانک برس پڑا:

"اور یہ کتنا بےرحمانہ، ظالمانہ اور وحشیانہ فیصلہ تھا! کیا لوگوں میں صلح کرانے کا طریقہ یہی ہے؟ کیا اس قسم کے فیصلے سے کسی کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے؟ یہ تو دلوں میں صرف تلخیاں ہی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ مائیں آخر جیگی‌تیکیوں کے بارے میں کیا سوچیں اور محسوس کریں گی جنھوں نے ان کی بچی کو زبردستی ان سے چھین لیا ہے؟ صلح کا سوال ہی کب اٹھتا ہے جبکہ جیگی‌تیک قبائلی مویشی چاہتے تھے اور ان کے بدلے میں انھیں ایک بچی ملی جس کی پرورش اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے؟ وہ قمشات کی زندگی سے زیادہ پانچ گھوڑیوں کو عزیز رکھنے کی بنا پر وحشی اور بےرحم قرار دئے جا سکتے ہیں لیکن پھر ہم لوگ کیا ہیں جنھوں نے ایک بےبس بچی کو کتے کے لاوارث پلے کی طرح ان کے سپرد کر دیا!"

اس کا باپ بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ یہ بالکل نئی بات تھی۔

اس سے قبل کسی نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن اس طرح کی دلیل دی بھی نہیں جا سکتی تھی: ابائی صدیوں کے پٹے پٹائے راستے پر نہیں بلکہ خود اپنے کسی نامعلوم راستے پر گامزن تھا۔

"میرے بیٹے! تم ابھی لڑکے ہو۔ تمہارا دل تو ٹھیک کہتا ہے لیکن تم ہمارے عوام کے رسم و رواج کو نظر انداز کر رہے ہو" وہ کہہ اٹھا۔

لیکن اب اس کا لہجہ مختلف تھا، اب اس میں تحکمانہ انداز باقی نہ تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ مسئلے پر بات‌چیت کرنے کو تیار ہے جو ان سب کے لئے باعث اذیت تھا۔ ابائی کو اس نے کہنے کو "لڑکا" تو کہہ دیا تھا لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے الفاظ کو اہمیت دے رہا ہے۔ اس کے جواب سے بھی ظاہر ہوا کہ وہ آئی‌غیز اور اول‌جان سے رعایت برت رہا تھا۔

"ہمارے آبا و اجداد کے رسم و رواج ہمیں کچھ اور ہی سکھاتے ہیں" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "جھگڑے کے فریقین میں صلح کرانے کے لئے ہمارے رسم و رواج کے بموجب دونوں خاندانوں کے درمیان ایک شادی کرائی جاتی ہے۔ ایک خاندان کی لڑکی دوسرے خاندان کو غلام کی حیثیت سے بطور یرغمال پیش کی جاتی ہے لیکن ہم نے قم‌شات کو اس شرط کے ساتھ بوجیئی کے حوالے کیا ہے کہ وہ اس‌کی پرورش اپنی بیٹی کی طرح کرے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے قم‌شات کو اذیت پہنچانے کے لئے اس کے سپرد کیا ہے؟ اس بات کا سارا انحصار بوجیئی پر ہے۔ اگر وہ تھوڑی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہے تو آخر اس نے میری بچی کو خود اپنی ایک بچی کی طرح کیوں نہیں رکھا؟ اگر وہ اس کے ساتھ اجنبی جیسا سلوک کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہمارے معاہدے کی خلاف‌ورزی کر رہا ہے اور ہم لوگوں کے سلسلے میں اپنے فرض کی انجام‌دہی میں ناکام رہا ہے۔ وہ مجھ سے نفرت کر سکتا ہے لیکن یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ میری بچی بھی جسے میں نے پوتڑوں سے اٹھاکے اس کے حوالے کر دیا تھا، اس کے سامنے قصوروار ہے؟ اگر وہ اتنی سیدھی سادی سی بات بھی اپنے ارکان خاندان کو نہیں سمجھا سکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قطعاً نکما آدمی ہے۔"

ان الفاظ کے ذریعے قونان‌بائے نے بوجیئی کی شخصیت کو خاک میں ملا دیا۔

ابائی خود بھی بوجیئی کے یہاں جانے کے بعد سے اس جیگی‌تیک سردار کے لئے اپنے دل میں پہلی بار شدید برھمی کے جذبات پا رہا تھا اور اس پر اس کا اعتماد باقی نہیں رہ گیا تھا۔ "اگر اس کی بیوی ایسی ھی وحشی ھے تو وہ خود اسے کیوں نہیں بتاتا کہ اس کے فرائض کیا ھیں؟" اس نے وھاں سے واپس لوٹتے وقت راستے میں عابدخان سے دریافت کیا تھا۔

قونان‌بائے کوئی فیصلہ کر چکا تھا اور اگلے روز جمعہ‌بائے نے بوجیئی کے پڑاؤ پر جاکے اس کا سلام اور پیغام پہنچایا۔ آئی‌غیز نے بھی ایک معمر پڑوسی کو بوجیئی کی بڑی بیوی کے پاس بھیجا تھا۔

"اس سے کہنا کہ وہ میری بچی کی جان لئے لے رھی ھے۔ بھلا کون عورت جس کا دماغ صحیح ھو اور جو ضمیر رکھتی ھو، اس قسم کی بات کر سکتی ھے؟"

جمعہ‌بائے، بوجیئی کے یہاں سے اداس اور شکستہ‌دل سا واپس ھوا اور اس نے بتایا کہ بوجیئی کے یہاں بائے‌دالی اور توسیپ بھی موجود تھے۔ دراصل اسے اپنی بڑی بیوی سے آئی‌غیز کی شکایت کا علم ھوا تھا تو اس نے اس معاملے میں اپنے دوستوں اور ارکان خاندان سے مشورہ کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے قونان‌بائے کو تلخی سے بھرا ھوا یہ جواب بھجوایا تھا: "قونان‌بائے نے ایک بار میرے وقار کو نذر آتش کر دیا تھا۔ اب کیا وہ یہ سوچتا ھے کہ میں اس صدمے سے نجات پا چکا ھوں؟ کیا میرا زخم اچھا ھو چکا ھے؟ کبھی اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا ھے کہ مجھے اس واقعے سے کتنی اذیت پہنچی تھی؟ ھم سب لوگ جل‌کے خاک ھو جائیں تب بھی اگر اس کی حقیرترین چیز کو بھی کوئی نقصان پہنچے تو اسے ھماری تباھی کا ذرا بھی غم نہ ھوگا! آخر قونان‌بائے نے کھویا ھی کیا ھے؟ اس کے غلے کی کوٹھار سے صرف ایک ننھا سا دانہ ھی تو گر گیا ھے۔ اسے چاھئے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، میرے صبر کا امتحان نہ لے!"

بوجیئی نے جمعہ‌بائے سے صرف اتنا ھی کہا تھا لیکن اس کے الفاظ میں پرانی نفرت کوٹ کوٹ‌کے بھری ھوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا

جیسے تنازعے اور انتقام نے ایک بار پھر اپنے سر اٹھا لئے تھے اور چیخ چیخ کے کہہ رہے تھے: "خبردار، ہمارا سلسلہ اب بھی برقرار ہے!"

بوجیئی کے جواب نے ابائی کی آخری امید پر بھی پانی پھیر دیا تھا اور وہ سخت پریشان ہو اٹھا۔

اس نے سوچا آخر ان لوگوں کے رحم کے جذبے کو کیا ہو گیا؟ ظاہر ہے کہ بوجیئی کی بڑی بیوی اور اس کی بیٹیاں تو اس جذبے سے سرے سے ہی محروم ہیں، احمق اور جاہل جو ٹھہریں۔ لیکن خود بوجیئی کو کیا ہو گیا ہے؟ آخر اس نے کیسے ایک معصوم بچی کو ایڑیاں رگڑ رگڑکے مر جانے کی سزا دے دی؟ ایسا ظلم اور وہ بھی بغیر کسی قسم کے تاسف کے! کیا بوجیئی اس وقت، جبکہ اس نے بدلہ لینے کی ادنی سی کوشش کے بغیر ہی مکے گھونسے برداشت کر لئے تھے، محض ظاہری طور پر نیک. شریف اور رحمدل نظر آ رہا تھا؟ کیا وہ قونان‌بائے سے کسی معنی میں بہتر ہے جس پر وہ ظالم ہونے کا الزام لگا رہا ہے؟

قونان‌بائے نے بوجیئی کا جواب نظر جھکاکے ہی سن لیا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا اور وہ کچھ ہانپ ہانپ‌کے دشواری سے سانس لینے لگا لیکن اس کی رکھائی اور تیکھے‌پن سے بھری ہوئی کم‌سخنی نے جس کا وہ عادی تھا، اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ صرف ابائی سے اس نے تلخی کے ساتھ کہا:

"اس شخص کے لئے میری بچی انسان کی نہیں بلکہ بھیڑئیے کی اولاد جیسی ہے۔ اس کی نفرت کا خاتمہ صرف اسی وقت ہوگا جب وہ قبر میں چلا جائےگا۔ میرے بیٹوں میں سے کوئی اس کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس کی آنکھیں نکال لےگا یا چیر پھاڑ ڈالےگا! اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ خیر ہوگا، اچھی بات ہے۔ میں اس صورت حال کو قبول کرتا ہوں لیکن وار کرنے سے قبل کچھ انتظار کروں‌گا۔"

چند ہی روز بعد قمشات کے انتقال کی دردناک خبر بجلی کی گرج کی طرح سنائی دی۔

صبح کو اس کا انتقال ہوا تھا اور اسی روز سہ پہر کو اسے بہ عجلت دفن کر دیا گیا تھا۔ اس کے انتقال کی نہ تو قونان‌بائے کے

پڑاؤ پر اطلاع بھجوائی گئی تھی، نہ ہی بچی کی ماں آئیغیز کو۔ اول‌جان کے پڑاؤ کے کسی شخص کو یہ خبر، ادھر سے گزرتے ہوئے کسی گلےبان سے معلوم ہوئی تھی۔

اس وحشیانہ اور جنونی سفاکی سے ہر شخص کو خاص طور پر زرہ اور ابائی کو، شدید کراہت محسوس ہوئی۔ قم‌شات کو، اس ننھی سی بچی کو، اختلافات اور عداوتوں کی قربان‌گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا تھا۔

بوجیئی کو بہ ظاہر اس صورت حال کا کسی حد تک اندازہ ہو گیا تھا اور اس نے قم‌شات کا انتقال ہوتے ہی اپنی بڑی بیوی کو حکم دیا تھا کہ آئیغیز کو اطلاع کرا دے لیکن بائےدالی نے اسے اس ھدایت کی منسوخی پر آمادہ کر لیا تھا اور ان لوگوں نے بچی کے رشتےداروں کو بلانے کی زحمت گوارہ کئے بغیر ہی اسے دفن کر دیا تھا۔

قونان‌بائے نے جیگی‌تیکیوں کی موسم گرما کی چراگاہیں جب سے ان لوگوں سے چھین‌کے بوکین‌شیوں کو دے دی تھیں، تب ہی سے یہ دونوں قبائلی جرگے جن میں ہمیشہ پرامن تعلقات قائم رہے تھے، ایک دوسرے کی طرف سے شک اور مسلسل ناراضگی کی فضا میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ چراگاہیں، دریاؤں کے کنارے واقع گھاس کے میدان، ساری چیزیں تلخ اختلافات کا باعث بنی ہوئی تھیں۔

بائےدالی اور توسیپ کو اس صورت حال کا اچھی طرح اندازہ تھا اور وہ اس خیال سے مسلسل پریشان رہتے تھے کہ قونان‌بائے نے دونوں جرگوں کے درمیان نفاق کے جو بیج بوئے ہیں وہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بوکین‌شیوں سے مکمل قطع تعلق کا باعث بن جائیں اور اس طرح جیگی‌تیک جرگا، ارغیزبائے جرگے سے اپنی لڑائی میں اپنے آخری اتحادی سے بھی محروم ہو جائے۔ لیکن بائےدالی، قونان‌بائے سے نفرت کرتا تھا اور نفرت کے اسی جذبے نے اسے بوجیئی کو یہ مشورہ دینے پر اکسایا تھا کہ وہ قم‌شات کے رشتےداروں کو اطلاع بھیجنے کی رسمی کارروائی کے بغیر ہی اسے دفن کر دے۔ بوجیئی کو قونان‌بائے کی اس توھین کی شدت کا پوری طرح احساس تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس اقدام سے کتنے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں لیکن اس نے بائےدالی کا مشورہ مان لیا

کیونکہ وہ قونان‌بائے سے بہت زیادہ نفرت کرتا تھا اور اس سے انتقام لینے کے ایسے عمدہ موقعے کو ھاتھ سے نہیں جانے دینا چاھتا تھا۔

قونان‌بائے کو قم‌شات کے اس طرح دفن کر دئے جانے کا پتہ چلا تو وہ غصے سے پاگل ھو اٹھا۔ اس نے ذرا سی بھی ھچکچاھٹ دکھائے بغیر لیکن خفیہ طور پر ارغیزبائے، توپائے اور جووان‌تیاق جرگوں کے بڑے بوڑھوں اور سرداروں کو طلب کرکے انہیں بوجیئی کے اس اقدام سے مطلع کیا اور جوابی کارروائی کا فیصلہ انھی لوگوں پر چھوڑ دیا۔ اس موقعے پر طے پایا کہ بوجیئی کے پاس کوئی پیغام رساں بھیجا جائے۔

اس بار جیگی‌تیکیور، سے بات‌چیت کرنے کے لئے جمعہ‌بائے کو نہیں بلکہ قونان‌بائے کے منھ بولے بھائی ازغوت‌تی اور بھائی جقیپ کو بھیجا گیا جو ھمیشہ اس کی مسرتوں اور غموں میں برابر کے شریک رھتے تھے۔

ان دونوں نے بوجیئی سے رسمی خوش‌اخلاقی کا مظاھرہ کرنے میں وقت نہ ضائع کیا۔

"آخر تم نے یہ کیا کیا؟" ازغوت‌تی نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "کیا وہ بچی مال غنیمت کے طور پر تمہارے ھاتھ لگنےوالی کوئی غلام لڑکی تھی؟ کیا وہ قونان‌بائے کی سگی بیٹی نہیں تھی؟ تم سے اتنا نہیں ھو سکتا تھا کہ اس کی ماں ھی کو اطلاع کرا دیتے؟ اسے قبر پر ایک مٹھی مٹی ڈال دینے کا موقع دے دیتے؟ کتنا جنونی اور احمقانہ انتقام تھا یہ بھی!"

بوجیئی نے بائےدالی اور توسیپ کی موجودگی میں ترکی بہ ترکی جواب دیا:

"یقیناً قونان‌بائے لڑائی جھگڑا شروع کرنے کے کسی نئے بہانے کی تلاش میں ھے! کیا تم لوگ مجھ سے یہ توقع رکھتے تھے کہ میں دور دور تک اس خبر کا اعلان کرواتا اور ایک بچی کے لئے جو میرے انگوٹھے سے زیادہ بڑی نہیں تھی، تدفین کے بعد کی ضیافت کا انتظام کرتا؟ میں یہ سب کر بھی دیتا تو کیا اس سے وہ ھمارے اوپر ٹوٹ پڑنے سے باز رھتا! اگر میں نے کوئی جرم کیا ھے تو اس سے کہو کہ خون بہاکے انتقام لے لے۔ ذرا ھم لوگ بھی تو دیکھیں کہ وہ کتنا طاقتور ھے!"

چراگاھوں سے شروع ھونےوالا تنازعہ اب اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکا تھا اور بوجیئی کے چیلنج سے اندازہ ھوتا تھا کہ وہ ھر نوعیت کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کو تیار ھے۔

بائےدالی اور توسیپ نے جم‌کے اس کی حمایت کی اور ازغوت‌تی کے وھاں سے چل دینے کے فوراً ھی بعد انہوں نے اپنے جرگوں کے افراد کو طلب کیا۔ ان لوگوں نے بوکین‌شیوں سے اپنے اختلافات کو فراموش کر دیا اور خطرے کی اس گھڑی میں سب کے سب جیگی‌تیک جرگے کی مدد پر کمربستہ ھو گئے۔

اور اسی شام کو جبکہ قونان‌بائے نے اپنے اتحادیوں کو خطاب کیا اور لڑائی جھگڑے کی تجدید کے لئے اپنی طرف سے چھوٹ دے دی، بوجیئی کے پڑاؤ پر بائیسال، قراتائے، سویوندیک اور دوسروں نے بھی اسی انداز میں، مضبوطی کے ساتھ قونان‌بائے سے ٹکر لینے کا فیصلہ کیا اور جیگی‌تیک سردار کے سامنے قسم کھاکے اپنے فیصلے پر مہر ثبت کر دی۔

موسم گرما کے ابتدائی ایام تھے اور بہت سے قبائلی گروہ جنہوں نے ابھی ابھی چنگیز پہاڑوں کو پار کیا تھا، اپنے خیمے وغیرہ نصب کرنے میں مصروف تھے۔ اب دونوں فریق نے روانگی کے سلسلے میں اپنی تیاریوں کی رفتار تیز کر دی تاکہ باقانس اور بائےقوش‌قار دریاؤں کے کناروں پر واقع موسم گرما کی چراگاھوں تک جلد از جلد پہنچ سکیں۔ ایسا لگتا تھا کہ موسم بڑا طوفانی ھوگا کیونکہ ارغیزبائے اور جیگی‌تیک، دونوں جرگے تصادم کی تیاریاں کر رھے تھے۔

توبیق‌تی قبیلے کے بڑے بڑے گروہ تیزی سے روانہ ھو گئے۔ ان لوگوں کے بانکے اپنے سوئیلوں اور شوق‌پاروں کو ھر وقت تیار رکھتے تھے اور گرمیوں میں سواری کے لئے منتخب کئے جانےوالے گھوڑوں کو اندھیرا ھونے کے بعد خالی پیٹ رکھا جاتا تھا تاکہ وہ وقت ضرورت پر مستعدی دکھا سکیں۔

غصے اور عداوت کی آگ زیادہ سے زیادہ دور تک پھیلتی جا رھی تھی۔ تشویش اور خوف کی کیفیت ایک گروہ کے پڑاؤ سے دوسرے گروہ کے پڑاؤ تک پہنچ رھی تھی۔ اچانک حملے اور لوٹ مار کی مبہم افواھیں سارے علاقے میں عام ھو رھی تھیں اور لوگ جن میں ارغیزبائے اور جیگی‌تیک دونوں جرگوں کے قبائلی شامل تھے، ھر

وقت ھیجانی کیفیت میں چوکس اور چوکنے رھتے اور راتوں کو ٹھیک سے سوتے تک نہیں تھے۔

ھیجاں کے ان پریشان‌کن ایام میں زرہ کے پڑاؤ سے وابستہ افراد رات دن مسلسل سفر کرتے ھوئے باقانس دریا کے کنارے پہنچ گئے اور ایک ھی دن کے اندر اس پڑاؤ کے ارد گرد دس نہیں بلکہ چالیس قبائلی گروہ اکٹھا ھو گئے۔ علی‌الصباح سے رات گئے تک اول‌جان اور آئی‌غیز کے خیموں میں مسلح افراد کی بھیڑ بھاڑ رھتی تھی۔

قونان‌بائے نے مسلسل "بڑے گروہ" کے ساتھ سفر کیا تھا اور راستے میں قبائلی سرداروں کو بلا بلاکے ھدایات اور احکام دینے کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ باقانس دریا کے کنارے پہنچنے کے بعد اس نے تمام بایوں، سرداروں، بڑے بوڑھوں اور پیغام‌رسانوں کا جلسہ طلب کیا۔ قرب و جوار کے علاقوں میں تیس چالیس گروھوں کے جو پڑاؤ موجود تھے ان پر مخصوص جلسے منعقد کئے گئے۔ یہ اجتماعات نئے نمائندوں یا سرداروں کا انتخاب کرنے، کسی مرنےوالے کو خراج عقیدت پیش کرنے، گھڑدوڑ کے مقابلے منظم کرنے یا شادیوں کی تقریبات کے سلسلے میں نہیں ھوئے تھے۔ دراصل ان اجتماعات کی بہ ظاھر کوئی وجہ ھی نہیں معلوم ھوتی تھی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس طرح کے اجتماعات ھر روز ھونے لگے۔

ابائی کو اپنے باپ کے خفیہ منصوبوں کی بھنک تک نہیں لگی تھی۔ دراصل قونان‌بائے ھر وقت بڑے بوڑھوں کے ساتھ رھتا تھا اور اس تک رسائی تقریباً ناممکن ھو گئی تھی۔ ابائی اپنا وقت اپنی ماؤں کے ساتھ گزارتا اور ان کے غم میں شریک رھتا تھا۔

توقع کی جاتی تھی کہ جیگی‌تیک، بوکین‌شی اور کوتی‌باق لوگ اپنی موسم گرما کی زمینوں پر آ بسیں‌گے جو باقانس کے قریب ھی واقع تھیں لیکن جانے کیا بات تھی کہ وہ اس علاقے میں دکھائی نہ دئے اور پتہ چلا کہ درے کے قریب ھی کسی جگہ پیچھے رہ گئے ھیں۔ بر سر پیکار فریقوں کے لئے راستے میں ایک دوسرے کو جا لینا یا اپنے مختلف اقدامات سے پریشان کرنا ایک عام دستور تھا اور شروع میں کچھ ایسا محسوس ھوا تھا کہ جیگی‌تیک قبائلی، لڑائی جھگڑے کی ان روایتی چالوں کو اپنائیں‌گے لیکن بعد میں سوال اٹھے کہ آخر انہیں کیا ھو گیا ھے؟ آخر وہ پیچھے کیوں رہ گئے ھیں؟ ان کے

منصوبے کیا ھیں؟ ان سوالوں کے تسلی‌بخش جواب کسی کو بھی نہ مل سکے۔

باقانس آنےوالے تین بوکین‌شی اپنے ساتھ یہ خبر لائے کہ بوجیئی گزشتہ پانچ دنوں سے شدید طور پر علیل ھے نیز یہ کہ ایک روز قبل سے اس کی علالت بہت سنگین صورت اختیار کر گئی ھے۔ غالباً اس خیال سے کہ اس کی آخری گھڑی بہت قریب آ گئی ھے یا کسی اور وجہ سے، اس نے گزشتہ شام کو اپنے جرگے کے لوگوں کو بلاکے ان سے رخصت لے لی تھی۔ باقانس میں تازہ وارد ھونےوالوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے یہ بات خود اپنے کانوں سے سنی ھے۔

ارغیزبائے کے قبائلی گروہ اور باقانس دریا کے کنارے مقیم ان کے اتحادی جو ھر روز ھنگامی واقعات کی توقع کے ساتھ زندگی بسر کر رھے تھے اب بوجیئی کی علالت کے سوا اور کسی چیز کی بات ھی نہیں کر پاتے تھے۔

اگلے روز بوجیئی کے انتقال کی دل دھلا دینےوالی خبر موصول ھوئی۔ اس نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔

جمعہ‌بائے یہ خبر لےکے آیا تو اول‌جان، قونان‌بائے اور زرہ، ابائی، اوسپان اور تکےجان کے ساتھ بیٹھے صبح کی چائے پی رھے تھے۔

قونان‌بائے کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ مغموم اور کھویا سا نظر آنے لگا اور اس کی واحد آنکھ دروازے کے راستے دور شاداب پہاڑیوں کو تکنے لگی۔

زرہ غم سے نڈھال ھو گئی۔ اس نے ایک گہری ٹھنڈی سانس بھری اور اس کی آنکھوں میں آنسو منڈلانے لگے۔

ابائی کا دل درد و غم سے تڑپ اٹھا۔

مختلف ارغیزبائے پڑاوؤں پر پیغام رساں کی آمد کا بڑے صبر کے ساتھ انتظار کیا جانے لگا جسے بوجیئی کے انتقال کی اطلاع لےکے آنا تھا۔ عام رواج کے بموجب کسی تیزرفتار گھڑسوار کو ان کے یہاں بھیج‌کر انہیں جنازے میں شرکت کے لئے مدعو کیا جانا چاھئے تھا۔

روزمرہ زندگی کی عداوتیں کتنی بھی تلخ کیوں نہ رھی ھوں، اس کہاوت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا تھا: "کسی شاندار ضیافت یا کسی تازی قبر کے سامنے ھر چیز کو پس پشت ڈال دیا جانا

چاھئے"۔ بوجیئی کی زندگی میں جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے قطع نظر، اس کے جنازے میں اس کے ایک ایک ھمقبیلہ کو شریک ھونا اور اس کے انتقال پر آہ و زاری کرنا تھا۔

روانگی کو مد نظر رکھتے ھوئے کثیر مقدار میں قمیز تیار کیا گیا اور ذبح کئے جانے کے لئے موٹے تازے گھوڑے منتخب کر لئے گئے۔ یہی نہیں، خیمے بھی تہہ کر لئے گئے اور لوگ دعوت موصول ھونے کا انتظار کئے بغیر ھی چل دینے کی باتیں کرنے لگے۔ پیغام رساں کا تمام دن انتظار کیا گیا لیکن اسے نہ آنا تھا نہ آیا۔

کیسی ناقابل یقین بات تھی: قونانبائے کو جنازے میں شرکت کے لئے مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ جان بوجھکر اس کی اور اس کے گروہ کی توھین کی گئی تھی۔

یہ ھدایت خود بوجیئی نے اپنی موت سے قبل جاری کر دی تھی یا یہ اس کے قبائلی رشتےداروں بائےدالی، بائیسال اور توسیپ کا فیصلہ تھا — اس سلسلے میں صرف قیاس‌آرائیاں ھی کی جا سکتی تھیں۔ قونانبائے کے لئے یہ معاملہ ذاتی توھین سے کہیں زیادہ سنگین نوعیت کا حامل تھا۔ ھمقبیلہ افراد کی خونی نفرت کے جذبے نے جو کچھ وقت کے لئے دب گیا تھا لیکن ختم نہیں ھوا تھا، ایک بار پھر اپنا سر اٹھایا تھا اور اب ایک شخص کی لاش کے اس پار سے بھی اسے دھشت‌زدہ کر رھا تھا۔ بوجیئی کے صرف قریبی عزیز و اقارب ھی نہیں بلکہ کثیر تعداد توبیق‌تی قبیلے کے دور دراز علاقوں میں آباد گروھوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ دراصل قونانبائے کے سوا اور کسی کو بھی فراموش نہیں کیا گیا تھا۔

قونانبائے نے خود کو کچھ دل‌شکستہ سا محسوس کیا لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر تک طاری نہ رھی دبائے نہ جا سکنےوالے غصے سے اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ مرنےوالے سے انتقام لینا تو خیر ناممکن تھا لیکن اس نے تہیہ کر لیا کہ بائےدالی اور بائیسال سے اپنی اس توھین کا جس کی توبیق‌تی میں کوئی دوسری نظیر موجود نہ تھی، اچھی طرح بدلہ لےکے رھےگا۔

وہ جانتا تھا کہ فی‌الحال کھلم کھلا لڑائی جھگڑے کا کوئی سوال ھی نہیں اٹھتا۔ اس لئے اس نے باقانس دریا کے کنارے کنارے مقیم تمام قبائلی گروھوں اور اول‌جان کے گروہ کو بھی نئی ھدایات جاری

کیں: "اپنے گھریلو معاملات پر توجه مبذول کرو اور دلوں میں کسی کا خوف نه لاؤ!" اس کے بعد وہ جمعه‌بائے کے ساتھ کونکے کے پڑاؤ کو روانه هو گیا۔

مختلف پڑاوؤں پر جہاں هر روز مسلح تصادم کا اندیشه لاحق رهتا تھا، هیجانی کیفیت ختم هو گئی اور زندگی معمول کے مطابق بسر هونے لگی۔ ان ایام میں جن پر موت کے سائے منڈلا رهے تھے، اپنے پڑوسیوں پر حمله کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار هونے کی جرأت کون کر سکتا تھا؟

دامن کوہ میں

۱

ابھی دوپہر ہونے میں کافی دیر تھی لیکن دم گھونٹنےوالی گرمی ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ آسمانوں پر کہیں نام کو بھی بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آتا تھا۔ دراصل اس جھلسنے اور مفلوج کر دینےوالے تمام موسم گرما میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا تھا اور زمین جس میں دراریں پڑ گئی تھیں، جھلسی ہوئی پڑی ہانپ رہی تھی۔ لیکن باقانس پانی سے بھرا رہنےوالا دریا تھا اور اس کے کنارے واقع زمینیں جھاڑیوں، جنگلی ببولوں، گھاس اور افسنتین سے ڈھکی ہوئی تھیں اسی لئے قبائلی گروہوں کو یہاں گرمیاں گزارنے کی بڑی فکر تھی۔ ایسی جان‌لیوا گرمی نہ ہوتی تو یہاں کی چراگاہیں دوسری تمام جگہوں کی چراگاہوں سے اچھی تصور کی جاتیں۔

ابائی جس کے چہرے پر پسینہ جھلک رہا تھا، خیمے سے باہر نکلا لیکن اس کی طبیعت کو خوش کر دینےوالی کوئی چیز نظر نہ آئی۔

"راحت کہاں نصیب ہو؟" اس نے سوچا اور دیر تک بدحواس سا کھڑا رہا پھر اس نے جمائی لی اور سبک‌رفتاری سے دریا کی طرف چل پڑا۔ اس کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے، سر میں درد ہو رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں باقانس اور اس کی شدید گرمی کو کوسے جا رہا تھا۔

لڑکوں نے دریا پر دھاوا بول رکھا تھا اور ان میں سب سے زیادہ شور مچانےوالوں میں اوسپان اور سماگل بھی شامل تھے۔ ابائی ان لوگوں سے کچھ دور ہٹ کے پانی میں کود پڑا اور کشادہ باقانس

کو دو بار تیرکے پار کرنے کے بعد اسے جسم میں ٹھنڈک محسوس ہوئی، اس کی طبیعت خوش ہو گئی اور وہ کسی گوہ کی طرح غوطے لگانے لگا۔ اوسپان اسے رشک‌آمیز پرستائش نگاھوں سے دیکھتا ہوا قریب آ گیا۔

ابائی نے نظریں اٹھائیں تو اس نے پانی کے کنارے تکےجان کو دیکھا جو بہت سلیقے سے عمدہ کپڑوں میں ملبوس، اپنے گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا اور کلائی پر شکرے کو بٹھائے ہوئے اپنی آن بان میں سج مج کا بانکا نظر آ رہا تھا۔ اس کا سیاہ ایال‌والا گھوڑا اچھلتے کودتے ہوئے لگام کے دھانے کو کھینچے جا رہا تھا۔

گھوڑے کی کاٹھی سے دو جنگلی مرغابیاں لٹک رہی تھیں جنہیں دیکھ‌کے بچے دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے اور ایک دوسرے سے زیادہ زور زور سے چیخنے کی کوشش کرنے لگے:

"ارے آغاتائے*، یہ مرغابیاں مجھے دے دیجئے!"

"نہیں! مجھے دیجئے!"

تکےجان عموماً شکار کی ہوئی چڑیاں بچوں کو دے دیا کرتا تھا لیکن دینے سے پہلے ان سے جی بھرکے خوشامد کرانا پسند کرتا تھا۔ بچوں کو اس کی عادت سی پڑ گئی تھی اور انہوں نے اس کی منت سماجت کرنا جاری رکھا۔

اچانک پہاڑی کے عقب سے کچھ عجب گھڑگھڑاھٹ کی سی آواز سنائی دی جیسے استیپیوں میں آگ لگی ہو یا کوئی زبردست فوج گزر رہی ہو۔ لڑکے چپ چاپ کھڑے ہوکے تکےجان اور ابائی کی طرف سوالیہ نگاھوں سے دیکھنے لگے۔

اتنے میں پہاڑی کی چوٹی پر گھوڑوں کا ایک بہت بڑا گلہ نظر آیا جس نے وادی میں اترنا شروع کیا۔ نتھنوں سے آوازیں نکالتے اور ہنہناتے ہوئے یہ سفید اور بھورے گھوڑے ڈھلان پر سے تیزی سے اتر رہے تھے۔ ان کی بچھیڑیاں اور بچھیڑے خوشی سے دھیرے دھیرے ہنہنا رہے تھے اور بچھیڑے گلے سے آگے نکل‌کے گھاس پر کلیلیں بھرتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ ان کی آوازیں سن‌کے وہ گھوڑے بےچین ہو اٹھے جن پر سوار ہوکے بچے نہانے آئے تھے۔ انہوں نے اپنے کان

---

* آغاتائے — بڑے بھائی کو محبت بھرے لہجے میں پکارنے کا انداز۔

کھڑے کئے اور اگلے پیروں کے رسیوں سے بندھے ہونے کے باوجود گلے سے جا ملنے کی بھونڈی کوشش کرنے لگے۔ لڑکے اپنے گھوڑوں کو الگ ھٹا لے جانے کے لئے دوڑ پڑے۔

اس سنسان جگه پر اتنے بڑے گلے کے دکھائے دینے کا مطلب، کسی خانهبدوش گروه کی آمد کے سوا اور کچھ بھی نہیں ھو سکتا تھا چنانچه بچے دوباره اپنے گھوڑوں پر سوار ھو گئے تو انہیں آسمان کے پس‌منظر میں آگے آگے چلنےوالے خانهبدوشوں کے خاکے دیکھکے حیرت نه ھوئی۔

پندره اونٹ جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے آٹھ، دس یا پندره گروھوں پر مشتمل بہت سے اونٹ لمبی بل کھاتی ھوئی قطار میں چلے آ رہے تھے۔ ان کے عقب میں سوئیلوں اور شوق‌پاروں سے لیس گھڑسوار تھے ان میں جہاں تہاں بعض بانکوں کے پاس عقاب بھی تھے جن کے سر کپڑے سے ڈھکے ھوئے تھے۔

لیکن گھڑسواروں کے پیچھے نظر آنےوالے کارواں نے ان سب کو حیرت‌زده کر دیا۔

اسے کثیر تعداد میں عورتیں اپنے گھیرے میں لئے ھوئے نہیں۔ ان میں مختلف عمروں کی لڑکیاں اور عورتیں شامل تھیں۔ سب کی سب قیمتی کپڑوں میں ملبوس اور شاندار گھوڑوں پر سوار تھیں جن کی کاٹھیوں، لگاموں اور سینے کے زیورات کی چاندی چمک رہی تھی۔ ایک قطار کی شکل میں چلتی ھوئی گھڑسوار لڑکیاں گہرے بھورے رنگ کے ایک گھوڑے کو اپنے ساتھ لئے ھوئے تھیں جس کے ایال اور دم کے بال کاٹ دئے گئے تھے اور جس پر کاٹھی رکھی ھوئی تھی۔ ان کے عقب میں ایک معمر سی عورت جو سیاه کپڑے پہنے ھوئے تھی اور جس کا چہره زرد ھو رھا تھا، چلی آ رھی تھی۔ اس گروه کے پندره اونٹوں پر جو سامان لدا ھوا تھا اس کو سیاه قالینوں، سیاه رنگ کے کشیده‌کاری کئے ھوئے کپڑوں اور نمدوں سے جن پر سیاه گل‌بوٹے بنے ھوئے تھے، ڈھک دیا گیا تھا۔

لڑکے اتنے شاندار پررعب اور غمگین جلوس کا راسته کاٹنے کی همت ھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے سامنے اس کے سوا کوئی چارهٔ کار نه تھا که تجسس کے جذبے سے مضطرب، اپنے گھوڑوں پر چپ چاپ بیٹھے رھیں۔

اگلی قطاروالی لڑکیاں ان لوگوں کے قریب پہنچیں تو ایسا لگا کہ ان میں آپس میں کچھ مشورہ ہوا جس کے بعد انہوں نے اپنی ترتیب میں تبدیلی پیدا کر لی اور دو لڑکیاں گہرے رنگ کے گھوڑے کی جس پر کاٹھی کسی ہوئی تھی، لگام پکڑکے اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے آگے بڑھ آئیں۔

اوسپان، ابائی سے کچھ اور قریب ہو گیا۔

"یہ لوگ کون ھیں؟ آخر اس سب کا مطلب کیا ھے؟" اس نے اپنے گھوڑے کی کاٹھی پر کسمساتے اور اپنے کوڑے کو بڑے بھائی کے پہلو میں چبھوتے ہوئے پوچھا۔ پھر اچانک وہ ھنس پڑا۔ "ارے توبہ! ان کی ٹوپیاں تو ذرا دیکھو! ابائی! ذرا ان کو دیکھو تو!"

ابائی غصے سے اس کی طرف مڑا:

"خاموش رھو!"

اوسپان جس چیز کو دیکھکے ھنس پڑا تھا وہ ابائی کے لئے بھی اتنی ھی عجیب و غریب تھی۔

اسے اور تکےجان دونوں کو اندازہ ھو گیا تھا کہ یہ بوجیئی کے سوگ کا جلوس ھے۔ صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ کٹے ہوئے بالوںوالے گھوڑے پر رکھی کاٹھی اور سرخ لبادہ اس کے مالک کے استعمال میں رھنےوالی چیزیں تھیں۔ بوجیئی کا گھڑسواری چابک کاٹھی کے اگلے، اوپر کو اٹھے ھوئے حصے پر کھڑا ھوا بندھا تھا اور اس کے اوپر اس کی لومڑی کے سمور کی ٹوپی لٹک رھی تھی۔ سب سے زیادہ غیر معمولی بات، آگے آگے گھوڑوں پر چلنےوالی دونوں لڑکیوں کی وضع قطع تھی جو سیاہ میمنے کی عمدہ کھال اور سیاہ مخمل کی مردانی ٹوپیاں پہنے ھوئے تھیں۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ تھی کہ انہوں نے ٹوپیوں کے اگلے حصے کو پیچھے اور پچھلے حصے کو آگے کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں گردن کو سردی سے بچانے کے لئے بنے ھوئے پٹوں سے ان کے چہرے بالکل ڈھک گئے تھے۔

دونوں نے یہ دیکھکے کہ کچھ لوگ ان کے آگے بڑھ جانے کے لئے کھڑے انتظار کر رھے ھیں، نوحہ پڑھنا شروع کر دیا۔ پیچھے آنےوالی پانچوں لڑکیوں نے اپنی صف سیدھی کی اور وہ بھی نوحہ‌خوانی کرنے لگیں۔ دراصل یہ ایک عام دستور تھا کہ سوگ مناتا ھوا کوئی

صحرانورد گروہ کسی بستی یا اجنبی مسافروں کے پاس سے گزرتا تو نوحہ خوانی کرنے لگتا۔

لیکن اوسپان کو قدیم رسم و رواج کی کیا پروا ہو سکتی تھی؟ جہاں تک اس کو یاد تھا، گھر میں کسی کی موت نہیں واقع ہوئی تھی اور اسے اس قسم کے جلوس کا مطلب سمجھانے کی کوشش بالکل رائیگاں ثابت ہوتی۔ ویسے وہ کچھ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے یہ ساری باتیں بالکل مہمل سی معلوم ہو رہی تھیں اور اس سے ہنسے بغیر نہیں رہا جا رہا تھا۔ ابائی کے ڈر کے مارے اس نے اپنا سر تو نہ اٹھایا لیکن دبے ہوئے قہقہوں کے زیراثر اس کے شانے ہل رہے تھے۔

ابائی نے لڑکیوں پر ایک نگاہ ڈالی اور مفلوج سا ہوکے رہ گیا۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ کو چابک کے تسمے میں ٹھونستے ہوئے بلند کیا جیسے ابھی ابھی پکار اٹھنے کو ہو: "ذرا ٹھہر جاؤ، چاہے پل بھر ہی کے لئے ٹھہر جاؤ!" لیکن اس کے ہونٹوں سے کوئی آواز نہ نکلی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا، سانس لینے میں دشواری محسوس ہونے لگی اور اس کا ہاتھ ایک بار پھر گھوڑے کی ایال پر گر گیا۔

پانچوں گھڑسوار لڑکیوں کے وسط میں توغجان موجود تھی جسے ابائی نے موسم بہار میں اپنی پہلی ملاقات کے بعد سے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک سفید گھوڑے پر سوار تھی جس کی ایال بالکل ریشم جیسی تھی۔

اس کی بغیر آستین‌والی سیاہ ساٹن کی قبا میں اس کی ہر جنبش سے لطیف سی سرسراہٹ پیدا ہوتی تھی۔ گھر کے بنے ہوئے ریشم کی نئی ٹوپی سر کی زینت بڑھا رہی تھی، گردن کے گرد لپٹی ہوئی باریک شال مکڑی کے جالے کی طرح لہرا رہی تھی، سونے کی بڑی بڑی بالیاں کانوں کی لووں میں دھیرے دھیرے جھول رہی تھیں اور وہ اپنی عمر کی لڑکیوں کے درمیان، دھندلے آسمان پر ستارۂ سحر کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سیاہ ساٹن کی قبا پر کمر کے گرد لپٹی ہوئی پیلی ڈوری پر رکھے ہوئے تھے، نگاہیں سامنے کی طرف جمی ہوئی تھیں اور وہ نوحہ‌خوانی میں مصروف تھی۔ اس کی شفاف کشادہ پیشانی، سفید گردن کی نرم لکیر اور

شانوں پر لہراتی ہوئی سیاہ زلفیں — ساری چیزوں نے مل کے ابائی کے سامنے نہایت ہی معصوم، غیرارضی اور دل‌نشین حسن کی تصویر پیش کر دی۔

وہ اس کی طرف پلکیں جھپکائے بغیر، سانس روکے ہوئے دیکھے جا رہا تھا۔ بوجیئی کی موت سے متعلق نوحے کی بلند آوازیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ توغ‌جان گا رہی ہے یا کوئی دوسری لڑکی؟ پھر اسے خیال آیا کہ ایسی دلکش آواز کسی دوسری لڑکی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

پھر پل بھر تک وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔ اسے ایسا لگا جیسے تاریک ہوتے ہوئے آسمان کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ان کے درمیان اپنے خاموش حسن سے چکاچوند کر دینے‌والی شعاع قمر نمودار ہوئی۔ پل بھر کے لئے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور اس شاندار منظر کے سامنے سر جھکا دیا۔ ایسا منظر اس نے پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا، اس کے متعلق کبھی بھی کچھ نہیں سنا تھا۔

لیکن یہ محض پل بھر کی بات تھی۔ اس کے بعد اس سماں کی جگہ، جس سے اس کا ذہن چکرانے سا لگا تھا، ایک نئے اور تکلیف‌دہ جذبے نے لے لی۔

توغ‌جان کے ہونٹوں سے ابھرتا ہوا نوحہ، بوجیئی کی بیٹیوں کی آہ و زاری، سوگ کا جلوس، ماتمی رنگ، بغیر سوار کا گھوڑا جس کی ایال اور دم کے بال کٹے ہوئے تھے — ساری چیزیں ایک پورے جرگے کے درد و غم کا اظہار کر رہی تھیں۔ ان لوگوں نے قونان‌بائی کو جنازے میں شرکت کے لئے مدعو نہیں کیا تھا، اسے معاف نہیں کیا تھا، اسے اپنے درد و غم میں شریک ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ یہ جلوس جس میں اس کی توغ‌جان سب سے تابناک گوہر کی حیثیت رکھتی تھی، سردمہری کے ساتھ ابائی کے پاس سے گزر گیا تھا جیسے کہہ رہا ہو: "تم سے اور تمہارے ظالم باپ سے دور ہو جانا ہی بہتر ہے۔ تم اس قابل نہیں کہ ہمیں دیکھو!"

موت کا شکار ہو جانے‌والے ایک قریبی رشتے‌دار بوجیئی کے سوگ میں ابائی کی محبوبہ جو نوحہ گا رہی تھی وہ خود ابائی کے لئے بھی ایک طرح کی لعنت ملامت تھا۔ "کیا میں قصوروار ہوں؟" اس نے سوچا۔ وہ خود کو بری‌الذمہ ثابت کرنا پسند کرتا لیکن اس

ی اداسی نے اسے مغلوب کر دیا۔ وہ کچھ اتنا دل‌شکستہ ہوا کہ نہ کچھ دیکھ سکا اور نہ موت کے اس نوحے کے سوا کچھ سن ہی سکا۔۔

کسی نے اس کی پیٹھ میں کوئی چیز گڑاتے ہوئے کہا: "اب ہمیں چلنا چاہئے!" ابائی بےخودی کی اس کیفیت سے جو اس پر طاری تھی، چونک پڑا اور اس نے تیزی سے مڑکے پیچھے دیکھا۔ تکےجان تیوری چڑھائے ہوئے اس کا مذاق اڑا رہا تھا:

"یہ تم آخر ٹسوے کاھے کے لئے بہا رہے ہو؟"

ابائی کانپ اٹھا اور اس نے ہتھیلی کی پشت گال پر پھیری۔ اسے اپنے چہرے کو آنسوؤں سے تر پاکے حیرت ہوئی۔

سوگواروں کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا۔

تکےجان اور ابائی دوسروں سے پیچھے رہ گئے اور تکےجان اپنی عادت کے مطابق کسی زیادہ عمروالے آدمی جیسا رویہ اپنائے رہا۔

"یہ تمہیں ہو کیا گیا؟ تم اپنے آپ کو مرد کہتے ہو؟ آخر یہ ٹسوے کاھے کے لئے بہا رہے ہو؟"

ابائی کو غصہ آ گیا:

"آپ تو خاصے بڑے ہو چکے ہیں، کیوں ہو چکے ہیں نا؟ لیکن آپ کی سوجھ بوجھ بس کسی بچے ہی جتنی ہے! کیا بوجیئی کوئی اجنبی تھے؟ آپ کو تو دوسروں کے ساتھ مل‌کے رونا چاہئے تھا۔"

"ہم لوگوں کو؟ ہمیں کیوں رونا چاہئے؟۔۔ ان لوگوں نے ہمیں جنازے میں شرکت تک کے لئے تو مدعو نہیں کیا تھا!"

"ہمیں تو زندوں نے نہیں مدعو کیا۔ اس میں مردے کا کوئی ہاتھ تھوڑی تھا۔ مرنےوالے کو کیوں الزام دیا جائے؟"

"اسے کیوں الزام دیا جائے؟ یقیناً اسے میں مورد الزام تصور کرتا ہوں۔ اس نے اباجان سے جھگڑا کر رکھا تھا۔"

"اور اس جھگڑے کی ذمےداری کس پر عاید ہوتی ہے؟" ابائی نے پوچھا۔ "آپ کو تو ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ معلوم ہے۔ بتائیے نا کس کا رویہ غلط تھا، کس کا صحیح؟"

"مجھے کچھ معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، میں اباجان کا طرفدار ہوں! ان کے دوست میرے دوست اور ان کے دشمن میرے دشمن ہیں۔"

"کیا آپ واقعی سوچتے ہیں کہ بھیڑئیے کے بچے کو بھیڑئیے کے پیچھے دوڑنے کے لئے کسی خاص دانش‌مندی کی ضرورت ہوتی ہے؟"

"چپ رهو" تکےجان نے جلدی سے سخت لہجے میں کہا، گھوڑے کو چابک رسید کیا اور آگے نکل گیا۔

ابائی کو اس سے نجات مل جانے کی خوشی هوئی اور اس نے اپنے گھوڑے کو عام چال سے چلانا شروع کر دیا۔

"بھیڑئے کے بچے کو بھیڑئے کے پیچھے دوڑنے کے لئے کسی خاص دانش‌مندی کی ضرورت نہیں هوتی" اس نے یہ الفاظ غصے میں کہہ دئے تھے لیکن اب ان کی پوری اهمیت اس پر واضح هو گئی۔ پٹے پٹائے راستے پر تو کوئی بھی چل سکتا هے، باپ کے دکھائے هوئے راستے پر تو هر بیٹا چل هی سکتا هے! کاش کہ آدمی اتنا طاقتور هو کہ وہ خود اپنا راستہ تلاش کر سکے...

ابائی خیالوں میں کھویا هوا باقانس پہنچ گیا اور اسے پتہ بھی نہ چل سکا۔

زرہ اور اول‌جان کو ابائی سے جیسے هی معلوم هوا کہ بوجیئی کا گروہ اپنے موسم گرما کے میدانوں میں آ گیا هے، ویسے هی انہوں نے جلدی جلدی قونان‌بائے کے پاس ایک پیغام رساں کو بھیجا۔ "سوگ منانےوالا گروہ هم لوگوں کے بالکل قریب هی پڑاؤ ڈالے هوئے هے" انہوں نے اپنے پیغام میں کہا۔ "اگر اب بھی هم وهاں نہ گئے تو بعد میں لوگوں سے کس طرح آنکھیں چار کر سکیں‌گے؟ قونان‌بائے کو اس معاملے میں فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا چاهئے۔"

قونان‌بائے نے فیصلہ کیا اور اپنی بڑی بیوی کونکے، دس سرداروں اور بانکوں کے ساتھ اسی روز شام کو باقانس پہنچ گیا۔ اس کے بعد قرب و جوار میں آباد دس قبائلی گروهوں نے قمیز اکٹھا کیا اور موٹے تگڑے مویشی ذبح کئے۔

اگلے روز دوپہر کو ان لوگوں کا قافلہ جو تقریباً پچاس مردوں، تقریباً چالیس عورتوں اور ابائی، تکےجان اور اوسپان سمیت کچھ لڑکوں پر مشتمل تھا، روانہ هو گیا۔ صرف زرہ اور اول‌جان ایک دوسری بوڑھی عورت کے ساتھ جسے هر شخص "سارئی‌آپا" کے نام سے جانتا تھا، گھوڑا گاڑی میں سوار هوئیں جو قونان‌بائے کی هدایات کے بموجب گھڑسواروں سے کچھ پہلے هی روانہ هو گئی۔

گھڑسوار، سوگ منانےوالے پڑاؤ کے قریب پہنچے تو تیزرفتاری

سے ڈھلان پر سے اترنے لگے اور ان کی چیخوں سے استیپیاں گونج اٹھیں۔

عام دستور کے مطابق سوگ کے ایام میں کسی پڑاؤ یا بستی میں داخل ہونےوالوں کے گھوڑے دوڑاتے اور "ھائے میرے اپنے، میرے بہت ھی قریبی عزیز" کہہ کے بین کرتے ہوئے پہنچنا ھوتا تھا۔ آغاز، بڑے بوڑھوں اور سرداروں کو کرنا تھا اور ان کے عقب میں آنےوالے اشارے کے منتظر تھے۔ آخر قونان‌بائے اور قریب موجود لوگوں نے رونا اور آہ و زاری کرنا شروع کیا اور دوسروں نے ان کی مثال اپنائی۔

ابائی وسطی گروپ کے ساتھ تھا، اس کے بغل میں جو **لوگ** گھوڑے دوڑاتے چل رہے تھے ان میں اس کی بڑی ماں کونکے کا بیٹا قدائےبیردی، جو عمر میں ابائی سے بڑا تھا، پیغام رساں جمعہ‌گل اور معمر جمعہ‌بائے شامل تھے۔ تکےجان، اوسپان اور دوسرے لوگ ان کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

"اوئی بائے، میرے اپنے، میرے بہت ھی قریبی عزیز! میرے بھائی! میری امیدوں کا مرکز! میرا واحد سہارا" وہ لوگ چیخ چیخ‌کر کہے جا رہے تھے۔

جمعہ‌گل اور تکےجان اپنے گھوڑوں کی کاٹھیوں پر کچھ اس طرح آگے پیچھے جھول رہے تھے جیسے کسی بھی لمحے نیچے گر پڑیں گے۔ انہیں دیکھ‌کے لگتا تھا کہ غم کی شدت سے مرے جا رہے ھیں لیکن ابائی ان کے اس نقلی رویے سے دھوکا نہیں کھا رہا تھا۔

وہ خود بھی غم و اندوہ سے بھرے ہوئے نعرے بلند کر رہا تھا لیکن اسے بناوٹی طور پر غم کا مظاھرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بغل میں موجود قدائےبیردی کا رویہ بھی اسی کا جیسا مخلصانہ تھا۔ ابائی اپنے اس بھائی کو ھمیشہ ھی سے بہت پسند کرتا تھا حالانکہ ملاقات کی نوبت بہت ھی کم آتی تھی۔ اب اس نے فیصلہ کیا کہ اس رسمی تقریب کے دوران وہ اس سے قریب ھی رھےگا۔

زرہ کی گھوڑا گاڑی بوجیئی کے بڑے خیمے پر، جو پڑاؤ کے وسط میں واقع اور دوسرے خیموں سے نمایاں طور پر بلند تھا، پہنچ چکی تھی۔ سفید ماتمی خیمہ کچھ الگ تھلگ نصب تھا اور ایک اونچی بلی پر لگا ھوا سیاہ و سفید جھنڈا ھوا میں لہرا رہا تھا۔

قونان‌بائے اور اس کے ساتھیوں نے پڑاؤ سے قبل‌والی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد ماتمی جھنڈے کو شناخت کر لیا اور موسم بہار میں باڑھ کے پانی کی طرح اس کی طرف بہت تیزی سے لپکے۔ سب کے سب لوگ رو پیٹ رہے تھے۔ ابائی کو سفید خیمے کے سامنے تقریباً تیس افراد دکھائی دینے لگے تھے جو اپنے سفید ڈنڈوں پر جھکے ہوئے رو رہے تھے۔ یہ بوجیئی کے رشتےدار تھے جو مہمانوں کا روایتی انداز میں خیرمقدم کرنے کے لئے تیاری میں مصروف تھے۔

خیمے کے سامنے پہنچ کے یہ لوگ گھوڑوں سے نیچے اترے۔ اس جگہ منتظر لوگوں کی قیادت بائےدالی، بائیسال، توسیپ اور قراش کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے دوسرے رشتےدار بھی اپنے سفید ڈنڈوں پر جھکے سسکیاں بھر رہے تھے۔

تیز اور مستعد بانکے، مہمانوں کا خیرمقدم کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ انہیں گھوڑوں سے اترنے میں مدد دی، ان کے گھوڑے لے جاکے باندھے، اس کے بعد انہیں اپنے سرداروں کے پاس لے گئے۔ عام دعا سلام کے بجائے، مہمان اپنے میزبانوں سے گلے مل‌کے رونے لگے اور ابائی نے بائےدالی، بائیسال اور دوسرے بڑے بوڑھوں کو پھوٹ پھوٹ‌کے روتے دیکھا تو اس کے لئے ضبط کرنا ممکن نہ ہو سکا چنانچہ گھوڑے سے اترتے ہی وہ بھی سسکیاں بھرنے لگا۔ اس طرح روتے پیٹتے، آہ و زاری کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کو بڑے خیمے میں لے جایا گیا جہاں دردناک کراہوں اور ٹھنڈی سانسوں کا سلسلہ جاری رہا۔

"بڑا خیمہ" عورتوں سے بھرا ہوا تھا جو سامنےوالے دروازے کے قریب سے اعزاز و احترام‌والی جگہوں تک قطاروں میں بیٹھا اظہار غم کے روایتی الفاظ بہ آواز بلند ادا کرتے ہوئے، کولھوں پر ہاتھ رکھے آگے پیچھے جھوم رہی تھیں۔ سوگواروں میں جو سب سے زیادہ زور زور سے رو پیٹ رہا تھا، جس کے رویے سے سب سے زیادہ مایوسی اور پریشانی ٹپکتی تھی، وہ تھی بوجیئی کی بڑی بیوی۔ اس کے سر پر ایک سیاہ شال پڑی ہوئی تھی اور آنکھیں مسلسل اشکبار تھیں۔ اس کے قریب بیٹھی ہوئی پانچ لڑکیاں بھی اسی کی جیسی شدت سے گریہ و زاری کر رہی تھیں اور ایسا لگتا تھا کہ خیمے کا بلند گنبد آہوں اور نالوں سے پھٹ جانے کی حد تک بھر چکا ہے۔

خیمے میں داخل ہونے کے بعد مردوں نے عورتوں کے سامنے جھک کے انہیں گلے سے لگایا اور رونے لگے۔

ابائی نے جو قدائےبیردی کے پیچھے پیچھے اندر آیا تھا، صرف انہیں عورتوں کو گلے سے لگایا جو اس سے قریب تھیں کیونکہ ہر ایک سے گلے ملنا ممکن ہی نہ تھا۔ قدائےبیردی نے جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی، بڑے ہیجانی انداز میں سسکیاں بھرتے ہوئے، سب سے پہلے بوجیئی کی بڑی بیوی کو گلے سے لگایا۔

"آغا ایکیم، میرے بہت ہی قریبی عزیز" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

ابائی بھی سب سے پہلے اسی کے پاس گیا، اس کے بعد ان لڑکیوں کی طرف مڑا جو اس سے ذرا سا ہٹ کے بیٹھی ہوئی تھیں۔

آخرکار طویل اجتماعی گریہ و زاری ختم ہو گئی۔ اب صرف بوجیئی کی بڑی بیوی بین کر رہی تھی اور پانچوں لڑکیاں اس کے الفاظ سن سن کے سسکیاں بھرتی جا رہی تھیں۔ بڑی بیوی اپنے ناقابل تلافی نقصان کا، مقدر کی بےرحمی کا رو روکے تذکرہ کرتی تھی اور خیمے میں موجود تمام افراد کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے۔ دھیرے دھیرے وہ بھی کچھ پرسکون اور خاموش سی ہو گئی۔

لیکن بوجیئی کی دونوں بیٹیاں خاموش ہی نہیں ہو پا رہی تھیں۔ ان کی گریہ و زاری اب دفن کے وقت کے نوحے میں بدل چکی تھی اور دونوں ایک ساتھ آواز ملاکے گا رہی تھیں۔ ایک ایک لفظ کو بہت نمایاں طور پر ادا کرتی تھیں اور کسی کسی وقت گانا روک کے ایک ساتھ ٹھنڈی سانس بھرتی یا کراہتی تھیں مگر دوسرے ہی لمحے پھر بین شروع کر دیتیں:

"ہائے میرے اباجان!.. ارے آپ نے ہم لوگوں کے بڑے ہو جانے کا تو انتظار کر لیا ہوتا! آپ ہمیں یتیم اور اکیلا چھوڑکے چلے گئے... ہمیں کس کے سہارے پر چھوڑ گئے؟.. آخر آپ ہمیں آہ و زاری کرنے کے لئے کیوں چھوڑ گئے؟" اور سامعین ایک بار پھر سسکیاں بھرنے پر مجبور ہو گئے۔

ابائی کے لئے یہ دشوارترین لمحات تھے۔

لڑکیوں کا نوحہ دھیرے دھیرے اپنے باپ کی زندگی کے متعلق

گیت میں تبدیل ہو گیا، اس کی شجاعت، اس کی آن بان اور اس کے کارناموں کے متعلق گیت میں۔ لڑکیوں کی آوازوں سے زیادہ سے زیادہ درد و غم جھلکنے لگا۔

وہ صرف بوجیئی ہی کے بارے میں نہیں گا رہی تھیں بلکہ ان سب لوگوں کا تذکرہ کر رہی تھیں جو اس کے ارد گرد اکٹھا تھے، جو اس کے ہمعصر تھے۔ اور اچانک انہوں نے قونان‌بائے کا تذکرہ کیا۔

بڑے خیمے میں گہری خاموشی چھا گئی۔

قونان‌بائے جس کی ٹوپی پیشانی پر آگے کی طرف کھسک آئی تھی، سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکیوں کا یہ گیت اب اس کے منھ پر طمانچے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

لیکن عام رواج کے مطابق کوئی بھی شخص کسی کے سوگ میں گائے جانےوالے نوحے میں خلل ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا: اسے تو کتاب مقدس کی طرح پاک تصور کیا جاتا تھا۔ نہ کوئی اسے خاموش کرا سکتا تھا، نہ رکوا سکتا تھا کیونکہ یہ قانون سے بلند و برتر چیز تھی۔ اور اس کے الفاظ زیادہ سے زیادہ سخت ہوئے جا رہے تھے:

اور پھر دشمن ہمارا بن گیا قونان‌بائے
ہم سے ناانصافیاں کیں اور ہم پر قہر ڈھائے
اپنی بچی ان مظالم کے عوض دے دی ہمیں
واقعی وحشی گدھے سے بڑھکے وہ خونخوار ہے
سانپ سے بھی بڑھکے وہ مکار اور عیار ہے...

بےرحم آوازیں بڑے ظالمانہ انداز سے انتقاماً اسے تازیانے لگا رہی تھیں جیسے بالکل اس واحد آنکھ ہی پر ضربیں پڑ رہی ہوں۔

اس کے قریب بیٹھے ہوئے بڑے بوڑھے، اس خوف سے کہ ابھی وہ غصے سے چیخنے چلانے لگےگا، اپنی اپنی جگہوں پر کسمسائے۔ وہ کھانسنے، ناک چھڑکنے اور بےچین ہونے لگے لیکن قونان‌بائے نے دانت بھینچ لئے اور بالکل خاموش رہا۔

ابائی نے سر جھکا لیا۔ وہ شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

کافی پہلے جبکہ بوجیئی کی بڑی بیوی نے اپنا نوحہ شروع ھی کیا تھا، اس نے لڑکیوں کے درمیان توغجان کو دیکھ لیا تھا۔ لڑکی کا چہرہ ڈھکا ھوا تھا اور ابائی نے اس کو بغل ھی سے دیکھا تھا۔ "کاش زمین پھٹ جائے اور ھم اس کے اندر سما جائیں" اس نے سوچا۔ "ایسی ذلت برداشت کرنے سے تو زمین میں سما جانا ھی بہتر ھوگا۔"

اتنے میں اس کے قریب ھی کسی نے زبان چٹخاکے آواز پیدا کی اور ابائی نے اسے دیکھنے کے لئے سر اٹھایا: وہ سارئی‌آپا تھی۔ وہ تیوریوں پر بل ڈالتے ھوئے اٹھکے خیمے کے وسط میں پہنچی، وھاں فرش پر بیٹھکے سیاہ لبادے سے سر کو ڈھک لیا اور پھر خود اپنا ایک گیت چھیڑ دیا۔ پہلے وہ صرف بوجیئی کے بارے میں گاتی رھی، اس کی موت پر نوحہ خوانی کرتی رھی لیکن آخر میں اس نے کہا:

لڑکیو، کیا ھو گئیں شرم و حیا سے بےنیاز؟
بد بہت دنیا میں ھیں اور کم ھیں نیک اور پارسا
نیک نامی اتنی بوجیئی کی کم تھی جو اسے
سب کی نظروں سے چھپاکر دفن کر دینا پڑا؟

اس نے یہ الفاظ بلند آواز سے بڑی وضاحت کے ساتھ ادا کئے اس کے بعد خاموش ھو گئی۔

ایک دوسرے سے لڑائی پر آمادہ فریقین کے جذبات کا اظہار جس انداز میں عورتوں کے ان نوحوں میں ھوا اس سے بہتر انداز میں اور کسی چیز سے نہیں ھو سکتا تھا۔ اب اور کچھ کہنے کو باقی نہیں رہ گیا تھا۔ عابدخان نے جو زرہ کے پاس بیٹھا ھوا تھا، بخارا کی قرات کے طرز سے قرآن‌خوانی کرنے لگا اور سب لوگ خاموش ھوکے سننے لگے۔

اس طرح قونان‌بائے نے بوجیئی کو اپنا آخری خراج عقیدت پیش کیا۔

قرآن کی تلاوت ختم ھو گئی تو عورتیں اکیلی رہ گئیں کیونکہ مرد خیمے سے اٹھکے ناشتے کے لئے ایک دوسرے خیمے کو چلے گئے۔ ھر شخص، یہاں تک کہ اس گروہ کے بڑے بوڑھے بائےدالی اور توسیپ بھی مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف ھو گئے لیکن چائے،

قمیز اور گوشت کے باوجود بوجیئی کے رشتےداروں اور مہمانوں کے درمیان بےتکلفی سے گفتگو کا آغاز نہ ہو سکا۔ خود بائےدالی نے قونان‌بائے کو چائے پیش کی اور برابر اس کی طرف متوجہ رہا لیکن جیسے ہی دونوں بات‌چیت شروع کرنے کی کوشش کرتے ویسے ہی وہی منجمد سی خوش‌اخلاقی کی دیوار ان کے درمیان حائل ہو جاتی اور ایسا محسوس ہوتا جیسے ان دونوں کو ایک دوسرے سے کچھ کہنا ہی نہ ہو۔

چند جملے اس سال مویشیوں اور چارے کی صورت‌حال کے متعلق کہے گئے۔ کیریئی اور نائےمان قبیلوں کی جھڑپوں کا بھی مختصراً تذکرہ آیا اور کہا گیا کہ کس طرح ان دونوں نے ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر دیا۔ لیکن بات‌چیت اس سے آگے نہ بڑھ سکی اور مہمان اسی روز شام کو، خاموش اور بجھے بجھے سے واپس چلے گئے۔

لیکن قونان‌بائے کو ایسا لگا جیسے اس کے دل پر سے کوئی بھاری بوجھ اٹھ گیا ہو۔

کونکے کے پڑاؤ پر واپس پہنچ‌کے وہ ذرا دیر تک چپ چاپ بیٹھا رہا پھر بڑے زوردار انداز میں کہا:

"سارئی‌آپا کا ہر شخص کو احترام کرنا چاہئے!"

۲

خزاں آ گئی تھی اور گزشتہ تین دنوں سے بوندا باندی کا سلسلہ جاری تھا۔ قبائلی گروہ اپنی گرمیوں کی چراگاہوں سے چنگیز پار واپس لوٹے تھے، سردیوں کے لئے گھاس جمع کر لی تھی اور وقت ضائع کئے بغیر سیدھے خزاں کی چراگاہوں کو چلے گئے تھے۔

جیدےبائے کی چراگاہوں اور قرب و جوار کی جگہوں پر بہت سے گروہوں نے پڑاؤ قائم کر لئے تھے اور چنگیز کی کشادہ وادیوں، ترائیوں اور گھاٹیوں میں لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سی نظر آنے لگی تھی۔

موسم گرما کے بڑے بڑے خیمے اکھاڑے اور تہہ کرکے رکھے جا چکے تھے۔ اب مختلف گروہ نسبتاً چھوٹے اور زیادہ گرم خیمے استعمال کر رہے تھے اور ہر شخص اپنے گھر کو زیادہ سے زیادہ گرم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا چنانچہ خیموں کے اندر آگ جلتی رہتی تھی

اور ان میں نمدے کے استر لگا دئے گئے تھے۔ نمدے کے ایک ٹکڑے کا بنا ھوا چھوٹا خیمہ، جسے دھوئیں سے نقصان نہ پہنچا ھو، اس موسم کے لئے بہترین تصور کیا جاتا تھا۔

بھیڑوں کا دودھ اب نہیں دوھا جاتا تھا جو اس بات کا یقینی ثبوت تھا کہ موسم گرما کی چراگاھوں کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ھے اور قبائلی خاندان اور گروہ خزاں کی چراگاھوں کو منتقل ھو چکے ھیں۔ میمنے بڑے ھو چکے تھے اور دوسری بھیڑوں کے ساتھ چرنے لگے تھے۔

مرد جو زیادہ‌تر اپنے گھوڑوں پر ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ تک گپیں لڑانے یا لڑنے جھگڑنے کے لئے گھومتے پھرتے تھے، بالکل مختلف نظر آتے تھے۔ سرد راتوں اور کیچڑ نے انھیں نمدے کے استروالے لانگ بوٹ اور میمنے کی کھال کے کوٹ پہننے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب ان کے گھوڑے مختلف تھے کیونکہ گرمیوں میں استعمال کئے جانےوالے گھوڑوں کو جو دبلے پڑ گئے تھے، گلوں کے ساتھ چرائی کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

مرد ان گھوڑوں پر سواری کرتے تھے جنھوں نے گرمیوں بھر آرام کیا تھا۔ انھیں عام رفتار سے چلاتے تھے تاکہ ان موٹے تگڑے گھوڑوں کو زیادہ تکان نہ محسوس ھو اور راتوں کو اکثر چارہ دئے بغیر آرام کرنے کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔

خزاں بہت مصروفیت کا زمانہ ھوتی تھی۔ ان ایام میں گھوڑے خریدے، بدلے یا عارضی طور پر مانگے جاتے تھے۔ موسم کے دوران اگر اس بات کا امکان ھوتا کہ فکریں برداشت کرنی پڑیں‌گی، ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرنی ھوگی، دشوار سفر کرنا اور گھوڑوں کے اوپر بہت زیادہ سوار ھونا پڑےگا تو طاقتور، قابل اعتبار گھوڑوں کی مانگ اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ ایسے موقعوں پر گھوڑے خوشامد کرکے، فریب دے کرکے بلکہ مالکوں کو مسلسل پریشان کرکے زبردستی بھی حاصل کئے جاتے تھے۔

اسی قسم کا ایک کام تھا جس کے سلسلے میں میباسر اور قدائےبیردی بارش میں اپنے گھوڑوں پر جھکے ھوئے بیٹھے، تورغئی کے سردار قولین‌شاق کے پڑاؤ پر جا رھے تھے۔ جمعہ‌گل اور جمعہ‌بائے ان کے ساتھ تھے اور چاروں بہت تیزرفتاری سے سفر کر رھے تھے کیونکہ انھیں جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچنے کی بڑی فکر تھی۔

قولین‌شاق کے پڑاؤ پر، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ قونان‌بائے کے بھیجے ہوئے کسی شخص کی آمد کا انتظار تھا۔ یہ چاروں جیسے ہی پڑاؤ کے سبزہ‌زاروں پر نمودار ہوئے، ویسے ہی قولیں‌شاق پہاڑی ڈھلان پر جہاں وہ اپنے پانچ بیٹوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھو وہ لوگ آ گئے" اس نے اپنے بیٹوں سے کہا۔

"بڑی تیزی سے گھوڑے دوڑا رہے ہیں" اس کے سب سے بڑے بیٹے ترسین‌بائے نے کہا۔

"ہمیں اس معاملے کو جھیلنا ہی پڑےگا۔ مناس، تم گھوڑے پر بیٹھو اور پشاربائے کے یہاں چلے جاؤ۔ ہمیں ان کو تو مطلع ہی کرنا چاہئے۔ ہر شخص کو آگاہی دینے کا تو خیر وقت نہیں ملےگا۔ پشاربائے سے کہنا کہ وہ دوسرے کوتی‌باقیوں کو اطلاع پہنچا دیں" قولین‌شاق نے حکم دیا۔

"اور کوتی‌باقی لوگ جیگی‌تیکیوں اور بوکین‌شیوں کو مطلع کر سکتے ہیں" ترسین‌بائے نے تجویز پیش کی۔

"ان لوگوں سے کہنا کہ اگر وہ میرے یہاں سے الگ چلے جانے میں سچ مچ میری مدد کرنا چاہتے ہیں تو انہیں فوراً ہی یہاں آ جانا چاہئے!"

"اگر وہ اپنے وعدے کو نبھانا چاہتے ہیں تو انہیں آج رات تک آ جانا چاہئے" قولیں‌شاق کے دوسرے بیٹوں نے زور دیا۔

مناس نے اپنے باپ اور بڑے بھائیوں کی ہدایات خاموشی سے سنیں۔ اسے فوراً ہی روانہ ہونا تھا لیکن وہ ذرا دیر تک کھڑا قریب آتے ہوئے گھڑسواروں کو دیکھتا رہا۔

میباسر اور اس کے ساتھی، قولین‌شاق کے خیمے پر پہنچے تو آخرالذکر پہاڑی ڈھلان سے نیچے اتر چکا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو بےاعتنائی سے سلام کیا اور ان ناپسندیدہ مہمانوں کو بڑے خیمے میں لے گیا۔

مناس فوراً ہی اچھل‌کے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور قراول روانہ ہو گیا۔ دراصل میباسر کو دیکھتے ہی اس نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ ذرا بھی وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں۔

میباسر نے خیمے میں داخل ہوتے ہی جو رویہ اپنایا وہ واضح

طور پر شگون بد کا آئینہ‌دار تھا۔ اس نے نہ پیٹی کھولی، نہ ٹوپی اتاری۔ چابک بھی الگ نہیں رکھا۔ اس کا رنگ زرد تھا، نتھنے پھڑک رہے تھے اور وہ کولھے پر ھاتھ رکھے ہوئے قولین‌شاق اور اس کے بیٹوں کو نفرت اور حقارت کے ساتھ قہرآلود نگاھوں سے دیکھے جا رھا تھا۔

"آخر یہ کیسی بات ھے عزیزو جو میں نے سنی ھے؟ تم نے میرے پیغام رساں کو مارا پیٹا ھے؟ اس نے کوئی غلط بات کی تھی تو تم نے مرزا سے شکایت کیوں نہ کی؟ یا تم لوگ یہ دکھانے کو بےتاب تھے کہ بڑے طاقتور ھو! کیا ابھی یہ کل ھی کی بات نہیں کہ تم نے ھمارا ساتھ دیا تھا؟ آخر چاھتے کیا ھو؟ کہو نا جو کچھ کہنا ھو! مرزا نے مجھے بھیجا ھے تاکہ تم مجھ سے اپنی شکایت بیان کرو۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو بھی بھیجا ھے جیسا کہ تم دیکھ ھی رھے ھو۔"

میباسر نے دھکتے ہوئے انگاروں میں تھوکا اور قولین‌شاق کی طرف مڑا۔

قولین‌شاق فرش پر بچھے ہوئے بستر پر بیٹھا تھا اور اس کے بیٹوں نے اپنے سر جھکا لئے تھے جیسے کہ انھوں نے کچھ سنا ھی نہ ھو۔ صرف قادربائے نے جو اپنے باپ کے پاس بیٹھا ھوا تھا، اپنی آنکھیں نہ موڑیں اور جس انداز میں میباسر گھور رھا تھا اسی انداز میں جرأت کے ساتھ وہ میباسر کو گھورنے لگا۔

چند لمحات قولین‌شاق آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رھا۔

"آپ کہتے ھیں کہ ھم نے آپ کے پیغام رساں کو مارا پیٹا" اس نے کہنا شروع کیا۔ "لیکن معزز میباسر، آپ خود اپنے اقدامات کے متعلق کیوں کچھ بھی نہیں کہہ رھے ھیں؟ مرزا اگر تمام باتوں پر اتنی ھی زیادہ توجہ دیتے ھیں تو آخر وہ ان لوگوں پر کیوں نہیں توجہ دیتے جو لوٹنے کے لئے آتے ھیں؟ آخر وہ خود آپ پر کیوں نہیں توجہ دیتے؟"

"الفاظ نہ ضائع کرو، میں یہاں یہ طے کرنے کے لئے آیا ھوں کہ ذمےداری کس پر عاید ھوتی ھے۔ میں اس بات کی ضمانت بھی چاھتا ھوں کہ اس قسم کے واقعات آئندہ نہ ھوں‌گے۔"

"دوسرے الفاظ میں آپ یہ تجویز پیش کر رھے ھیں نا کہ میرے لئے خاموش ھوکے بیٹھ رھنا بہتر ھوگا؟ لیکن اگر میں نے آپ سے

علاحدگی اختیار کرنے اور ان لوگوں سے مل جانے کا فیصلہ کر لیا ھو جن کو میری ضرورت ھے تو؟"

"لیکن اس پر راضی ھی کون ھوگا؟ تم کو جانے ھی کون دےگا؟ مرزا نے تم سے ٹھہرے رھنے کو کہا ھے، انہوں نے ھر معاملے کی خود چھان بین کرنے کا وعدہ کیا ھے۔"

"خدا ان کا ساتھ دے! لیکن اگر میں اپنے منتخب کئے ھوئے راستے پر گامزن ھوتا ھوں تو نہ تو انہیں برا ماننا چاھئے اور نہ ھی میری ملامت کرنی چاھئے۔"

"لیکن آخر کیوں؟ آخر ھوا ھی کیا ھے، آق‌سقال؟" قدائےبیردی بیچ میں بول پڑا۔ "اباجان نے جو کچھ کہا ھے وہ یہ ھے: "اگر وہ ھمارے جرگے کو چھوڑکے چلے جاتے ھیں تو وہ تمام تورغئی عوام کو ھمارے خلاف کر دیں‌گے۔ بہتر ھوگا کہ ھم لوگ آپس میں بات‌چیت کرکے پتہ چلائیں کہ غلطی کس کی تھی۔ انہیں کسی جگہ کا تعین کر دینا چاھئے جہاں ھم لوگ اس معاملے پر بات‌چیت کر سکتے ھیں۔ انہیں بتانا چاھئے کہ آخر وہ چاھتے کیا ھیں۔ انہیں معاوضہ لے لینا چاھئے لیکن ھم لوگوں کا ساتھ چھوڑکے ھمارے دشمنوں سے نہ مل جانا چاھئے!" اباجان نے آپ سے یہ بات کہی ھے!"

قولین‌شاق کے جواب سے قبل ھی میباسر بول اٹھا:

"آخر تم میرے اوپر کاھے کا الزام لگاتے ھو؟ یہ تو تم ھی تھے جس نے میرۓ پیغام رساں کو مارا پیٹا" اس نے اپنی بات پر اڑتے ھوئے کہا۔

"میرے بیٹے آپ کے سامنے کھڑے ھیں، ان کے پاس صرف ایک ھی قدم‌باز گھوڑا ھے۔ آپ نے اسے لے لینے کی خواھش ظاھر کی تو میں نے وضاحت کر دی کہ کیوں نہیں دے سکتا۔ کیا اتنی سی بات کو سمجھنا دشوار کام تھا؟ آپ نے اس کے باوجود اپنے پیغام رساں کو بھیجا کہ وہ زبردستی گھوڑے کو لے جائے۔ وہ شخص بہت ھی ذلیل اور بھیڑئے سے زیادہ بھیانک ھے۔ آپ نے اس کو بھیج‌کر ھمارے گروہ کو لوٹنے کی کوشش کی۔ آخر میباسر، کیا یہ کوئی انصاف کی بات تھی؟"

"گھوڑا مجھے اپنے لئے تھوڑی چاھئے تھا۔ اسے تو مرزا نے مانگا تھا۔ قدائےبیردی کو جو یہاں موجود ھے، یہ گھوڑا پسند آ گیا تھا

اور میں نے سوچا: "یہ پہلا موقع ہے کہ لڑکے کو کوئی گھوڑا پسند آ گیا ہے۔ مجھے اس گھوڑے کے حصول میں اس کی مدد کرنی چاہئے۔ قولین‌شاق اس چھوٹی سی شرارت پر ناراض نہ ہوں‌گے" اور اسی لئے میں نے پیغام رساں کو بھیجا تھا۔"

"شرارت! بھلا یہ کس قسم کی شرارت تھی؟" قولین‌شاق کے طاقتور بیٹوں میں سے سب سے بڑا ترسین‌بائے کہہ اٹھا۔

"آپ ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں کیا؟ یہ کوئی شرارت نہیں کھلا ہوا تشدد تھا، اس طرح کی کارروائی اجنبیوں، غلاموں اور ان لوگوں کے خلاف کی جاتی ہے جو اپنا دفاع نہیں کر سکتے" قولین‌شاق کے تیسرے بیٹے قادربائے نے کہا۔

صلح صفائی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں تھی۔ خیمے میں خفگی سے بھری ہوئی خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد میباسر نے قولین‌شاق کے جیگی‌تیکیوں سے جا ملنے کے ارادے کے سلسلے میں پھر اس پر نکتہ‌چینی شروع کر دی۔

دراصل قونان‌بائے نے میباسر اور قدائے‌بیردی کے ذریعے جو پیغام بھیجا تھا، اس کا تعلق صرف اس مسئلے سے تھا۔ قدم‌باز گھوڑے اور پیغام رساں کے مارے پیٹے جانے کی بات کا تو بعد میں آنےوالے خیال کے تحت اضافہ کیا گیا تھا: میباسر اس بہانے قولین‌شاق پر دھونس جمانا اور اسے اپنے ارادے سے باز رکھنا چاہتا تھا لیکن قولین‌شاق اپنی غلطی تسلیم کرتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

چند روز قبل میباسر نے زبردستی گھوڑا حاصل کرنے کی جو کوشش کی تھی اس پر سخت برہم ہوکے قولین‌شاق نے پیغام رساں کو مارا پیٹا اور قونان‌بائے سے علاحدگی اختیار کر لینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس نے جیگی‌تیک جرگے کو ایک گھڑسوار بھیج‌کے ان لوگوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کے گروہ کو اپنے جرگے میں شامل کر لیں اور اس کی روانگی میں مدد کریں۔ اس فیصلے کی افواہیں قونان‌بائے تک اسی روز صبح کو پہنچی تھیں اور اس نے سوچا تھا کہ تورغئی جیسا جرگا جو ان لوگوں سے بہت قریب ہے، انہیں چھوڑکے دوسروں سے جا ملا تو یہ اس کے لئے سخت بےعزتی اور زبردست نقصان کی بات ہوگی۔

بوجیئی کے انتقال کے بعد پورے موسم گرما میں کھلم کھلا کسی

تصادم کی نوبت تو نہیں آئی تھی لیکن فریقین نے اپنے دوستوں اور اتحادیوں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ عداوت کی آگ خفیہ طور پر، دبی ہوئی، اندر ہی اندر سلگ رہی تھی اور روز بہ روز بڑھتی پھیلتی جاتی تھی۔ دونوں طرف غصے اور نفرت کے جذبات کچھ اتنے قوی ہو گئے تھے کہ تصادم ناگزیر معلوم ہونے لگا تھا۔

توق‌پام‌بیت میں ہونے‌والی لڑائی جس کا خاتمہ بوجیئی کے کوڑے مارے جانے کے شرمناک واقعے پر ہوا تھا، آخری بڑا تصادم تھا۔ اس کے بعد ہی سے جیگی‌تیک، کوتی‌باق اور بوکین‌شی جرگے، قونان‌بائے سے انتقام لینے کے عزم کے ساتھ، لڑائی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ بوجیئی کے انتقال کے بعد سے بظاہر امن قائم تھا۔ لیکن یہ امن و سکون محض ایک خیالی بات کی حیثیت رکھتا تھا۔ حقیقتاً زخم، اچھے ہونے کا تو خیر سوال ہی کیا تھا، کچھ اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔ بوجیئی کی موت نے قونان‌بائے کے حریفوں کو متحد اور ان کے عزم کو مستحکم کر دیا تھا اور ان حریفوں میں سب سے کٹر تھے بوجیئی کے قریبی دوست: بائے‌دالی، بائیسال، قراتائے، توسیپ اور سویوندیک۔

قونان‌بائے کو اس کمبخت گھوڑے کی ہوس، غلط وقت پر ہوئی تھی۔ کوئی اور زمانہ ہوتا تو قولین‌شاق نے اسے اس کے حوالے کر دیا ہوتا کیونکہ انکار کی جرأت کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا لیکن اس وقت تو اس کا ساتھ دینے‌والے موجود تھے۔ بائیسال اور پشاربائے بار بار وعدہ کر چکے تھے کہ کوتی‌باق قبائلی اس کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔ قولین‌شاق سمجھتا تھا کہ اس کے حالات بہت اچھے ہیں اور وہ قونان‌بائے کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کو تیار نہ تھا۔

لیکن جہاں تک میباسر کا تعلق تھا، وہ اس نئی صورت‌حال کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ "وہ مجھے اس گھوڑے کو ہتھیانے نہ دے‌گا" اس نے سوچا تھا۔ "یہ بھی کیسی مہمل بات ہے! ہم لوگ اگر تورغئی جیسے جرگے سے بھی، جو کچھ چاہتے ہیں نہ لے سکیں تو آخر ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ وہ کر ہی کیا سکتا ہے؟"

قولین‌شاق نے گھوڑا نہیں دیا تھا اور میباسر نے غصے میں آکر طاقت استعمال کی تھی اور اس طرح تورغئی جرگا، ارغیزبائے جرگے

سے علاحدہ ہوکے جیگی‌تیکیوں اور کوتی‌باقیوں سے جا ملنے کا بہ‌عجلت فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

اب میباسر نے قولین‌شاق کو اس کے فیصلے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کی تمام دلیلوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ آخرکار وہ سخت مشتعل اور اپنی عادت سے مجبور ہوکے دھمکیاں دینے پر اتر آیا۔

"سنو، قولین‌شاق آق‌سقال، میں مرزا کی یہ درخواست لےکے آیا ہوں کہ تم ہم لوگوں کو چھوڑکے نہ جاؤ۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔ خواہ مخواہ اس بات‌چیت کو جاری رکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم نہ جاؤگے، ورنہ میں کہے دیتا ہوں کہ تمہیں پچھتانا پڑےگا!"

قولین‌شاق نے غصے بھری نظروں سے میباسر کو دیکھا۔

"مجھے پچھتانا پڑےگا؟ اچھی بات ہے۔ اب میں بھی کچھ اور نہ کہوں‌گا۔ میں نے بہت کچھ دیکھا اور برداشت کیا ہے۔ یہ رہا میرا جواب: میں جاؤں‌گا!" اس کے لہجے سے قطعیت جھلکتی تھی۔

میباسر کے ساتھی بےچین ہو اٹھے اور انہوں نے پریشانی کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

میباسر نے شدید غصے کے عالم میں قولین‌شاق کے بستر پر زور سے کوڑا مارا۔ وہ اتنا مشتعل ہو گیا تھا کہ اس کا دم گھٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم کس کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے ہو! میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ کون ہیں۔ یقیناً ان لوگوں نے تم سے وعدہ کیا ہے: "ہم تمہاری حفاظت کریں‌گے! ڈرو مت!" وہ لوگ تم کو میرے اثر سے نکالنے کی ذرا کوشش کرکے تو دیکھیں۔ بائیسال اور بائےدالی گھمنڈ سے اپنے سینے پھلاتے ہوئے سوچتے ہیں کہ وہ بڑے اور طاقتور ہیں! اچھی بات ہے، ہم لوگ دیکھ لیں‌گے! میں ان مرزا لوگوں کے چوتڑ میں نیزہ ٹھونس دوں‌گا!" میباسر غصے کی شدت سے سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا اور اس کی آنکھیں خباثت سے چمک رہی تھیں۔ "ان لوگوں کو اس کی قیمت چکانی پڑےگی، اپنی برہنہ پیٹھوں سے قیمت چکانی پڑےگی! انہیں توق‌پام‌بیت کی یاد آ جائےگی!"

قادربائے جو پانچوں بیٹوں میں سب سے زیادہ مشتعل ہو جانے اور لڑنے جھگڑنےوالا جوان تھا، اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا۔

"بہت ہو چکا، محترم وولوست حاکم، بہت ہو چکا! توق‌پام‌بیت جیسے شرمناک واقعات کو یاد نہ کیا جانا ھی بہتر ھے" وہ بھی غصے کی شدت سے ھانپنے لگا تھا۔

اچانک پشاربائے دو بانکوں کے ساتھ اندر داخل ھوا۔ یہ وھی پشاربائے تھا جس نے گزشتہ سال توق‌پام‌بیت میں، بوجیئی کو کوڑوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی اور خود بھی قونان‌بائے کے کوڑے جھیلے تھے۔ وہ ایک باریش، بھاری بھرکم نڈر شخص تھا۔ وہ اپنی اس توھین کو فراموش نہیں کر سکا تھا اور اسی کی کوششوں سے بائیسال اپنے کوتی‌باق جرگے کے ساتھ قونان‌بائے کو چھوڑکے جیگی‌تیک جرگے سے آ ملا تھا۔

اس کے داخل ھوتے ھی قولین‌شاق کے بیٹے کسمسائے اور ان کے جسموں میں سنسنی سی دوڑ گئی جیسے توقع کر رھے ھوں کہ اب کچھ نہ کچھ ھوکے رھےگا۔ اتنے میں باھر مزید قدموں کی آھٹیں سنائی دیں۔ "اب کون آ گیا؟" جمعہ‌بائے نے سوچا۔ "آخر کیا ھونے جا رھا ھے؟" اور اس نے میباسر کو سوالیہ نگاھوں سے دیکھا۔

"کوئی گھر میں ھے؟" کسی نے دروازے پر آکے پوچھا۔

"میں یہاں ھوں" پشاربائے نے جواب دیا۔

دس بانکے مناس کی قیادت میں اندر داخل ھوئے اور مناس کے بھائی جو ان لوگوں کی آمد کا بےصبری سے انتظار کر رھے تھے، میباسر اور اس کے تینوں ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔

"دور ھو جاؤ" وولوست سربراہ نے دوبارہ کھڑے ھو سکنے سے قبل ھی کوڑا مارنے کی کوشش کرتے ھوئے گرجدار آواز میں کہا لیکن قادربائے اس سے گتھم گتھا ھو گیا اور اسے چت کرکے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ باقی تینوں کا بھی یہی حشر ھوا۔

اس کے بعد جو کچھ ھوا وہ اس مار پیٹ سے کہیں زیادہ خراب تھا جس سے میباسر کے پیغام رساں کو سابقہ پڑا تھا۔

پشاربائے، قادربائے اور مناس نے میباسر کو اتنا زیادہ مارا پیٹا کہ وہ خود ھی بالکل نڈھال ھوکے رہ گئے۔ یہی سلوک دوسروں کے ساتھ بھی کیا گیا لیکن قدائےبیردی کو کسی نے بھی ھاتھ نہ لگایا

کیونکہ قولین‌شاق نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ اس نے نوجوان کو ایک طرف گھسیٹ کے اسے لبادے سے ڈھک دیا تھا۔ اچانک بانکے جو خاموشی کے ساتھ میباسر کی پٹائی کر رہے تھے، چلائے: "اسے خیمے کے باہر لے چلو! باہر گھسیٹ لے چلو!"

"ھونہہ، ھمیں دھمکیاں دے رہا تھا، کہہ رہا تھا ھمارے کپڑے پھاڑ کے ننگا کر دے گا!" وہ لوگ میباسر کو گھسیٹ کے باہر لے جانے لگے تو قادربائے نے اسے حقارت بھری نگاھوں سے دیکھتے ھوئے کہا: "یہ تو صرف باتیں کرنا ھی جانتا ھے۔ ھم لوگ اسے دکھا دیں گے کہ یہ کام کیسے کیا جاتا ھے۔ اتار لو اس کے تمام کپڑے، بالکل برھنہ کر دو!" پھر اس نے میباسر کو پکڑ کے اس کا چوغہ، لانگ بوٹ اور پتلون کھینچ کھینچ کے اتار لئے اور برھنہ پیٹھ پر زور کا گھونسا مارا تو محراب کی شکل کا نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے بڑے وحشیانہ انداز میں اسے گھونسوں، لاتوں سے مارا پیٹا۔ "تم نے ھمارے ساتھ کیا کیا نہیں کیا!" وہ ھر ضرب پر ھانپتے ھوئے کہتا: "تم کو اپنی بات پوری کر دکھانے کا بڑا یقین تھا نا؟ میں تمہیں اس سے بھی زیادہ ذلیل کروں گا!"

اس نے میباسر کو پلٹ کے منھ کے بل لٹا دیا۔

"تم نے کہا تھا کہ ھمارے چوتڑوں میں نیزہ گھسیڑ دوگے؟ کہا تھا نا؟ اچھی بات ھے، یہ رہا تمہارا نیزہ!" اس نے گرجتے ھوئے کہا اور اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے اونٹ کی لید جو خیمے کے قریب ھی پڑی ھوئی تھی، اس کے چوتڑ میں ٹھونس دی۔ "اب اگر تم میں ذرا بھی آن باقی ھے، تو شرم سے ڈوب مروگے" اور اس نے میباسر کے ایک ٹھوکر ماری۔

قولین‌شاق کا گروہ، قونان‌بائے کے بھائی اور اس کے بیٹے کو اس طرح ذلیل کرنے کے بعد اپنے نئے اتحادیوں سے جا ملنے کے لئے، اسی رات کو روانہ ھو گیا۔ اس قافلے کے روانہ ھوتے ھی جیگی‌تیک اور کوتی‌باق جرگوں کے لوگوں نے جنھیں مناس بلا لایا تھا، قافلے کو اپنے حفاظتی گھیرے میں لے لیا۔ اس رات تورغئی جرگے کے بہت سے گروہ جیگی‌تیکیوں سے جا ملے۔

تورغئی قبائلی اپنے راستے پر کافی دور تک نکل گئے تب کہیں جاکے میباسر اور اس کے ساتھیوں کو رھائی ملی۔ صبح ھو رھی تھی

تب ان لوگوں کو اپنے گھوڑے ملے اور دوپہر کو وہ قونان‌بائے کے پاس پہنچے۔ اتفاق سے اس وقت قونان‌بائے کے تمام حامی جیدےبائے میں اکٹھا تھے اور ارغیزبائے، توپائے، جووان‌تیاق اور قراباتر جرگوں کے مختلف گروہ دس میل کے ارد گرد علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔

"جیگی‌تیک قبائلیوں نے میباسر اور قدائےبیردی کو مارا پیٹا ہے اور ان کی بےعزتی کی ہے! وہ لوگ قولین‌شاق کے گروہ کو زبردستی اپنے ساتھ لےکے چلے گئے!" واقعے کی خبر اس شکل میں ایک گروہ کے پڑاؤ سے دوسرے گروہ کے پڑاؤ تک پھیلتی گئی۔

قونان‌بائے نے فوری احکام جاری کئے اور پلک جھپکتے میں ڈیڑھ سو بانکے تیار ہوکے گھوڑوں پر سوار ہو گئے جن کی قیادت قونان‌بائے، اس کا منھ بولا بھائی ازغوت‌تی اور بھتیجا آق‌بیردی کر رہے تھے۔

دوپہر کو قونان‌بائے نے جو سفر کرتے ہوئے جیگی‌تیکیوں پر برابر نظر رکھے ہوئے تھا، نیا حکم جاری کیا:

"وہ لوگ حملوں اور لوٹ مار کے بڑے شوقین ہیں۔ اب انہیں خود بھی اس کا مزہ چکھا دو۔ وہ رہا سامنے جیگی‌تیک کارواں۔ اس پر حملہ کرکے ان لوگوں کو روک لو!"

اور اس نے کسی ھچکچاھٹ کے بغیر اپنے سواروں کو ساتھ لےکے ایک بڑے کارواں پر، جو موسی‌قل وادی سے گزر رہا تھا، حملہ کر دیا۔ یہ لوگ اچانک بڑے وحشیانہ انداز میں مسافروں پر ٹوٹ پڑے اور اس کی ذرا بھی فکر نہیں کی کہ کس پر حملہ کر رہے ہیں۔ دراصل قونان‌بائے کو اتنا زیادہ غصہ تھا کہ وہ ٹھیک سے کچھ سوچ ہی نہیں سکا۔ "یہ ایک جیگی‌تیک کارواں ہے اور اس پر حملہ کرنے کے لئے بس اتنی ہی بات بہت کافی ہے!" اس نے سوچا۔

یہ جیگی‌تیک کارواں تو ضرور تھا لیکن یہ بوجیئی کا ماتمی خیمہ لے جانےوالوں پر مشتمل تھا۔

قونان‌بائے کے بانکوں نے آگے آگے چلتے ہوئے مویشیوں کے گلوں پر حملہ کیا، مردوں کو ادھر ادھر منتشر کر دیا اور گھوڑے اور مویشی اپنے ساتھ ہنکاتے ہوئے چل دئے۔ارغیزبائے حملہ‌آوروں کا ارادہ تھا کہ کارواں پر بھی قبضہ کر لیں‌گے لیکن جقیپ اور ازغوت‌تی نے جو گھوڑے دوڑاتے ہوئے دوسروں سے آگے نکل گئے تھے، بوجیئی کے کارواں کو پہچان‌کے حملہ‌آوروں کو اور آگے جانے سے روک دیا۔

بوجیئی کی دونوں بیٹیاں جو ترشی ہوئی دم اور ایال کے بغیر سوار والے گھوڑے کو اپنے ساتھ لئے ہوئے تھیں، اب بھی باپ کی موت کا نوحہ پڑھتی جا رہی تھیں جیسے انہیں اپنے گرد و پیش کے واقعات کی خبر ہی نہ رہی ہو۔ صرف بوجیئی کی بیوی نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی، اونٹوں کو روکا اور حملہ‌آوروں سے مخاطب ہوئی:

"ارے تم! تم میں ذرا بھی شرم باقی نہیں رہی! تم نے سوگ مناتے ہوئے کارواں پر حملہ کر دیا! خدا کرے تم اپنی قبروں میں پڑے روتے چیختے رہو، بےدین کتو!"

قونان‌بائے کو جیسے ہی پتہ چلا کہ وہ بوجیئی کا کارواں ہے، اس نے فوراً ہی اپنے حکم میں تبدیلی کر دی:

"کارواں کو اس کے حال پر چھوڑ دو! صرف ان لوگوں کو روک دو اور کہو کہ جہاں وہ موجود ہیں وہیں اپنے خیمے نصب کر لیں۔"

بوجیئی کے کارواں کے افراد ایک جگہ اکٹھا ہو گئے اور وادی میں خیمے نصب کرنے لگے۔ قونان‌بائے کے حملہ‌آور اس اثنا میں لوٹ گئے۔

جلد ہی جیگی‌تیک جرگے کے مختلف گروہوں تک خبر پہنچ گئی: "قونان‌بائے نے بوجیئی کا سوگ منانےوالے کارواں پر حملہ کیا ہے! اس نے بوجیئی کی یاد کی بےحرمتی کی ہے!"

جیگی‌تیک قبائلی تمام رات اپنے اسلحہ اور دوسرے ساز و سامان کو درست کرنے میں مصروف رہے اور سارے مرد گھوڑوں پر سوار ہوکے بوجیئی کے گروہ کے پڑاؤ پر آ گئے۔ آخرکار بائیسال نے فیصلہ کیا کہ دھاوا بولنے کا وقت آ گیا ہے اور اس نے کوتی‌باق جرگے کے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ اسی طرح سویوندیک نے بوکین‌شیوں کو تیار کیا۔

اسی رات کو قونان‌بائے کے حامی جیدےبائے پہنچ گئے۔ موسی‌قل وادی کو جو وہاں سے تین میل سے بھی کم فاصلے پر واقع تھی، میدان کارزار بننا تھا۔ قونان‌بائے نے صرف پڑوسی جرگوں ہی سے اپنے حامیوں کو نہیں اکٹھا کیا بلکہ فالتو گھوڑوں کے ساتھ اپنے پیغام رسانوں کو توبیق‌تی قبیلے کے بہت ہی دور دراز مقامات پر آباد جرگوں کے یہاں بھی روانہ کیا۔

بائےدالی اور بائیسال نے بھی ایسی ہی کارروائی کی اور کوک‌شے

جرگے کے سربراہ قراتائے کے گروھوں کے علاوہ مرزا اور مامائے نامی قبیلوں کے مختلف جرگوں کے پڑاوؤں پر بھی اپنے پیغام رساں بھیجے۔

بائےدالی نے احتیاطی اقدام کے طور پر ایک اور کارروائی کی۔ قونان‌بائے کے خلاف شکایات اور درخواستیں قلم بند کرکے ان پر مختلف جرگوں کی مہریں لگائی گئیں۔ ان میں کہا گیا تھا کہ آغا سلطان اور حکمراں قونان‌بائے نے مختلف گروھوں کو لوٹا ھے، سوگ مناتے ھوئے ایک کارواں پر حملہ کیا ھے اور توبیق‌تی قبیلے کے لوگوں میں ناچاقی پیدا کرکے انھیں خود اپنے بھائیوں اور بھنوں کے قتل پر آمادہ کر دیا ھے۔ یہ کام بڑی عجلت کے ساتھ انجام دیا گیا۔ اس کے بعد بائےدالی نے یہ ساری درخواستیں توسیپ کے حوالے کیں، پانچ بانکے دئے اور اس کی جیبیں رقوم سے بھر دیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ متعدد فالتو گھوڑے لئے ھوئے قارقرالنسک روانہ ھو گئے۔

اب بائےدالی ٹھنڈے دل سے لڑائی کا انتظار کر سکتا تھا۔

علی‌الصباح قونان‌بائے کے دستے جنگی نعرے لگاتے اور نقارے بجاتے ھوئے آگے بڑھے۔

بائےدالی، بائیسال اور سویوندیک فوراً گھوڑوں پر سوار ھو گئے اور اپنے آدمیوں کو اکٹھا کیا۔ جیگی‌تیکیوں کے گھوڑے کسی ھوئی کاٹھیوں سمیت پوری طرح تیار تھے؛ تیزی کے ساتھ سوئیل اور شوق‌پار سنبھالے گئے اور چند لمحوں کے بعد ھی قونان‌بائے کے حملہ‌آوروں اور ان کے حریفوں میں جو سوئیل بلند کئے اور نیزے اٹھائے تیار تھے، آمنے سامنے کا تصادم شروع ھو گیا۔ ارغیزبائے اور جیگی‌تیک ایک دوسرے سے بر سر پیکار ھوئے تو غبار کے بادل کے بادل ابھرکے فضا پر چھا گئے۔

یہ تصادم جو بعد میں "موسی‌قل لڑائی" کے نام سے مشھور ھوا، توبیق‌تی قبیلے کے افراد کو خاصے طویل عرصے تک یاد رھا۔ اس میں دونوں طرف سے ایک ایک ھزار سے زائد گھڑسوار شریک تھے۔ قونان‌بائے کو تعداد کے لحاظ سے کوئی برتری حاصل نہیں تھی اور اس کے حملوں کو قطعاً پسپا کر دیا گیا۔ ھر حملے میں دس پندرہ آدمی زخمی ھو جاتے تھے اور انھیں فوری طور پر میدان سے ھٹا دیا جاتا تھا۔

لڑائی کا پہلا دن غیرفیصلہ‌کن رہا۔ کبھی ایک فریق کا پلہ بھاری معلوم ہوتا تھا کبھی دوسرے کا۔ اندھیرا ہوتے ہی فریقین نے اپنے دستے میدان سے پیچھے ہٹا لئے۔

دوسرے دن بھی بڑی ہولناک لڑائی ہوئی لیکن اس روز بھی کسی ایک فریق کو بالادستی نہ حاصل ہو سکی۔

اس بھیانک تصادم کا سلسلہ تین دن سے جاری تھا۔

تیسرے دن قونان‌بائے نے حکم دیا کہ اس کے ایک سو پچاس بہترین بانکے، بہترین گھوڑوں پر سوار اور سوئیلوں کے بجائے لمبے دستے کی کلہاڑیوں اور تیز نیزوں سے مسلح ہو جائیں۔ دراصل وہ جیگی‌تیکیوں کی زبردست مزاحمت اور ہمت دیکھ‌کے آپے سے باھر ہو گیا تھا اور انہیں اچھے یا برے، کسی بھی طریقے سے کچل‌کے رکھ دینے پر تلا ہوا تھا۔

اس نے دشمن کے لئے ایک جال بچھایا۔ پہلے تو لڑائی کے میدان میں متعدد ایسے دستے بھیجے جو صرف سوئیلوں سے مسلح تھے پھر جب لڑائی پورے عروج پر تھی تو ان دستوں کو واپس بلانے لگا جس کا مقصد یہ تاثر دینا تھا کہ اس کے آدمی پیچھے ہٹ رہے ھیں۔ اسے امید تھی کہ اس اقدام کے نتیجے میں دشمن کے بہترین بانکے تعاقب کے لئے آگے نکل آئیں گے۔

یہ حکمت عملی کامیاب ثابت ہوئی۔ جیگی‌تیک اور کوتی‌باق گھڑسواروں کے جیالے گروہ، میدان چھوڑکے بھاگتے ہوئے دشمنوں کا تعاقب کرنے کے لئے، جلد ھی سامنے آ گئے۔ ان میں قولین‌شاق کے پانچوں طاقتور بیٹے اور پشاربائے بھی شامل تھے۔ یہ لوگ ارغیزبائیوں کا تیزی سے تعاقب کرتے مستعدی کے ساتھ اس پہاڑی کی طرف بڑھنے لگے جہاں قونان‌بائے کھڑا ہوا لڑائی کو دیکھ رہا تھا۔ دراصل اسے اسی بات کا انتظار ھی تھا چنانچہ وہ اچانک، لمبے دستے کی کلہاڑیوں اور نیزوں سے مسلح بانکوں کے دستے کو لےکے لڑائی کے میدان میں کود پڑا۔

اس دستے نے جس کی قیادت ازغوت‌تی کر رہا تھا، دشمن کی صفوں کو درھم برھم کرکے انہیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا اور ان کا تعاقب کرنے لگا۔ دس بانکوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اسی جگہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے۔

لڑائی اس مرحلے پر پہنچ چکی تھی جسے عموماً ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے: "دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔"

قونان‌بائے تیزی سے تعاقب کرتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن اسی اثنا میں جیگی‌تیکیوں کے مورچوں کے عقب سے غبار کا ایک بادل سا فضا میں بلند ہوتا نظر آیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کشادہ پہاڑی پر بےشمار نئے گھڑسوار پہنچ گئے ہوں۔

ارغیزبائے مخبروں نے اس سے قبل قونان‌بائے کو اطلاع دی تھی: "جیگی‌تیک جرگے نے قونیر جرگے کے لوگوں کے پاس ایک پیغام رساں بھیجا ہے۔ مامائے کے لڑنےوالے افراد کی آمد بھی متوقع ہے۔" قونان‌بائے پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ مامائے قبائلیوں کی آمد سے جیگی‌تیک لوگوں کو بالادستی حاصل ہو جائےگی۔ دراصل سب سے بڑا خطرہ یہی تھا اور اب ٹھیک اس لمحے جبکہ اس نے دشمن کو بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا تھا ، مامائے قبائلی آ پہنچے تھے۔ ازغوت‌تی اور اس کا دستہ پس و پیش میں مبتلا ہو گئے اور ان لوگوں نے اپنے گھوڑے روک لئے۔ غبار کے بادل سے اندازہ ہوتا تھا کہ پہاڑی پر سے کم از کم پانچ سو نئے گھڑسوار میدان میں اترنے ہی کو ہیں۔

قونان‌بائے کے دستے پیچھے ہٹنے لگے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ جیگی‌تیکیوں نے ان کا تعاقب کرنے سے ذرا بھی دلچسپی نہ دکھائی۔ متصادم جرگے ٹھیک اسی لمحے ایک دوسرے سے الگ ہٹ گئے جبکہ لڑائی کے نقطۂ عروج پر پہنچ جانے کی توتع کی جا سکتی تھی۔

قونان‌بائے کے دل میں خیال ہی نہ آیا کہ اسے بےوقوف بنایا گیا ہے۔ دراصل بائےدالی نے بھی خاصی چالاکی سے کام لیا تھا: اس نے پہلے تو افواہ پھیلائی کہ قونیر اور مامائے قبائلی، ان لوگوں کی مدد کے لئے پہنچنے ہی والے ہیں، پھر قریب‌ترین پڑاوؤں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اونٹوں کو لے جاکے پہاڑی کے پہلو پر دوڑائیں اور جتنا زیادہ غبار ہو سکے بلند کریں۔ وہ طاقتور گروہ جس نے قونان‌بائے کے سورماؤں کے دلوں کو دہلا دیا تھا، اونٹوں کے ایک گلے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

قونان‌بائے کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی اس لئے اس نے

اپنے آدمیوں کو پیچھے ہٹا لیا تھا اور بائےدالی نے تعاقب کرکے خطرہ مول لینا پسند نہیں کیا تھا۔

تو یہ رہا موسیٰقل کی تین روزہ لڑائی کا نتیجہ۔ قونان‌بائے اپنے حریفوں کو شکست دینے میں ناکام ہو گیا تھا اور جیگی‌تیکیوں نے آغا سلطان کے حملے کو پسپا کر دینے اور ہتھیار اٹھاکے اپنے حقوق کا دفاع کرنے کے سلسلے میں، اپنی صلاحیت کا ثبوت دے دیا تھا۔

لڑائی ختم ہو گئی لیکن ان‌گنت افواہوں، جھوٹی سچی باتوں، مختلف‌النوع تفصیلات، گرما گرم بحثوں اور بےشمار قصوں سے سارا ماحول گونج اٹھا اور ان چیزوں نے کسی زبردست آگ سے اٹھنےوالے دھوئیں کی طرح، سارے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جہاں تک بائےدالی اور اس کے دوستوں کا تعلق تھا، اب ان کی آوازوں سے اعتماد جھلکنے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کا مرتبہ کچھ اور بلند ہو گیا ہے، وہ کچھ اور زیادہ پررعب ہو گئے ہیں۔ اس کے برعکس قونان‌بائے کے حامی اس معاملے کے متعلق بہت کم باتیں کرتے تھے۔ ان کی خاموشی اور مغموم قسم کی برہمی سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں شکست نصیب ہوئی ہے۔

اب کیا کیا جانا چاہئے تھا؟ قونان‌بائے ان لوگوں سے اپنی تابعداری کس طرح کرا سکتا ہے جو ہتھیار اٹھاکے اس کی مخالفت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، اس کی طاقت کے جواب میں خود بھی طاقت استعمال کر سکتے ہیں؟ یہ خیال قونان‌بائے کو پل بھر بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔

اس کے بعد دس دنوں تک سکون کی فضا چھائی رہی۔ قونان‌بائے کے دشمن خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ "قونان‌بائے کا قلعہ مسمار کیا جا چکا ہے، اس کی طاقت کو جھنجھوڑکے رکھ دیا گیا ہے" وہ لوگ بار بار کہتے تھے۔ خوشی میں دعوتوں پر دعوتیں ہو رہی تھیں جن کے لئے بھیڑیں اور گھوڑے ذبح کئے جاتے تھے۔ شکرانے کی عبادتیں بھی ہو رہی تھیں۔ نئی نئی دوستیاں وجود میں آ رہی تھیں اور جشن مسرت کی عام فضا میں شادیوں اور منگنیوں کی تقریبات منعقد ہوئیں۔

جیگی‌تیک جرگے کے خوشی منانے کا ایک اور سبب بھی تھا۔ توسیپ کی روانگی کے دس ہی دن بیتے تھے کہ قارقرالنسک سے

پندرہ مسلح کاسک آ گئے۔ اس وقت تک توسیپ بھی واپس آ چکا تھا اور عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ چیف ایڈمنسٹریٹر مسلح دستے کے ساتھ قونان‌بائے سے پوچھ گچھ کرنے آیا ہے۔

چیرنوف نام کا ایک افسر جسے کور نے بھیجا تھا، اس دستے کے ساتھ آ گیا اور ان لوگوں کے لئے دس خیمے نصب کئے گئے۔ چیرنوف نے تین دنوں تک چھان بین کی اور فوراً ہی قونان‌بائے سے اپنے روابط کے سلسلے میں بہت ہی سخت رویہ اپنا لیا۔ اس نے کچھ کہا تو نہیں لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ قونان‌بائے کے آغا سلطان کے عہدے سے ہٹائے جانے کی بات پہلے ہی سے طے پا چکی ہے۔ ہر شخص محسوس کر سکتا تھا کہ وہ ارغیزبائے سردار کے ساتھ کسی خاص عزت و احترام کا برتاؤ نہیں کر رہا ہے۔ جیگی‌تیک، بوکین‌شی، بورساق اور کوتی‌باق جرگوں نے اس صورت حال سے بڑی تیزی کے ساتھ فائدہ اٹھایا اور اس افسر کے سامنے قونان‌بائے کے خلاف شکایات کے انبار لگا دئے۔

لیکن قونان‌بائے کے حامی بھلا کب پیچھے رہ جانےوالے تھے۔ انہوں نے بھی جواباً اسی نوعیت کی کارروائی کی۔ "وہ لوگوں کو ہلاک کرتے رہے ہیں، مختلف پڑاوؤں کو لوٹتے اور چراگاہوں کو نذر آتش کرتے رہے ہیں!" جیگی‌تیک جرگے کے سرداروں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف اس طرح کی بےبنیاد شکایات داخل کی گئیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے بڑی محنت اور تفصیل کے ساتھ درخواستیں لکھی گئیں کہ قونان‌بائے انصاف کے لئے لڑتا رہا ہے اور اصلی مجرمین اب اسے رسوا کرکے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

افسر نے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا۔ اس نے فریقین کی شکایات سننے کے بعد، تیسرے روز شام کو قونان‌بائے سے کہا:

"آپ کو ہمارے ساتھ قارقرالنسک چلنا ہوگا۔ ہم کل علی‌الصباح روانہ ہو رہے ہیں۔ خیال رکھئےگا کہ آپ تیار رہیں۔"

یہ کوئی نیک شگون نہ تھا۔

افسر کے خیمے سے لوٹتے ہی قونان‌بائے نے فوری طور پر اپنے دس قریب‌ترین دوستوں اور رشتےداروں کو طلب کیا۔ معمر افراد میں ازغوت‌تی، جقیپ اور میباسر اور نوجوانوں میں قدائےبیردی اور ابائی شامل تھے۔

قونان‌بائے نے اس مشاورتی جلسے کی خود ہی صدارت کی اور اس نے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کا تذکرہ کیا۔ کچھ لوگ تو اتنے زیادہ مایوس اور پریشان ہو گئے کہ لگتا تھا رو پڑیں گے لیکن قونان‌بائے اس طرح کی باتیں کب برداشت کرنے‌والا تھا۔

"رونے دھونے کی کوئی بات نہیں! تم سے ہو سکے تو مجھے مشورہ دو، میری مدد کرو!"

خالی خولی لفاظی، ایسے موقعے پر جو کہ عملی اقدام کا متقاضی تھا، کسی کام کی نہ تھی۔ تاہم کوئی بھی شخص مفید مشورہ نہیں دے پا رہا تھا اور قونان‌بائے کو اپنے دوستوں کی بےبسی کا اندازہ ہو گیا۔

"معاملہ سرکاری ذمےداروں کے سامنے پیش ہونے جا رہا ہے اور تمام واہیات باتیں اب تحریری شکل میں آ چکی ہیں" اس نے کہا۔ "اور جہاں تک کاغذات کا تعلق ہے، تم لوگ جانتے ہی ہو کہ کاغذات نے کبھی بھی کسی شخص کے وقار، نیک‌نامی یا اعلا عہدے کا احترام نہیں کیا۔ تمہیں کوشش کرنی چاہئے کہ میرے خلاف درخواستوں کا سلسلہ بند ہو، شکایات اور درخواستیں سائے کی طرح میرے پیچھے پیچھے نہ لگی رہیں۔ جو کچھ بھی ضروری ہو کر ڈالو لیکن کسی طرح یہ سلسلہ بند ہو!"

سلسلہ بند کرنے کے لئے آخر ٹھیک ٹھیک کیا کارروائی کی جانی چاہئے تھی؟ یہ بات اس کے، قوت فیصلہ اور تخیل سے محروم رشتےداروں میں سے کوئی بھی نہیں بتا پا رہا تھا۔ مسئلے کا کوئی حل پیش کرنے کی کسی میں بھی صلاحیت نہ تھی۔ ابائی کو ان لوگوں کی اس شدید بےبسی پر حیرت ہوئی جو اس کے باپ کے ارد گرد موجود رہتے تھے۔ اس سے قبل کبھی بھی اس نے کچھ کہنے یا کوئی مشورہ دینے کی جسارت نہیں کی تھی لیکن اب اپنے خیال کے اظہار کا فیصلہ کر لیا۔

"درخواستوں کا سلسلہ بند کرنے کے لئے آپ کو ان لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے جن سے آپ نے جھگڑا کر رکھا ہے۔"

اس کے باپ نے تیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تو کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ مجھے ان لوگوں کے قدموں پر گر پڑنا چاہئے؟"

"نہیں، آپ ان کے قدموں پر کیوں گریں؟ لیکن آپ نے ان سے جو کچھ لیا ھے، اسے تو واپس ھی کر سکتے ھیں۔ ان کے نقصانات کی تلافی تو کر ھی سکتے ھیں۔ اس کے سوا کوئی دوسری بات انہیں خاموش نہیں کر سکتی۔"

قونان‌بائے اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا لیکن اسے دوسروں کی رائے معلوم کرنے کی بھی فکر تھی اس لئے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

ابائی کی تجویز کو عام تائید حاصل ہوئی۔ اس معاملے میں دوسرے لوگ بھی اسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے مجبور تو ھو گئے تھے لیکن زبان کھولنے کی ھمت نہیں پڑ رھی تھی۔ صرف ازغوت‌تی ھی اتنا بےباک تھا کہ بول اٹھا:

"جیگی‌تیک، بوکین‌شی اور کوتی‌باق — سب کے سب صرف چراگاھوں اور موسم سرما کی زمینوں ھی کے بارے میں سوچ رھے ھیں۔ ھمیں زمینوں میں انہیں حصہ دینے کی کوشش کرنی چاھئے۔ اس کے سوا ھم کر ھی کیا سکتے ھیں؟"

ایسا کرنے کا مطلب جیگی‌تیک جرگے کے سامنے اپنے جرم کے اعتراف کے مترادف تھا اور یہ چیز قونان‌بائے کی شان و شوکت پر ایک تلخ تازیانے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسے اپنی بےبسی پر شدید غصہ آیا لیکن بظاھر ایسا لگتا تھا کہ وہ بہت ھی پرسکون حالت میں ھے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لے رھا ھے۔ دراصل اور کوئی چارۂ کار بھی نہ تھا۔ "اگر ان لوگوں کو زمین اور مویشیوں ھی کی ضرورت ھے تو بلا سے لے لیں اور خاموش ھوکے بیٹھ رھیں!" اس نے سوچا۔ "آدمی کر ھی کیا سکتا ھے؟ قسمت بڑی بےرحم ھوتی ھے اور انسان کو بڑے ظالمانہ انداز میں طرح طرح کی بےعزتی برداشت کرنے پر مجبور کر دیتی ھے۔"

اس نے دوسروں کو رخصت کرتے ہوئے جقیپ، میباسر اور ازغوت‌تی کو روک لیا تاکہ ان سے صلاح و مشورہ کرکے طے کیا جا سکے کہ جیگی‌تیکیوں سے مصالحتی بات‌چیت شروع کرنے کی بہترین صورت کیا ھو سکتی ھے۔

دشمن کو منانا اور مطمئن کرنا کوئی آسان کام تھوڑی تھا۔ وہ خود بائےدالی کے پاس جا نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ اقدام محض

توهین‌آمیز ہی نہیں بلکہ ایسی ذلت کے مترادف ہوتا جس کے داغ دامن سے دھوئے نہیں جا سکتے تھے۔ دوسری طرف اس کے وہ احمق رشتےدار بالکل نکمے تھے۔ قونان‌بائے کو پہلے ہی سے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس معاملے میں بالکل بےبس ثابت ہوں‌گے چنانچہ اس نے ثالث کے فرائض انجام دینےوالوں کو خود ہی نامزد کیا۔

ان میں سب سے پہلا شخص بائےغلاق تھا جو نوجوانوں میں بہت زیادہ قابل احترام تصور کیا جاتا تھا۔ دوسرا کوک‌شے جرگے کا سردار قراتائے تھا۔ یہ سچ تھا کہ اس نے قونان‌بائے سے جھگڑا کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود جیگی‌تیک جرگے کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اس لئے قونان‌بائے نے خواہش ظاہر کی کہ قراتائے تک اس کا یہ پیغام پہنچا دیا جائے: "زندگی رہی تو ہماری پھر ملاقات ہوگی۔ زندگی میں سب کچھ ہو سکتا ہے، دشمنی بھی اور دوستی بھی۔ خدا کرے کہ ہماری ملاقات پرمسرت ثابت ہو! میری یہی ایک خواہش ہے!"

اگلے روز قونان‌بائے اپنے دوستوں، بچوں اور بیویوں سے خاموشی سے رخصت ہوکے قارقرالنسک روانہ ہو گیا۔ اس کے صرف پانچ بانکے ہم‌سفر تھے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل اعتبار مرزاخان تھا جو اپنے لڑکپن ہی سے قونان‌بائے کی خدمت کرتا آ رہا تھا اور ارغیزبائے سردار سے اتنی زیادہ محبت کرنے لگا تھا کہ اس کے لئے بخوشی جان دینے کو تیار ہو جاتا۔ دراصل وہی ایک آدمی تھا جس پر قونان‌بائے کسی بحران کے وقت بھروسہ کر سکتا تھا۔

آن بان‌والے مرزا پر کیا کچھ بیتنے کو تھا، یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ تھی۔ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ آغا سلطان کے عہدے پر مامور رہےگا کہ ہٹا دیا جائےگا۔ ایک بات بہر حال یقینی تھی: مطلق العنان حکمراں کو جو قبائلی گروہوں کو دہشت‌زدہ کرتا اور لوٹتا رہا تھا، اب اس کی مرضی کے خلاف ضلعے کے صدر مقام پہنچنے کا سفر کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

جیگی‌تیک، بوکین‌شی اور کوتی‌باق قبائلیوں میں از سر نو زبردست خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے مسلسل کئی دنوں تک بڑے زور و شور سے جشن منایا جیسے یہ کوئی ایسا تیوہار ہو جس کے وہ عرصے سے منتظر تھے۔ ضیافتوں اور کھیل کود کے پروگراموں میں بوڑھے اور جوان سب ہی شریک ہوئے۔ ایسا لگتا

تھا که قونان‌بائے کے خلاف اس کامیاب جدوجہد نے ان تینوں جرگوں کو فی‌الحال ایک جرگے میں بدل دیا ہے۔ وہ خود کو ایسے قریبی رشتےدار محسوس کرنے لگے جن کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہوں۔

قونان‌بائے کے خلاف نئی شکایات اور درخواستیں مرتب کی گئیں اور توسیپ کو ان کے ساتھ ایک بار پھر ضلعے کے صدر مقام پر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ تیاریاں پورے شباب پر تھیں تو بائےغلاق اور قراتائے ان لوگوں کے یہاں پہنچے اور طویل مصالحتی بات‌چیت اور مباحثوں کے بعد آخرکار شکایتی درخواستوں کے ضلعے کے صدر مقام پر پہنچنے کا سلسلہ رکوانے میں کامیاب ہو گئے۔ بائےدالی جیگی‌تیک جرگے کی نمائندگی کر رہا تھا اس لئے قراتائے نے اپنا سارا زور بیان اسی پر صرف کیا۔

"تم اگر یہ ارادہ رکھتے ہو کہ کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھوگے تو ہم اس کی تائید نہ کریں‌گے" اس نے صاف صاف کہا۔ "ہم اس معاملے میں غیرجانبدار ہیں۔ قونان‌بائے کو اب اپنی ضد کی قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے اور اس بات نے تمہیں اپنا سب کچھ واپس لے لینے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ تم قونان‌بائے سے ان نقصانات کے بدلے میں، زمینیں لے لو جو تمہارے قبائلیوں کو برداشت کرنے پڑے ہیں!"

بات‌چیت کا سلسلہ تین دنوں تک جاری رہا۔ قراتائے کی تجویز پر گرما گرم بحثیں ہوئیں اور آخرکار اسے قبول کر لیا گیا۔

بائےدالی نے سمجھوتے کے لئے خود اپنی شرائط پر اصرار کرتے ہوئے سردیاں گزارنے کی ان پندرہ جگھوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جنھیں قونان‌بائے نے ماضی میں ایک ایک کرکے اپنے پڑوسیوں سے چالاکی کے ساتھ یا زبردستی چھین لیا تھا۔ جیگی‌تیک، بوکیرشی، کوتی‌باق اور تورغئی – چاروں جرگوں میں سے ہر ایک کو متعدد چراگاہیں اور موسم سرما کی قیام‌گاہیں ملنی تھیں۔

لیکن ہوا یہ کہ زمینیں صرف بہت ہی اہم سرداروں اور امیر قبائلی گروہوں ہی کو ملیں۔ ان لوگوں نے "تمام عوام کے نقصانات کی تلافی کر دینے" کی باتیں کی تھیں لیکن آخر میں چراگاہیں اور موسم سرما کی قیام‌گاہیں صرف بائےدالی، بائیسال، سویوندیک اور ان کے دوستوں ہی کے حصے میں آئیں۔ دوسرے قبائلی گروہوں کو

مطمئن کرنے کے لئے کسی کو موٹی تازی بھیڑیں دے دی گئیں، کسی کو عارضی طور پر کچھ گھوڑے، بعضوں کو بچھیڑوں کے معمولی تحفے دئے گئے۔ دوسری طرف ان چیزوں کا بوجھ اکیلے قونان‌بائے اور اس کے مختلف گروھوں کے سرداروں ھی کو نہیں بلکہ تمام ارغیربائے عوام کو برداشت کرنا پڑا۔

قونان‌بائے کے قارقرالنسک روانہ ہونے کے دس دنوں کے بعد جرگوں میں صلح ھو گئی اور قونان‌بائے کے خلاف درخواستیں دینے کا سلسلہ بند ھو گیا۔ جرگوں کے سربراھوں کو اتنی زیادہ زمینیں اور مویشی ملے تو وہ اپنی فتح پر فرط انبساط سے پھولے نہ سمائے اور جشن کے دوران اپنے قریب‌ترین رشتےداروں کو مویشیوں کے تحفے دئے۔ خدا کے نام پر قربانی اور آبا و اجداد کی ان روحوں کے لئے نذر کے طور پر بےشمار میمنے ذبح کئے گئے جنھوں نے اس بھیانک جھگڑے میں جرگوں کی اتنی زیادہ مدد کی تھی۔ کافی دنوں تک خوشی منانے کے لئے کثیر تعداد میں لوگ اکٹھا ھوتے رھے۔ گھڑدوڑ کے مقابلوں، دوسرے کھیل کود اور گیتوں کا سلسلہ جاری رھا۔ یہ عام مسرت نئے اعتماد کی آئینہ‌دار تھی۔ اچھے زمانے، برقرار رھنے کے لئے آ گئے تھے۔

۳

تنازعے اور دشمنی کی فضا ختم ھونے کے بعد زندگی ایک بار پھر معمول کے مطابق ھو گئی تو مختلف قبائلی گروہ جیدےبائے اور موسی‌قل سے چل کھڑے ھوئے اور پہاڑی ڈھلانوں سے اترتے ھوئے موسم خزاں کی چراگاھوں کی طرف بڑھنے لگے۔

زیادہ سردیوں کا موسم نہیں آیا تھا پھر بھی غیرمعمولی طور پر کڑاکے کا جاڑا پڑ رھا تھا۔ سرد برفیلی ھوائیں چلتی رھتی تھیں، پھوار پڑتی رھتی تھی اور آسمان پر کالے کالے بادل بڑے مہیب سے نظر آتے تھے۔ موسم میں اتنے پہلے سے سردیوں کا آغاز ھو جانے کی صورت میں، سردیوں کے گھروں سے قریب رھنا بہترین بات تھی اور اول‌جان نے جسے اپنی معمر ساس اور بچوں کی فکر تھی، تین مرحلوں میں اوسیم‌بائے پہنچنے، وھاں بھیڑوں کا اون کٹوانے اور اس

کے بعد فوراً ھی سردیوں کی قیام‌گاہ پر پہنچ جانے کا فیصلہ کیا۔

ابائی اپنے باپ کی روانگی کے بعد سے کسی کے یہاں ملنے نہیں گیا تھا لیکن اس نے سنا تھا کہ جیگی‌تیک لوگ خوشی کے جشن منا رھے ھیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے جرگے نے جو پندرہ چراگاھیں دی تھیں وہ صرف چند سرداروں ھی کے قبضے میں آ گئی ھیں۔ جلد ھی مزید خبریں بھی موصول ھوئیں: یہ سردار نئی حاصل‌کردہ زمینوں کو پرامن طور پر تقسیم کرنے میں ناکام ھو گئے، بحثیں اٹھ کھڑی ھوئیں اور آخر میں جھگڑوں کی نوبت آ گئی ھے۔ اسے اس صورت حال پر ذرا بھی حیرت نہ ھوئی کیونکہ اس سال وہ بہت کچھ دیکھ چکا تھا، بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔

"عوام مشکلات برداشت کر رھے ھیں، ناقابل برداشت بوجھ کے نیچے کراہ رھے ھیں۔ انہیں زمین کی ضرورت ھے!" بڑے بوڑھے اور قبائلی سردار پہلے تو اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے لیکن آخر انہوں نے ان زمینوں میں عوام کو حصہ کیوں نہ دیا؟ وہ بوجیئی کے وقار کے لئے لڑے تھے لیکن زمینوں اور سردیوں کی قیام‌گاھوں کے بدلے میں اس وقار کی تجارت ھو سکتی تھی تو پھر اس کی وقعت ھی کیا تھی؟ قدر و قیمت ھی کیا تھی؟ ابائی نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ لڑائی جھگڑے کا سلسلہ صرف اسی وقت تک چلا جب تک جرگوں کے سرداروں نے کسی نہ کسی طرح اپنی ھوس پوری نہیں کر لی۔ ادھر ان کی ھوس پوری ھوئی، ادھر دوسری تمام باتیں فراموش کر دی گئیں۔

اس موسم خزاں میں ابائی پر آخرکار بایوں اور آق‌سقالوں کی حقیقت روشن ھو گئی۔ ایک ایسی حقیقت جسے چھپائے رکھنے کی وہ لوگ سخت کوششیں کرتے رھتے تھے۔ پہلے تو یہ لوگ مسلسل فریاد کرتے رھتے تھے: "قونان‌بائے غریبوں کو لوٹ رھا ھے۔ اس نے ان کی زمینوں پر قبضہ کرکے انہیں آنسو بہانے کے لئے چھوڑ دیا ھے۔" لیکن اب جبکہ اقتدار ان لوگوں کے ھاتھوں میں منتقل ھو گیا، یہ لوگ عوام کو قونان‌بائے کی چھینی ھوئی زمینیں واپس کرنے کے بجائے، انہیں اور بھی زیادہ لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنا رھے ھیں۔ قونان‌بائے کے مال غنیمت کو محض پانچ چھوٹے قونان‌بایوں نے آپس میں تقسیم کر لیا تھا... وہ بوجیئی کے وقار کے لئے قونان‌بائے سے

لڑے تھے اور اسے شکست دینے کے بعد موسم سرما کی جگھوں کے عوض، اس وقار کا سودا کر لیا تھا...

ابائی کو اب احساس ہوا کہ عوام کو اور عوام کے ساتھ ھی خود اس کو بھی دھوکا دے دیا گیا ھے۔ اسے یہ کہاوت یاد آئی: "کوا کوے کی آنکھیں کبھی نہیں نوچتا"۔ اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ عوام کے حقوق کا سچا محافظ ان سرداروں کے درمیان سے کبھی بھی نہ ابھرےگا جو آج قونان‌بائے کے مخالف ھوتے تو کل اس کے حامی بن جاتے ھیں۔ عوام کے محافظ کو بالکل دوسری قسم کے لوگوں کے درمیان سے ابھرنا تھا۔

ایک روز شام کو گھڑسواری سے واپسی کے بعد وہ اپنے معمول کے مطابق اپنی ماؤں کے یہاں گیا اور عابدخان، تکےجان، اوسپان اور متعدد گلےبانوں کی موجودگی میں اپنا دومبرا اٹھاکے مخصوص انہماک کے ساتھ بجانے لگا۔ آخر میں اس نے ایک گیت چھیڑ دیا جس میں اشاروں کنایوں میں بائےدالی اور بائیسال پر چوٹ کی گئی تھی جن میں، زمینیں واپس پاتے ھی ان کے سوال پر فوراً ھی اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اس گیت کو سن‌کے سب لوگ ھنس پڑے اور ابائی کی تعریف کی۔

"ارے یہ گیت ھے کس کا؟" اول‌جان نے پوچھا۔

"بائےکوک‌شے کا" ابائی نے پرسکون انداز سے جواب دیا۔ یہ معنی شاعر ایک بار برلاس کے ساتھ ان لوگوں سے ملنے آیا تھا۔

تمام خزاں اور خاص طور سے اس زمانے کے بعد سے جبکہ وہ لوگ اپنے سردیوں کے گھروں میں آ بسے تھے، ابائی اپنے خیالات اور احساسات کو زیادہ سے زیادہ گیتوں میں ڈھالنے لگا۔ وہ اپنا دومبرا بجا بجاکے ان گیتوں کو گاتا رھتا اور مزاحیہ اور طنزیہ اشعار کے متعلق ھمیشہ کہتا کہ وہ بائےکوک‌شے کے ھیں۔

موسم سرما کے گھر میں ابائی ایک بار پھر اپنی کتابوں کے مطالعے میں گھنٹوں مصروف رھنے لگا۔ بابر، نوائی اور اللہ‌یار کے اشعار اس کے تخیل کو قوت پرواز عطا کر دیتے، وہ کاغذ پنسل لےکے بیٹھ جاتا اور ان کی ھمسری کرنے کی کوشش میں اشعار لکھتا رھتا۔

محبت اور محبت کرنےوالوں کا موضوع اب اسے مسحور کئے رھتا تھا۔ توغجان... خوبصورت اور لاثانی توغجان کا خیال اس کے دل میں جو ھمیشه کے لئے توغجان کا ھو چکا تھا، آگ سی لگائے رھتا تھا۔ توغجان... خونیں لڑائیوں اور اختلافات نے توغجان کو اس سے کتنا دور کر دیا تھا! کیسے کیسے بلند پہاڑ اور عمیق گھاٹیاں ان دونوں کے درمیان حائل تھیں! ابائی اب اس کے متعلق کتنا زیادہ سوچتا رھتا تھا! وہ تمام شرمیلے، لطیف گیت، اس موسم سرما میں اس نے جو کچھ بھی نظم کیا، سب کچھ توغجان ھی کے متعلق تھا۔ اس نے ان سردیوں کے دوران اپنے گیتوں کا ایک مختصر مجموعه ترتیب دےکے اس کا نام "اولین نغمے۔ تمھارے روئے تاباں کے نام" رکھا اور آخرکار اسے اس نظم کو بھی مکمل کرنے کے لئے الفاظ میسر آ گئے جس کا آغاز کافی عرصه قبل ھوا تھا۔ "میری محبوب، توِی صبح ھے میرے دل میں۔" بعض اوقات وہ اپنا دومبرا بجاتے ھوئے ان گیتوں کو گاکے تکےجان اور عابدخان کو سنایا کرتا تھا۔

قونانبائے کی واپسی کا انتظار بہت دنوں تک کرنا پڑا۔ خزاں بیت چکی تھی، نصف موسم سرما بھی گزر چکا تھا لیکن وہ واپس نہیں لوٹا تھا۔ ھر مہینے وہ مزید گوشت منگانے کے لئے اپنے کسی بانکے کو بھیجتا تھا۔ اسی کے ذریعے اپنے خاندان کو ضروری ھدایات اور اپنی صحت اور اپنے معاملات کے متعلق اطلاعات بھیجتا۔

اس کے تمام پیغامات سے صرف ایک بات واضح ھوتی تھی: اسے قارقرالنسک پہنچتے ھی آغا سلطان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے معاملات سے جلد ھی نپٹ لےگا که نہیں؟ اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ سرکاری طور پر تفتیش کا سلسله جاری تھا اور اسے گھر لوٹنے کی اجازت نہیں دی جا رھی تھی۔ اس کے تمام پیغامات کا مختصر لب لباب یہی تھا۔

قارقرالنسک میں ایک نیا آغا سلطان منتخب کر لیا گیا تھا۔ وہ تھا قوس‌بیک جو ایک بار پہلے بھی اس عہدے پر مامور رہ چکا تھا لیکن اس سے کنارہ‌کشی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ دوبارہ بر سر اقتدار آنے کے بعد سے اس نے قونانبائے کے معاملے میں غیردوستانه رویه اپنایا تھا اور گزشته انتخابات میں اپنی شکست کا

بدلہ لینے پر تلا بیٹھا تھا۔ چنانچہ اب وہ بائےمورین کے ذریعے ان سب لوگوں کی بڑی سرگرمی سے حمایت کر رہا تھا جنھوں نے بوجیئی کا ساتھ دیا تھا۔

قونان‌بائے نے فوراً ھی صورت حال کا اندازہ لگاکے اپنے ھمدردوں میں سب سے زیادہ بااثر افراد کی امداد حاصل کی، خاص طور سے الشین‌بائے کی۔

الشین‌بائے کے بیچ میں پڑتے ھی قوس‌بیک نے پیچھے ھٹنا شروع کر دیا اور اس طرح تفتیش میں آسانیاں پیدا ھو گئیں۔

قونان‌بائے سے مختصراً پوچھ گچھ کی گئی جس کے بعد اسے الزامات سے بری کر دیا گیا۔

برف پگھلنے کے بعد گھاس زمین پر نمودار ھو رھی تھی تو آخرکار قونان‌بائے قارقرالنسک سے روانہ ھوا۔ اسے میباسر کی جگہ وولوست سربراہ مقرر کر دیا گیا تھا۔

ابھی وہ شہر سے روانہ ھی ھوا تھا کہ خبر اس کے قبائلی گروھوں تک پہنچ گئی۔

۴

اس موسم بہار میں ابائی پر کچھ عجیب ذھنی کیفیت نے غلبہ پا لیا تھا۔ وہ اپنے ماحول کی تمام مصروفیات اور شور و غل سے، اپنے رشتےداروں اور دوستوں کے غم و مسرت سے بےنیاز سا ھوکے رہ گیا تھا۔ اس کے خیالات اور احساسات خود اس کی ایک الگ دنیا میں کھوئے رھتے تھے۔ اس کا دومبرا اور کاغذ دونوں، اس کے جذبات سے لبریز گیتوں اور نظموں کی تخلیق میں بڑی وفاداری سے ساتھ دے رھے تھے۔ یہ گیت اور نظمیں وفور جذبات سے بےچین نوجوان کے خیالات کی بےباکی کے ساتھ ترجمانی کرتے تھے۔ پھر بھی جانے کتنے خیالات اظہار سے محروم رہ جاتے تھے، جانے کتنے گیت بغیر گائے ھوئے رہ جاتے تھے! کتنے ھی قلبی اسرار کا ابھی تک اظہار نہیں ھو سکا تھا! اور جو کچھ وہ لکھتا یا گاتا تھا، وہ سب کا سب اسے بہت ھی غیرمعیاری اور بےجان سا معلوم ھوتا... اسے کوئی سچا دوست مل جاتا جو اس کے بےچین دل میں جھانک سکتا، اس کی دھڑکن کو سن سکتا تو وہ اس سے اپنی تمام بےچینی کا، ناقابل اظہار کرب کا حال کہہ سناتا۔

"آخر میں کروں تو کیا کروں؟" اس نے اداسی سے کہا۔ "الفاظ نہایت ہی تہی دامن اور زبان بالکل بےاثر ہے" اسے اپنی بےبسی سے سخت اذیت ہوئی۔

اس نے اب تک جتنی بھی نظمیں لکھی تھیں، سب کی سب صرف اسی کی ذات کے اندر محصور تھیں۔ جس کے متعلق یہ نظمیں کہی گئی تھیں، اس تک ان میں ایک بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ امید؟ لیکن امید بھی کیا ہو سکتی تھی؟ صرف اداس اور مایوس خواب ہی اس کی قسمت میں لکھے تھے۔

بعض اوقات دور، بہت دور سے، اسے وہ جانی پہچانی نقرئی جھنکار سنائی دیتی، کبھی بہت ہی واضح اور کبھی بہت ہی دھیمی اور خاموشیوں سے ہمکنار ہوتی ہوئی۔ اس کی امیدوں کی یہ بےجان سی گونجیں بڑی اذیت‌دہ ثابت ہوتیں۔ ان امیدوں کی سنہری شعاعیں بہت دور، اس کی نگاہوں کی رسائی کی حدوں سے بہت آگے وہاں چمکتی تھیں جہاں علی‌الصباح کا سماں تھا، سحر تھی، تابناک‌ترین سحر۔ یہ ناقابل فراموش کردار پل بھر کے لئے بھی اس کے ذہن سے غائب نہیں ہوتا تھا۔

موسم‌گرما کی اولین ہواؤں اور دھوپ نے دھرتی کو سہلانا شروع کیا تو ابائی کو محسوس ہوا کہ اب گھر میں پڑے رہنا ممکن نہیں رہا۔ وہ ان دنوں گھوڑے پر کاٹھی کس‌کے یونہی بےمقصد چل کھڑا ہوتا اور اس کا ہلکی بادامی رنگ کا سیاہ منہ والا شکاری کتا، اس بےمقصد گھڑسواری کا بہانہ بن جاتا۔

پڑاؤ سے اوجھل ہو جانے کے بعد ابائی گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر دیتا اور سوچتا کہ کتا خود ہی خرگوشوں کو تلاش کرتا پھرے۔ دراصل جلد ہی وہ کتے کو بھی فراموش کر بیٹھتا اور بہت دیر تک اس کا خیال تک نہ کرتا پھر اچانک اسے کتا یاد آتا اور وہ اس کو آواز دیتا۔ کبھی کبھی شکاری کتا گھنی جھاڑیوں میں کسی خرگوش کو تلاش کرکے میدان میں اس کا تعاقب کرنے لگتا لیکن وہ اسے بےخیالی کے ساتھ دیکھتا رہتا اور پہلے ہی کی طرح بےنیاز رہتا۔

کبھی کبھی شکاری کتا کسی خرگوش کو پکڑ لیتا اور اس پر اپنے پنجے رکھ‌کے فخریہ انداز میں انتظار کرنے لگتا کہ اس کا مالک

چھلانگ لگاکے گھوڑے سے اترے اور شکار کو اٹھا لے لیکن ابائی اپنے گھوڑے پر آگے بڑھتا چلا جاتا۔ کتا ذرا دیر تک اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا پھر ادھر ادھر دوڑنے اور بھونکنے لگتا لیکن کسی غیرمعمولی وجہ کی بنا پر اس کا مالک اب بھی توجہ نہ مبذول کرتا۔ کتا ابائی اور خرگوش کے درمیان بڑی تیزی کے ساتھ دوڑنے لگتا اور صاف ظاہر ہوتا کہ اپنی محنت پر مالک کی توجہ نہ مبذول کرا سکنے سے وہ خاصا جھلایا ہوا ہے۔ آخر جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا تو کتا اس مسئلے کو اپنے انداز سے حل کرتا: مالک کو چھوڑکے خرگوش کو چیرتا پھاڑتا اور جتنا کھایا جا سکتا، کھا لیتا۔ اس کے بعد اس حالت میں کہ ناک اور جبڑے سے خون ٹپکتا ہوتا، دوڑکے ابائی کے پاس پہنچ جاتا۔ تب کہیں جاکے اس عجیب و غریب شکاری کو اپنی نگاہ چوک جانے کا احساس ہوتا۔

لیکن اس سے بھی اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا اور وہ کوئی طویل اور پراثر گیت گانے لگتا۔ توغجان کی محبت کا کوئی گیت۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ابائی کے سامنے لمبی لمبی گھاس کو جھکا دیتیں تو وہ اپنے سر کو برہنہ کرکے ان خوشبودار ہواؤں میں گہری گہری سانسیں لینے لگتا۔ اسے اس خیال سے بڑی فرحت محسوس ہوتی کہ یہ ہوائیں چنگیز سے، "اونٹ کوھان" اور قراول سے آ رہی ہیں اور ان میں اس کی محبوبہ کی نرم سانسیں بھی شامل ہیں۔ غالباً انہی ہواؤں سے اس کے دل کو تازگی ملتی تھی۔ وہ قسم کھا کے کہہ سکتا تھا کہ اس کا یہ خیال درست ہے۔ حقیقت اور خواب، زندگی اور امید اپنی دائمی حدوں کو توڑکے ایک ناقابل تقسیم، ایک شاندار کل میں ضم ہو جاتے تھے جو اسے ایک ناقابل بیان جذبے سے سرشار کر دیتا تھا۔

لیکن ایک روز اس کی ان تنہائیوں میں اچانک کسی نے خلل پیدا کر دیا۔ ان بےکراں، سنسان استیپیوں میں کوئی گھڑسوار جانے کہاں سے وارد ہو گیا تھا۔ ابائی چونک پڑا، اس کے خوابوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔

دونوں گھڑسواروں کا ایک ایسی جگہ آمنا سامنا ہو گیا جہاں ان کے چاروں طرف دور دور تک کشادہ میدان پھیلا ہوا تھا۔ ابائی نے

اس اجنبی پر قدرے جھنجھلاھٹ سے ایک نگاہ ڈالی اور اپنا گھوڑا دوڑاتے ھوئے آگے نکل جانے ھی کو تھا کہ نووارد نے پرمسرت انداز میں مسکراتے ھوئے کسی پرانے شناسا کی طرح اس کا نام لےکے پکارا۔ ابائی نے اسے پہچان لیا اور دوسرے ھی لمحے مسرت سے اس کا چہرہ دمک آٹھا۔

وہ بانکا یربول تھا جس سے گزشتہ سال سویوندیک کے پڑاؤ پر سے لوٹتے وقت راستے میں اس کی ملاقات ھوئی تھی۔ ابائی کے دل میں فوراً ھی خیال آیا کہ جس جوش و خروش سے اس نے یربول کا خیرمقدم کیا ھے اس سے اس کا راز ظاھر ھو گیا لیکن پھر اسے ایسا لگا کہ یربول کچھ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"کیوں بھئی، شکار کھیل رھے ھو کیا؟" اس نے پوچھا۔ "مگر تمہارا کتا کہاں ھے؟"

"کہیں جھاڑیوں میں ھوگا" ابائی نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ھوئے کہا۔ اتنے میں پیڑوں کے نیچے اگی جھاڑیوں سے شکاری کتا باھر نکلا جسے دیکھکے یربول قہقہہ مارتے ھوئے چلایا۔

"تم بھی عجب شکاری ھو! دیکھ نہیں رھے ھو کہ کتے نے خوب مزے سے پیٹ بھر لیا ھے! بھلا اس نے کیا کھایا ھوگا؟ ارے واہ، تم کو شکار کی موجودگی کا پتہ تک نہیں چلا اور کتا اسے چٹ کر گیا!"

ابائی نے خوش‌اسلوبی سے بات‌چیت کا موضوع بدل دیا۔ دونوں اپنے گھوڑوں پر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ وہ اپنے دوست سے جدا نہیں ھونا چاھتا تھا اس لئے اس نے اسے اپنے پڑاؤ پر چلنے کی دعوت دے دی۔ یربول کو فرصت تو تھی ھی، خوشی خوشی راضی ھو گیا۔

اس نے یربول کو پانچ دنوں تک روکے رکھا۔ دونوں ایک دوسرے کو ادھر ادھر کے قصے سناتے اور شام کو گاتے اور ھنسی مذاق کرتے۔ ابائی نے اسے کچھ اپنے گیت بھی سنائے۔ ان پانچ دنوں میں یربول اس کا سب سے قریبی دوست بن گیا اور آخرکار ابائی نے اسے اپنے دل کا راز بھی بتا دیا۔

"دیکھو، میرے یہ گیت توغجان کو سنا دینا" اس نے اپنے دوست سے خوشامد کی۔

یربول نے یہ سب گیت اچھی طرح یاد کر لئے تھے۔ اس نے

انہیں گا کے توغجان کو سنانے کا وعدہ کر لیا اور اپنے پڑاؤ کو روانہ ہو گیا۔

ابائی کو ایک خواھش بری طرح پریشان کئے ھوئے تھی: توغجان سے کہیں تنہائی میں ملاقات اور باتیں کرنے کا موقع مل جائے، خواہ ذرا ھی دیر کے لئے کیوں نہ ھو۔ یربول نے اپنا وعدہ نبھایا اور تین دنوں کے بعد جو ابائی کے لئے صدیوں سے بھی زیادہ طویل ثابت ھوئے، واپس لوٹا اور اپنے دوست کو جیدےبائے سے لےکے چنگیز پہاڑوں کی طرف، براہ راست "اونٹ کوھان" کی طرف چل پڑا۔

یربول نے پہلے یہ راز اصیل‌بیک کی بیوی اور توغجان کی بھابی قراشاش کو بتایا تھا۔ اس نے وہ سب گیت اسے سنائے تھے جو ابائی نے اپنی محبوبہ کو پیام محبت کے طور پر بھیجے تھے اور اس کی خوشامد کی تھی کہ کسی طرح ان دونوں کی ملاقات کی صورت نکال دے۔ قراشاش کچھ ابائی کے گیتوں سے متاثر ھوئی تھی اور کچھ یربول کی مسلسل خوش‌بیانی سے۔ بہرحال اس نے توغجان کو ابائی سے ملاقات کرنے پر راضی کر لیا تھا۔

ابائی کو اپنی بےتابی اور بےصبری کی شدت میں پتہ بھی نہ چلا کہ وہ دونوں "اونٹ کوھان" نامی جگہ تک کس طرح پہنچ گئے۔ سورج ڈوبتے ڈوبتے وہ لوگ یربول کے پڑاؤ پر پہنچ گئے جو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔

سردیوں میں قیام کا یہ چھوٹا سا غریبوں جیسا گھر یربول کے ایک جھونپڑے پر مشتمل تھا۔ اس کا جھونپڑا قراول دریا کے اس پار اور سویوندیک کا پڑاؤ دریا کے دوسری طرف ایک میل سے بھی کم فاصلے پر واقع تھا اور اس جگہ سے صاف نظر آ رھا تھا۔ اس سے خوشحالی جھلکتی تھی۔ چمنیوں سے گہرا سیاہ دھواں دھیرے دھیرے فضا میں بلند ھو رھا تھا اور موٹے تگڑے کتے جھونپڑیوں کے درمیان آھستگی سے جھوم جھوم کے چلتے ھوئے، عجب پرسکون شان سے بھونک رھے تھے۔

ابائی کے لئے اس پڑاؤ تک رسائی ممکن نہ تھی کیونکہ وہ قونان‌بائے کا، دشمن کا بیٹا تھا۔ وھاں کسی کو اس کی آمد کے مقصد کا علم ھو جاتا تو اس کے لئے اچھا نہ ھوتا۔ عادل‌بیک اور اصیل‌بیک دونوں بڑے گھمنڈی اور کینہ‌پرور بانکے تھے اور انہیں اس کے ارادوں

کا پتہ چل جاتا تو بری طرح مشتعل ہو جاتے۔ اس لئے دونوں دوستوں نے طے کیا کہ جب تک رات نہیں ہو جاتی، وہ لوگ دریا کو پار نہ کریں گے۔

آخر جب خاصا اندھیرا چھا گیا تو ابائی اور یربول نے دریا کنارے اپنے گھوڑے چھوڑ دئے اور برف پر چل‌کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ سویوندیک کے پڑاؤ پر لوگ بےخبر سو رہے تھے اور ان کی آمد پر کسی کتے تک نے جنبش نہ کی۔

یربول نے دھیرے سے مویشیوں کے احاطے کا گیٹ کھولا اور ابائی کو اونٹوں کے اصطبل میں پہنچاکے غائب ہو گیا۔ اندھیرے میں اکیلے رہ جانے پر ابائی کو سانس تک لینے کی مشکل سے ہمت پڑ رہی تھی۔ وہ اپنے دل کی دھڑکنیں تک واضح طور پر سن سکتا تھا۔

یربول نے جلد ہی واپس ہوکے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ' اور سرگوشی کی:

"خود خدا ہماری مدد کر رہا ہے... اصیل‌بیک گھر میں نہیں ہے۔ آؤ چلو!"

ابائی نے خوش‌اخلاقی سے سلام کرتے ہوئے بہت زیادہ سجے سجائے کمرے کی دھلیز پار کی تو اس نے قراشاش کو پلنگ کے قریب کھڑے پایا۔ توغجان ایک کمبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فرش پر قالین بچھے ہوئے تھے اور دیواروں پر بھی مختلف ڈیزائنوں‌والے قالین اور ریشمی پردے لٹک رہے تھے۔ اونچے پلنگ کو جس میں ہڈی کی بنی ہوئی آرائشی چیزیں لگی ہوئی تھیں، ایک سفید ریشمی پردے نے تقریباً نصف ڈھک رکھا تھا۔

صاحب سلامت کے بعد قراشاش آگے بڑھکے ابائی کے پاس آئی، اس کی ٹوپی اتاری اور کمر کے پٹکے کو ڈھیلا کرنے میں اس کی مدد کی۔

توغجان گھبراہٹ سے بےقابو ہوئی جا رہی تھی وہ ابائی کے سلام کا بمشکل ہی جواب دے سکی۔ اس کا چہرہ کبھی سرخ ہو جاتا تھا، کبھی زرد۔ اس کی رگوں میں خون اتنی تیزی سے دوڑ رہا تھا کہ اس کے لئے اپنے دل کے رازوں، اپنی گھبراہٹ، اپنے اندیشوں اور امیدوں کو چھپائے رکھنا ناممکن ہو گیا۔

یربول اپنی موجودگی سے اپنے دوستوں کو مضطرب نہیں کرنا چاھتا تھا۔

"اچھا تو اب میں چل کے دریا پار گھوڑوں کی دیکھ بھال کروں" اس نے کہا۔

ابائی نے اثبات میں سر ھلا دیا۔

قراشاش چائے تیار کرنے چلی گئی اور پھر واپس نہ لوٹی۔

ابائی اپنی محبوبہ کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو اس پر کچھ عجب بوکھلاھٹ سی طاری ھو گئی۔ اس نے دیکھا کہ توغجان بھی کسی بچے کی طرح شرما رھی ھے۔ آخر وہ اس کی طرف جھک کے دیر تک بصد اشتیاق اسے دیکھتا رھا۔

"توغجان... تم نے میرے گیت سنے تھے؟" آخرکار اس نے پوچھا۔ "وہ الفاظ تمہاری آرزو میں تڑپتے ھوئے میرے ھونٹوں سے نکلے تھے، وہ گیت میں نے تمہاری یاد میں لکھے تھے... کیا تم نے انہیں سنا تھا؟"

توغجان کے رویے سے کچھ ایسا ظاھر ھوتا تھا جیسے وہ جواب دے رھی ھو: "آخر میں اس وقت یہاں موجود ھی کیوں ھوں؟ کیا یہ تمہاری آواز ھی نہیں تھی جو مجھے یہاں کھینچ لائی ھے؟"

اس نے شرمیلے انداز سے مسکراتے ھوئے کہا:

"میں نے انہیں سنا ھے، ابائی۔ آپ کے گیت بہت اچھے ھیں۔"

"میں کوئی شاعر نہیں ھوں لیکن جب سے تمہیں دیکھا ھے، دیوانہ ھو رھا ھوں۔ ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں فراموش نہیں کر سکا۔"

"تو پھر آپ مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے؟"

"کیسے آ سکتا تھا؟ جو کچھ ھوتا رھا ھے وہ سب تمہیں معلوم ھے۔ ھم دونوں تو صرف اپنے اپنے تصور ھی میں ایک دوسرے سے ملاقات کر سکتے تھے!"

"ھاں یہ تو ٹھیک ھے" توغجان نے کہا اور اس کے چہرے پر حیا کی سرخیاں چھا گئیں۔ "لیکن میں نے ایک بار آپ کو دیکھا تھا... قافلے کی منتقلی کے دوران... مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے مجھے دیکھا تھا کہ نہیں۔"

اس کے ان الفاظ سے ابائی کو بےحد مسرت ہوئی۔

"اوہ توغجان، کتنی خوشی ہوئی کہ تم نے یہ بات کہی! اس وقت تو میں زور سے پکارتے پکارتے رہ گیا تھا: "پل ھی بھر کو ٹھہر جاؤ!" کسی طرح خود پر قابو ھی نہیں پا رہا تھا! مجھے تو یقین تھا کہ تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ لیکن تم نے دیکھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تمہاری توجہ کا مستحق ہوں۔ توغجان، کیا تمہیں میں کبھی بھی فراموش کر سکتا تھا؟" ابائی نے اس کے گورے گورے نازک ھاتھ کو اپنے ھاتھ میں لے لیا۔

توغجان نے کانپتے ہوئے اپنا ھاتھ الگ کھینچ لیا۔

اس طویل شام نے دو نوجوان دلوں کو مضبوط رشتے میں منسلک کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے اور باتیں کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں چاھتے تھے۔ یہ ان کی پہلی ملاقات تھی اور ان کی باتیں تھیں کہ ختم ہونے کا نام ھی نہیں لے رھی تھیں جیسے وہ دونوں زیادہ دنوں کی جھلسا دینےوالی تشنگی کو بجھانے کی کوشش کر رھے ہوں۔

سویرا ہونے کو تھا تب کہیں جاکے قراشاش واپس لوٹی۔ اس نے چائے تیار کی اور پھر چلی گئی۔ تب ابائی نے توغجان کو اپنی بانہوں میں لےکے بوسہ لے لیا۔ توغجان نے اپنی نازک ھتھیلیاں اس کے چہرے پر رکھتے ہوئے اسے بڑی نرمی سے الگ ھٹا دیا لیکن اس کا یہ اقدام مزاحمت کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ شرما گئی تھی اور اپنے اس انداز میں گھبرائی ہوئی سی، بڑی پرکشش نظر آ رھی تھی۔ ابائی نے ایک بار پھر اسے بڑے جذباتی انداز سے سینے سے لگاکے اپنے ہونٹ اس کی آنکھوں پر رکھ دئے۔ پل بھر تک توغجان کا گرم گرم چہرہ اس کے چہرے کو سہلاتا رہا لیکن دوسرے ھی لمحے وہ ایک بار پھر الگ ھٹ گئی۔

"میری آنکھوں کی روشنی" ابائی نے جذبات کی شدت سے کہا لیکن اتنے ھی میں اچانک قراشاش بڑی تیزی سے اندر آ گئی۔

"یا خدا، ابائی میرے پیارے! دریا پر جمی ہوئی برف ٹوٹ گئی۔ برف نے بہنا شروع کر دیا! ارے تمہارا گھوڑا کہاں ھے؟"

ابائی اس کے بوکھلاھٹ میں ادا کئے ہوئے بےترتیب لفظوں کو

سنا لیکن ان کی اھمیت پر توجه نه دی کیونکه محبت کے جذبات نے اسے شدید طور پر مغلوب کر رکھا تھا۔ توغجان البته فکرمند اور خوف‌زده هو گئی۔

"ارے یه تم کیا کهه رهی هو؟ اب آخر یه دریا کیسے پار کریں گے؟ ارے ابائی، آپ کو فوراً چلے جانا چاهئے!" اس نے اس اندیشے سے که اس کے محبوب کی جان خطرے میں نه پڑ جائے، اصرار کیا۔

آخرکار ابائی کو صورت حال کا احساس هوا۔ اس کا گھوڑا دریا کے دوسرے کنارے پر تھا جس کا مطلب یه تھا که بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نهیں ره گئی تھی۔ پڑاؤ پر ٹھهرے رهنے کا کوئی سوال هی نه تھا کیونکه اس کی موجودگی کا جلد هی سب کو علم هو جاتا۔ فوری طور پر نه سهی تو صبح کو تو بهرحال سب کو معلوم هی هو جاتا اور دریا کے اس جانب اس کا خیرخواه کوئی بھی نه تھا۔ سب سے اهم بات یه تھی که اس کو گھر سے چل دینا تھا تاکه توغجان اور اس کی بھابی پر، جنھوں نے اتنی محبت سے اس کا استقبال کیا تھا، کوئی مصیبت نه آتی۔

اس نے کوٹ پهن لیا اور توغجان کو اطمینان دلانے کے لئے اس کا هاتھ اپنے هاتھ میں لےکے دبایا۔

"تم پریشان نه هو توغجان، میں کسی نه کسی طرح پار اتر جاؤں‌گا۔ یربول تم لوگوں کو میری خیریت سے مطلع کر دےگا۔"

توغجان نے اپنی گوری گوری انگلیوں سے ابائی کا سینه چھوا۔ پھر وه اس کے گلے سے لگ گئی۔

"خدا حافظ! دیکھو مجھے بھولنا نهیں!"

تب نیک اور مهربان قراشاش، ابائی کو ایک تاریک گزرگاه سے اپنے ساتھ لئے هوئے کھلی جگه میں آ گئی۔

"اچھا تو میرے عزیز" اس نے کها۔ "تم نے هم لوگوں کے ساتھ زیاده وقت نهیں گزارا لیکن تم دیکھ سکتے هو که همارے درمیان تمهارے دوست موجود هیں جو تمهارا بےحد خیال کرتے هیں۔ دیکھو همیں بھول نه جانا! اور هاں دریا پار کرتے وقت هوشیاری سے کام لینا! الوداع!"

ابائی نے اس کے هاتھ اپنے هاتھوں میں لے لئے۔

"جینےشیتائی*، میں آپ کو کبھی بھی فراموش نہ کروں گا! آپ نے میرے لئے جو کچھ کیا ھے اسے میں اپنی زندگی کے آخری لمحے تک فراموش نہ کروں گا" اس نے کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔

دریا میں برف کے تودوں کے بہنے کا شور اس کے کانوں تک پہنچا لیکن اس نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس کے خیالوں میں تو اب بھی وہ دونوں شاندار شخصیتیں بسی ھوئی تھیں۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ ان دونوں کی خوبصورتی اور چمک دمک اس کے سارے وجود پر چھائی ھوئی تھی۔ وہ قراشاش کی محبت بھری ھمدردی اور توغجان کی لطیف دلکشی کے سوا اور کسی چیز کے بارے میں سوچ ھی نہیں پا رہا تھا۔

وہ پانی کے قریب پہنچ گیا۔ تیز پہاڑی دریا میں طغیانی آ گئی تھی۔ تیز دھارا اپنے راستے کی ہر چیز کو بہاتا ھوا گزر رہا تھا اور بھاری بھاری پتھر اور ٹوٹی ھوئی برف کے تودے ٹکرا ٹکرا کر فضا میں عجب گھن گرج بکھیر رہے تھے۔

ابائی بالکل بےحس و حرکت کھڑا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ پار اترنے کی کوشش پاگل‌پن کے مترادف ھوتی لیکن صبح ھونے کو تھی اور بہرحال کچھ نہ کچھ کیا ھی جانا تھا۔ وہ دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا یہاں تک کہ اسے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ اس نے رفتار تیز کر دی لیکن کچھ دیر بعد پھر تیزی سے واپس لوٹا۔ پار اترنے کی کوئی صورت نظر ھی نہیں آ رھی تھی۔ قیمتی وقت ضائع ھوا جا رہا تھا کیونکہ اجالا بڑھنے لگا تھا اور اسے اپنے گرد و پیش کی ساری چیزیں دکھائی دینے لگی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ پڑاؤ پر لوگ بیدار ھوتے ھی بہتی ھوئی برف کو دیکھنے کے لئے دریا کنارے پہنچ جائیں گے، تشویش کے مارے ھوئے بڑے بوڑھے تو سب سے پہلے ھی پہنچیں گے اور انہیں وہ – قونان‌بائے کا بیٹا، سویوندیک کے پڑاؤ کے قریب، اپنے گھوڑے کے بغیر، اکیلا نظر آئے گا۔ اس نے سوچا کہ ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ھونےوالا شک ھی اس کے لئے خاصا خطرناک ثابت ھو سکتا ھے۔

پھر بھی ابائی خوف‌زدہ نہ ھوا۔ اس کا دل مسرت سے لبریز تھا

---

* جینےشیتائی – بھابی کو محبت بھرے لہجے میں مخاطب کرنے کا انداز۔

اور اس میں خوف کے لئے جگہ ھی نہ تھی۔ خطرے کے باوجود نہ اس پر بدحواسی طاری ہوئی اور نہ ھی اس نے بےمقصد ادھر ادھر بھاگ دوڑ شروع کی۔ وہ ٹھنڈے دل سے خود کو قابو میں کئے ہوئے تھا اور اس کا رویہ کسی نوجوان جیسا نہیں بلکہ سن شعور کو پہنچے ہوئے پراعتماد آدمی جیسا تھا۔

اس نے خود کو جھاڑیوں میں جو گھنی نہ تھیں، کسی نہ کسی طرح چھپا لیا اور یربول کے جھونپڑے پر چوکسی سے نظریں جمائے رکھیں۔ جلد ھی اسے ایک شخص اس جگہ سے کچھ آگے جہاں وہ چھپا ہوا تھا، دریا کی طرف تیزی سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

"یربول! یربول!" اس نے زور سے پکارا۔

واقعی وہ یربول ھی تھا جو ابائی کی آواز سن‌کے تیزی سے مڑا اور اسے جلدی سے اشارہ کیا کہ وہ نیچے جھک‌کے خود کو چھپا لے لیکن ابائی کھڑا انتظار کرتا رہا۔

قراول تنگ پہاڑی دریا ھے لیکن اس کا دھارا بہت تیزی سے بہتا ھے۔ یربول دوڑتا ہوا ابائی کے چھپنے کی جگہ کے ٹھیک سامنے تک پہنچ گیا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور وہ تشویش سے بالکل بدحواس ہوا جا رہا تھا جیسے کہ خود اس کی اپنی جان کو خطرہ لاحق رہا ہو۔ ابائی کی فکر میں کانپتے ہوئے اس نے سوچا کہ اس کا دوست خود کو بالکل بےبس تصور کرتے ہوئے دہشت‌زدہ ہوکے بےحس و حرکت کھڑا ہوا ھے۔

لیکن ابائی نے سفید سفید دانت نکال‌کے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے زور سے آواز دی۔

"ارے یربول بھئی میری مدد کرو نا! قراول تو مجھ سے غداری کرنے پر تلا ہوا ھے۔"

یربول بلند کنارے سے چھلانگ لگاکے پانی کے پاس آ گیا اور اس نے چلاکے جواب دیا:

"ارے جھاڑیوں میں چھپے رہو! جہاں ہو اسی جگہ رہنا، میں ابھی آتا ہوں! ڈرنا نہیں۔"

وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن جلد ھی ایک بھاری بھرکم سرخ رنگ کے سانڈ پر سوار واپس ہوا۔ ابائی کو حیرت ہوئی۔ آخر اس کے ساتھی نے کسی گھوڑے پر کاٹھی کیوں نہیں کس لی تھی؟

یربول پانی میں اترا اور اس نے سانڈ کو دھارا پار کرنے پر اکسانا شروع کیا۔ جانور برفیلے پانی میں اترتے ہوئے ڈر رہا تھا اور بڑے ضدی انداز میں ادھر ادھر منھ موڑتا تھا۔ آخر یربول اسے آگے بڑھانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ پانی میں داخل ہونے کے بعد سانڈ پھر پیچھے نہیں پلٹا اور دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ اس جگہ پانی تو زیادہ گہرا نہ تھا لیکن دھارا بہت تیز اور برف کے تودے خاصے بڑے بڑے تھے۔ سانڈ دھیرے دھیرے لیکن ثابت‌قدمی سے آگے بڑھ رہا تھا اور اب یربول نے اس کی لگام کی لمبی رسی دوسرے کنارے کی طرف پھینک دی جسے ابائی نے ھاتھ اٹھاکے لپک لیا اور سختی سے کھینچنے لگا۔ دوسری طرف یربول جو اس پر سوار تھا، کوڑے مارے جا رہا تھا۔ آخرکار سانڈ کسی نہ کسی طرح دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔

یربول نے خود کو سچا دوست ثابت کر دیا تھا۔ وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال‌کے ابائی کو بچانے آیا تھا اور ابائی اس سے لپٹ گیا۔

"ارے بھئی میرا گھوڑا کہاں ھے؟ اور یہ سانڈ تمہیں کہاں مل گیا؟ تم خود اپنے گھوڑے پر سوار ھوکے کیوں نہیں آئے؟"

"میں دوڑتا ہوا پڑاؤ پر گھوڑا لینے کے لئے واپس گیا ہوتا تو وہ لوگ تمہیں کبھی کے پکڑ چکے ہوتے" یربول نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "ہم لوگ گھوڑوں کے بغیر ہی کام چلا لیں‌گے۔"

دونوں سانڈ کی پیٹھ پر سوار ہو گئے اور اس کا رخ دریا کی طرف کیا لیکن ان کی تمام کوششوں کے باوجود سانڈ نے پانی میں قدم نہ رکھا۔ یربول نے اسے اور اس کے پرکھوں کو خوب جی بھرکے گالیاں دیں اور مایوسی اور جھلاھٹ کے ساتھ نیچے اترکے غیرگنجان جھاڑیوں کے پیچھے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ مشرق میں شفق پھول رہی تھی اور ساری چیزیں دن کے اجالے کی طرح صاف صاف نظر آنے لگی تھیں۔ خوش‌قسمتی سے پڑاؤ پر ابھی تک سوتا پڑا ہوا تھا۔

اچانک یربول تیزی سے ایک طرف کو دوڑتا ہوا نکل گیا۔

ابائی کو زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ یربول جلد ھی ایک طاقتور بھوری گھوڑی پر سوار آتا دکھائی دیا۔

"ارے یہ کہاں ھاتھ لگ گئی؟" ابائی نے پوچھا۔

"یہ وہاں چر رہی تھی۔ سویوندیک کے پڑاؤ کے گلےبان کی ہے۔"
"لیکن یقیناً اس شخص کو اس کی ضرورت پڑےگی۔"
"تمہیں اس کی فکر کیوں ہو؟"
"مگر وہ بےچارہ آخر بھیڑیں کیسے چرائےگا؟ پیدل تو یہ کام ہونے سے رہا۔"
"بھاڑ میں جائے وہ! وہ بھی پیدل چلے اور اس کے گلے کی محافظ روح بھی! بھلا میں تمہیں یہاں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ اچھا اب آؤ! جلدی کرو!" اور اس نے بغیر کاٹھی کی گھوڑی پر سوار ہونے میں اپنے دوست کی مدد کی۔

ابائی اس کے ان اقدامات سے بےحد متاثر ہوا۔
"یربول، میرے پیارے دوست! تم مجھ پر بہت مہربان ہو! تم میرے بہترین دوست ہو! میں اس احسان کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکوں گا!"

یربول سانڈ پر سوار ہو گیا تھا۔
"اچھا اب اپنی یہ بک بک ختم بھی کرو! چلو آگے بڑھو!" اس نے کہا اور سانڈ کی رسی اسے تھما دی۔

گھوڑی نے جو اپنے نتھنوں سے آواز نکالے جا رہی تھی، سنبھل سنبھل‌کے دریا کی خطرناک تہہ پر قدم جماتے ہوئے پانی اور برف کے اس دھارے میں اپنا توازن برقرار رکھا اور آگے بڑھنے لگی۔ سانڈ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور دونوں دوستوں نے جلد ھی بخیریت دریا کے دھارے کو پار کر لیا۔

دوسرے کنارے پر پہنچ‌کے ان بانکوں نے گھوڑی اور سانڈ دونوں کو چھوڑ دیا اور پیڑوں کے نیچے اگی ہوئی جھاڑیوں سے بالکل جھک‌کر دوڑنے لگے تاکہ کوئی انہیں دیکھ نہ سکے۔ انھوں نے کھلی جگہ میں آنے کا خطرہ صرف اس وقت مول لیا جب دریا کے بہاؤ کے رخ پر کافی دور تک چلے آئے تھے۔

ابائی. یربول کے جھونپڑے میں نہ داخل ہوا۔ اس نے اپنے گھوڑے پر جلد از جلد کاٹھی کسے جانے کو کہا اور اپنے دوست کی وفاداری سے متاثر ہوکے اس سے کچھ اس طرح رخصت ہوا جیسے وہ اس کا زندگی بھر کا دوست ہو۔ پھر دریا کے بہاؤ کے رخ پر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

قونان‌بائے قارقرالنسک سے واپس ہوا تو کچھ قبائلی گروہ اپنے سردیوں کے گھروں سے خیموں میں منتقل ہو چکے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ سردیوں کی قیام‌گاہ کے قرب و جوار استیپیوں کی ہریالی میں جا بجا سفید اور خاکستری پھول کھل رہے ہیں۔ جن خاندانوں میں بوڑھے مرد اور عورتیں تھیں وہ اب بھی گھروں میں مقیم تھے لیکن نوجوان کشادہ خیموں میں منتقل ہو چکے تھے جو موسم بہار کی تازگی کے آئینہ‌دار تھے۔ قبائلی گروہ نئے موسم کی چمک دمک میں واقعی بہت ہی جوان، پرجوش اور زندگی کی ہمہ‌پہلو چہل پہل سے بھرپور نظر آتے تھے۔ بھیڑوں اور بکریوں کے چتی‌دار میمنے اور بچے دھوپ میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے اور ان کی میمیاہٹ سے فضا گونجتی رہتی تھی۔ کم‌سن جھبرے بالوں‌والے اونٹ اپنی سرخی مائل بادامی آنکھوں کو مٹکاتے ہوئے گھومتے پھرتے تھے۔ گھوڑوں کے گلے بڑے بالوں اور لمبے کانوں کے بے‌شمار بچھیڑوں بچھیڑیوں کے ساتھ بڑے جوش و خروش میں نظر آتے تھے۔ گایوں کے بچھڑے بھی بڑے ہو گئے تھے اور اپنی دموں کو دائیں بائیں لہراتے ہوئے سبزہ‌زاروں میں تیزی سے دوڑتے بھاگتے رہتے تھے۔ قدرت، زندگی کی دبائی نہ جا سکنے‌والی چہل پہل اور بھاگ دوڑ میں شریک ہو گئی تھی اور بڑے فخریہ انداز میں نغمہ‌خواں تھی: "ہم اس دھرتی کی مسرت ہیں، عدم وجود سے وجود میں آئے ہیں تاکہ حسن اور نیکی کی تخلیق کریں۔" بہار صحیح معنوں میں بہار تھی۔ تابناک، زندگی کے جوش و خروش سے لبریز، گل کھلاتی ہوئی۔

قونان‌بائے کے دونوں قبائلی گروہ جیدے‌بائے میں بس گئے تھے۔ گھوڑیاں جو اپنے بچھیڑوں بچھیڑیوں کے ساتھ سال بھر تک چرتی رہی تھیں، اب ان کا دودھ دوھا جا رہا تھا اور ہر روز صبح اور شام کو سیاہ چمکتی ہوئی چمڑے کی مشکوں میں قمیز زور زور سے پھینٹا جاتا تھا۔

قونان‌بائے کا خود اس کے گروہ ہی میں نہیں بلکہ ارغیزبائے، توپائے اور جووان‌تیاق جرگوں کے تمام گروہوں میں بھی بہت ہی شاندار طور پر خیرمقدم کیا گیا۔ اس کے رشتے‌دار اور دوست جو

اس کی واپسی کی پرمسرت خبر کو مختلف گروهوں تک پہنچاتے رهے تھے، جیدےبائے میں اکٹھا هو گئے۔ انهوں نے اسے خراج تحسین پیش کیا اور اس کے خیموں میں ان کی دعوتیں هوئیں۔ جوابی دعوتوں کے طور پر وہ لوگ اسے اپنے پڑاوؤں پر لے گئے جہاں دعونوں کا سلسله صبح سے رات گئے تک جاری رهتا۔

قونانبائے کے خوشحال رشتےداروں نے صرف اسی کو نهیں بلکه اس کے پورے خاندان — ماؤں، بیویوں، بچوں اور قریبی رشتےداروں کو بھی مدعو کیا۔

زره نے بہترین دنبا ذبح کرکے اپنی منت پوری کی جو اس نے اپنے بیٹے کی بخیریت واپسی کے لئے کافی دنوں سے مان رکھی تھی۔ قونانبائے نے بھی اپنے معاملے کے خوش‌اسلوبی سے ختم هونے کے سلسلے میں نذر مان رکھی تھی جسے اس نے کونکے کے پڑاؤ پر گھوڑا ذبح کرکے پورا کیا۔ اس قسم کی تقریبات قونانبائے کے لئے ایک دوسرے نقطۂ نظر سے بھی ضروری تھیں۔ رشتےداروں کے ان تقریبات میں اکٹھا هونے سے اسے ان لوگوں کے رویے کے متعلق اندازہ لگانے میں مدد ملی۔ وہ یه نتیجه اخذ کر سکا که کون اس کے ساتھ هے کون نهیں هے، یه دیکھ سکا که وہ جن دشوار حالات سے گزرا تھا ان کے بعد اس سے کون کس طرح پیش آتا هے۔

بھیڑ بھاڑ والے ان اجتماعات میں تمام آق‌سقال اور قراسقال* موجود هوتے تھے۔

کوکشے جرگے کے سردار قراتائے نے موسم خزاں میں قونانبائے کے متعلق بہت هی محتاط رویه اختیار کیا تھا جس سے یه پته لگانا مشکل تھا که وہ اس کا حامی هے که مخالف لیکن اب اس نے قونانبائے کا بڑے پیمانے پر، بہت جوش و خروش کے ساتھ استقبال کیا اور هر وقت اس کے ساتھ لگا رهتا تھا۔

چند روز قبل تک مختلف گروهوں کے پڑاوؤں پر طرح طرح کی افواهیں گشت کر رهی تھیں۔ کہا جاتا تھا که قونانبائے کو اس کے عہدے اور اقتدار سے محروم کرکے جلاوطن کر دیا گیا هے۔ لیکن وہ الزامات سے پوری طرح بری هوکے واپس آ گیا تھا، یهی نهیں، اسے

---

* قراسقال (سیاہ داڑھی) — ادهیڑ عمر کا آدمی۔

وولوست سربراہ کا عہدہ بھی مل گیا تھا اور اس کے بدخواہوں کی زبانیں بند ہو گئی تھیں۔

قبائلی گروہ اپنی سردیوں کی قیام‌گاہوں کو چھوڑ چکے تھے اور پہاڑیوں کی ڈھلانوں سے کثیر تعداد میں ایک ساتھ اترتے ہوئے، موسم بہار کی چراگاہوں کو جا رہے تھے۔ قونان‌بائے کے مہمانوں کی تعداد بہت کم ہو چکی تھی اور اسے اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع مل گیا تھا اور وہ تین روزہ قیام کے لئے وادی میں اول‌جان کے پڑاؤ پر آیا تو ابائی نے دیکھا کہ اس کے سر کے کچھ اور زیادہ بال سفید ہو گئے ہیں اور چہرے پر زیادہ جھریاں بھی نمودار ہو گئی ہیں۔

ایک روز کونکے، قدائے‌بیردی اور آئی‌غیز اول‌جان کے یہاں کھانے پر آئے تو قونان‌بائے نے چند باتیں ایسی کہیں جن کی مخاطب زرہ تھی، لیکن دراصل وہ خاندان کے تمام ارکان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس کے الفاظ میں حالیہ بھیانک تجربات کی تلخی کوٹ کوٹ‌کر بھری ہوئی تھی۔ دراصل اسے اپنے بڑے بوڑھے یا جوان رشتےداروں میں سے ایک بھی شخص ایسا نہیں ملا تھا جس پر وہ بھروسہ کر سکتا۔ اس نے افسوس ظاہر کیا کہ بیٹوں کے جوان ہو جانے کے باوجود، اس نے ان کی شادیاں کرنے میں زیادہ تاخیر کر دی اور پوتی پوتوں کی پرورش کرنے اور انہیں ہنستے کھیلتے دیکھنے کی مسرت سے محروم رہا۔

زرہ سمیت سب ماؤں نے قونان‌بائے کی اس خواہش کو پسند اور اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کا مطلب نوجوان بیٹوں کی شادیاں اور پوتی پوتوں کی پیدائش تھا۔ عورتیں تو اس دن کے لئے جانے کب سے دعائیں مانگ رہی تھیں اور اب انہیں ان کے خوابوں کی تعبیریں نظر آنے لگی تھیں۔

قونان‌بائے نے یہ بھی کہا کہ اس کی مصیبت کی گھڑی میں خدا اس کا خاص سہارا تھا۔ جہاں تک انسانوں کا تعلق تھا ان میں اس کے ہونےوالے دو سمدھی اس کے خاص حامی ثابت ہوئے۔ ان سے اسے سچی دوستی اور ہمدردی حاصل ہوئی۔ ان میں سے ایک الشین‌بائے تھا اور دوسرا سیمی‌پلاتنسک کا ایک بڑا تاجر تینی‌بائے۔ ان کے علاوہ اس کے اومسک پہنچنے کے وقت راستے میں تاس‌بولات

جرگے کے سردار بائےتاس نے بھی اس کا دوستانہ ھمدردی کے ساتھ خیرمقدم کیا تھا۔

اس کے بعد قونان‌بائے نے اس فیصلے کا تذکرہ کیا جو اس نے اس سفر کے دوران کیا تھا۔ بائےتاس کے یرکےجان نام کی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی جس سے قونان‌بائے نے اوسپان کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ معاملہ طے پا گیا تھا اور وہ لڑکی اس کے شرارتی بیٹے کی منگیتر بن چکی تھی۔ اس خبر سے سب کو اور خاص طور سے ماؤں کو بہت خوشی ھوئی جنھوں نے ھنستے ھوئے یہ بحث چھیڑ دی کہ اس شریر لڑکے کو جس کے گلے میں آخرکار طوق پڑنےوالا تھا، یہ خبر سنانے کا بہترین طریقہ کیا ھو سکتا ہے۔

اب قونان‌بائے نے اول‌جان کے باقی دونوں بیٹوں کا مسئلہ چھیڑا۔ تکےجان گزشتہ سال اپنی منگیتر کے یہاں جا چکا تھا اور اس کے ھونےوالے خسر کو اس کی بیٹی کے سلسلے میں پوری رقم ادا کی جا چکی تھی اس لئے اب تاخیر کا کوئی جواز نہ تھا اور تکےجان کو علاحدہ اپنا چھوٹا خیمہ بسا لینا چاھئے تھا۔ دوسرا فیصلہ سب سے زیادہ اھم اور اس وقت وھاں موجود تمام افراد کی توجہ اور امداد کا طالب تھا۔ ابائی کو اپنی منگیتر کے یہاں جانے پر راضی کیا جانا تھا۔ قونان‌بائے اس معاملے میں الشین‌بائے سے گفتگو کر چکا تھا اور ان دونوں نے طے کیا تھا کہ شادی موسم بہار میں ھوگی۔

قونان‌بائے اپنے ھونےوالے سمدھیوں میں الشین‌بائے کو جو اس علاقے میں سب سے زیادہ بااثر شخص تھا، بےحد اھمیت دیتا تھا۔ اس کی بیٹی کے بیاھنے کے امیدوار کا اس کے یہاں پہلی بار جانا کوئی سیدھی سادی بات نہ تھی۔ اس کے لئے تو خاصی محنت سے تیاریاں کرنی تھیں۔ کافی سامان اور کثیر تعداد میں مویشی وھاں بھیجے جانے تھے۔

ماؤں نے تائید کی، صرف زرہ نے کچھ سوچتے ھوئے کہا:

"کیا یہ بہتر نہ ھوگا کہ ھم لوگ ابائی کو اس وقت وھاں بھیجیں جب ھم اپنی موسم گرما کی قیام‌گاہ پر پہنچ جائیں اور خانہ‌بدوشی کی دوڑ دھوپ کا خاتمہ ھو چکا ھو؟"

"الشین‌بائے کا "جائےلاؤ" ھماری موسم گرما کی قیام‌گاہ سے بہت

دور واقع ہے اور وہاں پہنچنے میں بڑی دشواری ہوگی" قونان‌بائے نے وضاحت کی۔ "مویشی اور بھیڑیں وہاں پہنچتے پہنچتے راستے میں تھک جائیں گے اور دبلے ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ ابائی کے ساتھ معمر رشتےدار ہوں‌گے جن کے لئے اتنا طویل سفر دشوار ثابت ہوگا۔ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسے اگلے پانچ چھ دنوں میں روانہ ہو جانا چاہئے۔"

پھر اس نے اول‌جان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "تم بھی ساتھ جاؤگی۔ اپنے بیٹے کو اس کے نئے رشتےداروں کے یہاں اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

قونان‌بائے کسی فیصلے کو عملی جامہ پہنانے میں تاخیر کرنے سے نفرت کرتا تھا چنانچہ اس نے اسی وقت طے کر دیا کہ ابائی کے ساتھ کس کس کو وہاں جانا ہوگا اور کتنے مویشی، کپڑے، رقوم، سونے چاندی کی سلاخیں، چاندی کے ڈلے اور دوسرے تحائف بھیجے جائیں گے۔ الشین‌بائے کے لئے بھیجے جانےوالے تحائف میں لاکھی رنگ کے منتخب گھوڑوں کے دو غول بھی شامل تھے۔

اس سفر کی تیاریوں کے متعلق باتوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

ازغوت‌تی اور قدائےبیردی کو ضروری خریداریوں کے سلسلے میں اسی رات سیمی‌پالاتنسک روانہ کر دیا گیا۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ شہر میں تینی‌بائے سے مشورہ کر لیں اور جو کچھ مل سکے سب خریدکے جلد از جلد - زیادہ سے زیادہ چار دنوں میں واپس آ جائیں۔

قونان‌بائے کے بیٹوں میں سے ہر ایک نے اپنے مخصوص انداز میں رد عمل ظاہر کیا۔ آئی‌غیز اور ازغوت‌تی نے اوسپان سے مخاطب ہوکے مسکراتے ہوئے کہا: "بھئی تمہاری منگنی ہو گئی ہے، تم کو تو اب دلھن ملےگی" تو پہلے تو لڑکے کی کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا۔

"دلھن کیا چیز ہوتی ہے؟ عورت ہے نا؟"

تب ازغوت‌تی نے وضاحت کرتے ہوئے اس کی رائے جاننی چاہی۔

"دلھن ملےگی تو اسے رکھوں۔ کیوں نہیں! عورت کام آ سکتی ہے!" اوسپان نے تڑ سے جواب دیا اور سب لوگ ہنس پڑے۔

ابائی کو اس کے والد کے فیصلے سے خود اول‌جان نے مطلع کیا۔ رد عمل کے طور پر اس کے چہرے پر جو کیفیت طاری ہوئی اس سے اول‌جان فکرمند ہو گئی لیکن اس نے یہ سوچ‌کر خود کو تسلی دے لی کہ "شاید وہ شرما رہا ہے"۔

ابائی نے یہ خبر ضبط اور خاموشی کے ساتھ سنی لیکن اندر ہی اندر کانپ اٹھا، گویا کسی برف جیسی سرد انگلی نے اس کے دل کو چھو لیا ہو۔ توغ‌جان کا خیال اس کے ذہن میں کوندے کی طرح لپک گیا؛ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کے خلاف کسی جرم کا ارتکاب کر رہا ہو۔

کئی دنوں تک وہ خیالوں میں کھویا رہا، خود کو اپنی ذات کے خول میں اسیر کئے رہا۔ اب اس کے ایک منگیتر تھی۔ اور توغ‌جان کے بھی ایک منگیتر تھا جس سے اس کی شادی کرنے کا کافی عرصہ قبل وعدہ کیا جا چکا تھا۔ وہ الشین‌بائے کے یہاں جانے سے، شادی کرنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ والدین کی مرضی قانون کی، حیثیت رکھتی تھی۔ اور پھر وہاں نہ جانے کے لئے اس کے پاس عذر بھی کیا تھا؟ اس کا دل توغ‌جان کے لئے بری طرح تڑپ رہا تھا لیکن اس جال سے جس میں اتنی زیادہ بے‌بسی کے ساتھ پھنس‌کے رہ گیا تھا، خود کو باہر نکالنا ناممکن تھا۔

آخر بڑی مغموم خاموشی کے ساتھ وہ اپنی منگیتر سے ملنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

رفعتوں پر یلغار

۱

دولھا پورے ایک قافلے سمیت، آخرکار اپنے ہونےوالے خسر کے پڑاؤ پر پہنچ گیا۔

الشینبائے، چشموں اور چراگاھوں کی افراطوالی اس وسیع وادی میں کچھ روز قبل ھی پہنچا تھا۔ اس کے پڑاؤ کے ارد گرد بوشان جرگے کے تقریباً چالیس خانہبدوش گروھوں کے پڑاؤ واقع تھے۔ ھر شخص بےچینی سے مہمانوں کا منتظر تھا۔ ان لوگوں کے قیام کے لئے خیمے اور کھانے پینے کی اشیا تیار تھیں اور دولھا کی آمد کے دن، گھوڑیوں کو وقت سے پہلے ھی دوھنے کے لئے باندھ دیا گیا تھا۔

سالہا سال کے عام رواج کے بموجب اولجان اور بڑے بوڑھے، تیس بانکوں اور عورتوں کے ایک جھرمٹ کے ساتھ نصف روز قبل پہنچ گئے۔ دولھا کی طرف سے باتچیت کرنےوالے خاص شخص کے فرائض قونانبائے کے منھ بولے بھائی ازغوتتی کو انجام دینے تھے جو آقسقالوں، گانےوالوں، بانکوں اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنےوالے گلےبانوں کے ساتھ آ رھا تھا۔ ابائی کا گروہ بارہ بانکوں، ارغیزبائے جرگے کے نوجوانوں، دللگیباز مرزاخان، پیغام رساں جمعہگل اور ابائی کے قریبترین رشتےدار تکےجان پر مشتمل تھا۔ ابائی نے یربول کو بھی مدعو کر لیا تھا اور ایک ھفتے سے زائد اس کے سارے طویل سفر میں دونوں ھر وقت ایک دوسرے کے ساتھ رھے تھے۔

اولجان اپنے ساتھ قیمتی تحائف لائی تھی: گھوڑوں اور اونٹوں کے گلے، عورتوں کے لئے کپڑے اور زیورات۔ دو اونٹوں پر دلھن کے لئے تحائف لدے ھوئے تھے: چمکیلے ریشم کے تھان، مخمل اور

دوسرا سامان اور بہت سی شالیں۔ دوسرے دو اونٹوں پر بڑے بڑے بنڈلوں میں بغیر آستین کی قبائیں، قمیضیں، رومال، خفتان، ھر قسم کا سامان، جوتے اور دوسرے تحائف لدے ھوئے تھے۔ یہ چیزیں عام رواج کے مطابق لائی گئی تھیں۔

چاندی کے ڈلے سب سے قیمتی تحائف تھے جو خود الشین‌بائے کے لئے آئے تھے۔

دس سال قبل جب قونان‌بائے دلدا کے لئے ابائی کا پیغام لےکے آیا تھا تو دلھن کے والدین نے اسے ایک وزنی تائےتویاق* تحفے میں دیا تھا۔ اور اب اول‌جان کوئی ایسی ویسی چیز نہیں بلکہ ایک "بیسک‌جامبا"** لائی تھی جو اپنے سائز کے اعتبار سے کہیں زیادہ حیرت‌انگیز تھا۔ اس طرح قونان‌بائے کے تحفے کے سامنے الشین‌بائے کے تحفے کی کوئی اھمیت نہیں رہ گئی تھی اور جیسے ھی دولھا وھاں پہنچا، قونان‌بائے کی فیاضی اور اس کے قیمتی تحائف، تمام پڑاوؤں پر موضوع گفتگو بن گئے۔ ویسے جلد ھی سب کو معلوم ھو گیا کہ الشین‌بائے بھی جواباً ایسے ھی تحائف دینے کا ارادہ رکھتا ھے۔

دولھا اور اس کے رشتےداروں کے لئے تین بڑے بڑے برف جیسے سفید خیمے شاندار طور پر آراستہ کئے گئے تھے۔ گھوڑیوں سے حال ھی میں علاحدہ کئے جانےوالے ایک سالہ بچھیڑے اور بچھیڑیاں، تین سالہ دنبے اور بڑے بڑے میمنے ذبح کرنے کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔ ایک موٹا تازہ بچھیڑا اول‌جان کے خیمے کے لئے گوشت کے سلسلے میں مخصوص کر دیا گیا تھا۔

پڑاؤ کے قریب پہنچ‌کے ابائی کا قافلہ ٹھہر گیا صرف کچھ بانکے جن میں تکےجان اور مرزاخان بھی شامل تھے، اس کی آمد کا اعلان کرنے کے لئے اپنے گھوڑوں پر آگے بڑھ گئے۔ ابائی اور یربول ان لڑکیوں اور نوجوان عورتوں سے ملنے کے لئے گھوڑوں سے اتر گئے جو پڑاؤ سے ان کی اگوائی کے لئے باھر آنےوالی تھیں۔ اس اگوائی کے ساتھ ھی ان‌گنت پیچیدہ رسموں کا سلسلہ شروع ھونے کو تھا

---

* تائےتویاق — بچھیڑے کے سم کے برابر چاندی کا ڈلا۔

** بیسک جامبا — پالنے کی شکل کا چاندی کا ڈلا۔

اور ابائی نے جمعہ‌گل کو اپنے پاس روک لیا جو اپنے زمانے میں ان تمام رسوم کی اذیتیں جھیل چکا تھا اور ابائی کے لئے مفید ثابت ھو سکتا تھا۔

"شادی کو تو دولھا اور اس کے والدین کے لئے ایک پرمسرت موقع تصور کیا جاتا ھے" ابائی نے یربول سے کہا۔ "پھر آخر لوگ ان بےشمار رسموں سے آدمی کو اذیت کیوں پہنچاتے ھیں؟"

جمعہ‌گل ھنس پڑا:

"اذیت تو تمھیں بھرحال پہنچائی جائےگی اور وہ بھی بہت ھی جلد! پہلی بات تو یہ ھے کہ تمھاری ٹوپی میں پر نہیں لگے ھوئے ھیں۔ اور سنو، بہتر ھوگا کہ قبل اس کے کہ تمھارے گالوں پر تھپڑ مارے جائیں، تم وہ بغیر آستین کی سرخ قبا پہن لو!"

دولھے کی سمور کی روایتی ٹوپی میں جو پیشانی کو آنکھوں کے پاس تک ڈھکے رھتی تھی، بڑی قسم کے الو کے پر لگے ھونے چاھئے تھے، اس کے علاوہ اسے بغیر آستین کی سرخ قبا اور اونچی اینڈی کے بوٹ استعمال کرنے ھوتے تھے تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز نظر آئے۔ یہ لباس سفر سے قبل زرہ کے حکم پر تیار کیا گیا تھا اور ویسے تو دادی اماں اپنے چھیتے پوتے کو تمام معاملات میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے دیتی تھی لیکن اس موقعے پر وہ کسی قسم کے اعتراض کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"ارے بیٹے، یہ تو تمھارے آبا و اجداد کی ایک رسم ھے" اس نے سخت لہجے میں متعدد بار کہا تھا۔ "تم اسے نہ پہنوگے تو وہ لوگ تمھیں نہیں ھم لوگوں کو مورد الزام ٹھہرائیں‌گے! وہ لوگ پوچھیں‌گے: "کیا ان لوگوں کے باپ کبھی دولھا نہیں بنے تھے اور مائیں دلھن نہیں بنی تھیں؟" لو اسے فوراً ھی پہن لو!" اس نے خود اپنے ھاتھوں سے اسے پہننے میں ابائی کی مدد کی تھی۔

اس عجیب و غریب لباس میں ابائی کو کچھ ایسا لگ رھا تھا جیسے وہ کوئی حکیم یا آوارہ‌گرد مداری ھو۔ چنانچہ پڑاؤ سے باھر نکلتے ھی وہ اپنا گھوڑا بڑھاکے اول‌جان کے پاس پہنچا اور اس کی منت سماجت کی تھی:

"خدا کے لئے ذرا یہ بتائیے کہ آخر تمام سفر کے دوران میں یہ اعلان کرتا ھوا کیوں چلوں کہ دولھا ھوں۔ مہربانی کرکے مجھے

میرے عام کپڑے پہنے رہنے دیجئیے۔ ہم لوگ وہاں پہنچیں گے تو میں اسے پہن لوں گا۔"

اول‌جان نے طوعاً و کرھاً اجازت دے دی تھی اور اس طرح ابائی نے ابھی تک اپنا "مداری" والا اوپری لباس نہیں پہنا تھا۔ پر لگی ہوئی ٹوپی اور سرخ قبا ابھی تک کسی گھوڑے کی کاٹھی سے بندھے تھیلے میں رکھی ہوئی تھیں اور جمعہ‌گل نے اسے انھی کی یاد دلائی تھی۔

"جیسا کہ تم جانتے ہو براق باتر نے ایک بار کہا تھا: "میرا دل مسلح دشمن کے سامنے کبھی بھی خوف‌زدہ نہیں ہوا ہے، وہ تب خوف‌زدہ ہوا تھا جب مجھے اپنی منگیتر کے والدین کے گھر جانا پڑا تھا۔" لیکن یہ دیکھ‌کر کہ ابائی واقعی بہت گھبرایا ہوا ہے اس نے جلدی سے اضافہ کیا: "ہاں بھئی، تمہیں عجب ہولناک باتوں کا سامنا کرنا پڑےگا لیکن ذرا حوصلے سے کام لوگے تو سب کچھ ٹھیک ہی ہوگا۔ میں یہ بات تجربے کی بنا پر جانتا ہوں۔"

احباب ہنس پڑے اور یربول نے ایک بار پھر جمعہ‌گل سے درخواست کی:

"مہربانی کرکے ذرا انہیں بتاتے رہو کہ کیسے انہیں جھکنا ہوگا، کب بیٹھنا یا کھڑے ہونا پڑےگا اور کب اپنی ٹوپی پیچھے کھسکاکے آخرکار اطمینان کی سانس لی جا سکےگی۔"

یربول جس انہماک سے اس کا خیال کر رہا تھا اس سے ابائی بہت متاثر ہوا۔ اس کا دوست اس کے سلسلے میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی فکر کر رہا تھا جن کا خود اسے کبھی خیال بھی نہ آتا۔ بھلا اس سے زیادہ سچا اور وفادار دوست اور کون ہو سکتا تھا؟

اس وقت تک ابائی کو یقین تھا کہ ان کی دوستی کے بہترین لمحات وہ تھے جب یربول نے باڑھ پر آئے ہوئے کہستانی دریا کو سانڈ کی پیٹھ پر بیٹھ‌کے پار کیا تھا لیکن اب تو وہ ایک بالکل ہی مختلف آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ جس یربول کو وہ اس سے قبل جانتا تھا وہ کہاں تھا؟ وہ پرانا دوست اور یہ نیا دوست دونوں دو مختلف افراد

معلوم ہوتے تھے۔ ان دونوں میں کون اس سے زیادہ قریب تھا، کون اسے زیادہ عزیز تھا؟

سفر شروع ہونے کے دن یربول ایک ایسی خبر لایا تھا جس سے ابائی بہت پریشان ہوا تھا۔ جب توغجان کو معلوم ہوا تھا کہ یربول، ابائی کے ساتھ اس کی منگیتر کے گھر جائےگا تو اس نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کے محبوب تک یہ پیغام پہنچا دے: "وہ چاندنی کی ایک مختصر لہر کی طرح زندگی میں آیا اور دوسرے ہی لمحے غائب ہو گیا۔ میں اب تاریکی میں تنہا رہ گئی ہوں لیکن خدا کرے کہ اس کا راستہ پرمسرت ثابت ہو، خوش و خرم رہے۔ اس کے لئے یہی میرا پیغام ہے!" اور جب یربول نے روانہ ہونے کے لئے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو اس نے رومال سے اپنی آنکھیں ڈھک لی تھیں اور رو پڑی تھی۔

آنسو بہاتی ہوئی توغجان کا تصور پورے سفر میں ابائی کے لئے سخت اذیت کا باعث بنا رہا تھا۔ اپنی مرضی کے خلاف قدم اٹھانے کے دل‌شکن بوجھ کو، دوسرے کی مرضی کے اس دباؤ کو وہ بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہا تھا جس نے اسے اس سفر پر مجبور کر دیا تھا۔ اب وہ بڑے روکھےپن سے دلدا سے ملاقات کا منتظر تھا۔

اچانک لڑکیوں اور عورتوں کے کھنک‌دار قہقہے اس کے کانوں میں پڑے اس کے بعد شول‌پی کی جھنکاریں سنائی دیں۔ سروں پر برف جیسے سفید رومال باندھے ہوئے عورتوں اور گھر کے بنے ریشم کی ٹوپیاں پہنے ہوئے لڑکیوں کا ایک جھرمٹ دولھے کی اگوائی کے لئے بڑھ رہا تھا۔ بچوں کا ایک ہجوم بھی ان کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔

وہ لوگ ابائی اور اس کے بانکوں سے کچھ اور زیادہ قریب پہنچیں اور ان میں سے بعض حیرت کے ساتھ بول اٹھیں:

"ارے ان میں سے ابائی کون ہے؟"

"بھلا دولھا کون ہے؟"

"ارے، یہ تو سب کے سب ایک ہی جیسے ہیں! اس نے تو دولھے جیسے کپڑے تک نہیں پہن رکھے ہیں!"

ابائی کچھ گھبرا سا گیا لیکن کوشش کرکے مسکرانے لگا۔

"جو آپ لوگوں کو سب سے زیادہ پسند ہو اس کا انتخاب کر لیجئے اور اسی کو ابائی سمجھئے" اس نے کہا۔

لڑکیاں ہنس پڑیں اور انہوں نے جلد ہی دولھے کو پہچان لیا لیکن ان میں سے ایک نے اس پر چوٹ کی:

"ارے اس طرح تھوڑی کام چلےگا! توبیقتی ٹوپی تو اپنے پڑاؤ پر جاکے پہننا۔ ہمارے یہاں آئے ہو تو تمہیں شادی کے کپڑے بہرحال پہننے پڑیں گے!"

اس نے بانکوں سے پوچھنا اور تلاش کرنا شروع کر دیا کہ ابائی کے شادی کے کپڑے کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ آخر جمعہ‌گل نے ہار مان لی اور گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا تھیلا نکالا۔

"میں نے تو خود ہی ان سے کہا تھا: "یہ کپڑے پہن لو!" مگر یہ کب ماننےوالے تھے! اب تم لوگ انہیں ذرا سبق سکھا دو! ان کے کپڑے میرے پاس ہیں۔ لو، یہ رہے!" اس نے تھیلا لڑکیوں کو دیتے ہوئے کہا۔

ابائی شادی کے کپڑے پہن رہا تھا اور ادھر ایک ایک گھوڑے پر دو تین بچے گرتے پڑتے کسی نہ کسی طرح سوار ہو گئے اور انہیں دوڑاتے ہوئے پڑاؤ کی طرف نکل گئے۔ چند بچے ابائی کے دوقدما چلنےوالے سفید ایال اور سنہرے رنگ کے گھوڑے کے پاس کھڑے ہوکے اسے سراہنے لگے۔

"ارے یہ تو دوقدما چلنےوالا گھوڑا ہے!"

"اوئی بائے کتنا شاندار ہے!"

تین کم‌عمر لڑکے بہ‌دقت اس پر سوار ہوکے اسے وہاں سے بھگا لے گئے۔ خیرمقدمی گروہ اور دولھا کے ساتھیوں کو پڑاؤ تک پیدل چلنا پڑا۔

دولھا کے لئے نصب کیا جانےوالا خیمہ دوسرے خیموں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سفید اور آنکھوں کو چکاچوند کرنےوالا تھا۔ اندرونی حصے کے متعلق طے کیا گیا تھا کہ اسے ضرورت سے زیادہ نہ سجایا جائے تاکہ اس کے خاصے کشادہ ہونے کا تاثر برقرار رہے۔ لیکن اس چوکھٹے کو جس پر خیمہ تنا ہوا تھا، قیمتی ریشمی پردوں اور خوبصورت قالینوں سے چھپا دیا گیا تھا اور شوخ رنگوں کے یہ سارے کپڑے بجائے خود اس کی شاندار آرائش کا کام کر رہے تھے۔ اونی اور لطیف نقش و نگار والے نمدے کے کمبل اور قالین، دروازے سے لےکر معزز مہمان کے بیٹھنے کی جگہ تک جہاں ریشمی گدے

تکیے ڈھیر تھے، بچھے ہوئے تھے۔ داهنی جانب تراشی هوئی هڈیوں کا پلنگ رکھا ھوا تھا جس پر پندرہ ریشمی گدے بچھے اور نہایت سفید ریشمی تکیے رکھے ھوئے تھے۔ پلنگ کے اوپر سرخ اور نیلے گل بوٹوں‌والا ساٹن کا پردہ بندھا ھوا تھا۔

ابائی پلنگ کے سامنے اپنی ھونےوالی سالیوں کے جھرمٹ میں بیٹھ گیا۔ یربول، جمعہ‌گل اور دوسرے بانکے ذرا کچھ ھٹ‌کے لڑکیوں کے درمیان بیٹھ گئے۔

ابھی سب لوگ بیٹھے ھی تھے کہ تین جوان عورتیں خیمے میں پکارتی ھوئی داخل ھوئیں:

"ارے پردہ! پردہ گراؤ بھئی!"

ابائی کے بغل میں بیٹھی ھوئی لڑکی اچھل‌کے کھڑی ھوئی اور ساٹن کا پردہ گراکے اسے یوں چھپا دیا کہ دروازے سے دکھائی نہ دے سکے۔ تب کہیں جاکے ان لوگوں نے دروازے کا پردہ ھٹایا۔

"آئیے، اندر آئیے نا" ان لوگوں نے کہا اور اس اثنا میں ابائی کی طرف دیکھا۔ "اب اپنی ساسوں کا خیرمقدم کرو نا!"

ابائی اور دوسرے سب افراد جلدی سے اٹھ کھڑے ھوئے لیکن تین معمر عورتیں خیمے میں آئیں تو اس پردے کو نہ ھٹایا گیا جس نے ابائی کو چھپا رکھا تھا۔ ان میں سے پہلی جو طاقتور اور سیاہ‌فام عورت تھی، سب سے بڑی ساس یعنی الشین‌بائے کی سب سے بڑی بیوی تھی۔ اس کے بغل میں اصلی ساس، دلھن دلدا کی ماں کھڑی ھوئی تھی۔

"اچھا، ماؤ منھ دکھائی تو لائیے! آخر منھ دکھائی کہاں ھے؟ کچھ دیجئے‌گا نہیں تو ھم لوگ آپ کے بیٹے کو یونہی چھپائے رھیں‌گے، آپ کو دیکھنے ھی نہ دیں‌گے" نوجوان عورتوں نے جو پردے کے کونے کو اپنے ھاتھوں میں تھامے ھوئے تھیں، مزاحیہ انداز میں کہا۔

"ارے بھئی پردہ تو اٹھاؤ! یہ رھی تمھاری منھ دکھائی" الشین‌بائے کی بڑی بیوی نے مٹھائیوں کی طرف جنھیں وہ اپنے ساتھ لائی تھی، اشارہ کرتے ھوئے کہا۔

ساٹن کا پردہ اٹھایا گیا اور دولھا جو بڑی فرماں‌برداری کے ساتھ خاموشی اور ادب سے سر جھکائے ھوئے کھڑا تھا، نظر آنے لگا۔

"خدا تمہیں طویل زندگی عطا کرے! خدا تمہیں پرمسرت مستقبل عطا کرے، میری آنکھوں کے نور" بڑی بیوی نے مٹھائیاں لڑکیوں کی طرف اچھالتے ہوئے ابائی کو دعائیں دیں۔

کشمش، خشک خوبانیوں اور مٹھائیوں کی بوچھار سی ہوئی جنہیں ہنستی ہوئی لڑکیوں نے قالین پر سے اٹھا لیا۔

"خدا تمہیں آج سے نئی مسرتیں عطا کرے" دلھن کی سگی ماں نے سریلی آواز میں کہا۔ "میرے پیارے ابائی، تمہیں دائمی خوشیاں میسر ہوں!"

دولھے سے کسی جواب کی توقع نہیں کی جاتی تھی۔ اسے بالکل بےحس و حرکت، فرماں‌برداری کے ساتھ خاموش کھڑے رہنا تھا۔ الشین‌بائے کی بیویوں نے ایک ایک کرکے اس کے رخساروں کا بوسہ لیا اور کوئی مزید گڑبڑ پیدا کئے بغیر خیمے سے چلی گئیں۔

ابائی تمام شام بےچین رہا۔ دراصل وہ خود کو اس نئی صورت حال کا عادی ھی نہیں بنا پا رہا تھا۔ بھاری بھرکم ٹوپی جو اس کی آنکھوں کے قریب تک ٹھنسی ہوئی تھی، اسے پسینے پسینے کئے دے رہی تھی اور اس سے وہ سخت الجھن محسوس کر رہا تھا۔ سب سے واھیات بات تو یہ تھی کہ چاروں طرف سے اسے مسلسل گھورا جا رہا تھا۔ سب کی نگاھیں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس کے اوپر جمی ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے آنکھوں کا ہر متجسس جوڑا پوچھ رہا ہو: "کیا وہ خوبصورت ھے؟ کیا ھماری بیٹی کے لئے موزوں خاوند ھے؟ اس کا طرز عمل کیسا ھے؟" ان لوگوں نے پہلے تو خود ھی ایسے کپڑے پہنا دئے تھے جن میں وہ بالکل کٹھ پتلی سا معلوم ہو رہا تھا اور اب ایسا لگتا تھا کہ اس کا مذاق اڑا رہی تھیں: "ذرا اسے دیکھو تو، دیکھو نا کیسا لگتا ھے!"

جلد ہی چائے لائی گئی لیکن بات‌چیت بس روکھی پھیکی ھی سی رہی۔ جمعہ‌گل اور یربول بھی جن کے مزاحیہ فقروں پر ہمیشہ قہقہے بلند ہوا کرتے تھے، الجھن محسوس کر رہے تھے اور کھنچے کھنچے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں اپنے پاس بیٹھی ہوئی لڑکیوں سے بس یونہی اخلاقاً مختصر طور پر باتیں کر سکے۔ ابائی تین لڑکیوں کی شکل و صورت سے خاص طور پر متاثر ہوا جنہوں نے بڑی نفاست سے کپڑے پہن رکھے تھے اور جن کے چہرے غیرفطری طور پر گورے

گورے اور رخسار سرخ تھے۔ اس غریب کو کیا خبر تھی کہ بوشان جرگے کی جوان لڑکیاں عام رواج کے مطابق پورے چہروں پر پاؤڈر اور گالوں پر سرخی تھوپا کرتی تھیں۔

چائے کے بعد ابائی سے عمر میں بڑے بانکے — تکے‌جان، مرز خان اور ان کے احباب خیمے میں اکٹھا ہو گئے۔ وہ اپنے ساتھ بوشان جرگے کے گانےوالوں اور مسخروں کو بھی لائے تھے۔ ان سب کی آمد سے ماحول میں جان پڑ گئی اور پرمسرت باتوں، ہنسی مذاق اور قہقہوں کا شور بلند ہونے لگا۔ چنچل، شور مچاتی ہوئی لڑکیوں اور عورتوں کا ایک جھرمٹ دولھے کے ارد گرد موجود تھا۔ اس کی منگیتر دلدا البتہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

دولھے کی پہلی آمد کو "رسمی آمد" یا بعض اوقات "تحفوں کے ساتھ آمد" یا "دھلیز پار کرائی" یا "ھاتھ ملانے کی آمد" کہا جاتا تھا۔ ابائی چونکہ پہلی بار سسرال آیا تھا اس لئے اس کے اپنی دلھن کو زیادہ دیکھ سکنے کا بہت ھی کم امکان تھا۔

پہلی آمد اور نکاح کا جشن منانے کے سلسلے میں دلھن کے والدین کو "توئی"* کا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ یہ کوئی معمولی تقریب نہیں ہوتی تھی اور اس کے لئے عجلت کے بغیر ذرا ذرا سی تفصیلات کا لحاظ رکھتے ہوئے تیاریاں کرنی پڑتی تھیں۔ اس کے بعد دولھا دلھن کے درمیان "ھاتھ ملانے" کی رسم انجام دی جاتی تھی۔ چنانچہ ابائی اپنی دلھن کو نہ پہلے روز دیکھ سکا نہ ھی دوسرے روز۔ وہ اس کے پڑاؤ پر مقیم تھا لیکن اسے تصور تک نہ تھا کہ وہ کیسی ھے۔ صرف بربول کو آمد کے دوسرے روز دلدا سے سلام کرنے کے لئے جانے کا موقع مل سکا۔ اس کی شکل و صورت اسے پسند آئی اور اسے خوشی ہوئی کہ ابائی کو اچھی دلھن ملی ھے۔ واپس لوٹ‌کے اس نے ابائی سے اپنے تاثرات بیان کرنا شروع کئے لیکن ابائی نے اس کی بات کاٹ‌کے موضوع گفتگو بدل دیا۔

ضیافت جس کا نوجوانوں کو بےصبری سے انتظار تھا، دولھے کی آمد کے تیسرے روز ہوئی۔ صبح سے رات تک ابائی کے خیمے میں بےشمار عورتوں کی بھیڑ بھاڑ لگی رہی جن میں اس کی ساسیں،

---

* توئی — ضیافت۔

لڑکیاں، نوجوان عورتیں اور اس کی سخت‌گیر اور شور مچانےوالی سالیاں بھی شامل تھیں۔ جمعہ‌گل اور یربول ان لوگوں کا نہایت ھی خوش‌اخلاقی اور پروقار انداز سے خیرمقدم کرتے رھے اور انہوں نے خیمے میں آنےوالی ان‌گنت عورتوں میں سے ھر ایک کو سلام کرتے رھنے کی حتی‌الامکان کوشش کی۔ دونوں ابائی کو مسلسل بری طرح پریشان کئے جا رھے تھے۔

"اچھا اب کھڑے تو ھو جاؤ! اب بیٹھ جاؤ!" دونوں اس سے بار بار کہتے تھے۔ "اور آ گئیں! اوئی‌بائے، اور بہت سی آ گئیں!" اور وہ ابائی سے بار بار رسمی آداب کو پورا کراتے۔

دولھے کے خیمے میں گیتوں کا سلسلہ برابر جاری رھا۔ خوشیاں منانے کا سلسلہ اپنے نقطۂ عروج پر تھا اور مسلسل مٹھائیاں کھائی جا رھی تھیں۔ نوکر مہمانوں کو چائے اور قمیز لا لاکے دئے جا رھے تھے اور دسترخوان کے ھٹائے جانے کی نوبت ھی نہیں آ رھی تھی۔

"توئی شروع ھو گئی، توئی!" باھر سے چیخیں سنائی دیں۔

"اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ھو جاؤ!"

ابائی اور اس کے ساتھ کے تمام مرد خیمے سے باھر نکل آئے۔ ان لوگوں کے گھوڑے جن پر کاٹھیاں کسی ھوئی تھیں، قریب ھی بندھے ھوئے تھے۔ دوسرے مردوں کی طرح ابائی کو بھی گھوڑے پر سوار ھوکے ضیافت کو دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ جوان عورتیں اور لڑکیاں پڑاؤ ھی پر رہ گئیں جبکہ ابائی پندرہ افراد کے ساتھ گھوڑے پر خیمے کے پاس سے روانہ ھوکے ایک موزوں جگہ پر جا کھڑا ھوا جو عام لوگوں کے کھڑے ھونے کی جگہوں سے کسی حد تک الگ تھلگ تھی۔

اس خوشحال وادی میں مقیم کثیر تعداد میں قبائلی گروہ اس موقعے پر نہایت ھی غیرمعمولی فیاضی کا مظاھرہ کر رھے تھے اور جتنے بھی لوگوں کو اکٹھا کر پاتے تھے، سب کی خاطر مدارات کرتے تھے۔ الشین‌بائے اتنے شاندار پیمانے پر ضیافت کرنے کا تہیہ کئے ھوئے تھا کہ دیکھنےوالوں کی آنکھیں چکا چوند ھو جائیں۔ چنانچہ اس نے اتنی کثیر تعداد میں مہمان مدعو کئے تھے کہ ان کی سواری کے گھوڑوں سے پورے پورے گلے بن گئے تھے۔

مہمانوں کے لئے تھوڑے بہت نہیں، پانچ چھ درجن خیمے نصب

کئے گئے تھے جن کا سلسلہ دوطرفہ قطار میں کچھ نہیں تو میل بھر تک ضرور پھیلا ہوا تھا۔ باورچی‌خانے کے خیمے پڑاؤ کے دوسرے سرے پر نصب کئے گئے تھے۔

ابائی اور اس کے ہم‌رکاب ایسے وقت سے باہر نکلے تھے کہ اسے باورچی‌خانے سے گھوڑوں پر نوکروں کی لمبی قطار کو مہمانوں کے خیمے تک تیزی سے جاتے ہوئے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ضیافت کے تقریباً بیس منتظم جو اپنے سروں کے گرد سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے اور اسی لئے بہ‌آسانی پہچانے جا سکتے تھے، باورچی‌خانے کے خیموں کے باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔

مہمانوں کو کھانے پیش کرنے کا کام جن بانکوں کے سپرد کیا گیا تھا وہ نہایت ہی تیزرفتار گھوڑوں پر سوار تھے۔ یہ فیصلہ دعوت کے بہت ہی شاندار ہونے پر زور دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ چھریرے بدن کے گھوڑے جن کی خوب اچھی طرح دیکھ بھال کی گئی تھی، پسینے اور جھاگ سے تربتر ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ اتنے میں بیس بانکے جو گھوڑوں کی لگامیں اپنے دانتوں سے پکڑے اور دونوں ہاتھوں میں کھانے کی گہری پلیٹیں لئے ہوئے تھے، بڑی تیزی سے مہمانوں کے خیموں کی طرف لپکے۔ ان کے فوراً ہی بعد دوسرے گھڑسوار اسی حالت میں گزرے۔ یہ افراد ان خیموں تک جہاں انہیں مہمانوں کے لئے کھانے پہنچانے کا کام سپرد کیا گیا تھا، بڑے بانکپن سے، پوری رفتار کے ساتھ گھوڑے دوڑا رہے تھے اور خیموں کے سامنے جاکے اتنی مہارت سے گھوڑے روکتے تھے کہ شوربے کا ایک قطرہ تک چھلک‌کے باہر نہیں گرتا تھا۔ آق‌سقال اور قراسقال بڑی صفائی اور سبک‌دستی سے ان لوگوں کے ہاتھوں سے پلیٹیں لےکے خیموں کے اندر موجود دوسرے لوگوں کو دے دیتے تھے۔

مہمانوں نے معمول کے مطابق جی بھرکے کھانا کھایا اور کھانے لانےوالے باورچی‌خانے اور مہمانوں کے خیموں کے درمیان مسلسل گھوڑے دوڑاتے رہے۔ دعوت اسی وقت شروع ہو گئی تھی جب ابائی خیمے کے اندر تھا۔ اب وہ اپنے بانکوں کے ساتھ استیپیوں میں کافی دور تک نکل آیا تھا لیکن اب بھی کھانے پینے کا سلسلہ جاری تھا۔ مہمانوں نے قمیز کی جانے کتنی مشکیں اور گوشت کی جانے کتنی پلیٹیں خالی کر دیں تب کہیں جاکے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔

اس کے بعد کھیل کود کے مقابلے شروع ہوئے: گھڑدوڑ، کشتی، مذبوح بکری پر قبضہ کرنے کے لئے گھڑسواروں کی جد و جہد کا کھیل، گھوڑے پر سوار ہوکے لڑائی اور گھڑسواری میں مہارت کے مظاہرے وغیرہ۔ بوڑھے افراد جو ضیافت کو دیکھنے نکلے تھے، تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے تھے۔

"ارے واہ کتنی شاندار اور زبردست دعوت ہے!" وہ کہہ رہے تھے۔

"دلھن کے لئے آنےوالے تحفے بہت عمدہ تھے لیکن الشین‌بائے نے بھی بخل سے کام نہیں لیا!"

اسی روز شام کو ابائی نے پہلی بار اپنی دلھن کو دیکھا۔

دولھے کا خیمہ دولھا دلھن کے رشتےداروں سے جن میں الشین‌بائے، اول‌جان اور ازغوت‌تی نمایاں حیثیت رکھتے تھے، کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ابائی اور اس کے ساتھی دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔ صرف بڑے بوڑھے ہی آزادی کے ساتھ ہنس ہنس‌کے باتیں کر رہے تھے۔ پردے کے پیچھے بیٹھے نوجوان سرگرشیوں ہی میں باتیں کرتے تھے، صرف لڑکیاں ہی دھیرے دھیرے ہنسنے کی جسارت کر رہی تھیں کیونکہ خود اپنے پڑاؤ پر ہونے کی وجہ سے انہیں‌نسبتاً اطمینان و سکون حاصل تھا۔ اتنے میں دروازے کے پیچھے سے کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ دروازے کے پاس کھڑی ہوئی نوجوان عورتوں نے پردہ ہٹا دیا اور متعدد لڑکیاں خیمے میں داخل ہو گئیں۔

ان میں سے ایک دلدا تھی۔ اس کے چہرے پر سرخ نقاب پڑی ہوئی تھی اس لئے ابائی اور اس کے احباب دلدا کی صرف انگلیوں ہی کو دیکھ سکے جبکہ اس نے اپنے باھر پہننے کے جوتے اتارے۔ دلھن چھریرے بدن اور متناسب اعضا کی طویل قامت لڑکی معلوم ہوتی تھی۔

لڑکیاں اسے اپنے ساتھ لےکے ابائی کے بغل میں اس کے بیٹھنے کی جگہ تک لائیں جہاں وہ نقاب اٹھائے بغیر بیٹھ گئی۔ ابائی اس سے صاحب سلامت کے طور پر چند الفاظ کہنا چاھتا تھا لیکن دلدا نے اس کی طرف رخ ہی نہ کیا اس لئے وہ خاموش رہا۔

دلھن کی آمد کے فوراً ہی بعد گوشت کی پلیٹیں لائی گئیں اور

معزز مہمان اور پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے نوجوان افراد سبھی کھانے میں مصروف ہو گئے لیکن جہاں تک دولہا دلہن کا تعلق تھا، دونوں میں سے کسی نے بھی مشکل ہی سے کھانے کو ہاتھ لگایا۔ کھانے کے بعد ایک ملا نے جسے ابائی پردے کے پیچھے سے دیکھ بھی نہ پایا، نکاح پڑھا۔ اس کے بعد ایک بڑے پیالے میں ٹھنڈا پانی لایا گیا جس میں سے پہلے معزز مہمانوں اور بعد میں دوسروں نے ایک ایک گھونٹ پیا۔ آخر میں یہ پیالہ ابائی تک پہنچا جس نے ایک گھونٹ پی کے دلدا کی طرف بڑھا دیا۔

پھر دلہن کی دو سہیلیاں دولہا دلہن کے سامنے مسکراتی ہوئی بیٹھ گئیں۔ انہوں نے دلدا کے دائیں ہاتھ پر باریک ریشمی کپڑا لپیٹا اور اس کے اوپر ابائی کا دایاں ہاتھ رکھ دیا۔ وہ دلدا کی نازک انگلیوں کو اپنے ہاتھ کے نیچے محسوس کر رہا تھا اور ایک سہیلی نے جو اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی، مذاق کرتے ہوئے کہا:

"ارے واہ دولہا میاں دیکھنے میں تو سیدھے سادے لیکن ویسے بڑے تیز ہیں! کیوں بھئی آپ کا ہاتھ دلہن کے ہاتھ سے چپک کے رہ گیا ہے کیا؟ اچھا لائیے اب اپنا ہاتھ مجھے دیجئے تو! دلہن کے بالوں کو سہلائیے" اس نے ہدایت کی۔

اس کے پاس بیٹھی ہوئی لڑکیاں زور زور سے ہنس پڑیں۔ دلہن کی سہیلی نے ابائی کا ہاتھ تھام کے اسے دلہن کے بالوں کی چوٹی پر رکھا اور اس کی ہتھیلی سے بالوں کو سہلایا۔ ہاتھ ملانے کی رسم میں جو ریشمی کپڑا استعمال کیا گیا تھا اسے ایک بار پھر استعمال کیا گیا اور ابائی کو دلہن کی چوٹیاں دو بار سہلانی پڑیں۔

اس رسم کے ساتھ جو عرصے سے "ہاتھ ملانا" اور "بال سہلانا" کہلاتی تھی، شادی کی رسمیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں۔ اس آخری رسم کے بعد عام رواج کے بموجب دلہن کی سہیلیوں کو انعامات دئے جاتے تھے۔

بڑے بوڑھوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے:

"خدا انہیں خوش و خرم رکھے! خدا ان دونوں کو طویل عمر عطا فرمائے! انہیں خوشحال کرے!" سب نے ایک ساتھ دعائیں دیں۔

ابائی اور دلدا کے رشتےداروں کی یہ دعائیں پردے کے پیچھے ان کے کانوں تک پہنچیں۔ اس کے بعد بڑے بوڑھے اٹھ کے خیمے سے

باہر چلے گئے۔ نوجوان افراد بھی زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے۔ سب لوگ ادھر ادھر چلے گئے تاکہ دولھا دلھن کے ساتھ اکیلا رہ جائے۔

ابائی نے ابھی تک دلدا سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ دراصل دونوں نے ایک دوسرے کو ٹھیک سے دیکھا تک نہیں تھا۔ دلدا نے اس کے بغل میں بیٹھتے وقت جبکہ خود اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا، چوری چھپے کن‌انکھیوں سے اس کے چہرے پر ایک نگاہ ضرور ڈال لی تھی۔

اب خیمہ کچھ زیادہ کشادہ معلوم ہونے لگا تھا۔ دلھن کی سہیلیوں میں سے ایک نے جسے "بال سہلانے" کی رسم پوری کرانے کے سلسلے میں انعام دیا گیا تھا، ابائی سے مخاطب ہوکے کہا:

"ہم لوگ اب بستر تیار کریں گے! بہتر ہوگا کہ آپ ذرا دیر کے لئے باہر چلے جائیں۔ ارے بھئی کچھ تازہ دم تو ہو لیجئے!"

ابائی کو اس کی اس بےباکی سے عجب ٹھیس سی لگی اور وہ جلدی سے اٹھکے خیمے سے باہر چلا آیا۔ آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا، یربول تک جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ وہ بالکل تنہا تھا اور رات کچھ اور بھی زیادہ تاریک معلوم ہو رہی تھی کیونکہ شام کو آسمان پر بادل چھا گئے تھے۔ ابائی خیمے سے کافی دور تک آگے نکل گیا۔

لڑکیاں بھی دلھن کے پاس سے چلی گئیں۔ صرف اس کی وہی دونوں سہیلیاں باقی رہ گئیں جو تمام شام اس سے پل بھر کے لئے بھی الگ نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک اسے اپنے ساتھ خیمے سے باہر لے آئی اور دوسری نے پردہ گراکے پلنگ پر شب عروسی کا بستر درست کیا۔

سہیلی نے دلدا کو گلے سے لگاکے ہنستے ہوئے پوچھا:

"کہو میری جان، دولھا پسند آیا تمہیں؟"

اس نے پرسکون انداز میں جواب دیا:

"کچھ کہوں بھی تو کیسے کہوں، کالے مٹلے ہیں ایک دم..."

اس کے الفاظ سے مایوسی جھلکتی تھی۔

"کیا بکواس ہے! تم نے انہیں ٹھیک سے دیکھا ہی کہاں! وہ کالے لیکن بہت ہی پرکشش ہیں" دلھن کی سہیلی نے اسے اطمینان دلایا۔

دولھا بھی دل ہی دل میں مغموم سا تھا۔

ھر چیز کی فراوانی اور چمک دمک اور احباب اور عزیزوں پر مشتمل اس کے ساتھی، سب کچھ ایک پرمسرت موقعے کا جشن منانے سے صحیح معنوں میں تعلق رکھتا تھا۔ اس کے قدم قدم پر شادمانیاں تھیں اور عمدہ کھانے، مہمانوں کے ھجوم اور شان و شوکت۔ اس موقعے پر جن نیک خواھشات کا اظہار کیا گیا تھا، جو دعائیں دی گئی تھیں ان سب میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ مسرتیں دولھا دلھن کی منتظر ھیں۔ لیکن کیا حقیقت بھی یہی تھی؟ کیا واقعی مسرتیں ان کی منتظر تھیں؟ بزرگوں نے کیا اس تمام تقریب کا اھتمام، محض خوش‌اخلاقی اور ایک دوسرے کے احترام کے مظاھرے کے طور پر نہیں کیا تھا؟ کیا ان کا مقصد محض صدیوں پرانی روایات کو نبھانا نہیں تھا؟

ابائی اور دلدا نے ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں تھا لیکن بڑے بوڑھوں کو اس کی فکر ھی کہاں تھی۔ دولھا اور دلھن کی پہلی ملاقات شب عروسی کے اس بستر پر ھونے‌والی تھی جو اب بچھایا جا رھا تھا۔

ابائی نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ "میری محبوبہ، میری منظور نظر" اس نے ان الفاظ کی کتنی زیادہ پرستش کی تھی! وہ اس کے سینے میں شفاف اور منور پھولوں کی طرح کھلے تھے۔ توغ‌جان کا دمکتا ھوا چہرہ، بے‌مثال حسن اس کے دل کو تڑپا رھا تھا۔ وہ لمحے بھر کو بھی اسے فراموش نہیں کر پا رھا تھا لیکن وہ تو اس سے دور، بہت دور تھی۔ وہ سوچ رھا تھا کہ کاش اس کے پر لگ جاتے، کاش وہ یہاں اس وقت اس کی نگاھوں کے سامنے موجود ھوتی!

اچانک ایک نقرئی جھنکار سی سنائی دی اور ابائی تیزی سے پیچھے مڑا۔ لیکن وہ تو محض دلھن کی سہیلیوں میں سے ایک تھی۔

"کیا آپ خود کو واقعی اتنا زیادہ حسین تصور کرتے ھیں؟" اس نے مذاق کرتے ھوئے کہا۔ "آخر دلھن کو اتنی دیر سے انتظار کیوں کرا رھے ھیں؟" اور وہ اسے اپنے ساتھ خیمے میں لے آئی۔

پردہ گرا ھوا تھا اور بستر تیار لیکن دلدا اور اس کی دوسری سہیلی کہیں نظر نہیں آ رھی تھیں۔ ابائی نے اپنا کوٹ اتارا جسے دلھن کی سہیلی نے فوراً ھی لے‌کے الگ رکھ دیا۔ پھر اس نے ابائی کے جوتے اتارے اور اسے یاد دلایا کہ "جوتے اتروائی" نام کی آخری رسم انجام دینے کے سلسلے میں اسے آخری تحفہ ملنا چاھئے۔ اس موقعے

پر خاصی معقول رقم دی جاتی تھی لیکن ابائی کی ماں نے تمام باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اس کی جیبوں میں کافی رقم رکھ دی تھی اور اس نے تقریباً جھنجھلاہٹ کے ساتھ رقم لڑکی پر پھینک دی۔

کپڑے بدلتے ہی اس نے پلنگ پر ڈھیر ہوکے خود کو ریشمی چادر کے اندر کر لیا۔ دلدا ابھی تک نہیں آئی تھی حالانکہ اسے اس کی چوٹیوں کی شول‌پی کی جھنکار ذرا ذرا دیر بعد سنائی دیتی تھی۔ اس نے سوچا کہ کہیں یہ جھنکار بھی تو کسی رسم کا جزو نہیں؟ کاش وہ اس وقت اندر آتی جبکہ چراغ روشن ہوتا! لیکن دلھن کی سہیلی نے جب یہ دیکھا کہ ابائی پلنگ پر دراز ہو گیا ہے تو اس نے چراغ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دلدا کے اندر داخل ہونے کے لئے دروازہ کھولا۔

اس کی دلھن اندھیرے میں اس کے قریب آ رہی تھی۔ تمام دن ابائی کے اوپر شدید غصے کی کیفیت طاری رہی تھی لیکن اب وہ اچانک بالکل بےحس اور بےنیاز سا ہو گیا۔ بالکل خاموش لیٹا ہوا وہ اس کی ایک ایک جنبش کو، اس کے کپڑوں کی ایک ایک سرسراہٹ کو واضح طور پر سن رہا تھا۔ اب وہ اپنا بیش‌میت اتار رہی تھی، اب اس نے اپنے بوٹ اتار پھینکے تھے اور اب پل ہی بھر بعد پلنگ کے پاس کھڑی ہوئی تھی، کسی شرم و حیا کے بغیر پلنگ پر اپنی جگہ ٹٹول رہی تھی۔ ابائی کو خیال ہی نہیں آیا تھا کہ وہ پلنگ کے بالکل کنارے ہی لیٹا ہوا ہے۔ اچانک اس نے دلدا کو کسی حد تک سخت لہجے میں کہتے سنا:

"ذرا کھسکئے تو!"

تو اس ڈھنگ سے اس نوجوان جوڑے کی پہلی ملاقات ہوئی جن کی شادی کا جشن مسلسل کئی دنوں تک شاندار پیمانے پر منایا گیا تھا، دعوتوں اور دوسرے کاموں پر کثیر رقوم صرف کی گئی تھیں۔ پہلی ملاقات لیکن کتنی بےنیازی کے ساتھ، کتنی حقیر اور معمولی نوعیت کی! ابائی دیوار کی طرف کھسک گیا۔

وہ اپنی سردمہری اور خاموشی کا سلسلہ ختم نہ کر سکا۔ دلدا بھی کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی۔ اس نے خود بھی اذیت برداشت کی تھی کہ اسے عام روایات کے بموجب ایک شخص کی دلھن بنا دیا گیا تھا جو اس کے دل کے لئے اجنبی تھا۔ اس کا

فخر اسے بڑے ضدی انداز میں احساس دلا رہا تھا کہ اس کا شوہر قونان‌بائے کا بیٹا ھے تو وہ خود بھی الشین‌بائے کی پوتی ھے جس کا سارے علاقے میں احترام کیا جاتا ھے۔ گھبراھٹ اور شرم و حیا تو عام لوگوں سے تعلق رکھنےوالی چیزیں تھیں چنانچہ اس نے پرسکون انداز میں وہ سب کچھ کیا جو کچھ کرنے کا اس کی بھابی نے اسے مشورہ دیا تھا۔

ابائی الشین‌بائے کے پڑاؤ پر مزید دو ھفتے مقیم رھا۔ اول‌جان اپنے بیٹے کی روانگی سے پانچ روز قبل ھی چلی گئی لیکن بانکے دولھا کے ساتھ ٹھہرے رھے۔

اس اثنا میں نوجوان میاں بیوی کسی حد تک ایک دوسرے کے عادی ھو چلے تھے۔ بعض اوقات انھوں نے ایک دوسرے سے مذاق بھی کیا تھا اور ساتھ ساتھ قہقہے بھی لگائے تھے۔ ابائی کو دلدا پرکشش اور خاصی خوبصورت معلوم ھوتی تھی۔ دلدا بھی ابائی کے طور طریقوں کو جان پہچان گئی تھی۔ لیکن دونوں میں گہری وابستگی نہ پیدا ھو سکی اور ان کے دل اب بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔

بڑے بوڑھے کسی دولھے کے پہلی بار اپنی سسرال جانے کو اس کا نئی زندگی میں قدم رکھنا تصور کرتے تھے۔ ابائی پرانی زندگی کو پیچھے چھوڑ آیا تھا لیکن اس کے سینے میں نئی زندگی کی ایک چنگاری بھی روشن نہیں ھوئی تھی۔ اس کے برعکس وہ جب گھر واپس گیا تو اسے ایسا لگا جیسے کسی جذبے نے اس کے اندر دم توڑ دیا ھو۔ وہ اچانک اپنی عمر سے کئی سال بڑا معلوم ھونے لگا۔

۲

ابائی گھر واپس ھوا تو تمام قبائلی گروہ چنگیز پہاڑوں سے آگے اپنی موسم گرما کی چراگاھوں کو منتقل ھو چکے تھے۔

تمام توبیق‌تی گروہ آنےوالے زبردست واقعے کی توقع میں زندگی بسر کر رھے تھے۔ ابائی بھی اس کے متعلق راستے ھی میں سن چکا تھا لیکن اب اسے تفصیلات معلوم ھوئیں۔ بچے، نوجوان افراد، بڑے بوڑھے حتی‌کہ معمر آق‌سقال تک ایک اور صرف ایک ھی خیال میں

کھونے ہوئے تھے: بوجیئی کی برسی سے متعلق شاندار ضیافت جو چند دن بعد ہونےوالی تھی، سب کی دلچسپی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

بوجیئی کے رشتےدار اس ضیافت کے سلسلے میں سردیوں سے تیاریں کر رہے تھے۔ موسم بہار میں دعوت‌نامے جاری کر دئے گئے تھے ور تقریبات کی تاریخ اور جگہ کا بھی تعین کیا جا چکا تھا۔ جیگی‌تیک، کوتی‌باق، بوکین‌شی اور تورغئی قبائلیوں نے جنہیں متحد ہوئے اب ایک سال ہو چکا تھا، قازبالا میں موسم گرما کے وسیع اور سرسبز و شاداب میدانوں پر اپنے خیمے نصب کر لئے تھے۔ برسی کی تقریبات کے سلسلے میں شاندار بائیگا* ایک اہم پروگرام تھا اور ریس کے لئے قازبالا کے قرب و جوار کے وسیع علاقوں سے زیادہ موزوں اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔

ابائی اور یربول کو واپس لوٹنے کی بہت خوشی ہوئی کیونکہ الشین‌بائے کے پڑاؤ پر انہیں گھر کی یاد بری طرح ستا رہی تھی۔ یربول خود اپنے قبائلی گروہ کو واپس جانے کے لئے بےتاب تھا۔ یہ گروہ بھی، جیسا کہ اسے معلوم ہوا تھا، برسی کی ضیافت میں حصہ لینےوالا تھا۔

واپسی کے دوسرے روز ابائی نے اپنی ماں سے بہت دیر تک بات‌چیت کی کیونکہ وہ خاندان کے متعلق تمام خبریں جاننے کا مشتاق تھا۔

ماں نے اسے بتایا کہ قونان‌بائے موسم بہار کے اوائل ھی سے بڑے پیمانے پر مشاورتی جلسے کر رہا ھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی ایسی بات کے لئے جس کی گھر کے لوگوں کو خبر تک نہ تھی، بڑے زور و شور سے تیاریاں کر رہا ھے۔ قونان‌بائے نے دعوتوں کے ذریعے جو ختم ہونے کا نام ھی نہیں لیتی تھیں، کسی نہ کسی طرح متعدد جرگوں کو اپنا طرفدار بنا لیا تھا۔ بعض جرگوں کو تحائف کے ذریعے حامی بنا لیا گیا تھا اور بعض کو وعدوں کے ذریعے۔ کچھ جرگوں کو دھمکی‌آمیز پیغامات بھیج‌کر ھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ صرف ایک مہینے کی مختصر مدت ھی میں اس کو اپنے بہت سے نئے حامی مل گئے تھے جن میں قراتائے جیسے اہم اور بااثر افراد بھی

* بائیگا — ریس۔

شامل تھے۔ اس نے اخرکار ان لوگوں کو اپنا طرفدار بنا لیا تھا جو اس کے اور اس کے دشمنوں کے یکساں طور پر رشتےدار تھے اور اس چیز کو بہانہ بناکر جھگڑے میں کسی بھی فریق کا ساتھ دینے سے انکار کر رہے تھے۔ ارغیزبائے سربراہ کی مخالفت اب کوتیباق اور جیگیتیک سمیت صرف تین چار جرگے ھی کر ھے رہے تھے۔

لیکن یہ لوگ موسم سرما ھی سے برسی کے موقعے کی ضیافت سے متعلق تیاریوں میں بہت مصروف تھے۔ قونانبائے کو اس صورت حال کا بخوبی علم تھا اور اس نے سردیوں کے قیام کے میدانوں سے منتقل ھونے سے قبل ان پندرہ سرمائی چراگاھوں کی واپسی کا مطالبہ کر دیا تھا جو حال ھی میں اس سے ان لوگوں کو ملی تھیں۔ ان جگھوں سے ان لوگوں کی املاک کو خزاں تک ھٹا لیا جانا تھا اور وھاں کسی شخص کو مقیم نہیں رھنا تھا کیونکہ یہ زمینیں دوبارہ قونانبائے کے قبضے میں جانےوالی تھیں۔

ھر قبائلی گروہ کو علاحدہ علاحدہ اس سلسلے میں اطلاعات بھیج دی گئی تھیں۔ اسباب نہیں بتائے گئے تھے، صرف حکم دیا گیا تھا اور اُس طرح قونانبائے نے پندرہ میں سے چودہ سرمائی چراگاھیں دوبارہ حاصل کر لی تھیں۔ صرف پندرھویں جگہ کے سلسلے میں اس کی حکمعدولی کی گئی۔

یہ بائیسال کے موسم سرما کے پڑاؤ کی جگہ تھی۔

قراتائے اور جمعہگل نے قونانبائے کا پیغام بائیسال تک پہنچایا تو اس نے جواب دیا:

"وولوست سربراہ تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا۔ ان سے کہنا کہ ھم ایک دوسرے سے بچپن ھی سے واقف ھیں اور اس بات کو ان سے بہتر طور پر اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ میرے پاس زمین نہیں ھے۔ قونانبائے کے پاس زمینوں کی کوئی کمی نہیں۔ پندرہ سرمائی چراگاھوں میں سے چودہ پر تو وہ دوبارہ قابض ھو ھی چکے ھیں۔ مجھے جو حصہ ملا ھے اسے انہیں چھوڑ دینا چاھئے۔ میں نے اس زمین میں رقم لگائی ھے اور وھاں اپنی پسند کے مطابق انتظامات کئے ھیں۔"

قونانبائے اس قسم کے جواب سے سخت برھم ھو گیا اور اس نے اسی رات قراتائے اور جمعہگل کو ایک بار پھر بائیسال کے پاس

بھیجا۔ ان لوگوں کو اس سے کہنا تھا کہ وہ فضول کی بحث اور تکرار ختم کرکے ان زمینوں کو فوری طور پر خالی کر دے۔

قونان‌بائے کی اس ضد اور مطلق‌العنانیت پر بائیسال کا خون کھول اٹھا اور اس نے جواب دیا کہ وہ کسی بھی تصادم کے لئے تیار ہے۔

"میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ صورت‌حال کو سمجھنے سے انکار کر رہا ہے" اس نے کہا۔ "سب سے بڑی توہین یہ نہیں کہ وہ اس زمین پر قبضہ کئے لے رہا ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کی آنکھوں میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جب میں پرامن طور پر چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا تو وہ مسلسل مجھے تنگ کرتا رہا یہاں تک کہ میں اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے پر مجبور ہو گیا۔ یہ زمین ہی تھی جس کے سوال پر اس نے بوجیئی کی زندگی عذاب کرکے آخرکار اسے قبر تک پہنچا دیا۔ کیا میں بوجیئی سے بہتر ہوں؟ میرے پاس کھونے کو ہئی کیا۔ جو کچھ میرا ہے اس سے تو میں دست‌بردار نہ ہوں‌گا! موسم سرما کی ان زمینوں سے میں تو قطعاً نہ ہٹوں‌گا!"

قراتائے، قونان‌بائے کو بات‌چیت کی تفصیلات بتانے لگا تو اس اندیشے سے کہ نئے تصادم کی آگ نہ بھڑک اٹھے، اس نے بائیسال کے جواب کو نرم الفاظ میں بیان کیا لیکن ارغیزبائے سردار کو آسانی سے فریب دینا بھلا کہاں ممکن تھا۔ "یہ بائیسال کا انداز گفتگو نہیں ہے" اس نے سختی سے کہا اور مطالبہ کیا کہ اس نے جو کچھ کہا تھا اسے لفظ بہ لفظ بیان کیا جائے۔ چنانچہ قراتائے نے مجبور ہوکے بائیسال کے الفاظ دوہرا دئے۔

اس روز کے بعد سے بائیسال اور بائےدالی کے خلاف قونان‌بائے کے غصے کی آگ از سرنو بھڑک اٹھی۔ صرف بوجیئی کی برسی کی ضیافت ہی جو عنقریب ہونےوالی تھی، اسے فوراً ہی فیصلہ‌کن اقدامات کرنے سے روکے ہوئے تھی۔ اول‌جان کو معلوم تھا کہ جرگوں کے موسم گرما کی چراگاہوں کو روانہ ہوتے ہی قونان‌بائے اور بائیسال کے گروہوں میں بےشمار چھوٹے چھوٹے جھگڑے اور جھڑپیں ہوئی تھیں۔ قونان‌بائے نے اپنے پڑاؤ، کوتی‌باق قبیلے کے ایک پڑاؤ کے قریب قائم کئے تھے اور وہ اپنے دشمنوں کو مسلسل پریشان کرتا اور ان کے مویشیوں کو چراگاہوں سے بھگاتا رہتا تھا۔ بائیسال بھی انتقامی

کارروائیاں کرتا رھتا تھا اور کوتیباق بانکیہ اس کے پڑاؤ پر رات دن پہرہ دیتے رھتے تھے۔

اب کوتیباق قبائلی کونکیے کے پڑاؤ سے بہت قریب بسے ہوئے تھے اور معمولی سے معمولی ناخوشگوار واقعہ بھی عام جھگڑے کے آغاز کے لئے چنگاری کا کام کر سکتا تھا۔ قونان‌بائے کے ھاتھوں مسلسل تشددآمیز واقعات ھو رھے تھے۔ وہ تصادم کے لئے اپنے دشمنوں کو جان بوجھکر مشتعل کر رھا تھا۔ زرہ اس کے ارادوں کو بھانپ گئی تھی اور دوسروں سے قبل ھی روانہ ھوکے اس نے اپنے گروہ کا پڑاؤ، بائیسال کے پڑاؤ کے بغل میں قائم کر لیا تھا۔ اس نے گلےبانوں اور زیادہ جوشیلے بانکوں کو ناخوشگوار واقعات سے روکے رکھنے اور کونکیے کے گروہ کی طرف سے ھونےوالی بےانصافیوں کی روک تھام کا تہیہ کر رکھا تھا۔

اول‌جان کو ان حملوں اور بوجیئی کی یاد تک سے قونان‌بائے کی نفرت پر بہت صدمہ پہنچا تھا۔ دراصل قونان‌بائے جیگی‌تیک سردار کی قبر پر ایک بار بھی نہیں گیا تھا۔ کیا وہ بوجیئی کی موت کے ایک سال بعد بھی اس سے اپنی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھےگا؟ اول‌جان نے ان تمام باتوں کا گہری ٹھنڈی سانسیں بھر بھرکے ابائی سے تذکرہ کیا۔

ابائی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس نے تمام معاملات پر غور کرنا شروع کیا۔ وہ اس روز بالکل خاموش رھا اور رات میں ذرا بھی نہ سو سکا، بےچینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب اس کی ماں نے اس کے باپ کے تمام جھگڑوں اور مقدمےبازیوں کی تفصیلات اس کے سامنے رکھی تھیں اور اپنی اس تلخی میں جسے وہ برسوں سے اپنی ذات کے اندر چھپائے ہوئے تھی، اسے شریک کیا تھا۔ شاید اس نے سوچا تھا کہ اب ابائی کے لئے اپنے بڑوں کے معاملات میں حصہ لینے کا وقت آ چکا ھے۔ اس نے ساری باتیں بڑی صفائی اور کسی حد تک غصے کے ساتھ بیان کیں۔

یربول اگلے روز دوپہر کے کھانے کے وقت واپس آ گیا اور دونوں دوست فوراً ھی قمیز پینے کے لئے بڑے خیمے کو چلے گئے۔ اچانک قونان‌بائے کی زوردار آواز نے ان کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ اکیلا ھی آیا تھا اور صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ خاصا بھنایا ھوا ھے کیونکہ گھوڑے سے اترتے وقت کسی کو برا بھلا کہہ رھا تھا۔

"ارے جمعہ‌گل، مرزاخان! یہاں آؤ!" خیمے میں داخل ھوتے ھوئے اس نے پکارا۔

دونوں بانکے بڑی فرماں‌برداری کے ساتھ اس کے پاس آئے جبکہ وہ معزز مقام کی طرف بڑھنے لگا۔

"بائیسال نے اپنا پڑاؤ میرے پڑاؤ کے بغل میں محض اتفاقاً ھی نہیں قائم کیا۔ وہ اپنے مویشیوں کے گلوں کو ھماری طرف ھنکا رھا ھے۔ اچھی بات ھے، دیکھتے ھیں اس معاملے میں کس کو بالادستی حاصل ھوتی ھے! اپنے شوق‌پار اور سوئیل لے لو اور جاکے اس کے مویشیوں کو بھگا دو، چراگاھوں کے بالکل آخری سرے تک بھگا دو!"

بانکے فوراً ھی چل دئے اور چند منٹ کے اندر ھی ھتھیاروں کی جھن‌جھناھٹ اور گھوڑے باھر نکالنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

ابائی خیمے سے نکل‌کے کھلی جگہ میں آ گیا۔

"ٹھہرو!" وہ ان کے پاس پہنچ‌کے چلایا۔

بانکے اپنے گھوڑوں پر سوار ھو چکے تھے اور اپنی ٹوپیاں درست کر رھے تھے۔

"تم لوگ کیا کرنے جا رھے ھو؟" ابائی نے سختی سے دریافت کیا۔

"ھم لوگ وھی کریں‌گے جو دھاوا بولے جانے کے موقعے پر کیا جاتا ھے۔ اس میں غیرمعمولی بات کیا ھے؟" جمعہ‌گل نے جھلاھٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"تم اس طرح کی کوئی بات نہیں کروگے! سنو!" ابائی نے کہنا شروع کیا۔

"کیا تمہارے کہنے کا مطلب یہ ھے کہ ھم مرزا کی حکم‌عدولی کریں؟" جمعہ‌گل بیچ میں بول پڑا۔

ابائی کو غصہ آ گیا اور وہ ان لوگوں کے کچھ اور قریب پہنچا۔

"پاگل نہ بنو، ذرا ٹھہرو" وہ چلایا۔ اس کی آنکھیں لال انگارہ ھو رھی تھیں، زرد چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اور مٹھیاں بھنچی ھوئی تھیں۔ بانکے دفعتاً ٹھہر گئے۔

"تمہیں نہ گھوڑوں کو چھونا ھے، مارنا پیٹنا، نہ کہیں بھگانا!

صرف گلےبانوں سے کہہ دینا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو الگ ہنکا لے جائیں۔ اس کے بعد لوٹ آنا!"

"اور ہمیں جو احکام ملے ہیں ان کا کیا ہوگا؟"

"تمہیں جو احکام دئے جانے تھے وہ میں نے دے دئے۔ اس کے علاوہ کچھ اور کرنے کی کوشش کروگے تو پچھتاؤگے!" ابائی نے دھمکی دی۔

اس کی آواز اور تیور دونوں چیزیں کچھ اتنی زیادہ بدلی ہوئی تھیں کہ مرزاخان اور جمعہ‌گل وہاں سے اپنے گھوڑوں پر روانہ ہوتے ہوئے طرح طرح کی غلط‌فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ ابائی خیمے میں واپس آ گیا۔

"اباجان!" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہماری موسم‌گرما کی چراگاہوں میں ہماری ضروریات سے زیادہ چارا موجود ہے۔ آخر آپ کو اتنے زیادہ بخل سے کام لینے اور اپنے رشتےداروں پر غصہ ہونے کی ایسی کیا ضرورت آ پڑی ہے؟"

قونان‌بائے نے اسے سردمہری سے دیکھا۔

"کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ بائیسال کا دفاع کرنےوالا کوئی ہئی نہیں؟" اس نے تلخی سے کہا۔ "یا یہ کہ تمہارے خیال میں اسے ہماری سرمائی زمینوں کو واپس نہ کرنا چاہئیے؟"

"وہ تو خیر سرمائی چراگاہ تھی لیکن یہ تو جائےلاؤ ہے" ابائی اپنی بات پر مصر رہا۔

"کیا ہم لوگ سردیوں کی باتوں کا بدلہ گرمیوں میں جائےلاؤ پر نہیں لیا کرتے؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ اس شخص کے لئے میری بدقسمتی سے فائدہ اٹھانا اور میری زمینوں پر قابض ہو جانا کوئی مناسب بات تھی؟"

ابائی ذرا دیر تک خاموش رہا پھر اس نے حتی‌الامکان پرسکون انداز میں اپنی بات جاری رکھی:

"سچ پوچھئے تو اس ہنگامے کا آغاز بائیسال نے نہیں بلکہ ہم لوگوں نے کیا تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہ برسوں سے موسم سرما کی کسی زمین کے لئے خوشامدیں کر رہا تھا؟ کیا صرف سرمائی زمینوں ہی کے لئے وہ آپ کے ساتھ نہیں ہو گیا تھا اور بوجیئی کی پٹائی میں حصہ لیا تھا؟ اس کے پاس بس وہی تو ایک چھوٹا سا

ٹکڑا ہے اور اسے بھی چھین لینا بےانصافی کی بات ہے۔ دراصل اسی قسم کی باتوں سے۔۔۔"

"بہت ہو چکی تمہاری بکواس!" قونان‌بائے نے اپنے غصے کو قابو میں رکھنے کی حتی‌الامکان کوشش کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھ سے زبان لڑانا تمہارا کام نہیں ہے!"

ابائی پھر خاموش ہو گیا لیکن ذرا ہی دیر بعد بول پڑا:

"ہمارے پاس موسم گرما کی جتنی زیادہ وسیع آراضیات ہیں ان کے مد نظر، صرف ایک چراگاہ کے سوال پر جھگڑا کرنا نازیبا بات ہے۔"

قبیلے کے معاملات زیربحث آتے تھے تو ابائی ہمیشہ اپنے خیالات کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہوئے ڈرتا تھا بس چند محتاط، کمزور قسم کے حملے کہہ کے رہ جاتا تھا جیسے اسے ڈر ہو کہ زبان اس کے خیالات کا ساتھ نہ دے پائے گی۔ لیکن اس وقت اس کی آواز سے ایک نیا اعتماد جھلکتا تھا جس نے قونان‌بائے کو اس کی باتوں پر توجہ دینے پر مجبور کر دیا۔

زرہ اور اول‌جان سن رہی تھیں اور قونان‌بائے نے بیٹھے بیٹھے سوچا کہ شاید وہ دونوں بھی اس کے بیٹے کی ہم‌خیال ہیں لیکن دل کی بات زبان پر لاتے ڈرتی ہیں۔ چند لمحوں تک وہ چپ چاپ بیٹھا رہا پھر پہلو کے بل لیٹ کے ہتھیلی پر سر رکھ لیا۔ ابائی نے فوراً ہی اسے ایک تکیہ پیش کیا جسے اس نے اپنی کہنی کے نیچے دبا لیا، بیٹے کی طرف پیٹھ کر لی اور لیٹے لیٹے سوچتا رہا۔

ابائی کو جھڑکا نہیں گیا تھا اس لئے اس نے ایک دوسرے معاملے میں بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"بچوں کو، خاندان کے تمام ارکان کو اپنی مشکلات میں آپ کو شریک کرنا چاہئے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ وہ آپ سے بات کرتے ڈریں اور ہر چیز آپ سے راز میں رکھیں؟ آپ کو ان کی باتیں سننی چاہئیں، ان کے خیالات سے واقف ہونا چاہئے۔"

کسی پارسا باپ سے گفتگو کرتے وقت مقدس کتاب کی زبان میں بات کرنا اور پہلے اور دوسرے احکام الہی کا حوالہ دینا بہترین طریقۂ کار تھا۔ ابائی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ قونان‌بائے سننے پر آمادہ ہے اور اس کے بیٹے نے اب زیادہ آزادی کے ساتھ کہنا شروع کیا:

"مجھے ایک اور معاملے کا تذکرہ کرنے کی اجازت دیجئے۔ یہ ہے بوجیئی کی برسی کے موقعے پر ہونےوالی ضیافت۔ ان کے رشتےداروں کی حیثیت سے ہم پر بہت سے فرائض عاید ہوتے ہیں جنہیں ہم نے ابھی تک پورا نہیں کیا۔ ماضی کے متعلق بات کرنے کو تو اب بہت تاخیر ہو چکی ہے لیکن اب وہ لوگ اس کے انتقال کے سلسلے میں آخری ضیافت کی تیاریاں کر رہے ہیں جو صرف جیگیتیک جرگے کے لئے نہیں بلکہ خود انسانی ہمدردی کی، عزیزداری اور ضمیر کی بھی آزمائش ہوگی۔ بوجیئی کا انتقال ہوا تھا تو ہم لوگوں کو نظرانداز کر دیا گیا تھا لیکن برسی کی اس ضیافت میں ہمیں اپنا حصہ ادا کرنا چاہئے!"

گزشتہ سال کی توہین قونانبائے کے ذہن میں تازی ہو گئی۔

"آخر میں کیا کر سکتا ہوں؟ مدعو نہ کئے جانے کے باوجود خود کو ان لوگوں پر مسلط کر دوں؟ کیا مجھے وہاں اس لئے جانا چاہئے کہ گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی میرے سینے پر ٹھوکر ماری جائے؟" وہ فوراً ہی تاؤ میں آ گیا۔

"آپ کے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں کو بھیج سکتے ہیں۔ ہم لوگ تقاریب میں شریک ہوںگے اور یہ کافی ہوگا۔ آپ اجازت دیںگے تو اس سلسلے میں ضروری انتظامات میں خود ہی کر لوںگا۔ مجھے صرف ازغوتتی کو اپنے ساتھ لے جانے دیجئے اور ضروری تعداد میں مویشیوں اور دوسری چیزوں کے سلسلے میں اجازت دے دیجئے" ابائی نے زور دیا۔

قونانبائے نے سر اٹھایا، ٹوپی پہنی اور اٹھکے بیٹھ گیا۔ سب کی نظریں اس کے اوپر جمی ہوئی تھیں، نظریں جن میں توقع بھی تھی اور منت سماجت بھی۔

"جو جی چاہے کرو!" وہ ہچکچاہٹ کے ساتھ غرایا۔ "جی چاہے تو بائےدالی اور بائیسال کے پیر چاٹو جاکے۔ مجھے خاک بھی پروا نہیں!" یہ کہہکے وہ خیمے سے باہر چلا گیا۔

بہرحال اس نے اجازت دے دی تھی۔ اس نے ایسا کرنے کے لئے خود کو مجبور محسوس کیا تھا یا یونہی غصے کی شدت میں کہہ دیا تھا؟ اس مسئلے پر ابائی نے غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ اس کے لئے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ اس کا باپ اس

کے راستے میں رکاوٹیں نہ حائل کرےگا۔ اس نے فوراً ھی اپنی ماؤں سے مشورہ کیا اور انہیں اپنے منصوبے کی جس پر وہ احتیاط کے ساتھ اچھی طرح غور کر چکا تھا، تفصیلات بتائیں۔

اگلے روز ابائی، جمعہبائے اور مرزاخان کے ھمراہ قازبالا پہاڑی چوٹی کی طرف بڑھ رھا تھا۔ جیگیتیکیوں اور کوتیباقیوں کے بہت سے پڑاؤ پیچھے رہ گئے۔ آخر وہ بوجیئی کے خیموں تک پہنچ گیا۔

مختلف قبائلی گروہ برسی کی ضیافت کی تیاریوں میں مصروف تھے اور بوجیئی کے پڑاؤ کے نزدیک پہاڑی ڈھلان پر بہت سے خیمے نمودار ھو گئے تھے۔ اس عظیم تقریب کو اب صرف چند روز باقی رہ گئے تھے اور تمام کام جلدی جلدی مکمل کئے جا رہے تھے۔ ہر شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ خیموں سے لدے ھوئے اونٹ چاروں طرف سے لمبی لمبی قطاروں میں وھاں پہنچ رہے تھے۔

ابائی اور اس کے ساتھی پہلے فاتحہ پڑھنے کے لئے سوگ منانے کے خیمے میں گئے۔ "بڑے خیمے" میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ھوئی تھی۔ دائیں جانب وھی سیاہ و سفید پرچم لگا ھوا تھا اور اندرونی حصہ پہلے ھی کی طرح خوب سجا ھوا تھا۔ خیمہ بڑی سنجیدگی اور اداسی کی فضا لئے ھوئے کھڑا اپنے مالک کی موت کی پہلی برسی کا منتظر تھا جس کے کپڑے نہایت ھی عمدہ نمدے کے کمبل پر لٹک رہے تھے۔

تقریب کے انتظامات کے سلسلے میں تفصیلات طے کرنے کے لئے جو لوگ آئے تھے وہ پڑاؤ کے باھر اکٹھا تھے۔ ابائی اور اس کے ساتھی بوجیئی کے خیمے میں قمیز پیکے تازہ دم ھو جانے کے بعد اس نیچی پہاڑی پر چڑھ گئے جہاں ان لوگوں کا جلسہ ھو رھا تھا۔ اس جگہ سے مختلفالنوع کاموں کے سلسلے میں برابر گھڑسوار مختلف جگہوں کو روانہ کئے جا رہے تھے۔ جلسے میں موجود لوگوں میں قبائلی سردار بائےدالی، بائیسال اور سویوندیک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

گزشتہ ایک سال کے دوران بائےدالی نمایاں طور پر سنرسیدہ نظر آنے لگا تھا اور اس کی داڑھی اور سر کے کھچڑی بال بالکل چاندی جیسے سفید ھو گئے تھے۔ ابائی سلام کرنے اور اپنی آمد کا مقصد بیان کرنے کے لئے آقسقالوں کے پاس پہنچا تو وہ اس سے دوستانہ انداز سے ملے جس میں سابق سختی و درشتی کی ذرا بھی

جھجک نہ تھی۔ بائےدالی اور سویوندیک نے اس سے زرہ اور اولجان کی صحت کے متعلق دریافت کیا اور اپنے بغل میں بٹھایا۔ کچھ بانکے قریب ھی کھڑے سرداروں کے احکام کا بڑی توجہ سے انتظار کر رھے تھے۔ ان میں جیرین‌شے بھی شامل تھا جس سے ابائی کی بہت دنوں سے جان پہچان تھی۔ بائیسال کے قونان‌بائے سے جھگڑے کے بعد وہ ابائی سے پہلی بار ملا تھا لیکن جیرین‌شے بھی اس سے دوسروں ھی جیسی گرمجوشی سے پیش آیا۔

ابائی وھاں پہنچا تو قبائلی سرداروں اور بڑے بوڑھوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ذرا دیر تک خاموشی چھائی رھی پھر ابائی بائےدالی سے مخاطب ھوا:

"بائےداش* آغا" اس نے کہنا شروع کیا۔

پھر اس نے موقعے کی مناسبت سے نہایت ھی اچھے الفاظ میں اپنی آمد کے مقصد کی وضاحت کی۔

اس نے بتایا کہ زرہ کی قیادت میں اس کی ماؤں نے خواھش ظاھر کی ھے کہ وہ یہاں اکٹھا ھونےوالوں تک ان کا پیغام پہنچا دے اور یقین دلائے کہ وہ لوگ بھی بوجیئی کی یاد میں ھونےوالی تقریب میں حتی‌الامکان بہتر سے بہتر طریقے سے ھاتھ بٹانے کے خواھاں ھیں۔ گزشتہ موقعے پر ان لوگوں سے بہت دیر ھو گئی تھی لیکن اس بار انہوں نے تاخیر نہ کرنے کا فیصلہ کیا ھے اور ابائی کو انتہائی مخلصانہ خواھشات کے ساتھ یہاں بھیجا ھے۔

بائےدالی نے اس کی باتیں توجہ کے ساتھ سنیں۔

"خدا تمہیں کامیاب کرے! اچھا اب مہربانی کرکے بتاؤ کہ تم کام کا آغاز کس طرح کرنا چاھتے ھو؟"

ابائی نے اپنے اس منصوبے کی وضاحت کی جس پر اس نے ایک روز قبل اپنی ماؤں سے صلاح مشورہ کیا تھا۔

اس نے کہا کہ اسے وادی میں کوئی جگہ بتا دی جائے جہاں وہ مہمانوں کا خیرمقدم کرےگا۔ اس نے وعدہ کیا کہ دس بڑے بڑے خیمے جن میں مجموعی طور پر تین سو افراد کو ٹھہرانے کے لئے کافی جگہ ھوگی، زیادہ سے زیادہ اسی روز شام تک نصب کر دئے

* بائےداش — بائےدالی کا نام احترام کے ساتھ لینے کا انداز۔

جائیں گے۔ وہ ان سب کے لئے غذا اور برتنوں وغیرہ کا خود ہی انتظام کرے گا۔ اس نے کہا کہ آق‌سقالوں کو اس پر بھروسہ کرنا اور اسے مزید ہدایات دینا چاہئے۔ وہ جانتا تھا کہ قرب و جوار میں جتنے بھی قبائلی گروہ مقیم تھے سب اپنے اپنے پڑاؤ پر کسی نہ کسی جرگے کے مہمانوں کا خیرمقدم اور ان کی خاطر مدارات کریں گے چنانچہ اس نے بھی جاننا چاہا کہ بڑے بوڑھے کن مہمانوں کی میزبانی اس کے سپرد کرنا پسند کریں گے۔ اس نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اسے نسبتاً زیادہ معزز مہمانوں کی میزبانی کے فرائض سپرد کئے جائیں تو بہتر ہوگا۔

اس کے بعد بائےدالی، بائیسال اور سویوندیک نے ابائی سے اس معاملے کی مزید تفصیلات پر تبادلہ خیال کیا۔

ضیافت میں بڑے بڑے جرگوں کے نمائندوں کو شرکت کرنی تھی جو بہت ہی دور دراز علاقوں: قارقرالی، جیتی‌سو، ارتیش دریا کے نشیبی علاقوں اور جھیل بال‌خاش کے کناروں پر آباد تھے۔ ان میں خاص طور سے اہمیت رکھنےوالے مہمان بھی شامل تھے جو بوجیئی کے ننھیالی رشتےدار تھے اور نائےمان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک زمانے میں اس قبیلے کا بوجیئی نام کا سردار خاصی شہرت رکھتا تھا۔ کینگیربائے سے اس کی دوستی ہو گئی تھی اور کینگیربائے نے اپنے بیٹے یرعلی کی شادی اسی کی بیٹی سے کر دی تھی۔ یہی دونوں مرحوم بوجیئی کے والدین تھے جس کا نام اپنے مشہور نانا کے نام پر رکھا گیا تھا۔ بائےدالی نے سردیوں میں نائےمان قبیلے کو برسی کی اطلاع دی تھی اور حال ہی میں پتہ چلا تھا کہ بوجیئی کے یہ رشتےدار تقریب میں شرکت کرنے کے لئے آئیں گے۔

"بھئی اگر یہ مہمانوں کے قیام و طعام کی ذمےداری سنبھالنا چاہتے ہیں تو کیوں نہ انہیں بوجیئی کے رشتےداروں کی میزبانی سپرد کر دی جائے" کسی نے تجویز پیش کی۔

ابائی نے اس تجویز کو بخوشی منظور کر لیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے اس مشاورتی جلسے کا اعتماد حاصل ہو گیا تھا کیونکہ ایسے اہم مہمانوں کی خاطر مدارات کرنے میں زبردست ہوشیاری، سلیقے اور احتیاط کی ضرورت تھی۔

"بہت ہی عمدہ تجویز ہے، بائےداش آغا" اس نے کہا۔ "ہم

لوگ بوجے کین کے نائےمان قبیلےوالے رشتےداروں کو اپنا مہمان رکھیں گے۔ ان لوگوں کی میزبانی ہمارے سپرد کر دیجئے۔"

جلسے میں کسی نے اعتراض نہ کیا۔ نائےمان قباتلیوں نے قونان بائے اور بوجیئی کے درمیان صرف جھگڑوں اور تصادموں کے قصے سن رکھے تھے۔ اب وہ خود ہی دیکھ لیں گے کہ مرحوم جیگی تیک رہنما کی یاد کا کس طرح ہر شخص احترام کرتا ہے۔ اس بات کا جلسے میں تذکرہ تو نہیں آیا لیکن ابائی کی طرح دوسرے لوگوں کے ذہنوں میں بھی یہی خیال آیا تھا۔

اس کے بعد ابائی نے کہا کہ اسے ایسے دو بانکے دے دئے جائیں جو دوسرے پڑاوؤں پر ہونےوالی تیاریوں سے بخوبی واقف ہوں۔ بائےدالی نے یربول اور جیرین شے کو نامزد کر دیا۔

اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا اور ابائی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سویوندیک نے مطمئن نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "بری مثال سے بھی زیادہ کوئی چیز متعدی ہوتی ہے؟" اس نے پوچھا۔ "جو لوگ برا چاہتے ہیں وہ عقل کی بھرمار سے ایسا نہیں کرتے اور برائی سے نہ انہیں فائدہ پہنچ سکتا ہے، نہ خوشحالی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ہمیں اس شخص کی کچھ اور زیادہ عزت کرنی چاہئے جو نیکی کی تلاش میں رہتا ہے۔ میں محسوس کر سکتا ہوں، میرے بیٹے کہ تمہارے ارادے مخلصانہ اور تمہارا راستہ صحیح ہے، خدا انہیں کامیابیوں سے ہمکنار کرے" اس نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

ابائی اس مشاورتی جلسے سے بہت خوش ہوا۔ اس کے ساتھ کچھ اس قسم کا سلوک کیا گیا تھا جیسے وہ بھی انہی میں سے ایک ہو۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھوڑے پر سوار ہوکے یربول اور جیرین شے کے ساتھ میدان کا جائزہ لینے گیا جہاں خیمے نصب کئے جا رہے تھے۔ پھر اس نے اپنے بانکوں سے مشورہ کرکے خود اپنے خیموں اور دیگوں کے لئے جگہیں متعین کیں۔ یربول اور جیرین شے نے ان جگہوں پر نشانات لگا دئے اور وہیں ٹھہرے رہے تاکہ اسی روز بعد میں ابائی کے بھیجے ہوئے جو لوگ مویشیوں، خیموں اور برتنوں کے ساتھ آنےوالے تھے، ان سے ملاقات کر سکیں۔

ابائی نے تیزی کے ساتھ فیصلے کئے اور پرسکون اور پراعتماد

انداز سے ضروری ہدایات جاری کیں۔ اس کی روانگی کے بعد جیرینشے نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "ابائی تو پورا آدمی بن گیا ہے! خدا کرے وہ اپنے وعدوں پر پورا اترے..."

"وہ اپنی باتوں سے مکرنےوالا نہیں۔ جتنی باتوں کا وعدہ کیا ہے. سب کو پورا کرےگا! تم خود ہی دیکھ لینا!" یربول نے اسے یقین دلایا۔

ابائی نے اولجان کے پڑاؤ پر سے روانہ ہوتے وقت حکم دیا تھا کہ اس کی عدمموجودگی ہی میں ضروری تیاریاں شروع کر دی جائیں۔ وہاں بہت کچھ کیا بھی جا چکا تھا اور تمام ضروری ہدایات اولجان، ازغوتتی اور قدائےبیردی جاری کر رہے تھے۔ ابائی نے روانگی سے قبل ہی اپنے لاکھی رنگ کے گھوڑے پر ارغیربائے جرگے کے مختلف پڑاوؤں کا بھی دورہ کر لیا تھا۔ اس کا مقصد ان خیموں کا انتخاب کرنا تھا جن کی اسے مہمانوں کے لئے ضرورت تھی۔ دو خیمے جن کے نمدے پرانے ہو چکے تھے، مسترد کر دئے گئے تھے اور ان کی جگہ دوسرے خیمے منتخب کر لئے گئے تھے۔

اس کے واپس آتے ہی دسوں خیمے اکھاڑکے بنڈلوں کی شکل میں باندھ لئے گئے اور شام ہوتے ہوتے ایک لمبا کارواں قازبالا کے لئے روانہ ہو گیا جس کے اونٹوں پر تہہ کئے ہوئے خیموں کے بھاری بوجھ جھول رہے تھے اور عمدہ کمبلوں، دریوں، قالینوں اور گدوں، تکیوں کے بڑے بڑے بنڈل لدے ہوئے تھے۔ اولجان نے برف جیسے سفید تولیوں اور عمدہ کڑھے ہوئے میزپوشوں کا انتخاب خود ہی کیا تھا۔ اس نے چینی کے برتنوں اور کھانا پکانے کے برتنوں کے علاحدہ علاحدہ باندھے جانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ کارواں کے ساتھ منتخب بانکے بھی تھے جن کا کام خیمے نصب کرنا، انہیں سجانا اور مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا تھا۔

ابتدائی اقدامات کئے جا چکے تھے۔ کارواں روانہ ہو گیا تو سب لوگ مزید تفصیلات پر غور کرنے کے لئے "بڑے خیمے" میں اکٹھا ہوئے جہاں یہ طے کرنا تھا کہ ذبح کرنے کے لئے کتنے مویشی منتخب کئے جائیں اور قمیز لے جانے کی کیا صورت ہو۔ اولجان نے باورچیخانے کے انتظامات اور کھانوں کی تیاری کے مسئلے سے خاص طور سے دلچسپی لی اور آگاہی دی کہ ان کاموں میں بہت زیادہ مہارت کی

ضرورت ہوگی۔ آخرکار اس نے طے کیا کہ وہ، آئی‌غیز اور سارئی‌آپا اگلے روز قازبالا جائیں گی۔

"تم لوگوں نے فیصلہ کر لیا ہے" زرہ نے خیمے میں اکٹھا ہونےوالے رشتےداروں سے کہا۔ "اب تمام کام کچھ اس انداز سے انجام دئے جانے چاہئیں کہ میرے بچوں کو دور دراز سے آنےوالے مہمانوں کی نگاہوں میں ذلیل نہ ہونا پڑے۔ تم سب لوگ اگر باوقار طرز عمل اپنانا چاہتے ہو تو تمہیں پرانے لڑائی جھگڑوں کو فراموش کر دینا چاہئے۔ اگر ہم لوگ بوجیئی کی زندگی میں اس کی دوستی کو برقرار نہیں رکھ سکے تو اب بہرحال کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہئے جس کی بنا پر اس کی خاک ہم پر لعنت بھیجے! میرے بیٹو، میری بہوؤ، اپنے مہمانوں سے خوش‌اخلاقی سے پیش آنا، ان پر پوری توجہ مبذول کرنا! سچا آدمی اپنی صلاحیتوں کا ثبوت صرف جنگ اور لڑائی جھگڑے ہی میں نہیں بلکہ دوسرے آدمیوں کے سلسلے میں اپنے طرز عمل سے بھی دیتا ہے۔ تھکن سے تمہاری جان ہی کیوں نہ نکل جائے لیکن اسے کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا! اپنے مہمانوں کی خاطر مدارات خوش و خرم رہتے ہوئے کرنا لیکن نہ زیادہ شور مچانا نہ ہی کسی بات پر ضرورت سے زیادہ زور دینا! پرسکون رہنا، زیادہ بولنا نہیں اور خاکساری دکھانا۔ اگر تم لوگ ناکام رہے تو میں تم سے ابھی کہے دے رہی ہوں کہ اس وقت میں زندہ دفن کر دیا جانا زیادہ پسند کروں گی!"

بڑے قبائلی گروہ کے لوگ تمام رات کام کرتے رہے اور صبح ہوتے ہوتے برسی کی ضیافت کی جگہ کو باورچی‌خانے کے خیمے لےکے ایک اور کارواں روانہ ہو گیا۔ دن طلوع ہو رہا تھا تو اول‌جان، آئی‌غیز اور سارئی‌آپا بھی روانہ ہو گئیں۔ ابائی اور ازعوت‌تی سب سے آخر میں روانہ ہوئے۔

پہلے قافلے کے ساتھ بھیجے جانےوالے خیمے قازبالا میدان میں نصب کئے جا چکے تھے۔ ان کے اندر ضروری سامان بھی رکھ دیا گیا تھا اور انہیں سجا بھی دیا گیا تھا۔ ان کے دروازوں کے قریب ہی بانکے اپنی اپنی جگہوں پر مامور ہو گئے تھے اور ہر دروازے کے پاس قمیز سے بھرا ہوا ایک بہت بڑا برتن رکھا ہوا تھا۔

اول‌جان وہاں پہنچتے ہی بڑی سرگرمی سے مختلف کاموں میں

مصروف ہو گئی۔ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اباتی کے خیمے دوسرے لوگوں کے تمام خیموں کی آب و تاب کو ماند کر دیں گے نیز یہ کہ معزز مہمانوں کے لئے کھانے بہترین بھی ہوں گے اور بہت زیادہ بھی۔ موٹے تگڑے مویشیوں کو دریا کے کنارے ذبح کرکے ان کی کھالیں جھلسی اور دیگوں میں پکانے کے لئے گوشت کی بوٹیاں کاٹی گئیں۔

اباتی کے خیمے اپنی موجودہ شکل میں بھی دوسرے تمام خیموں سے کہیں اچھے، اندر اور باہر سے دیکھنے میں کہیں زیادہ شاندار اور ممتازترین مہمانوں کے قیام کے لئے بہت ہی موزوں تھے۔ سویوندیک اور بائےدالی نے خیموں کا معائنہ کیا اور باورچی‌خانے کے نزدیک اول‌جان سے ملاقات کرنے کے لئے گھوڑوں سے نیچے اترے تو اس کی اتنی زیادہ محنت سے کی ہوئی تیاریوں سے بہت متاثر اور مسرور ہوئے۔

"مہمانوں کے لئے کھانا اور ان کی مناسب خاطر تواضع تو ظاہر ہے کہ بالکل ضروری معاملات ہیں" اول‌جان نے بائےدالی کو ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ "لیکن کل گھڑدوڑ اور کشتی کے مقابلے ہوں گے اور جیتنےوالوں کو انعامات دئے جائیں گے۔ آپ لوگ انعام کے لئے نو* چیزوں کا تعین کر چکے ہیں جن میں اونٹ خاص انعام ہے۔ میرا بیٹا بھی اس سلسلے میں اپنا حصہ ادا کرنا چاہتا ہے اور اس نے مجھ سے یہ لانے کو کہا تھا" اول‌جان نے ریشمی ڈوری سے بندھا ہوا ایک پیکٹ دیا۔ "کسی دوسرے انعام کے لئے نو چیزوں میں اسے خاص انعام کے طور پر شامل کر لیجئے۔"

یہ چاندی کا ایک بڑا سا ڈلا تھا – "تائےتویاق"۔

غروب آفتاب کے وقت جبکہ کھانے تیار ہو چکے تھے، قازبالا وادی میں مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔

پڑاؤ کے باہر ایک پہاڑی پر بائےدالی، سویوندیک اور ازغوت‌تی مہمانوں کا بہت دیر سے استقبال کر رہے تھے جو چاروں طرف سے چالیس چالیس پچاس پچاس کے گروہوں میں برابر چلے آ رہے تھے۔

---

* جیتنےوالے گھوڑے کے مالک کو جو انعام دیا جاتا تھا وہ ایک ایک اونٹ، عقاب، گھوڑے، گائے، بچھیڑے، بھیڑ، بکری، نمدے اور لبادے یا دوسری نو قیمتی چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا۔

مہمانوں کا کوئی گروہ آتا ہوا دکھائی دیتا تو کوئی گھڑسوار بانکا ان کے پاس جاکے دریافت کرتا کہ وہ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ اس کے بعد انہیں اپنے ساتھ ٹیلے پر کھڑے ہوئے قبائلی سرداروں کے پاس لے جاتا۔ عام رواج کے بموجب نوواردوں کے لئے ضروری تھا کہ پہلے وہ برسی کی ضیافت کے میزبانوں کے پاس جاکے ان سے صاحب سلامت اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کریں اس کے بعد ہی ان خیموں کو جائیں جہاں انہیں قیام کرنا تھا۔

ابائی اور اس کے چالیس بانکے اپنے خیموں کے پاس کھڑے ہوئے جیتی‌سو کے ممتازترین مہمانوں کے خیرمقدم کو پوری طرح تیار تھے۔

سورج ڈوبتے ڈوبتے کئی ہزار مہمان آ چکے تھے جن سے جیگی‌تیک، کوتی‌باق اور بوکین‌شی جرگوں کے نصب کئے ہوئے زیادہ‌تر خیمے بھر گئے لیکن ابائی کے مہمان اندھیرا ہونے کے بعد آئے۔

بوجیئی کا ماموں جو خاصا بارعب دکھائی دینے‌والا آق‌سقال تھا، متعدد رشتے‌داروں کے ساتھ آیا اور پہاڑی پر گھوڑے سے اترکے میزبانوں سے ایک ایک کرکے بغل‌گیر ہوا۔ اس کے بعد وہ بوجیئی کے منتخب نانہالی رشتے‌داروں کے درمیان جن کی تعداد تقریباً ساٹھ رہی ہوگی، میزبانوں سے کچھ الگ تھلگ کھڑا ہو گیا۔ ان لوگوں کے پیچھے نائے‌مان قبیلے کے میمنے کی کھال کی ٹوپیاں پہنے ہوئے افراد کی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

ازغوت‌تی اور سویوندیک معزز مہمانوں کو اپنے ساتھ ان کے خیموں تک لے گئے۔ اس گروہ کے باقی افراد ان کے پیچھے پیچھے آئے۔ ان سب کا ابائی اور اس کے بانکوں نے پرتپاک انداز میں خیرمقدم کیا اور گھوڑوں سے اترنے میں مدد کی۔ اس کے بعد سویوندیک نے ابائی کو آق‌سقال کے سامنے پیش کرتے ہوئے بتایا کہ یہ قونان‌بائے کا بیٹا ہے اور نوجوان نے تعظیماً سر جھکاتے ہوئے اس کا خیرمقدم کیا۔

بوجیئی کے رشتے‌دار اپنے گھوڑوں سے اترنے سے پہلے ہی ان دس خیموں کی شان و شوکت سے بہت متاثر ہوئے جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھے۔ جن لوگوں کو دوسرے خیموں میں ٹھہرایا گیا وہ یہ دریافت کئے بغیر نہ رہ سکے: "وہ خیمے کس کے ہیں؟ کن لوگوں کے لئے نصب کئے گئے ہیں؟"

بوجیئی کے معمر ماموں اور کئی دوسرے آق‌سقالوں کو ابائی اپنے ساتھ وسطی خیمے میں لایا جو سب سے زیادہ شاندار تھا۔ دوسرے مہمانوں کا بھی بانکوں نے گرمجوشی سے استقبال کیا اور انہیں خوشی خوشی اپنے ساتھ دوسرے خیموں میں لے گئے۔ بوجیئی کے رشتےدار نائےمان قبائلی اگلے روز ہونےوالی گھڑدوڑ میں شرکت کے لئے ایک سیاہ اور دو سیاہی مائل سفید گھوڑے لائے تھے جن کی ایالوں اور دموں کے بالوں کی بہت احتیاط کے ساتھ چوٹیاں گوندھی گئی تھیں اور پیشانی کے بالوں میں پر بندھے ہوئے تھے۔ ان پر تین پھرتیلے لڑکے سوار تھے۔ ابائی نے ان گھوڑوں اور گھڑسواروں کو اپنے بانکوں کے سپرد کر دیا۔

مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور بڑھتی ہوئی تاریکی میں ان کے لباسوں کو پہچاننا یا یہ طے کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ کس جرگے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ سیاہ گھوڑوں اور کچھ سیاہی مائل سفید گھوڑوں پر سوار تھے اور ان پر روشنی پڑتی تھی تو کاٹھیوں پر جڑے ہوئے چاندی کے پتر چمکتے تھے۔ رات شروع ہوتے ہوتے دس میں سے چھ خیمے بھر گئے۔

آخرکار شور غل کچھ تھما اور ابائی نے یہ سوچ‌کر کہ باقی مہمان کل صبح آئیں‌گے، کھانا لگائے جانے کا حکم دیا لیکن یربول نے اسے روک دیا:

"بہت سے اور مہمان ابھی ابھی آئے ہیں!"

ابائی اور اس کے بانکے فوراً ہی ان لوگوں کا خیرمقدم کرنے گئے۔ قریب ہی واقع سیبان سے جانے کتنے ہی نئے مہمان آ گئے تھے۔ ابائی نے انہیں ان کی قیام کی جگھوں پر پہنچایا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ کھانے کا انتظام کرنے چلا گیا۔ پہلے قمیز پیش کیا گیا پھر چائے، اس کے بعد گھڑسواروں نے گوشت کی پلیٹیں خیموں تک پہنچائیں۔

بوجیئی کے رشتےدار جو طویل مسافت سے تھک گئے تھے، جلد ہی سونے لیٹ گئے اور ابائی کو سیبان قبیلے کے مہمانوں پر توجہ مبذول کرنے کا موقع مل گیا۔ ان کا سردار مغنی شاعر قادربائے تھا جس کے بہت سے گیتوں کو شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ ابائی کو ان میں سے زیادہ‌تر گیت یاد تھے اور اسے اپنے مہمانوں میں قادربائے کو پاکے بہت خوشی ہوئی۔

اس سن‌رسیدہ شخص کو بتایا گیا کہ وہ اور اس کے ساتھی جن خیموں میں ٹھہرے ہوئے ہیں، قونارباٸے کے ہیں۔ ویسے اس کو بہترین کھانے، قیمتی برتن اور مٹھائیوں کی افراط دیکھکے خود بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ تمام انتظامات ایک نوجوان یعنی قونارباٸے کے بیٹے نے کئے ہیں۔ ابائی اس سے ملنے آیا تو سن‌رسیدہ مغنی اس سے بڑی مخلصانہ گرمجوشی سے پیش آیا۔

اس نے ابائی کو اشارے سے اپنے پاس بلاکے خود اپنے ہاتھوں سے ایک پیالہ قمیز پیش کیا۔ ابائی اس سفیدریش بوڑھے سے جس کے چہرے سے دوستی جھلکتی تھی، بہت متاثر ہوا۔ قادربائے نے اس کے والدین کی صحت کے بارے میں دریافت کیا اور توجہ اور خاطر مدارات کے لئے شکریہ ادا کیا۔

ابائی نے اس سے کوئی سوال نہ پوچھا، صرف قادربائے کے سوالات کے مختصر، تلے تلے جوابات دیتا رہا۔ اس کے رویے سے اس معزز مہمان کو جیسا کہ صاف ظاہر ہو رہا تھا، خوشی ہوئی اور اس نے اسے باتیں کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

"مغنی برلاس نے" اس نے کہنا شروع کیا۔ "ایک بار مجھے بتایا تھا کہ قونےکین کے ایک بیٹا ہے جو ابھی ابھی اسکول سے فارغ‌التحصیل ہوکے آیا ہے۔ مجھے اگر ٹھیک سے یاد ہے تو اس نے کہا تھا کہ اول‌جان کے اس بیٹے کی پرورش زرہ نے کی ہے اور یہ نوجوان گیتوں کا بہت دلدادہ ہے۔ کہیں وہ تمہی تو نہیں ہو؟"

ابائی شرماتے ہوئے مسکرایا۔

"جی ہاں، مغنی برلاس ایک بار ہمارے یہاں آئے تھے" اس نے جواب دیا اور قادربائے کو جس کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں، دیکھا۔

"تمہارے والد گیتوں سے محبت کے معاملے میں کوئی نمایاں مقام نہیں رکھتے" بوڑھے نے اپنی بات جاری رکھی۔ "لیکن میری اس بات کا برا نہ ماننا، میں ان کا ہم‌عمر ہوں اور ان کے سلسلے میں اپنے خیالات کا آزادی سے اظہار کر سکتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں گیتوں سے اتنی گہری دلچسپی کیسے پیدا ہوئی؟"

ابائی جواب دینے ہی والا تھا اور الفاظ اس کے ہونٹوں تک آ چلے تھے لیکن اتنے میں اسے خیال آیا کہ میزبان کے لئے زیادہ باتیں کرنا

مناسب نہیں ہوتا اور سن‌رسیدہ اور قابل احترام آق‌سقال کی بات کا لفظوں سے جواب دینے کو مہمان بہت ممکن ہے غیرمہذب رویہ تصور کریں۔ چنانچہ اسے کچھ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔

قادربائے نے اس کی اس کیفیت کو بھانپ لیا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کچھ کہنا چاہتے ہو! بولو، کہو نا" اس نے ابائی کی حوصلہ‌افزائی کی۔

"آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں، قاد ایکے" آخرکار ابائی نے کہا۔ "میرے الفاظ مسئلے سے غیرمتعلق معلوم ہوں تو مجھے معاف کیجئےگا لیکن یہ بتائیے کہ کوئی ایسا شخص بھی زندہ ہے جو سوا اس حالت کے کہ کان اور دماغ کا بہرہ ہو، گیتوں سے محبت نہ کرتا ہو؟ مجھے یقین ہے کہ ایسے گیت موجود ہیں جن کو میرے والد بھی بہت پسند کرتے ہیں۔"

اس خیمے میں بات‌چیت ذرا بھی پھیکی نہ پڑی اور رات گئے تک کسی کو سونے کا خیال تک نہ آیا۔ آخرکار جب ابائی اور اس کے بانکے مہمانوں کے بستر درست کرکے باہر نکلے اور خیمے کے دروازے پر پڑا ہوا پردہ گرا دیا تو مشرق میں سفیدی نمودار ہو رہی تھی اور قازبالا کے جنوب میں خوابیدہ پہاڑی ڈھلانیں روشن ہونے لگی تھیں۔ ستارے روپوش ہو چکے تھے اور علی‌الصباح کی خفیف روشنیوں نے تنہا پہاڑی چوٹی کو جو بےخوابی کے عالم میں پستی میں ناہموار چٹانوں اور ابھی نظر نہ آنےوالے دروں اور گھاٹیوں کو تکے جا رہی تھی، بےحد نمایاں کر دیا تھا۔

باورچی‌خانے کے خیموں کی طرف جاتے ہوئے ابائی، یربول اور ازغوت‌تی دبی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔

"ارے صبح ہو گئی! اب تو ہمیں خاک بھی سونے کو نہ ملےگا۔"

"ہاں، اب سونے کا کیا سوال۔"

ان لوگوں نے طلوع ہوتے ہوئے دن کے سلسلے میں جو بلاشبہ سب سے دشوار ثابت ہونےوالا تھا، تیاریاں شروع کر دینے کا فیصلہ کیا۔

ابائی کے مہمان دو پہر کے کھانے کے وقت تک اپنے خیموں میں رہے۔ کھانے کے وقت اس نے ایک ایسی نئی بات کی جس سے مہمانوں، تماشائیوں اور باورچی‌خانے کے خیموں میں کام کرنےوالوں — سب کو

خوشی ہوئی۔ خیموں تک کھانا لانے کے لئے جن بانکوں کا انتخاب کیا گیا وہ تیز قدم‌باز گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کی کاٹھیوں پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔ ہر آدمی کے سر پر سفید ریشمی رومال بندھا ہوا تھا اور یہ لوگ باورچی‌خانے کے خیموں سے گرما گرم بھاپ نکلتی ہوئی گوشت کی پلیٹیں سنبھالے ان گھوڑوں پر تیزی سے مہمانوں کے خیموں کی طرف لپکتے تھے تو کاٹھیوں کی چاندی کی چمک استیپیوں میں پھیلتی ہوئی سی معلوم ہوتی تھی۔ بوجیئی کے عزیزوں کو اپنے میزبانوں کے انتظامات میں ایک بھی نقص نہ مل سکا اور ضیافت تمام توقعات سے کہیں بہتر ثابت ہوئی۔

دعوت ختم ہوتے ہی بائیسال اپنے پندرہ بانکوں کے ساتھ ایک پرچم بلند کئے ہوئے اپنے گھوڑے پر پہاڑی چوٹی تک گیا۔ یہ تمام لوگوں کے لئے اشارہ تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر کاٹھی کسیں اور وہیں پہنچ جائیں۔ شاندار گھڑدوڑ جو ضیافت کا سب سے دلچسپ پروگرام تھی اور جس کے بعد کشتی کے مقابلے ہوتے تھے، شروع ہونے کو تھی۔ دوڑ میں حصہ لینے کے لئے منتخب کئے جانےوالے گھوڑے جن کی ایال اور دم کے بال سلیقے سے گندھے ہوئے تھے، پروقار انداز میں چلتے ہوئے مقابلے کے میدانوں میں اکٹھا ہونے لگے۔ ہجوم میں پراشتیاق شور غل بلند ہونے لگا۔

ابائی کو یہ دیکھنے کا موقع نہ مل سکا کہ کتنے لوگ گھڑدوڑ دیکھنے جا رہے ہیں۔ وہ دوسروں کے ساتھ وہاں نہیں جا سکتا تھا کیونکہ دور دراز سے آئے ہوئے اس کے مہمانوں کے اس روز رخصت ہو جانے کا امکان نہ تھا اور اسے ان کے رات کے کھانے کے سلسلے میں ضروری انتظامات کی نگرانی کرنی تھی۔ وہ اور ازغوت‌تی بری طرح مصروف تھے۔ ان کے بانکے بھی ان کی مدد کر رہے تھے کیونکہ انہیں گھڑدوڑ دیکھنے کے لئے جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ ایک یربول ایسا تھا جس کے لئے ٹھہرے رہنا ممکن نہ ہو سکا۔

"میں تمہیں ساری خبریں بہرحال بتا دوں‌گا! میں تمہیں مطلع کرتا رہوں‌گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے!" اس نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے چلاکے ابائی سے کہا۔

اور اس نے کیا بھی یہی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد واپس آکے تازہ‌ترین خبریں اسے بتا جاتا تھا۔ مجموعی طور پر کتنے لوگ اکٹھا

ہوئے تھے اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اس کو یقین تھا کہ کم از کم کئی ہزار افراد اکٹھا ہو گئے ہوں گے۔

ابائی کے مہمان گھڑدوڑ شروع ہونے کے اشارے کے انتظار میں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے۔ آخرکار بائیسال نے مقابلہ شروع ہونے کا نعرہ لگایا، پرچم کو بلند کیا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا قراشوقی کی طرف چل دیا جہاں کے کشادہ میدان گھڑدوڑ کے لئے قابل تعریف حد تک موزوں تھے۔ اشارہ ملتے ہی تمام گھڑسوار آگے بڑھے۔ ابائی دیکھ رہا تھا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خیموں کے باہر بلند جگہوں پر کھڑے ہوکے اول‌جان، آئی‌غیز اور ان کے نوکر گھڑسواروں کو جن کا سلسلہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا، حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

لیکن ان لوگوں کو گھڑسواروں کے پاس ہجوم کا صرف ایک ہی بازو دکھائی دیا۔ دراصل ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ دوسرے بازو تک نگاہ ہی نہیں پہنچتی تھی۔ ان کے جھنڈ کے جھنڈ یکے بعد دیگرے تیزی سے گزر رہے تھے جیسے ہوائیں بادلوں کو اڑائے لئے جا رہی ہوں۔ تقریباً ہر وہ شخص جو گھوڑے پر سوار ہو سکتا تھا، گھڑدوڑ دیکھنے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا۔

یربول نے آکے بتایا کہ مقابلے میں ڈیڑھ سو گھوڑے حصہ لیں گے۔ پہلے دن کے مقابلے کے انعامات میں خاص انعام اونٹ اور دوسرے دن کے مقابلے میں خاص انعام اول‌جان کا دیا ہوا چاندی کا ڈلا تھا۔ اسی طرح پہلوانوں کو بھی نو انعامات ملنےوالے تھے۔

دو پہر کو اول‌جان نے ابائی کو بلاکے کہا کہ مہمان مزید ایک روز ٹھہر گئے تو ان لوگوں کے پاس کھانے کا سامان ختم ہو جائےگا۔ اس صورت میں ابائی کے گھڑدوڑ دیکھنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ اس نے مرزاخان اور ازغوت‌تی کو گھر روانہ کیا اور کہا کہ قدائےبیردی سے کہنا کہ وہ فوری طور پر پانچ دو سالہ موٹے تگڑے گھوڑے بھیج دے نیز اس بات کا خیال رکھے کہ اگلے روز کے لئے بھی قمیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ زیادہ‌تر مہمان اسی شام کو واپس جانےوالے تھے لیکن ابائی کے مہمانوں کو مزید ایک دن ٹھہرنا تھا۔

مہمان غروب آفتاب کے وقت تھکن سے چور اور پیاس سے نڈھال

واپس لوٹے۔ گزشتہ شام کی طرح اس شام بھی بانکوں نے دوستانہ انداز میں ان کا خیرمقدم کیا اور ان کی ھر طرح سے مدد کی۔ یہ لوگ ٹھنڈے قمیز سے پیاس بجھا چکے تو انہیں چائے پیش کی گئی۔ دو دو بانکے بڑے بڑے سماوار جن سے بھاپ نکل رھی تھی، لائے اور خیموں کے اندر کی فضا جلد ھی پرمسرت اور آرامدہ ھو گئی۔ کھانے گزشتہ شام سے بھی زیادہ عمدہ تھے اور ان کی افراط بھی تھی۔ اندھیرا ھونے کے بعد بائےدالی، بائیسال اور سویوندیک بھی ان مہمانوں سے آ ملے۔ ان لوگوں کو اولجان نے خاص طور سے مدعو کیا تھا تاکہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ انواع و اقسام کے کھانے کتنی فیاضی کے ساتھ کھلائے جا رھے ھیں اور ارغیزبائے جرگا میزبانی کے معاملے میں کتنی گرمجوشی دکھا رھا ھے۔

ابائی کو اس رات بھی پلک جھپکانے کا موقع نہ مل سکا۔ دراصل اس کے لئے جوش و خروش اور فکروں سے بھری ھوئی یہ تیسری رات تھی جبکہ اسے سونے کا ذرا بھی وقت نہیں ملا تھا۔

اگلے روز ابائی نے ھدایت جاری کی کہ مقررہ وقت سے پہلے ھی دوپہر کا کھانا کھلا دیا جائے۔ کھانے سے فارغ ھونے کے بعد بوجیئی کے ماموں نے ابائی کو بلاکے خلوص دل سے دعائیں دیں اور میزبانی کے لئے پرتپاک انداز میں شکریہ ادا کیا۔

اولجان، ازغوتتی اور یربول یہ دیکھکے خاصے فکرمند ھو گئے کہ ابائی گزشتہ چند دنوں میں کتنا زیادہ بدل گیا ھے۔ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا، راتوں کو جاگتے جاگتے آنکھیں سرخ ھو رھی تھیں اور دیکھنے میں سخت بدحال نظر آتا تھا۔

ازغوتتی اور یربول بھی تھکن سے چور ھو چکے تھے اور تینوں اپنی صورت شکل کے بارے میں آپس میں مذاق کرنے لگے۔

"ھم لوگ قراشا کے اس بوڑھے ٹٹو جیسے لگتے ھیں جسے دوپہر کی گرمی پورے شباب پر ھونے کے وقت گھڑ دوڑ میں بھیجا گیا تھا" یربول نے ھنستے ھوئے کہا۔

"کاش جہاں میں کھڑا ھوں وھیں ڈھیر ھوکے سو جاؤں۔ میری تو بس یہی ایک خواھش ھے" ابائی نے تسلیم کیا۔

لیکن اتنے ھی میں ان لوگوں کو بائےدالی نے بوجیئی کے خیمے میں بلا بھیجا۔ دراصل برسی سے متعلق رسوم ابھی مکمل نہیں ھوئی

تھیں: سوگ منانے سے متعلق گھوڑوں کو ذبح اور بوجیئی کے خیمے کے زیورات کو تقسیم کیا جانا باقی تھا۔

اس رسم میں مرحوم کے قریبی رشتےدار شرکت سے انکار نہیں کر سکتے تھے اس لئے تمام توبیق‌تی لوگ، بوجیئی کے ماموں کی قیادت میں آخری رسوم کی ادائیگی کے لئے تیار ہو گئے۔ بائےدالی بہت سے رشتےداروں کے ساتھ بوجیئی کے خیمے کے سامنے پہنچا تو عورتیں جو سال بھر سے سوگ منا رہی تھیں، ان لوگوں سے ملنے کے لئے باہر نکلیں۔ بائےدالی نے سیاہ و سفید پرچم اکھاڑکے بائیسال کو دے دیا جس نے رواج کے بموجب اسے زمین پر پھینک دیا اور جس بلی پر یہ لہراتا رہا تھا، اسے توڑ ڈالا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ سال بھر کا سوگ ختم ہو گیا۔

بائےدالی کے اشارے پر سویوندیک کی قیادت میں ایک ہجوم سوگ سے متعلق زیورات ہٹانے کے لئے اندر داخل ہوا۔ سوگ کے ایام ختم ہونے کی یہ دوسری علامت تھی۔ بوجیئی کی بڑی بیوہ اور اس کی بیٹیوں نے اندر آنےوالوں کی طرف پیٹھ کرکے ماتمی نوحہ پڑھنا شروع کیا۔ سننےوالے چپ‌چاپ بیٹھے آنسو بہاتے رہے۔ بوجیئی کے انتقال سے متعلق یہ آخری نوحہ تھا۔ اس کے بعد آخری قرآن‌خوانی ہوئی اور آخری فاتحہ پڑھا گیا۔ پھر سب لوگ اٹھ‌کے باہر چلے آئے۔

اب سوگ سے متعلق دونوں گھوڑے جو خاصے موٹے اور تیز و طرار ہو گئے تھے، خیمے کے سامنے لائے گئے۔ متعدد رشتےداروں نے جن کی آنکھوں میں آنسو منڈلا رہے تھے، انہیں زمین پر گرایا اور خود بائےدالی نے انہیں ذبح کیا۔

بائیسال جس نے سوگ کے پرچم کی بلی توڑی تھی، سویوندیک جس نے زیورات ہٹائے تھے، اور بائےدالی جس نے گھوڑوں کو ذبح کیا تھا تینوں بوجیئی کے قدیم‌ترین اور قریب‌ترین احباب تھے، اسی لئے آخری رسوم انہی کے ہاتھوں ادا ہوئیں۔

سوگ سے متعلق آخری کھانا جو ذبح کئے جانےوالے ان گھوڑوں کے گوشت پر مشتمل تھا، کھائے بغیر کوئی شخص وہاں سے نہیں ہٹ سکتا تھا اور ابائی کے لئے انتظار کرنا سخت دشوار ثابت ہوا۔

سوگ‌والے خیمے میں آخری کھانا کھا لیا گیا تو وہ قبائلی سرداروں

سے رخصت ہوکر اپنے پڑاؤ کے لئے روانہ ہونے لگا۔ اتنے ہی میں بائیسال نے اسے اپنے پاس بلاکے اپنے رخساروں سے اس کی پیشانی چھوئی اور کہا:

"میرے بیٹے، تم سے مجھے ابھی تک بات کرنے اور جو کچھ میں محسوس کرتا ہوں اسے کہنے کا موقع نہیں مل سکا لیکن مجھے یہ بات یاد رہی ہے کہ ایک بار قارقرالنسک میں بوجےکین تمہارے اقدام سے متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے تمہیں دعائیں دی تھیں۔ تمہیں ان کے الفاظ یاد ہیں؟ انہیں دراصل تم سے بہت سی توقعات تھیں اور اسی وجہ سے تمہیں دعائیں دی تھیں۔ اس موقعے پر میں تم سے سردمہری کے ساتھ پیش آیا تھا لیکن اس کے بعد سے میں بار بار سن چکا ہوں کہ تم نے انصاف کے لئے آواز بلند کی ہے۔ گزشتہ ان چند دنوں میں بھی تم نے خود کو بوجےکین کا سچا بھائی ثابت کیا ہے۔ بیٹے، اپنے سب سے معمر رشتےداروں کی امیدوں کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرنا! مجھے یقین ہے، میری آنکھوں کے نور، کہ تم ایسا ہی کروگے! کاش کہ ہماری یہ لعنتزدہ زندگی تم سے فاش غلطیاں نہ کرائے۔ مستقبل تمہارے سامنے ہے اور تمہارا راستہ صحیح ہے۔ خدا تمہیں کامرانیوں سے ہمکنار کرے!" بائیسال نے ابائی کو دعائیں دیں۔

بائےدالی، سویوندیک اور قولینشاق نے بھی ابائی کے متعلق بائیسال کے خیالات کی خلوص دل سے تائید کی اور اسے دعائیں دیں۔ ابائی ان دوستانہ اور نیک تمناؤں کے لئے آقسقالوں کا شکریہ ادا کرکے ان سے رخصت ہوا۔

وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوکے یربول کے ساتھ چل پڑا۔

اپنے پڑاؤ پر پہنچ کر وہ بڑے خیمے میں داخل ہوا اور اپنی دادی اماں کو سلام کرنے کے بعد چیخ اٹھا:

"نیند، نیند!.. مجھے سونا چاہئے!"

وہ تھوڑے تھوڑے وقفوں کو چھوڑکر پورے دو دنوں تک سوتا رہا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ لوگوں کی عام باتوں اور افواہوں نے اسے بہت ہی مشہور اور انتہائی قابل احترام بانکے کی شان عطا کر دی ہے۔

بلندیوں پر

۱

کئی سال بیت گئے۔ ابائی اور دلدا کا پہلا بیٹا عاقل‌بائے ان کی شادی کے سال بھر بعد پیدا ہوا تھا۔ پھر ان کی بیٹی گل‌بدن پیدا ہوئی جو اب سال بھر کی تھی اور دلدا کے تیسرا بچہ ہونےوالا تھا۔

ابائی خود کو کسی طرح اس خیال کا عادی ھی نہیں کر پا رہا تھا کہ اب وہ ایک خاندان کا سربراہ ھے اور اسی بات کو دیکھ کر اول‌جان نے عاقل‌بائے کو خود اپنی نگرانی میں لے لیا تھا اور بیٹے کی طرح اس کی پرورش کر رھی تھی۔ بچہ بولنے لگا تھا لیکن ابائی کو اپنے باپ کی حیثیت سے نہیں پہچانتا تھا۔ وہ تو ایک اجنبی تھا جو "بڑے خیمے" میں صرف کھانا کھانے آتا اور اس کے بعد پھر کہیں غائب ھو جاتا تھا۔ جہاں تک ابائی کا تعلق تھا وہ خود بھی بچے کے لئے کسی قسم کی محبت یا لگاؤ نہیں محسوس کرتا تھا۔ ابائی کے نزدیک یہ لڑکا جو بہت جلدی پیدا ھو گیا تھا، اس کی نوجوانی کے خاتمے کی علامت تھا۔

اس پہلے بچے کی پیدائش کے وقت ابائی صرف سترہ سال کا تھا۔ اس نے شادی کو ایک طرح کی ناگزیر آزمائش تصور کیا تھا جسے بہرحال جھیلنا تھا۔ شادی کے سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر باپ بن جانا اسے قسمت کا ایک نہایت بھیانک مذاق سا، اپنے جسم پر تقریباً ایک پرتشدد عمل سا معلوم ھوا۔ عاقل‌بائے کی پیدائش کے روز اس کی حالت یہ تھی کہ لوگوں کی مبارک‌بادوں اور شور غل کو بمشکل ھی برداشت کر سکا۔

"تمہارے بیٹا پیدا ھوا ھے، تم باپ بن چکے ھو! الحمدلله!" ابائی کے رشتےداروں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کہا۔

وہ تیزی سے باہر نکلا، کودکے گھوڑے پر چڑھا اور استیپیوں میں غائب ہو گیا۔ اس نے پانچ روز گھر سے باہر گزارے یہاں تک کہ اس کے خاندان میں مسرت کا ابتدائی جنون سرد پڑ گیا۔

ننھی گل‌بدن کی پیدائش پر بھی ابائی کو کوئی خوشی نہ ہوئی۔ وہ بھی مستقلاً بڑے خیمے میں رہتی تھی اور مائیں اس پر جان چھڑکتی رہتی تھیں۔ وہ شکل و صورت کے معاملے میں بالکل دلدا پر پڑی تھی، ابائی سے ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتی تھی اور ہمیشہ روتی رہتی تھی۔ چیخ پکار کرنےوالی اس ننھی بچی کو شام کو اندھیرا ہونے کے بعد ہی کوئی ابائی کے خیمے میں پہنچا جاتا تھا۔ رات میں وہ زور زور سے روتی رہتی تھی جیسے اسے اس طرح اپنے باپ کی توجہ مبذول کرانے کی امید رہتی ہو لیکن ابائی تو محض ٹھنڈی سانسیں بھرکے رہ جاتا تھا۔

"اس کی چیخیں سن‌کے رات میں آدمی یوں اچھل پڑتا ہے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو" اس نے شکایتی انداز میں کہا اور پھر وہ اس چھوٹی بچی کو "زرد بچھو" کہنے لگا۔

یہ "زرد بچھو" ایک روز شام کو جبکہ دلدا نے اسے بستر پر لٹا دیا تھا، زور زور سے چیخیں مار رہی تھی۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور کمرے میں تقریباً اندھیرا چھایا تھا لیکن دلدا نے ابھی تک نہ لیمپ جلایا تھا، نہ ہی بستر درست کئے تھے۔ وہ بچی کی پلنگڑی کے قریب کمبل پر لیٹی آرام کر رہی تھی۔ گل‌بدن معمر ماؤں کے "بڑے خیمے" سے تھوڑی ہی دیر قبل لائی گئی تھی اور کسی طرح سو ہی نہیں رہی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اپنے نہ سونے کی خواہش کا بڑی پریشانی کے ساتھ زور زور سے رو کے اظہار بھی کئے جا رہی تھی۔

ابائی کچھ دوستوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ باہر برف کا شدید طوفان آیا ہوا تھا اور ان بانکوں کے کپڑوں پر برف کے ننھے ننھے گالے پڑے ہوئے تھے۔ یہ لوگ ایک ایک کرکے اندر داخل ہوئے اور ان کے ساتھ سرد ہوا گھر میں داخل ہو گئی۔ دلدا نے سر اٹھایا: اس نے قدموں کی آہٹیں سنی تھیں اور سرد ہوا کے جھونکے کو محسوس کیا تھا۔

"ارے بھئی دلدا، روشنی کرو نا" ابائی نے دروازے پر اپنے

لبادے سے برف جھاڑتے ہوئے کہا۔ "اور اس عذاب جان لڑکی کو یا تو خاموش کر دو یا اسے بڑے خیمے میں لے جاؤ۔"

دلدا نے چراغ روشن کیا، مہمانوں کے لئے کمبل بچھائے اور گل‌بدن کو گود میں اٹھا لیا۔ نوکرانی نے اندر آکے مالکن سے سرگوشیوں میں کچھ باتیں کیں اور کھانا تیار کرنے لگی۔

ابائی کے ساتھی اس کے پرانے دوست تھے۔ یربول، جیرین‌شے اور توغ‌جان کا بھائی اصیل‌بیک جو گزشتہ چند برسوں میں ابائی کا دوست بن گیا تھا۔ ایک اور مہمان، قومین کا بیٹا بازارعلی تھا۔ وہ قونان‌بائے کے دشمن، جیگی‌تیک جرگے سے تعلق رکھتا تھا اور اس منحوس دن جبکہ بوجیئی کے کوڑے مارے گئے تھے، اس نے ہتھیار ہاتھ میں لےکے ارغیزبائیوں کے خلاف بوجیئی کا دفاع کیا تھا۔ پھر بھی وہ ابائی سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ دراصل اس کی بہادری، دانش‌مندی اور اپنے خیالات پر بےباکی سے اڑے رہنے کی صلاحیتوں کی بنا پر ابائی بازارعلی کی بڑی قدر کرتا تھا۔ تیس سال کی عمر والا یہ شخص ابائی کا سب سے زیادہ عمر والا دوست تھا۔

بازارعلی نے اندر آکے لبادہ اتارا اور فرش پر بچھے کمبل پر بیٹھ‌کے بڑی اداسی کے ساتھ کہا:

"اس برفباری نے بھی ہمارے لئے کیا مصیبت کھڑی کر دی! آج پھر برف کا طوفان آیا! تمام وقت برفانی طوفان جاری رہتا ہے۔ ژوت کسی کو بھی معاف نہ کرےگا۔ غریبوں کے خاندانوں کو تو تباہ و برباد ہی کر دےگا!"

اس نے اپنی لمبی سیاہ داڑھی ہاتھ سے تھام لی اور خاموش ہو گیا۔

دلدا نے ایک نیچی گول چوکی بچھا دی اور بانکے اس کے کنارے کنارے بیٹھ گئے۔

ابائی ان برسوں میں بہت زیادہ بدل گیا تھا۔ اب اس کے شانے کشادہ اور طاقتور تھے۔ اس کے چہرے کے تیکھے نقوش اس کے طویل گٹھے ہوئے جسم پر بہت اچھے لگتے تھے۔ سیدھی پتلی ناک اب کچھ بڑی معلوم ہوتی تھی اور بےباک پیشانی کنپٹیوں کے قریب زیادہ کشادہ ہو گئی تھی۔ اس کی لمبی لمبی آنکھیں ہمیشہ کی طرح بہت واضح طور پر چمک رہی تھیں اور ان میں دھکتی ہوئی آگ اس نوجوان

کے چہرے کو کچھ ایسی کیفیت عطا کر رہی تھی جس کی بنا پر وہ دوسروں سے بہت زیادہ ممتاز نظر آتا تھا۔ اس کے کالے چہرے پر جو اس وقت سردی سے سرخی مائل ہو رہا تھا، بہت ھلکی ھلکی مونچھیں دکھائی دے رہی تھیں۔

ابائی کو خوبصورت تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن جو بھی اس سے ملتا تھا، اسے فوراً ھی پسند کرنے لگتا تھا۔

بانکوں نے جوان جوڑے کے اس خیمے میں ھنسی خوشی شام گزاری ہوتی لیکن بازارعلی کے تشویش بھرے الفاظ نے انھیں فکروں میں غلطاں کر دیا۔

بازارعلی کو چھوڑکے باقی نوجوان دوست تین دن ایک ساتھ گزار چکے تھے۔ بازارعلی اسی روز پہاڑی پڑاوؤں سے واپس ھوا تھا جہاں بہت سی سرمائی چراگاھیں واقع تھیں۔ ابائی کو وھاں کی صورت حال کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی فکر ھوئی:

"وھاں ژوت نے بہت زیادہ تباھی پھیلائی ھے کیا؟ تمام قبائلی گروہ متاثر ھوئے ھیں یا صرف چند ھی؟ عوام بہت زیادہ پریشانی میں ھیں کیا؟"

اصیل‌بیک، جیرین‌شے اور یربول بازارعلی کی طرف دیکھنے لگے جس کے جواب سے سخت مایوسی جھلکتی تھی:

"کہیں بھلا ایسا بھی ھوتا ھے کہ یہ آفت کسی پر نازل ھو، کسی پر نہ ھو؟ چاروں طرف مصائب کا دور دورہ ھے۔ بڑا بھیانک ژوت ھے اور مویشیوں کو ھلاک کئے دے رہا ھے۔ جب ھم "عوام" کہتے ھیں تو ھماری مراد زیادہ‌تر لوگوں سے ھوتی ھے اور میں تم لوگوں کو بتاتا ھوں کہ عوام اس وقت سخت مصائب کا شکار ھیں۔ برفباری کے اسی طوفان کو لے لو۔ مسلسل تین دنوں سے جاری ھے۔ عوام تو آس لگائے بیٹھے تھے کہ بہار کے ساتھ ھی موسم نسبتاً گرم ھو جائےگا لیکن ان طوفانوں اور برفباری سے تو سردیوں کا بدترین زمانہ پھر واپس آ گیا ھے۔ اس مصیبت سے شاید ھی کوئی بچ نکلے..."

"لیکن مجھے تو یقین ھے کہ صرف بھیڑیں ھی مر رھی ھیں۔ مویشیوں کا کیا حال ھے؟" جیرین‌شے نے پرامید لہجے میں دریافت کیا۔

بازارعلی نے اپنے شانے اچکائے۔

"توبیق‌تی قبائلیوں کے گلے زیادہ‌تر بھیڑوں اور گھوڑوں پر مشتمل

ھیں۔ اور جہاں تک گایوں کا تعلق ھے وہ تو بھیڑوں سے بھی زیادہ کمزور ثابت ھو رھی ھیں۔ اونٹوں تک کو ژوت بہ آسانی اپنی لپیٹ میں لئے لے رھا ھے۔ ایسی صورت میں بھلا کون ایسا ھوگا جسے نقصانات نہ برداشت کرنے پڑیں؟"

یہ لوگ تمام شام اسی قدرتی آفت کے متعلق باتیں کرتے رھے۔ مویشی ھلاک ھو رھے تھے لیکن بات یہیں پر نہیں ختم ھو جاتی تھی۔ عوام کی فاقہ‌کشی کی نوبت آ گئی تھی۔ چنگیز پہاڑوں پر بازارعلی نے غریبوں کو کھانے کی تلاش میں مختلف پڑاوؤں کا چکر لگاتے دیکھا تھا۔ کچھ لوگ یہاں، جیدےبائے میں بھی آ گئے تھے۔ بوڑھے مردوں عورتوں کو ابائی کی ماؤں کے گھر میں پناہ دی گئی تھی۔ انہیں گوشت اور دو وقت کے کھانے کے لئے کافی مقدار میں غلہ دیا گیا تھا۔

"تو کیا ژوت ھر شخص کو تباہ و برباد کر دےگا؟" جیرین‌شے نے ٹھنڈی سانس بھرتے ھوئے کہا۔ "کیا کوئی بھی نقصان سے نہ بچےگا؟"

بازارعلی نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"یقیناً کچھ لوگ ایسے ھوں‌گے۔ سیاہ‌ترین گھوڑے میں بھی کوئی نہ کوئی سفید دھبا مل ھی جاتا ھے... ارغیزبائے، کوتی‌باق اور جیگی‌تیک جرگوں میں ایسے قبائلی گروہ موجود ھیں جو عمدہ چراگاھوں اور وسیع زمینوں کے مالک ھیں۔ انہیں کاھے کا ڈر ھوگا؟"

یربول نے اتفاق ظاھر کیا: ارغیزبائیوں کو اس آفت کے اثرات دوسروں کے مقابلے میں بہت ھی کم محسوس ھوں‌گے۔ ان کے پاس بہت وسیع سرمائی چراگاھیں ھیں اور خزاں میں گھاس کے بڑے بڑے ذخائر رکھ لئے گئے تھے۔

"لیکن اس سے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچےگا؟ اس سے کس کو خوشی حاصل ھوگی؟" ابائی نے پوچھا۔

"جو لوگ سب سے زیادہ طاقتور ھیں وہ سب سے بہادر بھی ھیں؟" بازارعلی نے مسکراتے ھوئے کہا۔ "قونے‌کین نے جن زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا وہ اب ارغیزبائے جرگے کو تباھی سے محفوظ رکھ رھی ھیں۔"

"زمینیں!" ابائی نے فوراً ھی جواب دیا۔ "زبردستی حاصل کی گئی زمینیں! تم انہیں زمینیں کہتے ھو؟ ارے بھئی یہ زمینیں نہیں، ان لوگوں کے آنسو ھیں جن سے انہیں چھین لیا گیا تھا!"

اس کے الفاظ میں دبے ہوئے غصے کی جھلک تھی اور اصیل‌بیک اور جیرین‌شے اس کے خیال کی تائید کرتے ہوئے مسکرائے۔

"یہ بالکل سچ ہے، ابائی‌جان! تم نے وہ بات کہہ دی جسے ہر شخص محسوس کرتا لیکن کہتے ہوئے ڈرتا ہے۔"

بازارعلی تک جو اپنے مایوس خیالات سے کچلا ہوا تھا، جوش میں آ گیا۔

ابائی نے یہ بات صدق‌دل سے کہی تھی۔ وہ ان بانکوں کو اپنا دوست تصور کرتا تھا اور عرصے سے انہیں اپنے دل کی باتیں اور خیالات بتاتا رہا تھا۔ قونان‌بائے کو اس کے یہ طور طریقے قطعا پسند نہ تھے۔ "ارے وہ تو جان بوجھ‌کے ان قبائلی گروہوں میں بھیڑئے کے بچے ڈھونڈ نکالتا ہے جو ابھی حال ہی تک ہمارے دشمن تھے۔ بڑے عمدہ دوست ہیں اس کے بھی!" وہ جھلاہٹ سے تیوریوں پر بل ڈالتے ہوئے اپنے بیٹے کے دوستوں پر تبصرہ کرتا۔

ابائی نے جب سے اپنے باپ کے اقدامات کا تجزیہ کرنا شروع کیا تھا تب سے ان قبائلی گروہوں کے بہترین مردوں سے اس کی دلچسپی بڑھنے لگی تھی جن پر قونان‌بائے نے مظالم کئے تھے۔ انہی کی بدولت اسے عوام کی زندگیوں، ان کی امیدوں اور امنگوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں۔ جیرین‌شے اور اصیل‌بیک اس سے عمر میں پانچ سال بڑے تھے لیکن انہوں نے معمر افراد سے جو کچھ سنا تھا وہ سب بڑی صفائی کے ساتھ اسے بتایا اور اپنی فکروں اور اندیشوں پر اس سے بےباکانہ تبادلۂ خیال کیا۔

صرف بازارعلی اس شام سے قبل تک ان دوستانہ بحث مباحثوں میں شریک نہیں ہوا تھا۔ دراصل اسے یقین تھا کہ عوام کے تمام مصائب کی ذمےداری قونان‌بائے پر عاید ہوتی ہے۔ جن گروہوں کو قونان‌بائے کی حمایت حاصل تھی انہوں نے اپنے مویشیوں کے گلے ارغیزبائے چراگاہوں میں ہنکا دئے تھے اور ان کے مویشیوں کا زندہ بچ جانا یقینی تھا لیکن چھوٹے اور بےزمین جرگوں کی ساری کوششیں دلدل میں ہاتھ پاؤں مارنے کے مرادف تھیں۔ ان کے مویشی بےجان استیپیوں میں بھوکے منڈلاتے پھر رہے تھے۔ اب تک بازارعلی نے اپنے غصے سے بھرے ہوئے خیالات کو اپنی ذات تک محدود رکھا تھا لیکن اب ابائی کے

الفاظ سن‌کر خود کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اس نے عام تباھی کے اسباب کی نشان‌دھی کرنے کی کوشش کی۔

"عوام؟ عوام آخر ھیں کیا؟ آدمی اپنے حریفوں سے لڑ رھا ھو تو عوام ایک طاقت ھوتے ھیں لیکن عوام خود حاجت‌مند ھوتے ھیں تو ان کی حیثیت محض بیکار اور ردی چیز جیسی ھوتی ھے۔ عوام کے ھاتھ فتح حاصل کرتے ھیں لیکن جب فتح حاصل ھو جاتی ھے تو جانتےھو کیا ھوتا ھے؟ مویشیوں کے گلے قبضے میں آتے ھیں اور انہیں ھنکاکے لے جایا جاتا ھے۔ جہاں تک عوام کے ھاتھوں کا تعلق ھے انہیں ان مویشیوں کے قدموں سے اڑتی ھوئی دھول ھی میسر ھوتی ھے۔ آج بھی عوام اپنی ھڈیوں سے استیپیوں کو ڈھک رھے ھیں۔ کیا ان کے مصائب ان لوگوں میں سے کسی ایک کے دل میں بھی رحم کا جذبہ پیدا کر سکتے ھیں جنہیں کل تک "بہترین" اور "مستحکم قلعہ" کہا جاتا تھا۔ کہاں ھے وہ شخص جو عوام کے اس غم میں شریک ھو، جو ان کی طرفداری کرے؟"

ابائی، بازارعلی کے الفاظ کے خلوص سے بےحد متاثر ھوا۔ وہ ان الفاظ کی گہری صداقت پر جس کا نہایت گرمجوشی اور خوش‌بیانی سے اظہار ھوا تھا، دنگ رہ گیا۔ وہ خوبصورت، طاقتور جسم‌والا، نڈر اور تیززبان آدمی تھا۔ اچھا گویا بھی تھا لیکن بڑے بوڑھے اسے جھگڑا فساد کرنےوالا تصور کرتے، اسے "ریوڑ سے بچھڑا ھوا گھوڑا" کہتے اور ان کی رائے تھی کہ "اس کے الفاظ یوں تو بہت چبھتے اور بغض و عناد سے بھرے ھوئے ھوتے ھیں لیکن ان میں کچھ ھوتا نہیں، بالکل خالی خولی ھوتے ھیں..." ابائی کو اب اندازہ ھوا کہ بازارعلی کے متعلق یہ رائے درست نہ تھی۔

بانکے بڑی سنجیدگی کے ساتھ سن رھے تھے۔ بازارعلی کے الفاظ ان کے لئے لعنت ملامت کی حیثیت رکھتے تھے۔

"ھر سچا، باوقار اور باعزم آدمی اس وقت ان لوگوں کی حمایت کرےگا جن پر برفباری کا طوفان مصیبت لے آیا ھے" اس نے کہا۔ "قونےکین اچھے ایام میں تو خیر عوام کے لئے کچھ بھی نہیں دے سکتے تھے لیکن عام مصیبت کے ان دنوں میں انہیں کم از کم ان چیزوں میں تو عوام کو حصہ دینا ھی چاھئے جن کی ان کے پاس افراط ھے۔ انہیں چاھئے کہ وہ لوگوں کے مویشیوں کے لئے اپنی چراگاھیں دے

دیں، انہیں اپنے سرمائی گھروں میں پناہ لینے دیں۔ ان کے پاس جو غذائی ذخیرے ھیں ان سے لوگوں کی مدد کریں۔ ارغیزبائے جرگے سے قطع نظر، اگر صرف بائےدالی، بائیسال اور سویوندیک ھی اس مصیبت سے بچ کے نکل آئے تو انہیں سکون نہ میسر ھوگا، عوام کے ھاتھوں میں ان کے مویشیوں کی صرف رسیاں ھی بچیں گی۔ اس صورت میں عوام بدلہ لئے بغیر اس علاقے سے دوسری جگہ جانےوالے نہیں ھیں۔ وہ یقیناً چلے جائیں گے لیکن بگولوں کی طرح جائیں گے اور اپنے راستے میں تمام خیموں کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ انہوں نے کوئی اور طریقہ اپنایا تو پھر انہیں انسان نہیں خرگوش تصور کرنا بہتر ھوگا۔"

بانکے ایک بار پھر متفکر ھو گئے لیکن اصیل‌بیک کو کچھ ایسا لگا کہ بازارعلی بہت زیادہ مبالغے سے کام لے رھا ھے۔

"ژوت تو ھمیشہ آتے رھے ھیں۔ یہ قدرتی آفت ھیں اور ان کے لئے عام فانی انسانوں کو کیسے مورد الزام ٹھہرایا جا سکتا ھے؟ اور تم تو صرف ایک ھی شخص کے سر سارا الزام تھوپے دے رھے ھو جو بڑی غیرمنصفانہ بات ھے۔"

اصیل‌بیک کے الفاظ نے بازارعلی کو سخت متنفر کر دیا۔ "یہ بھی بالکل اپنے باپ سویوندیک ھی جیسا عیار ھے" اس نے سوچا لیکن بحث چھیڑنے کے بجائے اس نے صرف اصیل‌بیک کی طرف دیکھتے ھوئے حقارت کے ساتھ سر ھلایا۔

اچانک تین افراد جو بمشکل کھڑے ھو پا رھے تھے، لڑکھڑاتے ھوئے کمرے میں داخل ھوئے۔ ان کے کپڑے برف سے ڈھکے ھوئے تھے اور داڑھیوں، مونچھوں پر بھی برف چمک رھی تھی۔ سب سے آگے آنےوالے آدمی کی جو میمنے کی کھال کا کوٹ پہنے ھوئے ایک سن‌رسیدہ شخص تھا، پلکوں تک پر برف کے ننھے ننھے ٹکڑے جمے ھوئے تھے۔

یہ درکیم‌بائے اور اس کے دو بوکین‌شی پڑوسی تھے۔ وھی درکیم‌بائے جس نے توق‌پام‌بیت میں جبکہ بوجیئی کے کوڑے مارے جا رھے تھے، قونان‌بائے کو گولی مار دینے کی کوشش کی تھی۔ یہ بات سارے توبیق‌تی قبیلے میں مشہور ھو گئی تھی اور ارغیزبائے جرگے کے لوگ جب بھی اور جہاں بھی موقع پاتے تھے اسے پریشان کرتے تھے۔

درکیم‌بائے نے اپنا کوٹ نہ اتارا۔ وہ ایک فوری کام سے آیا تھا۔

"میرے بیٹے ابائی" اس نے کہنا شروع کیا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم اپنے ہم‌قبیلہ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہو، اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم تکےجان ہوتے تو میں اس وقت قطعاً یہاں نہ موجود ہوتا۔ میرے پاس کچھ بھیڑیں ہیں اور ان لوگوں کے پاس" اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "بیس یا زیادہ سے زیادہ تیس بھیڑیں ہوں‌گی لیکن اتنی کم تعداد بھیڑوں کے باوجود ہم کو کہیں پناہ نہیں مل رہی ہے۔ ہم لوگ مجبوراً ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہیں اور اب تو چلا بھی نہیں جا رہا ہے۔ ہماری چراگاہوں پر گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں رہا۔ بھیڑیں بھوک کی شدت سے گر گر پڑتی ہیں اور یہاں آتے وقت راستے میں پانچ بھیڑیں مر گئیں۔"

"تو تم چنگیز پہاڑوں کی طرف کیوں نہیں چلے جاتے؟" اصیل‌بیک بول پڑا۔ "وہاں تم کم از کم برف کے طوفانوں سے تو محفوظ رہوگے۔"

"لیکن ہوائیں تو چنگیز ہی کی طرف سے چل رہی ہیں اور بھیڑوں کے تھکے ہوئے گلے کو طوفان کی مخالف سمت میں بھلا کیسے چلایا جا سکتا۔ پھر چنگیز یہاں سے ہے بھی تو کتنی زیادہ دور! موسی‌قل اور جیدےبائے قریب بھی ہیں اور ہوا بھی موافق ہے۔ اگر وہ لوگ اجازت دے دیں تو ہم موسی‌قل اور جیدےبائے کی چراگاہوں میں بھیڑوں کے کئی گلوں کے لئے چارا تلاش کر لیں‌گے! میں برف کھود ڈالوں‌گا۔ گھاس نظر آنے لگےگی۔ بھیڑیں چر سکیں‌گی اور مویشی مرنے سے بچ جائیں‌گے۔ وہ خاصی پرسکون جگہ ہے اور بھیڑوں کو موت کے چنگل سے چھڑا لےگی... وہی جگہ ہمارا آخری سہارا ہے۔ شاید وہ لوگ ہمارے جانوروں کو وہاں جانے کی اجازت دے دیں؟"

ابائی اس شخص کی بےبسی اور مصیبت کو پوری طرح سمجھ گیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اپنی بھیڑوں کو وہیں لے جاؤ!" اس نے فوراً ہی جواب دیا۔

"یہ کہنا تو آسان ہے میرے بیٹے، لیکن آخر میں کروں تو کیا کروں؟ جیسے ہی میں موسی‌قل پہنچا تکےجان ہمیں وہاں سے بھگانے کے لئے باہر نکل آیا اور وہ قاتل جمعہ‌گل اس کے ساتھ تھا۔ ان دونوں نے اپنے کوڑوں سے ہمیں دھمکایا اور وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اسی لئے اب میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ اگر میرا

سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے تو کم از کم ابائی کو تو معلوم ہی ہو جائے کہ اس کے بےسہارا رشتےدار لقمہ اجل بن رہے ہیں۔"

ابائی نے مزید کچھ سننے کا انتظار کئے بغیر یربول کو مختصراً ہدایت کی:

"یربول، تم خوب گرم کپڑے پہن کے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور تم" وہ درکیم‌بائے سے مخاطب ہوا۔ "اپنی بھیڑوں کے پاس چلے جاؤ! دلدا، دیکھو کسی سے کہو کہ ان لوگوں کو راستے کے لئے کھانا دے دے!"

دلدا فوراً کمرے سے چلی گئی۔

تب ابائی نے یربول سے کہا کہ وہ تکےجان تک اس کا یہ پیغام پہنچا دے: اسے درکیم‌بائے کے معاملے میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ بھیڑوں کے چھوٹے گلے کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے ایک چراگاہ دے دینی چاہئے اور جمعہ‌گل کو قابو میں رکھنا چاہئے۔ یربول نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور درکیم‌بائے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

تکےجان موسی‌قل میں سردیاں گزار رہا تھا۔ اس کی شادی ابائی کی شادی سے قبل ہی ہو گئی تھی جس کے بعد اس نے اسی سال اپنا ایک علاحدہ خیمہ قائم کر لیا تھا۔ اس نے خود کو خاصا بخیل ثابت کیا تھا اور اپنی زمینوں کی بڑی چوکسی کے ساتھ حفاظت کیا کرتا تھا۔ گلےبانوں کا کہنا تھا کہ وہ تو خود اپنی ماؤں کے مویشیوں کو بھی اپنی چراگاہوں سے بھگا دیتا ہے، صرف یہ احتیاط برتتا ہے کہ ان مویشیوں کو بھگاتے ہوئے کوئی دیکھ نہ سکے۔ اس سال تکےجان کے غلط کاموں کے متعلق ابائی نے بہت کچھ سنا اور اسے دل ہی دل میں اپنے بڑے بھائی پر سخت غصہ تھا۔

یربول رات کو دیر سے واپس ہوا۔ اس کے کپڑے برف سے ڈھکے ہوئے تھے، چھوٹی گھنی داڑھی سفید اور کشادہ ناک شدید سردی سے سرخ ہو رہی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں کی چمک کہہ رہی تھی کہ اس کی توہین کی گئی ہے نیز یہ کہ وہ سخت غصے میں ہے۔ وہ ٹوپی اتارے بغیر ایک گھٹنے کے بل بیٹھ‌کے داڑھی سے برف جھاڑنے لگا۔

"شیطان کے بھی کسی آدمی کی مدد کر دینے کا امکان ہے لیکن تکےجان کے نہیں" اس نے کہا۔ "وہ مسلسل چیخ چیخ‌کے کہتا رہا کہ ایک بھی اجنبی بھیڑ موسی‌قل یا جیدےبائے میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ اور جانتے ہو اس نے کیا کیا؟ جمعہ‌گل کو حکم دیا کہ وہ درکیم‌بائے

کے کوڑے لگائے اور اس کی بھیڑوں کو مار مار کے بھگا دے! جمعہ گل تو چاھتا ھی یہی تھا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ھوکے نکلا اور لعنت ھو اس پر، اس وقت بھی بھیڑوں کو مار بھگانے میں مصروف ھے۔"

"اور درکیم‌بائے کو کیا ھوا؟ آخر وہ کیا کرےگا؟"

"وہ کر ھی کیا سکتا ھے؟ ایسی بھیانک رات میں جبکہ برف کا طوفان آیا ھوا ھے، وہ جا ھی کہاں سکتا ھے؟"

"ایسے میں ادھر ادھر بھٹک‌کر جان دینے سے تو جمعہ گل کے کوڑے کے نیچے مر جانا ھی بہتر ھے!" جیرین‌شے اور بازارعلی جو اپنے غصے کو اب قابو میں نہیں رکھ پا رھے تھے، بول اٹھے۔

"جمعہ گل جیسا کتا اور کہیں بھی نہ ملےگا" یربول نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں نے اس کی خوشامد کی کہ صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ صبح تک انتظار کر لو لیکن وہ تو بس مجھے گالیاں ھی دیتا رھا۔"

ابائی اپنے دوست سے اچھی طرح واقف تھا اور اس نے سوالات نہ پوچھے۔ وہ سمجھ گیا کہ یربول نے مختصراً جو کچھ بیان کیا ھے اس کے پیچھے اور بھی بہت کچھ ھے، تکےجان اور جمعہ گل کی سنگ‌دلی اور خباثت کی مزید تفصیلات بھی ھیں۔ ابائی کے چہرے کا رنگ عجیب مہیب طور پر زرد پڑ گیا تھا اور وہ یربول کو تکے جا رھا تھا، دل ھی دل میں جلدی جلدی کچھ سوچ رھا تھا۔ پھر اچانک اٹھ کھڑا ھوا۔

دوسرے بانکوں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ آخر اس کا ارادہ کیا تھا؟

ابائی نے جس سے بمشکل سانس لی جا رھی تھی، مختصراً کہا:

"اٹھو یربول، میرے ساتھ آؤ!" اور وہ جلدی جلدی کپڑے پہننے لگا۔ ھلکا لبادہ پہنا، پٹکا کس‌کے باندھا، کوڑا سنبھالا، جھپٹ‌کے دروازہ کھولا اور باھر نکل گیا۔ یربول اس کے پیچھے پیچھے لپکا۔

دو سیاھی مائل سفید گھوڑے، اپنے سروں کو ھوا کے رخ سے موڑے، دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ دونوں گھوڑوں پر کاٹھیاں کسی تھیں اور وہ تیار تھے۔ ابائی نے ان میں سے پہلے کی رسی کھولی، اچھل‌کے اوپر چڑھا اور برف کے شدید طوفان میں سرپٹ دوڑاتا ھوا چل دیا۔ یربول اس کے ساتھ تھا۔

جمعہ‌گل کو درکیم‌بائے اور اس کے ساتھیوں کی تمام بھیڑوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور اب وہ انہیں چراگاہ سے بھگا دینے کی کوشش میں ان پر بری طرح کوڑے برسا رہا تھا لیکن سردی سے اکڑے ہوئے بھوکے جانور سمٹ کے ایک دوسرے سے بالکل مل گئے تھے اور کسی طرف چلنے کا نام ھی نہیں لے رہے تھے۔ جمعہ‌گل غصے کی شدت سے انہیں اور درکیم‌بائے کو برابر گالیاں دئے جا رہا تھا۔ جہاں تک درکیم‌بائے کے ساتھیوں کا تعلق تھا جو برف کے ڈھیروں کے درمیان بھٹکتے پھر رہے تھے، ان پر وہ ذرا بھی توجہ نہیں مبذول کر رہا تھا۔

بھوک اور سردی سے بالکل بےجان ہوکے متعدد ایک سالہ میمنے زمین پر ڈھیر ہو گئے تھے، بےحس و حرکت پڑے تھے اور ان کے سر برف میں دفن ہو چلے تھے۔ درکیم‌بائے نے جمعہ‌گل پر ٹوٹ پڑنے کی کوشش کی لیکن وہ خود بھی بہت پھرتیلا اور مستعد تھا اور موٹے تگڑے گھوڑے پر بھی سوار تھا۔ چنانچہ وہ بھیڑوں کے درمیان ہوا کے جھونکوں کی طرح جھپٹتا ہوا دائیں بائیں بڑی بےرحمی سے بھیڑوں پر کوڑے برسائے جا رہا تھا جن کی تاب نہ لاکر وہ زمین پر گر پڑتی تھیں۔ وہ کمزور جانور خدا سے دعا مانگ سکتے تو بےانتہا سرد ہواؤں اور دشمن کے مسلسل پڑنےوالے کوڑوں کے مد نظر صرف موت کی دعا مانگتے تاکہ اس مصیبت سے نجات مل جاتی۔

میباسر کے وولوست سربراہ کے عہدے سے ہٹ جانے کے بعد جمعہ‌گل بھی پیغام رساں کے عہدے سے معزول کر دیا گیا تھا اور خصی کر دئے جانےوالے بچھیڑے کی طرح اچانک اپنی تمام طاقت سے محروم ہو گیا تھا۔ "جمعہ‌گل تو بالکل پاگل ہوا جا رہا ہے" بوڑھے جمعہ‌بائے نے مذاق ھی مذاق میں تبصرہ کیا تھا۔ "اس نے منت مانی ہے کہ کسی سے اس کا جھگڑا ھی ہو جائے تو وہ خدا کی راہ میں ایک بھیڑ قربان کرےگا لیکن ابھی تک تو اس معاملے میں بھی قسمت نے اس کا ساتھ دیا نہیں۔" ویسے گزشتہ دو برسوں میں جمعہ‌گل کو اپنی پسند کی ایک جگہ مل گئی تھی۔ تکےجان نے اسے نوکر رکھ لیا تھا! تکےجان کو پہلے جیسے اختیارات تو نہ حاصل تھے لیکن خزاں اور سردیوں میں وہ اپنی زمینوں کی بڑی سختی کے ساتھ نگرانی کیا کرتا تھا۔ تکےجان اور جمعہ‌گل بےسہارا قبائلی گروہوں پر جو مظالم کرتے تھے

وہ اتنے ہی وحشیانہ ہوتے تھے جتنے کسی وولوست سربراہ اور اس کے پیغام رساں ہی کے ہو سکتے تھے۔ یہ دونوں گلےبانوں کو کوڑوں سے مارتے، مویشیوں کو بھگاتے اور دوسروں کے گھوڑے پکڑ لیا کرتے تھے۔ تکےجان کے رشتےدار اس کے سامنے خوف سے کانپتے اور اکثر رحم کی درخواست کرتے رہتے تھے۔

درکیمبائے، جمعہ‌گل اور تکےجان کے لئے بہت اچھی "دریافت" ثابت ہوا تھا۔ دراصل یہ دونوں ہمیشہ لڑائی جھگڑے کی تلاش میں رہتے تھے اور جہاں تک درکیمبائے کا تعلق تھا تو اس آدمی کی تو ان کو ضرورت ہی تھی۔ اس کے پیچھے تو وہ جانے کب سے پڑے ہی ہوئے تھے۔ تکےجان نے جمعہ‌گل کو اس کی خوب خبر لینے کی ہدایت کرتے ہوئے خباثت بھری مسرت کے ساتھ کہا تھا: "خود خدا نے میرے پرانے دشمن درکیمبائے کو میرے ہاتھوں میں دے دیا ہے!.."

چنانچہ جمعہ‌گل نے درکیمبائے اور اس کے تمام آبا و اجداد کو گالیاں دیتے ہوئے بھیڑوں پر هله بول دیا۔ اس نے ایک اور بھیڑ مار گرائی لیکن اتنے ہی میں دو گھڑسوار برف کے طوفان سے نکل‌کے اس پر ٹوٹ پڑے، بالکل کچھ اس انداز میں جیسے وہ طوفان کے سفید پردے کے پیچھے اس کی گھات میں کھڑے رہے ہوں۔

دونوں میں سے کسی نے بھی ایک لفظ تک منھ سے نہ نکالا۔ وہ جمعہ‌گل سے سوالات پوچھنے، اس پر ناراض ہونے یا اس سے جھگڑا کرنے تھوڑی آئے تھے۔ دونوں میں سے آگےوالے گھڑسوار نے لپک‌کے جمعہ‌گل کے گھوڑے کی لگام تھام لی جس نے احتجاجاً گرجتے ہوئے اپنا کوڑا بلند کیا۔

"ہوش میں آ، بدمعاش!" ابائی جس کا ناقابل برداشت غصے سے دم گھٹا جا رہا تھا، چلایا۔

جمعہ‌گل نے فوراً ہی ابائی کو پہچان لیا لیکن اسے پتہ چلا کہ اس وقت دوست دشمن سے بھی بدتر ہو رہا ہے۔ ابائی کا کوڑا فضا میں سنسناتا ہوا اس کے سر پر آ پڑا۔ جمعہ‌گل نے اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکے دئے تاکہ تیزی سے الگ ہٹ‌کے اس کی پہنچ سے دور ہو جائے لیکن ابائی نے لگام کی ڈور اپنی بائیں کلائی میں لپیٹ لی تھی اور اسے مضبوطی سے سنبھالے رہا۔ اس اثنا میں اس نے خاموشی سے جمعہ‌گل کو زور زور سے متعدد کوڑے مارے؛ کوڑے جو کسی

ڈنڈے ھی کی طرح تکلیف‌دہ طور پر موثر ثابت ھو رھے تھے۔ جمعہ‌گل کے دل میں خیال آیا کہ اس ذلت سے تو موت بہتر ھے اور ابائی پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بڑھا لیکن یربول نے جو اسی بات کا منتظر تھا، جھپٹ کے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"خدا تمہیں مسرت عطا کرے" درکیم‌بائے ان دونوں کے عقب سے چلایا۔ "ساری دنیا کے تمام لوگ بھیڑیوں میں تبدیل نہیں ھوئے، یقیناً کچھ انسان باقی ھیں۔ ذرا اس نک میرے ھاتھ تو پہنچنے دو، بس ایک ھی بار سہی!" اور اس نے جمعہ‌گل کے لبادے کا دامن پکڑکے اتنے زور سے کھینچا کہ وہ کسی درخت کے گلے سڑے تنے کی طرح منھ کے بل برف پر آن گرا۔

ابائی نے حکم دیا کہ بھیڑوں کے گلے کو وھاں سے واپس کرکے پھر موسی‌قل کی طرف لے جایا جائے۔ بھیڑیں اور ان کے ستائے ھوئے مالک آخرکار ایک چراگاہ میں پہنچ گئے جس کی اتنی اچھی طرح حفاظت کی گئی تھی کہ ھوا سے اڑکے آئی ھوئی برف گھاس کو بمشکل ھی ڈھک پائی تھی۔

قریب ھی خشک گھاس کا ایک بہت بڑا ڈھیر لگا ھوا تھا اور ابائی نے بھیڑوں کا رخ اس کی طرف پھیر دیا۔ گھاس کے ڈھیر کو دیکھتے ھی بھیڑیں تو بےتابی سے اس کی طرف دوڑیں لیکن درکیم‌بائے سہم گیا۔ اس نے سوچا: لوگ کہیں‌گے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی بھیڑیں اجازت کے بغیر ان چراگاھوں میں داخل کر دیں بلکہ قونان‌بائے کے گھاس کے ذخائر بھی استعمال کر لئے۔

"ارے انہیں واپس ھنکاؤ! خشک گھاس کے ڈھیر تک نہ پہنچنے دو!" وہ اپنے گلےبانوں پر چلایا۔

لیکن ابائی بڑی تندی و تیزی سے بول پڑا:

"نہیں نہیں، جانے دو، کھا لینے دو! ارے سنو، بھیڑوں کو ھنکاکے گھاس کے ڈھیر تک پہنچا دو! آخر خوف‌زدہ ھونے کی کیا بات ھے؟"

بھیڑوں نے چارے میں اپنے سر ٹھونس دئے اور مر بھکوں کی طرح جلدی جلدی کھانے لگیں۔ اب وہ وھاں سے ایک قدم بھی الگ نہیں ھٹ سکتی تھیں۔

"دیکھو، صبح تک انہیں یہاں سے نہ ھنکانا! برف کا طوفان تھمنے تک انہیں یہیں رھنے دو۔ اس گھاس کا میں بھی اتنا ھی مالک

ہوں جتنا کہ تکےجان" ابائی نے درکیمبائے کو یقین دلایا۔ "اپنے دونوں پڑوسیوں کو یہیں ٹھہرے رہنے دو۔ یہ لوگ بھیڑوں کو ادھر ادھر بھٹکنے نہ دیں گے۔ اور تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ وہ رہا، تکےجان کے گھوڑوں میں سے ایک ہے، اسی پر چڑھ لو اور جتنی تیزرفتاری سے سفر کر سکتے ہو، کرو۔ قرب و جوار میں پڑاؤ ڈالے قبائلیوں سے جاکے کہو کہ تمہیں میں نے بھیجا ہے۔ ان سے کہنا کہ جن لوگوں کی بھیڑیں اتنی زیادہ کمزور ہو گئی ہیں کہ چنگیز پہاڑوں تک نہیں پہنچ سکتیں، وہ انہیں یہاں ہانک لائیں، یہاں میرے والد کی چراگاہ میں۔ انہیں اپنے ساتھ پھاوڑے اور جیلیاں بھی لانی چاہئیں۔ دراصل بھیڑوں کے جھنڈ صرف ایسی ہی جگہ زندہ رہ سکیں گے جہاں تیز ہوائیں نہ چلتی ہوں۔ لوگ اوپری برف کو کھرچ کے گھاس نکال لیں گے۔ جتنے لوگوں تک بھی ہو سکے — جیگی‌تیکیوں، تورغیئوں، قراباتروں، بوکین‌شیوں اور قرب و جوار میں آباد دوسرے تمام قبائلیوں تک میرا یہ پیغام پہنچا دو۔ مصیبت جھیلنی ہی پڑ رہی ہے تو ہم لوگوں کو ساتھ ساتھ جھیلنی چاہئے۔ اچھا، تو تم اب روانہ ہو جاؤ! حتی‌الامکان تیزی سے! اور سب لوگوں کو یہاں لے آؤ!"

درکیمبائے اچھل کے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ابائی، جمعہ‌گل سے محاطب ہوا۔

"یہ آخری موقع ہونا چاہئے جبکہ تم نے لوگوں پر مہیب پہریدار کتے کی طرح حملہ کیا ہے، بدمعاش کہیں کے! سمجھ گئے نا؟ اور تکےجان سے کہنا کہ وہ بھوک سے بلبلاتے ہوئے افراد کو اذیت نہ پہنچائیں! اگر ان کی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ وہ اپنی طاقت کا استعمال کس طرح کریں تو انہیں میری طاقت سے ٹکر لینی چاہئے! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ان سے لفظ بہ لفظ بتا دینا خواہ غصے سے ان کا کلیجہ ہی کیوں نہ پھٹ جائے! اچھا اب چلتے بنو! تمہیں وہاں تک پیدل جانا ہوگا" اس نے حکم دیا۔

جمعہ‌گل برف میں بہ‌دقت چلنے لگا۔

ابائی اور یربول، مخالف ہواؤں کا سامنا کرتے، سرپٹ گھوڑے دوڑاتے جیدےبائے کی طرف چل دئے۔ برف کا طوفان پہلے ہی جیسی

غضبناکی سے جاری تھا، ہوا کے تھپیڑے ان کے منھ پر پڑ رہے تھے۔ صبح ہوتے ہوتے ہوائیں تھم گئیں اور برفباری میں بھی زیادہ شدت نہ رہی۔ درے کے عقب سے سرخ آفتاب کچھ یوں ابھرا جیسے کسی نہایت ہی مہیب آزمائش سے گزرا ہو۔ سرخ شعاعیں دونوں جانب صبح کے سرد دھندلکے میں خون کی لکیروں کی طرح پھیل گئیں۔ ہواؤں کا جو کئی دنوں سے مسلسل استیپیوں میں زناٹے بھرتی پھر رہی تھیں، ایسا لگتا تھا کہ مکمل طور پر بند ہو جانے کو جی ہی نہیں چاھتا چنانچہ اکا دکا جھونکے اب بھی غبار جیسی باریک برف کو اچھال رہے تھے۔ لیکن آخر یہ تھم ہی گئیں اور ایسا بھیانک سناٹا چھا گیا جس میں فضائیں تک برف میں چرمراتی معلوم ہو رہی تھیں۔

درکیم‌بائے تمام رات گھوڑا دوڑاتا رہا۔ "یہ بات جتنے لوگوں سے بھی ممکن ہو، کہہ آؤ..." ان الفاظ نے اس کے دل کو چھو لیا تھا۔ اس نے اس پیغام کو قراباتر، تورغئی، بورساق اور جووان‌تیاق جرگوں کے تمام بےزمین غریبوں تک پہنچا دیا۔ ان سب لوگوں کے پاس گیا جن کے پاس تیس چالیس سے زائد بھیڑیں نہیں تھیں اور ان سب سے زیادہ حاجت‌مند افراد کو فراموش نہ کیا جو موسی‌قل اور جیدےبائے کی عمدہ چراگاھوں کے قرب و جوار میں آباد تھے۔

تین دنوں میں طوفان نے ہر چراگاہ کو برف سے ڈھک دیا تھا اور لوگوں کو نہایت ہی افسوس کے ساتھ یقین ہو گیا تھا کہ جو بھیڑیں بچ رہی ہیں وہ بھی سب کی سب دم توڑ دیں گی۔ ہوائیں جھونپڑیوں پر سے چیختی چنگھاڑتی گزرتی تھیں، کھڑکیوں کو کھڑکھڑاتی تھیں اور کسی کو پلک بھی جھپکانے نہیں دیتی تھیں۔ غریبوں سے کچھ بن نہیں پڑ رہا تھا اور معمر افراد خدا سے رحم کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ کسی بھی مرد، عورت یا بچے کی کپڑے اتارنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی اور کوئی بھی دن یا رات میں سوتا نہیں تھا۔ لوگ مسلسل ان سائبانوں پر نظریں جمائے رہتے جن کے نیچے ان کی بدقسمت بھیڑیں رہتی تھیں۔

برف سے باھر نکلی ہوئی کسی ببول کی اوپری شاخ نظر آ جاتی تو اسے کاٹ کے بہت احتیاط سے گھر لایا جاتا۔ اسی طرح جھاڑیوں کی پھنگیاں جو برف کےڈھیروں سے اوپر نکلی ہوتیں، کاٹ لی جاتیں۔ پرانی کوٹھریوں کی چھتوں کے سینٹھے تک اکھاڑے اور گھسبٹ کر

گھر لائے جاتے تاکہ مویشیوں کو کھلائے جا سکیں۔ لیکن کسی ننھی ابابیل کے بازو پر لائے ہوئے قطرۂ آب سے بھی کہیں پیاس بجھتی ہے؟ پھر یہ بھی سوال ہوتا تھا کہ چارے کی اس انتہائی قلیل مقدار کو کس کے سامنے رکھا جائے؟ ان بھیڑوں کے سامنے جنھوں نے قبل از وقت بچہ گرا دیا تھا؟ دودھ دینےوالی گایوں کے سامنے؟ یا واحد اونٹ کے سامنے؟ اس طرح اکٹھا کی ہوئی تھوڑی بہت جھاڑیاں ان کے مویشیوں کو جن پر خود ان لوگوں کی زندگیوں کا انحصار تھا، بھلا کس طرح زندہ رکھ سکتی تھیں؟

کسی کے دل میں یہ خیال ہی نہ آیا کہ اس مصیبت کے وقت ان لوگوں کو مدد کرنی چاہئے جن کے پاس بڑی بڑی چراگاہیں اور خشک گھاس اور دوسرے چارے کے زبردست ذخائر موجود ہیں۔

شدید مایوسی کی ایسی ہی ایک رات تھی جبکہ درکیم‌بائے مختلف قبائلی گروہوں کے پڑاوؤں پر بگولے کی طرح پہنچا اور جانے کب کی مدفون امیدوں کو قبر سے نکال‌کے زندہ کر دیا۔

آفتاب طلوع ہوتے ہی بھیڑوں کے گلے ہر سمت سے قونان‌بائے کی چراگاہوں کی طرف چل پڑے۔ ابائی اور یربول اپنے گھوڑوں پر سوار تھے اور آنےوالوں کا خیرمقدم کر رہے تھے۔ ہر گروہ کے ساتھ صرف مٹھی بھر بھیڑیں اور تین چار گائیں ہوتی تھیں۔ آگے آگے یہ مویشی ہوتے تھے اور تھکن سے چور مرد، عورتیں اور بچے پیچھے پیچھے۔

بھیڑوں کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ بس ہڈیوں کے ڈھانچے ہی ڈھانچے رہ گئے تھے جن پر ڈھیلی ڈھیلی کھال جھول رہی تھی اور پہلوؤں پر جمی ہوئی لید کی پیڑیاں چپکی ہوئی تھیں۔ لڑکھڑاتی بکریاں آخری نحیف میمیاھٹ کے ساتھ گرکے دم توڑ دیتی تھیں۔ زیادہ‌تر گروہوں کے پیچھے ان کی سرمائی قیام‌گاہوں سے ارغیزبائے چراگاہوں تک بڑے اداس نشانات بن گئے تھے — سفید چمکتی ہوئی برف پر بھیڑوں، بکریوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ بھیڑیں پانچ چھ دن کچھ کھائے بغیر زندہ رہ سکتی ہیں لیکن لاشوں کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان بھیڑوں کے گلوں نے اس سے کہیں زیادہ دنوں تک فاقے کئے ہیں۔ ان کے جسموں میں

کچھ باقی ھی نہیں رہ گیا تھا اور مزید دو تین دن اسی حالت میں گزرتے تو ایک بھی بھیڑ زندہ نہ بچتی۔

بھیڑوں کو گہری برف میں چلنے میں دشواری ہو رہی تھی اس لئے گلےبان کسی گھوڑے، اونٹ یا گائے کو آگے کر دیتے اور چھوٹے مویشی ان کے پیچھے پیچھے چلتے۔ بھیڑیں بھوک کی شدت سے اتنی بےتاب تھیں کہ ان میں سے جو آگے چل رہی تھیں وہ اپنے سامنےوالی گائے یا گھوڑے کی دم چبانے لگتی تھیں۔

مویشیوں کے پیچھے پیچھے چلنےوالے مردوں، عورتوں کی حالت بھی بمشکل ھی ان سے بہتر کہی جا سکتی تھی۔ ان کی رنگت زرد پڑ گئی تھی، نقاھت سے بےحال تھے اور لاغر مویشیوں کے پیچھے پیچھے بےجان پرچھائیوں کی طرح چل رہے تھے۔ معمر افراد کے چہروں پر جھریاں ھی جھریاں نظر آتی تھیں اور ان کے پھٹے پرانے کپڑے ہوا میں پھڑپھڑا رہے تھے۔ صرف عورتوں نے ھی نہیں بلکہ داڑھی مونچھوںوالے مردوں نے بھی اپنے سروں میں چیتھڑے لپیٹ رکھے تھے اور ان میں سے زیادہتر بوٹوں کے بغیر صرف نمدے کے موزے پہنے ہوئے تھے لیکن اس سب کے باوجود چراگاھوں میں قدم رکھتے ھی بچے، بوڑھے مرد، عورتیں سب کے سب برف صاف کرنے میں جٹ گئے۔

قونانبائے کی تینوں چراگاھیں سینٹھوں، جنگلی گلابوں اور دوسری گھنی جھاڑیوں کی دولت سے مالا مال تھیں۔ طوفان نے ان کے صرف کناروں ھی پر برف کے انبار اکٹھا کئے تھے۔ وسطی حصوں میں برف زیادہ گہری نہ تھی اور اس میں ریت کی طرح قدم دھنستے تھے۔ جہاں جہاں یہ برف کھرچ کے الگ ہٹائی جاتی تھی نیچے گھنی گھاس اور جھاڑیاں ملتی تھیں۔

مویشیوں کو آخرکار چارا میسر ہوا تو وہ اس پر بڑی بےتابی سے ٹوٹ پڑے۔ پچاس سے زائد قبائلی گروہ وہاں آ گئے تھے۔ ابائی اور یربول نے دو پہر تک زیادہتر گلوں کے لئے جگہیں تلاش کر دیں۔ ان چراگاھوں میں جن کی تکےجان اس چوکسی سے حفاظت کرتا تھا کہ ایک گائے تک گھسنے نہیں پاتی تھی، اب ایک ہزار سے زائد بھیڑیں چر رہی تھیں۔ گھوڑوں، گایوں وغیرہ کی تعداد البتہ برائے نام ھی تھی۔

ابائی سردی سے کپکپاتے ہوئے ان مویشیوں اور تباہ حال عوام کو دیکھ‌کے بہت اداس ہوا۔ وسیع "جائےلاؤ" پر یہ لوگ خوشحالی کی زندگی بسر کرتے معلوم ہوتے تھے، طاقتور اور تندرست تھے لیکن ژوت نے ان کے افلاس اور بےبسی کو پوری طرح بےنقاب کر دیا تھا۔

زیادہ‌تر خاندان صرف بیس یا تیس بھیڑوں اور تین یا چار مویشیوں کے مالک تھے۔ ان جانوروں کو سال کے ہر موسم میں اپنے مالکوں کی گزر بسر کی صورت نکالنی ہوتی تھی۔ یہ باربرداری میں استعمال ہوتے تھے، گوشت کے لئے ذبح کئے جاتے تھے، فوری ضروریات پوری‌کرنے کے لئے فروخت کئے جاتے تھے اور ان کی کھالوں کے کپڑے بنائے جاتے تھے۔ اور اس طرح کی زندگی کو "عوام کے لئے خوشحال زندگی" کہا جاتا تھا! اب اس زندگی کو کیا کہا جا سکتا تھا؟ اب تو افلاس ہی افلاس تھا، مصائب ہی مصائب تھے، ژوت کے لائے ہوئے۔ اور ابائی دیکھ سکتا تھا – کچھ اس طرح جیسے اس سے قبل کبھی بھی نہیں دیکھ سکا تھا – کہ خود اس کے عوام کتنی بدبختی اور تباہ‌حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایک بار پھر وہ اپنے گھوڑے پر چراگاہوں سے گزرا اور معمر افراد کے سامنے ذرا ذرا دیر کے لئے ٹھہرکر ان سے کہا:

"سردی لگ رہی ہو تو آپ لوگ کسی قریب‌ترین پڑاؤ پر جا سکتے ہیں۔ وہاں اپنے جسموں کو گرمی بھی پہنچائیں‌گے اور کچھ کھانے کو بھی مل جائےگا۔ آپ کے ارد گرد سب رشتےدار ہی آباد ہیں۔ وہ آپ کو بھگا تھوڑی دیں‌گے۔ خوف‌زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

بوڑھے مرد اور عورتیں ابائی کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھک رہے تھے۔ اس کے رویے سے ان لوگوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے تمام مصائب کا خاتمہ ہو گیا ہو۔

ابائی نے گھر واپس ہونے کے بجائے ارغیزبائے جرگے کے مختلف گروہوں کے پڑاوؤں کا جو چراگاہوں کے قرب و جوار میں واقع تھے، دورہ کیا اور ہر جگہ سرداروں یا کھانا پکانے کی نگراں بوڑھی عورتوں کو بلاکے ان سے بات‌چیت کی۔

"اپنے رشتےداروں کی مدد کیجئے۔ ان پر مصیبت آن پڑی ہے"

اس نے کہا۔ "ان کے لئے دیگوں میں گرم کھانا تیار کیجئے اور دن میں ایک وقت انہیں کھلائیے۔"

اس طرح بھوکے لوگوں کو سہولتیں میسر ہو گئیں اور ہر پڑاؤ سے قریب‌ترین جگہوں پر موجود افراد کو کھانا ملنے لگا۔

ابائی اور یربول سب سے آخر میں تکےجان کے پڑاؤ پر پہنچے جو موسی‌قل میں موسم سرما گزار رہا تھا لیکن وہاں پتہ چلا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔ دراصل اسے جمعہ‌گل سے واقعات کی تفصیلات معلوم ہو گئی تھیں جس کے بعد ٹھہرکے ابائی سے بحث کرنے کے بجائے وہ اسی رات گھوڑا دوڑاتا ہوا قراشوقی چلا گیا تھا تاکہ ابائی کے من‌مانے اقدامات کے خلاف باپ سے شکایت کر سکے۔

وہ تکےجان کے گھر کے سامنے خود گھوڑے سے نہیں اترا بلکہ اس کی بیوی کو بلانے کے لئے یربول کو بھیج دیا۔ قراجان جلد ہی باہر نکلی۔ جبڑے بھنچے ہوئے، چہرہ زرد اور غضبناک۔ وہ ایک طویل قامت، پھولی ہوئی بڑی سی ناک کی جھگڑالو عورت تھی جسے طنزیہ فقرے چست کرنے کی عادت سی تھی۔ اس معاملے میں وہ اپنے شوہر کو بھی معاف نہیں کرتی تھی جو اس کی مرضی کا غلام بن‌کر رہ گیا تھا۔ ابھی جوان تھی پھر بھی بےحد لاپروا، سنگ‌دل اور کنجوس گھر گرہستن تھی۔ دراصل تکےجان کو اس سے زیادہ موزوں کوئی دوسری بیوی نہیں مل سکتی تھی اور اپنی شادی کے بعد اس نے جلد ہی خاصی دولت اکٹھا کر لی تھی۔ یہ قراجان ہی تھی جسے اول‌جان کی فیاضی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اور جس نے اصرار کیا تھا تہ تکےجان "بڑے خیمے" سے علاحدگی اختیار کر لے۔ وہ ایک اور بات سے بےحد جلتی اور کڑھتی تھی اور وہ یہ کہ ابائی کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہو گئی تھی اور اس کے سامنے اس کے بڑے بھائی کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ دیور سے نفرت کا جذبہ اس پر بری طرح حاوی ہوکے رہ گیا تھا۔ ابائی کو اس کا علم تھا اور وہ اپنی بھابی کو سلام کئے بغیر براہ راست اپنی آمد کا مقصد بیان کرنے لگا۔

"میں نے سنا ہے کہ تمہارے شوہر میری شکایت کرنے گئے ہیں۔ مجھ سے اگر کوئی جرم سرزد ہوا ہے تو اس کے لئے میں خود ہی جواب دے لوں‌گا لیکن اس وقت تو میں تمہیں ایک اہم کام سپرد کرنے آیا ہوں اور جیسا میں کہوں‌گا تم بالکل ویسا ہی کروگی۔"

"کیسا اہم کام؟"

"قرب و جوار کے قبائلی ژوت کے باعث سخت مصائب کا شکار ہیں۔ یہ وہ رشتےدار ہیں جو ہمیشہ تمہاری گھاس کاٹ کے اس کے ذخیرے لگاتے رہے ہیں، تمہارے کنویں کھودے ہیں، تمہارے مویشی چرائے ہیں، گھر کی صفائی اور دوسرے متفرق کام کئے ہیں۔ اب ان پر آفت نازل ہوئی ہے تو تمہیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔ ہم نے ان کے لئے چراگاہوں کا انتظام کر دیا ہے کیونکہ خود ان کی موسم سرما کی جگہیں بہت دور ہیں، سردی اتنی شدید ہے کہ سفر ممکن نہیں۔ ہم انہیں کھانا بھی کھلا رہے ہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ چار گروہوں کے بیس افراد کو دن میں ایک وقت گرم کھانا کھلاؤ!"

"ارے ابائی، بھلا ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں؟ خود ہمارے پاس ہی کچھ کھانے کو نہیں ہے۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے! ابھی حال ہی میں کارواں تمہارے لئے تین بورے آٹا لایا ہے اور تمہارے پاس مزید پانچ بورے گیہوں بھی موجود ہے۔ جہاں تک تمہارے گوشت کے ذخیرے کا تعلق ہے، اسے تو چھوا تک نہیں گیا۔ میں تمہیں آگاہی دے رہا ہوں — میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، قراجان، خود کو ضدی ثابت کروگی تو بدمزگی کی نوبت آ جائےگی۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ خود ہم لوگ بھوکے رہیں؟"

ابائی سخت مشتعل ہو گیا:

"تمہارا جی چاہے تو تم جہنم میں چلی جاؤ لیکن میری بات سے انکار کرنے کی ذرا ہمت کرکے تو دیکھو! میں ہر شام کو یہ دیکھنے یہاں آیا کروں‌گا کہ تم نے لوگوں کو کھانا کھلایا کہ نہیں! انکار کر دوگی تو نتائج کی ساری ذمےداری خود تمہارے اوپر عائد ہوگی جب تک میں یہاں ہوں اس بات کی کافی طاقت رکھتا ہوں کہ جو کچھ کہوں اس پر تم عمل کرو۔ زبردستی کروں‌گا تو تمہاری ذلت ہوگی لیکن زبردستی ضرور کروں‌گا، سمجھ گئیں؟"

اس نے قراجان کو قہرآلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنا کوڑا مضبوطی سے تھام لیا۔ قراجان نے اس کے اس دھمکی‌آمیز اشارے کو دیکھ لیا اور مزید کچھ نہ کہا۔

ابائی نے گزشتہ شام کو طے کیا تھا کہ درکیم‌بائے اور اس کے دوستوں کو قراجان کے یہاں سے کھانا ملےگا۔ اب اس نے ان لوگوں کو بلوایا اور ایک بار پھر اپنی بھابی سے غصے سے مخاطب ہوا۔

"یہ درکیم‌بائے ہیں۔ یہ ان لوگوں کو جن کا انتخاب میں کروں‌گا، تمہارے پڑاؤ پر کھانا کھلانے کے لئے لایا کریں‌گے۔ تمہیں ان لوگوں کے لئے تمام چیزیں خود ہی تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے پڑاؤ کے تمام افراد سے کہو کہ وہ ان لوگوں کا خیال رکھیں۔"

"اور یہ تم کسی یتیم کی طرح کاھے کے لئے کھڑے ہوئے ہو؟" ابائی نے درکیم‌بائے سے کہا۔ "تمہیں منت سماجت کرنے کی ضرورت نہیں۔ سن رہے ہو نا؟ چراگاہوں میں اپنے کام سے فارغ ہوکے یہاں آنا اور کھانا طلب کرنا! اگر یہ لوگ انکار کر دیں یا ٹال مٹول کریں تو فوراً میرے پاس آ جانا! اور اگر تم نے ان لوگوں کو بچانے کی کوشش کی تو میں سمجھوں‌گا کہ تم درکیم‌بائے نہیں عورت ہو! سمجھ گئے نا؟"

ابائی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی جو سرپٹ روانہ ہو گیا۔

وہ یربول کو معاون کی حیثیت سے ساتھ لئے ہوئے تمام دن سخت بھاگ دوڑ کرتا رہا اور غروب آفتاب کے وقت جیدےبائے واپس ہوا تو اس نے اپنی ماں کے گھر میں تکےجان اور بوڑھے جمعہ‌بائے کو اپنا منتظر پایا۔ آخرالذکر قونان‌بائے کی ہدایات کے ساتھ واپس ہوا تھا۔

"بڑے خیمے" کو جاتے ہوئے جہاں اسے اول‌جان نے بلوایا تھا، ابائی نے دیکھا کہ چاروں طرف بڑے زور و شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ گھروں کے ارد گرد، سامان رکھنے کے کمروں کے پاس اور باورچی‌خانوں میں ہر جگہ لوگ مصروف تھے۔ بڑے بڑے دیگوں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ لکڑی کے تین بڑے کھرل باہر رکھ دئے گئے تھے جن میں عورتیں گیہوں کوٹ رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ بھوکے لوگوں کو کھانا کھلانے کی ذمےداریاں خود اول‌جان نے سنبھال لی تھیں۔

کم و بیش بیس افراد کے پہلے گروہ کے سامنے گرم کھانا لگایا جا چکا تھا۔ ابائی نہیں چاہتا تھا کہ اسے دیکھ‌کے ان لوگوں کو خفت محسوس ہو اس لئے وہ سیدھے "بڑے خیمے" کو چلا گیا۔

ابائی نے جمعہ‌بائے کو سلام کیا اور اپنے کاموں کی تفصیلات بتائیں لیکن جہاں تک دونوں بھائیوں کی ملاقات کا تعلق تھا وہ سردمہری کی حدوں سے بھی بڑھی ہوئی فضا میں ہوئی۔ ابائی نے تو کچھ ایسا تاثر دیا جیسے اس نے تکےجان کو دیکھا ہی نہ ہو۔ جمعہ‌بائے نے قونان‌بائے کی ھدایات اس تک پہنچائیں۔

تکےجان گزشتہ رات کو بظاھر اتنا زیادہ خفا ہو گیا تھا کہ اس نے یہ تک معلوم کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی تھی کہ ابائی نے کیا کیا ھے۔ اس نے قونان‌بائے کو صرف اس ناخوشگوار واقعے کے متعلق بتایا تھا جو درکیم‌بائے اور جمعہ‌گل کے سلسلے میں پیش آیا تھا۔ قونان‌بائے کو اس وقت تک یہ معلوم ھی نہ تھا کہ قرب و جوار کے تمام غریب قبائلی گروھوں نے علی‌الصباح ھی سے اس کی چراگاھوں پر دھاوا بول دیا ھے۔ تکےجان کو تو اپنی زمینوں پر درکیم‌بائے کی آمد ھی ناقابل یقین معلوم ہوئی تھی اور اس کے دل میں خیال تک نہ آیا تھا کہ بہت سے دوسرے لوگ بھی درکیم‌بائے کی مثال اپنا سکتے ھیں۔ اس کے نزدیک اس قسم کی کسی بات کا سوال ھی نہیں اٹھتا تھا۔ لیکن اب جو اسے پورا قصہ معلوم ہوا تو وہ غصے سے پاگل ہو اٹھا۔

جمعہ‌بائے نے ابائی کو بتایا کہ قونان‌بائے کے نزدیک درکیم‌بائے کو پناہ دینا ایک غلط بات تھی۔ "کسی نااھل شخص پر مہربانی کرنے سے اچھے نتائج نہیں برآمد ہو سکتے" اس نے کہا تھا۔ "درکیم‌بائے نے ایک بار میرے اوپر بندوق تان لی تھی۔ اسے تو شکرگزار ہونا چاھئے کہ میں نے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ ابائی کسی پر مہربانی ھی کرنا چاھتا ھے تو اسے دوستوں پر مہربان ہونا چاھئے اس طرح کے بدمعاشوں پر نہیں۔ اسے درکیم‌بائے کو نکال باھر کرنا چاھئے۔" یہ تھے اس کے باپ کے احکام۔

چپ چاپ انہیں مان لینا تو خیر دور کی بات تھی اس نے اپنے اقدام کے سلسلے میں کوئی عذر تک پیش کرنے کی کوشش نہ کی۔

"اباجان کہا کرتے ھیں کہ سچے مسلمان کی حیثیت سے وہ ھر ایک کا بھلا چاھتے ھیں اور جو لوگ مصیبت میں ہوں ان کی مدد کرنا کسی سچے مسلمان کی اولین صفات میں سے ایک ھے۔ میں عوام کو زبان دے چکا ہوں اور انہیں کھانا فراھم کر رھا ہوں۔ اباجان کو اسے

میرا من مانا اقدام نہ تصور کرنا چاھئے بلکہ مجھے کامیابی کی دعائیں دینی چاھئیں" اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔

تکےجان کے لئے اب اپنے اوپر قابو پانا مشکل ھو رہا تھا۔

"اتنے ھی نیک اور پارسا ھو تو سر پر ملا کا عمامہ باندھ لو اور جاکے درکیم‌بائے کے لئے لوگوں کی آمدنیوں کا دسواں حصہ اکٹھا کرو!" وہ غصے سے بول اٹھا۔

"ضرورت پڑی تو میں یہ بھی کروں‌گا۔ عوام مصائب میں مبتلا ھیں تو میں اپنی قربانی پیش کرنے کو بھی تیار ھوں۔"

"تو جاؤ نا، جاکے ان لوگوں کے لئے بھیک کیوں نہیں مانگتے!"

"قبل اس کے کہ میں ایسا کروں عوام کو وہ سب کچھ دے دوں‌گا جو میرا ھے، وہ سب بھی جو آپ کا ھے۔"

"دراصل یہی تم کر بھی چکے ھو! تم نے ایک درکیم‌بائے ھی کو نہیں بلکہ ھر ایک کو ھماری چراگاھوں پر بسا دیا ھے۔ تم خود اپنے آپ کو بھکاری بنا لینے ھی پر مطمئن نہیں ھو۔ تم تو اپنے ساتھ ھم سب کو پستیوں میں گھسیٹ لے جانا چاھتے ھو! تم ھم لوگوں کو تباہ کرنا چاھتے ھو۔ چاھتے ھو نا؟ تم اپنی ماؤں سے فاقے کرانا چاھتے ھو!"

"میری ماؤں کی فکر تو خیر آپ کیجئے نہیں!" ابائی نے تڑ سے جواب دیا۔ "میری مائیں آپ کی اس کنجوس عورت کی طرح بلوں میں بیٹھی ھوئی گلہریاں نہیں ھیں! ان کے پاس جو کچھ ھے اس میں بڑی فیاضی سے حصہ دے سکتی ھیں، ضرورت پڑنے پر عوام کے ساتھ مصائب جھیل سکتی ھیں! میں نے جو کچھ کیا ھے وہ ان کی مرضی کے عین مطابق ھے۔ آپ کو ان کے متعلق فکرمند ھونے کی قطعاً ضرورت نہیں!"

ابائی کے لب و لہجے سے ایسا لگتا تھا جیسے اس نے بڑی قطعیت کے ساتھ کوئی حکم دے دیا ھو جیسے کسی باپ نے بیٹے سے بات کی ھو۔ تکےجان نے یہ بحث جاری رکھی ھوتی لیکن اول‌جان نے مداخلت کر دی۔

"تم دونوں اب اس سلسلے کو بند بھی کرو! بہت ھو چکی یہ تکرار" اس نے سختی سے کہا پھر جمعہ‌بائے سے مخاطب ھوکے بولی: "بہتر ھوگا کہ تم اب واپس جاؤ۔ تمہارے آنے سے قبل ھی ابائی

نے تمام بھوکے لوگوں کو بلوا لیا تھا۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اس میں ہم انہیں شریک کریں گے۔ ابھی تک ہمارے پاس غذا کی کوئی کمی نہیں۔ اور ہاں قونےکین سے کہنا کہ وہ فکرمند نہ ہوں؛ ہم عوام کو اپنا حصہ دیں گے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے بیٹے کو وعدے سے مکر جانے پر مجبور کرکے ذلیل نہ کریں!"

تکےجان نے اور کچھ بھی نہیں کہا حالانکہ اس کے خیالات میں ذرا بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ٹوپی پہن لی اور جانے ہی کو تھا کہ اول‌جان نے یہ دیکھ‌کر کہ وہ اپنی شدید برھمی کو اپنے اندر دبائے ہوئے ہے، بلند آواز سے کہا:

"ذرا ٹھہرو! قراجان سے کہنا کہ اپنے غصے کو قابو میں رکھے اور بھوکے رشتےداروں کو اس طرح کھانا کھلائے جس طرح کھلایا جانا چاہئے! وہ لوگوں میں اپنا جہیز تھوڑی تقسیم کر رہی ہے۔ اسے ہوش میں آنا اور اپنے چاروں طرف اچھی طرح نظر دوڑانا چاہئے!"

تکےجان اور بوڑھا جمعہ‌بائے وہاں سے اپنے گھوڑے پر چراگاہوں کو پہنچے جہاں انہوں نے ان قبائلی گروہوں کو شمار کیا جو ان چراگاہوں کو استعمال کر رہے تھے۔ اس کے بعد قراشوقی روانہ ہو گئے۔

قونان‌بائے نے ان کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔ اسے سخت غصہ آیا کہ ابائی اور اس کی مائیں اپنی حیثیت کو بھول بیٹھے ہیں۔ ابائی کے سرکش اقدامات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھا ہے اور کسی کو خاک بھی شمار میں نہیں لا رہا ہے۔

اگلے روز ابائی تک قونان‌بائے کا پیغام پہنچانے کے لئے جقیپ جیدےبائے آیا۔

یہ بات خاصی اہم تھی کہ اس کے باپ نے اپنا دوسرا حکم اس تک پہنچانے کے لئے اپنے بھائی جقیپ کا انتخاب کیا تھا جو صرف بہت ہی اہم کاموں کے سلسلے میں کہیں بھیجا جاتا تھا۔ دراصل قونان‌بائے کے رشتےدار اس کے پیغامات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا لیا کرتے تھے کہ وہ کس پیغام رساں کے ذریعے بھیجے گئے ہیں۔ کسی شخص کو تباہ کرنا اور اس کی جائیداد پر قبضہ کرنا مقصود ہوتا تھا تو وہ قراباس اور قامس‌بائے کو بھیجتا۔ "اس سے کہہ دینا،

اس کو معلوم ہو جانا چاهئے" قسم کا پیغام ہوتا تو وہ جمعہ‌بائے کو بھیجتا حالانکہ اس نے متعدد بار اس نوعیت کے پیغام ابائی یا قدائےبیردی کے ذریعے بھی بھیجے تھے۔ اگر معاملہ "انہیں ڈراؤ دھمکاؤ، انہیں خوف‌زدہ کرو، انہیں سختی سے ڈانٹو ڈپٹو" کا ہوتا تو اس کے لئے میباسر کا انتخاب کیا جاتا۔ "سمجھا بجھاکے راضی کر لو!" کا پیغام جو پورے پورے جرگوں سے تعلق رکھنےوالے نہایت ہی اہم معاملات کے سلسلے میں ہوتا، جقیپ کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اور جب کبھی جرگوں کے درمیان اختلافات سے متعلق صحیح معنوں میں کوئی غیرمعمولی سوال اٹھ کھڑا ہوتا تو قراتائے کو بھیجا جاتا تھا۔

اس پس‌منظر میں ابائی نے جقیپ کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ قراشوقی سے ملنےوالے احکام کی وسعت اور اہمیت بڑھتی جا رہی ہے لیکن وہ اس صورت‌حال سے نبٹنے کے لئے تیار تھا اور چپ‌چاپ سردمہری کے ساتھ بیٹھا ہوا، جقیپ پر نگاہ ڈالے بغیر سنتا رہا۔

جقیپ نے قونان‌بائے کی ہدایات سے ابائی کو مطلع کرنے سے قبل خود اپنی طرف سے متعدد دلائل پیش کئے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہے لیکن ابائی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے منھ سے نکلنےوالے الفاظ کس کے ہیں۔ وہ اپنے باپ کے پیغامات کے خفیہ مطالب کو سمجھنا سیکھ چکا تھا۔

جقیپ نے وضاحت کی کہ بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں کارروائی شروع کرنے کا کام باپ پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بیٹا اس کارروائی کی صرف حمایت ہی کر سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس بات کو واضح طور پر سمجھ لیا جانا چاهئے۔ باپ کے اچھے کاموں سے بیٹے کو عزت و اعزاز حاصل ہوتے ہیں لیکن بیٹا باپ کی مرضی کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے عجیب و غریب اقدامات اور اپنی آزادی کے لئے ضدی‌پن سے جدوجہد کرتا ہے تو اس سے اسے کوئی نیک‌نامی نہیں حاصل ہو سکتی۔

ابائی پر اس دلیل کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اس نے سوچا کہ ایسے باپ بھی تو ہوتے ہیں جو اپنے بیٹوں کے اقدامات کی حمایت کرتے ہیں، انہیں اعزاز و احترام دلانے کے لئے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

"ایسے بھی باپ ھیں جو اپنے مطالبات، منصوبوں اور مرضی کے بوجھ سے اپنے بیٹوں کو نہیں کچلتے" اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

لیکن جقیپ نے اپنی بات جاری رکھی: آدمی مدد کرنا چاھتا ہو، دوسروں کو اپنی زمینیں استعمال کرنے دینا چاھتا ھو تو اس قسم کی امداد خوشحال قبائلی گروھوں کو، ایسے لوگوں کو عارضی مشکلات کے موقعے پر دی جانی چاھئے جن کے پاس کافی مویشی ھوں کیونکہ کوئی ایسا وقت آ سکتا ھے جب ھمیں بھی ان گروھوں کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ لیکن ان لوگوں کی آخر حیثیت ھی کیا ھے جن کے لئے ابائی نے اتنی زیادہ مصیبت مول لی ھے۔ یہ لوگ تو مجموعی طور پر بھی کبھی ایک گھوڑا یا اونٹ نہیں فراھم کر سکتے۔ یہ اس کے باپ کی رائے تھی اور اس کا نقطۂ نظر اسی خیال سے ملتا جلتا تھا جس کا اظہار جمعہبائے نے پہلے پیغام میں کیا تھا۔

ابائی کو یہ دلیل بھی قائل نہ کر سکی۔ جقیپ جو کچھ کہہ رھا تھا اس کا تعلق دراصل امداد سے نہیں بلکہ قریبی رشتےداروں یا دوستوں کے درمیان باھمی طور پر ایک دوسرے کی مدد کرنے سے تھا۔ ابائی نے اپنے رویے اور اعتراضات کی وضاحت کی اور اپنے خیالات سے ذرا بھی انحراف نہ کیا۔

"سوال یہ ھے کہ زمینوں اور مویشیوں کے مالک کیا تم ھو؟" جقیپ جھلاھٹ سے بول اٹھا۔ "یہ سب کچھ کیا تمہاری محنت سے حاصل کیا گیا ھے؟ تمہارے باپ نے جو دولت اکٹھا کی ھے کیا تم سچ مچ اس سب کو لٹا دینا چاھتے ھو؟ کل بہت ممکن ھے تمہارے یا تکےجان کے مویشیوں کو ژوت کا شکار ھو جانا پڑے۔ تمہارے مائیں بھی ھیں، کم از کم انہیں کا خیال کرو!"

یہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی لیکن اس بارے میں وہ تکےجان کو جو جواب دے چکا تھا اسے جقیپ کے سامنے دوھرانا بدتمیزی کے مرادف ھوتا۔

"آپ ٹھیک کہتے ھیں، یقیناً میں اپنی ماؤں کی روٹی چھین کے اسے اڑائے دے رھا ھوں" اس نے طنزاً اعتراف کرتے ھوئے زرہ پر نگاہ ڈالی۔ "لیکن میری ماؤں میں سے ایک یہاں بیٹھی ھیں۔ وہ صرف میری ھی نہیں آپ کی اور اباجان کی بھی ماں ھیں۔ ھماری تمام

جائیداد کی یہی اصلی مالک ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئیے کہ ہم سب کو ان کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہئیے۔ اس معاملے میں ہمیں ان کی رائے معلوم کرنی چاہئیے، ٹھیک ہے نا؟"

اور ابائی اپنی دادی اماں کے کچھ اور قریب کھسک گیا۔

بوڑھی زرہ گزشتہ چند برسوں میں بالکل پژمردہ ہوکے رہ گئی تھی اور اس کے چہرے پر گہری گہری جھریاں ہی جھریاں نظر آتی تھیں۔ اس نے ابائی کو اپنی طرف جھکتے ہوئے دیکھا تو اپنا کان اس کے قریب کر دیا۔ اس کے پوتے نے چیخ چیخ کے مختصراً لیکن واضح طور پر سارے مسئلے کی وضاحت کی اور آخر میں کہا کہ وہ جو کچھ کہےگی اسے حرف آخر تصور کیا جائےگا۔

زرہ نے تیوریوں پر بل ڈالتے ہوئے جقیپ کو دیکھا۔

"میرا یہ پیغام میرے بیٹے تک پہنچا دینا" اس نے کہا۔ "مجھے اب زیادہ دن نہیں جینا ہے۔ کیا، مجھے اپنی آنکھوں سے اپنے عزیزوں کو، جو بےگھر اور ایک ایک روٹی کو ترس رہے ہیں، تباہ ہوتے دیکھنا پڑےگا؟ کیا، مجھے اب بھی یتیموں اور بیواؤں کے بہائے ہوئے آنسوؤں کا سمندر دیکھنا پڑےگا؟ کیا میرا بیٹا میرے انتقال کے بعد ان لوگوں کو جو جنازے میں شرکت کے لئے اکٹھا ہوں‌گے، کھانا نہ کھلائےگا؟ اسے ان غریب، بےسہارا لوگوں کو یہاں سے نہ بھگانا چاہئیے۔ یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ اسے میری تدفین کے اخراجات برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔"

جقیپ کے تصور میں بھی نہ تھا کہ زرہ اس قسم کی بات کہہ دےگی کہ وہ بالکل ھکا بکا ہوکے رہ گیا لیکن ابائی نے دادی اماں کی اس شدید تلخی کو محسوس کیا اور اسے جقیپ پر غصہ آ گیا۔

"اگر آپ کو زرہ ماں کی صحیح معنوں میں فکر ہے تو موقع نہ دیجئیے" اس نے کہا۔ "میں کسی کو اس بات کی اجازت نہ دوں‌گا کہ وہ ان لوگوں کو بھگا دے جنہیں میں نے پناہ دی ہے" اس نے سختی سے اعلان کیا۔

جقیپ کو زرہ کی مخالفت کرنے کی ہمت تو نہ پڑی لیکن اس نے اپنے بھتیجے کو شرمسار کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

"تمہیں کچھ احساس بھی ہے کہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم واقعی

اپنی اس دیدہ دلیری پر اڑے رہنا چاہتے ہو؟ مجھے یہ سوچ کے نفرت ہو رہی ہے کہ تمہارے الفاظ سے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔"

"اب مزید وضاحتوں کی ضرورت نہیں رہی" ابائی نے جو اب بھی سخت غصے میں تھا، کہا۔ "آپ مجھے اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ ہم لوگ بچے نہیں ہیں! وہاں لوگ اگر اپنی نئی دریافت کی ہوئی مسرت سے لطف‌اندوز ہو رہے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں، سکون سے رہنے دیں اور ہم لوگ اپنی اپنی پسند کے مطابق زندگی بسر کریں!"

جقیپ اپنی تمام زندگی میں ارغیزبائے جرگے کے ایک بھی ایسے شخص سے نہیں ملا تھا جو قونان‌بائے کی اتنی شدید مذمت کرنے کی جرأت رکھتا ہو۔

"بہت ہو چکا، میرے بیٹے! اب اور کچھ نہ کہو! میں تمہارے الفاظ کو تمہارے والد تک کس طرح پہنچاؤں گا؟ میں کبھی بھی اس بات کو فراموش نہ کر سکوں گا کہ میں نے اپنی زندگی میں جو سب سے مکروہ الفاظ سنے، ایسے الفاظ جنہیں کوئی دوسرا ادا کرتے ہوئے کانپ جاتا، وہ تمہارے منھ سے نکلے ہیں!" یہ کہہ کر جقیپ اچھل کے کھڑا ہو گیا۔

ابائی کے الفاظ میں ایک خاص مفہوم مضمر تھا۔ وہ قونان‌بائے کے اس سال سردیوں میں کئے ہوئے ناعاقبت‌اندیشانہ اقدام کی طرف اشارہ کر رہا تھا اور دراصل اسی اقدام کے باعث باپ بیٹے کی بات‌چیت خوشگوار نتیجے پر ختم ہوئی۔

حالات اس سے مختلف ہوتے تو یہ بات‌چیت یقیناً بالکل مختلف انداز سے ختم ہوئی ہوتی۔ قصہ یہ تھا کہ قونان‌بائے نے جس کی عمر ساٹھ سے متجاوز ہو چکی تھی، ایک نوجوان لڑکی سے شادی کر لی تھی۔

اول‌جان اور اس کے ساتھ رہنے‌والے سب افراد کا اس مسئلے پر دو ماہ قبل قونان‌بائے سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ جیدےبائے میں اول‌جان اور آئی‌غیز تھیں اور قراشوقی میں اس کی بڑی بیوی کونکے۔ اس کے باوجود اب وہ سترہ سالہ نورغانیم کو اپنی چوتھی بیوی بنانے جا رہا تھا۔

وہ حاجی بیردی‌خواجہ کی بیٹی تھی۔ وہ لوگ توبیق‌تی قبیلے

سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور حال ہی میں ترکستان سے آئے تھے۔ قونان‌بائے، حاجی کو مذہبی کتابوں سے متعلق اس کی معلومات، اس کے دانش‌مندانہ اقوال اور قرآن کی تفسیر کی وجہ سے پسند کرتا اور اس کے ساتھ اپنی شامیں گزارتا تھا۔

نورغانیم کی کبھی کسی سے منگنی نہیں ہوئی تھی۔ وہ متناسب اعضا، پرکشش خط و خال اور گھنے، چمکتے ہوئے سیاہ بالوں‌والی لڑکی تھی۔ اس کے چہرے سے خوبصورتی اور خوش‌مزاجی جھلکتی تھی اور آنکھوں میں ذہانت اور توانائی کی چمک تھی۔

اول‌جان اور آئی‌غیز کو نئی سوت سے متعلق خبر کونکے کے بھیجے ہوئے ایک آدمی سے معلوم ہوئی۔ اول‌جان کے دل میں رشک کا کوئی جذبہ نہ پیدا ہوا۔ اس کے چار جوان بیٹے اور پوتے پوتیاں تھیں اور مزاجاً بھی وہ جلد مشتعل نہیں ہوتی تھی۔ ویسے بھی وہ اب قونان‌بائے کو اپنا شوہر نہیں بلکہ اپنے بیٹوں کا باپ اور ایسا شخص تصور کرتی تھی جو اتنے زیادہ برسوں تک ساتھ ساتھ رہنے کی بنا پر اس سے قریب تھا۔ قونان‌بائے کے لئے دوسرے تمام جذبات مدتوں قبل ہی اس کے سینے میں دم توڑ چکے تھے۔

پھر بھی وہ اس کی نئی شادی کے خلاف تھی اور اس نے جمعه‌بائے کو بلوا بھیجا۔

"وہ اگر زندگی میں ایک بار بھی ہماری رائے مانیں" اس نے کہا۔ "تو ان کو شادی نہ کرنی چاهئے۔ اس سے خواہ مخواہ لامتناهی جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ انہیں اپنے بچوں کے سامنے کچھ شرم محسوس کرنی چاهئے۔"

اول‌جان نے ابائی کو یہ خبر بتائی تو وہ غصے اور نفرت سے کانپ اٹھا۔ "وہ چاهتے هیں کہ هم باپ کی حیثیت سے ان کا احترام کرنا ترک کر دیں۔ وہ همیں بیگانہ کرنا چاهتے هیں" اس نے سخت برهمی سے سوچا۔ "آخر وہ ان لوگوں کا خیال کیوں نہیں کرتے جو انہیں عزیز هیں مثال کے طور پر دادی ماں یا پھر امی‌جان کا جو ان کی رفیقہ حیات رهی هیں؟ ان کی سمجھ میں اتنا بھی نہیں آتا کہ هم لوگوں کو، ان کے بچوں کو ایک ایسی نئی ماں کا خیرمقدم کرتے ہوئے شرم محسوس هوگی جو عمر میں هم سب سے چھوٹی هے؟" لیکن اول‌جان سے اس نے صرف یہ کہا کہ وہ اپنے باپ کے اس اقدام کی

تائید نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنی ماں کو مشورہ دیا کہ وہ جمعہ‌بائے کو اس کے پاس بھیج‌کے یہ کہلا دے: "چونکہ انہیں ہم لوگوں کا کوئی خیال نہیں رہ گیا ہے اس لئے جس آگ میں وہ کود پڑے ہیں اس میں انہیں اکیلے ہی جلنا چاہئے۔ البتہ انہیں یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ انہوں نے ہمیں اپنے اس اقدام سے مغموم و ملول کر دیا ہے"۔

جقیپ سے ہونے‌والی بات‌چیت نے ابائی کی دکھتی رگ چھو لی تھی۔ عوام کے عام مصائب کو دیکھ‌کر پرانا زخم ہرا ہو گیا تھا اور ان دونوں مہیب اور المناک تجربات نے اس کے دل میں اپنے باپ سے شدید اختلافات پیدا کر دئے تھے۔

صرف پندرہ دن بیتے تھے لیکن وہ اتنے دشوار تھے کہ مہینوں جیسے لگتے تھے۔ اپریل کے مہینے کے، جس میں عموماً اولین سرسبز کونپلیں پھوٹا کرتی تھیں، ابتدائی ایام سب سے زیادہ دشوار ثابت ہوئے تھے۔ غیرمعمولی برفباری اور برف کے طوفانوں نے عوام پر اچانک قیامت ڈھائی تھی اور ایسی شدید قدرتی آفت لے آئے تھے جسے ہمیشہ "اپریل کا ژوت" یا "آخری برفباری کا ژوت" کے نام سے یاد رکھا جاتا تھا کیونکہ اس مختصر وقفے میں بہت ہی زبردست برفباری ہوئی تھی۔

مصیبت‌زدہ قبائلی گروہوں کے گلوں نے قونان‌بائے کی چراگاہوں پر پندرہ دن گزارے تھے لیکن اس کے بعد موسم بدل گیا اور استیپیوں میں گرم جنوبی ہوائیں چلنے لگیں۔ یہ تبدیلی ایک ماہ قبل رونما ہوئی ہوتی تو اس کا بہار کے پیامبر کی حیثیت سے بڑے پرمسرت انداز میں خیرمقدم کیا گیا ہوتا لیکن اب تو یہ محض موسم سرما کی آخری مصیبت کے خاتمے کی نشاندھی کر رہی تھی۔

ابائی اور اول‌جان نے قونان‌بائے کی طرف سے مسلسل بھیجے جانے‌والے احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے فاقہ‌کش افراد کو غذا اور دوسری سہولیات فراہم کرنے اور ان کے مویشیوں کا خیال رکھنے پر دل و جان سے توجہ مبذول کی اور ابائی تو مسلسل کئی دنوں تک اپنے گھوڑے پر سوار ان کے درمیان گھومتا پھرتا رہتا۔ وہ کچھ دبلا ہو گیا تھا، اس کے چہرے سے موسم کی کرشمہ‌سازیوں کے اثرات نمایاں تھے اور اس کا رنگ کچھ اور بھی زیادہ کالا ہو گیا تھا۔

لیکن اس کی محنتیں رائیگاں نہیں گئیں: پچاس قبائلی گروهوں کے جانور ژوت سے زنده بچ نکلے۔

۲

بہار کی ابتدائی هواؤں نے زمین پر جمی هوئی برف کو تیزی سے پگھلا دیا۔ پہاڑیوں هی نے نہیں بلکه وادیوں نے بھی اپنے برف کے لبادے اتار پھینکے۔ برف کو اتنے طویل عرصے تک ٹھہرے رهنے پر جیسے شرمندگی محسوس هو رهی تھی چنانچه وه ان ایام کی آمد سے قبل غائب هو جانے میں بڑی عجلت برت رهی تھی جن کے بارے میں کہا جاتا هے که "دهرتی نے اپنی آغوش وا کر دی هے"۔ آفتاب چمکنے لگا اور نئے موسم کے نرم اور سفید بادل آسمان پر منڈلانے لگے۔

جیدےبائے میں جن قبائلی گروهوں نے پناه لے رکھی تھی، وه اپنی موسم گرما کی چراگاهوں کو روانه هونے لگے۔ اول‌جار اور زره نے عوام کی جان بچانے میں جس طرح مدد کی تھی اس کے لئے وه بےحد شکرگزار تھے اور ان کے احسان‌مندی کے جذبات کے اظہار کے لئے الفاظ ناکافی ثابت هو رهے تھے۔ یه لوگ چلے گئے تو اول‌جار نے انکشاف کیا که اس کے موسم سرما کے گوشت کے ذخیرے ختم هو چکے هیں۔

ژوت کی تباہ‌کن قوت پڑاوؤں کے نزدیک چرنےوالے مویشیوں هی کو نہیں بلکه گرم موسم کے اولین آثار کے ساتھ سرمائی چراگاهوں سے واپس لوٹتے هوئے گھوڑوں کو بھی متاثر کرتی هے۔ شدید سردیوں کی لائی هوئی تمام صعوبتیں ان گلوں کو بھی جھیلنی پڑتی هیں۔

توبیق‌تی قبیلے کے گروهوں کے گلوں میں سے صرف قونان‌بائے اور ارغیزبائے جرگے کے علاوه بائےدالی، سوبوندیک اور بائیسال هی کے گلے محفوظ رهے تھے۔ وه بھی به‌دقت هی موسم‌سرما کی قیام‌گاهوں تک پہنچ سکے۔ هڈیوں کے ان زنده ڈهانچوں کا سلسله استیپیوں کے آر پار، دنیا کے خاتمے کے منظر کی طرح پھیلا هوا تھا۔

بہت سے لوگوں کو تو اپنے گلوں کے آخری مویشی تک سے محروم هونا پڑا تھا۔ تورغئی، جووان‌تیاق، توپائے، جیگی‌تیک اور بوکین‌شی جرگوں میں حالت یه تھی که موسم خزاں میں سردیوں کی

چراگاھوں کو ھنکائے جانےوالے ھر ھزار میں سے صرف ستر یا اسی گھوڑے ھی واپس لوٹے۔ ان لوگوں کا گھوڑوں کے معاملے میں دوسرے مویشیوں سے زیادہ ھی نقصان ھوا تھا۔

مختلف قبائلی گروہ بےحد شکستہ‌دلی کا شکار تھے۔ لوگوں نے ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا تھا اور اس طرح زندگی بسر کر رھے تھے جیسے طوفان باد و باراں کے بعد بچے کھچے، ٹوٹے پھوٹے سامان کے درمیان جی رھے ھوں۔ ان سب کو بس ایک ھی فکر تھی اور وہ یہ کہ گلوں میں جو کچھ بچ رھا ھے اسے موسم بہار کے آغاز کی جان‌لیوا ھواؤں میں کسی نہ کسی طرح زندہ رکھیں۔

صرف ایک گروہ کو اپنے گھوڑوں کی طرف سے فکرمند ھونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی: یہ تھا جیدےبائے میں مقیم زرہ کا گروہ۔ قونان‌بائے نے حکم دیا تھا کہ موسم سرما کی چراگاھوں سے واپس لوٹنےوالے گھوڑوں کو ھنکاکے چنگیز پہاڑوں پر لے جایا جائے جہاں ان کی دیکھ‌بھال اس نے خود ھی سنبھال لی تھی۔

پھر گرم موسم کا آغاز ھوا اور چاروں طرف سبز و شاداب گھاس اگ آئی۔ جیدےبائے علاقے میں مویشیوں کی سڑتی ھوئی لاشوں نے ھواؤں میں بدبو بکھیرنی شروع کی اور متعدی اور دوسری بیماریاں پھوٹ پڑنے کا خطرہ لاحق ھو گیا۔ چنانچہ اول‌جان نے سردیوں کے مکانات چھوڑکے خیموں میں منتقل ھونے کا فیصلہ کیا۔

لیکن منتقلی کے دن سے قبل‌والی شام کو اچانک زرہ علیل ھو گئی۔ ضعیف عورت، جو بڑے دردناک انداز میں کراہ رھی تھی، بمشکل سانس لے پا رھی تھی۔ وہ صبح تک اتنی زیادہ کمزور ھو گئی کہ جنبش تک نہیں کر پاتی تھی۔ ابائی اور اول‌جان سہم‌کر رہ گئے اور کسی بھی وقت اس کے پاس سے الگ نہ ھوتے۔ دونوں خود ھی اس کی تیمارداری کرتے تھے اور کسی کو گھر میں اس خوف سے آنے نہیں دیتے تھے کہ زرہ کو تکان محسوس ھوگا۔ اگلی شام کو اول‌جان مایوس ھونے لگی۔ اس نے ابائی سے تو کچھ نہ کہا لیکن ایک پیغام رساں کو قراشوقی روانہ کر دیا۔ بہو اور پوتا دونوں تمام رات بوڑھی ماں کے پاس بیٹھے رھے اور صبح کو زرہ کی آنکھوں نے جن کی بینائی زائل ھوتی جا رھی تھی، انہیں آخری بار دیکھا۔ ابائی کے دل میں امیدیں جاگ اٹھیں اور کھڑے کھڑے اپنی دادی اماں کو بڑی

پرتوقع نگاهوں سے دیکھنے لگا جو کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ابائی کچھ بھی نہ سمجھ سکا لیکن اول‌جان اس کی ایک ایک جنبش کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔ دونوں دم توڑتی ہوئی عورت کے اوپر جھک گئے جس نے غیرواضح طور پر بہت بہت دھیرے کچھ کہنا شروع کیا۔

اس کا ذہن ٹھیک حالت میں تھا لیکن طاقت جواب دے چکی تھی اور آواز اتنی نحیف تھی کہ بمشکل ہی سنی جا سکتی تھی۔

"کیا میں... تمہارے لئے... زندگی میں... اچھی مثال... قائم کر سکی ہوں؟ کیا میں... اپنے بہرے ہونے سے قبل تک... تم کو... صحیح راستے پر... لگانے میں... کامیاب ہو سکی ہوں؟ اب میں... کیا کر سکتی ہوں؟ اب جبکہ... میری بچی کھچی طاقت بھی... ختم ہونے کو ہے... تم مجھ سے... کاہے کی توقع رکھتے ہو؟.. تم میرے اوپر جھکے ہوئے ہو... مجھ سے اب... کاہے کی... توقع ہے؟"

اس نے ایک ایک لفظ زبردست کوشش سے ادا کیا۔

جوابات دےکر اسے اور زیادہ نہ تھکانا ہی بہتر تھا۔ ابائی نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے اور اس کے سامنے تعظیماً جھک گیا۔ اس کا یہ خاموش اشارہ کہہ رہا تھا: "میرے دل میں جو کچھ بھی سب سے اچھا ہے، سب سے پاک ہے وہ تمہارا ہے، میری مقدس ماں۔" اس نے نحیف بوڑھی عورت کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لےکے اس کی چھوٹی چھوٹی مرجھائی ہوئی انگلیوں کو اپنے منہ پر رکھا اور انہیں چومنے لگا۔ آنسوؤں کے گرم گرم قطرے ان انگلیوں پر ٹپکنے لگے۔

دادی اماں نے پھر سرگوشی میں کہا:

"میری آنکھ کا نور... میری آنکھ کا تارا۔"

پھر اس نے اول‌جان کی طرف نگاہیں موڑتے ہوئے کہا:

"اپنی ماں کا خیال رکھنا... اس کی فرمانبرداری کرنا۔"

اس کی طاقت جواب دیتی جا رہی تھی۔ ذرا دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولی:

"وہ بہرحال... میرا اکلوتا بیٹا ہے... اسے میری قبر پر مٹھی بھر مٹی ڈالنے دینا..."

یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ کہے گئے تھے۔ زرہ نے مزید کچھ

نہ کہا اور ابائی سمجھ گیا کہ قونان‌بائے کے متعلق یہ اس کی آخری خواہش ہے۔ اول‌جان نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا: "سب کچھ کیا جائے گا۔۔۔"

اس بیش‌بہا زندگی کا صبح کی پہلی کرنوں سے قبل ہی خاتمہ ہو گیا۔

پوری طرح صبح ہو جانے سے قبل اول‌جان یا ابائی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ زرہ کے بوڑھے دانش‌مند چہرے سے نگاہیں ہٹا ہی نہیں پا رہے تھے۔

ابائی کی زندگی میں کسی بہت قریبی عزیز کے گزر جانے کا یہ پہلا سوگ تھا۔اس کی دادی اماں کے چہرے پر موت کا رنگ چھا گیا تھا پھر بھی وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور پرسکون نظر آ رہی تھی جیسے دست اجل نے ابھی اسے چھوا ہی نہ ہو، جیسے اس کی کسی بہت ہی عزیز خواہش کی تکمیل ہو گئی ہو اور وہ اطمینان و سکون کا پیکر بن‌کر رہ گئی ہو۔

طلوع آفتاب تک بچے، بوڑھے سبھی مکان میں اکٹھا ہو چکے تھے۔ پوتے پوتیاں اور بہویں خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں، گھر کے لوگ اور پڑوسی گہری گہری ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے۔ صبح کو قراشوقی اور چنگیز میں رہنے‌والے تمام رشتے‌دار پہنچ گئے۔ قونان‌بائے اور کونکے سب سے پہلے آئے۔ دوپہر تک سارا ارغیزبائے جرگا اکٹھا ہو گیا۔

زرہ کی موت سب کے لئے ایک نقصان کی حیثیت رکھتی تھی لیکن عام ہیجانی آہ و زاری کے بجائے مرنے‌والی کے لئے ایک مخصوص احترام کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ان پچاسوں قبائلی گروہوں کے مفلس افراد جن کو ژوت کے دوران زرہ اور اول‌جان نے پناہ اور غذا فراہم کی تھی، جنازے میں شرکت کے لئے اگلے روز آئے اور جرگے کی اس معمر ماں کو بہت اعزاز و احترام کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔

قونان‌بائے اور کونکے انتقال کے بعد سوگ کے ساتویں دن تک جیدے‌بائے میں مقیم رہے۔

ابائی نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی ملا سے قرآن‌خوانی نہ کرائے گا

چنانچه اس نے خود هی کتاب مقدس کی تلاوت شروع کی اور هفتے بھر کے اندر دو بار قرآن ختم کیا۔

اول‌جان اس هفتے کے دوران ایک روز جبکه وه اپنے بیٹے کے ساتھ اکیلی تھی، زره کے متعلق اظهارخیال کرنے لگی اور ابائی بڑے انہماک سے، ایک ایک لفظ کو بڑی توجه سے سننے لگا۔

"همارى ماں نے" اس نے آبدیده هوتے هوئے کہا۔ "سچے وقار اور آن بان کی مثال پیش کی۔ وه نه هوتیں تو میں بھی عوام کی ضروریات کے سلسلے میں سنگ‌دل اور بهری هو گئی هوتی۔ هم هر بات کے لئے ان کے مقروض هیں اور همیں اپنے سینوں میں همیشه ان کی یاد کو تازه رکھنا چاهئے۔"

وه یه الفاظ ادا کر رهی تھی تو ابائی نے اچانک محسوس کیا که اول‌جان بہت زیاده سن‌رسیده سی هو گئی هے۔ ایسا لگتا تھا جیسے زندگی نے اس کے پوشیده خیالات کے درد کی مہر اس کے چہرے پر ثبت کر دی هو۔ اس نے آهسته سے سر کو جنبش دیتے هوئے زره سے متعلق اپنی ماں کے خیالات سے اتفاق ظاهر کر دیا۔

ایک هفتے بعد جبکه قرآن‌خوانی مکمل هو چکی تھی، قونان‌بائے اور اس کے افراد خاندان قراشوقی کے لئے روانه هو گئے۔

تھوڑے هی دنوں بعد مختلف قبائلی گروه اپنے معمول کے مطابق "جائےلاؤ" کے لئے چل کھڑے هوئے لیکن ابائی نے زره کا چالیسواں هونے تک قرآن‌خوانی کا سلسله جاری رکھا۔ وه ادھر ادھر منڈلاتے هوئے کاروانوں سے خود کو الگ تھلگ رکھتے هوئے زره کی یاد میں اس شاندار شخصیت کے غم میں جو دنیا سے اٹھ چکی تھی، اداس اور مغموم گیت گاتا رهتا تھا۔ وه لوگ پہاڑوں پر پہنچ گئے تو اس نے چوٹیوں پر چڑھ‌کے استیپیوں پر نظریں دوڑانا شروع کیا۔ وه ان بےپناه وسعتوں کو دیکھتا اور اداسی سے گاتا رهتا۔

ان گیتوں کی اداسی نے خزاں کے کہرے کی طرح اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ آخر جب قبائلی گروهوں نے سلسله کوه کو پار کر لیا تو عوام اپنی تمام بدبختی اور افلاس کے ساتھ ابائی کی نظروں کے سامنے آ گئے۔ اس نے دیکھا که کسی زمانے میں خوشحال تصور کئے جانےوالے گروهوں کی حالت بھی اب بہت زیاده خراب هے تو اس کا دل نئے درد کی شدت سے تڑپ اٹھا۔ مویشیوں

کی تعداد کتنی کم ہو گئی تھی! پہلے یہ حال تھا کہ چراگاہیں گلوں کے لئے ناکافی معلوم ہوتی تھیں لیکن اب وسیع علاقوں میں جہاں تہاں صرف چھوٹے چھوٹے جھنڈ ہی نظر آتے تھے۔ گلوں کے بہت ہی چھوٹے ہو جانے کی وجہ سے بہت سے قبائلی گروہ ایک دوسرے میں ضم ہو گئے تھے۔ زیادہ‌تر چراگاہیں، سرسبز و شاداب کہستانی ڈھلانیں، چنگیز سے آگے موسم گرما کی زمینیں غیرآباد رہ گئیں۔ بہت سے بھکاری نظر آنے لگے – عورتیں اور مرد جو افلاس کی دلدل میں بڑی بےبسی کے ساتھ ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ابائی کو ایسا محسوس ہوا کہ بوڑھی ماں زرہ کے دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد ایک اور عظیم ماں – ساری قوم، بستر علالت پر پڑی دم توڑ رہی ہے۔

۳

چاروں طرف افواہ گرم تھی کہ ضلع حکام انتخابات کرانے کے لئے آنےوالے ہیں اور قونان‌بائے نے ابائی کو طلب کیا۔

اس نے خزاں کا موسم تنہائی میں اپنے دومبرے اور موسیقی کے ساتھ گزارا تھا۔ وہ "سائیماق کا زرد دریا"، "دو لڑکیوں کے آنسو" اور "ننھی چڑیا کا گیت" نام کے گیتوں میں سے کسی کی بھی دھن چھیڑتا، ہر ایک لے بڑی پرمعنی ہوتی۔

اس نے نوجوانوں کے عام تفریحی مشغلوں سے دلچسپی ترک کر دی۔ یہی نہیں اسے تو جوانوں کی صحبت ہی سے نفرت سی ہو گئی۔ یربول اس سے ملنے آیا، کھیل کود اور دوسری تفریحات میں شریک ہونے کے لئے ابائی کو مدعو کیا اور نئی خوبصورت لڑکیوں کے نام لے لےکر لالچ دلایا لیکن ابائی کی بےنیازی برقرار رہی۔ اس نے اپنے دوست کو جواب دینے کے لئے ایک نیا گیت لکھا: "خاموش، دل ناداں!" یربول نے اسے سنا تو اسے قائل کرنے لگا۔

"کیا تم ہمیشہ کے لئے شباب کو الوداع کہہ رہے ہو؟ میرے یار، ابھی تو تم پچیس برس کے بھی نہیں ہوئے! یہ آخر تمہارے دماغ میں کیسے عجیب و غریب خیالات سمائے ہوئے ہیں؟ میں تو تمہیں سمجھ ہی نہیں پا رہا ہوں" اس نے کہا۔

لیکن ابائی دھیرے سے مسکراکے رہ گیا۔ جب اس کے پاس اس کے دوست کے سوا اور کوئی نہ رہا تو وہ اپنے معمول کے مطابق دومبرا بجا بجا کے یکے بعد دیگرے مختلف گیت گا گاکر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرنے لگا۔ " خاموش، دل ناداں..." ایک ایسا گیت تھا جسے وہ ہر روز بار بار گا سکتا تھا۔

یربول کو گیت کے خیالات سے اتفاق نہ تھا لیکن اس کے الفاظ اسے پسند تھے اور بعض اوقات ابائی کی آواز سے آواز ملاکے "خاموش، دل ناداں..." گانے لگتا۔ دس دنوں تک ایسا لگا جیسے دونوں بانکے اپنے شباب سے آخری بار رخصت ہو رہے ہوں۔

یربول کو اپنے گھر لوٹنا پڑا۔

"میں ضعیفی کا آرزومند تھوڑی ہوں، یربول" دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے تھے تو ابائی نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنے شباب کی قدر نہیں کرتا؟ شباب سے بہتر بھلا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس بات کو تم خود بھی جانتے ہو لیکن نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے بچپن اور بےچین شباب کی جگہ میں ایسے شباب کا متلاشی ہوں جو دانش‌مند اور مفید ہو۔ میرے لئے بھی نئی محبتیں انتظار کر رہی ہیں۔ میں تمہیں ان کے بارے میں بتاؤں تو تم دیکھوگے کہ خوابوں کی ریل پیل سے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے... تمہیں کسی نہ کسی دن اس بارے میں معلوم ہی ہو جائےگا!"

یہ بات انکشاف ذات جیسی معلوم ہو رہی تھی۔

اسی روز ابائی کو اس کے باپ نے بلا بھیجا اور یربول اپنے گھر کو روانہ ہو رہا تھا تو ابائی کے گھوڑے کا رخ قراشوقی کی طرف تھا۔

وہ باپ کے پڑاؤ کے قریب پہنچا تو اندھیرا ہو چلا تھا۔ اس نے ایک گھاٹی میں جہاں بید کی جھاڑیاں بہت زیادہ گھنی تھیں، ایک گھڑسوار کو اپنی طرف آتے دیکھا، ایک چوڑے چکلے شانوں‌والا بانکا جو دراصل اس کا چھوٹا بھائی اوسپان تھا۔ ابائی نے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں اسے صرف اس وقت پہچانا جب دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے پہنچ گئے اور اسے کچھ حیرت سی ہوئی۔ وہ اوسپان کو برابر دیکھتا آ رہا تھا لیکن کبھی اس بات پر توجہ ہی نہیں دی تھی

کہ وہ کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اوسپان خود اس سے بھی زیادہ لمبا اور چوڑا چکلا ہو چکا تھا۔

قراشوقی میں ابائی فوراً ہی اپنے باپ کے پاس نہیں گیا۔ پہلے وہ کونکے کے یہاں گیا۔ دراصل اس کا محبوب بھائی قدائےبیردی کافی دنوں سے علیل تھا اور ابائی نے وہاں جاکے پہلے اسے دیکھنے کا فیصلہ کیا۔

قدائےبیردی عذاب جان کھانسی کا مارا ہوا ایک اونچے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی سیاہ لمبی داڑھی کے بال الجھے ہوئے تھے، دبلے ہو جانے کے باعث ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں اور سوجی ہوئی نسوں میں کالی کالی گرھیں سی پڑی ہوئی تھیں۔ ابائی کو دیکھ کے اس کے زرد چہرے پر نمایاں چمک پیدا ہو گئی۔

ابائی کو اپنے بھائی کی یہ قابل رحم حالت دیکھکر بہت افسوس ہوا۔ اس نے اپنا لبادہ اتارا اور جاکے پلنگ کے قریب بیٹھ گیا۔

مرض جو اس کے بھائی کی قوت کو چوستا چلا آ رہا تھا، اب اس پر پوری طرح غلبہ پا چکا تھا۔ ابائی نے ابھی پندرہ ہی دن قبل اسے دیکھا تھا لیکن اب اس کی حالت نمایاں طور پر ابتر ہو چکی تھی۔ قدائےبیردی نے ابائی کا ہاتھ تھام کے اسے دبایا پھر اپنی ناتواں انگلیوں سے سہلانے لگا۔

"بڑا اچھا کیا جو تم آ گئے" اس نے کہا۔

ابائی نے بھائی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لےکے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ دونوں خاموش تھے لیکن دونوں الفاظ کے استعمال کے بغیر ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھ رہے تھے۔ آخرکار قدائےبیردی نے دھیرے سے کہا:

"اباجان سے ملے کہ نہیں؟"

"ابھی تو نہیں۔ میں دراصل پہلے یہیں آ گیا" ابائی نے جواب دیا۔

پاس والے کمرے سے تین لڑکے ابائی کو سلام کرنے کے لئے دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ یہ قدائےبیردی کے بیٹے شاکے، شوبار اور امیر تھے۔

ابائی نے انہیں گلے لگاکے گرمجوشی سے پیار کیا۔ شاکے اور شوبار کو ایک استاد پڑھانے آنے لگا تھا اور ابائی جب بھی ان کے یہاں آتا، ان کی تعلیم کے متعلق دریافت کرتا تھا۔ بچے اسے پسند کرتے تھے اور اس کی موجودگی میں ذرا بھی نہیں شرماتے تھے۔

قدائےبیردی نے اپنے لڑکوں کو جو ابائی کو گھیرے ہوئے تھے، دیکھا اور شدت جذبات سے بےقابو ہوکے منھ دیوار کی طرف موڑ لیا۔ اس کی یہ کیفیت ابائی سے چھپی نہ رہ سکی۔ اس نے ذرا دیر تک تینوں لڑکوں سے باتیں کیں پھر ان سے کہا کہ اب جاکے کھیلو اور خود ایک بار پھر پلنگ کے قریب بیٹھ گیا۔

قدائےبیردی نے بچوں کو باھر جاتے ہوئے بڑی اداس نگاھوں سے دیکھا۔

"ان کا کیا ہوگا؟ ان پر کیا بیتےگی اگر... یہ تمہارے بھائی* ھیں۔ تینوں میں سے ھر ایک کو کس قسم کی زندگی نصیب ہوگی؟ میں تو بہرحال ان کا مقروض رھوںگا" اس نے کہا جیسے ان لڑکوں سے ھمیشہ کے لئے رخصت ھو رھا ھو۔

ابائی کی آنکھیں نمناک ھو گئیں اور اس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا:

"میں اس قرض کو اپنے اوپر لے لوںگا، باکے! میں زندگی میں ان لڑکوں کے بوجھ کو حتیالامکان بہترین طریقے سے اپنے شانوں پر اٹھائے رھوںگا!"

"آنسو نہ بہاؤ... رونے کی کوئی ضرورت نہیں" قدائےبیردی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک دونوں خاموش رھے۔ قدائےبیردی کروٹ بدلکے پہلو کے بل لیٹ گیا تاکہ ابائی کا سامنا ھو سکے لیکن کروٹ بدلنے کے باعث اسے پھر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ ابائی نے کمبل کو شانے تک کھینچکے اسے ٹھیک سے اوڑھا دیا۔

"جانتے ھو اباجان نے تمہیں کیوں بلایا ھے؟" قدائےبیردی نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں باکے، مجھے ابھی کچھ نہیں معلوم۔"

"اچھا تو میں تمہیں بتاتا ھوں۔ افسران آج یہاں آ گئے ھیں۔ وہ لوگ انتخاب کرائیںگے۔ اباجان نے انہیں جقیپ کے پڑاؤ پر ٹھہرایا ھے۔ لوگ کہتے ھیں کہ نئے وولوست قائم ھوںگے، نئے

---

* قزاخوں کی خاندانی روایات کے تحت بھتیجے اور چھوٹے بھائی میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔

ذمےداران۔ نئے حکمراں مقرر کئے جائیں گے۔ اباجان تمہارا نام تجویز کرنا چاہتے ھیں۔ بولو تم اس بارے میں کیا سوچتے ھو؟"

"اور آپ؟ آپ کا مشورہ کیا ہے؟"

"بھتی اگر تم میری رائے جاننا چاہتے ھو" قدائےبیردی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تو میں تو انکار کرتا ھوں۔ کسی شخص کی قدر و قیمت کا انحصار اس کے حکمراں ھونے یا نہ ھونے پر نہیں ھوتا۔ اس بات کو ہم لوگ خود ہی دیکھ چکے ھیں۔ دراصل اقتدار انسان کو بگاڑ دیتا ہے۔ اس سے نیک نامی حاصل ھونے کے بجائے صرف گالیاں کوسنے ھی ھاتھ لگتے ھیں۔ تم اپنی جوانی مفت میں قربان نہ کرنا!"

"ھاں باکے۔ یہ سب بالکل صحیح ہے" ابائی نے فوراً ھی اتفاق رائے ظاھر کیا۔

"نکےجان کوشش کر رھا ہے کہ اس کا انتخاب ھو جائے۔ تم اس کی خوشی کے لئے اسے وولوست سربراہ بن جانے دو!" قدائےبیردی نے آخر میں کہا۔

ابائی اپنے بھائی کے پاس رات میں دیر تک بیٹھا رھا۔ قدائےبیردی نے ایک دومبرا منگوایا اور ابائی اس پر مختلف گیتوں کی دھنیں بجاتا رھا۔

انتخابات کرانے کے لئے جو افسر آیا تھا اس نے قونانبائے سے اس مسئلے پر خاصی طویل گفتگو کی اور صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ وہ وولوست سربراہ کے عہدے کے لئے امیدواروں کے انتخاب میں قونانبائے کی رائے پر عمل کرنا چاھتا ہے۔

وولوست نظم ونسق سے متعلق نیا قانون جس دن سے نافذ ھوا تھا، اسی دن سے قونانبائے نے اس قسم کے عہدے کو ٹھکرا دینے کا سختی سے عزم کر رکھا تھا۔ وہ اقتدار سے محبت کرتا تھا اور آغا سلطان کا عہدہ جب تک برقرار رھا اسے اس لقب سے گہری وابستگی رھی۔ بعد میں اسے اس عہدے سے معزول کر دیا گیا تھا اور وہ توبیق‌تی قبیلے کا سردار بن گیا تھا۔ تب بھی سارے کا سارا قبیلہ اس کی مٹھی میں تھا۔

لیکن سرکاری ذمےداران کی مداخلت میں مسلسل اضافہ ھوتا جا رھا تھا۔ اب توبیق‌تی قبیلہ ایک کے بجائے تین وولوستوں میں تقسیم

کیا جا چکا تھا اور صرف ایک تہائی قبیلے کا حکمراں ہونا کوئی خاص اعزاز کی بات نہ تھی۔ اس کے برعکس وہ اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کرکے، خود کو الگ تھلگ رکھکے پورے قبیلے پر اپنے اثر و رسوخ کو یقیناً برقرار رکھ سکتا تھا۔ یہ اس کے فیصلے کی پہلی وجہ تھی۔

لیکن ایک دوسری وجہ بھی تھی: قبیلے کی حکمرانی زیادہ سے زیادہ دشوار ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ لوگ کسی طرح حکم ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔ وہ ان لوگوں کو سزا دیتا تو ماضی کی طرح پھر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے۔

ان کے لئے کسی نوجوان حکمراں کی ضرورت تھی جس کی گرفت خاصی سخت ہو۔

اس نے سوچا کہ نوجوانوں کو آپس میں لڑنے جھگڑنے دینا چاہئے۔ نئی نسل بڑی ہو چکی ہے۔ بہترین صورت یہی ہے کہ اختیارات اسے سونپ دئے جائیں اور وہ اپنی بندوق دوسروں کے کندھوں پر رکھکے چلائے۔

قونان‌بائے کے دل میں ایک تیسرا خیال بھی کروٹیں لے رہا تھا۔ وہ ستر سال کا ہونے کو تھا اور اس کے لئے اپنے بیٹوں میں سے کسی جانشین کا انتخاب کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

معاملے پر اچھی طرح غور و خوض ُکرنے کے بعد اس کی نظر انتخاب ابائی پر پڑی لیکن اس فیصلے میں بھی اس کے سیانے‌پن کا خاصا ہاتھ تھا۔

ابائی بڑا ہوکے اس کے دائرہ اثر سے نکل گیا تھا۔ اس کے طرز عمل اور گفتگو نے ظاہر کر دیا تھا کہ قونان‌بائے کے عقب میں، اس کے بیٹے کی شکل میں، ایک بہت ہی سخت نکتہ‌چیں آن کھڑا ہوا ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں یہ بات خاص طور سے بہت نمایاں رہی تھی اور قونان‌بائے کے نورغانیم سے شادی کرنے کے بعد تو ابائی نے اپنے باپ سے مکمل طور پر بیگانگی اختیار کر لی تھی۔ قونان‌بائے اس سلسلے میں اول‌جان کو سب سے زیادہ مورد الزام ٹھہراتا تھا اور گزشتہ گرمیوں میں تو اول‌جان سے کہہ بھی دیا تھا: "بھئی تم نے اس کی پرورش ہی کچھ ایسی کی ہے کہ وہ سرد مہر نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔"

لیکن قونان‌بائے یہ بھی جانتا تھا کہ ابائی ذھین اور مستعد نوجوان ھے۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنے بیٹے کا جو اس سے دور ھوتا جا رھا ھے، دل جیت لینا چاھئے۔ ابائی کے اوپر اختیارات اور ذمےداریوں کا بوجھ آن پڑےگا تو اسے اپنے باپ کا محتاج ھونا پڑےگا، خواہ وہ چاھتا ھو یا نہ چاھتا ھو۔ اس نے سوچا کاش وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ھو جائے، کاش ابائی راضی ھو جائے! وولوست سربراہ کی حیثیت سے وہ بہت سے ایسے معاملات سے حسن و خوبی سے نپٹ سکےگا جو زیادہ‌تر نوجوانوں کے بس سے باھر ھیں۔ وہ اپنے بیٹے پر اعتماد کرتا تھا اور اس کے فیصلے میں اس کے اس اعتماد کا بہت ھاتھ تھا۔

ابائی قونان‌بائے سے ملنے گیا تو وہ چائے پی چکا تھا۔ دسترخوان بڑھایا جا چکا تھا اور فرش پر بچھے نمدے پر پھر سے جھاڑو دی جا چکی تھی۔ تکےجان اس پر سبقت لے گیا تھا اور وہ اپنے باپ کے قریب مدرسے کے کسی پاکباز شاگرد کی طرح ایک گھٹنے پر جھکا ھوا کھڑا تھا۔ ابائی کے پہنچنے پر قونان‌بائے نے دوسروں کو رخصت کر دیا اور صرف دونوں بیٹے ھی کمرے میں اس کے پاس رہ گئے۔ اس نے یوں تو دونوں سے باتیں کیں لیکن صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ دراصل وہ ابائی ھی سے مخاطب ھے۔ اس نے کہا کہ اب وہ بوڑھا ھو رھا ھے۔ اس کی ساری زندگی — خواہ عام افراد جیسے دشوار ایام رھے ھوں خواہ شان و شوکت کے سال — تشویش اور جدوجہد میں گزری ھے۔ اس نے یہ ساری جدوجہد آخر کیوں کی؟ محض اپنے بیٹوں کے، اپنے بچوں کے مستقبل کے لئے۔ اب بچے بڑے ھو چکے ھیں اور وقت آ گیا ھے کہ وہ لوگ اپنی زندگیوں کی سمت کا خود ھی تعین کریں۔ مستقبل میں انہیں دوست یا دشمن جو بھی ملےگا وہ بہرحال ان کے ھم‌عصروں میں سے ھوگا۔ عہد حاضر کی پراسرار باتوں تک بڑے بوڑھوں کی بہ‌نسبت وہ کہیں زیادہ رسائی رکھتے ھیں۔ وہ آگے بڑھنے کا بہترین راستہ نسبتاً کہیں زیادہ جلد پا جائیں‌گے۔ ان کے مفادات کا اس کے دونوں بیٹوں کو تحفظ کرنا چاھئے۔ ایک کو آج اور دوسرے کو کل۔ انہیں ایک دوسرے پر نہ رشک کرنا چاھئے نہ فوائد کے سوال پر تنازعہ کھڑا کرنا چاھئے۔ اس وقت ان کے باپ نے ابائی کو منتخب کیا ھے۔ اسے

یقین ہے کہ ابائی کے لئے وولوست کی سربراہی قبول کرنا صحیح بات ہوگی۔

جانے کتنے دنوں کے بعد قونان‌بائے نے ابائی سے اتنی دیر تک بات کی تھی۔

ابائی کچھ دیر تک یوں خاموش رہا جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔ پھر اس نے حلق صاف کرکے کہا:

"اباجان، آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں، اس کے لئے میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ آپ کا یہ خیال درست ہے کہ آپ کو زندگی کا بار ہم لوگوں پر منتقل کر دینا چاہئے۔ وقت آ گیا ہے کہ آپ کو ان تمام جھمیلوں سے چھٹی مل جائے اور آپ کو بالآخر سکون سے زندگی بسر کرنے کا پورا حق ہے۔ لیکن اگر آپ نے میرا انتخاب کیا ہے تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں وولوست سربراہ نہیں بننا چاہتا۔ میرا اس قسم کا کوئی رجحان ہی نہیں۔ تکے‌جان مجھ سے عمر میں بھی بڑے ہیں اور زیادہ صاحب وسائل بھی ہیں۔ یہ اس عہدے کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ وولوست کی سربراہی انہی کو قبول کرنے دیجئے!"

ابائی نے آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے تکے‌جان کی طرف دیکھا جس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا لیکن جو اب بھی فرمانبردار شاگرد جیسا انداز برقرار رکھے ہوئے تھا اور کسی ایسے بناوٹی پاکباز ملا سے بہت زیادہ ملتا جلتا نظر آ رہا تھا جسے کسی کی تدفین کے موقعے پر مختلف رسوم انجام دینے کے عوض کثیر معاوضے کی توقع ہو۔

قونان‌بائے نے اپنی واحد آنکھ بڑی غضبناکی کے ساتھ ابائی پر جما دی اور اس کے اس فیصلے کی وجہ دو بار دریافت کی۔

ابائی نے پہلی بار مختصراً جواب دیا تھا: "میں اس کے لئے موزوں نہیں ہوں" لیکن اس کے باپ نے زیادہ زور دیا تو اس نے تفصیل کے ساتھ جواب دیا۔

اس نے کہا کہ حکمراں اس شخص کو ہونا چاہئے جو صحیح معنوں میں سن شعور کو پہنچ چکا ہو اور وہ خود کو متعلقہ ذمےداریاں پوری کر سکنے کا اہل نہیں تصور کرتا۔ ناتجربےکار ہاتھوں میں اقتدار کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کسی بچے کے

ہاتھوں میں استرا: وہ بےچارہ یا تو خود اپنے آپ کو زخمی کرےگا یا دوسروں کو۔ اس نے یہ بھی کہا کہ دراصل اپنے بارے میں کوئی ڈر نہیں ہے بلکہ اسے ان عوام پر رحم آ رہا ہے جو خود کو اس کا محتاج پائیں گے۔ اسی وجہ سے وہ اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر رہا ہے۔ جب اس کی معلومات میں اتنا زیادہ اضافہ ہو جائےگا کہ وہ عوام کو فائدہ پہنچانے کے قابل ہو جائے اور صحیح معنوں میں محسوس کرےگا کہ وہ ان ذمےداریوں پر پورا اتر سکتا ہے تو اپنے باپ کے تجویز پیش کرنے کا انتظار نہ کرےگا بلکہ خود ہی اپنی خواہش کا اظہار کر دےگا۔ اس سلسلے میں اس نے پکا وعدہ کر لیا لیکن جہاں تک فوری طور پر عہدے کو قبول کرنے کا سوال تھا، اس نے اپنے باپ سے درخواست کی کہ وہ مزید اصرار نہ کرے۔

یہ سن کے قونان‌بائے اچانک تکےجان کی طرف مڑا اور اسے اس عہدے کی پیش‌کش کی۔ وہ تو جیسے تیار ہی بیٹھا تھا۔ فوراً راضی ہو گیا۔

۴

قونان‌بائے نے ابائی کو تینی‌بائے نام کے ایک بڑے تاجر سے بعض تجارتی معاملات طے کرنے کے لئے سیمی‌پالاتنسک بھیجا۔ اس نے تینی‌بائے کے بیٹے سے اول‌جان کی سب سے چھوٹی بیٹی ماکیش کی شادی کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔

شہر میں ابائی کی ایک روسی وکیل اندرئیف سے جان پہچان ہو گئی جسے قزاخ لوگ اقباس* اندرئیویچ کہا کرتے تھے۔

طویل قامت، گٹھا ہوا جسم اور بڑا سا خوبصورت چہرہ۔ وہ دیکھنے میں بڑی دل‌نشیں شخصیت کا مالک تھا۔ عینک کے پیچھے سے سنجیدگی کے ساتھ جھانکتی ہوئی تیز تیز آنکھیں، اس کے کسی گہری سوچ میں کھوئے ہونے کا تاثر دیتی تھیں۔ سر کے بال قبل از وقت سفید ہو گئے تھے اور داڑھی بھی سفید ہوتی جا رہی تھی۔

---

* اقباس — سفید بالوں‌والا۔

اندرئیف بہت زیادہ قابل اور تجربےکار آدمی تھا لیکن اسے قزاخوں کے درمیان آئے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے اور وہ ان لوگوں سے ابھی تک واقف نہیں ہو سکا تھا۔ اپنی نوجوانی اس نے پیٹربرگ میں گزاری تھی جہاں وہ زارشاہی افسران کے مظالم کے خلاف جدوجہد کرنےوالوں سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اپنی انہی سرگرمیوں کی بنا پر اسے راجدھانی سے بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ مگر اسے پتہ چلا تھا کہ صوبوں میں دوبارہ وکالت شروع کرنے کی آزادی حاصل ہے چنانچہ وہ وہیں پرامن زندگی گزارنے لگا۔ اس نے کافی زمانہ دریائے والگا کے کنارے آباد علاقوں میں گزارا اور بعد میں اورال میں مقیم رہا۔ گزشتہ چند برس اس نے سائبیریا میں گزارے تھے۔ وہ بہت ہی اعلا تعلیم‌یافتہ اور روشن‌خیالی کا سنجیدگی سے حامی تھا اور اس نے قرغیزوں* کی زندگی اور رسم و رواج کے متعلق مواد یکجا کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کسی اہم سرکاری عہدے پر مامور نہ تھا پھر بھی شہر میں خاصا بااثر تصور کیا جاتا تھا۔

ابائی اور اندرئیف کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں جن کے دوران قزاخوں کی زندگی اور ان کے مستقبل کے بارے میں طویل بات‌چیت ہوتی۔

ابائی کے گھر لوٹنے کا وقت آیا تو وہ اندرئیف سے رخصت ہونے کے لئے اس کے یہاں گیا۔

"تمہیں عوام کی بہت زیادہ فکر ہے" وکیل نے کہا۔ "تمہاری جیسی عمر کے کسی نوجوان کے لئے یہ نہایت ہی شاندار صفت ہے لیکن اگر تم صحیح معنوں میں عوام کی مدد کرنا چاہتے ہو تو تمہیں خود کو روشن خیال بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

اندرئیف نے ابائی کی سب سے عزیز خواہش کو بھانپ لیا تھا۔

"میری خود بڑی خواہش ہے کہ مطالعہ کروں" ابائی نے اداسی سے کہا۔ "لیکن کہاں؟ میری اتنی عمر آ گئی اب اسکول تو جانے سے رہا۔ اچھا بتائیے کہ اسکول گئے بغیر بھی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے؟"

---

* سوویت اقتدار سے قبل قرغیز اور قزاخ — دونوں بڑی قوموں کو اکثر ترقی‌پسند روسی تک ایک ہی تصور کرتے تھے۔

وکیل نے فوراً ھی ابائی کو یقین دلایا کہ مطالعے کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ھوتا۔ اس نے کہا کہ ایسے بھی لوگ گزرے ھیں جنھوں نے چالیس سال کی عمر میں مطالعہ شروع کیا۔ انہوں نے خود اپنی کوششوں سے تعلیم حاصل کی تھی پھر بھی انھیں مفکرین کی حیثیت سے شہرت حاصل ھوئی۔ اس نے ایسے افراد کے نام بتائے اور وضاحت کی کہ اسکول گئے بغیر کس طرح تعلیم حاصل کی جا سکتی ھے۔ وکیل نے اس کے لئے ٹیچر کا بندوبست کر دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ ابائی کو سب سے پہلے تو یہ طے کرنا چاھئے کہ وہ کتابوں کے مطالعے کے سلسلے میں سخت محنت کرنے کو تیار ھے کہ نہیں۔ اگر وہ تیار ھے تو اس کے لئے معلومات کے خزانے کا دروازہ کھل جائے گا۔

ابائی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رھی۔ اسے ایسا محسوس ھوا جیسے وہ بندھن جنھوں نے اس کو اتنی زیادہ سختی سے جکڑ رکھا تھا، آخرکار ڈھیلے ھونے کو ھیں۔ وہ اپنے پڑاؤ کو لوٹ آیا تاکہ ارکان خاندان سے اپنے مقصد میں کامیابی کی دعائیں حاصل کرے، ضرورت کا سامان ساتھ لے اور جلد از جلد شہر واپس آ جائے۔ وہ اپنے اس منصوبے کے سلسلے میں سخت جوش و خروش کی حالت میں تھا۔

جیدےبائے میں اسے زیادہ دنوں تک نہ روکا گیا۔ دلدا اور اول‌جان جلد ھی راضی ھو گئیں اور دوسروں کی رائے اس کے لئے کوئی اھمیت نہیں رکھتی تھی۔ مرزاخان کو ایک گھوڑے کے ساتھ سیمی‌پالاتنسک روانہ کیا گیا جسے وھاں ذبح کیا جانا تھا۔ دوسرا مسئلہ رقم کا تھا جسے کھالوں کی ایک گانٹھ اور متعدد مویشی شہر بھیج‌کے حل کر دیا گیا۔ اس کے بعد خود ابائی نے سفر کی تیاریاں کیں۔

اس سال موسم گرما میں دلدا کے تیسرے بچے کی ولادت ھوئی تھی۔ ننھا عبدالرحمان پہلا بچہ تھا جس نے ابائی کے سینے میں شفقت پدری بیدار کی۔

دلدا کے سب بچے اپنی ماں پر پڑے تھے اور ابائی سے ذرا بھی نہیں ملتے جلتے تھے۔ ماں کی طرح سب کی رنگت زرد تھی۔ عبدالرحمان بھی اس معاملے میں ماں ھی پر پڑا تھا لیکن اس کے بیضوی

چہرے کا نفیس ناک نقشہ، حیرت انگیز طور پر بڑی بڑی آنکھیں اور نمایاں ابھری ہوئی بھنویں – سب کچھ ماں سے مختلف اور ہو بہو ابائی جیسا تھا۔

دلدا کو اس نے تنہائی میں الوداع کہا۔ اس موقعے پر زیادہ کہنے سننے کو تو تھا نہیں دونوں ایک دوسرے کے لئے پرخلوص، محبت بھرے جذبات رکھتے تھے اور دلدا نے جو ہمیشہ کی طرح اپنی کم‌سخنی پر قائم تھی، صرف ایک خواہش ظاہر کی:

"آپ اپنی ماں اور ننھے بچوں کو چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ انہیں بھول نہ جائیےگا۔ میں اپنے لئے کسی بات کی طالب نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہوں‌گی کہ ہم لوگوں کو بہت زیادہ دنوں تک انتظار نہ کرائیےگا۔ جب بھی ممکن ہو گھر آ جائیےگا!" اور اس نے مسکراتے ہوئے ابائی کو دیکھا۔

دراصل اس کا مزاج ہی ایسا نہ تھا کہ وہ آنسوؤں یا ٹھنڈی سانسوں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتی۔ کوئی بات اس کے ذہن میں ہوتی تھی تو اسے کسی حیلے بہانے کے بغیر بےباکی کے ساتھ کہہ دیتی تھی۔ ابائی نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور اس کے شانوں کو پیار سے سہلانے لگا۔

"میں تفریح و تعیش کے لئے نہیں بلکہ بہتر انسان بننے کے لئے وہاں جا رہا ہوں۔ بس اس بات کو یاد رکھنا۔"

اس نے ننھے عبدالرحمان کو کپڑے پہناکے گود میں لیا اور اپنی ماں سے ملنے چلا گیا۔

اول‌جان گزشتہ چند برسوں میں خاصی سن‌رسیدہ نظر آنے لگی تھی۔ وہ پل بھر تک کھڑی پس و پیش نہ کرنےوالی آنکھوں سے بیٹے کو دیکھتی رہی پھر بچے کو اس کی گود سے لےکے اس کے سر سے اپنے چہرے کو مس کرنے کے بعد دلدا کی گود میں دے دیا۔ ابائی کو اس نے خود سے قریب کرتے ہوئے اس کا بوسہ لے لیا۔ اس وقت اس کے دل کے تمام جذبات زرد چہرے پر سمٹ آئے تھے۔

"میری آنکھوں کے نور! تمہاری دادی اماں نے تمہیں ایک بار "میرا اکلوتا بیٹا" کہا تھا۔ دوسرے سب بچے ان کے لئے ایک جیسے تھے لیکن تم مخصوص حیثیت کے مالک تھے۔ تمہیں یاد ہے نا جب تم بیمار تھے تو انہوں نے خدا سے کس طرح دعائیں مانگی تھیں: "میرے

خدا، میری آنکھوں کے اس نور کو ظلم اور سنگ‌دلی سے محفوظ رکھ..." وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوئیں تو ان کے ھونٹوں پر یہی الفاظ تھے۔"

ابائی کو زرہ کے آخری الفاظ یاد آئے؛ اس کی ماں نے انہیں کچھ بدل دیا تھا۔

"تمہارا زمانہ آ گیا ھے" اول‌جان نے اداسی کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی۔ "اور تمہاری لڑائی کا میدان تمہارے سامنے پھیلا ھوا ھے۔ بہادری سے کام لینا! تم کو فتح کس طرح حاصل ھوگی، یہ وہ بات ھے جس کا تعین تم ھم سے بہتر طور پر کر سکتے ھو۔ ھمیں تمہارے قدموں کی بیڑیاں نہیں بننا چاھئے۔ خدا تمہیں مسرتوں سے ھمکنار کرے!"

ابائی ٹھیک اسی انداز سے جیسے بچپن میں کیا کرتا تھا، اپنی ماں سے محبت کے ساتھ لپٹ گیا اور اس سے رخصت ھوا۔ اسے رخصت کرنے کے لئے پڑاؤ کے تمام افراد باھر نکل آئے تھے۔ ابائی ھر ایک کو الوداع کہہ‌کے گھوڑے پر سوار ھو گیا تو اس کی ماں نے اسے ایک بار پھر پکارا۔

"ارے ابائی‌جان، توئی‌گلی کے پڑاؤ پر رک جانا! تمہارے اباجان اور ان کے دوست ایک منگنی کی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے وھاں گئے ھوئے ھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ھم لوگ بھی اپنے سارے گروہ کے ساتھ وھاں آ جائیں لیکن میرے لئے یہ بہت دشوار بات ھے۔ تم بھی وھاں نہ جاؤگے تو انہیں افسوس ھوگا۔ جانے سے پہلے ان لوگوں کے ساتھ کچھ وقت ضرور گزار لینا" اس نے اصرار کیا۔

ابائی نے اس کے کہنے پر عمل کرنے کا وعدہ کیا، ھاتھ ھلاکے رخصت ھوا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

توئی‌گلی کا پڑاؤ اس کے راستے سے کچھ ھٹ‌کے اوردہ پہاڑ کی ڈھلانوں پر واقع تھا لیکن جیدےبائے کی بہ‌نسبت سیمی‌پالاتنسک سے زیادہ قریب تھا۔

توئی‌گلی، ماماے قبیلے کا ایک ممتاز بائے تھا اور قونان‌بائے نے اس سال موسم سرما میں اس کے خاندان میں ایک شادی کے ذریعے

اس سے رشتہ اتحاد قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سردیاں اچھی گزری تھیں۔ مویشیوں کی اچھی دیکھ بھال ہوئی تھی اسی لئے توئی‌گلی کے لئے قونان‌بائے کی آمد کی تاریخ مقرر کرنا ممکن ہو سکا تھا اور قونان‌بائے اپنے بہت سے رشتےداروں کے ساتھ منگنی کی تقریبات کا جشن منانے کے لئے وہاں پہنچ گیا تھا۔

اباٸی یربول کے ساتھ وہاں گیا۔ قونان‌بائے کے ساتھ آنےوالوں میں قراتائے، جمعہ‌بائے، جقیپ اور دوسرے معمر افراد شامل تھے۔ توئی‌گلی کے تینوں مکانات مہمانوں سے بھرے ہوئے تھے اور چاروں طرف شور غل کی فضا میں قہقہے بلند ہوتے رہتے تھے۔ اباٸی اور یربول ایک مکان میں داخل ہوئے اور بیٹھکے لوگوں کی باتیں سننے لگے۔ اس وقت بھی ہمیشہ کی طرح زیادہ‌تر باتیں قراتائے ہی کر رہا تھا۔

بڑے بوڑھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے، ماضی و حال کا موازنہ کرنے لگے۔ قراتائے نے اپنی جوانی، اپنے باپ اور دادا پردادا کا تذکرہ کیا اور آخر میں موجودہ زمانے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ عوام، ژوت سے متاثر مویشیوں کی طرح دبلے پتلے ہو گئے ہیں اور ان میں پہلی جیسی صفات بھی نہیں پائی جاتیں۔

یہ سن‌کے اباٸی نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا:

"جی ہاں پرانے زمانے بھی کتنے شاندار تھے جب پڑوسی جرگے مسلسل ایک دوسرے پر ہلہ بولتے اور ایک دوسرے کو لوٹتے رہتے تھے! ان دنوں معمر افراد، عورتیں اور بچے سکون کے ساتھ سونا تو درکنار، کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ کوئی شخص سیبان سے توبیق‌تی یا توبیق‌تی سے سیمی‌پالاتنسک کو اکیلا سفر کرتا تو اسے مسلسل خطرہ لاحق رہتا تھا۔ اسے ہر وقت چوکنا اور چوکس رہنا پڑتا تھا، اس اندیشے سے کہ کہیں لوٹ نہ لیا جائے، کہیں ہلاک نہ کر دیا جائے! یقیناً وہ بہت شاندار زمانے تھے!"

لیکن بوڑھوں نے اس کی ایک بھی نہ سنی۔ انہیں ماضی بہت ہی شاندار معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بیتے ہوئے ایام کی، بندشوں اور قیود سے آزاد زندگی اور خوشحالی کی باتیں کرتے رہے۔

"اور اس زمانے میں لوگ زیادہ طویل قامت ہوتے تھے۔ دیکھنے میں کہیں زیادہ شاندار لگتے تھے" انہوں نے کہا۔

قونان‌بائے نے ان لوگوں کے اس خیال سے پوری طرح اتفاق کیا اور ان کی دلیلوں کو اپنی ایک وزنی دلیل سے کچھ اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

"ہر نئی نسل، گزشتہ نسل کی بہ‌نسبت روز قیامت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ دراصل انسانیت دھیرے دھیرے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے زمانے موجودہ دور کی بہ‌نسبت رسول خدا کے زمانے سے زیادہ قریب تھے اور رسول خدا سے جو جتنے زیادہ قریب رہے ہیں وہ اتنے ہی بہتر افراد تھے!"

لیکن ابائی نے فوراً ہی جواب دیا۔ وہ کچھ عجیب جوش و خروش میں آ گیا تھا، بالکل اس مغنی شاعر کی طرح جو شاعری اور گیت کے مقابلے میں حصہ لینے ہی والا ہو۔ اس کی اندرونی قوتیں کھلم کھلا بر سر پیکار ہونے کو بے‌تاب ہو رہی تھیں۔

"معاف کیجئے‌گا، نیکی اور مسرت کو زمان و مکان کے پیمانے سے نہیں ناپا جاتا" اس نے اعتراض کیا۔ "الاتاؤ کی چوٹی آفتاب سے نسبتاً قریب ہے لیکن دائمی برف سے ڈھکی رہتی ہے جبکہ اس کی ترائیوں اور دامنوں پر ہریالی نظر آتی ہے، بے‌شمار پھول کھلتے رہتے ہیں، پھلوں کی افراط ہے اور انسان اور دوسری ذی حیات چیزیں موجود ہیں۔ رسول خدا کے والد عبداللہ ان سے آپ کے مقابلے میں زمانے کے اعتبار سے کہیں زیادہ قریب تھے پھر بھی کافر کی حیثیت سے مرے۔"

سب لوگ ہنس پڑے۔ بوڑھوں نے ابائی کی اس ضرب کی قوت کو محسوس کیا اور خاموشی سے قونان‌بائے کی طرف دیکھنے لگے جو غصے سے بپھر کے ابائی پر چلایا:

"بس بہت ہو چکا!"

ابائی نے حیرت سے اپنے ہاتھ اٹھائے لیکن مزید کچھ نہ کہا۔ قہقہہ فوراً ہی بند ہو گیا اور کمرے پر بوجھل خاموشی چھا گئی۔

لیکن قراتائے دل ہی دل میں خوش ہوا اور اس نے جقیپ کو کہنی مارتے ہوئے سرگوشی کی:

"ذرا دیکھنا بھئی، یہ تو ایک قدم بھی نہیں اٹھانے دیتا۔ اس کی گرفت جان‌لیوا ہے!"

جلد ہی ناشتے کی چیزیں مہمانوں کے سامنے لگا دی گئیں۔ ابائی اور یربول وہاں سے آگے روانہ ہونے کے لئے لبادے پہننے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ چلنے لگے تو قونان‌بائے بھی ان کے پیچھے پیچھے مکان سے باہر نکلا۔

اس نے ابائی کو آواز دی اور اپنے ساتھ ایک چٹانی ٹیلے پر لے گیا۔ جانے کتنے دنوں کے بعد وہ دونوں اس طرح ساتھ ہوئے تھے کہ اور کوئی موجود نہ تھا۔

"تم کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے، علم سے فیضیاب ہونے کے لئے بھیجا گیا تھا اور ایک استاد نے تمہاری تربیت کی ہے جبکہ ہم لوگ جہالت میں بڑھے پلے ہیں۔ لیکن آخر تمہارا علم تم کو یہ سکھانے میں کیوں ناکام رہا کہ تمہیں دوسروں کی موجودگی میں اپنے باپ کا احترام کرنا چاہئے؟ اجنبیوں کے سامنے اپنے باپ کی غلطی پکڑنا اور اسے شکست دینا بھی بھلا کوئی خوبی کی بات ہے؟" اس نے سرزنش کرنے‌والے لہجے میں دریافت کیا۔

تو اس کے باپ نے تسلیم کر لیا تھا کہ اسے شکست دے دی گئی ہے...

ابائی نے اسے بڑی توجہ کے ساتھ دیکھا؛ اس کا بے‌رحم، تحکمانہ انداز رکھنے‌والا چہرہ اب ایسا لگتا تھا کہ پژمردہ ہو گیا ہے، سوکھ اور سکڑ گیا ہے۔ اس کی کمر کچھ جھک گئی تھی، جھریاں نمایاں ہو گئی تھیں اور اس کی سرزنش کے انداز سے بھی ایک طرح کی بچوں جیسی تنگ‌مزاجی بلکہ تقریباً بے‌بسی جھلکتی تھی۔ لیکن نوجوانوں کو بہرحال اپنے بزرگوں کا، بیٹے کو اپنے باپ کا احترام کرنا ہی تھا۔

"آپ بجا فرماتے ہیں۔ بے‌شک میں قصوروار ہوں۔ مہربانی کرکے مجھے معاف کر دیجئے!" اس نے جواب دیا تاکہ بات چیت کا سلسلہ ختم ہو جائے لیکن اس کے باپ نے ابھی اپنی بات مکمل نہیں کی تھی۔

"میں ادھر کچھ دنوں سے تم سے بات کرنے کا ارادہ ہی کر رہا

تھا" اس نے ذرا دیر تک کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مجھے تم میں تین خامیاں نظر آ رہی ہیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے ذرا غور سے سنو۔"

"کہئے نا اباجان" ابائی نے توقع بھری نظروں سے قونان‌بائے کو دیکھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم غلے اور بھوسے میں تمیز کرنا نہیں جانتے۔ تمہیں جو کچھ میسر ہے اس کی قدر نہیں کرتے اور اپنے خزانوں کو لاپروائی سے اڑائے دے رہے ہو۔ تم بہت کھلے دل کے ہو، ہر ایک کی تم تک رسائی ممکن ہے۔ اس جھیل کی طرح جس کے کنارے چھچھلے ہوں، اور جس کے پانی کو کتے چپڑ چپڑ پیتے اور مویشی اپنے سموں اور کھروں سے گندہ کرتے ہوں۔ دوسری بات یہ کہ تم دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کر پاتے اور دوست کے ساتھ دوست جیسا اور دشمن کے ساتھ دشمن جیسا برتاؤ نہیں کرتے۔ تم کوئی بات اپنے دل کے اندر نہیں پوشیدہ رکھتے اور عوام کا کوئی بھی رہنما اس قسم کا طرز عمل اپناکے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس طرح وہ انہیں اپنے ہاتھ میں نہ رکھ سکے گا۔ اور تیسری بات یہ کہ تم نے روسیوں کی طرف جھکنا شروع کر دیا ہے۔ تمہاری روح فرار کرکے ان کے پاس پہنچ رہی ہے اور تمہیں اس کی فکر نہیں کہ تمہارے اس رویے کی وجہ سے ہر مسلمان تمہیں اجنبی تصور کرنے لگےگا" قونان‌بائے نے کہا۔

ابائی فوراً سمجھ گیا کہ اس کا باپ اس کی عزیزترین امیدوں کو نشانہ بنا رہا ہے۔ ابائی نے اپنا راستہ منتخب کر لیا تھا اور وہ انہی چیزوں میں امداد وحمایت کا متلاشی تھا جن کی اب اس کا باپ مذمت کر رہا تھا۔

دراصل قونان‌بائے نے اپنے بیٹے کی صلاحیتوں کا بہت صحیح طور پر اندازہ لگایا تھا۔ ابائی اپنی مرضی کو، کسی بھی شخص کا، کسی بھی چیز کا تابع نہیں بنا سکتا تھا۔ اسے ایک بار پھر ویسی ہی جھنجھلاھٹ محسوس ہوئی جیسی مکان کے اندر ہوئی تھی۔ وہ خود کو خاموش نہ رکھ سکا، اپنے باپ پر ترس کھانے کے خیال سے بھی خود کو خاموش نہ رکھ سکا۔

"اباجان، آپ نے میری یہ جو خامیاں گنائی ہیں، مجھ پر جو نکتہ‌چینی کی ہے ان میں سے میں ایک کو بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ میں صحیح راستے پر گامزن ہوں۔ آپ کا کہنا ہے کہ میں چھچھلے کناروں‌والی جھیل ہوں۔ کیا کسی گہرے کنویں کے پانی جیسا ہونا بہتر ہوگا جس تک صرف اس شخص کی رسائی ہو سکتی ہے جس کے پاس رسی ہو، پانی باہر نکالنے کا برتن ہو اور قوی بازو؟ میں تو بوڑھوں کے لئے، بچوں کے لئے، ان سب کے لئے جن کے بازو کمزور ہیں، قابل رسائی ہونے کو ترجیح دیتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ آپ نے عوام کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کام کے لئے کس قسم کے آدمی کی ضرورت ہے۔ میری رائے ہے کہ کسی زمانے میں عوام بھیڑوں کے جھنڈ جیسے تھے: گلےبان چیخ کے "ائیت!" کہتا تھا تو وہ سب اچھل کے کھڑے ہو جاتے تھے اور "شیئت!" کہتا تھا تو وہ سب لیٹ جاتے تھے۔ اس کے بعد عوام اونٹوں کا ایک گلہ بن گئے۔ ان کے سامنے پتھر پھینکا جاتا اور چیخ‌کے "شوق!" کہا جاتا تو پہلے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے، سوچتے اور تب کہیں جاکے اپنے راستے سے مڑتے۔ لیکن عوام اپنی سابق کمزوری اور بزدلی کو ترک کر چکے ہیں اور انہوں نے بڑی جسارت سے آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب ان کی حیثیت گھوڑوں کے گلے جیسی ہے جو صرف انہی گھڑسواروں کا حکم مانیں‌گے جو ان کے تمام دکھ درد میں برابر کے شریک ہوں، جو برف اور برف کے طوفانوں کو ان کے ساتھ ساتھ جھیل سکیں، جو گلے کی خاطر خود اپنے گھروں کو بھول سکیں، جو برف کے ٹکڑے کو تکیے کے طور پر اور تیز ہواؤں کے اکٹھا کئے ہوئے برف کے انبار کو بستر کے طور پر استعمال کر سکیں۔ تیسری بات آپ نے روسیوں کے متعلق کہی ہے۔ عوام اور خود میرے لئے علم اور روشنی سب سے قیمتی متاع ہیں۔ یہ چیزیں روسیوں کے ہاتھ میں ہیں اور اگر وہ مجھے ان خزانوں کو دے سکتے ہیں جن کا میں تمام عمر متلاشی رہا ہوں تو آخر وہ میرے لئے اجنبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ میں علم ونور کی اس دولت کو ٹھکرا دوں تو جاہل رہ جاؤں‌گا اور مجھے جہالت میں کوئی خاص اعزاز نظر نہیں آ رہا ہے۔"

قونانبائے نے جو اپنے بیٹے کی باتوں کو بڑے غور سے سن رہا تھا، ایک گہری ٹھنڈی سانس بھری۔ مایوسی کی ایک غیرمعمولی جھلک نے اس کے چہرے کا رنگ سیاہ کر دیا لیکن اس نے مزید کچھ بھی نہ کہا۔

ابائی اس سے رخصت ہوکے روانہ ہو گیا۔

قونانبائے مغموم و مایوس پہاڑی پر اکیلا رہ گیا۔ تو اسے ایک بار پھر شکست ہوئی صرف اپنے بیٹے کے ہاتھوں نہیں بلکہ تیز اور ہر چیز پر فتح حاصل کرنےوالی زندگی کے ہاتھوں۔ "تمہاری قوت جواب دے چکی، تمہارا زمانہ گزر گیا اور اب تمہیں کوچ‌کر جانا چاھئے" زندگی بڑی سرد مہری کے ساتھ اس سے اس کے بیٹے کی آواز میں کہہ رہی تھی اور اس کے سنگ دل دھارے اسے ایک طرف، سب سے الگ تھلگ بہائے دے رہے تھے۔

ابائی اپنے گھوڑے پر انہی میدانوں سے گزر رہا تھا جن سے وہ ایک لڑکے کی حیثیت سے مدرسے سے اپنے خاندان اور اپنے پڑاؤ کی یاد میں تڑپتا ہوا واپس لوٹا تھا۔ ان دنوں استیپیوں میں ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی لیکن اب وہ حد نگاہ تک برف سے ڈھکی ہوئی تھیں — چاروں طرف سفید سفید پہاڑیاں اور ٹیلے۔ ایسا لگتا تھا کہ بےدلی سے کھڑے ہوئے ماضی کے دھندلے دھندلے نظاروں کے متعلق سوچ رہے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا جب ان استیپیوں کو دیکھ‌کر لڑکے کا دل مسرت سے بھر جاتا تھا، جب وہ ان بےکراں میدانوں میں، اپنے پڑاؤ میں مسرت تلاش کرتا تھا لیکن اب وہ انہیں چھوڑکے شہر جا رہا تھا، ایک ایسی چیز کے حصول کی طرف سے پرامید جس کا وہ اس زمانے میں بھی متلاشی تھا...

اب وہ پچیس برس کا ہو چکا تھا۔ ایام کا ایک طویل سلسلۂ تصورات، بےکراں زنجیر کی شکل میں ماضی تک پھیلا ہوا تھا۔ اب وہ بہت واضح طور پر دیکھ سکتا تھا کہ کس طرح زندگی کی یہ رہگزر کبھی اسے گھنی جھاڑیوں میں اور کبھی کہستانی دروں میں پہنچاتی تھی۔ اور اب یہ زندگی کی اذیت پہنچانےوالی رہگزر ایک بار پھر چکردار سفر طے کراتی ہوئی بلندیوں کی طرف لئے جا رہی تھی۔

ہاں وہ ابھر کے بلندیوں پر پہنچ گیا تھا۔

اس پودے میں جس نے ایک زمانے میں پتھریلی زمین پر جڑ پکڑنے کی شدید جد و جہد کی تھی، آخرکار ایک نازک کونپل پھوٹ نکلی تھی جو ناہموار چٹان پر واحد زندہ شے تھی۔ اس کی جڑیں گہرائیوں تک جا چکی تھیں اور وہ بلند ہو کے ایک طاقتور، سیدھا کھڑا ہوا درخت بن گیا تھا جو نہ سردیوں کی برف سے ڈرتا تھا، نہ برف کے طوفانوں سے۔

دوسرا حصہ

پایاب

۱

ابائی اس رات ذرا بھی نہ سو سکا۔ سویرا ہونے کو تھا تب کہیں جاکے بستر پر دراز ہوا لیکن نیند نہ آئی اور وہ جلد ھی اٹھکے پھر میز کے پاس جا بیٹھا جس پر کھلی ہوئی کتابیں ڈھیر تھیں۔ ان میں قدیم ازبیک زبان کی کتابیں تھیں جنہیں وہ بہ‌آسانی پڑھ سکتا تھا، فارسی اور عربی کی کتابیں تھیں جو اسے نسبتاً زیادہ دشوار معلوم ہوتی تھیں اور چند کتابیں روسی زبان میں تھیں جو اس کے لئے سب سے مشکل ثابت ہوتی تھیں۔

متعدد زبانوں کے یہ احباب اس کی میز پر یونہی اتفاقاً نہیں جمع ہو گئے تھے۔ زندگی خود اس سے ان کتابوں میں پوشیدہ معلومات کی متقاضی تھی۔ ادھر کچھ دنوں سے ابائی کسی کھوئے ہوئے مفکر یا کسی عقیدت‌مند تارک‌الدنیا کی طرح دن رات مطالعے میں مصروف رہتا تھا۔ کتابوں کے صفحات سے وقتاً فوقتاً نظریں اٹھاکے ادھر ادھر دیکھتا تب اسے گرد و پیش کے حقائق کا احساس ہوتا لیکن وہ بھی محض چند لمحوں کے لئے۔

ازبیک تصانیف ابائی کو شیراز کے چمن‌زاروں تک پہنچا دیتیں؛ سمرقند کے قدیم مقبرے اس کی نگاہوں میں پھر جاتے، وہ مرو اور مشہد کے شفاف پانیوں کے کنارے کنارے واقع پھلوں کے باغات میں چہل‌قدمی کرتا اور جاوداں شعرا کی سرزمین ھرات، غزنی اور بغداد کے شاندار محلات، مدرسوں اور کتب‌خانوں میں گھومتا پھرتا۔ عربی اور فارسی کی کتابیں ان زبردست اور مہیب تصادموں کو اس کی نگاھوں کے سامنے لا کھڑا کرتیں جن میں عرب، ایرانی، ترک اور منگول، چمچماتے ہوئے خنجروں سے صدیوں پرانے تنازعات کے سلسلے

میں طاقت آزمائی کیا کرتے تھے۔ روسی کتابیں سمندروں اور وسط ایشیا، ایران اور عرب کے ریگستانوں اور عظیم تجارتی شہروں کی پراسرار دنیا سے اسے واقف کراتیں۔

ابائی جاننا چاھتا تھا کہ ان سب ملکوں کی زندگی اب کیسی ھے۔ وہ کاروانوں کی رھگزاروں، آبی راستوں، عظیم شہروں اور بازاروں کے متعلق ضروری معلومات کو علاحدہ لکھتا رھتا تھا۔

یہ معلومات ایک ایسے مسافر کے لئے ضروری تھیں جو طویل سفر پر روانہ ھونےوالا تھا۔ "کتنے افسوس کی بات ھے کہ سفر پر میں نہیں جا رھا ھوں" ابائی ان دور دراز سرزمینوں کے متعلق جو بچپن ھی سے اس کے تخیل میں بسی ھوئی تھیں، سوچتے ھوئے بار بار کہہ اٹھتا۔

اس کی میز ایک دریچے کے قریب رکھی ھوئی تھی جس سے اندر داخل ھونےوالی ٹھنڈی ھوائیں سفید پردے کو لہراتی تھیں۔ یہ پردہ کسی شرارتی بچے کی طرح کتابوں سے کھیل رھا تھا، کبھی کسی کتاب کے صفحے کو ڈھک لیتا اور کبھی اس سے رگڑ کھانے لگتا جیسے اس کی تحریر کو کھرچ پھینکنا چاھتا ھو۔ ابائی نے نظریں اوپر اٹھائیں۔ اس صبح دروازہ پہلی بار کھل رھا تھا۔

اول‌جان، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت موٹی ھو گئی تھی اور جسے سانس لینے میں دقت محسوس ھو رھی تھی، گھسٹتی ھوئی اندر آئی۔ دو عورتیں اسے دونوں طرف سے سہارا دئے ھوئے تھیں۔ ابائی نے جلدی سے اٹھکے فرش پر ایک نرم گدا بچھا دیا۔ ایک خوش سلیقہ، گورے چہرے کی نوجوان عورت نے جو اول‌جان کے ساتھ اندر آئی تھی، تکیے ٹھیک سے رکھ دئے۔ شکل و صورت میں حیرت‌انگیز طور سے ابائی سے مشابہت رکھنےوالی یہ عورت، اس کی بہن ماکیش تھی۔ وہ سیمی‌پالاتنسک کے اس گھر کے جس میں ابائی مقیم تھا، امیر مالک تینی‌بائے کے بیٹے کو بیاھی ھوئی تھی۔ دوسری عورت اول‌جان کی بہت پرانی دوست کلیحہ تھی جو پڑاؤ سے یہاں تک اس کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے پیتل کی ایک چمکدار سلفچی اس کے سامنے رکھ دی اور کاشغر کے خوبصورت، منقش، مٹی کے صراحی‌نما برتن سے ھاتھ دھلانے کے لئے پانی انڈیلنے لگی۔

ماکیش نے کشادہ کمرے کے وسط میں ایک نیچی چوکی بچھا دی۔

"اچھا اب ناشتہ لگا دو! کھانے کی چیزیں لے آؤ" اس نے دروازے سے آواز دی۔

تینی‌بائے کی ایک اور بہو کمرے میں داخل ہوئی جو ماکیش ہی کی ہم‌عمر معلوم ہوتی تھی۔ اس طویل قامت خوبصورت عورت نے جس کے چمکدار آبنوسی بال کنپٹیوں کے پاس سے شانوں پر ہوتے ہوئے پیٹھ تک لہرا رہے تھے، سیاہ مخمل کی صدری پہن رکھی تھی جس کے کناروں پر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اس نے دسترخوان بچھاکے صبح کی چائے کے لئے ضروری چیزیں رکھیں۔

ابائی نے "بیش‌میت" اتارکے منہ ہاتھ دھونا شروع کیا اور تب کہیں جاکے اسے اندازہ ہوا کہ اس کا سر کتنا بھاری ہو رہا ہے۔ ماکیش اس کے ہاتھوں پر پانی انڈیل رہی تھی۔

"پانی آج کتنا اچھا لگ رہا ہے، بھئی میرے سر پر بھی تھوڑا پانی ڈال دو" اس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تازہ دم ہو جانا چاھئے۔"

اول‌جان نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو خشک کرنے کے بعد اپنے بیٹے کی میز پر نگاہ ڈالی پھر ابائی کو دیکھا جس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔

"ارے ابائی‌جان، آج بھی تم رات بھر جاگتے رہے ہو؟" اس نے سرزنش کرنے‌والے انداز میں کہا۔

"جی نہیں، ذرا دیر سویا بھی ہوں۔"

"یہ تم سوئے بنا رات رات بھر بیٹھے رہتے ہو تو تمہارے خیالات گڈمڈ نہیں ہو جاتے؟"

"ھوتے کیوں نہیں آپا، لیکن کیا کروں وقت کی کمی ہے۔ اباجان آج ھی تو روانہ ھو رہے ھیں۔"

اول‌جان نے پوچھا کہ کیا کتابوں کی مدد سے واقعی راستوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"مجھے شاھراہ نہیں تو شاھراہ تک پہنچانے‌والے کچھ راستے تو یقیناً نظر آنے لگے ھیں" ابائی نے جواب دیا اور گزشتہ چند دنوں میں اس نے جو کچھ یاد کیا تھا، اپنی ماں کو بتایا۔ "کتابوں سے ان جگہوں کے بارے میں مجھے اتنی زیادہ معلومات حاصل ھو چکی ھیں کہ لگتا ھے جیسے میں خود وھاں رہ چکا ھوں۔"

وہ کسی ایسے شخص کی طرح باتیں کر رہا تھا جسے کوئی پوشیدہ خزانہ مل گیا ہو۔

اول‌جان کو معلوم تھا کہ سفر بہت طویل ہوگا اور چائےنوشی کے دوران اس نے راستے کی مشکلات کے متعلق بیٹے سے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس نے اپنی ماں سے کبھی بھی کچھ چھپایا نہیں تھا لیکن اس وقت تو اس کی بہن ماکیش بھی وہاں موجود تھی۔

"ہاں پیارے ابائی، مہربانی کرکے ہمیں اس بارے میں بتائیے" اس نے کہا۔ وہ فکرمند نظر آتی تھی، چہرے پر پیلاہٹ کی جھلک اس کی تشویش کی آئینہ‌دار تھی اور ابائی کو جواب دینے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔

وہ ایک امیر گھرانے کی چہیتی بہو تھی جسے لاڈ پیار نے بگاڑ دیا تھا لیکن اس کے دل سے خود اپنے خاندان اور اس قبائلی گروہ کی محبت کبھی بھی ختم نہیں ہوئی تھی جس میں وہ پیدا ہوئی تھی۔ اسے اپنے میکے کے تمام افراد کے فلاح و بہبود کا ہمیشہ بہت خیال رہتا تھا۔

کوئی ایسی ہی لڑکی جس کی بہت کم‌سنی میں شادی کر دی گئی ہو اور اجنبی سرزمین میں آکے رہنے لگی ہو، کوئی ایسی ہی لڑکی جو زندگی کو ماکیش کی نگاہوں سے دیکھتی ہو، اس بات کو جان سکتی تھی کہ گھر کی یاد کا غم جسے ماکیش نے اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپا رکھا تھا، ایک ایسی مستقل اور تکلیف‌دہ بیماری کی حیثیت رکھتا تھا جس کا صرف وقت ہی مداوا کر سکتا تھا۔

"لوگ تو کہتے ہیں کہ ہمارے علاقے کا کوئی بھی شخص کبھی وہاں نہیں گیا۔ کیا اباجان واپس آ جائیں گے؟"

اس نے وہ بات کہہ دی جسے کہنے کی ابائی کو ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

ابائی نے دو ایک گھونٹ چائے پینے کے بعد پیالے کو ایک طرف کھسکا دیا اور گوشت کے گرما گرم سنبوسے جن سے بھاپ نکل رہی تھی اور جنہیں کسی ہوشیار باورچی نے تیار کیا تھا، چھوئے تک نہیں۔ رات میں اس نے جن کاغذات پر مختلف کتابوں کی

معلومات لکھ لی تھیں انہیں اُٹھاکے ایک ایک سوال کا جواب دیا۔

"ظاھر ھے کہ اباجان کا سفر قطعاً آسان نہ ھوگا" اس نے آخر میں کہا۔ "لیکن بہرحال امید ھے کہ..." اس نے ماکیش کے چہرے پر اپنے الفاظ کے اثرات دیکھے تو اسے اپنی بات پوری کرنے میں سخت ھچکچاھٹ محسوس ھوئی لیکن اتنے میں، اول‌جان نے اس کی مدد کی اور ماکیش کو ان الفاظ سے ٹوکا:

"اب جبکہ تمھارے اباجان روانہ ھونے کو ھیں تو انہیں یہ سوچنے کا موقع نہ دو کہ ان کی بیٹی کمزور دل کی ھے۔"

کسی نے دروازے سے جھانک کے قونان‌بائے کی آمد کا اعلان کیا۔ اول‌جان کو چھوڑکے باقی سب لوگ جلدی سے اٹھ کھڑے ھوئے اور چوکی کے ارد گرد نمدے بچھانے اور تکیوں کو سلیقے سے رکھنے میں مصروف ھو گئے۔

قونان‌بائے بہت سے افراد کے ساتھ آیا لیکن دوسرے لوگ بغلی کمرے میں چلے گئے جو اسی کمرے کی طرح کشادہ اور آراستہ تھا اور جہاں چوکی کھانے کی چیزوں سے لدی ھوئی تھی۔ صرف ازغوت‌تی اور تینی‌بائے ھی جو ماکیش کا خسر اور قونان‌بائے کا پرانا گہرا دوست تھا، اس کے ساتھ اندر آئے۔ تینی‌بائے نے بیٹھنے کی اھم‌ترین جگہ کو نظر انداز کر دیا اور گدے پر اپنی بہو کے بغل میں بیٹھ گیا۔ اس نے پیچھے جھک کے گاؤ تکیوں سے آرام کے ساتھ ٹیک بھی نہ لگائی جیسا کہ مالک مکان سے توقع کی جا سکتی تھی۔ وہ کچھ اس طرح ادب سے بیٹھا جیسے مدرسے میں استاد کے سامنے شاگرد بیٹھا کرتے تھے۔ جگہ بھی اس نے ایسی منتخب کی تھی جہاں بیٹھ‌کے وہ قونان‌بائے کو خود اپنے ھاتھوں سے چائے پیش کر سکتا تھا۔ اس کی اس انکساری پر اول‌جان کو ھمیشہ حیرت ھوتی تھی حالانکہ شہر میں رھنےوالوں کے لئے یہ کوئی غیرمعمولی بات نہ تھی۔ وہ لوگ اسی خوش‌اخلاقی اور احترام سے اماموں اور اھم مذھبی شخصیتوں کا خیرمقدم کیا کرتے تھے۔

قونان‌بائے نے اول‌جان کے پاس بیٹھ‌کے اپنی واحد آنکھ سے ابائی اور ماکیش کو دیکھا۔ یہ بڑی تیز اور چبھتی ھوئی نگاہ تھی جس

نے فوراً ھی اپنے قریب موجود افراد کے تمام جذبات کو بھانپ لیا۔ اس کی نگاہ پہلے سے کہیں زیادہ تیز اور چوکس ھو گئی تھی اور اس نے ماکیش کی سرخ آنکھوں اور زرد رنگت سے اندازہ لگا لیا که وہ ابھی ابھی رو رھی تھی۔

ضعیفی نے آخرکار اپنے بےرحم ھاتھ قونان‌بائے پر رکھ ھی دئے تھے۔ اس کے بال خاصی طویل عمر میں سفید ھوئے تھے۔ ستر سال کی عمر تک تو داڑھی اور سر میں اکا دکا ھی سفید بال نظر آتے تھے لیکن اب بال بھی سفید ھو گئے تھے اور پیشانی کی جھریاں بھی گہری ھو گئی تھیں۔ ویسے صحت کے اعتبار سے وہ اب بھی بھاری بھرکم اور گٹھے ھوئے طاقتور جسم کا آدمی نظر آتا تھا اور پہلے ھی کی طرح سیدھا کھڑا ھوکے چلتا تھا۔

اس کے سخت چہرے پر شک یا ھچکچاھٹ کی ادنی سی جھلک بھی نہیں نظر آتی تھی۔

حج کرنے کے لئے مکه شریف جانے کا فیصله اس نے سال بھر قبل کیا تھا اور اسی موسم بہار میں رقوم اکٹھا کرنے کے لئے مویشی فروخت کرنے لگا تھا۔ پیسوں کی اسے کوئی خاص فکر نه تھی۔ زیادہ پریشانی اس خیال سے تھی که بڑھاپا آ رھا ھے اور جسم کی طاقت جواب دینے کو ھے۔ کافی غور و خوض اور صلاح و مشورہ کے بعد اس نے کسی اپنے اعتماد والے شخص کو ساتھ لے جانے کا فیصله کیا تھا اور اس کی نظر انتخاب اپنے مستقل اور وفادار دوست ازغوت‌تی پر پڑی تھی۔ چنانچه ماکیش نے ازغوت‌تی کے سفر کے سلسلے میں تمام کپڑے وغیرہ خود اپنے ھاتھوں سے سلے تھے اور اب وہ قونان‌بائے کے بغل میں بیٹھا ھوا تھا۔

ازغوت‌تی کی عمر چالیس سے تجاوز کر چکی تھی لیکن وہ اب بھی پچیس سال کا بانکا معلوم ھوتا تھا اور ھمیشه کی طرح مستعد اور خوش و خرم رھتا تھا۔

قریبی رشتےدار اور احباب مثلاً تکےجان، اوسپان، جقیپ، میباسر اور ملا عابدخان، ایک ایک کرکے اندر داخل ھوئے۔ قونان‌بائے خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتا رھا اور چند سنبوسے اور تھوڑا سرد گوشت کھایا۔ جن رشتےداروں کو کھانے کے وقت اس کی میز پر بیٹھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا، وہ اب روانگی سے

قبل اس کے آخری الفاظ سننے کے اشتیاق میں یکے بعد دیگرے اندر چلے آ رہے تھے۔ قونان‌بائے کا ارادہ تھا کہ وہ الوداعی الفاظ صرف اپنے بہت هی قریب‌ترین عزیزوں کی موجودگی میں کہےگا لیکن اسے احساس هوا کہ جلد هی اچھی خاصی بھیڑ جمع هو جائےگی۔ اس نے ماکیش کو ایک بار پھر دیکھا اور اس کے چہرے سے کچھ اور زیادہ سختی نمایاں هو گئی۔

"میرے بچو، دوستو اور عزیزو" اس نے حاضرین پر سرد مہری سے ایک نظر ڈال‌کے انہیں خاموش کرتے هوئے کہنا شروع کیا۔ اس نے خود کو کچھ بلند کیا اور بےحسی سے اپنے سامنے نگاہ جماکے کہا: "ایسا لگتا هے کہ تم لوگ میری روانگی سے فکرمند هو اور تمہاری پرتشویش نگاهوں میں مجھے یہ سوالات نظر آ رهے هیں: "بھلا اتنا ضعیف شخص اتنے دشوار سفر کا کیسے ارادہ کر رها هے؟ کیا هم لوگ اسے دوبارہ دیکھ سکیں‌گے؟ کیا یہ شخص واپس آ جائےگا؟" میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ تم لوگ مجھے راستے سے محفوظ رکھنا چاهتے هو یا راستے کو مجھ سے، لیکن میں پوچھتا هوں کہ میرے بڑھاپے میں چڑچڑےپن کے ساتھ اس حالت میں جینے سے فائدہ هی کیا هے کہ آتش‌دان کے قریب موجود پوتی پوتوں پر، دیگچوں کے قریب موجود بھوؤں پر اور خیمے کے قریب موجود مزدوروں پر ناراضگی ظاهر کرتا اور بڑبڑاتا رهوں؟ میرا سفر میرے آخری ایام کا آخری نصب‌العین هے اور اس سلسلے میں تم سب سے میری ایک درخواست هے: اگر تمہیں پتہ چلے کہ راستے میں مجھے فطری موت آ گئی هے تو تم میں سے کسی کو بھی یہ نہ کہہ اٹھنا چاهئے: "بےچارہ کہیں کا، اپنے نصب‌العین کے حصول کے بغیر هی اداسی کے عالم میں موت سے همکنار هو گیا۔" دراصل اس قسم کے الفاظ مخلصانہ همدردی کے آئینہ‌دار نہ هوں‌گے۔ میں شباب کی سرحدوں سے آگے بڑھ چکا هوں جو ابھی تم لوگوں کے سامنے هیں۔ میں شیرینی اور تلخی کے ذائقے چکھ چکا هوں جنہیں تم کو چکھنا هوگا۔ قسمت سے جتنے دن هم لوگوں نے ساتھ ساتھ گزارے، وہ قطع نظر اس سے کہ زیادہ تھے یا کم، دوستی اور باهمی احترام میں گزرے هیں۔ بہرحال میں مطمئن هوں۔ هماری زندگیاں ایک رهی هیں پھر بھی هر شخص کو الگ الگ ڈھنگ سے موت آئےگی اور هر ایک باری

باری اپنے خاندان سے اٹھ جائے گا۔ اگر یہ سچ ھے تو پھر اس بات کی اھمیت ھی کیا رہ جاتی ھے کہ مجھے کہاں موت آتی ھے۔ میری زندگی کے جتنے دن اب باقی ھیں وہ کسی ایسے بوڑھے پہاڑی دنبے کی پگ‌ڈنڈی کی طرح مختصر ھیں جو شدید نقاھت کے باعث گلے کے پیچھے پیچھے نہ چل سکتا ھو۔ یہ پگ‌ڈنڈی پانی پینے کی جگہ سے گھاٹی میں اس کی آخری ماند ھی تک تو ھوتی ھے۔ اس لئے اب مجھے مت روکو۔ کسی آہ و زاری کے بغیر رخصت کرو۔ تم لوگوں سے مجھے بس اتنا ھی کہنا تھا۔ اب ھمیں سفر کی تیاریوں میں لگ جانا چاھئے۔"

قونان‌بائے نے ازغوت‌تی کی طرف دیکھا جو فوراً ھی اٹھ کھڑا ھوا۔ دوسرے افراد بھی اسی کی طرح جلدی جلدی اٹھ کھڑے ھوئے۔ ابائی بھی ان لوگوں کے ساتھ جانے کو اٹھا مگر قونان‌بائے نے اس کے گھٹنے پر ھاتھ رکھ کے روک لیا۔

"اچھا میرے بیٹے، اب یہ بتاؤ کہ تم نے کیا معلومات حاصل کی ھیں۔"

ابائی نے اپنی لکھی ھوئی معلومات کے کاغذات کا ایک موٹا سا پلندا نکال کے ازغوت‌تی کو دے دیا۔

"ازغوت‌تی آغا، مجھے جو معلومات حاصل ھو سکی ھیں وہ ان کاغذات میں درج ھیں۔ انہیں حفاظت سے ساتھ رکھئے گا۔"

قونان‌بائے چاھتا تھا کہ وہ ان شہروں کے نام ایک بار پھر گنوا دے جن سے ان دونوں کو سفر کے دوران گزرنا تھا۔

موسم بہار کے چمکیلے آفتاب نے جت دوپہر ھونے کا اشارہ کیا تو ھجوم تینی‌بائے کے مہمان‌نواز گھر سے باھر نکلا۔ زیادہ‌تر لوگ قبائلی گروھوں سے آئے تھے اور استیپیوں کے باسیوں جیسے کپڑے پہنے ھوئے تھے لیکن ان میں شہر کے بھی تھوڑے سے افراد شامل تھے مثلاً تاجر، مدرسے کے شاگرد اور اساتذہ اور ممتاز مذھبی شخصیتیں۔ آخرالذکر افراد اپنے مرتبے اور حیثیت کے لحاظ سے آگے پیچھے باھر نکلے۔ ان کے پیٹ بھی پوری طرح بھرے ھوئے تھے اور جیبیں بھی۔ قونان‌بائے اور تینی‌بائے نے اُن سے عازمین حج کے لئے دعائیں مانگنے کو کہا تھا اور بدلے میں خاصی فیاضی کا ثبوت دیا تھا۔

ایک بڑی کوچ گاڑی جس میں لاکھی رنگ کے تین گھوڑے جتے ہوئے تھے، تینی‌بائے کے احاطے میں تیار کھڑی تھی۔ کشادہ سینوں کے یہ بھاری بھرکم گھوڑے جنہیں سردیوں میں جئی کھلا کھلاکے تیار کیا گیا تھا اور جو مسلسل آرام کرتے رہے تھے، کھڑے ہوئے سنھنوں سے آواز نکال رہے تھے، لگاموں کے دھانے کو چپڑ چپڑ چبا رہے تھے۔ وسطی گھوڑا اپنی ایال جھٹکتا تو اس کے سر پر جوئے کی محراب میں ٹنگی ہوئی ننھی سی گھنٹی سے واضح ہلکی جھنکار بلند ہوتی۔ سامان، بستر اور فالتو کپڑے ساری چیزیں گاڑی میں رکھی جا چکی تھیں۔

قونان‌بائے ابھی کوچ گاڑی تک نہیں پہنچ پایا تھا کہ دو افراد اس سے ملنے کو آگے بڑھے۔ ان میں سے ایک نے جو خاصی دوری سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا، سلام کیا۔ وہ درکیم‌بائے تھا جس کی داڑھی سن‌رسیدگی سے نمایاں طور پر سفید ہو چکی تھی۔ دوسرا تقریباً گیارہ سال کا ایک لڑکا تھا، زرد اور دبلا پتلا۔ اس کا لبادہ بالکل تار تار ہو رہا تھا اور اس کے ننگے پیر جن کی جلد چٹخی ہوئی تھی، دھول اور کیچڑ میں لت پت تھے۔

درکیم‌بائے نے قونان‌بائے کے قریب آتے ہی خواہش ظاہر کی کہ اس کا سفر خوشگوار ثابت ہو اور فوراً ہی اپنی آمد کے مقصد کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"قون‌ایکے، آپ ایک مبارک اور مقدس سفر پر روانہ ہو رہے ہیں" اس نے کہنا شروع کیا۔ "آپ نے عجز و انکسار کا راستہ اختیار کیا ہے تو ایک اور مسکین کی، اس لڑکے کی فریاد سنتے جائیے۔ اس نے خدا کے نام پر میری خوشامد کی تھی کہ میں اس معاملے کو آپ کے سامنے پیش کر دوں۔"

قونان‌بائے کے جسم میں سختی پیدا ہو گئی، تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس نے اپنی رفتار کچھ دھیمی کر دی۔

"میں تمام دنیاوی معاملات کو ترک کر چکا ہوں" اس نے جواب دیا۔ "اب لوگوں کو مجھ سے نہیں بلکہ دوسروں سے اپنی حاجت بیان کرنی چاہئے۔"

"نہیں قون‌ایکے، ہمیں تو آپ ہی سے بات کرنی ہے۔"

"میرا اس لڑکے سے آخر کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ بہت زیادہ تعلق ہے اور اسی وجہ سے ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔"

قونان‌بائے نے ہجوم پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ احاطے میں تاجروں اور ملاؤں کی موجودگی کی بنا پر اسے الجھن اور خفت سی محسوس ہو رہی ہے۔ میباسر سمجھ گیا کہ بوڑھے درکیم‌بائے کو وہاں سے فوراً ہی بھگا دیا جانا چاہئے۔

"بھئی دیکھو، یہ بحث مباحثے کا وقت نہیں" اس نے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "ایک ایسے شخص کی راہ میں حائل نہ ہو جو روانہ ہونے ہی کو ہے۔ یہاں سے چلتے بنو!"

اس نے یہ بات دبی زبان لیکن دھمکی آمیز لہجے سے کہی تھی مگر درکیم‌بائے ذرا بھی خوف‌زدہ نہ ہوا۔ اس نے قونان‌بائے کی بےچینی کو بھانپ لیا اور اپنی آواز بلند کر دی۔

"اس لڑکے کو ایک ایسی بات کہنی ہے جسے سننے سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ ہزاروں بھکاریوں اور یتیموں میں سے ایک اس لڑکے کی بات تو آپ کو ضرور ہی سننی چاہئے، خاص طور سے اب جبکہ آپ عازم حج ہیں۔"

"آخر یہ لڑکا ہے کون؟ چاہتا کیا ہے؟ کچھ کہو نا" قونان‌بائے نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا اور اس کی بات سننے کو ٹھہر گیا۔ چہرے سے جھنجھلاہٹ نمایاں تھی۔

"یہ لڑکا بورساق کے اسی قودر کا بھتیجا ہے" درکیم‌بائے نے وضاحت کی۔ "قودر ہلاک کیا گیا تھا تو اس کا واحد بھائی کوگیدائے، دور دراز سیبان میں محنت مزدوری کر رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں عام طور پر بیمار ہی رہا کرتا تھا اور چھ سال قبل اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ لڑکا جس کا نام قیاس‌پائے ہے، کوگیدائے کا بیٹا اور قودر کا واحد وارث ہے۔"

قیاس‌پائے کے زرد چہرے میں روئیں جو عموماً بچوں کے چہروں کو ملائمت عطا کرتے ہیں، مکروہ پھپھوندی جیسے معلوم ہوتے تھے۔ کھال ہڈیوں پر تنی ہوئی تھی اور نبض کی دھڑکنیں، کنپٹیوں پر ابھری ہوئی نیلی رگوں سے نمایاں تھیں۔ داھنی آنکھ پر ایک گندہ چیتھڑا بندھا ہوا تھا۔ لڑکے نے کپکپاتی ہوئی ٹھڈی کے ساتھ ڈرتے ڈرتے

اپنا چہرہ بلند کرکے قونان‌بائے کی طرف دیکھا تو نفرت سے بھری ہوئی ایک بےمہر نگاہ کو بڑی عضبناکی سے اپنی طرف تکتے پایا۔

"اچھا تو کیا چاہئے اسے مجھ سے؟" قونان‌بائے نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"یہ آپ سے کیا کیا نہیں چاہے گا؟" درکیم‌بائے نے قونان‌بائے سے آنکھیں چار کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو بتاؤ نا، آخر قصہ کیا ہے؟ آؤ، ہم لوگ ذرا سا آگے بڑھ لیں۔"

اس بوڑھے کو ہجوم کے سامنے باتیں کرنے کا موقع دینے کا مطلب، بڑی کمزوری کے ساتھ کسی شخص کو اس بات کی اجازت دینے کے مرادف ہوتا کہ وہ اس کے منھ پر زور سے تھپڑ رسید کر دے۔ چنانچہ قونان‌بائے شروع ہی سے ان دونوں کو دھیرے دھیرے دوسرے لوگوں سے الگ ہٹائے لئے جا رہا تھا اور آخرکار احاطے کے ایک کونے میں پہنچ کے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

ارغیزبائے جرگے کے تمام افراد اچھے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ شہر کے لوگ جن میں تاجر، امام اور مدرسے کے اساتذہ شامل تھے، اپنے قیمتی اور عمدہ سلے ہوئے کپڑوں پر اتراتے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے چمکتے ہوئے سفید عمامے، لبادے اور سنجابی ٹوپیاں — ساری چیزیں خوشحالی کا اعلان کر رہی تھیں۔ امیر اور خوش وخرم لوگوں کے اس ہجوم کے پس‌منظر میں درکیم‌بائے اور وہ لڑکا، جو بہت ہی بدحال اور اپنے افلاس کے باعث دردناک سماں پیش کر رہے تھے، کچھ اور زیادہ بدبخت نظر آ رہے تھے۔ ان کے پھٹے پرانے کپڑے کچھ ایسی خراب حالت میں تھے کہ وہ دونوں بہت زیادہ مار پیٹ اور گالی گلوح جھیلے ہوئے قیدیوں جیسے معلوم ہوتے تھے۔

قونان‌بائے کے بعد میباسر اور تکےجان بھی ہجوم سے نکلے اور ان لوگوں کے پاس پہنچ کے بیٹھ گئے۔ ابائی بھی ان سے جا ملا۔

"قودر بےگناہ تھا" درکیم‌بائے کہہ رہا تھا۔ "لیکن اس موقعے پر کسی کو قون* کے بارے میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔

---

* قون — قتل کا معاوضہ۔

دراصل اس وقت اپنی آواز اٹھا بھی کون سکتا تھا؟ وہ تو آپ کا زمانہ تھا۔ بھیانک زمانہ۔"

اس کے الفاظ کا خاطرخواہ اثر ہوا۔

"ارے درکیم‌بائے، تم نے یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے؟" قونان‌بائے نے غراتے ہوئے کہا۔ "بوکین‌شی اور بورساق جرگوں میں سے کسی شخص نے تمہیں قون طلب کرنے کو بھیجا ہو تو اس کا نام بتا دو!"

قونان‌بائے نے تمام دن پارسا لوگوں جیسا جو طرز عمل اپنایا تھا، وہ اب ختم ہو چکا تھا اور پرانی نفرت اور عداوت سے اس کا خون کھولنے لگا تھا۔ وہ اپنے نیلگوں اور بھیانک چہرے کے ساتھ کوئی ایسا شکاری درندہ نظر آ رہا تھا جو اپنے شکار کو دبوچ کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کو تیار ہو۔

لیکن درکیم‌بائے اب بھی خوف‌زدہ نہ ہوا۔

"کوئی ایسا بورساق قبائلی نہیں جو آپ سے قتل کا معاوضہ طلب کرنے کی جرأت کر سکے۔ ابھی اس کا وقت ہی نہیں آیا۔ مجھے زیادہ فکر قتل کے معاوضے کی نہیں بلکہ قراشوقی کی چراگاہوں کی ہے۔ وہ زمین قودر کے وارث کو ملنی چاہئے، وہ اس لڑکے کی ملکیت ہے مگر اس پر آپ کی سب سے بڑی بیوی کونکے اپنے مویشیوں کی تعداد بڑھاتی جا رہی ہے اور خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے۔ آپ تو ایک مقدس مقام کی زیارت کو جا رہے ہیں، کیا آپ اپنے اوپر ایک گناہ کا، ایک غریب یتیم کے قرضے کا بوجھ لادکے وہاں جانا چاہتے ہیں؟"

"زبان سنبھال‌کے بات کرو" قونان‌بائے جلدی سے بول پڑا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔"

"تم سے زیادہ کینہ‌پرور دشمن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ میری زندگی بھر تم گھات میں لگے رہے ہو! تمہاری تو آنکھیں تک کسی وحشی درندے کی طرح لال انگارہ ہو رہی ہیں۔"

"نہیں قون‌ایکے، میں نے زندگی میں کبھی بھی بدی کو ہوا نہیں دی۔ میری تو تمام عمر خود کو بدی کے حملوں سے محفوظ رکھنے میں کٹی ہے۔"

"اور میرے اوپر بندوق کس نے تان لی تھی؟ کیا وہ تم نہیں تھے؟"

"میں نے نشانہ ضرور لگایا تھا لیکن گولی نہیں چلائی۔ یہ بھی تو یاد کیجئے کہ جس شخص نے میرے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کے لٹکا دیا تھا، وہ اب بھی آزادی سے گھوم پھر رہا ہے!"

درکیم‌بائے نے جس کا چہرہ غصے کی شدت سے زرد پڑ گیا تھا، قونان‌بائے کو گھورا۔ اس کے الفاظ، تیر کی طرح نشانے پر لگے اور قونان‌بائے کانپ اٹھا۔

"تم نے اس وقت تو گولی نہیں چلائی تھی لیکن آج چلا دی۔ تم نے تو میرے کفن میں گولی مار دی ہے! ارے یہ تو مجھے خاک میں ملا دینا چاہتا ہے" اس نے مڑکے میباسر سے کہا جیسے اس سے کہہ رہا ہو کہ اس مصیبت سے کسی طرح جان چھڑاؤ۔

میباسر گہری گہری سانسیں لیتا ہوا درکیم‌بائے کی طرف بڑھا اور بوڑھے کو ہجوم کی نگاہوں سے حتی‌الامکان آڑ میں کرکے اسے خباثت کے ساتھ گالی دی اور سینے پر ایک زوردار مکا رسید کر دیا۔

"اب اپنا گندہ منہ بند بھی کر لے" اس نے سانپ کی طرح پھنکار ماری۔ "اب ایک بھی لفظ منہ سے نکالا تو تیری داڑھی پکڑکے بکرے کی طرح اسی جگہ ذبح کر ڈالوں‌گا!"

قونان‌بائے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس اثنا میں تکے‌جان اور میباسر نے درکیم‌بائے کے لباس کے چیتھڑوں پر پاؤں رکھ دئے تاکہ وہ قونان‌بائے کے پیچھے نہ جا سکے۔ قیاس‌پائے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

"آپ کا ضمیر مقروض ہے، اس قرض سے جو آپ کو مجھے ادا کرنا ہے" لڑکا بار بار دوہرا رہا تھا۔

"کل آپ نے آغا سلطان کی حیثیت سے ہم لوگوں پر حکمرانی کی اور آج مقدس حاجی کی حیثیت سے ہمیں کچلنے کی کوشش کر رہے ہیں" درکیم‌بائے نے وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے قونان‌بائے کے پیچھے سے پکارکے کہا حالانکہ دونوں بانکے اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ "آپ دراصل خدا کی راہ میں کچھ نہیں کرنے جا رہے ہیں بلکہ ہمیشہ کی طرح خود اپنی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں! جائیے، اپنے ان بھیڑیوں کے بچوں کو ہم لوگوں پر قہر ڈھانے دیجئے!"

"اب اپنی زبان بند بھی کرےگا تو کہ نہیں، کتا کہیں کا!" میباسر اور تکے‌جان اس کے دونوں طرف سے گرجے۔ ان کا بس چلتا تو بڑی خوشی سے بوڑھے کو اسی جگہ ہلاک کر دیتے۔

اباتی تیزی سے مجمعے کی طرف پیٹھ کرکے ان لوگوں کے سامنے بیٹھ گیا اور اچانک جھٹکا مارکے ان دونوں کے هاتھ بوڑھے کے کالر سے الگ کر دئے۔

"ارے کیا ذرا بھی شرم و حیا باقی نہیں رہی؟ لعنت ہو تم پر! اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دو" وہ چلایا۔ "تم لوگ سمجھ ھی کیا سکتے ھو، عزت اور آن کی طرف سے تو تمہارے دل اندھے اور ضمیر بہرے ھو چکے ھیں۔ کیا اباجان ان سب بانوں کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہونے کو مکے نہیں جا رھے ھیں جن کا اس بوڑھے آدمی نے تذکرہ کیا ھے؟"

"میں سمجھ رھا ھوں، درکیم‌بائے کہ تمہارے لئے خاموش رهنا ناممکن ھو گیا تھا" اس نے بوڑھے کی طرف بھی اتنی ھی سخت نگاھوں سے دیکھتے ھوئے کہا۔ "میں تمھیں مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔ کسی سچ بات کی پیروی کی جا رھی ھو تو اس وقت کے جیسے موقعے پر بھی کی جا سکتی ھے۔ اباجان کے بجائے میں تمہارا مقروض رھوں‌گا۔ اب خاموشی سے یہاں سے چلے جاؤ اور ھم لوگوں کو مزید بددعائیں نہ دو۔ تمہارے الفاظ نے میرے دل کو چھو لیا ھے، میری ھڈیوں کے گودے تک کو جھلس‌کے رکھ دیا ھے۔ لیکن اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

ابائی نے درکیم‌بائے کو سہارا دےکے کھڑا کیا، اپنی جیب سے سو روبل کا ایک نوٹ نکال‌کے لڑکے کو دیا اور دونوں کو پھاٹک تک پہنچانے گیا۔

قونان‌بائے کے منھ سے کافی دیر تک ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ خاموشی سے لب البتہ احساس ندامت کے ساتھ دعا مانگنے کے انداز میں هلے جا رھے تھے۔ آخر اول‌جان اور ازغوت‌تی نے یہ کہہ‌کے کہ روانگی کا وقت ھو گیا ھے، اسے چونکا دیا۔ اس نے شہر کے لوگوں سے چند الوداعی الفاظ کہے اور گھوڑا گاڑی میں سوار ھو گیا۔

اول‌جان اپنے شوھر اور ازغوت‌تی کے بیچ میں بیٹھ گئی۔ اس نے بھی دوسرے رشتےداروں کی طرح کچھ دور تک اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ شاندار گاڑی جس میں تین گھوڑے جتے ھوئے تھے، کھڑکھڑاتی اور اپنی گھنٹیوں کی جھنکار بلند کرتی ھوئی کشادہ

پھاٹک سے باہر نکلی۔ اس کے پیچھے پیچھے دو بالکل نئی گھوڑا گاڑیاں چل رہی تھیں۔ ایک پر ماکیش اور ابائی اور دوسری پر تینی‌بائے اور اس کی بڑی بیوی سوار تھے۔ کچھ بیل گاڑیاں اور گھڑسوار بھی ساتھ تھے۔ یہ قافلہ شور و غل کے ساتھ سڑک سے گزرا تو فضا میں غبار کے بادل سے چھا گئے۔ بوڑھے جوان سبھی ان لوگوں کی روانگی کا سماں دیکھنے کے مشتاق تھے چنانچہ کچھ لوگ اپنے پھاٹکوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے کچھ کھڑکیوں سے جھکے ہوئے جھانک رہے تھے۔

قونان‌بائے کی گاڑی جلد ہی شہر کے باہر نکل‌کے مغرب کی طرف جاتی ہوئی شاہراہ پر آ گئی۔ گھڑسواروں میں سے کچھ گاڑی کے دونوں جانب چل رہے تھے اور کچھ آگے نکل گئے تھے۔

قونان‌بائے نے ایک بار بھی مڑکے پیچھے نہ دیکھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کے رشتےدار اس کے سفر کے پہلے مرحلے تک ساتھ چلیں گے۔ درکیم‌بائے کی آمد سے اس کی طبیعت سخت بدمزہ ہو گئی تھی اور یہ کیفیت اس پر ابھی تک حاوی تھی۔ "اس نے سارا مزہ کرکرا کر دیا" وہ بار بار بڑبڑاتا۔ "ساری تلچھٹ کو ہلاکے اوپر کر دیا" اس نے گھرے پرسکون پانی کا تصور کیا جس میں اچانک پتھر گر جانے سے لہریں اٹھنے لگی ہوں اور جو گندہ ہو گیا ہو۔ ساری باتیں خوش‌اسلوبی سے انجام پا رہی تھیں۔ اس نے اپنی روانگی کے لمحے تک جو کچھ بھی کہا یا کیا تھا سب بہت احتیاط کے ساتھ پہلے کا سوچا سمجھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے فیصلے پر بڑی احتیاط‌پسندی کے ساتھ عمل کیا تھا۔ اس کی انکساری سے بھری ہوئی باتوں اور دیندارانہ طرز عمل کا مقصد لوگوں کے دلوں میں اس کے سفر کے پرمسرت ہونے کی مخلص‌ترین خواھشات بیدار کرنا تھا۔ لیکن درکیم‌بائے اچانک طوفان کی طرح ھر چیز کو اڑا لے گیا تھا، رخصت ہونے کی پرسکون کیفیت کو تہ و بالا کر دیا تھا، اسے عوام سے الگ تھلگ کر دیا تھا۔ قونان‌بائے دل ھی دل میں سخت جھنجھلایا ہوا تھا لیکن بالکل خاموش تھا، اس کوشش میں کہ اپنے غصے پر قابو پا جائے۔ آخرکار اس نے اول‌جان سے رخصت ہونے کا فیصلہ کیا، اس امید میں کہ اس طرح اس کے وجود کے اندر ھل‌چل مچاتا ھوا طوفان تھم جائے گا۔

مرزاخان کو گھوڑوں کی لگامیں نہ کھینچنے کا حکم دےکر وہ اول‌جان سے مخاطب ہوا۔

"تمہاری حیثیت ہمیشہ میرے گھر کی مالکن سے کہیں زیادہ رہی ہے" اس نے کہا۔ "تم میری بڑی بیوی اور میری زندگی بھر کی رفیقہ رہی ہو۔ ہم دونوں نے جانے کتنا طویل راستہ ساتھ ساتھ طے کیا ہے۔ ہمارے درمیان کیسے ہی پہاڑ کیوں نہ حائل رہے ہوں، میں نے ہمیشہ تمہاری حمایت کو محسوس کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض معاملات میں تمہارے ساتھ میں نے کچھ زیادتی کی ہو لیکن جہاں تک تمہارے طرز عمل کا تعلق ہے، ایک بھی بات ایسی نہیں جس کا تم سے شاکی ہو سکوں۔ تمہارے ایماندارانہ رویے اور مجھ سے تمہاری مخلصانہ وابستگی کے صلے میں خدا تمہارے بچوں کو خوش‌قسمتی عطا کرے۔"

اول‌جان بےحد متاثر ہوئی۔ جذبات نے اسے کچھ اس طرح بےقابو کر دیا تھا کہ ذرا دیر تک اس سے کچھ کہا ہی نہ جا سکا۔

"مرزا، یقین مانئے، مجھے بھی آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ جا رہے ہیں تو میری طرف سے خفیف سی شکایت بھی آپ کے ہمراہ نہ جائےگی" وہ خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔

اس وقت وہ اپنے شوہر کو کسی برابر والے کی طرح اپنے خیالات میں بڑی ذہانت اور تیقن کے ساتھ شریک کر رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر باوقار اور حسین ہو گئی تھی اور اس کے رخسار کسی باطنی نور سے چمک اٹھے تھے۔

"آدمی جوان ہوتا ہے تو پلنگ بہت چھوٹا لگتا ہے، گھر بلکہ دنیا تک بہت تنگ نظر آتی ہے" اس نے دانش‌مندی کے ساتھ اپنے خیال کا اظہار کچھ اس انداز سے کیا جیسے اپنے برابر والے سے بات کر رہی ہو۔ "لیکن جیسے جیسے آدمی کی عمر بڑھتی جاتی ہے، دنیا کچھ زیادہ بڑی اور آدمی خود کچھ اور بھی چھوٹا معلوم ہونے لگتا ہے۔ انسان کو اپنے ارد گرد ایک وسیع خلا کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ صورت پیدا ہو جائے تو آدمی کو دوسروں کے لئے جگہ خالی کر دینی چاہئے، اپنی سرگرمیوں کو محدود کر لینا چاہئے، ہر چیز سے ایک طرح کی بےتعلقی سی اختیار کر لینی چاہئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھ پر یہ کیفیت عرصے سے طاری ہے۔"

اول‌جان پھر سوچ میں پڑ گئی۔ قونان‌بائے اس کے الفاظ کو بڑی توجہ سے سن رہا تھا، اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے نگاھوں ھی نگاھوں میں اس کے خیالات کی گہرائیوں کا اندازہ لگا رہا ھو۔

"شوھر، بیوی کی اس طرح حفاظت کرتا ھے جس طرح گھوڑی اپنے بچے کی" اول‌جان نے اپنی آنکھیں آدھی بند کرتے ھوئے کہا۔ "بیوی کو اچھائی اور برائی دونوں اپنے شوھر سے ملتی ھیں۔ مجھ میں کوئی اچھائی ھے تو اس کا مطلب یہ ھوا کہ آپ میں بھی کوئی اچھائی ھے۔ میری خوبیاں اور خامیاں دونوں مجھے آپ سے ملی ھیں۔ آپ مجھ سے شکرگزاری کے جذبے کے ساتھ رخصت ھو رھے ھیں اس لئے میں مطمئن ھوں۔"

اس نے اس ذلت کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا جو ازدواجی زندگی کے طویل برسوں میں اسے قونان‌بائے کے ھاتھوں برداشت کرنی پڑی تھی۔

قونان‌بائے نے اب گفتگو کا رخ روزمرہ معاملات کی طرف موڑ دیا جس میں ازغوت‌تی نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ دونوں مدرسے کے استاد اوندیربائے کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ مرزا ھمیشہ اوندیربائے کا احترام کرتا تھا اور اب جبکہ وہ اس کے ساتھ مکے جا رھا تھا، قونان‌بائے کا نہایت ھی قریبی دوست بن چکا تھا، خون کے رشتے سے کہیں زیادہ طاقتور رشتوں نے اسے قونان‌بائے سے وابستہ کر دیا تھا۔

اوندیربائے نے ایک بار خواھش ظاھر کی تھی کہ ان دونوں کے درمیان خاندانی تعلقات قائم ھو جانے چاھئیں۔ اور اس سلسلے میں قونان‌بائے کے کسی بچے کی شادی اس کے یہاں ھو جانی چاھئے۔ قونان‌بائے کا خیال تھا کہ اول‌جان اعتراض نہ کرےگی تو وہ اس تجویز کو منظور کر لےگا۔ اوندیربائے کے ایک بیٹی تھی جو اوسپان کے لئے اچھی بیوی ثابت ھو سکتی تھی۔ اوسپان کی شادی کو تین سال ھو چکے تھے لیکن ابھی تک اس کے یہاں کوئی بچہ نہیں پیدا ھوا تھا۔ نوجوان جوڑے کے اولاد نہ ھونے سے قونان‌بائے کو بھی تشویش تھی، اول‌جان کو بھی، حالانکہ خود اوسپان کو اس کی ذرا بھی فکر نہ تھی۔ بہرحال بچہ نہ ھونا، اس کے لئے دوسری بیوی تلاش کرنے کے لئے کافی جواز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اول‌جان کو اس کے لئے تیار رھنا چاھئے تھا۔ قونان‌بائے کا خیال تھا کہ اوندیربائے نے

سفر کے دوران اس معاملے کا پھر ذکر چھیڑا تو وہ اول‌جان کو مرزاخان کے ذریعے مطلع کر دےگا...

دوسری گاڑی پر جسے ہلکے بھورے رنگ کے تین گھوڑے کھینچ رہے تھے، ابائی اور ماکیش سوار تھے، دونوں کے دونوں گہرے خیالوں میں کھوئے ہوئے۔

ابائی، درکیم‌بائے کی بےباکی کو کسی طرح اپنے ذہن سے نکال ہی نہیں پا رہا تھا۔ دراصل اس بوڑھے نے قونان‌بائے کے لئے تیار کئے جانےوالے اعزاز و احترام کے ساغر کو اپنی ایک ہی ٹھوکر سے پاش پاش کر دیا تھا۔ قودر، قودر!.. وہ بےگناہ شخص جسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، اس بدبخت یتیم کی شکل میں پھر زندہ ہوکے آ گیا تھا۔ ابائی اس لاغر لڑکے کو جس کے سر کے گرد افلاس کی گرفت کی طرح گندی پٹی بندھی ہوئی تھی، بھول ہی نہیں پا رہا تھا۔ اس لڑکے کی کھلی ہوئی حاجت‌مندی اور درکیم‌بائے کے حق بجانب پرزور الفاظ، قونان‌بائے کے لئے خود زندگی کی سنائی ہوئی سزا جیسے معلوم ہو رہے تھے۔ کوئی بھی دعا، نماز، روزہ یا مقدس سفر اس داغ کو دھو نہیں سکتا تھا۔ کتنا اچھا ہوتا اگر اس کا باپ اپنے گناہوں اور جرائم سے توبہ کرکے اس سفر پر روانہ ہوتا۔ لیکن اس کے رویے سے ذرا بھی ندامت نہیں جھلکتی تھی، اس کا طرز عمل اسی پرانی سنگ‌دلی اور غصے کا آئینہ‌دار تھا۔ پھر آخر حج کے لئے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیا یہ ممکن تھا کہ اس معاملے میں بھی درکیم‌بائے کی رائے درست تھی؟ کیا اس کا باپ خدا کی راہ نہیں بلکہ خود اپنی راہ تلاش کر رہا ہے؟ ابائی بڑی تلخی سے مسکرا دیا۔

گھوڑا گاڑی شاہراہ کے کنارے کنارے جہاں نئی اگی ہوئی گھاس قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی، تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

ابائی کافی دنوں کے بعد دیہی علاقے میں آیا تھا اور یہاں استیپیوں میں اس حقیقت کا کچھ اور بھی زیادہ احساس ہوتا تھا کہ یہ بہار کا موسم ہے۔ سیمیئی پہاڑ جو دور افق پر بہت بڑا سا دکھائی دے رہا تھا، نیلگوں دھند میں لپٹا ہوا تھا۔

پہاڑ نے اپنا برف کا لبادہ اتار پھینکا تھا لیکن اس کی جانب سے

ٹھنڈی ٹھنڈی تازہ‌دم کرنےوالی ھوائیں چلی آ رھی تھیں۔ ابائی نے اطمینان اور مسرت سے گہری سانسیں لیں۔ ماحول کے حسن نے اس پر جادو سا کر دیا اور اس کے دل کا بوجھ ھلکا ھو گیا۔ نوخیز سبزہ، بہار کا آفتاب اور ٹھنڈی ٹھنڈی ھوائیں ، — ساری چیزیں اس کے لئے بڑی جانفزا ثابت ھوئیں، نئے نغمات اور اشعار اس کے دل سے پھوٹ نکلے اور اس نے ایک گیت چھیڑ دیا۔ ماکیش نے اس گیت کو سنا تو اسے اندازہ ھو گیا کہ ابائی خود اپنا گیت گا رھا ھے۔

"ارے آپ تو سچ مچ کے مغنی شاعر ھیں" اس نے مسکراتے ھوئے کہا۔

ابائی چونک پڑا اور اس نے گانا بند کر دیا۔ دراصل وہ اپنی بہن کی موجودگی کو بالکل فراموش ھی کر بیٹھا تھا۔

"تم یہ کیوں کہہ رھی ھو؟" اس نے قدرے توقف سے پوچھا۔

"میں سن تو رھی ھوں۔ یا یہ کوئی راز کی بات ھے؟ آپ کے سارے کے سارے دوست، یربول اور دوسرے لوگ اس کے بارے میں باتیں کرتے رھتے ھیں۔ ان کا کہنا ھے کہ آپ صحیح معنوں میں مغنی شاعر ھیں حالانکہ آپ نے مغنی شاعروں کے مقابلوں میں کبھی نہیں گایا ھے۔ اچھا تو یہ بات سچ ھے نا؟"

"ھاں" ابائی نے مسکراتے ھوئے جواب دیا۔

"گیت تھا کاھے کے بارے میں؟"

"اوہ ماکیش، میرے گیت؟ انہیں تو ھوائیں اپنے ساتھ اڑا لے جاتی ھیں۔"

"کیا مطلب؟"

"دراصل میں محبت اور غم کے گیت گاتا ھوں۔ میرا غم مستقل اور مجھ سے بہت قریب ھے اور میری محبت مجھ سے بہت دور ھے اور ناقابل حصول۔ تو پھر اس سے فرق ھی کیا پڑتا ھے کہ میرے گیتوں کو ھوائیں اڑا لے جاتی ھیں؟ ان چیزوں کے بارے میں گیت چھیڑنا ایسا ھی ھے جیسے کوئی ھواؤں کو گیت سنا رھا ھو۔"

"یہ آخر آپ کون‌سے غم کے بارے میں باتیں کر رھے ھیں؟" ماکیش نے شکایتی انداز میں پوچھا۔ ابائی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور چہرہ زرد ھو گیا۔

بہن ٹوہ لینےوالی نگاھوں سے اسے تکنے لگی تو ابائی کے چہرے سے ھلکی ھلکی روشنی سی پھوٹتی معلوم ھوئی۔ چھدری مونچھوں کی لکیر اور چھوٹی سیاہ داڑھی میں اس کا چکنا چکنا، گول گول سا چہرہ کچھ لمبوترہ سا لگ رھا تھا۔ ابائی کی عمر انتیس سال کی تھی اور یہ اس کے شباب کے بہترین ایام تھے۔ اندرونی آگ سے دھکتی ھوئی آنکھوں میں بےپناہ چمک تھی اور نگاھیں کچھ ایسی شفاف اور تیز کہ ھر ایک کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی تھیں۔ لمبی لمبی، خوبصورت اور سیاہ بھنویں اس کی جوانی کی دلکشی کو نمایاں کرتی معلوم ھوتی تھیں۔

ماکیش اسے چپ چاپ سراھنےوالی نگاھوں سے دیکھ رھی تھی اور اس کے لئے یہ بات قطعاً ناقابل یقین تھی کہ اس کا بھائی کسی خفیہ غم میں مبتلا ھے۔ چنانچہ اس نے باتوں ھی باتوں میں اس کا راز معلوم کرنے کا فیصلہ کیا۔

"بھیا یہ اداس گیت کاھے کے بارے میں تھا؟"

اس کی نوجوانی کا وہ پرانا خواب – وہ محبوب چہرہ جس کی یاد ھمیشہ اس کے ساتھ رہی تھی، نئی آب و تاب کے ساتھ اس کی نگاھوں میں پھر گیا۔ موسم بہار کے اس دن نے اس کے دل میں توغجان کی محبت کی شدید تڑپ بیدار کر دی اور اس نے نہایت ھی دھیمی آواز میں "توپائےکوک" گانا شروع کر دیا۔ اتنی دھیمی آواز میں کہ ماکیش اس کے اداس اور لطیف الفاظ کو بڑی کوشش کے ساتھ ھی سن سکی۔

فلک پر چاند بھی ھوتا ھے روشن اور سورج بھی
مگر تاریکیاں چھائی ھیں میرے ذھن اور دل پر
بہت ممکن ھے بہتر چاھنےوالا ملے اس کو
مری قسمت میں لیکن اب کہاں ھے دوسری دلبر
مرے الفاظ الفت کو بھلا دے میری محبوبہ
دکھائے سرد مہری، میری چاھت پر، اذیت پر
بلا پچھتائے مجھ کو ٹھیس پہنچائے، کرے رسوا
یہ سب سہہ لوں‌گا، آنچ آنے نہ دوں‌گا میں محبت پر...

ابائی خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ اور زیادہ زرد ہو گیا تھا۔ ماکیش نے یہ الفاظ اس سے قبل کبھی بھی نہیں سنے تھے۔

"بھئی میری تو خاک بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ اپنی محبوبہ کسے کہہ رہے ہیں" اس نے بوکھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"محبوبہ؟ یہ وہی تو ہے جو مجھے غمزدہ کرتی ہے۔ تم محبوبہ کا مطلب بھی نہیں سمجھتیں کیا؟" ابائی نے ٹال مٹول کے انداز میں جواب دیا۔

"میرے خیال میں محبوبہ سے مراد بیوی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے دلدا؟" ابائی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"بےشک! بھلا اور کون ہو سکتی ہے؟"

ابائی نے جھنجھلاکے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"ماکیش، ماکیش، میری پیاری، آخر اس معاملے میں دلدا کا ذکر ہی کیوں کرتی ہو؟" اس کی آواز سے افسردگی اور تلخی جھلکتی تھی۔

"اوہ۔ بھئی ابائی، میرے منہ سے بہت غلط بات نکل گئی!" اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر بےچاری دلدا کو کیوں الزام دیجئے؟"

"یقیناً دلدا کا کوئی قصور نہیں لیکن میری آرزوؤں کی ترجمانی کرنےوالے گیت کی مخاطب اگر وہ نہیں تو میرا بھی کوئی قصور نہیں۔ دلدا کی بات ہی کیوں کرو جو اپنے چار بچوں سے گھری ہوئی ہے؟"

"اس نے آپ کو چار بچے دئے تو بھلا اس میں کون‌سی خراب بات ہے؟"

"یقیناً کوئی خراب بات نہیں۔ وہ سب اچھے بچے ہیں... وہ میرے بچوں کی ماں ہے، میرے والدین کی دی ہوئی بیوی ہے، اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن دل کو کیا کھوگی؟ اور محبت؟.. خواہش؟.. یہ شعلہ تو اس کے جسم کے اندر کبھی کا راکھ ہو چکا ہے۔ ویسے زیادہ روشن تو کبھی بھی نہیں تھا۔ ہاں بھئی اس کا دل جانے کب ہی کا سرد پڑ چکا ہے..."

ابائی نے اچانک جملہ ادھورا چھوڑ دیا...

قافلہ جلد ھی پہلی منزل کے قریب پہنچ گیا۔ قونان‌بائے کے لئے رشتے‌داروں سے رخصت ھونے کا وقت آ گیا تھا۔

آگے آگے چلنے‌والی گاڑیاں ٹھہر گئی تھیں اور مسافر ان سے باھر نکل چکے تھے، گھڑسوار نیچے اترے، تینی‌بائے کی گھوڑا گاڑی کے پیچھے بندھی ھوئی قمیز کی ایک سیاہ مشک کھولی گئی اور سب لوگ قمیز کا الوداعی پیالہ پینے کے لئے قونان‌بائے اور ازغوت‌تی کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ازغوت‌تی نے لوگوں سے عجلت برتنے کو کہا۔ دراصل قونان‌بائے روانگی میں تاخیر نہیں کرنا چاھتا تھا وہ جلد ھی اٹھ کھڑا ھوا اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے افراد بھی کھڑے ھو گئے۔

"اچھا تو دوستو، تم لوگ کافی دور تک میرے ساتھ سفر کر چکے۔ اب جاؤ، میری سرزمین اور عوام تک میرا سلام پہنچا دینا، الوداع میرے عزیزو۔ اگر میری قسمت میں دوبارہ اپنی سرزمین پر قدم رکھنا لکھا ھے تو ھمیں امید کرنی چاھئے کہ ھماری ملاقات خوشگوار اور پرمسرت ھوگی!"

"انشاالله، انشاالله، آمین، آمین" تینی‌بائے اور دوسرے بڑے بوڑھوں نے کہا۔

قونان‌بائے پہلے اول‌جان اور بعد میں دوسرے تمام عزیزوں سے بغل‌گیر ھوا۔ سب سے آخر میں اس نے ابائی کو گلے لگایا۔

طاقتور، موٹے تازے گھوڑے جو اتنے تازہ دم نظر آ رھے تھے جیسے ابھی ابھی سفر شروع کیا ھو، تیزی سے آگے بڑھنے لگے اور گاڑی جلد ھی دھول کے بادل میں چھپ‌کر رہ گئی۔ اس کی گھنٹیوں کی پرمسرت جھنجھناھٹ البتہ کافی دیر تک سنائی دیتی رھی۔ گھوڑے لمبی لمبی گھاس‌والی ایک پہاڑی پر چڑھنے لگے اور جلد ھی گاڑی ان لوگوں کی نگاھوں سے اوجھل ھو گئی۔

لوگ گھر لوٹنے کو مڑے تو ان کے دلوں میں خاصی ھل‌چل سی مچی ھوئی تھی۔

ابائی اور مکیش، اول‌جان کو اپنے ساتھ گھوڑا گاڑی تک لائے۔ اس میں تین افراد کے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس لئے ابائی گھوڑے پر سوار ھوکے دوسرے گھڑسواروں کے پیچھے یربول کے ساتھ چلنے لگا۔

قونان‌بائے کو رخصت کرکے تینی‌بائے کے گھر لوٹنےوالے کثیر مہمان جلد ھی وھاں سے چلے گئے۔ اول‌جان البتہ کچھ دنوں تک ٹھہری رھی۔ ایک تو وہ شاذ ونادر ھی شہر آتی تھی، دوسرے ماکیش جسے اپنے گھر کی یاد بری طرح تڑپا رھی تھی، اس کے جانے پر راضی ھی نہیں ھو رھی تھی۔ تینی‌بائے نے بھی اول‌جان سے ٹھہرنے کا اصرار کیا۔

"ارے ھم لوگوں کے ساتھ مزید چند روز قیام کیجئے نا! آپ کی بیٹی کو آپ کی بہت کمی محسوس ھوگی۔ بےچاری بالکل اکیلی رہ گئی ھے، شوھر تو آپ جانتی ھی ھیں کہ تجارت کے سلسلے میں باھر گیا ھوا ھے۔ اس کی طبیعت کچھ بہل جائے تو چلی جائیےگا۔"

صرف چند مہمان باقی رہ گئے لیکن ان کی خاطر مدارات پر بھی میزبان نے خاص توجہ مبذول کی۔ ان میں اول‌جان، ابائی، تکےجان اور ان کے ساتھ آنےوالے تین چار بانکے شامل تھے۔ کشادہ دو منزلہ مکان کے سب کمروں کو نئے سرے سے سجایا گیا اور ان کی دیواروں پر لٹکے قالینوں، گھر کی بنی ھوئی دھاری‌دار دریوں اور کڑھے ھوئے نمدوں کو صاف کیا گیا۔

اول‌جان سوچ سوچ‌کے یاد کرتی رھی کہ اسے روانگی سے قبل اور کون کون‌سی چیزیں خریدنی تھیں۔ وہ بہت سے خاندانوں پر مشتمل قبائلی گروہ کی ماں تھی اور اسے ھر ایک کے لئے اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی تحفہ لے جانا تھا۔ اس کے علاوہ گروہ کو جلد ھی موسم گرما کی چراگاھوں کو روانہ ھونا تھا جو شہر سے دور دراز واقع تھیں۔ بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی مثلاً بچوں اور بھوؤں کے لئے گرمیوں کے کپڑے اور سارے گروہ کے استعمال اور مہمانوں کے لئے بچا رکھنے کے سلسلے میں چائے اور شکر۔

ابائی مختلف چیزوں کی خریداری کرکے جب بھی واپس لوٹتا، اکثر اپنے ساتھ ڈھیروں کتابیں لاتا۔ اس نے اپنے والد کے سفر کی تیاریوں کے سلسلے میں تمام سردیاں شہر میں گزاری تھیں اور اپنی آمد کے دن ھی سے روسی زبان کا مطالعہ کر رھا تھا۔ وہ کافی عرصے سے اس زبان میں دلچسپی لے رھا تھا اور اس حقیقت کے باوجود کہ

اس نے کبھی بھی اسے باقاعدگی سے نہیں سیکھا تھا، علم کے اس نئے وسیلے سے استفادے کے کسی بھی موقعے کو ھاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ لیکن اس زبان میں اس کی استعداد جتنی بہتر ھوتی جا رھی تھی اتنا ھی زیادہ اسے یقین ھوتا جا رھا تھا کہ اس زبان کو باقاعدگی سے جاننا کتنا مشکل کام ھے۔ "کتنے افسوس کی بات ھے کہ بچپن میں اس زبان کو سیکھنے کا موقع کھو دیا" وہ بار بار کہتا۔ "اس سے واقعی میرا بہت زیادہ نقصان ھوا۔"

لیکن سردیوں کی طویل راتیں رائگاں نہیں گئیں۔ ابائی اب نثر کی کتابیں کسی خاص دشواری کے بغیر پڑھ لیتا تھا۔ شاعری کے مطالعے میں البتہ زیادہ دشواری محسوس ھوتی تھی۔ بہرحال روسی کتابیں اس کی ایسی دوست بن چکی تھیں جن سے جدا ھونے کا وہ تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں وہ بڑی محنت اور مستعدی سے اکٹھا کرتا رھتا تھا تاکہ پڑاؤ پر واپس پہنچنے کے بعد مطالعہ جاری رکھ سکے۔ چنانچہ اس نے ماں کے ساتھ گھر بھیجنے کے لئے ایک لمبا سا صندوق کتابوں سے پوری طرح بھرکے تیار کر دیا تھا۔

اول‌جان نے ابائی سے کہا کہ وہ بھی اس کے ساتھ گھر چلے لیکن قونان‌بائے نے جاتے وقت بعض کام ابائی کے سپرد کئے تھے جنہیں وہ مکمل نہیں کر سکا تھا اس لئے اس نے ماں کو جواب دیا کہ وہ اور یربول قبائلی گروہ کے موسم گرما کی چراگاھوں کو جاتے وقت راستے میں آن ملیں گے۔

اول‌جان کو واپسی کی کوئی خاص جلدی نہیں تھی تاھم اس کی روانگی کا دن آ ھی گیا۔ وہ تکےجان، عابدخان اور جمعہ‌گل کے ساتھ واپس جا رھی تھی۔

"تمہیں اپنے پڑاؤ سے الگ رھتے ھوئے نصف سال بیت چکا ھے۔ لوٹوگے تو تمہاری مثال دور دراز دیس بدیس میں گھومتے رھنے کے بعد واپس آنےوالے سیاح جیسی ھوگی" اول‌جان نے گھوڑا گاڑی پر بیٹھتے ھوئے ابائی سے کہا۔ "میرے بیٹے، تمہاری بیوی کو تمہاری جدائی بہت کھل رھی ھے۔ بچے بےماں کے چوزوں کی طرح تمہاری راہ دیکھتے رھتے ھیں۔ "اتا اتا، کیا اب اتا کبھی واپس نہ لوٹیں‌گے؟" ان کو میں بس یہی کہتے سنا کرتی تھی۔ اور تم نے تو مجھ سے بچوں کے متعلق ایک بار بھی نہیں پوچھا۔ میرے پیاروں

آبیش اور مغاش کا حال تک نہیں دریافت کیا! مجھے تو ان کی یاد آتی ہے تو میری آنکھوں سے نیند کچھ اس طرح غائب ہو جاتی ہے جیسے دھوپ میں کہرا۔ آخر تم سے ان کی جدائی کیسے برداشت ہوتی ہے؟"

"ارے آپا، مجھے بھی بچے یاد آتے ہیں، خاص طور سے چھوٹے بچے۔ انہی نے مجھے باپ ہونے کا احساس دلایا ہے لیکن آپ جانتی ہیں کہ میں گھر کیوں نہیں آ سکتا۔"

"پتہ نہیں، میں تو سمجھتی ہوں کہ تم یہاں اپنے قیام کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے بہانے تلاش کرتے رہتے ہو۔ دراصل تم شہر کے گرد و غبار کے عادی ہو چکے ہو اور تمہارا یہی طرز عمل رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس فکر سے بھی بےنیاز ہو جاؤگے کہ گھر میں رہتے ہو کہ نہیں۔ تمہاری مثال گلے سے بھٹک جانےوالے کمسن ہرن حیسی ہے۔ میرے پیارے ابائی‌جان، دیکھو مہربانی کرکے جلدی گھر لوٹنا!"

اول‌جان کے الفاظ سیدھے سادے اور پرشفقت تھے لیکن ان کے پیچھے کچھ اور مفہوم بھی پوشیدہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ابھی ابائی سے اس معاملے پر صاف صاف بات کرنے کا وقت نہیں آیا۔ ابائی نے بھی کچھ نہ کہا حالانکہ وہ اپنی ماں کے شکوک کو سمجھ گیا تھا۔ اس نے محبت بھرے الوداعی الفاظ کے ذریعے اس مسئلے پر مزید بات چیت ٹال دی۔

"انشاالله آپ کے چنگیز پہاڑ کو پار کرتے وقت ہم لوگ آپ تک پہنچ جائیں‌گے۔ بچوں کو میری طرف سے پیار کیجئےگا۔ خدا کرے آپ کا سفر پرمسرت ثابت ہو اور آپ بخیریت اچھی صحت کے ساتھ گھر پہنچ جائیں۔"

تقریباً تین ہفتے بعد ابائی اور یربول خاندان کے ارکان سے جا ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ طلوع آفتاب کے ساتھ سفر شروع کرکے انہوں نے موسم بہار کے اس طویل دن میں کافی فاصلہ طے کر لیا۔ دراصل دونوں اچھی قوت برداشت کے مالک اور تیز گھڑسواری کے عادی تھے۔ سفر کتنا ہی دشوار ہوتا، سردیاں ہوتیں یا گرمیاں دونوں میں سے کوئی بھی شاکی نہ ہوتا۔ اس کے برعکس دن بھر کی سخت بھاگ دوڑ کے بعد دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے اپنی تھکن کو

چھپانے کی کوشش کرتے تھے، جیسے وہ قوت برداشت کی کسی آزمائش سے گزر رہے ہوں۔

ان کے سفر کا راستہ ایسا تھا جس سے شاذ و نادر ہی لوگ گزرتے تھے کیونکہ ابائی نے باقانس دریا تک جس کے کنارے ان دنوں اس کا قبائلی گروہ منڈلا رہا تھا، پہنچنے کے لئے اوردہ پہاڑ کو پار کرنےوالے راستے کا انتخاب کیا تھا۔

غروب آفتاب کے وقت دونوں بانکے اوردہ پہاڑ کے اس حصے میں پہنچ گئے جو چیلیک‌تی پہاڑی کے نام سے مشہور تھا۔ زیادہ‌تر قبائلی گروہ اس علاقے سے منڈلاتے ہوئے آگے بڑھ چکے تھے اس لئے انہیں رات گزارنے کی کوئی جگہ نہ ملی۔ چیلیک‌تی پہاڑی قیام کے لئے موزوں‌ترین جگہ معلوم ہوتی تھی کیونکہ مامائے قبیلے کے بائےشورا جرگے کے چند نسبتاً غریب قبائلی گروہ عموماً دوسرے گروہوں کے بعد تاخیر سے روانہ ہوا کرتے تھے۔

دامن کوہ میں مسافروں کو اچانک بارش کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہوائیں جلد ہی رک گئیں اور بارش تھم‌کے گرم بوندا باندی میں تبدیل ہو گئی۔ اوردہ کی ڈھلانوں پر لمبی لمبی گھاس اور افسنتین پودوں کی ہریالی میں لہریں سی اٹھتی معلوم ہو رہی تھیں۔ موسم بہار کی بارش کا چھینٹا پرمسرت سرسراہٹ کے ساتھ پڑ رہا تھا اور چاروں طرف افسنتین پودوں کی تیز مہک پھیلی ہوئی تھی۔ دونوں ایک پتھریلی سڑک سے آگے بڑھ رہے تھے تو بارش اچانک پھر تیز ہو گئی۔ آسمان پر ایک بار پھر سیاہ بادل چھا گئے جن میں شام کا آفتاب چھپ گیا اور صرف بہت دور افق پر زرد سی روشنی باقی رہ گئی۔

گھوڑے اپنی ٹاپوں کی آوازوں سے فضا کی خاموشی کا طلسم توڑتے ہوئے ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں اور اندھیرے میں روشنیوں کی ٹمٹماہٹ نظر آئی۔ کچھ آگے چل‌کے ایک دریا کے کنارے کسی چھوٹے قبائلی گروہ کے سات آٹھ خیمے دھندلے دھندلے سے دکھائی دئے۔ بھیڑوں کا ایک چھوٹا سا گلہ اور چند گائیں اور اونٹ بارش سے سر چھپانے کی جگہ تلاش کرتے پھر رہے تھے اور پانی سے خوف‌زدہ بکریاں سمٹ سمٹاکے خیموں کے قریب اکٹھا ہو گئی تھیں۔ بستی کے

قریب ہی تقریباً ایک درجن گھوڑے چر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ کے اگلے پیر رسیوں سے چھاند دئیے گئے تھے اور کچھ لمبی لمبی رسیوں میں بندھے تھے تاکہ گھوم پھرکے چرائی کر سکیں۔ پڑاؤ کے قریب پہنچ کے گھڑسواروں نے رات بسر کرنے کے لئے بہترین خیمے کا انتخاب کرنے کے سلسلے میں رفتار دھیمی کر دی۔ کتے اتنے غضبناک ہو گئے کہ ان کے بھونکنے کی آوازیں پہاڑوں میں گونجنے لگیں۔ جیسے جیسے یہ لوگ خیموں کے قریب پہنچتے گئے، کتوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی اور ان کے بھونکنے کی آوازیں بھی تیز ہوتی گئیں۔

آٹھ خیموں میں پانچ کونوں‌والا وسطی خیمہ سب سے بڑا اور مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ یربول نے اس کی طرف اپنا گھوڑا بڑھایا اور ابائی نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا۔ اتنے میں خیمے کا دڑھیل مالک اپنے شانوں پر ڈھیلا ڈھلا بیش‌میت ڈالے ان لوگوں سے ملنے کے لئے باھر نکلا۔ وہ کچھ لنگڑا سا رہا تھا۔ یربول نے اس سے صاحب سلامت کے بعد اپنا تعارف کرایا اور رات بسر کرنے کی اجازت مانگی۔

"خوش آمدید، بانکو! ھمارے یہاں جو کچھ ھے اس میں ھم تمہیں شریک کریں‌گے" آدمی نے ان دونوں کے گھوڑوں کو باندھتے ہوئے زندہ‌دلی سے کہا۔

"تم نے بائےشورا جرگے کے دو بھائیوں بیکیئی اور شیکیئی کے متعلق سنا ھی ہوگا جو اوردہ کے قریب رھتے ھیں" وہ خیمے میں داخل ہونے لگے تو یربول نے سرگوشی کی۔ "یہ بیکیئی کا پڑاؤ ھے۔"

وہ لوگ اس پڑاؤ پر اس سے قبل کبھی بھی نہیں آئے تھے۔

اندر چمک دمک کے ساتھ آگ جل رہی تھی۔ مہمانوں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور اس چھوٹے سے خاندان کے ہر رکن کو باری باری سلام کیا۔ ان کے داھنی جانب قالین پر بیٹھی ہوئی ایک بڑھیا بچہ کھلا رہی تھی اور تقریباً چالیس سال کی ایک دبلی پتلی عورت آگ کے پاس مصروف تھی۔ طویل قامت، بھورے بالوں اور سرخی مائل بادامی رنگ کی آنکھوں‌والی یہ عورت اپنی جوانی میں واقعی بہت خوبصورت رہی ہوگی۔

ابائی نے اب اپنے میزبان کو غور سے دیکھا: بھوری آنکھیں، سیدھی، نمایاں ناک، سرخی مائل پرشکن داڑھی، صحت‌مند سرخ و سفید چہرہ اور پراعتماد، متاثر کرنے‌والے طور طریقے۔ بیکیئی نے

بھاری مردانی آواز میں دریافت کیا کہ وہ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں اور کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

کنڈوں کے دھکتے ہوئے شعلے خیمے کو آرام‌دہ اور مہمان‌نواز بنا رہے تھے۔ الاؤ کے اوپر رکھی ہوئی ایک بلند تپائی سے بڑی سی دیگچی لٹکی ہوئی تھی۔

بیکیئی اپنے سوالات کے جوابات سے مطمئن ہو گیا تو بوڑھی ماں کی طرف مڑا اور اس سے دبی زبان میں کچھ کہا۔

"ارے بھئی کنڈوں کو ضائع نہ کرو۔ خشک ایندھن کی ویسے ہی بہت کمی ہے" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے بیوی کی سرزنش کی۔ "دیگچی کے لئے کافی پانی موجود ہے نا؟ میں لڑکے کو اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں۔ ہم لوگ کوئی میمنا تلاش کر لیں گے۔"

بیوی نے خاموشی سے اتفاق رائے کیا۔

ابائی اور یربول کو چائے پیش کی جا رہی تھی تو خیمے کے دروازے پر پڑا ہوا نمدے کا پردہ پیچھے کھسکایا گیا اور بیکیئی اور اس کا بیٹا ذبح کئے ہوئے ایک میمنے کو لےکے اندر داخل ہوئے۔ بھورے بالوں‌والی میزبان عورت نے اپنی سوتی کپڑے کی اسکرٹ ذرا اوپر چڑھائی اور الاؤ پر ایک چھوٹی گول حلقے‌والی تپائی رکھکے اس پر ایک برتن میں پانی چڑھا دیا۔ بیکیئی اپنے مہمانوں کے بغل میں بیٹھکے انہیں چائے پیش کرنے لگا۔

"ارے آخر شوقیمن کہاں ہے؟" بیکیئی تھوڑی تھوڑی دیر بعد بیوی سے پوچھتا۔ "اسے تمہاری مدد کرنی چاہئے نا۔"

"کاہے کے لئے؟ وہ اپنے بہنوئی کے ساتھ دوسرے خیمے میں ہے۔ میں خود کام چلا لوں‌گی! ان لوگوں کو کچھ ہنسی مذاق کرنے دو نا" اس نے جواب دیا۔

شوقیمن کے تذکرے پر یربول نے دل ہی دل میں سوچا: "خاندان میں ضرور کوئی سیانی لڑکی بھی ہے" اور اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ بیکیئی کے لکڑی کے پلنگ کے علاوہ خیمے کے بائیں حصے میں ایک اور پلنگ بھی موجود تھا جس پر شوخ رنگوں کے گدے تکیے ڈھیر تھے اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی لڑکی کا بستر ہے۔

بیکیئی کی بیوی دیگچی میں گوشت ڈالنے لگی تو بیکیئی نے گوشت کی اچھی اچھی بوٹیاں چھانک‌کے اسے دیتے ہوئے کہا: "انہیں

بھی ڈال دو۔ کافی گوشت ہونا چاھئے" اس نے شوہر کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو: "کیا اتنا گوشت بہت زیادہ نہیں ہے؟ کیا اتنا کافی نہ ہوگا؟" لیکن بیکیئی مطمئن نہ ہوا۔

"نہیں کچھ اور گوشت ڈال دو۔ ہم لوگوں نے شوقیمن کے بہنوئی اور اس کے دوستوں کو کھانا نہیں کھلایا ہے۔ شوقیمن اشارے اشارے میں یہ بات کہہ بھی چکی ہے۔ مہمانوں کی تعداد کچھ زیادہ تھوڑی ہے اور سب شوقیمن ہی کے ہم‌عمر ہیں۔ وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ رات کا کھانا کھا لیں گے۔"

اب الاؤ میں بڑی فیاضی کے ساتھ مزید ایندھن ڈال دیا گیا اور خیمے کی فضا جلد ہی گرم ہو گئی۔ بارش تھم گئی تھی، رات ہواؤں سے خالی تھی اور آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔

یربول سو گیا۔ ابائی بیٹھا سوچ رہا تھا لیکن چاروں طرف سے بند خیمے کی فضا میں اسے بھی نیند آنے لگی اور اس نے کھانے سے قبل ذرا دیر سو لینے کا فیصلہ کیا۔

اسے پتہ بھی نہ چلا کہ وہ زیادہ دیر تک سوتا رہا کہ نہیں اور وہ اچانک چونک پڑا۔ اس نے سوچا کہ نیند کی حالت میں وہ ضرور باتیں کر رہا ہوگا کیونکہ الفاظ اب بھی اس کے ہونٹوں پر تھے۔ ہاں ابھی ابھی تو اس نے کہا تھا: "یہاں آؤ، میری پیاری"۔ کہیں اس نے یہ بات زور سے تو نہیں کہہ دی تھی؟ کہیں خیمے میں موجود کسی شخص نے سن تو نہیں لیا۔ تھا؟ آخر اسے ہو کیا گیا تھا؟

یربول نے بھی اپنا سر اٹھا لیا تھا اور ابائی کو تکے جا رہا تھا جو بڑی توجہ سے کچھ سننے میں مصروف تھا۔ خود اسے بھی پاس‌والے خیمے سے کسی عورت کے گانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ابائی کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ یربول ڈر گیا کہ اس کے دوست پر ہذیانی کیفیت طاری ہے اور وہ کسی طرف بھاگ کھڑے ہونے کو ہے۔ اس کا چہرہ بری طرح زرد پڑ گیا تھا۔ کشادہ کھلی ہوئی آنکھوں میں آنسو منڈلا رہے تھے، شانے اینٹھ رہے تھے، وہ ھانپ ھانپ کے سانس لے رہا تھا اور اپنے ماحول اور دنیا سے بے‌نیاز بس اوپر کی طرف تکے جا رہا تھا۔ اتنے میں اچانک اس نے یربول کا ھاتھ تھام لیا۔

"کھڑے ہو، یربول!"

"ارے ابائی، آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟" اس کا دوست کہہ اٹھا۔

ابائی نے اپنی فر کی ٹوپی پکڑی، لبادہ جلدی سے شانوں پر ڈالا اور تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔

"آؤ، میرے ساتھ آؤ نا!"

ایسا لگتا تھا کہ میزبانوں کو اس سب کی ذرا بھی خبر بھی نہیں ہوئی۔ بوڑھی عورت سو چکی تھی اور بیکیئی الاؤ کے قریب بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کی پیٹھ مہمانوں کی طرف تھی۔

ابائی اب بھی اپنے اضطراب پر قابو نہ پا سکا۔ صرف کان ہی نہیں بلکہ اس کا سارا وجود گانے کی اس آواز پر لگا ہوا تھا جو اس کے لئے اس وقت دنیا میں واحد آواز رہ گئی تھی۔ وہ کچھ عجب بدحواسی کے عالم میں خیمے کے دروازے تک پہنچ گیا، دھلیز پار کرکے باہر نکلا، ٹوپی سر پر رکھی اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا جیسے منتظر ہو کہ گانےوالی عورت ابھی ابھی اس کے پاس آ جائےگی۔

خیموں کے اوپر فضا میں لہراتا ہوا گیت "توپائےکوک" تھا جس کے ختم ہوتے ہی ابائی لپک‌کے یربول کے پاس پہنچا۔

"توغجان!.. اوہ میرے خدا، وہ توغجان ہی تھی! یہ اسی کی آواز تھی، وہی گا رہی تھی، ہاں یہ وہی ہے!.. مگر یربول، بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ میں کہاں ہوں؟ میں تم سے کہہ رہا ہوں، وہ یقیناً توغجان ہی ہے اور اس خیمے سے مجھے آواز دے رہی ہے!"

اس کے جسم میں جذبات کی نئی لہر دوڑ گئی۔

یربول بھی حیران و ششدر رہ گیا۔ اسے بھی یہ آواز جانی پہچانی معلوم ہو رہی تھی اور وہ دماغ پر زور دے رہا تھا کہ آخر یہ آواز اس سے قبل اس نے کہاں سنی تھی۔ اچانک اس کی سمجھ میں آ گیا کہ ابائی کیوں اتنی بےتابی کے ساتھ دروازے کی طرف لپکا اور بچوں جیسی بےصبری سے اسے اپنے ساتھ باہر کھینچ لایا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ توغجان کی محبت ابائی کے دل میں ایک گہرا، نہ بھرنےوالا زخم بن‌کے رہ گئی تھی لیکن اس نے اپنے دوست کو کبھی بھی اس عالم میں نہیں دیکھا تھا۔ اس پر سخت

ہیجانی کیفیت طاری تھی اور وہ کوئی ناعاقبت اندیش قدم اٹھانے پر، کوئی نامناسب بات کہنے یا کرنے پر تلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"ذرا ٹھہرو نا، ابائی" اس نے جلدی سے کہا۔ "آخر تم کو ہوا کیا ہے؟ کیا ہم لوگ سر کے بل آگ میں کود پڑیں؟ اپنے آپ کو ذرا سنبھالو نا!" اس نے ابائی کو کھینچ کے خیمے میں لانے کی کوشش کی۔

"مجھے چھوڑ دو! توغجان خیمے میں ہے! وہی ہے! یقیناً وہی ہے! میں دیکھ کے یقین کرنا چاہتا ہوں! یا تم جاکے معلوم کروگے؟"

یربول کو ہچکچاہٹ محسوس ہوئی لیکن ابائی اصرار کرنے لگا تو اس نے کہا:

"بہت اچھا، مگر ذرا صبر سے کام لو۔ میں اکیلے جاؤں گا۔"

"اچھا تو جلدی جاؤ! ایک نظر دیکھ کے لوٹ آؤ، مجھے یقین ہے کہ یہ توغجان ہی ہے۔"

یربول بہت جلد لوٹ آیا لیکن اب وہ بھی ابائی ہی کی طرح بدحواس معلوم ہو رہا تھا۔

"اوہ میرے خدا! بہرحال یہ کوئی خواب نہ تھا، وہی ہے، کوئی اور نہیں" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کیا یہ سچ ہے؟ کیا واقعی توغجان ہی ہے؟ یقیناً! مجھے تو پہلے ہی سے معلوم تھا!" ابائی خیمے کی طرف لپکا۔

"ذرا ٹھہرو، وہ قطعاً توغجان نہیں ہے۔"

ابائی غصے سے بپھرا ہوا اس کی طرف مڑا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں بھئی وہ توغجان نہیں ہے لیکن یقیناً اس کی ہمزاد ہوگی۔ اوہ میرے خدا! بالکل توغجان کی ہمشکل اور ویسی ہی نوجوان، ذرا بھی تو نہیں بدلی۔ میں خیمے میں گیا اور وہاں مجھے دوسری توغجان جیسی ایک لڑکی نظر آئی!"

"تمہارے کہنے کا آخر مطلب کیا ہے؟ یہ کوئی معجزہ ہے کیا؟ وہ گیت کون گا رہا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ دراصل میں نے کسی سے پوچھا ہی نہیں۔ میں تو اس لڑکی کو دیکھ کے ایسا ششدر ہوا کہ منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا کہوں۔"

"لیکن اگر یہ لڑکی توغجان سے اتنی زیادہ ملتی جلتی ہے اور بالکل اسی کی طرح گاتی ہے تو... کوئی دوسرا ہوتا تو آواز بھی مختلف ہوتی نا..."

"یہی تو سوال ہے۔ میں نے دریافت نہیں کیا کیونکہ اس کے چہرے کی طرف دیکھنا ہی کافی تھا۔ لیکن تمہیں کیا ہوا تھا۔ آخر تم کو کیسے معلوم ہو گیا؟ تم تو گہری نیند سوئے ہوئے تھے! کہیں تم کوئی غیب‌داں تو نہیں؟ بھلا یہ کسی بات کا شگون تھا یا کوئی خواب؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم دونوں سوتے میں بڑبڑا رہے ہوں؟" یربول بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

ابائی بار بار اپنے دوست کے الفاظ دوہرا رہا تھا: "بالکل اسی کی ہم‌شکل" اس کا دل کسی سرکش نوجوان گھوڑے کی طرح اچھل رہا تھا۔ لیکن ذرا ہی دیر بعد اس کے ذہن میں شکوک پیدا ہو گئے: اگر وہ توغجان سے بالکل ہی مشابہ نہ ہو تو؟ اگر یہ سارا واقعہ محض خواب ہی ہو، محض خیالی پیکر جو یوں غائب ہو جائے جیسے دھوپ میں کہرا، تو؟ اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے سوچا کہ جل‌کے خاک ہی ہو جاؤں تو کیا ہوگا؟ اور وہ دھکتی ہوئی آگ میں سر کے بل کود پڑنے کو تیار ہو گیا۔

لیکن اس اثنا میں نئے بیاہے جوڑے کے خیمے کا دروازہ کھلا، باہر روشنی کی ایک لکیر سی بن گئی اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔

"یہ رہے وہ لوگ، بیکیئی کے یہاں کھانا کھانے جا رہے ہیں۔"

یربول نے ابائی کا ہاتھ پکڑا اور اسے تیزی سے گھسیٹتا ہوا ان لوگوں کی آمد سے پہلے ہی پہنچ‌کے بیکیئی کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ دونوں پہلے کی طرح معزز افراد کے بیٹھنے کی جگھوں پر بیٹھ گئے اور یربول نے سلگتے ہوئے کنڈوں کو کریدنا شروع کر دیا۔ "شاید میرے ہاتھ لگانے سے یہ کنڈے زیادہ تیزی سے جلنے لگیں" اس نے مذاق میں کہا۔

ابائی کی بےصبری بڑھتی جا رہی تھی لیکن نوجوان افراد خیمے کے باہر قہقہے لگا رہے تھے، ہنسی مذاق کر رہے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اندر آنے کی انہیں کوئی خاص جلدی نہیں ہے۔

آخر دروازہ کھلا اور مہمان اندر آئے۔ پہلے دو بانکے داخل ہوئے جو عام چغے، فر کی ٹوپیاں اور گھٹنوں تک اونچے لانگ‌بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے آنکھیں اٹھائے بغیر ادب کے ساتھ سلام کیا۔ اس کے بعد کئی لڑکے اور دو جوان عورتیں داخل ہوئے۔ ابائی اپنی نگاہیں دروازے پر جمائے ہوئے تھا۔ ایک اور جوان عورت دروازے پر نمودار ہوئی تھی جس کے سر پر چاندی کے تاروں سے کڑھا ہوا کپڑا پڑا تھا اور سانولے چہرے کا نصف حصہ چھپ گیا تھا۔ رہ غالباً بیکیئی کی شادی‌شدہ بیٹی تھی۔

سب سے آخر میں آنے‌والی لڑکی توغجان سے حیرت‌انگیز طور پر مشابہ تھی۔ اس کے بالوں کی چوٹیوں میں چاندی کی شول‌پی جھنک رہی تھی اور رخساروں کی سرخی سے جلد کی خوبصورتی کا پتہ چلتا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس مسکراھٹ سے جو سنجیدہ ہوتے ہوئے بھی کسی قدر شرارت‌آمیز تھی، اس کے خوبصورت سفید دانت نظر آنے لگے۔ اس نے مہمانوں کو سلام کیا اور اس کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا۔ ابائی کو یہ سرخی ایسی سحر کی سرخی معلوم ہوئی جو طویل انتظار کے بعد آئی ہو۔ وہ اپنی گھبراھٹ میں اس کے سلام کا جواب تک نہ دے سکا۔ منہ سے چند الفاظ نکلے اور بس۔ ھکا بکا ہوکے بے‌حس و حرکت بیٹھے بیٹھے اسے تکنے لگا۔ اس کی نگاہوں سے لڑکی کا چہرہ کچھ اور بھی سرخ ہو گیا۔

توغجان کی طرح یہ لڑکی بھی درمیانی قد کی تھی۔ یربول نے ٹھیک ھی کہا تھا۔ وہ توغجان کی بالکل ہم‌شکل تھی – وھی چہرہ مہرہ، وھی گوری رنگت، وھی سرخ سیب جیسی ٹھوڑی اور وھی سیاہ ریشمی بال، وھی سب کچھ جو اتنے دنوں سے اس کے خوابوں میں بسا ہوا تھا۔ وھی ناک تھی، ترغیب دلانے‌والے خوبصورت انداز سے اوپر کو کچھ اٹھی ہوئی۔ سرخ ھونٹ، ترشے ترشائے ہوئے اور کسی حد تک بچوں کے ھونٹوں جیسے... سیاہ لمبی لمبی بھنویں، کنپٹیوں کی طرف کسی ابابیل کے بازوؤں کی طرح پھیلی ہوئی۔ وھی ھلکی سی مسکراھٹ، غم و آلام سے پاک، پرسکون مسکراھٹ– ھاں وہ دوسری توغجان تھی، ابائی کی پہلی اور واحد محبت کا مرکز... وہ ایک ابھرتے ہوئے نئے مہتاب جیسی تھی جو ہمیشہ نیا

پھر بھی ہمیشہ یکساں طور پر خوبصورت ہوتا ہے۔ وہ لاثانی حسن اب اس کی زندگی کےآسمان پر ابھر رہا تھا۔

لڑکی اس کے بغل میں بیٹھ گئی۔ ابائی جیسے کسی خواب میں کھویا ہوا تھا، ہر شے سے بالکل بےنیاز۔ اسے صرف اپنے دل کی دھڑکنوں ہی کا احساس تھا۔ وہ خود کو جذبات کے بھنور میں پھنسا ہوا پا رہا تھا اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا خواب حقیقت میں بدل گیا ہو۔ اس نے سرگوشی کی تھی: "لو میں تمہارے پاس ہوں، میں آ گئی" اور اب وہ اس کے سامنے موجود تھی۔ یہ کوئی فریب نظر نہ تھا وہ صحیح معنوں میں آ گئی تھی، عنفوان شباب کی تمام رعنائیوں کے ساتھ۔

ابائی اب بھی اس پر مسلسل نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی حالت اس آدمی جیسی تھی جو کسی ٹوٹتے ہوئے ستارے کو دیکھکر آہستہ آہستہ اپنی اس خواہش کا اظہار کر رہا ہو جس پر اس کی زندگی کا انحصار ہو۔

یربول نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں تاکہ اس غیرفطری ہیجانی کیفیت سے میزبانوں کی توجہ ہٹی رہے جو ابائی کے چہرے پر طاری تھی۔ دولھا اور اس کے دوست ماماۓ قبیلے کے یلےمان جرگے سے تعلق رکھتے تھے۔ یربول اس قبائلی گروہ سے واقف اور اس کے بڑے بوڑھوں سے جان پہچان رکھتا تھا۔ اس نے ان پر روایتی سوالات کی بوچھار کر دی: ان دنوں ان کا گروہ کہاں ہے؟ کیا اس نے ادھر ادھر منڈلانا شروع کر دیا ہے؟ اور وہ موسمگرما کی کس چراگاہ کو جا رہا ہے؟

ان لوگوں کی باتوں سے ابائی صرف اتنا ہی سمجھ سکا کہ شوقیمن میزبان کی بیٹی ہے۔

"بیٹی شوقیمن، کیا تم اپنی ماں کی مدد نہ کروگی؟ مہمانوں کو تولیہ دے دو اور ہاں ذرا دسترخوان تو بچھاؤ" بیکیئی نے مہمانوں کے بیٹھ جانے کے بعد اس سے کہا۔

لڑکی اپنے خوبصورت لوچدار جسم کے ساتھ خیمے میں ادھر ادھر آ جا رہی تھی اور اس کی صدری اور سفید لباس سے اس کے بدن کا چھریراپن کچھ اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ لیکن اس کی بہت

ھی پرانی گھسی پٹی سنجابی ٹوپی سارا مزہ کرکرا کئے دے رھی تھی۔ "کاش که وہ اپنی یه ٹوپی اتار دیتی!" ابائی نے سوچا۔ اسے اس لڑکی کا نام بھی پسند نه تھا۔

یربول اور ایک کالی رنگت اور پتلی داڑھی‌والے بانکے نے جو دولھا کے دوستوں میں سے تھا، کھانے پر بھی بات‌چیت کا سلسله جاری رکھا۔

شوقیمن نے ابائی کے بارے میں تھوڑا بہت سن رکھا تھا۔ سال بھر پہلے افواھیں اڑی تھیں که قونان‌بائے کا بیٹا جو ایک نوجوان بانکا ھے، قونیر کوک‌شے وولوست کا حکمراں بن گیا ھے مگر بعد میں لوگوں نے کہا تھا که گزشته سردیوں میں اس نے اس عہدے سے استعفا دے دیا۔ ان باتوں میں نه تو کوئی ایسی چیز تھی جو ابائی کی نیک‌نامی یا بدنامی کا باعث ھوتی اور نه ھی ان سے شوقیمن کو کوئی دلچسپی تھی۔

جب اس نے سنا که ابائی اس کے باپ کا مہمان ھوا ھے تو وہ دوڑی دوڑی اسے دیکھنے نه آئی اور جب ابائی نے اس کے سلام کو نظر انداز کر دیا تو اس کے وقار کو ٹھیس بھی لگی۔ اس نے سوچا که امیر قبائلی گروہ کا یه مغرور مرزا، اس سے بات‌چیت کرنے کو خلاف شان تصور کرتا ھے۔

کھانے کے بعد الاؤ پر رکھی ھوئی تپائی پر وہ بڑا سا برتن جس سے بھاپ نکل رھی تھی، ایک بار پھر رکھ دیا گیا اور آگ دوبارہ تیزی سے جلنے لگی۔

"اچھا میرے بچو، اپنے آپ کو لطف اندوز کرو نا" بیکیئی نے بانکوں سے خوش‌مزاجی کے ساتھ کہا۔ "تم لوگ اس خیمے میں گا رھے تھے تو آخر یہاں کیوں نہیں گاتے؟"

ابائی کو بیکیئی شروع ھی میں پسند آ گیا تھا اور اب جو اس نے یه بات کہی تو وہ اس کا کچھ اور بھی زیادہ مداح ھو گیا۔

"ٹھیک تو ھے، آخر ھم لوگ آپ کے گانے میں مخل کیوں ھوں؟ ھم نے ابھی ایک خوبصورت گیت سنا ھے۔ براہ کرم ھماری موجودگی کا خیال نه کیجئے!"

"جی ھاں، واقعی بہت ھی شاندار گیت تھا" یربول نے شوقیمن کی طرف معنی‌خیز نگاھوں سے دیکھتے ھوئے اتفاق رائے کیا۔

شوقیمن شرمیلےپن سے مسکرائی۔

"گیت گانا کیا ہم لوگوں ہی کو تھوڑی آتا ہے!" اس نے اپنی سریلی، واضح اور نرم آواز سے کہا اور ہنس پڑی۔ "آپ لوگوں نے ہم سے زیادہ دیکھا سنا ہے، آپ کو تو ہم سے کہیں زیادہ گیت یاد ہوں‌گے" وہ ایک بار پھر ہنس پڑی اور ابائی پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے کہا: "آپ جانتے ہی ہیں کہ پہلا جرمانہ تو مہمانوں کو ادا کرنا ہوتا ہے!"

اس کی ہنسی جو بےتصنع اور اس کی آواز کا سریلاپن سمیٹے ہوئے تھی، توغجان کی ہنسی سے بھی زیادہ شاندار تھی۔ یہ ہنسی تو بجائے خود ایک ناقابل فراموش گیت تھی۔

ابائی ذرا بھی نہ گھبرایا۔

"اچھی بات ہے مجھے جرمانہ ادا ہی کرنا ہے تو میں ایک گیت کی شکل میں ادا کروں‌گا۔ شاید زیادہ اچھا تو نہ ہوگا لیکن بہرحال گیت ہی ہوگا۔"

سب لوگ مسکرا دئے۔ اس نے دومبرا لیا اور اس کے تاروں پر انگلیاں پھیریں۔

اس نے دھیمی آواز میں گیت چھیڑا۔ یہ وہی اداس اور لطیف دھن تھی جس میں اس سے قبل شوقیمن گا چکی تھی، صرف الفاظ مختلف تھے۔ جذبات کی شدت اور محبوبہ سے ملنے کی تڑپ سے لبریز الفاظ۔

فلک پر چاند بھی ہوتا ہے روشن اور تارے بھی
مگر تاریکیاں چھائی ہیں میرے ذہن اور دل پر
بہت ممکن ہے بہتر چاہنےوالا ملے اس کو
مری قسمت میں لیکن اب کہاں ہے دوسری دلبر...

گیت کچھ آگے بڑھا تو اداسی کی لہر ختم ہو گئی اور امید کی کرنیں دوبارہ پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ ایسا لگتا تھا کہ گیت میں کسی ایسی حسینہ کو مخاطب کیا گیا ہے جس کی تلاش رائیگاں ثابت ہوئی تھی لیکن آخر وہ اسے مل ہی گئی۔ دومبرے اور گانےوالے

کی آوازیں دونوں ایک نئی امید کے ساحلوں سے ہمکنار ہو رہی تھیں۔

سامعین بہت محظوظ ہوئے اور ان کی درخواست پر ابائی نے یہ گیت تین بار سنایا۔

"قرضے بہرحال ادا کئے جانے چاہئیں" اس نے کہا۔ "میں نے اور یربول نے کسی کو بغل‌والے خیمے میں "توپائےکوک" گاتے سنا تھا۔ وہ گیت اب بھی ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے! یہ پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ کون گا رہا تھا۔ مہربانی کرکے اسے پھر سے گائیے" اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں شوقیمن کی خوشامد کرنے لگا۔

"وہ تو میری چچی گا رہی تھیں جو اب بھی اسی خیمے میں ہیں۔ کیا ہم لوگ انہیں یہاں بلا لیں؟" شوقیمن نے کہا اور اس کے ساتھ دوسرے افراد بھی ہنس پڑے۔

"یہ بات سچ تھوڑی ہے" ابائی اور یربول نے اصرار جاری رکھا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ گیت تو آپ گا رہی تھیں۔"

شوقیمن کو راضی ہونا ہی پڑا۔

اس کی آواز جو بات‌چیت کے دوران بےحد شیریں معلوم ہو رہی تھی، گاتے وقت مسحور کر دینے کی حد تک سریلی اور خوبصورت ہو گئی۔ اس کا اتار چڑھاؤ ریشم کے نفیس ہموار دھاگے جیسا تھا۔ ابائی اس سے قبل کبھی بھی کسی کے گانے سے اتنا زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا، کبھی بھی گیت کا مفہوم اتنی وضاحت کے ساتھ نہیں ادا کیا گیا تھا۔ وہ اس گیت کو دعا کی آواز کی طرح سنتا رہا اور صرف ایک بار آنکھیں اٹھانے کی جرأت کر سکا۔ شوقیمن کا شرمیلاپن ختم ہو چکا تھا۔ وہ اپنے ماحول سے بالکل بےنیاز مکمل محویت کے عالم میں گا رہی تھی اور دھن کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کی بھنویں کبھی کچھ ابھرتی تھیں کبھی نیچی ہو جاتی تھیں۔ گیت اس کی نوجوان، فیاض روح کا کامل طور پر اظہار کر رہا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا سماں نگاہوں میں پھر جاتا تھا۔ اس کی آواز کبھی کسی شفاف موج کی مسرت سے ہمکنار ہوتی ہوئی چوٹی معلوم ہوتی اور کبھی چاند کی کرنوں سے چمکتا، سرسراہٹ کے ساتھ بہتا ہوا چشمہ۔

ہر شخص مسحور ہوکے اس گیت کو سنتا رہا۔ شوقیمن خاموش ہوئی تو ابائی نے گہری ٹھنڈی سانس لی۔ اس کا دل سینے سے باہر نکلا آ رہا تھا۔ اس نے شوقیمن کی طرف دیکھا اور خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"کتنا شاندار گیت ہے! اسے اس انداز سے اور کوئی گا ہی نہیں سکتا" یربول کہہ اٹھا۔

ابائی کا بھی یہی خیال تھا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ اس کا دل ایسی روشنی سے لبریز ہو گیا تھا جو ساری دنیا میں اجالا کرنے کے لئے کافی ہوئی۔ کہنے کو تھا بھی کیا؟ الفاظ کتنے ہی شاندار کیوں نہ ہوتے ان کے ذریعے جذبات کی ترجمانی کی کوشش، جذبات کا مذاق اڑانے کے مرادف ہوتی۔ ہاں ایک بات وہ ضرور جانتا تھا: اس کے دل میں ایک نیا آفتاب طلوع ہو گیا تھا، اس کی کھوئی ہوئی مسرت اسے واپس مل گئی تھی۔ اس مسرت نے اس کی حالت پر ترس کھاکے خود ہی اسے تلاش کر لیا تھا...

ایک غیرلوچدار فیصلے نے اس کے اندر جنم لے لیا تھا۔ ایک بار جبکہ وہ نوجوان تھا، جبکہ اسے اپنے اوپر اعتماد نہ تھا، اس نے اپنی مسرت کو ٹھکرا دیا تھا لیکن اس بار وہ کسی بھی طرح اپنے مقدر کو اپنے ہاتھوں سے نکل‌کے جانے نہ دےگا۔ چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہی کیوں نہ ہو جائے، چاہے اس کے ماں باپ اسے گھر سے نکال ہی کیوں نہ دیں، اس کے قریب‌ترین عزیز اس کی مذمت ہی کیوں نہ کریں! سر پر قیامت ہی کیوں نہ ٹوٹ جائے، وہ اس لڑکی سے نہ دست‌بردار ہو سکتا ہے نہ ہوگا اور نہ ہی اسے کسی دوسرے کے آغوش کی زینت بننے دےگا۔ اس کے بغیر زندگی بسر کرنے میں بھلا رکھا ہی کیا ہے۔

نوجوان افراد خیمے سے جانے لگے تو ابائی شوقیمن سے صرف "شکریہ" ہی کہہ سکا۔ اس نے یہ لفظ کئی بار کہا۔ اس کے علاوہ دوسرے الفاظ اس کے ہونٹوں پر آ ہی نہ سکے لیکن اس کے چہرے کی زردی اور آواز کی تھرتھراہٹ نے شوقیمن سے وہ سب کہہ دیا جس کے اظہار کے لئے اسے الفاظ نہیں مل سکے تھے۔ اس نے ذرا شرماتے لجاتے ہوئے ابائی کو محبت بھری مسکراہٹ سے دیکھا۔ اب ابائی اس کے لئے وہ متکبر مرزا نہیں رہ گیا تھا جسے اس نے شام

کو خیمے میں داخل ہوتے وقت دیکھا تھا۔ اب تو وہ پرکشش آدمی معلوم ہوتا تھا، ایک ایسا شخص جو کسی کیفیت کو گہرائی کے ساتھ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اپنے جذبات کو خود پر مکمل طور سے حاوی ہو جانے کا موقع دے‌کر، جیسا کہ اس نے اس وقت کیا تھا، اپنے لئے دوسروں میں محبت کے جذبات بھی بیدار کر سکتا تھا۔ شوقیمن نے ایک ایسی کیفیت کی بھی ہلکی سے جھلک دیکھی جس سے اس سے قبل اسے کبھی بھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ابائی اچانک اسے بہت ھی پیارا معلوم ہونے لگا۔ وہ اپنی نگاھیں ابائی کے چہرے سے ہٹائے بغیر اس سے خاص گرمجوشی سے رخصت ہوئی۔

لوگ سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ شوقیمن کو اپنی بہن کے ساتھ ٹھہرنا تھا چنانچہ اپنے بہنوئی اور دوسرے مہمانوں کو رخصت کرنے چلی گئی اور پھر خیمے کو واپس نہ لوٹی۔

اگلے صبح ابائی اور یربول چیلیک‌تی پہاڑی پر پہنچے ھی تھے کہ ان کی بات چیت کا رخ شوقیمن کی طرف مڑ گیا۔

"وہ صحیح معنوں میں کوریم* ھے" ابائی نے بار بار کہا۔

"آئی** کوریم، آئی کوریم، صحیح معنوں میں کوریم!" یربول نے بڑے جوش و خروش سے اتفاق کیا۔

"کیا کہا تم نے ؟" ابائی نے نگاھیں اٹھائیں پھر ھنستے ہوئے کہا: "یربول، تمہیں معلوم ھے میں کیا سوچ رہا ہوں؟ شوقیمن نہایت ھی واھیات نام ھے اور اسے بالکل زیب نہیں دیتا۔ ہم لوگوں کو خود اس کا کوئی نام رکھنا چاھئے۔ تم نے ابھی ابھی اس کے لئے نام تجویز کیا ھے۔ ھم لوگ اسے آئی کوریم کہیں گے... یا آئی‌گیریم جو اس سے بھی اچھا نام ھے!"

دونوں نے اس خواب کو یاد کیا جو ابائی نے دیکھا تھا اور تعجب کرنے لگے کہ یہ خواب کتنا سچا ثابت ہوا۔ پھر وہ لوگ قیاس آرائیاں کرنے لگے یہاں تک کہ ابائی نے اس سلسلے میں اپنا خیال ظاھر کیا:

---

* کوریم — حسینہ۔

** "آئی!" — قزاخ زبان میں کلمۂ حیرت و انبساط۔

"ایک قدیم خیال ابھی ابھی میرے ذہن میں آیا ہے۔ جادوگر یا جادو ٹونے سے علاج کرنےوالے افراد خوابوں کی مدد سے مستقبل کی باتیں بتا سکتے ہیں یا، جیسا کہ کتابوں میں کہا گیا ہے، اہل نظر یا درویش لوگ بھی مستقبل کا حال بتانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہوں۔ نہ میں قسمت کا حال بتاتا ہوں نہ جادو کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں جو چیزوں کو تیزی کے ساتھ محسوس کر لینے کی صلاحیت کی بنا پر، اپنی زودحسی اور تیز ادراک کی بنا پر دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مغنی شاعر کہلاتے ہیں۔ شاید میں انہی میں سے ایک ہوں؟"

یربول کے لئے تو ابائی کافی عرصے سے مغنی شاعر تھا لیکن وہ اپنے دوست کی بات کو پوری طرح سمجھ نہ پانے کے باعث خاموش رہا۔ جہاں تک ابائی کا تعلق تھا وہ اس نئی دریافت سے بہت مسرور ہوا اور اس کے سینے میں نئی امنگیں کروٹیں لینے لگیں۔

ابائی نے بڑی گرمجوشی اور ولولے کے ساتھ یربول سے اپنے خیالات کی وضاحت کی اور بتایا کہ اس نے رات میں ایک فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ بالکل اچانک فیصلہ معلوم ہوتا تھا لیکن گزشتہ روز اس نے جو کچھ محسوس کیا تھا اس کے مد نظر بالکل حق بجانب تھا۔ اس نے اپنے دوست کو یہ بھی بتایا کہ صبح سے اس کے دل میں کیسی کیسی امیدیں جنم لے رہی ہیں۔

"بھئی یربول، دیکھو میری مذمت نہ کرنا۔ میرے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرو" اس نے اپنے فیصلے کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

یربول کے لئے یہ خاصے جانے پہچانے الفاظ تھے کیونکہ اس کا دوست جب بھی اچانک کوئی فیصلہ کرکے اس کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرتا، یہی الفاظ کہا کرتا تھا۔ وہ مسکرانے لگا اور اس کی آنکھوں کے گوشوں میں شکنیں پڑ گئیں۔ اپنے دوست کے جذبات کو وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"میں اس نامعلوم، ناآزمودہ مستقبل کی جو شاید ممنوع بھی ہے، آرزو کر رہا ہوں" ابائی نے یہ دیکھے بغیر کہ اس کا دوست اس کی اس کیفیت سے تفریح لے رہا ہے، اپنی بات جاری رکھی۔

"میرے تمام خیالات، سارا وجود اس مستقبل سے وابستہ ہے۔ مجھے آئی‌گیریم سے محبت ہو گئی ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

یربول کو اپنے دوست کے جذبات پر کوئی حیرت نہ ہوئی لیکن جہاں تک شادی کی بات کا تعلق تھا وہ اس کے لئے ایک ناگہانی سانحہ جیسی بات ثابت ہوئی اور اس نے ابائی کو حیرت کے ساتھ دیکھا۔ باقی سفر میں وہ اس مسئلے کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہ کر سکے۔ کوہ چنگیز پر انہوں نے اپنا سفر روک دیا اور جب تک اس معاملے کے تمام پہلوؤں پر بات‌چیت مکمل نہیں ہو گئی، شال‌قار پہنچنے کے لئے جہاں اول‌جان کا گروہ مقیم تھا، ڈھلانوں سے اترنا نہ شروع کیا۔

دامن کوہ کی یہ وسیع اور ہموار چراگاہیں جہاں دریا کا پانی صاف و شفاف اور چشموں کا پانی بہت زیادہ ٹھنڈا تھا، اپنی سرسبز و شاداب گھاسوں کے لئے شہرت رکھتا تھا۔ شال‌قار یعنی بےکراں کے نام سے موسوم ان وسیع علاقوں میں تا حد نگاہ ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں جو سارئی‌آرقا سے آنےوالی موسم بہار کی مستقل، حیات‌بخش اور خوشبودار مہمان تھیں، گھاس میں نرم اور سبز لہریں سی پیدا کرتی رہتی تھیں۔

پڑاؤ پر ابائی کا بڑی مسرت کے ساتھ خیرمقدم کیا گیا۔ سب سے پہلے اول‌جان نے خوشی سے مسکراتے ہوئے بیٹے کو گلے لگایا اور بڑی محبت سے دیر تک اپنا چہرہ اس کے چہرے سے لگائے رہی۔ پھر وہ اپنے سب سے چھوٹے پوتے، تین سالہ مغاش کو لے آئی جو دبلا پتلا، گوری رنگت، خوبصورت محرابی بھنوؤں اور سیاہ چمکدار آنکھوں کا بچہ تھا۔ ابائی اپنے بیٹے پر جھکا تو بچہ اس کی گردن سے لپٹ گیا اور اپنا چہرہ باپ کے رخسار پر رکھ دیا۔ ابائی نے اسے گود میں لےکے پیار کیا اور اس کا نام لےکے پکارا تو وہ ذرا بھی نہ شرمایا اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کو پہچانتا ہے حالانکہ آخرالذکر سردیوں بھر باہر رہا تھا۔ وہ ابائی کے چہرے کو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے ہنس پڑا جس سے ننھے ننھے سفید دانت نظر آنے لگے۔

"ارے آغا، آپ ہم لوگوں کو بھول گئے ہیں۔ میں آبیش ہوں، مغاش نہیں۔"

اسے یہ بات بھلا کس نے سمجھائی تھی؟ ابائی نے سوچا۔ اپنے محبوب بیٹے کے الفاظ کا اس پر فوری طور پر رد عمل ہوا لیکن وہ سمجھ گیا کہ اس معاملے میں اول‌جان کا ہاتھ نہیں ہے۔ اول‌جان نے اپنے بیٹے کی تیوریوں پر بل دیکھتے ہی ننھے بچے کو ڈانٹا:

"ارے احمق، یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تمہارے اباجان اتنی دور سے تو آ رہے ہیں اور وہ اس دوران تم کو بےحد یاد کرتے رہے ہیں۔ ان کا خیرمقدم کرنے کا کیا یہی طریقہ ہونا چاہئے؟"

ابائی کی ذہنی کوفت ختم نہ ہوئی۔ اس نے سب سے خوش اخلاقی سے صاحب سلامت کی لیکن اپنی ماں کے ساتھ خیمے میں داخل ہوتے ہی بڑی تلخی سے کہا:

"آپا، آخر آپ کا پوتا یہ کیا کہہ رہا تھا؟ اسے اس طرح کی بات سکھانا بڑی احمقانہ حرکت تھی، کسی نے بھی سکھائی ہو۔"

اس کے پیچھے ایک خوش و خرم ہجوم خیمے میں داخل ہوا اور سارا ماحول باتوں اور قہقہوں سے گونجنے لگا۔

ہر شخص نے قونان‌بائے کے بارے میں دریافت کیا: راستے سے اُن کے متعلق کوئی خبر موصول ہوئی ہے کہ نہیں؟ ان کی صحت تو ٹھیک ہے نا؟ ابائی کو جو کچھ معلوم تھا، اس نے بتایا: قونان‌بائے نے صرف یہ اطلاع بھیجی تھی کہ وہ قارقرالنسک پہنچ گیا ہے اور وہاں اوندیربائے سے اس کی ملاقات ہوئی ہے۔

دلدا بھی ابائی کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئی تھی۔ بھول جانے کی ناگوار بات ننھے مغاش کو دراصل اسی نے سکھائی تھی لیکن یہ دیکھ‌کے کہ ابائی کو اس جملے سے ٹھیس پہنچی ہے، اسے ذرا بھی افسوس نہ ہوا۔ اس کے برعکس وہ نفرت کے ساتھ مسکرائی جیسے کہہ رہی ہو: "آپ دراصل اسی کے مستحق تھے۔" اس طویل موسم سرما کے دوران اس نے جانے کتنی ہی بار گھر سے غائب شوہر کو جی بھر کے کوسا تھا۔ وہ سوچتی اب ایسا بھی کیا کہ نصف سال میں وہ ایک بار بھی گھر آنے کا موقع نہ نکال سکے۔ضرور شہر میں کسی

دوسری عورت سے تعلق ہو گیا ہوگا جس کے پیچھے بالکل دیوانے ہو گئے ہیں۔ آخر انہوں نے اپنے گھر اور اپنے خاندان کو کس کی وجہ سے چھوڑ رکھا ہے؟ غصے کی شدت اور خودداری کے مجروح ہونے سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا اور وہ دل و جان سے ابائی کا برا چاہتی تھی۔ وہ ابائی کو برا بھلا کہتی تو انتہائی نفرت کے ساتھ اس بات کا خیال رکھتی کہ اس کے زہر بھرے جملے اول‌جان کے کانوں میں ضرور پڑ جائیں۔

ابائی کا سب سے بڑا بیٹا عاقل‌بائے بارہ سال کا ہو چکا تھا اور اس کی پرورش قونان‌بائے کی سب سے چھوٹی بیوی نورغانیم نے کی تھی۔ چھ سالہ گل‌بدن، چار سالہ عبدالرحمان اور ننھے مغاس کو خود دلدا پال پوس رہی تھی۔ دلدا کی دونوں ساسیں اول‌جان اور آئی‌غیز بلکہ سارا قبائلی گروہ اس کی بےحد عزت کرتا تھا اور اس کے بچوں کو جوان بوڑھے تمام افراد ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار سے بگاڑ رہے تھے۔ کسی امیر قبائلی گروہ کی بیٹی جو متعدد بیٹے پیدا کرتی تھی، عموماً بدمزاج، ضدی اور سرکش ہو جایا کرتی اور ان باتوں کا اس کے قول و فعل سے اظہار ہونے لگتا تھا۔ دلدا کے ساتھ بھی بالکل یہی ہوا تھا۔ شوہر کے نظر انداز کرنے سے صرف یہ ہوا تھا کہ اس کی شخصیت کے یہ رجحانات کچھ اور زیادہ شدت اختیار کر گئے تھے اور وہ بےمہر، سنگ‌دل اور غیرمعتدل طور پر زودحس ہو گئی تھی۔

ابائی کی آمد کے بعد دلدا سے پہلی ملاقات کے دوران ہی یہ بات پوری طرح نمایاں ہو گئی کہ ان دونوں کے درمیان محبت نام کی کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے۔ کافی دنوں سے ایسا لگتا تھا کہ آپس میں کشیدگی کی نوبت آنےوالی ہے اور وہ باریک تار جس نے دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر رکھا تھا، جیسا کہ صاف ظاہر تھا، آخرکار ٹوٹ گیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے ایک بھی محبت بھرا لفظ نہ تو شام کے دوران کہا نہ ہی بعد میں جبکہ مہمان جا چکے تھے۔

لیکن بیوی سے اس نے جتنی زیادہ سردمہری کا سلوک کیا، اتنی ہی زیادہ محبت کے ساتھ بچوں سے پیش آیا جن کی کمی شہر میں واقعی اس نے محسوس کی تھی۔ اس کے باوجود وہ ان منصوبوں کو

ترک کرنے کا ذرا بھی ارادہ نہیں رکھتا تھا جو اس نے سفر کے دوران بنائے تھے۔

اسی روز شام کو اس نے اول‌جان اور آئی‌غیز کو اپنے ایک فیصلے سے مطلع کر دیا جس سے انہیں حیرت ہوئی اور وہ سہم کے رہ گئیں۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں نہ اسے ان کی رائے معلوم کرنی تھی اور نہ ھی اس نے ان کی کسی دلیل کو قبول کیا۔ وہ طے کر چکا تھا کہ آبیش اور گل‌بدن شہر کے ایک روسی اسکول میں تعلیم حاصل کریں گے۔

اول‌جان نے کہا کہ آبیش ابھی بہت کم‌سن اور کمزور ھے۔ اسے مزید کچھ دنوں تک اس کے پاس رھنے دیا جائے۔ ابائی اس معاملے میں زیادہ اصرار نہ کیا۔ اس نے سوچا اس سلسلے میں بعد میں دیکھا جائے گا۔

"آپا، آپ دیکھئے گا میں آپ کے پوتے پوتی کو صحیح معنوں میں انسان بنا دوں گا۔ میں ان دونوں کو تعلیم دلاؤں گا۔ شاید آپ کا خیال درست ھے کہ آبیش ابھی بہت کم‌سن ھے لیکن بہرحال دونوں کو شہر میں تعلیم دلائی جائے گی۔ ھمارے زمانے کا تقاضا یہی ھے اور میں اس معاملے میں فیصلہ کر چکا ھوں!"

تینوں بچے اس سے لپٹ گئے۔

"اھا۔ ھا، ھم لوگ اسکول جائیں گے۔ ھمیں جلدی شہر لے چلئے۔"

لیکن اس نے خود اپنی ذات سے متعلق منصوبوں کی کافی دنوں تک خاندان میں کسی کو بھنک نہ لگنے دی۔ دراصل اس کے سامنے بہت سے سوالات تھے۔ وہ سوچتا کیا اس کی خواھش کی تکمیل ممکن ھوگی؟ اس معاملے میں پہل کیسے کی جائے، آگے کیسے بڑھا جائے؟ آئی‌گیریم کی تو کسی کے ساتھ منگنی ھو چکی ھے، مگر کس کے ساتھ؟ وہ خود کیا کہے گی؟ اس کے قبائلی گروہ کے افراد اور خود اس کے والدین کیا کہیں گے؟ اسے پہلے تو یہ معلوم کرنا چاھئے کہ صورت‌حال کیا ھے۔ چھلانگ لگانے سے قبل اچھی طرح دیکھ بھال لینا چاھئے۔ بداحتیاطی کے ساتھ تیزی برتنے سے تو سارا معاملہ ھی چوپٹ ھو جائے گا۔

اس راز کے معاملے میں صرف یربول پر اعتماد کیا گیا تھا لیکن اس کے مشورے پر ابائی نے ایک اور دوست کو ھم‌راز بنانے کا فیصلہ

کیا اور اس کی نظر انتخاب جیرین‌شے پر پڑی جسے وہ برسوں سے بہت قریب سے جانتا تھا۔ وہ بہت ذہین تھا اور بات کرنے کا سلیقہ بھی رکھتا تھا۔

حالیہ برسوں میں ابائی اپنے سفروں میں اسے ساتھ رکھتا تھا۔ جب وہ قونیرکوک‌شے وولوست کا حکمراں بنا تھا تو اس نے جیرین‌شے کو "بائے" بنا دیا تھا۔ ابائی کے اپنے عہدے سے مستعفی ہو جانے کے بعد بھی جیرین‌شے اسی وولوست میں جج کے عہدے پر مامور رہا تھا۔

ابائی نے یربول کے ذریعے جیرین‌شے کو بلوایا اور آخرالذکر کے اول‌جان کے پڑاؤ پر پہنچنے کے بعد اس نے اپنا مسئلہ پوری تفصیل کے ساتھ اس کے سامنے رکھا۔ جیرین‌شے نے کافی غور و خوض کے بعد اپنے دوست کی طرف سے اس معاملے میں بات‌چیت شروع کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

"دیکھو جیرین‌شے، میں چاھتا ھوں کہ تم اس معاملے میں میری نمائندگی کرو" ابائی نے کہا۔ "پہلے تو تم اس لڑکی سے جان پہچان کرکے یہ پتہ لگاؤ کہ اس کے جذبات کیا ھیں، آخر وہ خود اس بارے میں کیا سوچتی ھے؟ اس کے بعدٗ اس کے والدین اور قریبی عزیزوں کی رائے معلوم کرو۔ ھاں ایک معاملے میں ضرور احتیاط برتنا: اس بات پر قطعاً زور نہ دینّا کہ میں قونان‌بائے کا بیٹا ھوں اور ھمارا قبائلی گروہ بہت مشہور اور طاقتور ھے۔ ان پر یہ تاثر نہ پڑنا چاھئے کہ انکار کر دیں‌گے تو ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کی جائےگی۔ خدا گواہ ھے، لڑکی انکار کر دےگی تو میں بالکل برا نہ مانوں‌گا۔ اگر مجھے صرف اپنے والد اور اپنے گروہ کی شہرت اور ساکھ ھی کی بدولت ان لوگوں کی منظوری حاصل ھوئی تو یہ بات میرے لئے خوشی کا نہیں، ذلت کا باعث ھوگی۔ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اسے یاد رکھنا۔ اور ھاں سنو، واپس آ کے ساری باتیں خواہ کیسی بھی کیوں نہ ھوں، سچ سچ بتانا۔"

ابائی نے یربول کو جیرین‌شے کے ساتھ کر دیا تاکہ اس کی ھدایات پر عمل کیا جائے۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا کیونکہ اس کے دونوں دوست تین دن میں مامائے قبیلے سے واپس آ گئے۔

جیرین‌شے نے خود آئی‌گیریم سے بات کی تھی۔ وہ بھی اس کے حسن سے بہت متاثر ہوا تھا اور اس سے بھی زیادہ اس کی ذہانت اور مروت سے۔ اس نے ابائی کو بتایا کہ آئی‌گیریم ہی کے قبیلے کے ایک بانکے سے اس کی منگنی ہوئی تھی لیکن اس شخص کا انتقال ہو گیا تھا اور عام رواج کے مطابق اس کے حقوق اس کے بڑے بھائی کو منتقل ہو گئے تھے جو کافی عرصے سے شادی شدہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ لڑکے‌والوں کی طرف سے دلھن کے عوض میں دی جانے‌والی رقم کا ایک حصہ ادا کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ لڑکی بڑی ہوئی تو اس کے مرے ہوئے منگیتر کے بڑے بھائی نے اسے منگنی کے بندھن سے آزاد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ خود اس سے شادی کرے‌گا۔ اس طرح بیکیئی کی یہ بیٹی، جیسا کہ کہاوت مشہور ہے، رسی کے بغیر ہی بندھی ہوئی تھی۔ لڑکی‌والوں نے متعدد بار اس سے درخواست کی کہ وہ منگنی کو منسوخ کر دے لیکن وہ تیار نہ ہوا۔ وہ یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ لڑکی کو خدا نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے اس لئے اس کا اس سے شادی کرنا ضروری ہے۔ اس طرح ایک طرف تو اس نے بےچاری لڑکی کو منگنی کے بندھن سے آزاد کرنے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف باقی رقم ادا نہ کر سکا اور اسی وجہ سے کبھی اس سے ملاقات کرنے نہیں آتا تھا۔ اس شخص کی بیوی بھی اس شادی کی مخالف تھی۔

جیرین‌شے نے یہ تمام معلومات بیکیئی اور شیکیئی سے بات‌چیت کرکے حاصل کی تھیں۔ آئی‌گیریم نے اس سے کہا کہ وہ منگنی کے بندھن سے رہائی کے لئے بےتاب ہے اور اس بوڑھے آدمی سے ہرگز شادی نہیں کرنا چاھتی۔

دوسری دشواریاں بھی تھیں۔ ابائی بھی مضبوط بندھنوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کے فیصلے کی نہ اس کے والدین کو خبر تھی نہ ہی قریبی عزیزوں کو۔ اور پھر دلدا بھی تو تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ دلدا پر اس خبر کا کیا رد عمل ہوگا۔

ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جیرین‌شے نے بیکیئی اور آئی‌گیریم کو مشورہ دیا کہ وہ اس بات‌چیات کو راز میں رکھیں۔ اس نے کہا کہ وہ بیکیئی کے قبائلی گروہ کے لئے نہایت ہی دوستانہ جذبات رکھتا ہے اور ان لوگوں کو اس کے طرز عمل کے بارے میں کوئی

غلطفہمی نہ ہونی چاہئے۔ اسے ابائی سے زیادہ آئیگیریم کی فکر تھی کیونکہ کسی وجہ سے تجویز ناکام ہو جاتی تو آئیگیریم کی بدنامی کا ڈر تھا اور اگر منگیتر کے رشتےداروں کو معاملے کی بھنک لگ جاتی تو دونوں جرگوں کے درمیان تلخ جھگڑے ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتے۔

جو چیز جیرینشے کے لئے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث تھی، اس کا اس نے بیکیئی سے تذکرہ نہ کیا: چاروں طرف یہ افواہ پھیل سکتی تھی کہ جیرینشے نے مامائیے قبیلے کی ایک دلھن کو ابائی سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے نتیجے میں نئی عداوتیں اٹھ کھڑی ہوتیں اور خود جیرینشے کی بدنامی کی نوبت آ جاتی۔

ان سب باتوں کے باوجود جیرینشے نے بڑی مدد کی تھی، بڑی ہوشیاری کے ساتھ باتچیت چلائی تھی۔ ابائی جیرینشے کی خوشتدبیری اور سوجھ بوجھ پر بہت خوش ہوا اور اس سے ایک اور معاملے میں اعانت چاہی۔

"میں جانتا ہوں کہ اس معاملے سے مجھے خود ہی نپٹنا چاہئے تھا لیکن اب تم نے اسے اپنے ہاتھوں میں لے ہی لیا ہے تو میری درخواست ہے کہ پایہتکمیل تک پہنچا دو۔ اباجان تو خیر بہت دور ہیں لیکن والدہ یہاں موجود ہیں اور انہیں بہرحال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تم ایسا کرو کہ ان سے بات کرکے کسی طرح ان کی منظوری حاصل کر لو۔"

اولجان نے ابائی کے فیصلے کی تائید نہ کی۔ جیرینشے کی طویل وضاحت کو سنتے وقت اس کی پیشانی کی شکنیں گہری پڑ گئیں۔

"ابائی جو چاہتا ہے وہی کرنے جا رہا ہے تو اسے کھلم کھلا ایسا کرنا چاہئے۔ آخر ان چکردار راستوں کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں ثالث کی حیثیت سے میرے پاس کیوں بھیجا؟ اسے خود میرے پاس آنا چاہئے، ہم دونوں اس مسئلے پر بات کر لیں گے۔"

ابائی اس سے ملنے آیا تو اس نے اپنے عام دوستانہ انداز سے اس کا خیرمقدم نہ کیا۔ اس کی آواز سخت اور بےلوچ تھی۔

"ابائی‌جان، میرے بیٹے، تمہارا فیصلہ مجھ پر پوری طرح واضح ہو چکا ھے۔ جیرین‌شے جسے تم نے میرے پاس بھیجا تھا، مجھے سب کچھ بتا چکا ھے۔ وہ یہ بھی جاننا چاھتا ھے کہ میرا مشورہ کیا ھے۔ تم جاننا چاھتے ھو کہ میں تمہارے فیصلے کی تائید کرتی ھوں کہ نہیں۔ میں اس کی تائید نہیں کرتی اور تمہیں بتاتی ھوں کہ کیوں۔ تم جانتے ھو کیونکہ خود بھی بہت کچھ دیکھ چکے ھو۔ میں تمہارے والد کی بیویوں میں سے ایک تھی۔ اور کیا تم کئی بیویوں میں سے ایک کے کئی بیٹوں میں سے ایک نہیں تھے؟ میں اور تم دونوں ایک ھی نوعیت کی بدبختی کا شکار رھے۔ دونوں نے ایک جیسی مشکلات جھیلیں۔ کیا تم کہہ سکتے ھو کہ میری زندگی خوشگوار تھی؟ کیا تمہیں پرسکون زندگی میسر ھوئی؟ میری ھمیشہ صرف ایک خواھش رھی ھے اور وہ یہ کہ ھمارے بچے اس معاملے میں ھمارے نقش قدم پر نہ چلیں۔ مجھے ڈر ھے کہ تم اپنے اس اقدام پر پچھتاؤگے جس سے تمہارے خیال میں تمہیں بہت زیادہ مسرت نصیب ھوگی۔ اقدام بجائے خود ذرا بھی دشوار نہیں ھے لیکن اس کے نتائج بڑے تلخ ھوں‌گے۔ تم اس پر افسوس کروگے، میرے بیٹے۔ بےشک فیصلہ تو تمہی کو کرنا ھے، مسرت اور تلخی دونوں تمہاری ھوں‌گی جبکہ ھم، میرا مطلب ھے تمہارا دوست جیرین‌شے اور خود میں، سب کے سب محض تماشائی ھوں‌گے پھر بھی میرے لئے تم سے اپنے شکوک کا اظہار کرنا ضروری تھا۔ بیٹے، فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و خوض کر لو۔ بس مجھے تم سے یہی کہنا تھا۔"

ابائی جواب دئے بغیر ماں کے پاس سے چلا آیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھنے میں ناکام رھے تھے۔ وہ اپنی ماں سے بہت کچھ کہہ سکتا تھا لیکن کوئی فائدہ نہ ھوتا کیونکہ وہ سمجھ ھی نہ پاتی۔ سمجھنے کے لئے تو ضروری تھا کہ وہ بھی اسی طرح محسوس کرتی جس طرح وہ خود محسوس کر رھا تھا۔ کیا وہ خود نہیں جانتا تھا کہ اس کا فیصلہ غیرمناسب ھے؟ ماں کو اس سے یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اصل سوال اس کے جذبات کا تھا۔ اس نے اول‌جان سے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں تھی کہ اس کے والدین نے اس کی مرضی کے خلاف دلدا سے اس کی شادی کرکے سخت نقصان پہنچایا تھا؟ انھوں نے اس کے

جذبات کے بارے میں پوچھا تک نہیں تھا اور بڑی بےرحمی سے اسے توغجان سے جدا کر دیا تھا۔ لیکن‌کیا وہ یہ بات اپنی نیک اور مہربان ماں سے کہہ سکتا تھا جسے کبھی بیٹے کی شادی کے معاملے میں اپنے جرم کا احساس تک نہیں ہوا تھا، جسے پورا یقین تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کے لئے ہمیشہ وہی کیا جو بہترین تھا۔ چنانچہ ابائی منھ سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر اس کے پاس سے چلا آیا۔

لیکن اب وہ اس مسئلے کو ملتوی نہیں کر سکتا تھا۔ جیرین‌شے کو ایک بار پھر ممائے قبیلے کے پڑاوؤں پر بھیجا گیا۔ دو ہفتے کے اندر ھی اس نے لڑکی کے خاندان کی منظوری حاصل کرکے اپنی بات‌چیت کا سلسلہ کامیابی کے ساتھ ختم کر دیا۔ وہ آئی‌گیریم کے منگیتر کے پڑاؤ پر بھی گیا اور وھاں تمام معاملات خوش‌اسلوبی سے طے کر لئے۔

گرہ کھل چکی تھی۔ اب صرف ابائی کی طرف سے بیکیئی کو اور سابق منگیتر کو بطور معاوضہ کثیر تحائف بھیجے جانے کا کام ھی باقی رہ گیا تھا۔

اوسپان نے جو قونان‌بائے کی املاک کا نگراں تھا، اس معاملے میں بڑی فیاضی سے کام لیا۔ اس نے تیزی سے تمام انتظامات مکمل کئے اور فوراً مویشیوں کا ایک بڑا گلہ، دلھن کے عوض دی جانےوالی رقم کے ایک حصے کے طور پر روانہ کر دیا۔ جیرین‌شے، جقیپ، اوسپان اور عابدخان کو شادی طے کرانےوالوں کی حیثیت سے بھیجا گیا اور انہیں ان کی خدمات کے سلسلے میں فیاضی سے انعامات دئے گئے۔ اس کے بعد دلھن کے عوض دی جانےوالی رقم کے باقی حصے کے طور پر مزید مویشی اور دولھا کے والدین کی طرف سے شادی کے تحائف بھیجے گئے۔

آخرکار یربول، اوسپان، عابدخان اور جیرین‌شے کے همراہ ابائی اپنی نئی سسرال گیا۔ جیرین‌شے نے دلدا سے ابائی کی شادی کے موقعے پر شادی کے اگواکار کے فرائض انجام دئے تھے اور اس بار بھی اسے ھی یہ ذمےداریاں سونپی گئیں۔ اور اس طرح ابائی، آئی‌گیریم کو ھمیشہ کے لئے اپنے گھر لے آیا۔

دامن کہسار

۱

خیمے کا دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا، پردہ اوپر اٹھا دیا گیا تھا اور موسم بہار کی لطیف صبح کی ہواؤں سے خیمے کی فضا میں خنکی بسی ہوئی تھی۔ بہار کی متنوع آوازوں کے ساتھ افسنتین کے پودوں اور بالی‌دار گھاس کی خوشبوئیں بھی اندر آ رہی تھیں۔ ابائی ہڈی کے نقش و نگاروالے اونچے پلنگ کے پاس ایک گول میز پر کہنیاں ٹکائے بیٹھا ہوا یوں تو مطالعے میں مصروف تھا لیکن اسے اپنے ارد گرد قدرت کی رنگینیوں اور رعنائیوں کا پوری طرح احساس تھا۔

دور، آق‌شوقی ڈھلانوں سے کسی کوئل کی آواز سنائی دے رہی تھی یہ چھوٹی سی غیراہم چڑیا اپنے محبوب کو آواز دے رہی تھی، اپنے دل کے غیراہم رازوں کو ساری دنیا پر منکشف کر رہی تھی۔ خیمے کے اوپر ایک لوا ٹرٹرا رہا تھا۔ ابائی کو پرندوں کے بازوؤں کی پھڑپھڑاہٹ بھی سنائی دے رہی تھی - مرغابیوں کے جھنڈ دور تک پھیلی ہوئی پہاڑیوں کے اوپر پرواز کرتے ہوئے چراگاہوں کی طرف جا رہے تھے جہاں بہار کا پانی بھر گیا تھا۔ بھیڑوں اور بکریوں کے بچے اپنے ننھے ننھے مضبوط کھروں سے زمین کو روندتے ہوئے چھلانگیں مارتے گزر رہے تھے۔ وہ غالباً کسی چیز سے خوف‌زدہ ہو گئے تھے اور زمین پر اس طرح زور زور سے پاؤں مار رہے تھے جیسے اپنی زندگیاں بچانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پڑوس‌والے خیمے سے میمنوں کی میمیاہٹ میں ملی ہوئی بچوں کی آوازوں کا شور بلند ہو رہا تھا۔

قدرت کا پرمسرت جوش نمو جسے بہار نے ایک بار پھر بیدار کر دیا تھا، ابائی کی تنہائیوں میں تیزی سے داخل ہو رہا تھا اور اسے پوری شدت کے ساتھ اس کا حساس تھا۔ "شنراق" کے دائرے

سے اندر داخل ہوکے قالینوں پر پڑتی ہوئی آفتاب کی شعاعیں، بہار ہی جیسی نرم و نازک اور فرحت‌بخش تھیں۔ ابائی نے جو کتاب کے صفحات میں کھویا ہوا تھا، گہری سانسیں لیں اور نئے جوش و خروش سے ان کے مطالعے میں مصروف ہو گیا جیسے وہ صفحات پہلی بار اس کی نظر سے گزر رہے ہوں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کتاب اور اس کے قاری میں آخرکار مکمل مفاہمت پیدا ہو گئی ہو۔

یہ پہلی خاصی ضخیم روسی کتاب تھی جسے ابائی نے آخر تک تقریباً ایسی ہی روانی کے ساتھ پڑھا تھا جیسے وہ اس کی مادری زبان میں لکھی ہوئی ہو۔

وہ ڈکشنریوں اور درسی کتابوں کی مدد سے پورے موسم سرما میں روسی زبان کا مطالعہ کرتا رہا تھا اور جب اسے محسوس ہوا کہ اس نئی دنیا کی روشنیاں اسے نظر آنے لگی ہیں تو وہ پشکن کی طرف متوجہ ہوا۔ ابتدا نثر سے کی اور اسے یہ دیکھکر بےحد خوشی ہوئی کہ "دوبرووسکی" نام کی کتاب جس کا اس نے مطالعہ شروع کیا تھا، پوری طرح اس کی سمجھ میں آ رہی ہے۔ پشکن کے مطالعے سے اسے روسی زبان کے زبردست خزانے کی کنجی مل گئی اور اب وہ کتاب کی دولت افکار کو بھی سراہنے کے قابل ہو گیا۔

اسی کتاب کی بدولت اسے ذہنی طور پر گہری طمانیت بھی حاصل ہوئی اور اپنے گرد و پیش کے حالات کا گہرا شعور بھی۔ اسے یہ کتاب ایسے ہم‌سفر جیسی معلوم ہوئی جو غیرمتوقع طور پر دوست بن گیا ہو۔ یہ ذہنی انبساط اسے کافی عرصے کے بعد حاصل ہوئی تھی اور اس کی گوشہ‌نشینی اور گھریلو ذمےداریوں سے فرار آخرکار حق بجانب ثابت ہوئے تھے۔ ابائی دریا کو پار کرنے کے جس گھاٹ کو برسوں سے بڑے صبر کے ساتھ ڈھونڈ رہا تھا وہ اسے مل گیا تھا اور اس نے اسے پار کر لیا تھا۔

میباسر، تکےجان اور جیرین‌شے کافی دنوں سے اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ "ابائی نے تو جب سے آئی‌گیریم سے شادی کی ہے، ایک بار بھی اپنے خیمے سے باہر قدم نہیں رکھا۔ آئی‌گیریم کو لاکھ دیکھتا ہے، اس کا جی ہی نہیں بھرتا۔ پہلے تو وہ بادلوں میں پرواز کیا کرتا تھا لیکن اب اس کے جال میں کچھ اس طرح پھنس گیا ہے جیسے کوئی گوریا سانپ کے کنڈل میں پھنس جائے۔ کہاں تو اتنی

زیادہ بلند پروازی تھی اور کہاں اب پستیوں میں منھ کے بل آن گرا ھے۔"

ابائی ان لوگوں کی یہ باتیں سن‌کے ھنس پڑا تھا اور اس نے مدرسے کے کسی طالب‌علم جیسی محنت اور لگن سے اپنی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھا تھا۔ وہ نہ کسی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا نہ ھی کسی سے مشورہ لیتا تھا۔ اس پر یہ بات روشن ھو چکی تھی کہ اس کے دور میں کسی شخص کو استیپیوں کی چھوٹی سی دنیا میں بند ھوکے نہیں بیٹھ رھنا چاھئے۔ شہر، اقباس اندرئیویچ، لائبریری اور اپنے بچوں کی تعلیم کے بارے میں سوچتے ھوئے اس نے آق‌شوقی میں جہاں سے سیمی‌پالاتنسک کا فاصلہ چالیس کلومیٹر کم تھا، ایک آرام‌دہ مکان تعمیر کرانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ برف ابھی بمشکل ھی پگھلی تھی کہ وہ آق‌شوقی منتقل ھو گیا حالانکہ ابھی کسی قبائلی گروہ نے اپنی سردیوں کی قیام‌گاہ نہیں چھوڑی تھی اور اس کی ماں، اوسپان اور دلدا کے خیمے ابھی تک جیدے‌بائے ھی میں تھے۔ وہ صرف آئی‌گیریم، دلدا کے بطن سے پیدا ھونے‌والے اپنے چاروں بچوں عاقل‌بائے، گل‌بدن، آبیش اور مغاش اور ان کے استاد کو اپنے ساتھ لے گیا۔ استاد کو لوگ کیش‌کینے ملا* کہتے تھے تاکہ اس میں اور عابدخان میں امتیاز کیا جا سکے۔ متعدد پڑوسی جو "بڑے خیمے"والوں کی مختلف خدمات انجام دیا کرتے تھے، دستکار اور مزدور بھی اپنے خیموں سمیت اس کے ساتھ آ گئے چنانچہ مکان کی تعمیر فوری طور پر شروع کر دی گئی۔ کام کی نگرانی آئی‌گیریم اور یربول کرتے تھے۔ جہاں تک ابائی کا تعلق تھا وہ کبھی اپنے خیمے سے باھر نہیں نکلتا تھا اور اپنا تمام وقت مطالعے میں صرف کیا کرتا تھا۔

آئی‌گیریم، یربول اور کیش‌کینے ملا خیمے میں داخل ھوئے تب بھی وہ مطالعے ھی میں مصروف تھا۔

"اوہ خدائےرحیم" ملا نے دھلیز پار کرتے ھوئے حیرت کے ساتھ آئی‌گیریم سے کہا۔ صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ وہ کسی ادھوری بات کا سلسلہ جاری رکھے ھوئے ھے۔ "کیا یہ ممکن ھے کہ آج بھی جبکہ

---

* کیش‌کینے ملا۔ چھوٹا مولوی۔

نئے مکان کا سنگ بنیاد رکھا جانےوالا ھے، ابائی اپنی کتابوں ھی سے چمٹے رھیں گے۔ شاید ان کی طبیعت کچھ ناساز ھے۔ نقاھت محسوس کر رھے ھیں کیا؟"

آئی گیریم دھیرے سے ھنس پڑی۔

"جی نہیں، طبیعت تو بالکل ٹھیک ھے۔ دراصل ان کے پاس وقت ھی نہیں۔ مکان کی تعمیر سے زیادہ اھم کام ان کے سامنے ھیں۔"

ابائی نے آئی گیریم اور یربول سے کام کی رفتار کے متعلق دریافت کیا، ان کی کامیابی کی خواھش ظاھر کی اور پرمسرت لہجے میں اپنی بیوی کے الفاظ کی تصدیق کی۔

"آئی گیریم ٹھیک ھی کہتی ھیں۔ آپ ھنسیں گے اگر میں یہ کہوں کہ میرا کام مکان بنانےوالے معمار سے زیادہ مشکل ھے۔ معمار کا کام یقیناً سب پر ظاھر ھوتا ھے لیکن میں نے بھی اپنی محنت سے بہرحال کچھ نہ کچھ کیا ھی ھے۔"

اچانک اس کے دل میں یہ خیال کروٹیں لینے لگے کہ کتاب ختم کرنے سے انبساط و فخر کی جو کیفیت اس پر طاری ھوئی تھی، اس میں بیوی اور دوستوں کو بھی شریک کرے۔ وہ اپنے سامنے کھلی ھوئی کتاب کے صفحات الٹنے لگا اور ٹھنڈے قمیز کی چسکیاں لیتے ھوئے کہا:

"مکان تعمیر کرنے، کھلیان تیار کرنے اور اینٹیں بنانے کے لئے مٹّی گوندھنے میں بلاشبہہ سخت محنت درکار ھوتی ھے لیکن عقل و دانش سے بھری ھوئی کسی کتاب کو بھی جو برسوں تک آپ پر اپنے اسرار منکشف نہیں کرتی، سمجھنا کوئی معمولی کام نہیں۔ آئی گیریم اور یربولؔ جانتے ھیں اور ملا صاحب آپ کو بھی اندازہ ھو گیا ھوگا کہ اس پورے سال کے دوران میری زندگی صرف ایک مقصد کے لئے وقف رھی ھے اور اب میں خوش ھوں کیونکہ اپنے سامنے ایک مکمل عمارت کی شکل میں اپنی خواھش کی تکمیل دیکھ رھا ھوں۔"

وہ خاموش ھو گیا، اس خیال سے کہ اس کے الفاظ کا مفہوم دوسروں پر روشن نہیں ھو سکا لیکن اسی لمحے ایک نہایت ھی موزوں تشبیہہ اس کے ذھن میں آئی:

"کیش کینے ملا اس بات کی وضاحت کر دیں گے" اس نے یربول کی

طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "کسی محنتی شاگرد کے کئی سال تک مدرسے میں زیرتعلیم رہنے کے بعد، ایک دن اس پر حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور اسے وہ سب کچھ نظر آنے لگتا ہے جو اس کی نگاہوں سے برسوں سے پوشیدہ تھا۔ یہ صورت پیدا ہوتی ہے تو ملا صاحبان کہتے ہیں کہ اس شاگرد کو علم کی کلید مل گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کتنی طویل مدت سے مطالعے میں غرق رہا ہوں۔ میں بغیر استاد کا شاگرد تھا لیکن آج مجھے بھی کلید مل گئی ہے اور حسن اتفاق کہ ٹھیک اسی دن ملی ہے جبکہ آپ، آئی‌گیریم اور یربول نے ہمارے نئے مکان کا سنگ بنیاد رکھا ہے! دوستو، دراصل مجھے میری محنت کا ثمر مل گیا ہے۔"

ابائی کے الفاظ میں معنی کی ایک پوری دنیا پوشیدہ تھی۔ وہ بےحد مسرور اور جوش و خروش میں تھا۔ آئی‌گیریم جو اس کی باتوں کو ہمیشہ فوراً ہی سمجھ لیا کرتی تھی، اسے دیکھکر مسکرائی اور اس کی آنکھوں میں آنسو منڈلانے لگے۔

"تو پتہ یہ چلا کہ ہم لوگوں سے زیادہ خوشی منانے کے حق‌دار آپ ہیں۔ اصل میں مبارک‌باد آپ کو دی جانی چاهئے اور آپ کے لئے ہمیں نیک خواہشات کا اظہار کرنا چاہئے" یہ کہہ‌کے اس نے ایک پیالے میں قمیز انڈیل‌کے ابائی کو دیا۔

یربول نے کوئی تبصرہ نہ کیا لیکن وہ آئی‌گیریم کی طرح خوشی سے مسکرانے لگا۔ صرف کیش‌کینبے ملا نے اتفاق رائے نہ کیا۔

"علم کی کلید؟ میں یقیناً سمجھتا کہ آپ کو علم کی کلید مل گئی ہے اگر آپ کسی روحانی رہنما کے بغیر مدرسے کے کسی استاد یا امام کی مدد کے بغیر "منطق" اور "عقائد" کا مطالعہ کر رہے ہوتے یا "قافیہ" یا "شرح عبداللہ" کے معانی و مفاہیم تک آپ کی رسائی ہو گئی ہوتی۔ لیکن جہاں تک کسی روسی بکواس کے مطالعے کا سوال ہے تو اس کے لئے "علم کی کلید" کی اصطلاح کا استعمال برمحل نہیں ہے" پھر اس نے بڑی رسمی عالمانہ انداز میں اضافہ کیا: "ابائی، دراصل آپ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

ابائی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے لیکن اس نے اپنے اوپر قابو پانے کی کوشش کی اور خاموش رہا۔

"ہمارے کچھ روحانی استاد، مدرسوں کے اساتذہ، امام اور مولوی

عموماً تنگ نظر رہے ہیں" اس نے پیالے سے ایک گھونٹ قمیز پینے کے بعد کہا: "اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بھی اس خامی سے خالی نہیں ہیں۔"

"اسلام کا کوئی مسئلہ ہوتا تو میں اعتراض نہ کرتا لیکن جیسی کتابیں آپ کے پاس ہیں ویسی کتابوں کے بارے میں گفتگو کی زحمت ہی کیوں کیجئے" کیش‌کینے ملا نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "زمانہ قدیم کے کفار کی بھی اپنی ایک دانش تھی لیکن ایک بھی مسلمان مفکر نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ دراصل یہ حقیقی علم کے لئے بہت ناکافی ہے۔"

ابائی سمجھ گیا کہ یہ بحث شیطان کی آنت کی طرح طول کھینچتی جائے گی۔ ویسے کیش‌کینے ملا سے خواہ مخواہ بحث میں الجھنے کا اس کا جی بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ چاہتا تو اپنی رائے کی حمایت میں بہت سی دلیلیں پیش کر سکتا تھا لیکن اس نے ملا کی روانی گفتار کے خاتمے کے لئے ان میں سے صرف ایک کا انتخاب کیا۔

"آپ کہتے ہیں کہ کسی مسلمان مفکر نے کفار کی دانش کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا لیکن ذرا یاد تو کیجئے کہ حدیث میں نبی کریم نے کیا کہا ہے۔ دوسروں نے جو کچھ کہا ہے اسے جانے دیجئے۔ "عالم کے قلم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔" آپ کا کہنا ہے کہ کفار کی دانش، علم کے لئے ناکافی ہے لیکن نبیوں کی تاریخ "قصص‌الانبیا" میں دنیا کے وجود میں آنے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے کیا آپ اسے دانش کہہ سکتے ہیں؟ اور انسانیت اور اقوام عالم کے متعلق کوئی شخص "قرق حدیث"، "لوح‌نامہ" اور "فقہ‌الدینی" سے کیا معلومات حاصل کر سکتا ہے؟"

"یہ کتابیں ناکافی ہوں تو مسلمان مفکرین کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کیجئے" کیش‌کینے ملا نے جو ابائی کی اس دلیل سے ذرا بھی نہیں بوکھلایا تھا، کہا۔ "آپ کو ان کتابوں میں عمر بھر کے لئے ضرورت سے زیادہ دانش اور بصیرت مل جائے گی۔"

"میں قائل ہو جاتا اگر آپ نے وہ بات کہی ہوتی جو حقیقی مفکرین کہتے ہیں: "علم جہاں سے بھی ملے، مستعار کرو۔ ہر صاحب علم سے علم حاصل کرو" لیکن آپ نے آخر مجھے مشورہ کیا دیا؟ آپ

نے جن سرزمینوں کا ذکر کیا ہے ان میں کافی عرصہ پہلے ہی دور دور تک سفر کر چکا ہوں۔ بنی‌نوع انسان نے صدیوں میں جو علوم حاصل کئے ہیں ان سے گہری واقفیت کے لئے میں نہ جانے کتنے ہی راستوں پر گامزن رہا ہوں۔ جہاں تک آپ کا تعلق ہے ملا صاحب، تو مجھے آپ پر واقعی حیرت ہو رہی ہے۔ آپ کوئی جاہل آدمی ہوتے تو بات ہی دوسری ہوتی لیکن آپ تو استاد ہیں۔ آخر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صرف ایک تنگ راستے پر چل‌کے ہی علم حاصل کیا جانا چاہئے؟ کیا علم و دانش کی دنیا بے‌کراں نہیں ہے؟ کیا قابل‌ترین مسلمان مفکرین نے سقراط، افلاطون اور ارسطو کی دانش سے استفادہ نہیں کیا؟ ذرا بتائیے تو ان تینوں میں سے کون مسلمان تھا؟ آپ کے سامنے ایک ایسا شخص موجود ہے جس نے برسوں علم کی جستجو کی ہے اور آپ اس سے کہتے ہیں: "زیادہ کوشش نہ کرو، جستجو ترک کر دو!" نہیں جناب، ہم لوگ ایک دوسرے کو کبھی بھی نہ سمجھ پائیں گے۔ ہر شخص کا ایک نصب‌العین ہوتا ہے، ایک آخری بلندی ہوتی ہے جہاں پہنچنے کی وہ جدوجہد کرتا ہے۔ میری منزل دور، بہت دور واقع ہے اور میں اس وقت تک جدوجہد کرتا رہوں‌گا جب تک چوٹی پر نہ پہنچ جاؤں‌گا۔ اس گفتگو کو اسی پر ختم کر دینا چاہئے۔"

ایک بار پھر اس نے تیوریاں چڑھائیں، اپنی نسوار کی ڈبیا جس پر آرائشی کام بنا ہوا تھا، نکال‌کے اسے انگلی سے ٹھوکا دیا اور ایک چٹکی نسوار نکالی۔

کیش‌کینے ملا نے ان باتوں کو درشت اور بےجواز تصور کیا اور غصے میں بھرا ہوا اٹھ‌کے چل دیا۔ بغل‌والے خیمے میں اس کے قدم رکھتے ہی بچوں کا شور غل جو بڑی حد تک شام کے وقت میمنوں کی آوازوں سے ملتا جلتا تھا، اچانک تھم گیا۔

آئی‌گیریم جو ملا کے پیچھے پیچھے خیمے کے باہر تک آئی تھی، دہلیز پر ٹھہر گئی۔ اس نے دو گھڑسواروں کو پڑاؤ کی طرف آتے دیکھا تھا۔

"کوئی آ رہا ہے" اس نے دوسروں کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "میں یہ اندازہ نہیں لگا پا رہی ہوں کہ وہ کون ہیں۔ شاید "بڑے خیمے" کے افراد ہیں۔ نہیں، نہیں، اجنبی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان

میں سے ایک تو بالکل دیو ہے دیو" اس نے غور سے دیکھا اور ہنسنے لگی۔ "ارے واہ! یہ تو کینجیم* معلوم ہوتے ہیں۔ بےشک کینجیم ہی ہیں!"

آئی‌گیریم نے اوسپان کا یہی نام رکھا تھا۔ یربول اس کی آمد کی خبر سن‌کے تیزی سے اٹھا اور باہر لپکا۔ ابائی بھی باہر نکل آیا۔ دراصل ان سب کو اس بھیڑ بھاڑ والے پرشور پڑاؤ اور قبائلی گروہ کی یاد ستانے لگی جس سے بچھڑے ہوئے انہیں ایک ماہ سے زائد ہو چکا تھا۔ قونان‌بائے کا گروہ چنگیز پہاڑ پر واقع سردیوں کی قیام‌گاہ اور جیدےبائے میں عموماً موسم بہار کے آخری ایام تک مقیم رہتا تھا۔

گھڑسوار قریب آئے تو ابائی بھی آئی‌گیریم ہی کی طرح یہ دیکھ‌کے دنگ رہ گیا کہ اس کا بھائی پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ لمبا اور چوڑا چکلا ہو چکا ہے۔ وہ موٹے تگڑے، لمبی دم‌والے لاکھی رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا اور اس کا بھاری بھرکم جسم اس لئے کچھ اور بھی بڑا نظر آ رہا تھا کہ وہ اب بھی اپنا سرمائی موٹا کوٹ، لمبے بالوں کے میمنے کی کھال کی خاصی اونچی سی ٹوپی اور لمبی تڑنگی ٹانگوں میں گرم لانگ بوٹ پہنے ہوئے تھا۔ ابائی جب بھی کچھ وقفے کے بعد اپنے بھائی کو دیکھتا تھا، حیرت میں پڑ جاتا تھا۔

اوسپان نے گھوڑے کو چابک رسید کیا اور جلد ہی اپنے دوست کے ساتھ اس چھوٹے سے پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔ دونوں کا گرمجوشی سے خیرمقدم کیا گیا۔ آئی‌گیریم ان سے ملنے کے لئے آگے بڑھی، اوسپان کے گھوڑے کی لگام اپنے ہاتھوں میں لے لی اور دونوں کا خلوص دل سے استقبال کیا۔

"ارے بھئی تم نے تو اتنے موٹے موٹے کپڑے لاد رکھے ہیں جیسے رات بھر سفر ہی کرتے رہے ہو" اس نے مذاق میں کہا۔

لیکن اوسپان ہنسی مذاق کے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں سرخ اور کچھ سوجی ہوئی سی تھیں جیسے تمام رات جاگ‌کے کاٹی ہو۔ چہرے سے افسردگی ٹپکتی تھی اور اپنے معمول

---

* کینجیم — سب سے چھوٹا بیٹا۔ عام رواج کے بموجب نئی بہو خاندان کے مختلف افراد کو اپنے مخصوص ناموں سے پکارتی تھی۔

کے خلاف بہت چپ چپ سا تھا جیسے اگلے وقتوں‌والا بےفکر اوسپان نہیں کوئی دوسرا شخص ہو۔ خیمے کو جاتے ہوئے ابائی نے اس پر سوالات کی بوچھار کر دی: "بھئی ہمارے قبائلی گروہ ان دنوں کہاں ہیں؟ اباجان اور آپا کی صحت کیسی ہے؟" اوسپان نے مختصراً جواب دیا کہ جرگے کے گروہ اسی روز آق‌شوقی کی ایک ڈھلان پر سے روانہ ہو گئے تھے اور ان کی اگلی منزل قوریق ہوگی۔ پھر وہ اپنی مونچھوں اور چھدری داڑھی کے بال کھینچنے لگا اور مزید ایک لفظ بھی منھ سے نہ نکالا۔ ایسے دیو قامت شخص کے چہرے پر یہ چھدری داڑھی عجیب و غریب سی لگتی تھی جس کا ایک ایک بال الگ الگ اور گھوڑے کے بالوں جیسا سخت اور مضبوط تھا۔

آئی‌گیریم چائے اور ناشتے کی تیاریوں میں مصروف ہوکے زلیخا کو دبی زبان سے ہدایات دینے لگی لیکن اوسپان نے بڑی رکھائی کے ساتھ اس سے کہا کہ وہ کچھ کھائےگا نہیں۔ پیٹی کھولنے تک کی زحمت گوارہ کئے بغیر بیٹھتے ہی اس نے بتایا کہ تکےجان اور قراجان کے بیٹے اور قونان‌بائے کے منظور نظر اور سب سے بڑے پوتے بارہ سالہ معقول‌بائے کا، جو موسم سرما سے بیمار تھا، گزشتہ روز انتقال ہو گیا۔

"تو یہ بات تھی جس کی بنا پر اوسپان اتنا عجیب و غریب طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہے" ابائی نے سوچا اور دل ہی دل میں اوسپان کو سراہنے لگا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی تکےجان سے کوئی خاص دوستانہ مراسم نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اوسپان سے مزید سوالات نہ پوچھے اور اسے چپ چاپ بیٹھے رہنے دیا۔

ابائی بھی خاموش ہو گیا یہاں تک کہ مہمان قمیز ختم کرنے کے بعد اس سے نئے مکان کی رفتار تعمیر کے متعلق سوالات کرنے لگے۔

اوسپان بخوبی واقف تھا کہ ابائی گھریلو معاملات میں ہمیشہ ہی اناڑی رہا ہے۔ اس کے برعکس وہ خود قبائلی گروہ کے سرغنہ کی حیثیت سے کہیں زیادہ کفایت‌شعار اور سلیقہ‌مند تھا اور جانتا تھا کہ اسے اپنے مویشیوں اور دوسری املاک کی دیکھ بھال کس طرح کرنی چاہئے۔ ابائی اپنا مکان بنانے کے لئے آق‌شوقی روانہ ہوا تھا تو اوسپان ہی نے اس کے لئے بہترین دستکاروں اور مزدوروں کا انتخاب کیا تھا۔ اوزاروں اور غذائی اشیا کا انتظام بھی اسی نے کیا تھا۔

اب جو بات‌چیت کا رخ گھریلو معاملات کی طرف مڑ گیا تو ایسا لگتا تھا کہ ابائی نہیں بلکہ اوسپان بڑا بھائی ہے۔ اس کے سوالات مختصر اور نپے تلے تھے: "کتنی مٹی گوندھی جا چکی ہے؟ کے ہزار اینٹیں تیار کی جا چکی ہیں؟ بہترین مزدور دن بھر میں کتنی اینٹیں تیار کر لیتا ہے؟" ابائی ایک بھی سوال کا جواب نہ دے سکا اور مدد کے لئے آئی‌گیریم اور یربول کا منہ دیکھنے لگا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کام کی رفتار سے اس نے خاک بھی دلچسپی نہیں لی ہے۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا تو اوسپان جی بھرکے اس کا مذاق اڑاتا لیکن اس وقت تو وہ صرف مسکراکے رہ گیا اور آئی‌گیریم اور یربول سے تفصیلات معلوم کرنے لگا۔

آئی‌گیریم، معقول‌بائے کے انتقال پر ابھی تک رو رہی تھی لیکن اوسپان نے اس کی پروا نہ کی۔ اس سے متعدد سوالات پوچھے اور تفصیلی جوابات طلب کئے۔ آخر میں اس نے خود جاکے مکان کی تعمیر سے متعلق کاموں کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ آئی‌گیریم اور یربول اس کے آگے آگے باہر نکل رہے تھے تو وہ دروازے پر ابائی سے مخاطب ہوا:

"کسی سے کہہ دیجئے کہ آپ کے گھوڑے پر کاٹھی کس دے۔ ہم لوگوں کو قوریق چلنا ہوگا۔ آپ کو "بڑے خیمے" میں جاکے اباجان سے ملاقات کرنی چاہئے۔ تکےجان بھائی کے خیمے میں قرآن‌خوانی بھی کرنی ہوگی۔ راستے میں ہم لوگ باتیں کریں‌گے۔ مجھے ایک بات کے متعلق آپ سے دریافت بھی کرنا ہے۔"

ابائی نے اوسپان کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ "ایک بات" اس کے بھائی کو سخت تشویش میں مبتلا کئے ہوئے ہے اور اس کی افسردگی کا خاص باعث ہے۔

"کیا قبیلے سے متعلق کوئی بات ہے؟" اس نے یونہی رواروی میں پوچھا۔

"آپ خود دیکھ لیجئےگا کہ قبیلے کا معاملہ ہے یا محض کچھ برے رشتےداروں کا" اوسپان نے گول مول سا جواب دیا۔ "مجھے بہرحال آپ سے باتیں کرنی ہیں۔ اپنے گھوڑے پر فوراً زین کسوا لیجئے۔"

لیکن کچھ ایسی صورت پیدا ہوئی کہ کیش‌کینے ملا بھی دونوں بھائیوں کا ہم‌سفر ہوا کیونکہ اسے اول‌جان نے تدفین کے موقعے پر قرآن‌خوانی کے لئے طلب کیا تھا۔ اوسپان کسی اجنبی کے سامنے نجی

معاملات پر گفتگو نہیں کرنا چاھتا تھا اس لئے وہ لوگ مکان کی تعمیر، گھاس سکھانے اور سردیوں کے لئے چارے کے ذخائر اکٹھا کرنے کے متعلق باتیں کرتے رھے۔ آق‌شوقی میں سردیوں کا موسم بہت سخت ھوتا تھا اور چنگیز اور جیدےبائے کی بہ‌نسبت کہیں زیادہ برف گرتی تھی اس لئے ابائی کو بہت زیادہ چارا اکٹھا کرنا تھا تاکہ ژوت کی نوبت آ جانے کی صورت میں مویشیوں کو دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اوسپان نے مشورہ دیا کہ ابائی کو پڑوس کی چراگاھوں میں زیادہ سے زیادہ گھاس کٹوا لینی چاھئیے۔ اس نے کہا کہ قوریق جانےوالے قبائلی گروہ آق‌شوقی سے بہت زیادہ قریب موجود ھیں اور یہ بات گھاس اکٹھا کرنے کے نقطہ نظر سے ناموافق ھے۔

"قبائلی گروہ اپنی پرانی زمینوں پر واپس لوٹ آئے ھیں۔ اس چیز کو تو میں نے نظر انداز ھی کر دیا تھا" اس نے افسوس کے ساتھ کہا۔ "میں تدفین سے متعلق امور میں بہت زیادہ مصروف تھا ورنہ کچھ اور آگے جاکے پڑاؤ کی جگہوں کا انتخاب کرتا۔"

ابائی کو بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا اور اب یہ دیکھ‌کے بہت متاثر ھوا کہ اس کا بھائی اس کی اتنی زیادہ فکر کر رھا ھے۔

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ھو" اس نے جواب دیا۔ "لیکن میں کوئی انیت یا کوتی‌باق تو ھوں نہیں۔ میں یہ اعلان کرتا ھوا تھوڑی گزر سکتا ھوں: "اپنے مویشی یہاں سے الگ رکھو۔ یہ میری گھاس ھے!" ماؤں اور بھائیوں سے تم اس بارے میں بات کر لوگے نا؟"

لیکن ایسا لگتا تھا کہ اوسپان پہلے ھی اس معاملے میں ضروری کارروائی کر چکا ھے۔

"گروھوں کو انتقال کی ساتویں تک یہیں ٹھہرے رھنے دیجئیے۔ عزیزوں کی دعاؤں میں پہلا تذکرہ آ جائے۔ اس کے بعد میں اپنے قبائلی گروھوں کو یہاں سے آگے ھٹا لے جاؤں‌گا۔ طغیانی کا پانی دور دور تک پھیل گیا ھے اس لئے اس سال کافی مقدار میں پانی موجود ھے۔ یہاں تیزی سے گھاس اگ آئےگی اور آپ کو اپنی ضرورت بھر خشک گھاس حاصل ھو جائےگی۔"

ابائی نے آق‌شوقی سے روانگی کے بعد چراگاھوں میں مویشیوں کے بہت بڑے بڑے گلے دیکھے تھے لیکن کہیں کوئی پڑاؤ نہیں نظر آیا تھا۔

اب جبکہ وہ لوگ دو سالہ گھوڑوں کی دوڑ* کا فاصلہ طے کرکے وادی میں داخل ہو گئے تھے، اسے ایک دوسرے سے قریب قریب کم از کم پندرہ پڑاؤ نظر آئے۔ ہر گروہ کے پڑاؤ کے ارد گرد بھیڑوں، بکریوں اور مویشیوں کے جھنڈ کے جھنڈ چراگاہوں میں جہاں پانی اور ہری بھری گھاس کی افراط تھی، چر رہے تھے۔

مویشیوں کے گلوں کے درمیان کہیں کہیں کوئی خیمہ نظر آ جاتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ خانہ‌بدوش گروہ یکساں قطاروں میں سفر کر رہے تھے اور تقریباً بیک وقت ٹھہر گئے تھے۔ ہر گروہ نے اپنی "کیریگے" قائم کر لی تھی اور اب شوخ سرخ رنگی ہونے کے باعث دور سے بہ‌آسانی نظر آنے‌والی "اوویقوں" کے سہارے خیموں کے گنبد قائم کر رہا تھا۔ لوگوں نے خیموں کے بالائی حصوں کو نمدوں سے ڈھکنا شروع کر دیا تھا اور دور تک پھیلے ہوئے سرسبز و شاداب علاقوں میں جابجا ان کی سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ وسطی علاقے میں اول‌جان کا آٹھ پہلوؤں‌والا "بڑا خیمہ" تیزی سے نصب کر دیا گیا تھا اور اس کام کے مکمل ہونے کے بعد دوسرے گروہوں کے پڑاؤ پر بھی اسی طرح "بڑے خیمے" کھڑے ہو گئے تھے۔

اوسپان اور اس کے ساتھیوں کے اول‌جان کے پڑاؤ پر پہنچتے پہنچتے ہر جگہ خیمے نصب کئے جانے کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ پندرہ خانہ‌بدوش گروہوں نے سنسان وادی کو شور غل، چہل پہل اور زندگی سے بھر دیا۔

"بڑے خیمے" پر ٹھہرنے کے بجائے دونوں بھائی سیدھے تکے‌جان کے سوگوار خیمے کی طرف بڑھے جو اول‌جان کے پڑاؤ کے قریب ہی واقع تھا۔ تکے‌جان اپنے عزیزوں سے علاحدہ ہو گیا تھا اور آزادانہ طور پر خانہ‌بدوشی کیا کرتا تھا لیکن معقول‌بائے کے انتقال کے بعد اول‌جان نے اپنے گروہوں کو سفر کے آخری مرحلے میں اپنے بیٹے کے گروہوں سے قریب رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اور دوسرے معمر رشتے‌دار

---

* بعض اوقات استیپیوں میں فاصلوں کی پیمائش ریس میں گھوڑوں کے طے کئے ہوئے فاصلوں سے کی جاتی تھی: بچھیڑے کی دوڑ کا فاصلہ پانچ کلومیٹر، دو سالہ گھوڑے کی دوڑ کا آٹھ سے دس کلومیٹر اور جوان گھوڑے کا بیس سے پینتیس کلومیٹر تک تھا۔

اپنا زیادہ‌تر وقت تکےجان کے خیمے میں گزار رہے تھے۔ تکےجان اور قراجان کے پہلے بیٹے کی موت سے ہر شخص کے دل میں ان دونوں کے لئے ہمدردی کے جذبات بیدار ہو گئے تھے اور صرف اول‌جان ہی سوگ منانے، والدین کو تسلی دینے اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کے انتظامات کرنے میں مصروف نہیں تھی بلکہ قونان‌بائے بھی غم و الم کے ان ایام میں اپنے بیٹے اور بہو سے قریب ہی رہتا تھا۔

ابائی سوگ‌والے خیمے کی طرف دھیرے دھیرے بڑھا اور چونکہ مرنےوالا ابھی لڑکا ہی تھا اس لئے نہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا اور نہ ہی ماتمی الفاظ ادا کئے۔ خیمے کے دروازے پر وہ تکےجان سے بغلگیر ہوا اور رواج کے تحت ضروری ماتمی الفاظ "میرے بچے، ہائے میرے پیارے بچے" کہنا صرف اس وقت شروع کیا جب وہ خیمے میں داخل ہو چکا تھا جہاں قراجان اور دوسری عورتیں بیٹھی آہ و زاری کر رہی تھیں۔

خیمہ رشتےداروں سے بھرا ہوا تھا اور عورتیں اور مرد سبھی رو رہے تھے۔ ابائی اور کیش‌کینے ملا جو اب بھی ماتمی الفاظ ادا کئے جا رہے تھے، باری باری قراجان، آئی‌گیریم، اول‌جان اور دوسری معمر عورتوں سے گلے ملے اور اہم افراد کے بیٹھنے کی جگھوں پر جو قونان‌بائے اور قراتائے کی نشستوں سے نیچی تھیں بیٹھ گئے۔ جلد ہی عام گریہ و زاری کا سلسلہ ختم ہو گیا اور صرف قراجان بین کرتی رہی۔

غم و اندوہ کی گھڑی تھی پھر بھی ابائی قراجان سے پوری طرح ہمدردی محسوس کرنے پر خود کو آمادہ نہ کر سکا۔ دراصل اس کی بھاری اور ناخوشگوار آواز کے ترنم سے الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔ بین کے الفاظ بھی بےجان اور رسمی سے معلوم ہوتے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کا ماتم کر رہی تھی پھر بھی اس کی آواز حرارت سے یکسر خالی تھی۔

کیش‌کینے ملا نے بخارا طرز کے پرشوکت لحن سے قرآن کی تلاوت شروع کی۔ قونان‌بائے نے فوراً ہی سر جھکاکے اپنی واحد آنکھ بند کر لی اور آہ و زاری کرتی ہوئی بہو کی طرف اشارہ کیا۔ آئی‌غیز اور کلیحہ جو قراجان کے بغل میں بیٹھی تھیں، اس اشارے کا مفہوم سمجھ گئیں۔

"اب رهنے بھی دو، بھو انھیں قرآن کی تلاوت کرنے دو!" انھوں نے اس سے کہا۔

ابائی اور اوسپان اس وقت تک ٹھہرے رہے جبکہ قونان‌بائے، اول‌جان اور قراتائے کے سوا جو تمام دن وھیں موجود رہے تھے، تقریباً تمام افراد جا چکے تھے۔

اس موسم سرما کے اختتام پر ھی قونان‌بائے حج کے سفر کے سلسلے میں چار سال تک باھر رہ‌کے مکے سے واپس ھوا تھا۔ اس کے بال پوری طرح سفید ھو چکے تھے اور وہ بہت زیادہ بوڑھا نظر آ رہا تھا۔ بھاری بھرکم جسم کا شاھانہ انداز تو اب بھی کسی حد تک باقی تھا لیکن چھرے پر بےشمار جھریاں نمودار ھو چکی تھیں۔ ھٹا کٹا اور خوش و خرم رہنےوالا یہ شخص اب تھکا ماندہ اور بالکل بےجان سا نظر آتا تھا۔ سفید گول ٹوپی جسے وہ مکے سے اپنے ساتھ لایا تھا، اور سفید ریشم کی موٹی کالر والی عبا پہنتا تھا جو اس کی ٹوپی ھی کی طرح توبیق‌تیوں کے لئے ایک غیرمعمولی لباس تھا۔ آواز کی وہ پہلےوالی گھن گرج غائب ھو چکی تھی اور اب وہ دبی زبان سے بڑے نرم لہجے میں باتیں کرتا تھا۔ اپنے رشتےداروں کو وہ کسی دوسری دنیا سے آیا ھوا آدمی معلوم ھوتا تھا۔ دراصل اس کا سارا طرز عمل، توبہ کرتے ھوئے گناہ‌گار کی پارسائی اور انکساری کا آئینہ‌دار تھا۔

مکے سے واپسی کے بعد وہ نورغانیم کے خیمے میں رہنے لگا تھا اور ایک پردے کے ذریعے خود کو دوسروں سے الگ تھلگ کرکے اپنی قیام‌گاہ کو کسی خانقاہ کی کوٹھری اور مسجد کے محراب کے درمیان کی چیز میں بدل دیا تھا۔ صرف اس کے پوتے کی موت ھی اسے عارضی طور پر اس کے گوشۂ تنہائی سے باھر کھینچ لائی تھی۔ وہ اپنے پرانے دوست قراتائے کے سوا اور کسی سے باتیں نہیں کرتا تھا اور قراتائے سے بھی شاذ و نادر ھی مخاطب ھوتا تھا۔

ابائی جانتا تھا کہ کوئی ایسی بات تھی ھی نہیں جس پر وہ اپنے والد سے تبادلہ خیال کرتا چنانچہ وہ دن بھر خاموش رہا۔ بات‌چیت صرف قونان‌بائے اور قراتائے کے درمیان ھی ھوئی۔ ویسے قراتائے لوگوں کو باتیں کرنے پر آمدہ کرنے کے فن میں ماھر بھی تھا اور قونان‌بائے کو بات کرنے کی ترغیب دینے کے لئے اس نے ایسے موضوعات چھیڑے جو سوگ میں ڈوبے ھوئے خیمے سے بہت مناسبت رکھتے تھے۔

اس نے ان مزارات کے متعلق دریافت کیا جن پر مکے اور مدینے میں حاجی قونان‌بائے نے حاضری دی تھی۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا کوئی بھی پارسا مسلمان جواب دینے سے گریز نہیں کر سکتا تھا۔

"مدینے میں میں نے رسول‌الله، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت فاطمہ کی قبریں دیکھیں" قونان‌بائے نے تسبیح کے دانوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے حضرت عباس، حضرت حمزہ اور حضرت عثمان کی قبروں پر حاضر ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔"

"اور آپ نے صحابہ کی قبریں بھی تو دیکھی ہوں‌گی؟" قراتائے نے ایک ایسے لہجے میں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بےحد مرعوب ہے، دریافت کیا۔

"ہاں بھئی، وہاں سعد بن وقاس، عبدالرحمان بن عوف اور حضرت عائشہ مدفون ہیں" قونان‌بائے نے خوشی خوشی جواب دیا۔ "اس جگہ کو صحابہ کی آخری آرام‌گاہ کہا جاتا ہے۔"

اس کے بعد قونان‌بائے نے مکے سے مدینے تک اپنے سفر کا حال بیان کیا۔ اس نے قافلے کے ساتھ شام سے روانہ ہونے کے بعد ریگستان عرب میں تیرہ دنوں تک اونٹ پر سفر کیا تھا۔ اس نے اس جگہ کا نام بتایا جہاں اس نے احرام باندھا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ عرفات پہاڑی پر کس طرح چڑھا تھا اور مقدس مسجد کعبہ میں کتنی نمازیں ادا کی تھیں۔ مکے سے وہ پیدل روانہ ہوا تھا اور اس نے اپنے واپسی سفر کا حال بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ قراتائے سے باتیں کرکے جو اس کی زاھدانہ زندگی میں ایک وقتی تبدیلی کی حیثیت رکھتی تھیں، خاصا محظوظ ہو رہا ہے۔ اس نے چائے اور کھانے پر بھی قراتائے کی طرف بہت توجہ مبذول کی تھی۔ اس کا دوست چلا گیا تو اس بات‌چیت کے متعلق اول‌جان سے ان الفاظ میں اظہار خیال کیا:

"ھمارے ناخواندہ قزاخوں میں قراتائے جیسے باخبر لوگ صرف چند ھی ہوں‌گے۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے بارے میں اس کی معلومات اتنی اچھی ہیں کہ لگتا ہے خود اس نے تمام چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"خدا ان کی تمام مرادیں بر لائے" اول‌جان نے کہا۔ "آج انہوں

نے همارے اوپر بڑی مہربانی کی۔ انهی کی بدولت آج آپ نے هم لوگوں کو وه سب بتایا جس کے بارے میں هم لوگوں نے کبھی کچھ بھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے بہت کچھ دیکھا۔ بہت سی معلومات حاصل کیں لیکن هم لوگوں کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔"

اول‌جان کسی بحث کے متعلق شاذ و نادر هی تبصرے کرتی تھی لیکن جب کرتی تو وه همیشه برمحل هوتے تھے۔ قونان‌بائے اور ابائی دونوں سمجھ گئے که وه قراتائے کی تعریف کرکے دراصل اپنے شوهر پر نکته‌چینی کر رهی تھی۔ قونان‌بائے نے اس تبصرے کو بیوی کی گستاخی تصور کیا اور اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے جیسے کہه رها هو: "عورتیں بہرحال عورتیں هی رهیں‌گی، ان کی موجودگی میں مقدس باتوں کو دل هی میں رکھنا بہتر هوتا هے۔" وه جلدی جلدی تسبیح کے دانے گھمانے لگا۔ پھر اول‌جان کی طرف سے رخ پھیرکے بہت دھیرے دھیرے کوئی دعا پڑھی اور منه پر هاتھ پھیرا۔

ابائی اپنی ماں کی طرف دیکھتے هوئے دھیرے سے مسکرایا۔ قراتائے سے قونان‌بائے کی گفتگو، اس کی ماں کی حق بجانب نکته‌چینی اور باپ کی خفگی نے بوڑھے کے وجود کے بےجا غرور اور خالی‌پن کو بےنقاب کر دیا تھا۔ چار سال کے سفر حج سے اسے سنگ مزار کے چند ناموں کے سوا اور کچھ بھی تو میسر نہیں هوا تھا۔ اپنے خاندان، احباب اور رشتےداروں کی طرف سے منه پھیر لینے اور تارک‌الدنیا هو جانے کا آخر جواز کیا تھا؟ اس نے پایا بہت کم اور کھویا بہت زیاده تھا! اس کی موجوده زندگی کیا کوئی معنی رکھتی تھی؟

ابائی اور اوسپان، تکےجان کے خیمے سے نکلے تو آفتاب غروب هو رها تھا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار هوکے قبائلی گروهوں کے پڑاوؤں اور مویشیوں کے گلوں سے الگ تھلگ دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ راستے کا انتخاب اوسپان نے کیا تھا اور ابائی اس کے پیچھے پیچھے اس توقع میں چلا جا رها تھا که اس کا بھائی صبح کی ملتوی‌شده گفتگو کا پھر آغاز کرےگا لیکن ان کی تنہائی میں ایک بار پھر کوئی مخل هو گیا۔ یه تھا ان کا بھتیجا اور قدائےبیردی مرحوم کا بیٹا شاکے۔ وه لوگ ڈھلان سے اترتے هوئے دریا کے پاس پہنچنے کو تھے که یه نوجوان اپنی شاندار هلکی بھوری گھوڑی کو تیزی سے سرپٹ دوڑاتا

ھوا ان کے پاس آ گیا۔ اس کا ھلکا چغہ ھوا بھر جانے کی وجہ سے پیچھے غبارے کی طرح پھولا ھوا تھا اور سیاہ میمنے کی کھال کی ٹوپی جس کا اوپری حصہ سنہرا تھا، کھسک کے ایک کان کے اوپر تک آ گئی تھی۔ کسی بادبانی کشتی جیسی روانی کے ساتھ ان دونوں کے بغل میں پہنچتے ھوئے اس نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

"میں آپ لوگوں کو اپنے باز کے متعلق بتانے آیا ھوں" اس نے پرجوش لہجے میں کہا اور سیاھی مائل سفید باز کو جو اس کے بازو پر بیٹھا ھوا تھا، انہیں دکھایا۔ "ابائی آغا، براہ کرم یوں ھی دریا کنارے کنارے کچھ دور تک چلئے اور آپ دونوں کو ایک ایک مرغابی کا شکار نہ کر دوں تو میرا نام شاکے نہیں!"

باز کے فولادی رنگ لئے ھوئے بھورے بھورے بازو غروب ھوتے ھوئے آفتاب کی روشنی میں پگھلے ھوئے سونے کی طرح چمک رھے تھے۔ گہرے بھورے رنگ کی آنکھوں میں خون کی پیاس کی چمک تھی اور ان کی آگ مغرب سے پھیلتی ھوئی شعاعوں کے لئے ایک للکار۔ باز نے ابائی کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور اس نے اسے لےکے اپنی کلائی پر بٹھایا، اس کے سر اور بازوؤں کو سہلایا اور ماھر انگلیوں سے اس کے پٹھوں کی توانائی کا اندازہ لگانے لگا۔ پرندے کی بےصبری کو دیکھ‌کر وہ بہ‌آسانی سمجھ گیا کہ اسے بہت اچھی تربیت دی گئی ھے۔

"بہت شاندار باز ھے" اس نے کہا۔ "یہ تو کسی بھی اڑتی چڑیا پر ٹوٹ پڑےگا۔ کیوں بھئی شاکے، اسے کس نے تربیت دی ھے؟"

"میں نے اسے خود سدھایا ھے۔ میں نے تربیت دینے کا فن سیکھ لیا ھے۔"

ابائی کو خوشی ھوئی۔

"بہت اچھا کیا تم نے، یہ تو اچھا فن ھے اور اس میں بڑی مہارت اور صبر کی ضرورت ھوتی ھے۔ اچھا اب دیکھتے ھیں یہ کیا کارنامہ انجام دیتا ھے۔"

اس نے باز واپس کرکے اپنے لاکھی رنگ کے گھوڑے کو کوڑا رسید کیا جو سرپٹ دوڑنے لگا۔ شاکے کی بھوری گھوڑی اور اوسپان کا گھوڑا بھی دوڑ پڑے۔

ان کے سامنے دریا خاصا کشادہ تھا اور اس کے اوپر نوکیلی

دم‌والی مرغابیوں، غوطے لگانےوالے پرندوں اور جنگلی بطخوں کے جھنڈ کے جھنڈ چکر کاٹ رہے تھے۔ کچھ چڑیاں پانی کی سطح کو تقریباً چھوتی ہوئی گزر رہی تھیں اور کچھ بلندی پر آسمان میں اڑ رہی تھیں۔ شکاری اب بھی تیزی سے گھوڑے دوڑاتے چلے جا رہے تھے کہ اتنے میں باز کو شکار کی موجودگی کا اندازہ ہو گیا اور وہ اپنے مالک کے ہاتھ سے جو اسے روکے ہوئے تھا، اپنا سینہ ٹکرانے لگا۔ شاکے نے ادھر ادھر دیکھا لیکن اسے قریب میں کہیں چڑیاں نظر نہ آئیں۔

"اسے جانے دو۔ شکار کی موجودگی کا اسے اندازہ ہو گیا ہے" ابائی نے اپنے بھتیجے کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

باز شاکے کے بازو سے یوں پھسلا جیسے زمین پر گرنے جا رہا ہو۔ پھر اس نے گھوڑی کے بالکل سر کے نیچے غوطہ لگایا اور گھاس کو تقریباً چھوتا ہوا اڑنے لگا۔ اس نے پلک جھپکتے میں دریا پار کیا، نرکل کی جھاڑیوں کے عقب میں اس کی ہلکی سی جھلک نظر آئی اور پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ گھڑسواروں نے سوچا کہ باز غالباً گھات لگاکے وار کرےگا لیکن وہ اچانک ایک بار پھر دکھائی دیا۔ وہ بلندی کی طرف اڑا تو سورج کی شعاعوں میں اس کے سرخ ہوتے ہوئے سینے کی صرف ایک جھلک دکھائی دی کیونکہ دوسرے ہی لمحے اس نے پھر جھپٹ‌کے وار کیا۔ چڑیاں دہشت کے مارے چیختی ہوئی ادھر ادھر بھاگیں اور وہ لوگ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے باز کے غائب ہونے کی جگہ پر پہنچ گئے۔

نرکلوں کے درمیان رنگ برنگی مرغابیوں کا ایک جوڑا اپنے دشمن سے جو ان پر آسمان سے ٹوٹ پڑا تھا، الجھا ہوا تھا۔ مادہ مرغابی "قیں قیں" کرتی اور پانی میں پھڑپھڑاتی ہوئی باز سے جس کے پنجے اس کے پروں میں دھنسے ہوئے تھے، خود کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہی تھی اور نر ان دونوں کے اوپر باز پر حملہ کرنے کی نیت سے منڈلا رہا تھا جیسے کہ وہ اس حملہ‌آور کو اپنا شکار تصور کر رہا ہو۔ نر مرغابی کے بازو آگ کی زرد اور سرخ لپٹوں کی طرح لہرا رہے تھے جبکہ باز کا ٹھوس نیلا بھورا جسم لوہے کی اس سلاخ جیسا معلوم ہو رہا تھا جسے دھکتی ہوئی بھٹی میں ڈالا جا رہا ہو۔ ابائی اس جگہ پہنچا تو پرندوں کی لڑائی پورے شباب پر تھی جس کے رنگا رنگ

سماں نے اسے پل بھر کے لئے ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا۔ اس اثنا میں شاکے، ابائی سے آگے بڑھکے گھوڑی سے کودا اور پانی میں داخل ھوکے نرکل کی جھاڑیوں کی طرف لپکا۔

اس کے وھاں پہنچنے تک باز دونوں مرغابیوں کو قابو میں کر چکا تھا۔ نر اوپر سے اڑ اڑ کے اپنے بازوؤں اور چونچ سے باز پر وار کر رہا تھا جس سے سخت مشتعل ھوکے باز نے ایک پیر کا پنجہ مادہ پر گڑائے گڑائے دوسرے پیر کے پنجے سے نر پر وار کرکے اسے گرا لیا تھا۔ شاکے خوشی کی شدت سے چیخ اٹھا۔ اس نے مادہ پر جو باز سے آزاد ھونے کی جان‌توڑ کوشش کے طور پر اپنے پر گرانے لگی تھی، اپنی قمچی ماری اور نر کو باز کے پنجوں سے کھینچ لیا۔

یہ زندگی بھر میں بس ایک بار دیکھنے کو ملنےوالا واقعہ تھا۔ باز نے ایک جھپٹے میں دو چڑیوں کا شکار کیا تھا۔ شاکے کا چہرہ فخر سے کھل اٹھا۔ اس نے مادہ کو ذبح کرکے اس کا بھیجا نکالا، اس پر شکر چھڑکی اور باز کو جو ابھی تک مشتعل تھا، کھلا دیا۔ پھر اس نے ایک ایک مرغابی ابائی اور اوسپان کی کاٹھیوں میں لٹکا دی اور دوبارہ گھوڑی پر سوار ھو گیا۔

خوف‌زدہ ھو جانے کے باوجود دوسری چڑیاں اڑ کے زیادہ دور تک نہیں گئی تھیں اور گھڑسواروں کو جلد ھی پانی پر مرغابیوں کا ایک دوسرا بڑا سا جھنڈ نظر آیا۔ شاکے نے اپنی کلائی پر باز کے سینے کا دباؤ محسوس کرتے ھوئے گھوڑی کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا اور اپنا ھاتھ آگے بڑھا دیا۔ مرغابیاں گھڑسواروں کی چاپ سن‌کے اڑیں تو اس نے باز کو ان کے پیچھے فضا میں اچھال دیا۔ باز پہلے تو فضا میں اچھلتے ھوئے گیند کی طرح سمٹا سمٹایا رہا پھر اس نے اپنے بازو پھیلا دئے اور تیزی سے آگے جھپٹا۔

"واقعی بڑی مستعدی دکھائی اس نے تو" ابائی خوشی سے چلایا۔

شاکے اس کے پیچھے پیچھے تیزی سے گھوڑی دوڑا رہا تھا۔ اس نے اپنی کاٹھی میں بندھی ھوئی ننھی سی ڈھول کو کوڑے کے دستے سے بجانا شروع کر دیا تھا جس کی آواز سے سہم‌کے مرغابیاں ایک ساتھ اڑیں۔ باز تیزی سے فضا میں، آسمان کی طرف اچھالے جانےوالے نیزے کی طرح لپکا اور سبز اور زرد رنگ کے نر پر جو دوسروں سے

کچھ زیادہ بلندی پر پرواز کر رہا تھا، ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ اتنی تیزرفتاری سے کیا گیا تھا کہ ابائی کو جو تیزی سے گھوڑا دوڑاتا، کچھ چلاتا ہوا اس حالت میں آگے بڑھ رہا تھا کہ اس کا چغہ اس کے عقب میں پھڑپھڑا رہا تھا، ایسا لگا جیسے نر خود اپنی مرضی سے باز کے پنجوں میں آن گرا ہو۔ باز نے اپنے شکار کا سینہ دبوچ کے متعدد چکر کاٹے اور پھر شاکے کے سامنے گھاس پر اتر گیا۔ ابائی خوشی سے بےقابو ہو گیا۔ اس بار تو باز نے دو مرغابیوں سے لڑائی سے بھی بہتر مظاہرہ کیا تھا۔

"کتنا شاندار باز ہے! اور کیسی شاندار ہے اس کی تربیت! بھئی شاکے، تم بہت عمدہ شکاری ہو، جیسا کہ ہر بانکے کو ہونا چاہئے" اس نے نوجوان سے کہا۔

اوسپان سے جو اس سنسنی‌خیز شکار کے دوران بھی کسی خیال میں کھویا کھویا اور افسردہ سا نظرآ رہا تھا، ابائی کے بچوں جیسے جوش و خروش پر ہنسے بغیر نہ رہا جا سکا۔ شاکے کی جو تعریف کی گئی تھی اس سے شاکے پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس کی خود کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت خواہ پیدائشی رہی ہو خواہ کوشش کرکے حاصل کی گئی ہو، بڑی شاندار تھی اور ابائی نے اپنے بھتیجے کے طرز عمل کو تقریباً باپ جیسے فخر کے ساتھ دیکھا۔

دونوں بھائی نوجوان شکاری سے رخصت ہونے ہی کو تھے کہ انہوں نے ابائی اور دلدا کے بڑے بیٹے عاقل‌بائے کو ایک پڑوسی پڑاؤ سے سرپٹ گھوڑا دوڑاتے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ لڑکا اپنے باپ پر پڑا تھا، جلد کی گوری رنگت البتہ اسے اپنی ماں سے ملی تھی۔ اس نے اوسپان کو سلام کرتے ہوئے مسکراکے شاکے کے شکار کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے انی آپا* نے بھیجا ہے" اس نے کہنا شروع کیا۔ انہوں نے آپ کو شکار کھیلتے ہوئے دیکھا تھا اور آپ سے کہا ہے کہ شکار ہمارے پڑاؤ پر بھیج دیجئے" وہ اپنے گھوڑے کو بڑھاکے شاکے کے

---

* انی آپا — بڑی اماں۔

راستے میں لے آیا۔ "شاکے آغا، آپ مہربانی کرکے ان چڑیوں کو میری کاٹھی میں لٹکا دیں گے نا؟"

شاکے شکار کو باندھنے کے لئے اٹھانے لگا لیکن اس اثنا میں اوسپان نے اسے روک دیا:

"ذرا ٹھہرو! میں نورغانیم کو پوری چڑیا تو درکنار ایک پر بھی دینے کو تیار نہیں ہوں!"

ابائی اپنے بھائی کی آواز میں نفرت کی موجودگی سے دنگ رہ گیا۔ شاکے کو الجھن اور ندامت محسوس ہونے لگی۔

"اوسپان آغا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنے کنجوس ہیں" عاقل‌بائے جو روھانسا ہو گیا تھا، کہہ اٹھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔

"ذرا سنو تو" ابائی نے کہا۔ "آخر یہاں کیسے آ گئے؟"

"ماں نے ہم لوگوں کو لانے کے لئے آق‌شوقی کو گھوڑا گاڑی بھیجی تھی اس لئے ہم سب یہاں آ گئے ہیں۔ آبیش، مغاش اور میں..." لڑکے نے تڑاخ سے جواب دیا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا پڑاؤ کی طرف چل دیا۔

اس کے گھوڑے کے سر کی زینت بڑھانے کے لئے پروں کی ایک کلفی لگا دی گئی تھی اور ساز و سامان پر چاندی کے پتر جڑے ہوئے تھے۔ وہ سیاہ ٹوپی اور نیلے کپڑے کی بےآستین کی قبا پہنے ہوئے تھا جس کے بٹن چاندی کے تھے۔ کمر کی سنہرے رنگ کی پیٹی میں قیمتی پتھر ٹنکے ہوئے تھے۔ سارے کپڑے کسی لڑکی کے کپڑوں جیسے خوبصورت تھے۔ اسے ایسے لباس استعمال کرنے کی عادت نورغانیم کی صحبت میں پڑی تھی جس نے اس کی پرورش کچھ اس طرح کی تھی جیسے وہ قونان‌بائے کا سب سے چھوٹا بیٹا ہو۔ اس لڑکے کی پیدائش کے وقت ابائی کی عمر صرف سترہ سال کی تھی اور وہ ابائی کو اس نگاہ سے دیکھ ھی نہیں پاتا تھا کہ وہ اس کا باپ ھے۔ جہاں تک خود ابائی کا تعلق تھا وہ بھی اس لڑکے کو اپنے بیٹے سے زیادہ اپنا عزیزترین چھوٹا بھائی تصور کرتا تھا۔ چنانچہ اس واقعے کی حیثیت جس کے نتیجے میں عاقل‌بائے غصے میں آکے وھاں سے چل دیا تھا، بھائیوں کے آپسی جھگڑے جیسی تھی۔ اوسپان کی غیرمتوقع بدتمیزی سے البتہ ابائی کو سخت الجھن محسوس ھوئی اور شکار کا سارا

جوش و خروش ہوا ہو گیا۔ اس نے شاکے سے محض چند رسمی الفاظ کہہ کے رخصت ہونے کے بعد گھوڑے کا رخ موڑا اور آق‌شوقی روانہ ہو گیا۔ اوسپان بھی جلد ہی گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے قریب آ پہنچا۔

"بھئی آخر تم لڑکے پر کیوں اچانک برس پڑے" ابائی نے ذرا سخت لہجے میں دریافت کیا۔ "بچوں کی موجودگی میں اس طرح مشتعل ہو جانا — بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی! کیا تم حاسد بھی ہو سکتے ہو؟ آخر مرد ہو کہ نہیں؟"

اوسپان تمام دن اپنے بڑے بھائی کے برابر والے آدمی جیسا طرز عمل اپنائے رہا تھا لیکن اب اسے اس کی جگہ پر پہنچا دیا گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں" وہ ندامت کے ساتھ بڑبڑایا۔ "واقعی مجھے غصہ آ گیا تھا۔ بےشک بچوں کو اس معاملے سے الگ رکھا جانا چاہئے۔ لیکن میری ناراضگی کا کوئی سبب بھی ہے۔ میں تو اس کے بارے میں آپ کو بتانے کی تمام دن کوشش کرتا رہا ہوں۔ دراصل ادھر کچھ دنوں سے میرا دل خون کے آنسو روتا رہا ہے۔ ذرا سوچئے نا، ہم لوگ یہ دیکھنے کے لئے زندہ رہے کہ ہم اس طرح ذلیل کئے جائیں؟!"

"کس کی ذلت ہوئی؟ آخر یہ تم کہہ کیا رہے ہو؟" ابائی نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور نگاہیں اپنے چھوٹے بھائی کے چہرے پر جما دیں۔ اس اندیشے سے کہ کوئی بری بات واقع ہو چکی ہے، اس کی رگوں میں خون جم کے رہ گیا۔

اوسپان نے اس سے نگاہیں چار کیں۔ اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے اور آنکھوں کی پتلیوں سے غصے کی سرخی جھلک رہی تھی۔

"نورغانیم ہمیں ذلیل کر رہی ہے" اس نے جلدی سے کہا۔ "اس جوان بیوی کا چہیتا مہمان بازارعلی تین دنوں سے والد کے گھر میں مقیم ہے۔ یہ دونوں ہمارے والد کے پلنگ کو نجس کر رہے ہیں! مجھے اس قصے کا کافی دنوں سے علم تھا لیکن اب میرے لیے خاموش رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔" ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر غصے سے بپھر اٹھا: "میں ان دونوں کو آج ہی رات خود نورغانیم کے "شنراق" میں لٹکوا دوں، پھانسی دلوا دوں‌گا۔"

"چپ رہو!" ابائی چلایا وہ ہانپ ہانپ‌کے سانس لے رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سینے میں خنجر پیوست کر دیا

گیا ہو۔ رکابوں میں اس کے پیر تھرتھرا رہے تھے اور غصے کی شدت سے دم گھٹا جا رہا تھا۔ "خاندان کی عزت آبرو کے تحفظ کا یہی طریقہ ہے کیا؟ یہ محض جہالت ہے، محض حماقت! آخر تمہارے دل میں اس طرح کا خیال ہی کیسے آیا؟ میں تو اس "شنراق" میں خود تم کو لٹکوا دوں گا۔ والد ویسے ہی اپنی قبر میں پیر لٹکائے ہوئے ہیں۔ کیا تم انہیں ساری آن بان اور وقار سے محروم کرکے قبر میں ڈھکیل دینا چاہتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ ان کی یہ ذلت ساری دنیا پر روشن ہو جائے؟ دنیا بھر میں ان کی بدنامی ہو؟ میری بات سنو: اپنی زبان بند کر لو اور سمجھو کہ تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں!"

اس نے گھوڑے کو پوری طاقت سے کوڑا مارا اور ہوا سے باتیں کرتا ہوا آق‌شوقی کی طرف چل دیا۔ آفتاب غروب اور آسمان کا کنارہ سرخ ہو رہا تھا۔ ابائی اپنے گھوڑے کو رفتار دھیمی کرنا کا ذرا بھی موقع نہیں دے رہا تھا کیونکہ اس کے سینے میں طوفان بپا تھا۔

اسے نورغانیم پر شدید غصہ تھا جس نے تمام شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیا تھا، اوسپان پر شدید غصہ تھا جو اپنے والد کی بےعزتی کو طشت از بام کرنا چاہتا تھا، اسے بازارعلی پر شدید غصہ تھا جس کے متعلق اس نے دل ہی دل میں کہا: "اوہ۔ بازارعلی، تم ہی ایک ایسے شخص تھے جس کا میں بےحد احترام کرتا تھا لیکن اب تم میرے لئے اجنبی بن چکے ہو۔" کافی دنوں کے بعد ابائی اس بری طرح بدحواس ہوا تھا۔ وہ استیپیوں میں تیزی سے گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا اور برہمی، افسوس، شدید غصہ، شرم اور تلخی اس کے ہم‌رکاب تھے۔ ان میں ہر جذبہ کوڑے کی تیز ضرب سے زیادہ تکلیف‌دہ تھا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا سوچے، کیا کرے...

اچانک اسے اس روسی کتاب کا خیال آیا جسے اس نے اسی روز صبح کو ختم کیا تھا... دوبرووسکی!.. باپ سے بیٹے کو ملنے‌والے جھگڑے، نسلیں خون‌خرابے اور لڑائی جھگڑے سے متاثر۔ اسے بازارعلی کے رشتے‌دار یاد آئے جنہیں ہمیشہ قونان‌بائے کے رشتے‌داروں کے ہاتھوں مصائب کا شکار ہونا پڑا تھا۔ ضعیف اور دم توڑتے ہوئے دوبرووسکی کی جسے تروئےکوروف نے کچل‌کے رکھ دیا تھا، تصویر اس کی نگاہوں میں پھر گئی۔ اور ولادیمیر؟ وہ بھی تنازعے میں ملوث تھا لیکن اس

نے ماشا کی محبت میں اپنی نجات تلاش کر لی تھی۔ کیا بازارعلی حقیقتاً قصوروار تھا؟.. ابائی کے لئے پہلی بار فن کی صداقت، زندگی کی بےرحم صداقت میں ضم ہوکے رہ گئی۔

اسے مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنا تھا، آن بان‌والے مرد کی طرح قدم اٹھانا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو برابر ایڑ لگائے جا رہا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ ساتھ ھی ساتھ اپنے خیالات کو بھی ایڑ لگا رہا ھے۔ اس کے خیال میں قونان‌بائے، بازارعلی اور نورغانیم بالکل ترونے‌کوروف، ولادیمیر اور ماشا جیسے تھے۔ مسئلے کا کوئی حل ممکن نہیں تھا!

ابائی اپنے پڑاؤ پر پہنچا تو اندھیرا ھو چکا تھا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ھوا تھا اور اس سے ملنے کے لئے کوئی بھی باھر نہ نکلا۔ بچے نظر نہیں آ رھے تھے اور مزدور بھی اپنے رشتے‌داروں سے ملاقات کرنے کے لئے قوریق جا چکے تھے۔ وہ گھوڑے کی عام چال کے ساتھ اپنے خیمے کے قریب آکے نیچے اترا اور اندر داخل ھی ھونے‌والا تھا کہ اسے کسی کے گانے کی آواز سنائی دی۔ دھیرے دھیرے گایا جانے‌والا یہ گیت شام کی فضا میں ریشمی دھاگے کی طرح تیر رھا تھا۔ وہ اس خیال سے کہ اس کی مداخلت گیت بند کر دئے جانے کا باعث ثابت ھوگی، دروازے کے قریب گھاس پر بیٹھ گیا۔ اسے صرف زلیخا نے جو باھر الاؤ کے پاس بیٹھی ھوئی تھی، دیکھا اور تیزی سے اٹھ‌کے اس کے پاس آ گئی۔

"شیں... آئی‌گیریم نے بہت اچھا گیت چھیڑ رکھا ھے" اس نے زلیخا سے سرگوشی کی۔ "ابھی اندر نہ جاؤ۔ ھمیں سننا چاھئے۔"

"لیکن میں چراغ روشن کرنے جا رھی تھی" اس نے جواب دیا۔

"چراغوں کی فکر فی‌الحال چھوڑو بھی۔ اندر جاؤگی تو گیت میں خلل پڑ جائےگا۔"

زلیخا اس کے جذبات کو سمجھتے ھوئے مسکرائی اور آگ کے پاس واپس چلی گئی۔

ابائی نے چغے کے نیچے اپنی قمیض کے بٹن کھول دئے۔ شام کی ھوائیں اس کے سینے کو فرحت بخشنے لگیں اور وہ گیت میں کھو گیا۔ آئی‌گیریم کو غیرمتوقع طور پر تنہائی میسر آ گئی تھی اور وہ اپنے پہلے بچے توراش کے بستر کے قریب بیٹھی گا رھی تھی۔

اس نے بیرجان کا اداس گیت "قراگوز" (کالی کالی آنکھیں) چھیڑ رکھا تھا۔ سریلی، پاکیزہ آواز شام کے سناٹے میں گونج رہی تھی۔ دھیمی لے نے گیت کو اور بھی زیادہ موثر اور دلربا بنا دیا تھا۔

بچھڑ گئی ہے مجھ سے وہ سیاہ چشم نازنیں
وہاں، بہت ھی دور رہ گئی ہے میری مہ‌جبیں
میں بےقرار ہوں، تڑپ رہا ہوں پھر بھی کیا کہوں
اگر وہاں میرے بغیر اس کو کوئی غم نہیں؟

ھر بند کے آخر میں دوھرائے جانےوالے یہ مصرعے خاص طور سے بہت متاثر کر رہے تھے۔ گیت کے بعض مصرعوں کو وہ عام دھن سے انحراف کرتے ہوئے خود اپنے انداز سے بھی گا رہی تھی اور شام کے ان لمحات میں جو دعاؤں اور التجاؤں کے لمحات تھے، اس نے خود اپنی اداسی اور ابائی کے غم کو ایک ھی نغمے کی لڑی میں پرو دیا تھا۔

ابائی نے کافی عرصے سے اسے گاتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ دراصل قونان‌بائے کی مکے سے واپسی کے بعد ان لوگوں کو اس سے یہ بات چھپانی پڑی تھی کہ اس کی ایک بہو مغنیہ بھی ہے کیونکہ دنیاوی تفریحات اس کے لئے مکروہ تھیں۔ دلدا کے رویے نے جو رشتےداروں کو آئی‌گیریم کی مخالفت پر کمربستہ کرنے کی ھر ممکن کوشش کر رھی تھی، اور بھی دشواریاں کھڑی کر دی تھیں اور آئی‌گیریم کے گانے کے سلسلے میں ابائی کو اکثر اس کے رشتےدار جلی کٹی سنایا کرتے تھے۔ ابائی کے اصرار پر کبھی وہ بہت دھیمی لے اور صرف اسی کی موجودگی میں گاتی تب بھی یہ بات کسی نہ کسی طرح قونان‌بائے کے پڑاؤ تک پہنچ ھی جاتی اور نئی الجھنیں اٹھ کھڑی ہوتیں۔ اب گیت گانا اس کے لئے مسرت کا نہیں بلکہ اذیت کا باعث بن گیا تھا۔ چنانچہ آئی‌گیریم اکثر ابائی کی خوشامد کرتی رہتی تھی کہ وہ اسے گانے پر مجبور نہ کرے اور ابائی کے لئے اس کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ کار ھی نہیں رہ جاتا تھا حالانکہ وہ اچھی طرح محسوس کرتا تھا کہ وہ آئی‌گیریم کی زبردست صلاحیتوں کا گلا گھونٹنے میں اپنے خاندان کی مدد ھی کر رہا ہے۔

جب بھی وہ اپنے دومبرے پر کوئی دھن بجاتا، آئی‌گیریم کا چہرہ

زرد پڑ جاتا اور اس کی آنکھوں میں آنسو منڈلانے لگتے۔ ابائی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا کہ اس نے ان آنسوؤں کو دیکھا ھی نہیں اور دومبرا بجاتا رھتا، اس امید میں کہ اس طرح الفاظ کے استعمال کے بغیر ھی وہ اسے تسلی دے سکےگا۔

لیکن اس سال سردیوں کی ایک شام کو جبکہ اسے دومبرا بجاتے ہوئے معمول سے کچھ زیادہ وقت ہو چکا تھا، آئیگیریم کی گہری ٹھنڈی سانس نے اسے اپنے ساز کو ایک طرف رکھنے پر مجبور کر دیا۔

"بھئی آئیگیریم، تم کاھے کے لئے پریشان ھو؟"

اس نے آئیگیریم کو گلے سے لگایا تو ایک گرم گرم آنسو اس کے ھاتھ پر آن گرا۔

"تم میری بلبل تھیں، میری جان" اس نے اداسی سے کہا۔ "تمہاری آزاد آواز، آزادی کے ساتھ ابھرکے کسی کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکتی تھی، ھر دل کو چھو سکتی تھی لیکن میں صیاد ثابت ھوا ھوں۔ میں نے ایک بلبل کو پکڑکے اسے سنہرے پنجرے میں بند کر دیا ھے۔ تمہارے نغمات کا گلا گھونٹنے اور تمہاری صلاحیتوں کو زندہ دفن کرنےوالوں میں صرف ھمارے پڑاؤ کے لوگوں ھی کا ھاتھ نہیں۔ میں بھی اس میں قصوروار ھوں۔"

اور آج اس وقت وہ بیٹھا اپنی پنجرے میں بند بلبل کا نغمہ سن رھا تھا جو بلند آواز سے گاتے ھوئے ڈرتی تھی۔ آئیگیریم نے "قراگوز" نغمے میں کئی نئی دھیمی دھنیں شامل کر دیں جن میں سے ھر ایک خود اپنے علاحدہ معنی و مفہوم کے ساتھ گونج پیدا کر رھی تھی۔ ان میں سے کوئی ماں کی شفقت کی، کوئی مسرت کی اور کوئی ابائی کے لئے اس کی گہری محبت کی ترجمانی کر رھی تھی۔ گیت کیا تھا، غم و اندوہ کے مارے ھوئے دل کا غمگین اعتراف تھا۔ بچے کی موت پر ماں کے نوحے جیسا غمگین اعتراف اور ابائی دنیا کی ھر دوسری شے کو فراموش کر بیٹھا۔

آئیگیریم کافی دیر تک گاتی رھی جیسے اس گیت سے جو اسے اسیر کرنےوالے پنجرے میں اس کا واحد رفیق تھا، جدا ھی نہ ھو پا رھی ھو۔ ابائی صرف اس وقت خیمے میں داخل ھوا جب مکمل تاریکی چھا چکی تھی اور گیت ختم ھو چکا تھا۔ آئیگیریم چونک پڑی اور نادم سی نظر آنے لگی۔

"ارے آپ کب آ گئے؟" اس نے جلدی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
"جب توراش جاگ رہا تھا اور کالی آنکھوں‌والی حسینہ خیمے میں تھی" وہ ہنس پڑا۔
زلیخا نے اندر آکے چراغ جلائے اور ابائی بیوی کے پاس بیٹھ گیا۔
"میں تمہارے گیت کو سن رہا تھا تو میرے دل میں ایک خیال آیا" اس نے کہا۔ "کل تم اظہار تعزیت کے لئے تکےجان کے پڑاؤ پر جاؤگی۔ میں نے آج قراجان کا نوحہ سنا اور میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ معقول‌بائے کی ماں ہونے کے باوجود گاکے اپنے غم کا اظہار نہیں کر سکتی۔ تمہارا گیت سنتے سنتے کچھ الفاظ میرے ذہن میں آئے ہیں۔ میں انہیں لکھ دوں‌گا، تم یاد کر لینا۔ تم "قراگوز" کو اپنے مخصوص انداز سے گا رہی تھیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ انداز میرے نئے ماتمی الفاظ کے لئے بھی موزوں ثابت ہوگا" اور اس نے لپک‌کے قلم اور کاغذ اٹھا لئے۔
ابائی سوچتا، غور کرتا، الفاظ تلاش کرتا اور ذرا ذرا دیر بعد آئی‌گیریم کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھ لیتا۔ اس کے گیت نے اسے بہت متاثر کیا تھا اور اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ محض مغنیہ ہی نہیں بلکہ اس سے کچھ بڑھکے ہے؛ وہ خود بھی نئے نغمات کو جنم دے سکتی تھی۔ وہ ابائی کے کاغذ پر چلتے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی، اس پر سخت رعب طاری تھا کیونکہ اسے احساس تھا کہ ایک نیا گیت وجود میں آ رہا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ یہ تخلیقی تحریک کی شام تھی۔ شام نغمہ... نوحہ تیار ہو گیا تو ابائی نے پڑھکے اسے سنایا۔

باز کے پیاروں میں تھا جو سب سے اچھا چل بسا
ایک بدطینت شکاری کا نشانہ بن گیا۔
جو شجر سورج کو چھوتا، سب سے اونچا تھا وہی
بجلیوں کی زد میں آیا، اپنی چوٹی کھو چکا۔
سب سے بڑھ کر آن کا گھوڑا کہ لاثانی تھا جو
کٹ گئی اس کی ایال اور دم، وہ بدصورت ہوا
سب خوشی سارے عزیزوں کی تمہارے دم سے تھی

تم ھمیشه کے لئے بچھڑے، یه کیسا غم دیا۔
ٹھیک سے جلنے سے پہلے ھی بجھی شمع حیات
کم‌سنی کی موت کا یه زخم ھے کتنا ھرا۔
دھوپ گرماتی ھے دھرتی، لہر سردی کی مگر
گھونٹ دیتی ھے ھری شاداب شاخوں کا گلا
رحم سے واقف نہیں ھے موت کی حرص و ھوس
خاتمه کرنا ھی ھے اس کو نو ھر ذی روح کا
غم‌زده ھیں ھم، دلوں سے ھے ھمارے خوں رواں
اشک تھمتے ھی نہیں یه وقت کیسا آ پڑا
تم کو قدرت نے عطا کی تھیں بہت سی خوبیاں
عقل‌مندی اور شرافت کو بھی تم پر ناز تھا
اور اب لیٹے ھوئے ھو تم کفن اوڑھے ھوئے
سو گئے ھو تم ھمیشه کے لئے یه کیا ھوا

آئی‌گیریم کو جس کا دل بھی ماں جیسی محبت سے لبریز تھا، معقول‌بائے کے انتقال سے شدید صدمه پہنچا تھا اور اب ابائی کے نوحے کو سن‌کر اس کی آنکھیں نمناک ھو گئیں۔

اس کی یادداشت بہت اچھی تھی اور اس نے جلد ھی یه مصرعے جو اس کے شوھر نے پڑھ‌کے سنائے تھے، زبانی یاد کر لئے۔

دوسرے ھی روز ابائی، آئی‌گیریم اور زلیخا ایک یادگاری تحفه لےکے تکےجان کے پڑاؤ پر پہنچے۔ سوگ‌والا خیمه قریب آ گیا تو آئی‌گیریم نے بلند آواز سے نوحه چھیڑ دیا۔ خیمه گزشته دن کی طرح ھی لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ھوا تھا۔ آئی‌گیریم، قراجان کی نشست سے کم اھمیت‌والی جگه پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں پر ھاتھ رکھ‌کے نوحه جاری رکھا۔ بڑے بوڑھے جن میں قونان‌بائے بھی شامل تھا، توجه سے سننے لگے۔ لڑکے کے انتقال پر غم میں ڈوبے ھوئے الفاظ اور آئی‌گیریم کی تیار کی ھوئی اداس لے نے ھر شخص کو بےحد متاثر کیا۔ سسکیاں بھرنے کا سلسله جو سب لوگوں کے بیک وقت ناله و ماتم کرنے کے بعد تھم گیا تھا، ایک بار پھر شروع ھو گیا۔

"میرا پیارا بیٹا، میری آنکھوں کا نور" اول‌جان بےقابو ھوکر بین کرنے لگی۔

مرد تک اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکے اور نوحے کے اداس الفاظ کو بہت دھیرے دھیرے دوھراتے ھوئے سب لوگوں کے ساتھ رونے لگے۔ آئی‌گیریم کی آواز نے ابائی کے دل میں صرف اس غم ھی کو نہیں جو معقول‌بائے کے انتقال سے پیدا ھوا تھا، بلکہ ماضی کے تمام غموں کو بھی جو اس کی ذات کے اندر خوابیدہ پڑے ھوئے تھے، بیدار کر دیا اور وہ بھی دوسروں کی طرح اشکبار ھو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ آئی‌گیریم کی آواز میں ھر ایک کے غم کا اظہار ھو رھا ھے اور لوگوں کی آھوں اور سسکیوں کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رھا جب قرآن کی تلاوت کی جا رھی تھی۔

"اس بھو کو لڑکے کے انتقال پر اس کے چالیسویں تک سوگ منانا چاھئے" سوگواروں نے خود کو کسی حد تک سنبھال لیا تو قونان‌بائے نے اول‌جان سے کہا۔ "جب تک سوگوار یہاں آتے رھیں تب تک اسے یہیں ٹھہرے رھنا چاھئے۔"

قونان‌بائے نے دراصل اول‌جان کی خاموش خواھش کا اندازہ لگاکے یہ بات کہی تھی۔ آئی‌گیریم آق‌شوقی کو واپس نہ لوٹی۔ وہ قراجان کے بغل میں بیٹھی ماں کی طرف سے بیٹے کا نوحہ پڑھتی رھتی تھی۔

۴

قونان‌بائے سوگ کے ھفتے کے خاتمے تک تکے‌جان کے پڑاؤ پر مقیم رھا۔ بازارعلی اب بھی نورغانیم کا مہمان تھا۔ اس معاملے میں ابھی الٹی سیدھی افواھیں نہیں اڑی تھیں لیکن اوسپان کی بےچینی میں برابر اضافہ ھوتا جا رھا تھا۔ نورغانیم سے اس کی نفرت بڑھتے بڑھتے آخر لاوے کی طرح پھوٹ نکلی۔

بازارعلی، قونان‌بائے کی مکے سے واپسی کے موقعے پر اس سے ملاقات کرنے کے لئے معقول‌بائے کے انتقال سے کچھ ھی پہلے اس کے پڑاؤ پر آیا تھا۔ قونان‌بائے نورغانیم سے اپنی بات‌چیت کے دورن اکثر افسوس ظاھر کرتا تھا کہ بازارعلی جیسا ذھین اور پختہ ارادے کا آدمی ایک غریب خاندان میں پیدا ھوا تھا، کسی طاقتور باپ کا بیٹا ھوتا تو سارا جرگا اس پر فخر کرتا۔

قونان‌بائے، بازارعلی سے اس طرح پیش آتا تھا جیسے وہ کوئی

بہت ہی ممتاز شخص ہو اس لئے نورغانیم محسوس کرتی تھی کہ اسے اس بانکے سے اپنی ہمدردی کو راز میں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ اس سے بڑی بےتکلفی سے ملتی تھی حالانکہ اس سلسلے میں اوسپان کی جھنجھلاہٹ کی اڑتی اڑتی خبریں اس تک بار بار پہنچ چکی تھیں۔ اب کے جو بازارعلی آیا تو اس نے اوسپان کو گویا دکھانے کے لئے اس کا کچھ اور زیادہ اعزاز کے ساتھ خیرمقدم کیا۔

باز کے شکار والے دن کے دوسرے روز اوسپان کنویں پر جاتے ہوئے قونان‌بائے کے خیمے کے پاس سے گزرا تو اس نے نورغانیم اور بازارعلی کے قہقہے سنے۔ اس چیز نے جلے پر نمک چھڑکنے کا کام کیا۔

"چلی جاؤ یہاں سے" وہ کنویں سے پانی بھرتی ہوئی نوکرانی پر برس پڑا۔ "یہاں نورغانیم کے لئے پانی نہیں ہے۔ میں اپنے کنویں کو نجس نہ ہونے دوں‌گا۔ جاکے اس سے کہہ دو: اس کے لئے پانی بھرنے جو بھی یہاں آئےگا، میں اس کا سر توڑ دوں‌گا۔"

بعد میں وہ اپنے گھوڑے پر سوار بار بار یہ دیکھنے کے لئے کنویں کے پاس آتا تھا کہ اس کے احکام پر عمل درآمد ہو رہا ہے کہ نہیں اور نورغانیم کے گروہ کو دن بھر پانی میسر نہ ہو سکا۔ شام کو اس نے دیکھا کہ دو عورتیں لکڑی کے ایک بڑے پیپے میں اونٹ پر پانی لئے چلی آ رہی ہیں جو ظاہر تھا کہ دریا سے لایا گیا تھا۔ وہ فوراً ہی اونٹ کی طرف جھپٹا اور پیپے کو الٹ دیا۔

"جاکے اپنی مالکن سے کہہ دینا کہ جب تک بازارعلی اس کا مہمان ہے نورغانیم پانی سے محروم رہےگی" وہ غصے سے چلایا۔ "اسے یہ نہ بھولنا چاہئے کہ وہ کون ہے ورنہ نقصان جھیلنا پڑےگا!"

اوسپان نے رات میں بھی کنویں اور دریا پر پہرہ دیا۔ غصے میں پاگل ہوکے اس نے اس بات کو بالکل فراموش کر دیا کہ اس کے اس اقدام سے چاروں طرف افواہیں گشت کرنے لگیں گی۔

نورغانیم کا پڑاؤ دوسرے دن بھی پانی کو ترستا رہا۔ اوسپان کی دشمنی کھل‌کے سامنے آ گئی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ تصادم کی نوبت آنے ہی کو ہے۔ نورغانیم کا غصہ بھی اوسپان سے کچھ کم نہ تھا اور اس کا بازارعلی کو اپنے خیمے سے رخصت کر دینا تو خیر دور کی بات

تھی۔ اس نے تو اس سے اوسپان کے طرز عمل کا تذکرہ تک نہ کیا۔ اپنے پڑاؤ پر تو وہ کسی خیال میں کھوئے کھوئے سے چہرے پر غصے کے جذبات طاری کئے ہوئے گھومتی پھرتی تھی لیکن جیسے ھی خیمے کے اندر قدم رکھتی، اس کے چہرے سے بےفکری جھلکنے لگتی اور بڑے ھشاش بشاش انداز سے مسکرانے لگتی۔ اس نے مہمان پر پہلے سے دوگنی توجہ شروع کر دی اور اس کا دل موہ لینے کے لئے اس کے ھنسی مذاق سے بھرے ھوئے الفاظ ختم ھونے کا نام ھی نہ لیتے۔ باھر جو کچھ ھو رھا تھا اس کا بازارعلی کو پوری طرح علم تھا لیکن وہ یہ ظاھر کرنے کی کوشش کر رھا تھا جیسے اسے کچھ معلوم ھی نہ ھو۔ وہ نورغانیم کے تحمل اور ضبط کی داد دیتا اور دل ھی دل میں یہ سوچ کے لطف اندوز ھوتا کہ دیکھیں اب کیا ھوتا ھے۔

دوپہر کے کھانے کے وقت تک نورغانیم نے مسئلے کا ایک ایسا حل تلاش کر لیا جس کی کوئی دوسری عورت تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا پڑاؤ نم گھاس کے درمیان واقع تھا جو اس بات کی یقینی علامت تھی کہ وھاں کنواں کھودا جا سکتا ھے۔ اس نے باورچی‌خانے کے خیمے میں تین بانکوں کو بلاکے نوکرانی کو چولھے کے قریب خیمے کے وسط میں کچھ جگہ خالی کرنے کی ھدایت کی۔

"بس یہیں پر کنواں کھود ڈالو" اس نے مختصراً حکم دیا۔

بانکے بڑی مستعدی سے کام میں جٹ گئے اور نورغانیم مسکراتی ھوئی انہیں دیکھنے لگی۔ اس کی ذرا آگے کو نکلی ھوئی بھوری بھوری آنکھیں مسرت کے احساس سے چمک رھی تھیں۔

"اوسپان کو اپنے اوپر بڑا ناز ھے، ھونہہ۔ اسے جب اپنے بےوقوف بنا دئے جانے کا علم ھوگا تو کیسا تلملائے گا! بھئی دیکھو جتنی جلدی ھو سکے کنواں کھود ڈالو اس کے بعد چائے تیار کرو۔"

پھر وہ باھر نکلی اور بڑی شان سے سر اٹھائے ھوئے، بالوں کی موٹی موٹی چوٹیوں میں لگی شول‌پی سے جھنکار پیدا کرتی ھوئی پڑاؤ میں ادھر ادھر اتراتی پھری جیسے اوسپان کا مذاق اڑا رھی ھو۔

دونوں قبائلی گروھوں کی عورتیں اس کی بےباکی اور دلیری پر جو اوسپان اور تمام الٹی سیدھی باتوں کے لئے براہ‌راست چنوتی کی حیثیت رکھتی تھی، عش عش کر اٹھیں۔

لیکن اوسپان نے بالکل غیرمتوقع طور پر بڑے بےرحمانہ انداز

میں انتقام لیا اور بازارعلی کو اس کے دشمنوں کے ھاتھوں میں پہنچا دیا۔

ان دنوں قونان‌بائے کے پڑاؤ سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع کشادہ مقام یرعلی میں جہاں ھلکی ھلکی ٹھنڈک پڑ رھی تھی، وولوست حکمرانوں کے انتخابات ھو رھے تھے۔ سو سے زیادہ قبائلی گروہ جن میں بوکین‌شی، جیگی‌تیک، ارغیزبائے، کوتی‌باق اور اوردہ پہاڑ پر سردیاں گزارنےوالے مامائے قبیلے کے کثیر تعداد جرگے بھی شامل تھے، ضلعے میں اکٹھا ھو گئے تھے۔ انتخابات کے لئے یہ واقعی بہت ھی موزوں وقت اور جگہ تھی۔ سرکاری افسروں کے لئے جن کی آمد متوقع تھی اور مختلف جرگوں کے سرداروں کے لئے تیس نئے خیمے ایک قطار میں نصب کئے گئے تھے۔ اس بار انتخابات کی نگرانی محض مقامی اعلا افسر اور اس کے ماتحتوں ھی کو نہیں بلکہ سیمی‌پالاتنسک ضلعے کے افسر اعلا کوشکین کو کرنی تھی۔ چاروں طرف افواہ اڑی ھوئی تھی کہ کوشکین صرف انتخابات کے سلسلے ھی میں نہیں بلکہ کسی اھم مقدمے کی تفتیش کے لئے بھی آیا ھے۔

وہ دونوں وولوستوں کے مقامی افسران اعلا اور پولیس اور گارڈوں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ آیا۔ یہ ایک خاصا بڑا سا قافلہ تھا جس کی گاڑیوں کے گھوڑوں کی گھنٹیوں کی جھنکار فضا میں گونج رھی تھی۔ جلوس کے آگے آگے اور دونوں جانب، پیغام‌رساں جن کے شانوں سے تھیلے لٹک رھے تھے، اور گارڈ جن کے ھاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، گھوڑوں پر چل رھے تھے۔ کوشکین نے یہاں آتے وقت راستے ھی میں قزل ادیر اور چنگیز کے دو وولوست سرداروں کو جو اس سے ملنے آئے تھے، شارع عام پر کوڑے مارے جانے کا حکم دیا تھا۔ یہ خبر اس کی آمد سے پہلے ھی پہنچ چکی تھی اور یرعلی میں اکٹھا ھونےوالے افراد کوشکین کو صرف "تین‌تیک اویاز"* کہتے تھے۔

ابائی آق‌شوقی میں تھا تو جیرین‌شے اور اصیل‌بیک کے ایک پیغام‌رساں نے آکے کہا کہ اسے جلد از جلد یرعلی پہنچنا چاھئے۔ مصیبت کے دن سامنے تھے۔ ایک اور پیغام ابیل‌غازی کی طرف سے موصول ھوا۔ وھاں اعلا افسران اورال‌بائے کے معاملے کی تفتیش

---

* تین‌تیک اویاز — پاگل سربراہ۔

کرنے گئے ہوئے تھے اور بازارعلی کو نورغانیم کے پڑاؤ سے گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اورال‌بائے جو بازارعلی کا چھوٹا بھائی تھا، سوغیر کی خوبصورت بیٹی کوریم‌بالا کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی قراکیسیک جرگے کے ایک شخص سے پہلے ہی منگنی ہو چکی تھی۔ اس نے کوریم‌بالا کو اغوا کر لینے کی کوشش کی تھی جو ناکام ثابت ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے وہ ایسا غائب ہوا تھا کہ کہیں پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

ابائی فوراً ہی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور یربول سے ساتھ چلنے کو کہا۔

یرعلی پہنچنے کے بعد یہ لوگ سرکاری افسروں کے خیموں تک اس توقع میں گئے کہ جیرین‌شے وہاں موجود ہوگا۔ غریب افراد کا بڑا پڑاؤ جس میں کچھ نہیں تو چالیس خیمے بہرحال رہے ہوں گے، قریب ہی واقع تھا۔ یہ بستی دوسری بستیوں سے بالکل مختلف تھی کیونکہ ان لوگوں کے پاس مویشیوں کے بڑے گلے نہیں تھے۔ وادی میں یہ سب سے بڑا پڑاؤ تھا لیکن اس میں نوعمر گھوڑوں گھوڑیوں کو باندھنے کے لئے نہ تو کہیں کھونٹے گڑے نظر آتے تھے اور نہ ہی مویشی‌خانے میں بھیڑوں کی مینگنیاں۔ مویشیوں کے صرف چند چھوٹے چھوٹے جھنڈ کہیں کہیں چرتے دکھائی دیتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے خیمے جو گندے اور پیوند لگے نمدوں سے ڈھکے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے تقریباً ملے ہوئے کھڑے تھے اور سارے ماحول سے افلاس ٹپکتا تھا۔ موسم بہار کے ابتدائی دنوں میں اس پڑاؤ کے جو حسب حال نام کوپ‌جاتق* سے مشہور تھا، دو بوڑھے دندی‌بائے اور یرے‌نائے اپنے گروہ کی غریبی کا حال بتانے اور امداد مانگنے کے لئے آق‌شوقی آئے تھے۔

"ذرا دیکھو تو کیسی بدبختی ہے" ابائی نے پڑاؤ پر نظر پڑتے ہی یربول سے کہا اور چھوٹی چھوٹی تنگ و تاریک جھونپڑیوں اور خیموں کی طرف اشارہ کیا جو انسانی رہائش‌گاہ کم اور گندگی کے ڈھیر زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ ان کی درمیانی جگہوں میں پرانے ٹوٹے

---

* کوپ‌جاتق — غریبوں کا غول۔

پھوٹے صندوق، الاؤ کے اوپر رکھکے کھانا پکانے کی تپائیاں، گھوڑوں کی بدوضع کاٹھیاں اور ٹوٹی ھوئی چارپائیاں ڈھیر تھیں۔

"آؤ یہاں، سڑک سے مڑکے چلیں، دیکھیں آخر ھوا کیا ھے" ابائی نے تجویز پیش کی اور مصیبت‌زدہ پڑاؤ کی طرف مڑ گیا۔

ایک بوڑھا آدمی، پھٹا پرانا "چیک‌مین"* پہنے ھوئے جو اس کے برھنہ جسم کو بمشکل ھی ڈھک رھا تھا، لمبے ڈنڈے پر جھکا ھوا، ان لوگوں سے ملنے آیا۔ اس کے چہرے پر جھریاں ھی جھریاں نظر آتی تھیں اور ابائی کو یہ دیکھکے سخت حیرت ھوئی کہ وہ درکیم‌بائے ھے۔

"درکیم‌بائے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم کوپ‌جاتق میں آکے رھنے لگے ھو" اس نے بوڑھے کو سلام کرنے کے بعد کہا۔

درکیم‌بائے نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اترکے اس کے پیچھے پیچھے قریب‌ترین جھونپڑی تک پہنچ گئے تو بوڑھے نے بڑے اداس لہجے میں کہا:

"معلوم بھی کیسے ھوتا؟ یہاں مجھے آئے ھوئے زیادہ دن نہیں ھوئے لیکن اب زندگی کے آخری ایام تک غالباً یہیں رھوں‌گا۔ یہاں میرے جیسے تقریباً چالیس بھکاری رھتے ھیں۔ میں نے اپنی تمام زندگی سویوندیک اور سوغیر کے لئے کام کرتے ھوئے گزاری ھے لیکن تمہارے خیال میں کیا ان دونوں میں سے کسی نے بھی کبھی مجھ سے کہا ھے: "جب تم طاقتور تھے تو تم نے میری طرف سے سوئیل اٹھایا، میرے سامان کی حفاظت اور سردیوں میں میرے مویشیوں کی نگرانی کی۔ اب جبکہ تم بوڑھے اور کمزور ھو گئے ھو، تمہاری دیکھ بھال کی جائےگی۔ تم نے جتنی محنت کی ھے اس کے صلے میں بےفکری سے ضعیفی کے ایام گزارنے کے مستحق ھو گئے ھو..." جی نہیں، کسی نے بھی یہ نہیں کہا۔ ھمارے راستے ایک دوسرے سے الگ ھو گئے ھیں اور میں نے پیٹھ پر کاٹھی لادکے استیپیوں میں اکیلے منڈلاتے رھنے کی بہ‌نسبت یہاں دوسروں کے ساتھ رھنے کو بہتر خیال کیا ھے۔"

"یہاں تمہارا کوئی رشتے‌دار نہیں رھتا ھے کیا؟" یربول نے پوچھا۔

"وہ پرانی کہاوت تو یاد ھی ھوگی: "تمہارے رشتے‌دار زھر بھی پی

---

* چیک‌مین — ھلکا کوٹ جو کمر پر کچھ تنگ سا ھوتا تھا۔

رھے ھوں تو ان کے ساتھ پی لو" تم نے اپنے جرگےوالوں سے کیوں منھ موڑ لیا اور اب کس کے پاس آ گئے ھو؟"

یربول کے الفاظ میں ایک طرح کی سرزنش بھی پنہاں تھی۔ درکیمبائے اور یربول دونوں بوکینشی جرگے سے تعلق رکھتے تھے۔

"میرے جرگےوالے یہاں موجود ھیں، انہی چالیس خاندانوں میں" درکیمبائے نے جو اب بھی اباٹی پر نظریں جمائے ھوئے تھا، جواب دیا۔ "ھمارے درمیان شاید خون کے رشتے تو نہیں قائم ھیں لیکن ھمیں مشترکه غموں اور مشترکه مصائب نے متحد کر دیا ھے۔"

"کیا مطلب ھے؟" یربول نے جس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا تھا، حیرت سے پوچھا۔

درکیمبائے تلخی کے ساتھ مسکرایا اور اپنے ڈنڈے سے جھونپڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ھوئے، نڈھال آواز میں وضاحت کرنے لگا:

"یه لوگ جو انیت اور قراباتر سے یہاں آئے ھیں، سال بھر امیر ارغیزبایوں کے اور کونکے کے گروہ میں تمہارے والد کے بھی مویشی چرایا کرتے تھے۔ اور وہ، وھاں جو لوگ آباد ھیں، وہ بوجیئی، بائےدالی، بائیسال اور توسیپ کے لئے دن رات محنت کیا کرتے تھے۔ ھم سب کو اپنے اپنے جرگے کے ساتھ رھتے ھوئے کافی مصائب کا سامنا کرنا پڑا ھے۔ ان لوگوں کو بھی تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ھے اور یه بھی میری ھی طرح بھکاری بنکر رہ گئے ھیں۔ یه لوگ اور ان کے خاندان کے افراد بایوں کے خیموں کے ارد گرد محنت مشقتوالے تمام کام کیا کرتے تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے ان سے قبل ان کے والدین نے، ان کے دادا دادی نے اور پردادا پردادی نے کام کیا تھا۔ یہی وجه ھے که ھم سب رشتےدار بن گئے ھیں۔ ذرا ھمیں دیکھو نا۔ یه میں ھوں بوڑھا درکیمبائے، میری ھی طرح ضعیف اور بےجان دندیبائے ھے، سنرسیدہ یرےنائے ھے۔ ھم سب لوگ بوڑھے اور بیمار افراد ھیں اور ھمارے ایک بھی جوان بیٹا نہیں ھے جو ھماری خبرگیری کرتا۔ کچھ لوگ ھم سے کم عمر کے ھیں لیکن بہت سے لوگ معذور ھیں وہ نہیں تو ان کی بیویاں معذور ھیں یا پھر ان کے بچے بیمار ھیں۔ یه سب کیوں ھے؟ اس لئے که انہوں نے کبھی بھی برفباری اور برف کے طوفانوں میں بھی کام بند نہیں کیا، اس لئے که بایوں کی ملازمت اور خدمت کرتے کرتے انہوں نے اپنی تمام

قوت ضائع کر دی۔ اور کاھے کے لئے؟ محض اس لئے کہ مزید ڈوئی بھر شوربا مل جائے۔ ذرا ان خیموں میں چل کے ایک نظر دیکھو تو۔ کچھ لوگ سن‌رسیدگی کے باعث کمزور اور بےجان ہو گئے ھیں جبکہ دوسرے جوانی ھی میں کسی کام کے نہیں رھے؛ کسی کے سینے میں درد ھے کسی کی پیٹھ میں؛ کچھ لنگڑے ھیں تو کچھ اندھے اور بہت سے افراد نقاھت اور علالت کے باعث پلنگ سے لگ گئے ھیں۔ ھمارے خیمے بہت خراب حالت میں ھیں اور یہی حال ھماری زندگیوں کا بھی ھے۔ بایوں نے ھمیں کوڑے کرکٹ کی طرح نکال پھینکا ھے۔ ھم لوگوں میں قونان‌بائے، بوجیئی، بائیسال، سویوندیک، سوغیر اور قراتائے کے مویشیوں، بھیڑوں بکریوں کے گلوں کے پیچھے پیچھے مارے مارے پھرنے کی اب سکت باقی نہیں رھی اس لئے اب انہیں ھماری ضرورت نہیں رہ گئی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے پرانی کاٹھی اور ٹپکتے ھوئے گگرے کی ضرورت نہیں باقی رھتی۔"

بوڑھا بڑی بےبسی کے ساتھ مسکرایا۔

"اور یربول، تم نے کہا کہ "تمہارے رشتےدار زھر بھی پی رھے ھوں تو ان کے ساتھ پی لو" تو یہاں موجود یہ افراد ھی میرے رشتےدار ھیں۔ ھماری زندگیاں اور خیالات یکساں نوعیت کے ھیں۔

ابائی بڑے دکھے ھوئے دل کے ساتھ یہ سب سنتا رھا۔ اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اس سے اطمینان سے بیٹھا نہیں جا رھا تھا اور وہ اپنی فر کی ٹوپی سے یونہی کھیلے جا رھا تھا۔

"ھمارے عوام پر بہت برا وقت پڑا ھے" درکیم‌بائے اپنی بات ختم کر چکا تو ابائی نے کہا۔ "اور تم میں کسی باز جیسی دوربینی پیدا ھو گئی ھے۔ ھم قزاخوں میں چرب زبان مقررین کی کمی نہیں۔ ان کی زبانین بڑے چکنی ھیں اور ان کی تقریروں میں تیز دوگامہ چلنےوالے گھوڑے کی رفتار جیسی روانی ھوتی ھے لیکن آخر ان سے حاصل کیا ھوتا ھے؟ الفاظ کی کسوٹی یہ ھونی چاھئے کہ وہ اپنے پیچھے کتنی صداقت رکھتے ھیں۔ ابھی ابھی تم نے جو باتیں کہیں وہ بڑی تلخ لیکن سچی باتیں تھیں۔ قونان‌بائے اور سویوندیک کے پاس ان باتوں کا جواب ھی کیا ھے؟ تم نے ان لوگوں کی بڑی معقول گرفت کی ھے اور میری آنکھیں بھی کھول دی ھیں۔"

متعدد دوسرے لوگ بھی ان لوگوں کے پاس آ گئے۔ ان میں سن‌رسیدہ دندی‌بائے اور یرےنائے جنہیں ابائی جانتا تھا، ادھیڑ عمر کے مرد جن کے زرد چہروں سے وحشت ٹپکتی تھی اور مغموم نظر آنےوالے نوجوان بانکے شامل تھے۔ ابیل‌غازی بھی جو اپنے دوستوں سے ملنے آیا تھا، وھاں آ گیا اور ابائی کو سلام کرکے قریب ھی بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں مزید بہت سے افراد جھونپڑیوں اور دھوئیں سے کالے پھٹے پرانے نمدے کے ٹکڑوں کے ڈھیروں سے رینگتے ہوئے باھر نکل آئے تھے۔ ابائی نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے درکیم‌بائے سے پوچھا۔

"آخر یہاں ھوا کیا ھے؟ کوئی تیز آندھی آئی تھی کیا؟ آخر اتنے زیادہ لوگ، بوڑھے اور بچے بےگھر کیوں ھو گئے ھیں؟"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ھے، میرے عزیز ابائی" دندی‌بائے نے جواب دیا۔ "تیز آندھی ھی آئی تھی لیکن خدا کی نہیں بلکہ سرکاری ذمےداروں کی، وولوست حکمران کی بھیجی ھوئی" بوڑھا اداسی سے مسکرایا۔ "افسران اعلا کے سفید خیموں کے قریب وہ خیمے تمہیں دکھائی دے رھے ھیں نا؟"

اس وقت تک ابائی اور یربول کی نظریں سفید سجے سجائے خیموں کے قریب دھوئیں سے سیاہ چھوٹے چھوٹے خیموں پر نہیں پڑی تھیں۔ یہ خیمے ایک دوسرے سے کچھ اس طرح چمٹے چمٹائے ہوئے تھے کہ لگتا تھا ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں راز کی باتیں کر رھے ھوں۔

"سفید خیمے اعلا افسروں کے رھنے کے لئے اور یہ جھونپڑیاں ھمیں ذلیل کرنے کے لئے" دندی‌بائے نے گالی دیتے ہوئے وضاحت کی۔

"یہ آخر کون‌سی ذلت کی بات کر رھے ھو؟" یربول نے پرزور لہجے میں پوچھا۔

چاروں طرف سے آوازوں کا شور بلند ھوا:

"یہ ذلت نہیں تو اور کیا ھے؟ ھمارے خیمے قیدیوں کو ٹھہرانے کے لئے ھم سے چھین لئے گئے ھیں!.."

"کچھ خیمے باورچی‌خانوں کے طور پر استعمال کرنے کے لئے لے لئے گئے ھیں!"

"باورچی‌خانے تو پھر بھی غنیمت ھیں۔ ان لوگوں نے تو ھمارے

خیموں کو پاخانوں میں بھی تبدیل کر دیا ہے۔ ان کے لئے سارا یرعلی بھی ناکافی ہے۔"

"دراصل سارا قصور وولوست حکمراں اور ان بدمعاش قبائلی سرداروں کا ہے۔"

"جانے کب ہمیں ان کتوں سے نجات ملےگی... بوڑھے، بچے اور معذور افراد چیتھڑوں میں لپٹے لپٹائے بیٹھے ہیں۔ ان کے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"لیکن تم لوگوں نے اپنے خیمے دئے ہی کیوں؟" ابائی نے حیرت کے ساتھ ہجوم پر نظر دوڑائی۔ "ان لوگوں کو سارے مصارف خود ہی برداشت کرنا چاہئیں!"

ہر ایک نے فوری طور پر جواب دینے کی کوشش کی۔

"اوئی بائے، یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ!"

"ہم اس بارے میں کر ہی کیا سکتے تھے؟"

"وہ لوگ تو ہمیں زبان تک نہیں کھولنے دیتے!"

"ارے وہ پیغام‌رساں تھوڑی ہیں، لٹیرے ہیں لٹیرے!.."

ابائی نے تباہ‌شدہ گھروں کو دیکھا۔ دو ننھے بچے ایک پرانے "چیک‌مین" میں لپٹے ہوئے پرانے صندوقوں اور بنڈلوں کے پاس لیٹے ہوئے تھے۔ دونوں شدید طور پر علیل معلوم ہوتے تھے۔ ان کے الجھے ہوئے بال زرد پیشانیوں اور دھندلی دھندلی آنکھوں پر بکھرے ہوئے تھے اور ان کے خشک ہونٹوں پر مکھیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"اوہ میرے خدا، ان معصوم بچوں کو مکھیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے!" ابائی کی سانس پھولنے لگی۔ "ارے درکیم‌بائے، تمہاری پرانی جرأت کو آخر کیا ہوا؟ تمہیں چاہئے تھا کہ ان پیغام‌رسانوں کو ٹھوکر مارکے بھگا دیتے!"

درکیم‌بائے تلخی سے مسکرایا۔

"میرے عزیز ابائی، ہم نے ایسا ہی کیا تھا لیکن اس سے تو صورت حال اور بھی خراب ہو گئی" اس کے بعد اس نے بتایا کہ انتخابات کے موقعے پر کیا ہوا تھا۔

بازارعلی نے دس روز قبل قونان‌بائے کے پڑاؤ پر جاتے ہوئے اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ عمروں میں بہت زیادہ فرق کے باوجود

یہ دونوں اپنی بےباکی اور خیالات کی تندی و تیزی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے اور اچھے دوست تھے۔

"وہ استیپیوں میں کھوئے ہوئے بھیڑیوں کے کسی جھنڈ کے سرغنہ جیسا ھے" درکیم‌بائے نے کہا۔ "ھمارے آج کل کے بانکوں جیسا تھوڑی ھے۔ مجھ سے اپنے دل کی ساری باتیں اس سے کہے بنا نہ رھا جا سکا۔"

بازارعلی اپنے تین روزہ قیام کے دوران ایک ایک خیمے میں گیا۔ اس نے بیماروں کی عیادت کی، دوسرے افراد سے باتیں کیں اور جو مشورے دے سکا دئے۔ وہ انھیں ھنسانے کے لئے ان کے حوصلے بڑھانے کے لئے کبھی گیت گاتا کبھی مزاحیہ قصے سناتا اور اس طرح مفلس اور کنگال لوگوں کے اس پڑاؤ کا صحیح معنوں میں دوست بن گیا۔

اس نے انھیں بتایا کہ ان لوگوں کے گروہ جیسے گروہ ھر جگہ پائے جاتے ھیں لیکن دوسری جگھوں پر وہ لوگ جنھیں ان کے جرگوں نے ٹھکرا دیا ھے، غلہ پیدا کر رھے ھیں جس سے تمام سال ان کی گزر بسر ھوتی ھے۔ وہ لوگ بایوں کے بجائے خود اپنے لئے محنت کرتے ھیں۔

"تم لوگوں کو بھی مادرگیتی کے سینے سے غذا حاصل کرنے کا فن سیکھنا چاھئے" اس نے سمجھاتے ھوئے کہا۔ "دو تین خاندانوں کو آپس میں مل‌کے کسی قطعہ آراضی کی، خواہ وہ ایک ھیکٹر ھی کیوں نہ ھو، جتائی کرنا اور موسم بہار میں غلہ بونا چاھئے۔ گرمیوں میں خشک گھاس اکٹھا کرنے کا کام کیا جا سکتا ھے۔ ذرا ان غیراستعمال‌شدہ سبزہ‌زاروں اور موسم خزاں کی چراگاھوں کو تو دیکھو! تم سب لوگوں کے پاس گھاس کاٹنے کے لئے صرف ایک ھنسیا ھو تب بھی کافی گھاس کاٹ سکتے ھو۔ شہر زیادہ دور نہیں ھے۔ تم لوگ اپنی گھاس بازار میں فروخت کر سکتے ھو اور اس طرح جو آمدنی ھو اس سے ضرورت کی چیزیں خرید سکتے ھو۔ خود تمھارے والد بھی تمھارے رھنے کے لئے اس سے بہتر جگہ نہ تلاش کر سکتے! تم لوگ اور کر بھی کیا کر سکتے ھو؟ زندگی بھر خالی خولی امیدوں سے خود کو بہلاتے اور اپنی تمام قوت استعمال کرتے رھے ھو۔ تم میں سے بہت سے لوگوں نے سوچا تھا کہ ان کے

رشتےدار انہیں فاقے نہ کرنے دیں گے، یقیناً ان کی مدد کریں گے لیکن بالآخر انہیں ٹھکرا ہی دیا گیا۔ اب تو تم لوگوں کو جیگی‌تیک یا بوکین‌شی کے قبائلی نعروں کو فراموش کر دینا چاھئے۔ اب تمہارا صرف ایک ہی نعرہ ہونا چاہئے: "یرعلی کے جاتق!" تم اب ایک دوسرے کے قریب‌ترین عزیز ہو، ایسے افراد جن کی زندگیاں، مقدر اور عقائد ایک جیسے ہیں۔ بس تم کو متحد رہنا چاہئے کیونکہ سب سے زیادہ اہمیت اسی بات کی ہے!"

اس کے بعد درکیم‌بائے نے واقعے کی تفصیلات بیان کیں۔ پیغام‌رساں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اسی روز یرعلی پہنچے تھے جس روز بازارعلی کو وہاں سے روانہ ہونا تھا۔ سفید خیموں کے کارواں، ذبح کئے جانے کے لئے کثیر تعداد میں بھیڑوں کے ساتھ پہلے ہی آ چکے تھے۔ پیغام‌رسانوں کو تکےجان اور میباسر نے اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا: "مصیبت نازل ہونے کو ہے! ضلعے کا افسر اعلا راستے میں ہے، جلدی سے خیمے نصب کرو!"

بازارعلی اور ابیل‌غازی درکیم‌بائے کے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں پیغام‌رساں حملہ کرنےوالے دشمن کی طرح ان کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑے۔

"درکیم‌بائے کہاں ہے؟" ان میں سے تین پیغام‌رسانوں نے جو بہت تیزی سے گھوڑے دوڑاتے درکیم‌بائے کے خیمے کے پاس آ گئے تھے، پکارکے پوچھا۔

بازارعلی نے ابیل‌غازی کو آنکھ ماری۔

"خاموش بیٹھے رہو" اس نے درکیم‌بائے سے کہا۔ "دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔"

"ارے فوراً باہر نکلو۔ آخر تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو!" پیغام‌رساں جو درکیم‌بائے کے باہر نکلنے میں تاخیر سے پاگل ہو اٹھے تھے، چیخ اٹھے۔ "وولوست حکمراں ہمیں پریشان کئے ہوئے ہیں اور اب تم بھی سرکشی پر اتر آئے، کمینے، بھیک منگے!"

"ارے بھئی بانکو، تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟" بازارعلی نے خیمے سے پرسکون انداز میں پکارکے پوچھا۔ "گھوڑوں سے اترو، خیمے کے اندر آکے بات‌چیت کرو نا۔"

پیغام‌رسانوں نے گھوڑوں کو کوڑے رسید کئے اور سیدھے خیمے پر پل پڑے۔ "فوراً باھر آ جاؤ، سنا کہ نہیں!" وہ گندی گالیوں کی بوچھار کے ساتھ چلائے۔

ان کے بھاری بھاری کوڑے خیمے پر برسنے لگے جن سے "اوویقوں" میں کراھنے جیسی چرمراھٹ پیدا ھوئی۔ درکیم‌بائے اچھل کے باھر نکلا لیکن اس نے خود کو کوڑوں کی ضربوں میں گھرا ھوا پایا۔ اتنے میں بازارعلی اور ابیل‌غازی گھنی جھاڑیوں سے چھلانگ لگاتے ھوئے شیروں کی طرح خیمے سے باھر نکلے۔ بازارعلی نے دو پیغام‌رسانوں کو اور ابیل‌غازی نے تیسرے کو کھینچ کے گھوڑے سے نیچے اتار لیا۔

"وہ دونوں پیغام‌رسانوں کے سروں پر بیٹھ گئے، ان کے چغوں کو اوپر کھینچ لیا اور خود انھی کے کوڑوں سے ان کی مرمت شروع کر دی" درکیم‌بائے نے پرمسرت لہجے میں بیان کیا۔ "تمام جاتق لوگ یہ تماشا دیکھنے کو اکٹھا ھو گئے اور بہت خوش ھوئے!.. آخرکار ایسا شخص بھی مل گیا تھا جو ان لوگوں کی مدافعت کے لئے کمربستہ تھا۔ بازارعلی ان کمبختوں پر مسلسل کوڑے برساتا رھا یہاں تک کہ کوڑے کا دستہ الگ ھو گیا۔"

"لیکن آخر ان لوگوں کو خیمے کیسے مل گئے؟" یربول نے پوچھا۔

درکیم‌بائے نے مختصراً بتایا کہ پیغام‌رساں واپس چلے گئے تو جاتقوں نے سوچا کہ ان کے مصائب کا خاتمہ ھو گیا ھے۔ بازارعلی مزید دو دنوں تک ان لوگوں کے ساتھ مقیم رھا لیکن اس کے جاتے ھی تقریباً تیس افراد گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ھوئے پڑاؤ پر پہنچے۔ اس بار پیغام‌رسانوں کی قیادت وولوست حکمراں اور قبائلی سردار کر رھے تھے۔ ان لوگوں نے پلک جھپکتے میں خیمے اکھاڑے اور اٹھا لے گئے۔

"لٹیرے ھیں لٹیرے" درکیم‌بائے نے اپنی بات ختم کرتے ھوئے کہا۔ "سور کہیں کے! ان کے افسران حکم دیں تو وہ تو خود اپنے باپوں کے لئے قبریں کھود دیں۔ ارے ابائی، میں پہلے جیسا درکیم‌بائے اب کہاں رھا۔ میری آنکھوں کے نور، کیا تم ھم لوگوں کی سفارش نہ کروگے؟ کسی طرح ان سے ھمارے خیمے واپس دلا دو۔ آخر یہ

سور اپنے باورچی‌خانے اور پاخانے کسی دوسری جگه کیوں نہیں بنا لیتے؟"

"هاں ان سے واپس دلا دو، انہیں مجبور کر دو!" جاتقوں نے اصرار کیا۔ "انہیں هم کو پامال نه کرنے دو!"

ابائی نے اٹھکے اپنے کوٹ سے دھول جھاڑی اور اپنے کوڑے کو بغل میں دوهرا کرکے دبائے هوئے ذرا دیر چپ چاپ کھڑا رها۔

"آؤ هم لوگ چلیں۔ ابیل‌غازی، تم بھی چلو۔"

وه اپنے گھوڑے کی لگام پکڑکے جاتقوں کے آگے آگے پیدل چلنے لگا۔ اس جگه سے سفید خیمے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھے اور وه لوگ پڑاؤ کے درمیان سے هوکے گزرے تو مزید افراد جو کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کے درمیان سے، گندی جھونپڑیوں سے رینگتے هوئے باهر نکل آئے تھے، ان کے ساتھ هو لئے۔ کچھ نوجوان اور طاقتور تھے، کچھ سن‌رسیده اور ناتواں۔ سب کے سب بڑی سنجیدگی کے ساتھ خاموش تھے اور سب کے چہروں سے عزم جھلکتا تھا۔

راستے میں ابیل‌غازی نے دھیرے سے ابائی کو بتایا که جاتقوں کو بازارعلی کی گرفتاری کا علم نہیں هے۔ بایوں کو ڈر تھا که اس کی گرفتاری کی خبر سے عام بےچینی پھیل جائےگی۔ اسے تکےجان کی مدد سے گرفتار کیا گیا تھا۔ وه چند روز قبل یرعلی آیا تھا اور کوشکین کی دهشت‌انگیزیوں کی خبریں سن‌کے اتنا مرعوب هوا تھا که خود هی بازارعلی کو گرفتار کرا دینے کا فیصله کر لیا تھا۔

انتخابات سے متعلق پڑاؤ کے وسط میں تین نہایت هی سجے سجائے چھ پہلووالے خیمے ایک ساتھ نصب کئے گئے تھے۔ اس بڑے خیمے کے دروازے پر دونوں جانب نحوست کے ساتھ خاموش سنتری کھڑے هوئے تھے جبکه پیغام‌رساں مصروفیت کا تاثر دیتے هوئے جلدی جلدی ادھر ادھر آ جا رهے تھے یا ڈرے سہمے هوئے پنجوں کے بل کبھی خیمے میں جاتے تھے کبھی باهر نکل آتے تھے۔ صاف ظاهر هو رها تھا که تین خیموں کو جوڑکر بنائے جانےوالے بڑے خیمے میں مقیم بڑا آدمی کسی بات پر جھلایا هوا هے۔

ابائی کے سفید خیموں کے پاس پہنچتے هی جیرین‌شے، اورازبائے اور اصیل‌بیک اس سے ملے جنھوں نے اسے ایک طرف لے جاکے تمام

خبریں کچھ اس انداز سے بتائیں کہ ایک دوسرے کی باتوں کے دوران بیچ میں بول پڑتے اور دوسرے کی بتائی ہوئی بات کے متعلق خود اپنی معلومات کا اضافہ کرتے۔ ان کے قصوں سے ابائی کو مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوئیں۔

کوشکین، نائےمان قبیلے کے کچھ مدعیوں کے ساتھ یرعلی آیا تھا جن کا دعوا تھا کہ اورال‌بائے کی قیادت میں توبیق‌تی کی گھوڑےچور، ان کے ایک امیرترین قبائلی گروہ کے کچھ گھوڑے ھانک لے گئے ھیں۔

اورال‌بائے، کوریم‌بالا سے محروم ھونے کے بعد غائب ھو گیا تھا اور پھر کبھی توبیق‌تی جرگے میں واپس نہیں لوٹا تھا۔ اب پتہ چلا تھا کہ محبت کی ناکامی پر تلخی کا شکار ھوکے اس بانکے نے رائفلوں سے مسلح ایک گروہ منظم کیا تھا اور اس سال کے دوران صرف نائےمان اور پڑوسی کیریئی اور سیبان جرگوں ھی سے نہیں بلکہ توبیق‌تی سے بھی گھوڑےچوری کرنے کے اقدامات کئے تھے۔ اس کا گروہ غریب کیریئی کے بھیڑ بھاڑوالے پڑاوؤں پر چھپا رھتا تھا۔

جتنی بھی درخواستیں دی گئی تھیں سب میں اورال‌بائے کو چوروں کے گروہ کا سرغنہ قرار دیا گیا تھا۔ صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ اس گروہ نے امیر، بااثر اور سرکاری عہدوں پر مامور افراد کو تباہ و برباد کرنے کا تہیہ کر رکھا ھے کیونکہ صرف امیرترین قبائلی گروھوں ھی کے گھوڑے چوری کئے جاتے تھے۔ ان کی سرگرمیوں کا مرکز سیمی‌پالاتنسک اور جیتی‌سو اضلاع کے درمیان کا سرحدی علاقہ تھا اور چوریوں سے متعلق درخواستیں ان دونوں اضلاع کے مختلف دفاتر سے ھوتی ھوئی جنرل کے دفتر تک پہنچ گئی تھیں جو صوبے پر حکومت کرتا تھا۔ لیکن اورال‌بائے کچھ ایسا کینہ‌پرور اور جان پر کھیل جانے کی حد تک بہادر تھا کہ زارشاھی فوجیوں سے بھی خوف‌زدہ نہیں ھوتا تھا۔ اس موسم سرما کے آخری ایام میں سیمی‌پالاتنسک سے ایک دستہ اسے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا جسے وہ فریب دیتا ھوا، سنسان استیپیوں تک اپنے پیچھے لگا لے گیا تھا اور وھاں رات میں جبکہ فوجی کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالے ھوئے تھے، ان کے تمام گھوڑوں کو ھنکاکے چمپت ھو گیا تھا۔ نتیجتاً چالیس سپاھیوں کو کئی دنوں تک کھانے پانی کے بغیر

استیپیوں میں پیدل بھٹکنا پڑا تھا۔ اس کے خلاف ایک اور الزام بھی لگایا گیا تھا جسے جیرین‌شے اور اورازبائے تو مضحکہ‌خیز تصور کرتے تھے لیکن اصیل‌بیک کو اندیشہ تھا کہ وہ بڑے سنگین نتائج کا حامل ہوگا۔ ایک بڑی شاہراہ پر سیمی‌پالاتنسک کے افسر کو جس کے ساتھ دو سنتری بھی تھے، روک‌کے لوٹ لیا گیا تھا۔ نائے‌مان قبائلیوں کے نزدیک اس واقعے میں بھی اورال‌بائے ہی کا ہاتھ تھا۔

خود کوشکین کی تفتیش کے لئے آمد سے صاف ظاہر تھا کہ یہ شکایات ایک نہایت ہی سنگین معاملے کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ وہ جن پانچ نائے‌مان قبائلیوں کو اپنے ساتھ لایا تھا وہ مدعی بھی تھے اور واقعات کے عینی شاہد بھی۔ یہ لوگ "تین‌تیک اویاز" کے خیمے سے نکل‌کے قزاخوں کے عام رواج کے بموجب توبیق‌تیوں سے سمجھوتے کی بات‌چیت کرنے پر کسی طرح راضی نہیں ہو رہے تھے۔ شکایات میں یقیناً بازارعلی کا نام بھی لیا گیا تھا کیونکہ "تین‌تیک اویاز" نے تینوں بایوں کو حکم دیا تھا کہ اورال‌بائے اور بازارعلی دونوں کو گرفتار کیا جائے۔ "وہ بدمعاش اورال‌بائے تمہارے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے!" اس نے بار بار کہا تھا۔ "کیا تم ایسے شخص کو پناہ دینا چاہتے ہو جس نے زار کے خلاف ارتکاب جرم کیا ہے؟ تم سب پر – وولوست حکمراں اور اس کے نائب پر، بایوں اور قبائلی سرداروں پر، تم سب پر اس سلسلے میں مقدمہ چلایا جائے‌گا۔"

"اس سوال پر ہم نے تکے‌جان سے اختلاف رائے کیا" جیرین‌شے نے وضاحت کی۔ "ہم اس طرح کا جواب دینا چاہتے تھے: "ہمیں اورال‌بائے کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ اسے ہمارا قبیلہ ٹھکرا چکا ہے اور اب وہ آوارہ‌گردی کر رہا ہے۔ عوام یا بازارعلی کو ذرا بھی علم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ آپ خود اسے تلاش کرکے اس کے خلاف جو کارروائی مناسب سمجھیں، کریں۔ توبیق‌تی قبائلی اس کی حمایت نہ کریں‌گے۔" ہم نے کل تکے‌جان اور میباسر سے بات‌چیت کی تھی اور طے پایا تھا کہ یہی جواب دیا جائے‌گا لیکن شام ہو رہی تھی تو درخان گھوڑا دوڑاتا ہوا وولوست حکمراں کے پاس آیا۔ اسے اوسپان نے بھیجا تھا جس کا بازارعلی سے یقیناً جھگڑا ہو گیا ہوگا کیونکہ اوسپان نے تکے‌جان کو یہ مشورہ دیا

تھا: "آپ اپنے آپ کو اس معاملے سے جتنی خوش‌اسلوبی سے ہو سکے الگ کر لیجئے اور بازارعلی کو سرکاری ذمےداروں کے حوالے کر دیجئے۔ وہ اس وقت میرے قبضے میں ہے۔" تکےجان نے پیغام‌رسار جمعہ‌گل کو چار سنتریوں کے ہمراہ قوریق روانہ کیا جہاں انہوں نے بازاعلی کو پکڑکے ذمےداروں کے سپرد کر دیا۔ اس وقت اس سے یا تو پوچھ گچھ کی جا رہی ہوگی یا کہیں قید کر دیا گیا ہوگا... تکےجان ہم پر بازارعلی کی طرفداری کرنے کا الزام لگا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم لوگوں نے تمہیں بلایا ہے۔ اب بتاؤ کہ ہم کیا کریں۔ بازارعلی کی طرفداری کریں یا اس کے مجرم ہونے کا اعتراف کر لیں؟"

ابائی دوسروں سے بہتر طور پر جانتا تھا کہ یہ گتھی آسانی سے سلجھنےوالی نہیں۔ باہری خطرہ اسے اس اندرونی جھگڑے سے کہیں زیادہ بھیانک اور منحوس معلوم ہوتا تھا جسے اوسپان نے ہوا دے دی تھی۔

ابائی سے پہلے ہی اصیل‌بیک بول پڑا:

"تین‌تیک اویاز" نے ابھی تک انتخابات نہیں کرائے حالانکہ لوگوں کو یہاں اکٹھا ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اورال‌بائے والے معاملے میں بری طرح الجھا ہوا ہے کیونکہ بےشمار لوگوں سے پوچھ گچھ کر چکا ہے۔ وولوست سربراہ کے خلاف جو بھی زبان کھولتا ہے، اس پر وہ برس پڑتا ہے اور ہر اس شخص کو مارنے پیٹنے لگتا ہے جو اس کے سامنے سچ بولنے کی ہمت کرتا ہے۔ کچھ گواہوں نے کہا ہے کہ ہم لوگ بازارعلی کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، اسے پناہ دے رہے ہیں۔ اگر تکےجان نے بھی یہی بات کہہ دی تو ہمارے لئے صحیح معنوں میں مصائب کا آغاز ہو جائےگا۔ اگر ہم لوگ بازارعلی کی جو بےگناہ ہے، مدد کرنے کی کوشش کرتے اور سچی بات بیان کرتے ہیں تو ہم پر کیا بیتےگی؟ کیا ہم کینہ‌پرور لوگوں کا منہ بند کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ ابھی تک تو ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئی لیکن بازارعلی کی طرفداری کریں‌گے تو کیا ہوگا؟ تمہارے خیال میں ہمیں کرنا کیا چاہئے؟"

ابائی نے اب بھی جواب نہ دیا۔

"ہم نے تمہیں ساری صورت حال سے مطلع کر دیا" اورازبائے

نے کہا۔ "اور جیسا تم کہوگے ویسا ہی کریں گے۔ آخر وہ طریقہ کیا ہو کہ ہماری عزت اور آن بھی باقی رہے اور ہم پر آنچ بھی نہ آئے۔ ہمیں بتاؤ نا کہ کیا کریں۔"

ٹھیک اسی لمحے متعدد پیغام‌رساں کوشکین کے خیمے سے اپنے کوڑے لہراتے ہوئے تیزی سے باہر آکے چلائے:

"جیرین‌شے شوکین! اصیل‌بیک سویوندیکوف! اورازبائے آق‌قولوف! تم لوگوں کو حاکم اعلا طلب کر رہے ہیں!"

"ان لوگوں نے ہمارے نام لےکے ہمیں پکارا ہے" جیرین‌شے نے بےصبری سے ابائی سے کہا۔

ابائی نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"بھئی خیال رکھنا کہ خوف کے مارے بدحواس نہ ہو جاؤ" اس نے ان سے کہا۔ "جیرین‌شے نے جو طریقہ تجویز کیا تھا وہ بہترین ہے۔ بازارعلی کو اس معاملے سے الگ رکھنا۔ جہاں تک اورال‌بائے کا تعلق ہے تو اسے گرفتار کرنا خود حاکم اعلا کی ذمےداری ہے۔ گلے میں پھندا ڈالنے کے لئے اس کے پاس ہم سے زیادہ لمبی رسی موجود ہے۔ تم لوگ جو گواہی دوگے وہ تکےجان کی گواہی سے مختلف ہوگی تو ہم اس صورت حال سے نبٹنے کا کوئی طریقہ ڈھونڈ نکالیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تکےجان کا رویہ اتنا وحشیانہ کیوں ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ساری قوم پر مصیبت لانے سے زندہ دفن ہو جانا بہتر ہے۔ یاد رکھنا کہ تم نے بازارعلی کو ملوث کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم سارے عوام کے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔"

تینوں بایوں کو سنتری اپنے ساتھ حاکم اعلا کے پاس لے گئے۔ ابائی نے سب سے پیچھے پیچھے چلنےوالے پیغام‌رساں کو اشارے سے روک لیا۔

"ذرا دیکھتے رہنا کہ حاکم اعلا ان لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے اور مجھے بتا دینا" اس نے سرگوشی کے انداز میں اس سے کہا۔ "میں یہ کام صرف تمہارے ہی سپرد کر رہا ہوں۔ سمجھتے ہو نا؟"

پیغام‌رساں ایک مقامی بانکا تھا جو ابائی سے بخوبی واقف تھا۔

اس نے اپنے اعلا افسروں کی موجودگی کے باعث چہرے پر تو درشتی کی کیفیت طاری رکھی لیکن دل ھی دل میں اس فخر کے ساتھ که ابائی نے اس پر اعتماد کیا ھے، معنیٰ‌خیز انداز میں سر ھلا دیا۔

"مختلف پڑاوؤں پر پیغام بھجوا دو" ابائی نے یربول اور ابیل‌غازی کو ھدایت کی۔ "میں چاھتا ھوں که تمام مرد گھوڑوں پر یا پیدل فوراً پہنچ جائیں۔ اس اثنا میں تم لوگ جاکے تمام نوکروں کو — بوڑھوں، جوانوں، مردوں، عورتوں، اصطبل میں کام کرنے‌والوں، بھشتیوں، باورچیوں غرضیکه جو بھی تمھیں ملے سب کو یہاں بلا لاؤ اور ذرا جلدی کرو۔"

خود ابائی اسی جگه انتظار کرنے لگا جہاں جیرین‌شے اور اس کے دوسرے دوستوں نے اسے چھوڑا تھا۔

لوگ، انتخابات سے متعلق خیموں کے ارد گرد اکٹھا ھونے لگے۔ سنتریوں اور پیغام‌رسانوں نے کوڑے گھماتے اور چیختے چلاتے ھوئے ان کو وھاں سے بھگایا لیکن وہ لوگ صرف تھوڑا ھی سا پیچھے ھٹے اور پھر کھڑے ھو گئے۔ بازارعلی بےگناہ تھا اور یقیناً ان لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے ھمدردی کے جذبات موجود تھے لیکن جہاں تک تکےجان کا تعلق تھا ھر ایک کو اس سے نفرت محسوس ھو رھی تھی۔ زیادہ‌تر تماشائی خراب کپڑے پہنے ھوئے تھے اور ان میں ابائی کے ساتھ آنے‌والے جاتق بھی شامل تھے۔ بازارعلی کی گرفتاری کا آخرکار انھیں علم ھو گیا تھا اور اب وہ کھڑے دھیرے دھیرے باتیں کرتے ھوئے کن‌انکھیوں سے ابائی کو دیکھ رھے تھے جو خاموشی سے انتظار کر رھا تھا۔

ابائی نے جس پیغام‌رساں سے بات کی تھی اس نے واپس آکے دبی زبان میں چند الفاظ کہے جس کے بعد ابائی ھجوم کے پاس گیا جہاں درکیم‌بائے، ابیل‌غازی اور یربول کھڑے ھوئے تھے۔

"میں حاکم اعلا کے خیمے میں جا رھا ھوں" اس نے ان سے کہا۔ "جیرین‌شے اور دوسرے بایوں سے پوچھ گچھ کی جا رھی ھے۔ بازارعلی بھی وھیں ھے۔ میں نے سنا ھے که افسر اعلا لوگوں کو کوڑے مارنا اور ذلیل کرنا پسند کرتا ھے۔ اس نے اس وقت اس طرح کی کوئی حرکت کی تو یه ھم لوگوں کے لئے باعث توھین ھوگی۔ میں تو یه تک گوارہ نہیں کر سکتا که بازارعلی اور اصیل‌بیک

کو کوڑے کی نوک بھی چھو جائے۔ تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو۔ ہم یہ نہیں برداشت کر سکتے کہ کسی بےگناہ کو مجرم قرار دیا جائے۔ یربول اور ابیل‌غازی میرے ساتھ آئیں گے۔"

وہ تینوں تین حصوں پر مشتمل خیمے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

ابائی کے الفاظ تیزی سے ہجوم میں پھیل گئے اور بانکوں، بوڑھوں اور جاتقوں کے چہروں سے ایک نیا عزم جھلکنے لگا۔

خیمے کے پہلے حصے میں صرف مسلح گارڈ، پولیس‌والے اور کلرک ہی موجود تھے۔ مقامی آدمی کوئی بھی نہ تھا۔ پوچھ گچھ ملحقہ حصے میں کی جا رہی تھی جہاں افسران دروازے کی طرف منھ کئے ہوئے ایک میز کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس پر سبز ریشمی میزپوش بچھا ہوا تھا۔ کمزور اور دبلا پتلا، جھکی ہوئی بےرنگ مونچھوں‌والا "تین‌تیک اویاز" کوشکین جس کے چہرے سے سردمہری اور برہمی ٹپکتی تھی، اعلا تفتیش‌کننده تھا۔ ابائی اندر داخل ہوا تو وہ اورازبائے پر چیختے چلاتے ہوئے زمین پر زور زور سے پاؤں پٹک رہا تھا۔ اس کے بغل میں ایک موٹا بھینگا مترجم توجہ سے اس کی طرف سر جھکائے کھڑا تھا۔

اورازبائے نے یا تو اس لئے کہ کوشکین کی بدتمیزی سے اس کے وقار کو ٹھیس لگی تھی یا پھر اس لئے کہ اس نے کھلے دروازے سے ابائی کو دیکھ لیا تھا، اپنا عام برتری کا انداز اختیار کر لیا اور بلند آواز سے مترجم کو مخاطب کیا:

"سنو، حاکم اعلا سے کہہ دو کہ میں اورال‌بائے نہیں ہوں۔ میں نہ تو مجرم ہوں نہ ہی مدعا علیہ–جیرین‌شے اور اصیل‌بیک نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہے اور میں بھی صرف یہی باتیں کہہ سکتا ہوں۔ اورال‌بائے کی حرکتوں کے لئے یہاں موجود افراد میں سے کسی کو بھی ذمےدار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ پورے قبیلے کا تو خیر کیا سوال خود اس شخص کے ماں باپ بھی جوابدہ نہیں ہو سکتے جسے لاپتہ ہوئے سال بھر سے زائد ہو چکا ہے۔ کوئی جوابدہ ہو سکتا ہے تو صرف سرکاری ذمےداران ہی جو اس کا پتہ لگانے اور گرفتار کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ بازارعلی کا بھی اس معاملے میں ذرا بھی تعلق نہیں۔ ہمارے وولوست حکمراں تکےجان

اگر اس معاملے میں بازارعلی کو ملوث کرتے ھیں تو ھم بائے لوگ ان کی تائید نہیں کر سکتے۔ بازارعلی بالکل بےگناہ ھیں۔ حاکم اعلا کے لئے میرے اوپر چیخنے چلانے کے بجائے یہ کہیں بہتر ھوگا کہ وہ مقامی لوگوں سے مشورہ کرکے اپنا کام انجام دیں۔ میں نے جو کچھ کہا ھے لفظ بہ لفظ وھی کہہ دو۔"

"اس نے اچھا رویہ اختیار کیا" ابائی نے یربول اور ابیل‌غازی سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ وہ وسطی خیمے کے دروازے پر یہ سننے کے لئے کھڑا ھو گیا کہ اورازبائے کی باتوں کا روسی میں کس طرح ترجمہ کیا جاتا ھے۔ گارڈوں نے اس کا راستہ روک لیا۔

"تم کون ھو؟ باھر ھی رھو!"

"میرے اوپر نہ گرجو! میں حاکم اعلا کوشکین سے ملنا چاھتا ھوں" ابائی نے روسی میں جواب دیا۔

گارڈوں پر تو اس کی اس بات کا خاک بھی اثر نہ ھوا لیکن ایک افسر کو جو اتفاقاً قریب کھڑا تھا، استیپیوں میں رھنےوالے کسی قزاخ کے منھ سے روسی الفاظ سن‌کے حیرت ھوئی اور اس نے بڑی دلچسپی سے ابائی کا جائزہ لیا۔

"ھم آپ کے لئے کیا کر سکتے ھیں؟" اس نے پوچھا۔ "آپ ھیں کون؟"

ابائی نے اپنی فر کی ٹوپی اتار لی اور تعظیماً سر کو خم کیا۔

"میں ابراھیم قونان‌بائیف ھوں، ایک عوامی آدمی" اس نے کہا اور پرامید طور پر آنکھیں اٹھائیں۔

افسر مسکرایا اور گارڈوں کو ایک طرف ڈھکیلتے ھوئے آگے بڑھا۔

"اچھا تو آپ ھیں ابراھیم قونان‌بائیف۔ میں آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا ھوں" اس نے مصافحے کے لئے اپنا ھاتھ آگے بڑھاتے ھوئے کہا۔ "آپ کے دوست نے جسے آپ لوگ اقباس اندرئیویچ کہتے ھیں، آپ کے متعلق مجھے بہت کچھ بتایا تھا۔ آپ سے مل‌کے واقعی بڑی خوشی ھوئی۔ مجھے اپنا تعارف کرانے کی اجازت دیجئے: کاؤنسلر لوسووسکی۔"

"آخر یہاں ھو کیا رھا ھے؟" ابائی نے اس سے مصافحہ کرتے

ہوئے پوچھا۔ "یہ تو ہم لوگوں کے لئے، عوام کے لئے باعث توہین ہے۔"

"میں آپ کے جذبات کو بخوبی سمجھتا ہوں" لوسووسکی نے رازداری سے اس کی طرف جھکتے اور اظہار ناپسندیدگی کے طور پر خفیف سا منھ بناتے ہوئے کہا۔ "یہی نہیں کہ عوام کو اس پر غصہ آتا ہے بلکہ یہ لاحاصل بھی ہے۔ عوام پر سختیاں کرکے ہم کچھ بھی نہیں حاصل کر سکتے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ ہر شخص کے کام کرنے کا اپنا ایک الگ طریقہ ہوتا ہے" دراصل جھلاہٹ کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے ان افسروں کو گویا نیچا دکھانے کے لئے جو ان لوگوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، گارڈوں کو اشارہ کیا کہ وہ ابائی کو وسطی خیمے میں آ جانے دیں۔

مترجم نے اورازبائے کے الفاظ کا ترجمہ ابھی ابھی ختم کیا تھا اور "تین‌تیک اویاز" بری طرح چیخ رہا تھا: "میں تمہیں دکھائے دیتا ہوں کہ یہ لوگ کتنے بےگناہ ہیں!" اس نے دو گارڈوں کو اشارہ کیا جنھوں نے بازارعلی کو زمین پر گرا دیا اور کوڑے مارنے لگے۔

"اسے فوراً بند کرو۔ آخر تمہاری ہمت کیسے پڑ رہی ہے!" ابائی تیزی سے اندر داخل ہوتے ہوئے چلایا۔ گارڈوں نے حیرت‌زدہ ہوکے اپنے کوڑے نیچے کر لئے اور کوشکین اپنی کرسی سے اچھل‌کے یوں کھڑا ہو گیا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"ارے تم کون ہو؟ تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟" وہ ابائی پر گرج پڑا۔ غصے سے اس کی مونچھیں کانپ رہی تھیں۔ ابائی نے جو کوشکین سے زیادہ طویل قامت تھا، اسے مجرم تصور کرنےوالی نگاہوں سے دیکھا۔ شدت جذبات سے اس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔

"میں تو محض ایک انسان ہوں، آپ البتہ حیوانوں جیسا طرز عمل اپنا رہے ہیں" اس نے روسی میں کہا۔ "یہ شرمناک حرکت فوراً ہی بند کرائیے!"

"ارے تم لوگ کھڑے کھڑے ہانپ کیا رہے ہو، اسے کوڑے مارو نا، کوڑے!" کوشکین شش و پنج میں مبتلا گارڈوں پر اپنی پوری آواز کے ساتھ چلایا۔ "اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے، میں تمہیں

جیل میں بند کرا دوں‌گا" اس نے ابائی کی آنکھوں میں اپنی انگلی تقریباً چبھوتے ہوئے سانپ کی طرح پھنکار ماری۔

گارڈوں نے ابائی کی چیخ پکار کی بالکل پروا نہ کی اور پھر کوڑے مارنے لگے لیکن "تین‌تیک اویاز" کے لئے صرف اتنا ھی کافی نہ تھا۔

"پچیس کوڑے! تیس! پچاس!" اس نے باری باری جیرین‌شے، اصیل‌بیک اور اورازبائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی غضبناک آواز میں گارڈوں کو حکم دیا۔

ابائی غصے سے پاگل ہو اٹھا۔ اب اس کے جذبات صرف برھمی تک ھی محدود نہیں تھے، وہ تصادم کے لئے بےتاب ہو رھا تھا، نتائج سے بالکل بےنیاز، مارنے مرنے پر تیار تھا۔

"اچھی بات ھے! ساری ذمےداری صرف تمھی پر عائد ھوگی!" اس نے چیختے ہوئے کوشکین سے کہا اور تیزی سے باھر جانے لگا۔

لوسووسکی جو خیمے میں داخل ھو رھا تھا، دروازے پر ابائی سے ٹکراتے بچا۔ ابائی کی غصے سے بھری ہوئی چیخوں نے اس پر پوری طرح واضح کر دیا تھا کہ عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ھو چکا ھے۔

"بہت ھو چکیں یہ شرمناک باتیں، کوشکین!" اس نے میز پر زور سے مکا مارتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑی بھیانک غلطی ھے۔ ان لوگوں سے ٹھہر جانے کو کہو۔"

کوشکین کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے اور گارڈوں کے اٹھے ہوئے کوڑے جیسے فضا میں معلق ھوکے رہ گئے۔ اس اثنا میں بازارعلی اچھل‌کے کھڑا ھو گیا۔

"خبردار ھو جاؤ، تکےجان۔ اب ھم ایک دوسرے کے دشمن ھو گئے!" اس نے چلاکے تکےجان سے کہا جو دھشت‌زدہ ھوکے روسی افسروں کے پیچھے ھو گیا تھا۔ "یہ لوگ مجھے نہیں میرے وقار کو کوڑے مار رھے ھیں! میں زندہ رہ گیا تو تمہیں اس کی قیمت چکانی ھوگی۔"

اس اثنا میں ان لوگوں کو باھر سے ابائی کی آواز سنائی دی۔

"یربول اور ابیل‌غازی، لوگوں کو یہاں لے آؤ، ان خیموں کو گرا دو۔"

ھجوم تو جیسے اشارے ھی کا منتظر تھا، پلک جھپکتے ھی میں چھوٹے ڈنڈے اور بھاری کوڑے چاروں طرف دکھائی دینے لگے اور درکیم‌بائے کے منھ سے "خیموں کو گرا دو" کے الفاظ پوری طرح نکل بھی نہیں پائے تھے کہ بہت سے ھاتھ، ڈنڈے اور کوڑے خیموں پر ٹوٹ پڑے اور فضا میں غبار کے بادل چھا گئے۔ خیموں کے لکڑی کے ڈھانچے یوں چرمرائے جیسے تیز آندھی کی زد میں ھوں۔ پولیس کے ایک آدمی نے ھوائی فائر کیا جس کی گولی وسطی خیمے کے "شنراق" میں لگی۔ گارڈوں نے بھی ھوائی فائر کئے لیکن اس اثنا میں "تین‌تیک اویاز" کے ھوش ٹھکانے لگ چکے تھے اور اس نے فائرنگ بند کئے جانے کا حکم دیا۔ گولی کی آوازوں سے کچھ بوڑھے سمٹ کے پیچھے ھٹ گئے لیکن ابائی نے جو کوشکیں کے حکم کو سمجھنےوالا واحد قزاخ تھا، دروازے سے پکارکے کہا: "آپ لوگ خوف‌زدہ نہ ھوں۔ اب انہیں گولی چلانے کی جرأت نہ ھوگی!" اس کے الفاظ کو یربول، درکیم‌بائے اور ابیل‌غازی نے دوھرایا:

"ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خیموں کو روند ڈالو، انہیں گرا دو!"

ھجوم جس میں جاتق خانہ بدوش آگے آگے تھے، باھری خیمے کے بغلی حصے پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے کیریگے اور اوویق ٹوٹ گئے اور وہ زمین پر آن گرا۔

نظم و نسق کے افسران دھشت‌زدہ ھوکے عقبی خیمے کو بھاگ گئے تو ابائی جھپٹ کے بازارعلی کے پاس پہنچا اور اس کی آستین پکڑ لی۔

"اب یہاں سے چل دو!"

بازارعلی چھلانگ لگاکے باھری خیمے کے ملبے تک پہنچ گیا۔ اصیل‌بیک، جیرین‌شے اور اورازبائے اس کے بالکل پیچھے تھے۔ آناً فاناً یہ چاروں ھجوم میں غائب ھو گئے۔ اس اثنا میں درکیم‌بائے، ابیل‌غازی اور یربول کی قیادت میں کثیر تعداد میں لوگ دھکم پیل کرتے وسطی خیمے میں پہنچ گئے۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی نہ کبھی قبائلی سردار رھا تھا نہ ھی بائے کے عہدے پر مامور ھوا تھا لیکن تینوں بااختیار افراد جیسا طرز عمل اپنائے ھوئے تھے

کیونکہ عوامی غصے کی لہر نے انہیں دوسروں سے بلند مرتبے پر پہنچا دیا تھا۔ "تین‌تیک اویاز" ہر نعرے پر تلملا اٹھتا تھا۔ لوگوں نے اس پر اور تکےجان پر مطالبات کی بوچھار شروع کر دی تھی۔ ابائی اب بالکل الگ تھلگ کھڑا تھا، ہجوم کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ خود ھی اپنی قوت سے انصاف حاصل کر لے۔

"ہم لوگ انتخابات نہ ھونے دیں‌گے!" تینوں بیک وقت چلائے۔ "تم لوگ یہاں انتخابات کرانے نہیں بلکہ ھمیں تباہ و برباد کرنے آئے ہو۔ یہاں سے دفاں ھو جاؤ، جلد از جلد چل دو۔ اب کوئی تمہارا حکم ماننےوالا نہیں۔"

یہ کہہ‌کے تینوں افراد پیچھے ہٹ‌کے ہجوم میں شامل ھو گئے لیکن بلند آوازیں کبھی ایک جگہ سے کبھی دوسری سے اب بھی ابھر رہی تھیں۔

"اپنے خیموں کو اکھاڑو اور واپس جاؤ!"

""تین‌تیک اویاز" کو خود ھی سب جھیلنا چاھئے!"

"اور اس کے چپڑقناتیوں کو بھی!"

"تم میں سے ایک ایک شخص وادی سے بھاگ لے!"

"جاتقو، اپنے خیمے واپس لے لو!"

"اپنا سامان لےکے اپنے گھروں کو جاؤ۔ بڑے بڑے افسر جولھے بھاڑ میں جائیں!"

"جی چاھے تو کھلے میدان میں بیٹھے رهیں!"

پھر ساری باتیں بڑی تیزی سے انجام پائیں۔ انتخابات سے متعلق سب خیمے، بس ان دو خیموں کو چھوڑکے جن میں نظم ونسق کے افسران کھچاکھچ بھرے ھوئے تھے، غائب ھو گئے۔ چاروں طرف لوگ اپنے اپنے خیموں کو اکھاڑ رہے تھے۔

جاتق قبائلی سب سے پہلے وھاں سے چل دئے لیکن بات یہیں پر نہیں ختم ھوئی۔ "جائےلاؤ" سے مویشیوں کے گلے بھی ھانک دئے گئے۔

اقتدار کا وہ مرکز جو چند گھنٹے قبل تک سارے یرعلی میں خوف کے جذبات بیدار کر رہا تھا، ایک بار پھر استیپی کی خالی زمین بن‌کے رہ گیا۔ سجا سجایا ھوا وہ پڑاؤ غائب ھو چکا تھا،

عوامی برهمی کی لہر میں بہہ چکا تھا۔ اب صرف کیریگیوں اور اوویقوں کا ملبہ باقی رہ گیا اور بارش کے بعد پانی کے کسی گڈھے میں ابھرے ہوئے بلبلوں کی طرح دو ٹیڑھے میڑھے خیمے۔

"تین‌تیک اویاز" اور اس کا سارا عملہ بڑی بےسر و سامانی کے عالم میں تھے، بےبس اور بےعزت، استیپیوں کے درمیان تنہا۔ دور دور تک ایک بھی قبائلی نظر نہیں آتا تھا۔ لوسووسکی سر ہلاتا اور ہنستا ہوا خیمے سے باہر نکلا۔

"کوئی آوارہ کتا تک باقی نہیں رہ گیا۔"

کوشکین خیالوں میں کھویا ہوا خیمے کے باہر ٹہل رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے زیادتی کی حد کر دی تھی نیز یہ کہ وہ خود ھی قصوروار تھا لیکن ایک ایسے غصے سے جس میں بےبسی کا عنصر بھی شامل تھا، اس کا خون کھول رہا تھا۔ لوسووسکی کے چہرے سے البتہ کوئی پریشانی نہیں جھلکتی تھی اور وہ خاصا پرسکون نظر آ رہا تھا۔

"قرغیزیا کی استیپیوں کو میں برسوں سے جانتا ہوں لیکن میں نے اس علاقے میں عوام کو اتنے زیادہ اتفاق رائے سے اقدام کرتے ہوئے اس سے قبل کبھی بھی نہیں دیکھا تھا" اس نے روکھےپن سے واقعے پر تبصرہ کیا۔ "خیر آپ کے لئے یہ ایک اچھا سبق ثابت ہوگا! آپ کے طریقے ناقابل معافی ھیں۔ آپ نے بڑے وحشیانہ انداز سے عوام کے منتخب کئے ہوئے لوگوں کو گالیاں دیں، انہیں بلا کسی قصور کے سزا دی... یقیناً شورش تو ھونی ھی تھی۔ آپ نے تو خود ھی اسے دعوت دی تھی! مجھے افسوس ھے لیکن میں نے جو کچھ دیکھا ھے اس کے بارے میں اپنی زبان نہیں بند رکھ سکتا۔ شہر میں ھم لوگ اس کے متعلق بات کریں گے..."

"تین‌تیک اویاز" کے پاس اس کے جواب میں کہنے کو تھا ھی کیا۔ اس نے صرف ھاتھ ھلایا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

صرف تکےجان، اس کے دو پیغام رساں اور قبائلی سردار روسی افسروں کے پاس ٹھہرے رھے لیکن یہ وولوست حکمراں بھی جو بہت زیادہ طاقتور تصور کیا جاتا تھا، اب بالکل بےبس ہوکے رہ گیا تھا۔ وہ ایک چٹکی چائے، چند سنبوسوں، پنیر کے ایک ٹکڑے بلکہ ایک گھونٹ پانی تک کا انتظام نہیں کر سکتا تھا۔

انتخابات کا سارا انتظام درهم برهم هو گیا تھا اور لوگوں کو ایک بار پھر اکٹھا کرنے کی کوشش کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ اب ”سیمی‌پالاتنسک لوٹ جانے کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہ گیا تھا اور کوشکین نے تکےجان کو گھوڑے فراهم کرنے کا حکم دیا۔ وولوست حکمراں سے کچھ بن نہ پڑا تو اس نے چار گاڑیوں میں جنہیں لوگ چھوڑ گئے تھے، خود اپنے گھوڑے جوت دئے۔ آخرکار اندھیرا هوتے هوتے افسران واپسی کے سفر کے لئے تیار هو گئے۔ گارڈوں کو ان کے پیچھے پیچھے پیدل چلنا پڑا۔

”تین‌تیک اویاز“ نے اپنی روانگی سے قبل تکےجان اور قبائلی سرداروں سے متعدد سوالات کرکے بیان جیسی ایک تحریر تیار کی تھی جسے وہ سرکاری ذمےداروں کو پیش کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور جس کا مقصد خود اپنے اقدامات کو جائز ثابت کرنا تھا۔

بیان میں کہا گیا تھا کہ تفتیش سے پتہ چلا هے کہ اورال‌بائے استیپیوں کا ایک بڑا ڈاکو اور بازارعلی اس کا خاص حمایتی اور عوام کا فطرتی اور چالاک رهنما هے۔ مقامی طور پر منتخب شدہ بایوں جیرین‌شے، اورازبائے اور دوسروں کے متعلق اس نے خیال ظاهر کیا تھا کہ وہ ڈاکوؤں سے ساز باز رکھتے هیں۔ چنگیز وولوست کے حکمراں تکےجان قونان‌بائیف کا بھائی ابراهیم بھی جو ابائی کے نام سے مشہور هے، ڈاکوؤں سے ملا هوا هے۔ بازارعلی اور ابائی نے غریب ملازمین، بھکاریوں اور انہی جیسے لوگوں پر مشتمل هجوم کو مشتعل کرکے انتخابات کے نظام کو درهم برهم کرا دیا۔ بیان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وولوست حکمراں تکےجان قونان‌بائیف اپنے عہدے کی ذمےداریوں پر پورے اترنے کا نااهل ثابت هوا هے۔ اس نے اورال‌بائے اور بازارعلی کی مدد تو نہیں کی اور بہ‌ظاهر ان کا مخالف بھی معلوم هوتا هے لیکن وہ عوام کو قابو میں رکھنے میں ناکام رها هے۔ وہ نظم و نسق کے خلاف اس عوامی شورش کو کچل بھی نہیں سکا۔ مختلف قبائلی گروہ افسروں کو غیرآباد استیپیوں میں اکیلے چھوڑکے جا رهے تھے تو تکےجان ایک بھی گروہ کو روکے رکھنے میں بھی کامیاب نہیں هو سکا۔ بازارعلی کو عوام نے زبردستی قید سے آزاد کرایا تو اس نے مزاحمت کی کوئی کوشش بھی نہیں کی۔اُن باتوں سے صاف ظاهر هوتا هے کہ خانہ‌بدوشوں کی نگاهوں

میں اسے ذرا بھی وقار حاصل نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائے اور اس کا نائب جبائے بوجیئیف عارضی طور پر وولوست حکمراں کے فرائض انجام دے۔

یہ تھا "تین‌تیک اویاز" کا فیصلہ جس سے اس نے یرعلی میں ٹھہرے ہوئے مترجم کو اپنی لاج رکھنے کے لئے محض اس وقت مطلع کیا جب وہ گاڑی میں سوار ہو رہا تھا۔ اور اس کے بعد ہی شہر روانہ ہو گیا۔

۳

سیمی‌پالاتنسک میں ابائی کی حراست کا یہ دسواں دن تھا۔

یوں تو یہ صحیح معنوں میں جیل نہیں بلکہ پولیس تھانے میں حراست کا ایک کمرہ تھا لیکن اس کی نگرانی عام جیلوں جیسی سختی سے ہی کی جاتی تھی۔ دروازہ مستقلاً مقفل رہتا تھا، کھڑکیاں بند رہتی تھیں اور قیدی باہری دنیا یعنی جیل کے کنجی‌بردار سے دروازے میں بنے ہوئے صرف ایک موکھے کے ذریعے ہی رابطہ قائم کر سکتا تھا لیکن گارڈ جو اونگھتی آنکھوں اور زرد چہروں‌والے معمر افراد تھے اور اقتدار کی علامت کے طور پر تلواروں سے مسلح رہتے تھے، اندر سے دروازہ بھڑبھڑائے جانے پر جب جی چاھتا توجہ دیتے، جب نہ جی چاھتا نہ دیتے۔

یہ ساری پابندیاں اس آزاد زندگی سے کہیں مختلف تھیں جو ابائی کو استیپیوں میں میسر تھی لیکن وہ خود کو اپنے نئے ماحول کا عادی بنا چکا تھا۔ اس کا زیادہ‌تر وقت مطالعے میں صرف ہوتا اور دن غیرمحسوس طور پر گزرتے جا رہے تھے۔

اسے کتابیں، اس کا پرانا شناسا وکیل اندرئیف فراہم کرتا تھا۔ اس نے ابائی کی گرفتاری کے دوسرے ہی دن مقدمے کی تفصیلات معلوم کرنے کے بہانے اس سے ملاقات کی تھی۔ اس کے بعد سے وہ ایک روز ناغہ کرکے دوسرے روز پابندی سے ملنے آتا اور ہر بار نئی کتابیں ساتھ لاتا۔

"بھئی میں تمہارے قیدخانے میں کچھ نئے دوستوں کو لایا ہوں" وہ مسکراتے ہوئے کہتا۔

ابائی کو اس سے پہریداروں کے کمرے میں ملاقات کرنے کی اجازت حاصل تھی لیکن یہ جگہ بھی اس کے حراست‌خانے کی طرح تاریک تھی اور یہاں بھی مکھیاں بھنبھناتی رہتی تھیں۔ اندرئیف ابائی سے دیر تک باتیں کرتا رہتا تھا تاکہ اس کے حوصلے بلند رہیں لیکن صورت حال جتنی سنگین تھی اسے وہ چھپاتا بھی نہیں تھا۔

"کسی افسر کے اپنے فرائض انجام دینے کے دوران اس کی توہین کرنا، کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔ میں تو خیر سمجھ سکتا ہوں کہ تمہارا غصہ حق بجانب اور تمہارا اقدام قابل تعریف تھا لیکن قانون کی نگاہ میں تمہارا اقدام بغاوت کے لئے اشتعال دلانے کے مرادف تھا اور اس کے نتائج بہت سنگین ہو سکتے ہیں۔ بہرحال دیکھتے ہیں کہ ذمےداران تمہارے خلاف کس الزام کو ترجیح دیتے ہیں۔"

اندرئیف نے ابائی سے ملاقات کرنے سے قبل ہی اپنے پرانے دوست لوسووسکی سے تمام تفصیلات معلوم کر لی تھیں۔ وکیل کا خیال تھا کہ مقدمے کے فیصلے کا بہت کچھ انحصار لوسووسکی کی شہادت پر ہوگا جو شہادت دینے کا خود بھی بہت زیادہ خواہاں تھا کیونکہ استیپیوں کے عوام پر حکمرانی سے متعلق کوشکین کے خیالات سے سخت اختلاف رکھتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ وہ اپنے چہرے پر نفرت بھری مسکراہٹ لائے بغیر کوشکین کا نام تک نہیں لے پاتا تھا اور اسے ظالم ضابطہ‌پرست حاکم تصور کرتا تھا۔ اس کے خیال میں شورش کوشکین کے من مانے اقدامات کا نتیجہ تھی اور ابائی نے محض اپنے وقار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔

اندرئیف اور لوسووسکی نے اس معاملے پر اپنے مشترکہ دوست میخائلوف کی موجودگی میں تبادلہ خیال کیا تھا۔ باعزم اور ذہین آدمی تھا، عمر تیس سے متجاوز ہو چکی تھی، چہرے پر چوڑی سی کالی کالی داڑھی تھی اور کنپٹیوں پر بالوں کے چھدرے ہو جانے سے کشادہ پیشانی کچھ اور بھی بڑی معلوم ہوتی تھی۔ ویسے تو پولیس، میخائلوف کی نگرانی کر رہی تھی لیکن اس کے دوستوں نے اسے ضلع نظم و نسق میں ملازمت دلوا دی تھی۔ وہ یہ سن‌کے کہ مقامی افسروں میں سے ایک نہایت ہی ممتاز افسر کو کیسی مہمل

صورت‌حال سے دوچار ہونا پڑا تھا، جی کھول کے ہنسا تھا اور استیپیوں کے اس نڈر آدمی سے متعارف ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی جس نے اس گھٹیا ظالم افسر کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا۔

وکیل کی آمد سے ابائی کو بڑی خوشی ہوتی تھی اور وہ اس خیال سے خود کو محفوظ تصور کرنے لگتا تھا کہ اس کی مدافعت ایسا قابل آدمی کر رہا ہے۔ اندرئیف نے اس کو کتابیں فراہم کرنے کی فوری طور پر اجازت حاصل کر لی تھی جو ابائی کو بےحد دلچسپ معلوم ہوتی تھیں۔ اسے ان کے مطالعے کے لئے دن کا وقت بہت ہی مختصر معلوم ہوتا چنانچہ وہ شام تک بلکہ رات میں بھی بلندی پر لٹکے ہوئے دھندلے لیمپ کے نیچے کھڑا مطالعہ کرتا رہتا۔ لیمپ کی بتی جھلملانے لگتی تو وہ مکے مار مار کے زور زور سے دروازہ بھڑبھڑاتا اور پہریدار جن میں سے زیادہ‌تر بوڑھے تھے، گہری نیند سے چونک کے شکایتی انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بڑی بےدلی کے ساتھ اٹھتے۔

"ذرا اس قزاخ کو تو دیکھو، خود کو بڑا مفکر تصور کرتا ہے۔ اس کے دادا دادی کو پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا تو اب یہ ان کے حصے کا بھی مطالعہ کئے ڈال رہا ہے۔ ارے بھئی پڑھنے کے لئے دن ناکافی ہوتا ہے کیا؟"

ابائی ان کے چست کئے ہوئے فقروں پر ہنستا، انہیں ان کے پہلے ناموں – سرگئی اور نکولائی سے مخاطب کرتا اور وہ لوگ اس کے پرسکون طرز عمل اور خوش‌اخلاقی سے متاثر ہو جاتے۔

"ارے سرگئی، تم تو جانتے ہی ہو جیل کھٹملوں سے بھرا پڑا ہے۔ میں سوؤں بھی تو کیسے؟ کتابیں میرا واحد سہارا ہیں۔ اور بھئی یہ بھی نہ بھولو کہ تیل کے سوا جیل کو میرے اوپر کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ میں تو کھانا تک نہیں کھاتا۔"

بوڑھا یوں تو بڑے ضدی انداز میں بحث کرتا لیکن بعد میں ہر بار تیل لاکے لیمپ میں ڈال لیتا۔

"تم نے بھی مطالعے کے لئے کیا شاندار جگہ تلاش کی ہے!" وہ بڑبڑاتا۔ "پڑھنے کی جگہ اسکول ہے جیل نہیں۔ اچھے لوگ تو بچپن ہی سے اسکول میں پڑھتے ہیں لیکن تم نے جیل میں بند کئے جانے تک کے لئے پڑھائی ملتوی کر رکھی تھی۔"

ابائی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس کی حراست پر جیل کے

مصارف نہ ہوئے کے برابر تھے کیونکہ وہ جیل کی بہت ھی کم غذا استعمال کرتا تھا۔ ھر روز اس کے دوست یربول اور بائےمغمبیت قمیز، شوربا اور چائے دے جاتے تھے۔ آخرالذکر کو ابائی نے گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لئے رکھ لیا تھا۔

ایک بڑے پیالے میں قمیز اور کپڑے میں لپٹا ھوا ابلا گوشت اور بسکٹ میز پر رکھے ھوئے تھے جنہیں ابائی نے چھوا تک نہیں تھا۔ کھانا نہ کھانے کا سبب فکریں نہیں بلکہ کمرے کی گھٹن اور گرمی تھی۔

گزشتہ شب وہ بہت کم سویا تھا اور صبح کو کل کے قمیز کے چند گھونٹ پی‌کے فوراً ھی مطالعے میں غرق ھو گیا تھا۔ کتاب جس کا نام "سوخاتی" تھا، کچھ دلیر روسیوں کے ایک گروہ کی داستان تھی۔ ھیرو جائز طور پر بدلہ لینےوالا بہادر سوخاتی تھا جو ایک گھنے جنگل میں اپنے دوستوں کے ساتھ رھتا اور سفر کرتے ھوئے سرکاری افسروں پر چھاپے مارتا تھا۔ ابائی کو وہ تاثرات یاد آئے جو گزشتہ سال موسم بہار میں "دوبرووسکی" کے مطالعے سے اس کے ذھن میں ابھرے تھے۔ اس نے ولادیمیر کے بارے میں سوچا۔ اس نے اپنے گھر میں جو بددیانت افسروں سے بھرا ھوا تھا، آگ لگا دی تھی اور عزت اور آن کی بےحرمتی کا بدلہ لئے جانے کے تصور سے ایک بار پھر اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اسے خیال آیا کہ ایسی ھی باتوں سے انسان میں جرأت پیدا ھوتی ھے۔ کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا تھا اس سے ملتا جلتا ایک تجربہ تو خود اسے بھی ھو چکا تھا۔ وہ سارا واقعہ اسے کتنی اچھی طرح یاد تھا! "تین‌نیک اویاز"، گارڈ اور پولیس‌والے سب کے سب عقبی خیمے میں سہمے سمٹے کھڑے تھے۔ خیمے کی بلیاں چرمرا رھی تھیں اور ھجوم شور مچا رھا تھا۔ سب کچھ ویسا ھی تھا جیسا کہ مصنفین نے ان کتابوں میں بیان کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جب تشدد کے خلاف مدافعت کا سوال اٹھتا تھا، جب لوگوں پر ھونےوالی زیادتیوں کا بدلا لینے کی بات ھوتی تھی تو مختلف زبانیں بولنے اور مختلف ملکوں میں رھنے کے باوجود عوام ایک جیسے اقدامات کیا کرتے تھے۔ مختلف علاقوں کے عوام اور مختلف قومیں تشدد اور بےانصافی کو چپ چاپ نہ برداشت کر سکنے کے معاملے میں بالکل ایک جیسے

تھے۔ اس بات کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا تھا کہ عوامی اقدامات کے لئے جو چیزیں محرک ثابت ہوتی تھیں وہ جرگے، قبیلے یا نسل سے متعلق جذبات اور تصورات پر مبنی نہ تھیں۔ دراصل یہ یکساں نوعیت کے مصائب تھے جن کی بنا پر عوام غصے سے بھڑک اٹھتے تھے۔ کتاب ابائی کے گھٹنوں پر کھلی پڑی تھی اور وہ گہرے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔

زنگ‌آلود دروازے کی چرمراھٹ سے وہ چونک پڑا۔ وارڈر خوموتوف اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ جب بھی آتا وکیل یا تفتیش کرنےوالے افسر کی آمد کا اعلان کرتا تھا۔ ابائی کو حیرت ہوئی کیونکہ اس روز وہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی آمد کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ کیا اسے رہا کیا جانےوالا ہے؟ یہ خیال اچانک اس کے ذہن میں بڑی تیزی سے ابھرا۔ وہ وارڈر سے ملنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا لیکن وہ دروازے ہی میں ٹھہر گیا۔

"قونان‌بائیف، پہریداروں کے کمرے میں چلو" اس نے اکھڑپن سے کہا۔ "پڑاؤ پر سے تمہارا باپ تم سے ملنے آیا ہے۔"

وہ شکستہ‌دلی اور مایوسی کے ساتھ وارڈر کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ "آخر اباجان کو اتنی دور تک اپنی بوڑھی ہڈیاں گھسیٹنے کی ایسی کیا ضرورت پڑی تھی؟" اس نے پہریداروں کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سوچا۔ وہاں متعدد افراد اس کے منتظر تھے جن میں یربول اور بائےمغم‌بیت سب سے آگے تھے۔ لوگوں سے صاحب سلامت کرتے ہوئے ابائی کی نظریں اپنے والد کو تلاش کرنے لگیں لیکن اس نیم تاریک کمرے میں اسے صرف درکیم‌بائے نظر آیا۔ قونان‌بائے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"ارے اباجان کہاں ہیں؟" ابائی نے پوچھا۔ "مجھ سے تو کہا گیا تھا..."

یربول نے آگاھی کے طور پر اسے کہنی ماری۔

"آج درکیم‌بائے تمہارے والد ہیں" وہ جلدی سے بائےمغم‌بیت کو مخاطب کرنے کے بہانے بول پڑا۔ "ورنہ یہ لوگ ہمیں اندر ہی نہ آنے دیتے..."

ابائی جانکاری کے ساتھ مسکرایا اور درکیم‌بائے کی طرف مصافحے کے لئے ھاتھ بڑھایا جس نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"میرے بیٹے، میری ضعیفی کے سہارے" وہ ابائی کا بوسہ لیتے ہوئے پکار اٹھا۔

خوموتوف کی مٹھی یربول نے خوب گرم کر دی تھی اور اب اسے یقین ہو گیا کہ بوڑھا واقعی ابائی کا باپ ہے۔ وہ ان لوگوں کو اطمینان سے باتیں کرنے کے لئے چھوڑکے چلا گیا۔

اب ابائی نے دونوں دوسرے ملاقاتیوں کو جنھیں پہلے ٹھیک سے پہچان نہیں سکا تھا، ذرا غور کے ساتھ دیکھا اور فرط انبساط سے دونوں طویل قامت بانکوں سے جو بہت چپ چاپ کھڑے تھے، بغلگیر ہو گیا۔ اسے سخت حیرت ہوئی کیونکہ ان دونوں میں کسی کو بھی سیمی‌پالاتنسک تو درکنار بلکہ ارغیزبایوں کے کسی پڑاؤ تک پر اپنی صورت دکھانے کی جرأت نہ ہونی چاهئے تھی نہ کہ کوشکین کے پولیس تھانے میں!

ارغیزبایوں کو یقین تھا کہ دراصل جیگی‌تیک جرگےوالے ہی جھگڑے کی جڑ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ معاملہ اورال‌بائے کی وجہ سے شروع ہوا تھا اور اسے بازارعلی اور ابیل‌غازی نے بعد میں سنگین صورت دے دی تھی۔ انہی دونوں کے بارے میں تکےجان اور دوسرے ارغیزبائے سرداروں نے "تین‌تیک اویاز" سے شکایت کی تھی۔ انہی نے یرعلی میں جھگڑے کے لئے اشتعال دلایا تھا، جاتقوں کو خیمے اکھاڑ لینے کے لئے اکسایا تھا۔ ابائی نے تفتیش کرنےوالے افسر کے سوالات سے نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ان دونوں کے اقدامات کو اسی روشنی میں دیکھا جا رہا ہے۔ اس نے پوچھ گچھ کے دوران ان لوگوں کا نام تک نہیں لیا تھا حالانکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس طرح وہ تفتیش اور اپنی قید کو محض طول دے رہا ہے۔

یرعلی کے واقعات کے بعد تکےجان کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ ابائی کو پوچھ گچھ کے لئے شہر میں طلب کیا گیا تھا جہاں اس کی گرفتاری عمل میں آ گئی تھی جبکہ بازارعلی اور ابیل‌غازی فرار ہو گئے تھے۔ اور اب جبکہ سارا نظم ونسق ان کا مخالف تھا، ان دونوں نے اس سے ملاقات کرنے کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ ابائی حیران و ششدر رہ گیا۔ صرف سچے ساتھی اور احباب ہی ایسی جرأت کا مظاهرہ کر سکتے تھے۔

"بھئی دوستو، آخر تم شیر کی مانند میں کیوں داخل ہو گئے؟"

اس نے پوچھا۔ "کیا یہاں اس لئے آئے کہ ارغیزبایوں نے میری وجہ سے تمہارے پانی کو زہر میں اور کھانے کو پتھر میں تبدیل کر دیا ہے؟ یا پھر وہ لوگ تمہارے گلے میں رسیوں کے پھندے ڈال کر یہاں لائے ہیں؟"

"ارے ابائی، اس بار تمہارا اندازہ غلط نکلا" بازارعلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کا بس چلتا تو وہ تمام جیگی‌تیکیوں کو یہاں گھسیٹ لاتے لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم پر یہاں آنے کے لئے کسی نے زبردستی نہیں کی۔ تمہارے بوڑھے دوست درکیم‌بائے اور بہادر ابیل‌غازی نے کہا کہ وہ تمہارے پاس آنا چاہتے ہیں اور پکڑ بھی لئے گئے تو جیل، محل جیسا آرام‌دہ معلوم ہوگا۔ تمہاری جگہ تکےجان یہاں ہوتا تو ہم لوگ آنے کا تصور تک نہ کر سکتے۔"

درکیم‌بائے اور ابیل‌غازی نے تائید میں سر ہلائے۔

"آخر ہم لوگوں کی وجہ سے تم کیوں قید میں رہو" درکیم‌بائے نے کہنا شروع کیا۔ "تمہاری حمایت میں کچھ کہنے کے لئے ہم میں نہ کوئی صلاحیت ہے نہ عقل۔"

"ہم لوگ تمہاری جگہ پر یہاں ٹھہریں‌گے" ابیل‌غازی بول پڑا۔ "آخر ہم ہیں ہی کس کام کے؟ عوام کو تمہاری ضرورت ہے تاکہ تم ان کے غم و آلام کا مداوا کرو۔ تم ہماری مدد کرنا چاہوگے تو ہمیں قید سے رہا کرا لوگے کیونکہ تم باہمت اور اچھے رہبر ہو۔ اس لئے اب ہمیں اپنی جگہیں بدل لینی چاہئیں۔"

ابائی نے "تین‌تیک اویاز" کے خیمے میں تصادم کے موقعے پر مختصر ملاقات کے سوا بازارعلی کو اوسپان سے اپنی بات‌چیت کے بعد دیکھا تک نہیں تھا۔ یوں تو وہ اس وقت درکیم‌بائے اور ابیل‌غازی کا حوالہ دے رہا تھا لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دراصل خود اسی کی تحریک پر وہ لوگ وہاں پہنچے تھے۔ اس کا رویہ معاف کر دئے جانے کی درخواست جیسا تھا۔ اس نے بلا کسی جھجک کے اپنی آن کو قربان کرکے اپنا مقدر ابائی کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔

ابائی نے ذرا دیر تک سوچنے کے بعد اپنی شفاف چمکیلی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"اونٹ کی آزمائش سفر کے دوران اور بہادر شخص کی مصیبت کے وقت ہوتی ہے۔ دوستو، تم نے اپنے طرز عمل سے مجھے بےپناہ

مصارف نہ ہونے کے برابر تھے کیونکہ وہ جیل کی بہت ہی کم غذا استعمال کرتا تھا۔ ہر روز اس کے دوست یربول اور بائےمغمبیت قمیز، شوربا اور چائے دے جاتے تھے۔ آخرالذکر کو ابائی نے گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لئے رکھ لیا تھا۔

ایک بڑے پیالے میں قمیز اور کپڑے میں لپٹا ہوا ابلا گوشت اور بسکٹ میز پر رکھے ہوئے تھے جنہیں ابائی نے چھوا تک نہیں تھا۔ کھانا نہ کھانے کا سبب فکریں نہیں بلکہ کمرے کی گھٹن اور گرمی تھی۔

گزشتہ شب وہ بہت کم سویا تھا اور صبح کو کل کے قمیز کے چند گھونٹ پی کے فوراً ہی مطالعے میں غرق ہو گیا تھا۔ کتاب جس کا نام "سوخاتی" تھا، کچھ دلیر روسیوں کے ایک گروہ کی داستان تھی۔ ہیرو جائز طور پر بدلہ لینےوالا بہادر سوخاتی تھا جو ایک گھنے جنگل میں اپنے دوستوں کے ساتھ رہتا اور سفر کرتے ہوئے سرکاری افسروں پر چھاپے مارتا تھا۔ ابائی کو وہ تاثرات یاد آئے جو گزشتہ سال موسم بہار میں "دوبرووسکی" کے مطالعے سے اس کے ذہن میں ابھرے تھے۔ اس نے ولادیمیر کے بارے میں سوچا۔ اس نے اپنے گھر میں جو بددیانت افسروں سے بھرا ہوا تھا، آگ لگا دی تھی اور عزت اور آن کی بےحرمتی کا بدلہ لئے جانے کے تصور سے ایک بار پھر اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اسے خیال آیا کہ ایسی ہی باتوں سے انسان میں جرأت پیدا ہوتی ہے۔ کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا تھا اس سے ملتا جلتا ایک تجربہ تو خود اسے بھی ہو چکا تھا۔ وہ سارا واقعہ اسے کتنی اچھی طرح یاد تھا! "تین‌نیک اویاز"، گارڈ اور پولیس‌والے سب کے سب عقبی خیمے میں سہمے سمٹے کھڑے تھے۔ خیمے کی بلیاں چرمرا رہی تھیں اور ھجوم شور مچا رہا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا کہ مصنفین نے ان کتابوں میں بیان کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جب تشدد کے خلاف مدافعت کا سوال اٹھتا تھا، جب لوگوں پر ہونےوالی زیادتیوں کا بدلا لینے کی بات ہوتی تھی تو مختلف زبانیں بولنے اور مختلف ملکوں میں رہنے کے باوجود عوام ایک جیسے اقدامات کیا کرتے تھے۔ مختلف علاقوں کے عوام اور مختلف قومیں تشدد اور بےانصافی کو چپ چاپ نہ برداشت کر سکنے کے معاملے میں بالکل ایک جیسے

تھے۔ اس بات کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا تھا کہ عوامی اقدامات کے لئے جو چیزیں محرک ثابت ہوتی تھیں وہ جرگے، قبیلے یا نسل سے متعلق جذبات اور تصورات پر مبنی نہ تھیں۔ دراصل یہ یکساں نوعیت کے مصائب تھے جن کی بنا پر عوام غصے سے بھڑک اٹھتے تھے۔ کتاب ابائی کے گھٹنوں پر کھلی پڑی تھی اور وہ گہرے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔

زنگ‌آلود دروازے کی چرمراہٹ سے وہ چونک پڑا۔ وارڈر خوموتوف اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ جب بھی آتا وکیل یا تفتیش کرنےوالے افسر کی آمد کا اعلان کرتا تھا۔ ابائی کو حیرت ہوئی کیونکہ اس روز وہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی آمد کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ کیا اسے رہا کیا جانےوالا ہے؟ یہ خیال اچانک اس کے ذہن میں بڑی تیزی سے ابھرا۔ وہ وارڈر سے ملنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا لیکن وہ دروازے ہی میں ٹھہر گیا۔

"قونان‌بائیف، پہریداروں کے کمرے میں چلو" اس نے اکھڑپن سے کہا۔ "پڑاؤ پر سے تمہارا باپ تم سے ملنے آیا ہے۔"

وہ شکستہ‌دلی اور مایوسی کے ساتھ وارڈر کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ "آخر اباجان کو اتنی دور تک اپنی بوڑھی ہڈیاں گھسیٹنے کی ایسی کیا ضرورت پڑی تھی؟" اس نے پہریداروں کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سوچا۔ وہاں متعدد افراد اس کے منتظر تھے جن میں یربول اور بائےمغم‌بیت سب سے آگے تھے۔ لوگوں سے صاحب سلامت کرتے ہوئے ابائی کی نظریں اپنے والد کو تلاش کرنے لگیں لیکن اس نیم تاریک کمرے میں اسے صرف درکیم‌بائے نظر آیا۔ قونان‌بائے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"ارے اباجان کہاں ہیں؟" ابائی نے پوچھا۔ "مجھ سے تو کہا گیا تھا..."

یربول نے آگاہی کے طور پر اسے کہنی ماری۔

"آج درکیم‌بائے تمہارے والد ہیں" وہ جلدی سے بائےمغم‌بیت کو مخاطب کرنے کے بہانے بول پڑا۔ "ورنہ یہ لوگ ہمیں اندر ہی نہ آنے دیتے..."

ابائی جانکاری کے ساتھ مسکرایا اور درکیم‌بائے کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا جس نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"میرے بیٹے، میری ضعیفی کے سہارے" وہ ابائی کا بوسہ لیتے ہوئے پکار اٹھا۔

خوموتوف کی مٹھی یربول نے خوب گرم کر دی تھی اور اب اسے یقین ہو گیا کہ بوڑھا واقعی ابائی کا باپ ہے۔ وہ ان لوگوں کو اطمینان سے باتیں کرنے کے لئے چھوڑکے چلا گیا۔

اب ابائی نے دونوں دوسرے ملاقاتیوں کو جنہیں پہلے ٹھیک سے پہچان نہیں سکا تھا، ذرا غور کے ساتھ دیکھا اور فرط انبساط سے دونوں طویل قامت بانکوں سے جو بہت چپ چاپ کھڑے تھے، بغلگیر ہو گیا۔ اسے سخت حیرت ہوئی کیونکہ ان دونوں میں کسی کو بھی سیمیپالاتنسک تو درکنار بلکہ ارغیزبایوں کے کسی پڑاؤ تک پر اپنی صورت دکھانے کی جرأت نہ ہونی چاہئے تھی نہ کہ کوشکین کے پولیس تھانے میں!

ارغیزبایوں کو یقین تھا کہ دراصل جیگیتیک جرگےوالے ہی جھگڑے کی جڑ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ معاملہ اورالبائے کی وجہ سے شروع ہوا تھا اور اسے بازارعلی اور ابیلغازی نے بعد میں سنگین صورت دے دی تھی۔ انہی دونوں کے بارے میں تکےجان اور دوسرے ارغیزبائے سرداروں نے "تینتیک اویاز" سے شکایت کی تھی۔ انہی نے یرعلی میں جھگڑے کے لئے اشتعال دلایا تھا، جاتقوں کو خیمے اکھاڑ لینے کے لئے اکسایا تھا۔ ابائی نے تفتیش کرنےوالے افسر کے سوالات سے نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ان دونوں کے اقدامات کو اسی روشنی میں دیکھا جا رہا ہے۔ اس نے پوچھ گچھ کے دوران ان لوگوں کا نام تک نہیں لیا تھا حالانکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس طرح وہ تفتیش اور اپنی قید کو محض طول دے رہا ہے۔

یرعلی کے واقعات کے بعد تکےجان کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ ابائی کو پوچھ گچھ کے لئے شہر میں طلب کیا گیا تھا جہاں اس کی گرفتاری عمل میں آ گئی تھی جبکہ بازارعلی اور ابیلغازی فرار ہو گئے تھے۔ اور اب جبکہ سارا نظم ونسق ان کا مخالف تھا، ان دونوں نے اس سے ملاقات کرنے کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ ابائی حیران و ششدر رہ گیا۔ صرف سچے ساتھی اور احباب ہی ایسی جرأت کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔

"بھئی دوستو، آخر تم شیر کی ماند میں کیوں داخل ہو گئے؟"

اس نے پوچھا۔ "کیا یہاں اس لئے آئے کہ ارغیزبایوں نے میری وجہ سے تمہارے پانی کو زھر میں اور کھانے کو پتھر میں تبدیل کر دیا ھے؟ یا پھر وہ لوگ تمہارے گلے میں رسیوں کے پھندے ڈال کر یہاں لائے ھیں؟"

"ارے ابائی، اس بار تمہارا اندازہ غلط نکلا" بازارعلی نے مسکراتے ھوئے کہا۔ "ان لوگوں کا بس چلتا تو وہ تمام جیگی‌تیکیوں کو یہاں گھسیٹ لاتے لیکن جہاں تک ھمارا تعلق ھے ھم پر یہاں آنے کے لئے کسی نے زبردستی نہیں کی۔ تمہارے بوڑھے دوست درکیم‌بائے اور بہادر ابیل‌غازی نے کہا کہ وہ تمہارے پاس آنا چاھتے ھیں اور پکڑ بھی لئے گئے تو جیل، محل جیسا آرام‌دہ معلوم ھوگا۔ تمہاری جگہ تکےجان یہاں ھوتا تو ھم لوگ آنے کا تصور تک نہ کر سکتے۔"

درکیم‌بائے اور ابیل‌غازی نے تائید میں سر ھلائے۔

"آخر ھم لوگوں کی وجہ سے تم کیوں قید میں رھو" درکیم‌بائے نے کہنا شروع کیا۔ "تمہاری حمایت میں کچھ کہنے کے لئے ھم میں نہ کوئی صلاحیت ھے نہ عقل۔"

"ھم لوگ تمہاری جگہ پر یہاں ٹھہریں‌گے" ابیل‌غازی بول پڑا۔ "آخر ھم ھیں ھی کس کام کے؟ عوام کو تمہاری ضرورت ھے تاکہ تم ان کے غم و آلام کا مداوا کرو۔ تم ھماری مدد کرنا چاھوگے تو ھمیں قید سے رھا کرا لوگے کیونکہ تم باھمت اور اچھے رھبر ھو۔ اس لئے اب ھمیں اپنی جگہیں بدل لینی چاھئیں۔"

ابائی نے "تین‌تیک اویاز" کے خیمے میں تصادم کے موقعے پر مختصر ملاقات کے سوا بازارعلی کو اوسپان سے اپنی بات‌چیت کے بعد دیکھا تک نہیں تھا۔ یوں تو وہ اس وقت درکیم‌بائے اور ابیل‌غازی کا حوالہ دے رھا تھا لیکن صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ دراصل خود اسی کی تحریک پر وہ لوگ وھاں پہنچے تھے۔ اس کا رویہ معاف کر دئے جانے کی درخواست جیسا تھا۔ اس نے بلا کسی جھجک کے اپنی آن کو قربان کرکے اپنا مقدر ابائی کے ھاتھوں میں دے دیا تھا۔

ابائی نے ذرا دیر تک سوچنے کے بعد اپنی شفاف چمکیلی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"اونٹ کی آزمائش سفر کے دوران اور بہادر شخص کی مصیبت کے وقت ھوتی ھے۔ دوستو، تم نے اپنے طرز عمل سے مجھے بےپناہ

مسرت دی ہے۔ یہ ہیں سفید بالوں‌والے سن رسیدہ درکیم‌بائے جو مجھے خطرے میں دیکھ‌کر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں بہادر بھی یہی ٹھانے ہوئے ہو۔ اس صورت میں بھلا کون سی آگ مجھے خوف‌زدہ کر سکتی ہے؟ اور میں آخر خطرے سے فرار کیوں کروں؟" وہ ہنس پڑا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا: "اور سچ پوچھو تو مجھے ایسا کوئی خاص خطرہ بھی نہیں۔ "تین‌تیک اویاز" کے ہوائی فائر مجھے ہلاک کرنے سے رہے۔ابھی تک تو صحیح معنوں میں کوئی آفت مجھ پر پڑی نہیں۔ مستقبل کے معاملے میں بھی پرامید ہوں۔ روسیوں میں میرے ایک دوست ہیں۔ میں تم لوگوں کو ان کے بارے میں بتا بھی چکا ہوں۔ انہوں نے متعدد قابل اعتماد افراد ڈھونڈ لئے ہیں اور ان میں سے ایک شخص عقلمند اور دیانت‌دار کاؤنسلر ہے۔ اس نے "تین‌تیک اویاز" کے شرمناک اقدامات کو خود اپنی آنکھوں سے دیھا تھا اور گواہی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس وقت یہ ہے صورت حال۔ مجھے انہی چند دنوں کے اندر ہی کسی روز "تین‌تیک اویاز" کا سامنا کرنا پڑےگا اور میں جانتا ہوں کہ ہمارے یہ سیدھے سادے درکیم‌بائے اس افسر کے ہم‌پلہ نہ ثابت ہو سکیں‌گے" اس نے اپنی بات ہنسی مذاق کے انداز میں مکمل کی۔

"بازارعلی، یہ سچ ہے کہ تم خوش‌بیانی میں کسی بھی قزاخ کا مقابلہ کر سکتے ہو" اس نے اسی مزاحیہ انداز میں کہا۔ "لیکن اس بار مجھے بھی اپنی صلاحیتوں کے مظاہرے کی اجازت دو۔ جتنے زیادہ لوگ بحث میں ملوث ہوں‌گے، بحث اتنی ہی زیادہ دشوار ہو جائےگی۔ شکایات اور درخواستوں کا تانتا بندھ جائےگا اور مقدمہ کبھی ختم ہونے کا نام ہی نہ لےگا۔ نہیں میرے دوستو، یہاں تم لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اپنے اپنے پڑاؤ پر واپس جاؤ۔"

وہ ان لوگوں سے باری باری بغلگیر ہوا اور انہیں رخصت کر دیا۔

بازارعلی اور درکیم‌بائے نے یربول کے مشورے پر سیمی‌پالاتنسک ہی میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اور تاتار محلے میں جہاں استیپیوں کے قزاخ شاذ و نادر ہی جاتے تھے، جائے پناہ تلاش کر لی۔ اندھیرا ہونے

کے بعد دونوں یربول سے ملے اور طے پایا کہ ابائی کے مقدمے میں اگر پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں اور اسے سنگین سزا ملنے کا اندیشہ پیدا ہوا تو یرعلی کے ہلڑ ہنگامے کی ساری ذمےداری بازارعلی خود اپنے سر لے لےگا۔

ابائی کی جان بچانے کے لئے بازارعلی اپنی قربانی پیش کرنے کو تیار تھا۔ جہاں تک نورغانیم سے اس کے تعلقات کا سوال تھا، وہ نہ تو اپنے جذبات کا گلا گھونٹ سکتا تھا نہ ھی نورغانیم کی والہانہ محبت کو ٹھکرا سکتا تھا۔ اسے اس بات کی بھی فکر نہ تھی کہ اس معاملے میں کوئی کیا سوچتا ہے لیکن ایک شخص کا ضرور لحاظ تھا اور وہ تھا ابائی۔ وہ سوچتا رھتا تھا کہ ابائی کو کبھی اس قصے کا علم ہو گیا تو بہتر ہوگا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ شرم کے مارے اس میں سما جائے۔ اسے کیا خبر تھی کہ ابائی کو سب کچھ معلوم ھے لیکن ابائی نے اپنے ذاتی جذبات کو اپنی معاشرتی ذمےداریوں میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ پہریداروں کے کمرے میں ابائی سے باتیں کرنے کے بعد بازارعلی کی الجھنیں کچھ کم ہو گئیں۔

"یہ بالکل سچی کہاوت ہے: "بانکے کو کوئی اچھا دوست نہیں ملتا تو وہ تباہ ہو جاتا ہے اور عوام کو کوئی اچھا رھنما نہیں ملتا تو وہ تباہ ہو جاتے ھیں"۔ مجھے دوست بھی مل گیا ہے اور رھنما بھی۔ اب یہ بات بالکل طے ہو چکی ھے کہ یا تو ابائی رہا کیا جائےگا اور گھر واپس لوٹےگا یا بازارعلی اب کبھی اپنے پڑاؤ پر منہ نہ دکھائےگا اور جلاوطن ہو جائےگا۔ اور وہ بلا کسی پس و پیش کے ایسا کرےگا کیونکہ اس نے ابائی سے سیکھ لیا ہے کہ اصلی آن انسان کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے، جھوٹے گھمنڈ میں نہیں۔"

درکیمبائے نے بازارعلی کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"ابائی کہتے ھیں: "دشمنوں کے سامنے کبھی سر نہ جھکاؤ اور دوستوں پر ھر چیز حتیٰکہ ضرورت پڑے تو اپنی زندگی تک قربان کر دو"۔ کتنا روشن دماغ شخص ہے!"

ابائی کی قید تنہائی سے لوگوں کی نگاھوں میں اس کی عزت بڑھ گئی، اسے شہرت نصیب ہوئی اور اس کا حلقہ احباب برابر وسیع ہوتا گیا۔ یربول نے اسے یہ سب تو بتایا لیکن تینیبائے کے

سمدھی، دوست اور شہر کے قریب ھی ارتیش دریا کے کنارے رھنےوالے امیر تاجر الدیکے کی بیٹی سلطنت اس کی ذات میں جس طرح دلچسپی لے رھی تھی اس کے متعلق کچھ نہ بتایا۔

دریا کے کنارے آباد بستیوں کی زندگی استیپیوں کی بستیوں سے بہت مختلف تھی۔ یہاں رھنےوالے کھیتی کرتے اور اپنا غلہ فروخت کرتے تھے۔ یہ لوگ شہر کی زندگی کے لئے اجنبی نہ تھے کیونکہ اکثر اپنی پیدا کی ھوئی مختلف اشیا فروخت کرنے کے لئے بازاروں اور میلوں میں لایا کرتے تھے۔ توبیق‌تی قبیلے کے برعکس یہ لوگ لکڑی کے لٹھوں کے بنے ھوئے گھروں میں رھتے تھے جن کے ارد گرد اناج رکھنے کی کوٹھریاں اور دوسری چھوٹی جگہیں بنی ھوئی تھیں۔

سلطنت جس کی ایک امیر قبائلی گروہ میں منگنی ھو چکی تھی، خریداری کرنے کے لئے اپنی چھوٹی ماں کے ساتھ شہر آئی ھوئی تھی۔

اسے ابائی کے قید میں ھونے کی وجہ سے تشویش تھی اور ابائی کی بہن ماکیش سے اکثر پوچھتی رھتی تھی کہ اس معاملے میں کیا کیا جانا چاھئے نیز یہ کہ بدترین بات کیا ھے جو پیش آ سکتی ھے۔

ایک روز صبح کو سلطنت، اس کی ماں، ماکیش اور تینی‌بائے کی بڑی بیوی چائے پی رھی تھیں تو یربول کمرے میں داخل ھوا۔ "کہو بھئی ابائی کے مقدمے کا کیا حال ھے؟ وکیل کیا کہتا ھے؟ کیا اسے رھا کر دیا جائےگا؟" ماکیش اور تینی‌بائے کی بڑی بیوی نے اس سے دریافت کیا۔

یربول کی نگاھیں سلطنت پر جسے وہ نہیں جانتا تھا، جم‌کے رہ گئیں اور اس نے جواب دینے میں ھچکچاھٹ دکھائی۔ لڑکی کے چہرے پر حیا کی سرخیاں چھا گئیں۔ اس نے اپنی چمکیلی آنکھیں اٹھاکے یربول کی طرف دیکھا اور آگے کی طرف کچھ جھک سی گئی۔ اس کا سارا رویہ جیسے یربول سے منت کر رھا تھا: "مجھ سے کچھ راز میں نہ رکھئے!"

ماکیش نے فوراً ھی یربول کی الجھن ختم کر دی: "آپ آزادی سے باتیں کر سکتے ھیں۔ یہاں سب اپنے ھی ھیں، کوئی غیر تھوڑی ھے۔"

یربول نے مختصراً بتایا:

"اقباس اندرئیویچ اور ابائی دونوں امید کر رہے ہیں کہ مقدمہ جلد ہی ختم ہو جائےگا۔ ہمیں تفصیلات کا علم نہیں۔ اقباس اندرئیویچ کا کہنا ہے کہ تفتیش مکمل ہوتے ہی ابائی کو فوراً ضمانت پر رہا کر دیا جائےگا۔ ہمیں کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ہے جسے سرکاری زمےداران جانتے ہوں اور جو ان کے مطالبے کے بموجب ایک ہزار روبل زر ضمانت جمع کر سکے۔ کسی عمارت کا مالک یا کوئی تاجر اس معاملے میں بہترین شخص ثابت ہوگا۔ میری آمد کا مقصد یہی ہے۔"

یربول کی مراد بہت واضح طور پر تینی‌بائے یا اس کے کسی بیٹے سے تھی۔ تینی‌بائے کی بوڑھی بڑی بیوی اس سے قبل اس طرح کے معاملات میں پڑ چکی تھی لیکن اس وقت تو اس نے بس اپنے ہاتھ پھیلاکے بےبسی ظاہر کر دی۔

"میرے عزیز، کاش‌کہ میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی" اس نے اظہار افسوس کرنےوالے انداز میں کہا۔ "لیکن تم تو جانتے ہی ہو کہ میرے شوہر اور بیٹے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو اول تو مجھے کوئی شخص اہمیت ہی نہ دےگا دوسرے میرے پاس خود اپنی کوئی رقم بھی نہیں۔"

یربول اور ماکیش کو مایوسی ہوئی۔

"کیا کوئی بھی صورت ممکن نہیں ہے؟" یربول نے دریافت کیا۔ "مویشی شہر لانے کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمارے قبائلی گروہ موسم گرما کی چراگاہوں کو جا چکے ہیں اور یہاں سے بہت زیادہ فاصلے پر ہیں۔ بائےبیشے، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ مقامی تاجروں میں کسی سے بات کر لیں؟ میں آپ کی سفارش کے ساتھ اس شخص کے پاس چلا جاؤں‌گا۔"

اس کی واحد امید یہی تھی۔ بائےبیشے اور ماکیش نے ایک ایک کرکے اُن تمام امیر تاجروں کے نام لئے جن کو وہ جانتی تھیں لیکن بدقسمتی سے وہ سب تجارتی کاموں کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے تھے۔

"آخر یہ لوگ اپنے گھروں میں کیوں نہیں ٹھہرتے جہاں انہیں ہونا چاہئے" ماکیش نے برہمی کے ساتھ کہا۔ "جیسے ہی موسم گرما

کا آغاز ہوتا ہے، یہ لوگ اپنی گاڑیوں پر لد پھندکے چل دیتے ہیں، کچھ پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں تو کچھ استیپیوں میں۔"

سوال یہ تھا کہ اب آخر کیا کیا جائے اور اسی مرحلے پر سلطنت نے یربول کو مخاطب کیا:

"مرزا ابائی کی مدد کرنے کے لئے صرف شہر ہی میں دوستوں کو کیوں تلاش کیجئے؟ آپ کو وہ پرانی کہاوت تو یاد ہی ہوگی: "دوستی کا حق دوستی سے ادا کیا جاتا ہے" میرے والد اکثر کہا کرتے تھے کہ ابائی اور ان کے والد نے ان کے ساتھ بارہا دوستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ میری ماں اور میری طرف سے ابائی سے سلام کہئے گا۔ ان کی فکروں کی بار ہم لوگ اٹھا لیں گے۔ وہ مجھے یعنی الدیکینوا کو اپنا ضامن مقرر کر سکتے ہیں، میرا نام پیش کر سکتے ہیں۔"

"ارے ہماری عزیز بہن!" یربول نے کہا۔ "آپ تو اس کام پر راضی ہو گئیں جو زیادہ‌تر مردوں سے بھی نہ ہو سکے گا۔ دوست کی آزادی بحال کرانے سے زیادہ شریفانہ کام اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ بہت بڑا احسان ہے... لیکن میں کیا شکریہ ادا کروں۔ ابائی جلد ہی بخیریت یہاں آ جائیں گے اور خود ہی شکریہ ادا کریں گے۔"

سلطنت کا شاداب جوان چہرہ، اس کی نفیس پیشانی، سیدھی خوبصورت ناک اور نرم گول ٹھوڑی سمیت جوش کے ساتھ چمک اٹھا اور ایسا لگا جیسے اس سے بڑی لطیف، سرخ شعاعیں سی پھوٹنے لگیں۔ اس کے چمکیلے بالوں میں ہلکے سے سنہرےپن کی جھلک تھی۔ ہرنی جیسی بھولی آنکھیں یوں تو سنجیدہ اور پرسکون معلوم ہوتی تھیں لیکن ان کی گہرائیوں میں بچوں جیسی شوخی کی جھلک کروٹیں لے رہی تھی۔ نازک کلائیوں میں کنگن تھے اور خوبصورت انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں۔ کانوں کی لوؤں میں لٹکتے ہوئے طلائی آویزے دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔ "یہ لڑکی حسن صورت اور حسن سیرت دونوں اعتبار سے واقعی ایک سلطنت ہے!.." یربول نے سوچا۔

تو اس طرح ابائی کے دوستوں کی ایک بہت بڑی پریشانی ختم ہو گئی اور یہ کام بالکل عین وقت پر ہی ہوا تھا: مقدمے کی سماعت

کسی عدالت میں نہیں بلکہ ضلع نظم ونسق کے دفتر میں ہونے ہی والی تھی اور افسروں ہی کو اس کا فیصلہ کرنا تھا۔

دو پہریدار ابائی کو جنرل کے دفتر کی دوسری منزل پر ایک بڑے سے کمرے میں لائے اور بانات کے میزپوش والی ایک لمبی میز کے پاس بالکل سرے پر بیٹھنے کو کہا۔ کمرہ جلد ہی پیتل کے بٹن‌والی یونیفارمیں پہنے ہوئے افسروں سے بھر گیا۔ اندرئیف بھی انہی کے ساتھ اندر آیا لیکن ابائی بہت سے نامانوس چہروں کے درمیان اسے فوری طور پر نہ دیکھ سکا۔ اس کے پیچھے پیچھے کاؤنسلر لوسووسکی اور ایک اجنبی داخل ہوئے۔ ابائی اس چوڑے چکلے شانوں، گنجے سر اور لمبی سیاہ داڑھی‌والے آدمی کے سنجیدہ لیکن پرجوش طور طریقوں سے بہت متاثر ہوا۔ لوسووسکی نے اس سے باتیں کیں تو اس نے مسکراتے ہوئے متجسس نگاہوں سے ابائی کو دیکھا۔ دونوں آکے اس کے پیچھے ہی بیٹھ گئے۔

نظم ونسق کے افسران میز کے کنارے کنارے بیٹھ گئے۔ کارروائی کی صدارت ایک سن‌رسیدہ سفید ہوتی ہوئی داڑھی‌والا شخص کر رہا تھا جس کے سفید بال کنگھی کرکے سلیقے سے پیچھے کی طرف موڑ دئے گئے تھے اور نیلی نیلی آنکھوں میں بلا کی تیزی تھی۔ اس نے ضلعے کے حاکم اعلا کوشکین کو طلب کرکے کارروائی کا آغاز کیا۔ "تین‌تیک اویاز" یونیفارم میں سجا سجایا، ہمیشہ کی طرح چہرے سے سردمہری اور اکھڑپن ظاہر کرتا اور بڑے پرغرور انداز میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا، شان کے ساتھ قریب آیا اور ابائی کے پیچھے سے گزرکے سبز میز کے پاس بیٹھ گیا۔ کمرے میں صرف ایک ہی اور قزاخ موجود تھا، چھدری مونچھوں، چکنے بالوں اور سپاٹ چہرے‌والا مترجم جو افسروں کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ پوچھ گچھ کے دوران ابائی سے پوچھے جانے‌والے سوالات اور ان کے جوابات دوبارہ پڑھے جا رہے تھے تو یہ مترجم گھبراہٹ کے ساتھ پلکیں جھپکائے جا رہا تھا۔

ابائی نے یرعلی کے واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور "تین‌تیک اویاز" کے جس نے بایوں کے کوڑے مارے جانے کا حکم دیا تھا، غیرقانونی اور ہتک‌آمیز اقدامات کی وضاحت کی۔ اس نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ پٹائی بایوں کی ہوئی تھی جو

عوام کے منتخب اور سرکاری ذمےداروں کے تسلیم کئے ہوئے افراد تھے اور لوگوں کی عام برھمی کا اصل سبب یہی تھا۔ اس نے کہا کہ ایسے حاکم اعلا کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا، اس کے باوجود اس کے خلاف کسی نے انگلی تک نہیں اٹھائی تھی۔ عوام نے جن کے وقار کی توھین کی گئی تھی، محض انتخابات میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔

"عوام کے جذبات سے حاکم کو مطلع کرنا کیا کوئی جرم کی بات تھی؟" اس نے اپنا بیان ختم کرتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے خیالات کا اظہار روسی زبان میں کیا اور جب تک خود کو ان الفاظ تک محدود رکھا جو اقباس اندرتیویچ نے تجویز کئے تھے اور جنھیں وہ اپنے سابق بیانات میں استعمال کر چکا تھا، اس وقت تک اس کی تقریر میں روانی برقرار رھی لیکن جیسے ھی وہ خود اپنے کسی نکتے پر زور دینے لگتا، اس سے غلطیاں سرزد ہونے لگتیں کیونکہ اس کا ذخیرہ الفاظ ابھی ناکافی تھا۔ آخر اس نے مترجم کا سہارا لیا اور اس سے قزاخی زبان میں کہا: "میں جو کچھ کہوں، لفظ بہ لفظ ان لوگوں کو بتا دینا۔" لیکن چند ھی جملوں کے بعد اس نے پھر روسی میں بولنا شروع کر دیا۔ اسے دل ھی دل میں خوشی ھو رھی تھی کہ وہ ایک باھری زبان میں اتنی دیر تک تقریر کر سکتا ھے۔ اسے غلطیاں کرنے کا ڈر نہیں تھا اور اس نے نپے تلے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی کوشش کی اور قزاخی فقروں کا روسی میں ترجمہ کرتا رھا۔

معمر چیرمین خاصا منصف مزاج معلوم ھوتا تھا۔ اس کا یہ فیصلہ ھر ایک کے لئے باعث حیرت تھا کہ دونوں مقدمات کی جن میں سے ایک تو ایک زارشاھی افسر کے خلاف تھا اور دوسرا ایک عام قزاخ کے خلاف، بیک وقت سماعت ھوگی۔ لیکن اس کا یہ فیصلہ اور ابائی کو اتنی دیر تک بولنے کی اجازت دینا، یہ دونوں باتیں پس پردہ سرگرمیوں سے باخبر افراد کے لئے اتنی حیرت‌انگیز بہرحال نہ تھیں جتنی کہ معلوم ھوتی تھیں۔

دراصل کوشکین نے یرعلی سے واپسی کے بعد خفیہ اثر و رسوخ سے بہت زیادہ کام لیا تھا۔ اس کا خسر ضلع عدالت کا صدر اور گورنر کا دوست تھا۔ ان دونوں نے کوشکین کو الزامات سے بری

کرانے کے سلسلے میں عوام کے منتخب کئے ہوئے افراد کے کوڑے مارے جانے کے معاملے کو کارروائی سے بالکل خارج ہی کرا دینے کی کوشش کی تھی لیکن اندرئیف کی مداخلت کے باعث یہ ممکن نہیں ہو سکا تھا کیونکہ اس کے اثرات اور ثابت قدمی سے ہر ایک واقف تھا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ اندرئیف معاملے کو استیپیوں کے گورنر جنول کے دفتر تک پہنچا دے اور نتیجتاً کوشکین کا مقدمہ ناخوشگوار موڑ اختیار کر لے۔ اس کے علاوہ نوجوان کاؤنسلر لوسووسکی یرعلی کے واقعات کے متعلق گورنر کو اپنی رپورٹ بھی پیش کر چکا تھا جس میں ضلع حاکم اعلا کے غیرقانونی اقدام پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ان حالات میں کوشکین کے مقدمے کو دبا دینا خاصا بےتکا معلوم ہوتا اور اب کوئی ایسا طریقہ تلاش کرنا تھا جس سے کوشکین بری ہو جائے، ابائی کو سزا مل جائے اور اس معاملے کے سیمیپالاتنسک سے آگے بڑھنے کی نوبت نہ آئے۔

اسی وجہ سے گورنر نے مقدمے کی کھلی سماعت سے جو بہرحال معاملے کی شہرت کا باعث ہوتی، بچنے کو بہترین تصور کرتے ہوئے، اس سے اپنے دفتر کی چہاردیواریوں کے اندر ہی نپٹ لینے کا فیصلہ کیا اور چونکہ کارروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بڑی احتیاط اور مہارت کی ضرورت تھی اس لئے اسے سن‌رسیدہ اور تجربےکار افسر خورکوف کے سپرد کر دیا گیا۔

شروع ہی میں خورکوف نے اندازہ لگا لیا کہ ابائی کو بہت سخت سزا دی گئی تو وکیل گورنر جنرل کے دفتر میں مقدمے کی از سر نو سماعت کرانے میں یقیناً کامیاب ہو جائےگا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ صرف جرمانہ کافی ہوگا۔ ابائی رہا کر دیا جائےگا اور اس کے ساتھ ہی یہ معاملہ ختم ہو جائےگا۔ اس کے لئے دو مقدمات کی بیک وقت سماعت بھی ضروری تھی اور حتیالامکان جلد از جلد فیصلہ بھی۔

خورکوف نظم و نسق میں خاصا اثر و رسوخ رکھتا تھا کیونکہ اس کی بھتیجی گورنر کو بیاہی تھی۔ وہ بڑی رقوم کی رشوت قبول کرنے کے کسی بھی موقعے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اس بار بھی اس نے صورت حال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ گورنر اور ضلع عدالت کے صدر کو خوش کرتے ہوئے بھلا وہ اپنے

آپ کو کس طرح فراموش کر دیتا؟ چنانچہ اس نے اندرئیف سے باتیں کرتے ہوئے اشارتاً کہا کہ مدعا علیہ کی قسمت کا انحصار بڑی حد تک خود اس کی فیاضی پر ہوگا کیونکہ بعض لوگوں کو سمجھا بجھاکے راضی کرنا ہوگا جس کے بعد اس کی رہائی ناممکن نہ رہ جائےگی۔ اقباس اس اشارے کا مطلب سمجھ گیا۔ "بھئی ہمارے چیرمین صاحب کچھ بیمار معلوم ہوتے ہیں" اندرئیف نے ابائی سے کہا۔ "انہیں اپنی صحت‌یابی کے لئے پانچ سو روبل دوا کے طور پر درکار ہیں۔" یربول نے فوراً ہی پڑاوؤں پر سے آئی ہوئی رقم میں سے پانچ سو روبل گن‌کے دے دئے۔

اب خورکوف کو صرف ایک بات کرنی تھی اور وہ یہ کہ سماعت کے دوران کوشکین کو اس کے طرز عمل کے سلسلے میں ہدایات جاری کر دے لیکن اس معاملے میں اسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ "تین‌تیک اویاز" نے جو خورکوف کی رشوت‌والی کمزوری سے واقف تھا، فوراً ہی نتیجہ اخذ کیا کہ وہ خود اسے سرزنش کرکے ابائی کو بری کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے یہ بڑی توہین‌آمیز بات تھی کہ اس کے مقدمے کی سماعت ایک وحشی خانہ‌بدوش قزاخ کے مقدمے کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ اسی لئے اس نے علاحدہ سماعت کا مطالبہ کیا۔ خورکوف نے اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی جس سے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہوا اس لئے کوشکین کو خوف‌زدہ کرنے اور اس سے اپنی تجویز کو منوانے کے لئے اس نے بہت زور دےکے کہا کہ بایوں کے کوڑے مارے جانے کا واقعہ اس کے لئے سنگین نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔

یہ سنتے ہی کوشکین نے پانسہ پلٹ دیا۔ اس دھمکی نے اس نوکرشاہی افسر کو جس نے من مانے طور پر بایوں کے کوڑے مارے جانے کا حکم دیا تھا، اذیت پہنچاکے سرگرم عمل کر دیا۔ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ اسے مقدمے کی شہرت کا ذرا بھی خوف نہیں کیونکہ بایوں کے ساتھ خراب سلوک کرنے کے سوا اس نے اور کوئی گندہ کام نہیں کیا ہے جبکہ ان لوگوں کا معاملہ بالکل برعکس ہے جو رشوت لیتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ کسی بھی عدالت کے سامنے صاف صاف بیان کر سکتا ہے کہ اس نے جو کچھ بھی کیا وہ کس کے خلاف اور کن حالات کا نتیجہ تھا۔ اس نے

زهرآلود کنایت سے کہا کہ اس کے مقدمے کا فیصلہ ایسے افراد کو کرنا چاھئے جن کے دامن داغدار نہ ھوں۔

اس اشارے کو سمجھنے کے بعد بوڑھے افسر نے معاملے کو خود اپنے ھاتھوں میں لے لیا اور گورنر کے یہاں جہاں اسے چائے پر مدعو کیا گیا تھا، اس نے کوشکین کے حد سے بڑھے ھوئے غرور کی کچھ ایسی تصویر کھینچی کہ شہر کی خواتین نے اس چھچھورے افسر کو اس کی جگہ پر پہنچانے کا فیصلہ کیا۔ خود گورنر نے جب ان دونوں کے درمیان ھونےوالی باتوں کے متعلق سنا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ کوشکین دراصل بےوقوف ھے جسے یہ تک معلوم نہیں کہ اس کی روٹی میں کس جانب مکھن لگا ھوا ھے۔ اس نے بھی اس تجویز سے پوری طرح اتفاق کیا کہ خورکوف کو ایک ھی اجلاس میں دونوں مقدمات کی سماعت ختم کر دینی چاھئے۔ لیکن پیشی کے دن ضلع عدالت کے صدر نے مداخلت کی اور یہ ایک ایسا شخص تھا جس سے گورنر جھگڑا نہ کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آخرکار طے کیا گیا کہ کوشکین کے مقدمے کی سماعت الگ سے ھوگی لیکن پہلے مقدمے کی سماعت کے دوران بھی اسے موجود رھنا ھوگا۔ یہی سبب تھا کہ کوشکین عدالت میں حاضر ھوکے سبز میز کے قریب بیٹھا تو بہت مغرور سا نظر آ رھا تھا۔

اور اس طرح مقدمے نے جس میں بہت سے ذاتی مفادات ایک دوسرے سے جڑے ھوئے تھے، کسی حد تک غیرمعمولی رخ اختیار کر لیا۔ چیرمین کی غیرجانبداری کے مظاھرے کے پیچھے اس کی یہ خواھش پوشیدہ تھی کہ ابائی کا مقدمہ ختم کر دے، اسے معمولی سی سزا دےکے اس کے وکیل کا منہ بند کر دے اور اس کے فوراً بعد ھی کوشکین کے مقدمے کی سماعت شروع کرے۔

"ضلعے کا حاکم اعلا صرف باضابطہ حیثیت کے افراد سے ربط ضبط رکھتا ھے" اس نے ابائی کا بیان صفائی آخر تک سننے کے بعد کہا۔ "قومینوف، شوکین اور سویوندیکوف منتخب‌شدہ بائے ھیں اور تمہارا بھائی ایک وولوست کا حکمراں ھے۔ ان لوگوں کو علاقے کی آبادی کی طرف سے کچھ کہنے کا حق حاصل ھے۔ تم کیسے دخل دے سکتے ھو؟ تم تو وولوست حکمراں کیا، قبائلی سردار تک نہیں ھو۔"

"عوام نے مجھ سے مداخلت کرنے کو کہا تھا" ابائی نے پرسکون

لہجے میں جواب دیا۔ "حاکم اعلا کوشکین نے اورازبائے کو کوڑے لگانا شروع کیا تو عوام نے مجھ سے کہا کہ میں اس کی طرف سے بیچ میں پڑوں۔"

ابائی کو آزادی سے بولنے کی اجازت ملنے پر "تین‌تیک اویاز" غصے سے بھرا بیٹھا تھا اور اب اس کے لئے ضبط کرنا ناممکن ہو گیا۔

"ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کیا؟" وہ چیخ پڑا۔ "عوام کی طرف سے بولنے کا آخر تمہیں حق کیا ہے؟ آخر تمہیں یہ اختیار کس نے دے دیا ہے؟"

ابائی نے کوشکین پر مذاق اڑانےوالی نظر ڈالی اور پھر مقدمے کے صدارتی افسر سے مخاطب ہوا:

"یہ سچ ہے کہ نہ میں اور نہ ھی عوام اتنے طاقتور ھیں جتنے کہ یہ اور ان کے گارڈ لیکن ان کی طاقت، اختیارات اور احکام سے بھی طاقتور ایک قوت موجود ھے جسے انصاف اور آن کہا جاتا ھے" اس مرحلے پر ابائی نے مترجم سے مخاطب ھوکے کہا: "ان لوگوں کو میرا ایک ایک لفظ ترجمہ کرکے بتا دو" اور قزاخی زبان میں اپنی بات جاری رکھی۔ "اگلے وقتوں میں لوگ کہا کرتے تھے: طاقت پر نہیں، صداقت پر یقین کرو۔ بےانصافی کی اطاعت نہ کرو۔ انصاف کی حمایت میں آواز بلند کرو، خواہ جان ھی کیوں نہ قربان کرنی پڑے۔"

اس کے ثبوت کا لب لباب بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا تھا اور اندرئیف، لوسووسکی اور میخائلوف نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

اس کے بعد سماعت کی کارروائی میں تیزی پیدا ھو گئی۔ اب دراصل ابائی اور کوشکین کے درمیان مقابلہ شروع ھو گیا تھا۔

"قونان‌بائیف، تم نے بازارعلی قومینوف کی حمایت کی ھے حالانکہ اس کا بھائی لٹیرا ھے" کوشکین نے الزام لگایا۔

"آپ نے منتخب‌شدہ بایوں کو مارنا پیٹنا شروع کیا تب ھی میں نے ان کی مدد کرنے کی کوشش کی" ابائی نے الزام کو ٹالتے ھوئے جواب دیا۔

"یہ سچ نہیں ھے۔ تمہیں ان لوگوں کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔

دراصل تم قومینوف کو رھا کرانا چاھتے تھے اور محض اسی کے لئے تم نے لوگوں کو جھگڑے کے لئے اشتعال دلایا۔"

"میں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی لیکن جہاں تک قومینوف کا تعلق ھے میں اسے کسی بات کا مجرم نہیں تصور کرتا۔"

"اوہ، اب تم نے کہی ھے اصل بات! جلد ھی تم اس کے بھائی کو بےگناہ کہنا شروع کر دوگے" کوشکین نے صدارتی افسر سے مخاطب ھوتے ھوئے کہا۔ "میں چاھتا ھوں کہ جواب کو درج کر لیا جائے۔"

ابائی نے صدارتی افسر سے وضاحت کرتے ھوئے کہا:

"اورال‌بائے قومینوف ایک سال سے بھاگا ھوا ھے اس سے قبل اس کے خلاف کوئی الزام نہیں تھا۔ کسی کو نہیں معلوم وہ کہاں ھے اور کہاں اس نے جرم کا ارتکاب کیا ھے۔ اورال‌بائے کا اس کے خاندان اور قبیلے سے کوئی تعلق نہیں باقی رھا۔ صدارتی افسر کو یہ بات خود ھی معلوم ھونی چاھئے: اگر سیمی‌پالاتنسک ضلعے کا کوئی نوجوان کسان بھاگ‌کے اورین‌برگ پہنچ جائے اور وھاں کسی جرم کا ارتکاب کرے تو کیا مسٹر کوشکین کو نوجوان کسان کے گاؤں میں جاکے قبائلی سردار، وولوست حکمراں اور محرر کو کوڑے مارنے کی اجازت دی جائےگی؟ کیا اس طرح کے اقدامات پسند کئے جائیں‌گے؟ کیا اس قسم کے واقعے کے بعد بھی انہیں اپنے عہدے پر برقرار رھنے دیا جائےگا؟ یا ان کو ترقی دے دی جائےگی؟"

کوشکین نے بڑی بےحیائی سے اس بات سے انکار کیا کہ اس نے بایوں کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا تھا۔ ابائی نے نفرت کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اس کے بعد آپ سے کچھ بھی نہیں کہنا ھے" اس نے کہا۔ "آپ صرف ایسے افسر ھی نہیں ھیں جو اپنے اختیارات کو ناجائز طور پر استعمال کرتا ھے بلکہ دروغ‌گو بھی ھیں۔ کوئی عام آدمی جھوٹ بولتا ھے تو محض بےشرمی سے کام لیتا ھے لیکن کوئی شخص اپنی سرکاری حیثیت کے ساتھ جھوٹ بولتا ھے تو ارتکاب جرم کرتا ھے۔ اور چونکہ خود آپ مجرم ھیں اس لئے آپ کو یہاں میرے ججوں کے درمیان بیٹھنے کا ذرا بھی حق نہیں ھے۔ کاؤنسلر

لوسووسکی اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ مسٹر کوشکین نے کوڑے مارے جانے کا حکم دیا تھا۔"

لوسووسکی نے ابائی کی اس بات کی تصدیق کی۔

لیکن کوشکین اس سے بھی بدحواس نہ ہوا۔

"اچھی بات ہے، میں انکار نہیں کر رہا ہوں۔ سب کے سب لوگ مجرمین کی طرفداری کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی سرکشی بڑی اشتعال‌انگیز تھی اور شاید میں نے ذرا سختی سے کام لیا تھا۔" اس کے بعد اس نے حقارت سے مسکراتے ہوئے کہا: "آدمی کا ضمیر صاف ہو تو وہ سختی سے بھی کام لے سکتا ہے۔ اور میں نے نہ کبھی اپنے ضمیر کا سودا کیا ہے نہ ہی رشوت لی ہے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔"

لوسووسکی نے صدارتی افسر کی طرف دیکھا اور شانے اچکاتے ہوئے ہنس پڑا۔ کارروائی کا جو حصہ دوسروں کی موجودگی میں انجام دیا جانا تھا، مکمل ہو چکا تھا اور افسران ایک عام قزاخ کے سامنے اس مسئلے پر مزید بحث نہیں چاہتے تھے۔ ابائی کو اپنی کوٹھری میں مزید ایک رات گزارنے کے لئے جیل بھیج دیا گیا جہاں سے اگلی صبح کو اسے رہائی نصیب ہوئی۔

لیکن اسے الزامات سے بری تھوڑی کیا گیا تھا۔ سزا سے متعلق حکم میں کہا گیا تھا: "ابراهیم قونان‌بائیف پر، امن کو درھم برھم کرنے اور ضلعے کے حاکم اعلا کوشکین کے سرکاری فرائض کی انجام‌دھی میں رکاوٹ پیدا کرنے کے جرم میں ایک ہزار روبل جرمانہ کیا جاتا ہے۔" سزا کا مقصد خانہ‌بدوش کی نگاہ میں کوشکین کے سرکاری مرتبے کا وقار برقرار رکھنا تھا۔ خود کوشکین کے طرز عمل کا تذکرہ تک نہیں کیا گیا تھا۔ اس افسر نے عوام کی نگاہوں کے سامنے جو شرمناک اور ناجائز اقدامات کئے تھے ان کے لئے اسے کوئی سزا نہ دی گئی جبکہ ان اقدامات کے خلاف احتجاج کرنےوالے کو بھاری جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

اندرئیف سے میخائلوف کی ملاقات ہوئی تو وہ اپنے غصے کو چھپا نہ سکا۔

"کتنی شرمناک بات ہے! تفتیش بجائے خود ایک جرم تھی۔ اس نے تمام کوشکینوں کو عوام پر اس وقت تک ڈنڈے برساتے رہنے کی

آزادی دے دی جب تک وہ اسے خاموشی سے برداشت کرتے رہیں۔"

اباتی کو جسے تفصیلات کا ابھی تک علم نہیں ہوا تھا، اپنی رھائی سے بےحد خوشی ہوئی۔ لیکن ابھی ایک اور مقدمے کی سماعت باقی تھی جو قومینوف بھائیوں — اورالبائے اور بازارعلی کا تھا۔ بازارعلی کو جو کبھی بھی کسی قانونی کارروائی کے سلسلے میں مفرور نہیں قرار دیا گیا تھا، اب پولیس کی نگرانی میں زندگی بسر کرنی تھی۔ اس کے خلاف کسی وولوست حکمراں کے شکایت کرنے یا اورالبائے کے گرفتار کر لئے جانے کی صورت میں اب اسے بھی جوابدہ ہونا تھا۔

لاکھی رنگ کے تین شاندار گھوڑے اباتی کے منتظر تھے۔ ماکیش اور یربول اس سے ملنے کو آگے بڑھے اور خوشی سے لپٹ گئے۔ ایک اجنبی اور عمدہ کپڑوں میں ملبوس نوجوان لڑکی بھی ان لوگوں کے ساتھ تھی۔

یربول نے اباتی سے سلطنت کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا اور ماکیش کو بھی اس کا ذکر کرنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ وہ کسی لڑکی کی مدد اور زر ضمانت لینے سے انکار کر دےگا۔ لیکن ماکیش نے جب یہ دیکھا کہ اباتی کھڑا ہوا سلطنت کو تکے جا رہا ہے تو اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی:

"ان کا نام سلطنت ہے۔ آپ نے الدیکے سے ان کے متعلق سنا ہی ہوگا۔"

اباتی نے اثبات میں سر ہلایا اور ماکیش نے اپنی بات جاری رکھی:

"یہ صحیح معنوں میں آپ کی دوست ثابت ہوئی ہیں۔ آپ نے ابھی تک صرف ان کا نام ہی سنا ہوگا لیکن اب یہاں ان کی موجودگی سے اس نام کے ساتھ آپ کو حسین اور سچی دوستی بھی تحفے میں ملی ہے۔ آپ کی ضمانت سلطنت ہی نے تو داخل کی تھی۔"

شکرگزاری اور غصے جیسے ایک دوسرے کے بالکل متضاد جذبات کے باعث اباتی کے منھ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ اس نے کوئی سوال نہ پوچھا، خاموشی سے سلطنت کے ہاتھ کو اپنے

دونوں ہاتھوں میں لیا پھر احتراماً کچھ جھکتے ہوئے اپنی ایک ہتھیلی اپنے سینے پر رکھ لی۔ سلطنت نے بوکھلاہٹ میں اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور اس کے کچھ کہنے کا انتظار کرنے لگی۔

ماکیش کو ابائی کی خاموشی اچھی نہ لگی۔ اس نے اپنی عام تیزی وطراری سے بھائی کو ٹوکا:

"ارے ابائی‌جان، کیا آپ جیل میں رہ‌کے عقل و فہم بالکل ھی گنوا بیٹھے؟ منھ سے شکریے کے دو لفظ بھی نہیں نکال سکتے؟ شرم نہیں آتی اپنے اوپر؟"

ابائی اپنے احباب کو ساتھ لےکے گھوڑا گاڑی تک گیا۔

"عقل و فراست کو دلکشی کا جوھر تصور کیا جاتا ھے لیکن عقل و فراست اور کم‌سخنی کا چولی دامن کا ساتھ ھے" اس نے دوسروں کے ساتھ گاڑی میں سوار ھوتے وقت جواب دیا۔ "کیوں سلطنت، ٹھیک ھے نا؟"

"آپ ٹھیک کہتے ھیں" سلطنت نے مسکراتے ھوئے کہا۔ "مسرت کو پرگو نہ ھونا چاھئے۔"

تین گھوڑوں والی گاڑی فضا میں اپنی گھنٹیوں کی جھنکار بکھیرتی تیزی سے تینی‌بائے کے گھر کی طرف بڑھنے لگی جو دریا کی دوسری جانب واقع تھا۔

مقدمہ تو ختم ھو چکا تھا لیکن ابائی سیمی‌پالاتنسک میں ٹھہر گیا۔ اس نے اپنے بانکوں اور بازارعلی کو پڑاوؤں پر واپس بھیج دیا صرف یربول اور بائےمغم‌بیت کو اپنے ساتھ روک لیا۔

شام کو یربول نے اسے بتایا کہ سلطنت نے اس کے لئے کیا کچھ کیا تھا۔ وہ الدیکے کی جس سے ذمےداران اچھی طرح واقف تھے، بیٹی تھی پھر بھی ضامن کی حیثیت سے مسترد کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد سلطنت نے سیمی‌پالاتنسک کے ایک مشہور مکان مالک اور نمدے کے تاجر دوئی‌سیکے کو اپنی نمائندگی کرنے پر راضی کر لیا تھا۔ اس معاملے میں اس نے دوئی‌سیکے سے اپنے والد کی دوستی اور اس سے اپنی رشتےداری (سلطنت اس کی بھانجی تھی) کا فائدہ اٹھایا تھا۔ پہلے تو دوئی‌سیکے نے بڑا محتاط اور بزدلانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ توبیق‌تی قبیلے سے اس کے کوئی خاص مراسم نہ تھے بلکہ وہ تو توبیق‌تیوں سے نفرت تک کرتا تھا۔ اسے سلطنت

جیسی قوت ارادی اور همت‌والی لڑکی هی اس معاملے میں خود رقم داخل کرکے اپنی نمائندگی کرنے پر راضی کر سکتی تھی۔

ابائی کو ان مشکلات کے متعلق جو سلطنت نے اس کی خاطر برداشت کی تھیں، جتنا زیادہ معلوم هوا، اتنی هی اسے ندامت محسوس هوئی۔ وہ سوچ رها تھا کہ اسے سلطنت سے کسی وقت کھل کرکے باتیں کرنی چاهئیں خواہ کچھ بھی نتیجہ کیوں نہ نکلے۔ اسے بہرحال یہ تو جاننا هی چاهئے تھا کہ سلطنت نے اس کے لئے یہ سب آخر کیوں کیا۔

کچھ ایسا اتفاق هوا کہ تینی‌بائے کے شاندار مکان میں وہ سلطنت کے ساتھ بالکل اکیلا رہ گیا کیونکہ سلطنت کی ماں، ماکیش اور یربول کے ساتھ ارتیش دریا کے دوسرے کنارے پر واقع بازار چلی گئی تھی۔ بھاری ریشمی پردوں کی وجہ سے دھوپ اندر نہیں آ رهی تھی اور خاموش نیم روشن کمرے ٹھنڈے اور آرام‌دہ تھے۔ ابائی اور سلطنت گول چوکی کے قریب گاؤ تکیوں پر کہنیاں ٹکائے هوئے نرم نرم گدے پر بیٹھ‌کے باتیں کرنے لگے۔ سلطنت نے اس کے لئے جو کچھ کیا تھا اس کا اس نے شکریہ ادا کیا لیکن سلطنت کو تو اس بات کے تذکرے هی سے الجھن اور شرمندگی سی محسوس هونے لگی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ بس اپنی انگلیوں کی هلکی سی جنبش سے ابائی کے شکریے کے الفاظ کو ٹالتی رهی۔ آنکھیں البتہ یہ کہتی هوئی معلوم هو رهی تھیں: "اب اس کا تذکرہ هی کیوں کیجئے؟"

بائے‌مغم‌بیت نے اندر آکے چاندی کے ایک بڑے پیالے میں ان کے سامنے قمیز رکھ دیا۔ ابائی نے چمچے سے دودھ کو پھینٹا اور ایک رنگین پیالے میں تھوڑا سا انڈیل‌کے سلطنت کی طرف بڑھایا۔

"ایسے مواقع یقیناً آئے هیں جب ایک بانکا دوسرے کی مدد کرتا هے۔ مجھ پر بھی متعدد بار میرے دوستوں نے احسانات کئے هیں لیکن میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ مجھے کسی عورت سے، خود اپنی ماں تک سے مدد ملےگی۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی عورت اتنی جرأت‌مندی کا مظاهرہ کر سکتی هے اور اسے اپنے رسوا هو جانے تک کا خوف نہ محسوس هوگا۔ کھراپن جیسا کہ آپ جانتی هی هیں، کوئی بری بات نہیں۔ خدا کے لئے

بتائیے نا، میری مدد کرنے کے پیچھے آخر کون سا جذبہ کارفرما تھا؟"

ایسا لگا جیسے سلطنت اس سوال کی توقع ھی کر رھی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ لیکن دوسرے ھی لمحے زرد پڑ گیا۔ اس کے بھرے بھرے ھونٹوں‌والے منھ کے گوشے کپکپانے لگے۔ اس نے ابائی کے ھاتھ سے پیالہ لےکے ایک گھونٹ قمیز پیا اور تب کہیں جاکے آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"میں سمجھتی ھوں کہ یہ جوانی کے زمانے میں پیدا ھونےوالی ھمدردی کا جذبہ تھا۔ مجھ سے کسی نے کہا نہیں تھا۔ میں نے جو کچھ کیا خود اپنی مرضی سے کیا۔ آپ پر میرا کوئی احسان نہیں ھے کیونکہ آپ نے مجھ سے مدد کی خواھش ھی نہیں ظاھر کی تھی... میں صرف یہ امید کرتی ھوں کہ آپ مجھ سے ناراض نہ ھوں‌گے، یہ نہ کہیں‌گے کہ بہتر ھوتا تم نے دوسرے دوست تلاش کر لئے ھوتے..."

ابائی کو یقین ھو گیا کہ سلطنت نے واقعی یہ کام محض اپنی مرضی سے، نتائج کی طرف سے خوف‌زدہ ھوئے بغیر کیا تھا۔ وہ اس کی قوت ارادی اور عزم سے بےحد متاثر ھوا۔

"بھئی سلطنت، بہت اچھا جواب دیا۔ میں آپ کے الفاظ کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکوں‌گا..." اس نے کہنا شروع کیا لیکن اسی اثنا میں ایک شخص کمرے میں داخل ھوا۔ طویل قامت اور طاقتور، پیروں میں لانگ بوٹ، سر پر توبیق‌تی طرز کی سیاہ میمنے کی کھال کی ٹوپی اور ھاتھ میں کوڑا۔ صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ وہ استیپیوں کے کسی پڑاؤ پر سے ابھی ابھی شہر پہنچا ھے۔ تیز چمکیلی دھوپ سے آنے کے باعث پل بھر کے لئے اس کی آنکھیں کچھ چندھیا سی گئیں۔ ابائی نے اسے فوراً ھی پہچان‌کے اپنے پاس بلایا۔

پردوں کی وجہ سے کمرے میں بہت کم اجالا تھا اس لئے یہ شخص احتیاط سے قدم اٹھاتا ھوا آگے بڑھا اور گاؤ تکیے کو ٹٹولتا ھوا بیٹھ گیا۔ تب اس کی نگاہ سلطنت پر پڑی اور وہ اتنا حیرت‌زدہ ھوا کہ قمیز کا پیالہ جو اسے پیش کیا گیا تھا، منھ سے لگائے بغیر ان دونوں کو تکنے لگا۔

یہ مناس تھا، قولین‌شاق کے پانچ بہادر بیٹوں میں سے ایک جسے اول‌جان نے بھیجا تھا۔ قبائلی گروہ گھومتے پھرتے دور دراز جائےلاؤ پر پہنچ گئے تھے۔ راستے سنسان پڑے تھے اور کسی شخص کا اکیلے سفر کرنا خطرے سے خالی نہ تھا اس لئے ابائی کا حال معلوم کرنے کے لئے مناس جیسے شخص کو بھیجا گیا تھا۔ ابائی کے والدین، بیویاں، بچے اور دوسرے عزیز و اقارب سخت تشویش میں مبتلا تھے کہ جانے اس پر کیا بیتی۔

"ارے وہ لوگ تو یہ سوچ‌کے رات رات سو نہیں پاتے کہ تم جیل میں سڑ رہے ہوگے۔ لیکن تم آزاد اور بخیریت ہو۔ مجھے مکان کے پھاٹک ہی پر تمہاری خیریت معلوم ہو گئی تھی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا سفر بہرحال کامیاب ثابت ہوا۔ بائےمغم‌بیت نے مجھے روکنے کی کوشش کی، کہنے لگا کہ تم مصروف ہو لیکن مجھ میں انتظار کی تاب بھلا کہاں تھی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں یہاں تنہائی کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔ خدا کرے تم اور زیادہ طاقتور ہو!"

اس نے زور کا قہقہہ لگایا اور قمیز کا ایک لمبا گھونٹ چڑھا گیا۔

مناس کے لئے یہ خانہ‌ساز ظرافت خاصی مہذب تھی لیکن ابائی جلدی سے بول پڑا تاکہ وہ کچھ اور نہ کہہ بیٹھے۔

"ابھی کل ہی تو رہا کیا گیا ہوں اور ابھی اپنے دوستوں تک سے ملنے کا بمشکل وقت مل سکا ہے معاملہ ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا۔ ہم لوگ صلاح و مشورہ کر رہے ہیں کہ مزید کیا کارروائی کی جائے ابھی تو میں ضمانت ہی پر ہوں لیکن خیر اس کے بارے میں ہم لوگ بعد میں باتیں کریں‌گے..."

اس نے بائےمغم‌بیت کو آواز دی۔

"بھئی دیکھو، مناس آغا کو مہمانوں کے کمرے میں لے جاؤ اور ذرا خیال رکھنا کہ وہ آرام سے رات بسر کریں" نوجوان کی آمد پر اس نے مختصراً اسے حکم دیا۔

دونوں کے جاتے ہی ابائی نے سلطنت سے پھر اپنی بات‌چیت شروع کر دی۔

"آپ نے مجھے رہائی دلائی تو اس پر بھلا میں ناراض کیسے ہو

سکتا ہوں؟ ناراض ہونے کا تو میں کبھی تصور تک نہیں کر سکتا۔ ہاں ایک بات ضرور مجھے پریشان کر رہی ہے: کس طرح سے آپ کی خدمت کروں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کی کسی خواہش کی تکمیل کروں۔ آپ کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا تو مجھے واقعی سخت افسوس ہوگا۔"

سلطنت نگاہیں اٹھائے بغیر اس کی باتیں سنتی رہی۔

"آپ نے بہت اچھی بات کہی، ابائی" اس نے جواب دیا۔ "لیکن فی‌الحال میری خواہشات کو پورے ہوئے بغیر ہی چھوڑ دیجئے۔ ابھی کل ہی کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ کم‌سخنی اور فراست میں چولی دامن کا ساتھ ہے؟ آپ سے باتیں کرنے کا تو یہ میرا پہلا ہی موقع ہے لیکن آپ کی انصاف‌پسندی اور روشن‌خیالی کے متعلق ماکیش سے بہت کچھ سن چکی ہوں۔ میں نے آپ کو ہمیشہ ایک ایسا شخص تصور کیا ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ غلطی پر نہیں تھی۔ آپ کے الفاظ نے میری الجھنیں دور کر دی ہیں۔ انہوں نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے۔" پھر اس نے بہت ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا: "ویسے یہ کمرہ بہت کشادہ ہے لیکن اس کے اندر میرا راستہ بہت ہی مختصر ہے۔ اب مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔"

ابائی نے اسے کھڑے ہونے میں مدد دی۔

"دوستوں کے درمیان پردے حائل رہیں تو حقیقی دوستی بھلا کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ کیا دلوں کو بے‌نقاب نہ کیا جانا چاہئے؟"

"نقاب دل سے اٹھاتے ہو تو اٹھا دو مگر
پڑا ہی رہنے دو اس کو تم آن کے اوپر

میرا خیال ہے کہ یہ بات شاید صوفی اللہ‌یار نے کہی تھی" اس نے دہلیز پار کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں باحجاب رہنا اور ان نقابوں کو ان کی جگہوں پر برقرار رکھنا چاہئے..."

اور وہ ابائی پر ایک آخری نگاہ ڈال کے چلی گئی۔

ابائی دروازے پر متحیر اور محظوظ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

"نقاب دل سے اٹھاتے ھو تو اٹھا دو مگر
پڑا ھی رھنے دو اس کو تم آن کے اوپر"

اس نے اپنے آپ سے کہا۔ کتنے خوبصورت الفاظ تھے! "وہ خود کو قابو میں رکھنے کی بیش‌بہا صلاحیت اور زود فہم دماغ کی مالک ھے۔ شاید کوئی خزانہ میرے ھاتھ لگ گیا ھے" اس نے سلطنت سے جو کچھ کہا تھا اسے یاد کرکے جھنجھلاھٹ سی محسوس ھوئی کہ وہ اپنے خیالات کا سلیقے سے اظہار نہیں کر پایا تھا۔ اس نے سوچا کہ سلطنت نے اس کے لئے جو کچھ کیا تھا وہ بھلا اور کون کر سکتا تھا؟ اس کا اقدام کسی عورت کے محض وقتی جذبے کا نہیں بلکہ حقیقی ھمدردی اور نیکی کا نتیجہ تھا۔ اور پھر وہ کتنی کم‌سخن تھی، کتنی خوش‌اخلاق اور باوقار!..

اس نے محسوس کر لیا کہ سلطنت سے یہ ملاقات اس کے لئے ایک آزمائش ثابت ھوگی۔ اس کے جذبات بےحد دیانت‌دارانہ اور مخلصانہ تھے اور ان کا جواب بھی اتنے ھی مخلصانہ جذبات سے دیا جانا چاھئے تھا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب تینی‌بائے کے مکان میں نہ ٹھہرےگا بلکہ ارتیش کے دوسرے کنارے پر واقع مہمان‌نواز قزاخ کریم کے مکان میں منتقل ھو جائےگا جہاں وہ شہر آنے کے مواقع پر عموماً قیام کیا کرتا تھا۔

چند روز گزر گئے۔ ابائی اب کریم کے مکان میں مقیم تھا اور اپنا تمام وقت مطالعے میں صرف کیا کرتا تھا۔ ھر روز صبح کو وہ گھوڑے پر سوار ھوکے بائےمغم‌بیت کے ساتھ شہر کے وسطی علاقے کو جاکے ارتیش دریا کے قریب ھی ایک تنگ گلی میں واقع پتھر کی دو منزلہ عمارت کے سامنے ٹھہر جاتا تھا۔ بائےمغم‌بیت کو شام کے وقت گھوڑوں کے ساتھ آنے کی ھدایت کرکے وہ پبلک لائبریری کی سفید عمارت میں داخل ھو جاتا تھا۔

لیکن اس روز اس نے کتابیں اپنے ساتھ گھر لانے کا فیصلہ کیا اور بائےمغم‌بیت سے باھر انتظار کرنے کو کہا۔ کشادہ ریڈنگ روم میں خاصی بھیڑ بھاڑ تھی۔ ھر میز پر دو تین افراد جن میں سے زیادہ‌تر نوجوان طلبا تھے، بیٹھے ھوئے تھے۔ "شہر کا سب سے قیمتی خزانہ یہیں ھے" ابائی نے کمرے میں داخل ھوتے ھوئے سوچا۔

لائبریرین نے جو جھری‌دار چہرے اور چھوٹی سی داڑھی‌والا منکسر مزاج معمر شخص تھا، اس کا کسی پرانے شناسا کی طرح خیرمقدم کیا۔ دروازے کے پاس‌والی میز پر گھنے بالوں اور اوباشوں جیسی مونچھوں‌والا ایک افسر بیٹھا بغل میں بیٹھی ھوئی خوبصورت اور خوش لباس خاتون کو بڑی بھوکی نگاھوں سے دیکھے جا رھا تھا اور صاف ظاھر تھا کہ اس کا تعاقب کرتے ھوئے ھی اس نے لائبریری کی سادی عمارت میں قدم رکھا تھا۔

"بڑی حیرت کی بات ھے! آخر گوگول لائبریری میں اونٹوں کو اندر آنے کی اجازت بھلا کب سے مل گئی؟" ابائی کے داخل ھوتے ھی اس نے بلند آواز سے کہا تاکہ قریب بیٹھے ھوئے لوگ اس کے اس مزاحیہ جملے سے لطف اندوز ھو سکیں۔

کچھ نوجوان قارئین نے نظریں اٹھائیں اور ڈھیلے ڈھالے چغےوالے قزاخ کو دیکھ‌کے چپکے چپکے ھنسنے لگے لیکن نوجوان عورت کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس نے اپنے پڑوسی کو ملامت کرنےوالی نگاھوں سے دیکھا۔ ابائی نے تیزی سے سر موڑکے اس افسر کی طرف دیکھا لیکن اپنے غصے پر قابو پا لیا۔

"یہاں اونٹ کیوں نہ داخل ھو جبکہ اس سے قبل ایک گدھا داخل ھو چکا ھے" اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

اس بار سب لوگ قہقہہ مارکے ھنس پڑے۔ افسر کا چہرہ سفید پڑ گیا لیکن وہ یہ دیکھ‌کے کہ اس کے پاس بیٹھی ھوئی خوبصورت خاتون ھنسی سے لوٹ پوٹ ھوئی جا رھی ھے، خاموش رھا۔ اس کے بعد ابائی نے معمر لائبریرین سے مخاطب ھوکے رسالے "روسکی ویستنک" کا ایک شمارہ مانگا۔

اتنے میں اوسط قد، سیاہ داڑھی اور کشادہ پیشانی‌والا ایک شخص ابائی سے مخاطب ھوا:

"وہ شمارہ تو میرے پاس ھے۔ میں اسے ختم کر چکا ھوں۔ آپ چاھیں تو لے سکتے ھیں" اس نے کہا۔ "لیکن کیا یہ بتانے کی زحمت کریں‌گے کہ اس رسالے میں آپ کو کس چیز سے دلچسپی ھے؟"

"دراصل اس شمارے میں لیو تالستائی کے نئے ناول کی پہلی

قسط شائع ھوئی ھے" ابائی نے جواب دیا۔ "میں اس کا مطالعہ کرنا چاھتا ھوں۔"

"اچھا، تو آپ لیو تالستائی کی تصانیف سے واقف ھیں؟ آپ کو وہ کیوں پسند ھیں؟"

ابائی کو اجنبی کا ذھین چہرہ اور محبت بھرا لہجہ پسند آیا۔

"جی، میں نے ابھی تالستائی کا مطالعہ تو نہیں کیا" اس نے خوش‌اخلاقی سے جواب دیا۔ "لیکن میں نے سنا ھے کہ وہ ایک حقیقی روسی مفکر ھیں اس لئے میں جاننا چاھتا ھوں کہ ان کی تعلیمات کیا ھیں۔"

"بڑا شاندار خیال ھے!" اجنبی نے رسالہ اسے دیتے ھوئے کہا۔ "میں اس سے قبل بھی آپ کو نسبتاً کم‌خوشگوار حالت میں دیکھ چکا ھوں۔ میری مراد ضلع نظم و نسق کے دفتر سے ھے۔ لیکن سچ پوچھئے تو آج آپ سے مل‌کے کہیں زیادہ متاثر ھوا۔ مجھے آپ سے مل‌کے بڑی خوشی ھوئی۔ میرا نام یوگینی پیترووچ میخائلوف ھے۔"

"ابراھیم قونان‌بائیف" ابائی نے اپنا تعارف کرایا۔ "آپ کے دوستوں سے آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ھوں۔ مجھے بھی آپ سے مل‌کے بڑی خوشی ھوئی۔"

لائبریری سے دونوں ساتھ ساتھ نکلے اور باتیں کرتے ھوئے ارتیش کے کنارے کنارے دھیرے دھیرے چلنے لگے۔ ابائی کا چغہ سامنے سے کھلا ھوا تھا اور ھاتھ جن میں وہ کوڑا لئے ھوا تھا، ایک دوسرے سے ملے ھوئے پیچھے کمر پر رکھے تھے۔ بائےمغم‌بیت کو جو گھوڑے پر سوار دھیرے دھیرے ان کے پیچھے پیچھے آ رھا تھا، حیرت تھی کہ ابائی محض کسی روسی سے باتیں کرنے کے لئے پیدل چلنے کو ترجیح دے رھا ھے۔ وہ لوگ دریا کے کنارے مل‌کے نزدیک واقع سفید پتھر کے ایک مکان کے پاس پہنچے تو میخائلوف نے دروازہ کھولا۔

"آئیے، میرے یہاں چلئے نا، مجھے آپ سے کچھ اور بھی کہنا ھے۔"

میخائلوف ایک بڑے سے صاف ستھرے کمرے میں رھتا تھا۔ ابائی کو گھر جانے کی کوئی جلدی تو تھی نہیں چنانچہ وہ شام تک وھیں ٹھہرا رھا۔

میخائیلوف سے اس کی دلچسپی بلاسبب نہ تھی۔ اندرئیف اس سے اکثر کہتا رہتا تھا کہ شہر میں سب سے ذہین اور قابل شخص غالباً وہی ہے۔ وکیل نے یہ بھی بتایا تھا کہ میخائیلوف نے اپنی زندگی سماجی کاموں کے لئے وقف کر دی ہے اور نوجوانی ہی میں اس پر زارشاہی افسروں نے مقدمہ چلایا تھا۔ اس کے باوجود وہ پست‌ہمتی کا شکار نہیں ہوا بلکہ اس کے حوصلے کچھ بڑھ ہی گئے تھے۔ قید اور جلاوطنی میں روس کے بہترین افراد کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے اس نے اپنے نظریات اور علم و فضل میں کافی وسعت پیدا کر لی تھی۔ اقباس نے کہا تھا کہ میخائیلوف اپنی قوم کے نہایت ہی ترقی‌یافتہ افراد میں سے ایک ہے اور کسی دوسرے زمانے میں زندگی بسر کر رہا ہوتا تو اسے ایک عظیم شخص تصور کیا جاتا۔ اور اب ابائی خود اسی شخص سے مصروف گفتگو تھا۔

میخائیلوف نے پہلے تو اس سے دریافت کیا کہ روسی زبان میں اس نے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ خودتعلیمی کی حمایت کرتے ہوئے اس کے فوائد اور نقصانات پر روشنی ڈالی۔ وہ اس معاملے میں اپنے خیالات اور شکوک کا اظہار کر رہا تھا تو ابائی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی ماہر معلم کی گفتگو سن رہا ہو۔ اس نے اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا اور میخائیلوف سے کہا کہ اس کے الفاظ ہڈی بٹھانے‌والے شخص کے ہاتھوں جیسے ہیں جو فوراً ہی پتہ لگا لیتے ہیں کہ ہڈی کہاں اکھڑی یا ٹوٹی ہے۔

ابائی روسی میں باتیں کر رہا تھا۔ اسے جملے مکمل کرنے میں دشواری ہو رہی تھی اور الفاظ تلاش کرنے کے لئے بیچ بیچ میں رک جاتا تھا لیکن میخائیلوف فوراً ہی اس کا مفہوم سمجھ لیتا تھا اور ہڈی بٹھانے‌والے سے اس نے جو تشبیہ دی تھی اس پر وہ قہقہہ مارکے ہنس پڑا۔

"آپ کی تشبیہات بڑی موزوں ہوتی ہیں" اس نے کہا۔ "اگر میں آپ کو ٹھیک سمجھ رہا ہوں تو میرا خیال ہے کہ آپ کی یہ تشبیہات بالکل نئی اور بہت ہی عمدہ ہوتی ہیں۔ مجھے اس کا اندازہ اسی وقت ہو گیا تھا جب آپ کوشکین سے بحث کر رہے تھے۔"

ابائی نے کوشکین جیسے افسروں کا بڑی نفرت کے ساتھ تذکرہ کیا جو ان عوام کے متعلق جن پر وہ حکومت کرتے تھے، سوچنے کی کبھی زحمت نہیں گوارہ کرتے تھے اور ڈانٹ پھٹکار اور کوڑوں کے ذریعے کام نکالنا چاھتے تھے۔

"ارے ان افسروں نے روس کو جتنا نقصان پہنچایا ھے اس کا تو آپ تصور تک نہیں کر سکتے" میخائلوف نے کہا۔ "ھم اس طبقے کو نوکرشاھی کہتے ھیں۔ یہ لوگ پیٹربرگ سے سیمیپالاتنسک تک، ھر جگہ بالکل ایک جیسے ھیں۔ آپ جن افسروں کو یہاں دیکھتے ھیں ان کی بنیاد پر ان کے متعلق صحیح رائے نہیں قائم کر سکتے۔ ان کو سمجھنے کے لئے آپ نے جو طریقہ اختیار کیا ھے یعنی یہ کہ ھر قسم کے کوشکینوں سے ٹکر لینا اور اس کے نتیجے میں ڈیڑھ ماہ جیل میں گزارنا، یہ طریقہ بہت نرمی کے ساتھ کہا جائے تب بھی، ایک طویل اور تکلیف‌دہ طریقہ ھے۔ اس طبقے کو سمجھنے کا اس سے کہیں کم پریشان‌کن طریقہ بھی ممکن ھے۔ ھمارے یہاں ایسے ادیب موجود ھیں۔ مثال کے طور پر سالتیکوف شیدرین جو ان افسروں کو بڑی بےرحمی سے بےنقاب کرتے ھیں۔ بس آپ ان کی چند کتابوں کا مطالعہ کر لیجئے اور آپ کو ان لوگوں کے متعلق ٹھیک سے اندازہ ھو جائےگا جن کی آپ نے مخالفت کی تھی۔"

اس حد سے بڑھی ھوئی عمومیت پر ابائی کو حیرت ھوئی۔ وہ اب تک بالکل مختلف خیال پر قائم تھا: "لوگ ایک دوسرے سے اتنے ھی مختلف ھوتے ھیں جتنی ھاتھ کی انگلیاں" اس نے اس خیال کا اظہار کرنے کی کوشش کی تو میخائلوف ھنس پڑا۔

"ارے میرے دوست قونان‌بائیف، آپ بھی کتنے بھولے بھالے ھیں۔ تمام افسران، بڑے اور چھوٹے، جوان اور بوڑھے — سب ایک ھی جیسے ھوتے ھیں۔"

یہ دیکھتے ھوئے کہ ابائی اس کی رائے سے اتفاق نہیں کر پا رھا ھے، میخائلوف نے بھی ایک استعارے کا سہارا لیا: "افسران بالکل اسی طرح ایک جیسے ھوتے ھیں جس طرح کوڑے کی گھاس کے بیج۔ اور ان بیجوں کی بوائی ایک ھی ھاتھ یعنی زارشاھی حکومت کرتی ھے۔"

اس سے زیادہ کہنے میں اسے ھچکچاھٹ محسوس ھوئی۔

میخائلوف جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ابائی کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ اسے اپنے اس نئے ملاقاتی سے زیادہ سے زیادہ دلچسپی پیدا ہوتی جا رہی تھی اور اس نے کوشش کی کہ وہ اپنے خیالات کی مزید وضاحت کرے۔

"آپ کی بات خاصی وزنی اور قائل کرنےوالی معلوم ہوتی ہے لیکن لوسووسکی جیسے افسران بھی تو موجود ہیں" اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ کوشکین سے میرا جو جھگڑا ہوا اس میں لوسووسکی نے صحیح معنوں میں منصفانہ رویہ اپنایا۔"

لیکن میخائلوف نے گفتگو کو غیرمتوقع موڑ دے دیا۔

"میں سمجھ گیا۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ کوشکین خراب اور لوسووسکی اچھا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوشکین جیسے افسران کم اور لوسووسکی جیسے زیادہ ہوں تو حالات بہتر ہو جائیں گے اور انصاف کا بول بالا ہوگا؟"

"جی ہاں میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"یہ سچ ہے کہ لوسووسکی دوسروں سے بہتر ثابت ہوا۔ اس نے جو شہادت دی، نہ دی ہوتی تو آپ کے لئے دشواریاں اٹھ کھڑی ہوتیں۔ اس لئے آپ نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ ایک مثالی افسر ہے۔ کیوں ہے نا یہی بات؟"

"جی ہاں۔ اس نے منصف مزاجی دکھائی..."

"بےشک اس معاملے میں منصف مزاجی دکھائی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہو سکتا ہے کہ وہ آئندہ بھی منصفانہ رویہ اختیار کرے۔ بھئی اس طرح کے افسر سے نفرت نہ کی جانی چاہئے۔ ویسے دوسرے افسروں کی طرح وہ بھی عوام کو نقصان پہنچانے لگے تو خیر دوسری بات ہے۔ چونکہ وہ اپنے رجحانات کے اعتبار سے آزاد خیال ہے اس لئے آپ کی رائے درست ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جانا چاہئے لیکن آدمی کی اصلیت کو کبھی بھی فراموش نہ کیجئے۔"

"کسی آدمی کے متعلق اس کے افعال کی بنا پر رائے نہ قائم کی جائے تو پھر کس بنا پر قائم کی جائے؟ یہ آخر آپ کون سی اصلیت کی بات کر رہے ہیں؟"

میخائلوف نے طنزیہ مسکراھٹ کے ساتھ جواب دیا:

"ذرا آپ ایسے معمولی نوعیت کے معاملات میں نہیں جیسا کہ آپ کا تھا، بلکہ زیادہ سنگین امور کے سلسلے میں جن کا پوری قوم کی فلاح و بہبود سے تعلق ہو، بھروسہ کرکے تو دیکھئے، آپ کو اس کی اصلیت کا پتہ چل جائےگا۔ لوسووسکی روسی افسروں کے درمیان ایک سفید کوا ھے لیکن ھے تو بہرحال کوا ھی۔"

ابائی اس نکتے کو سمجھ نہ سکا۔

"مجھے وضاحت کرنے دیجئے۔ روسیوں میں ایک کہاوت مشہور ھے کہ جو لوگ اپنے جیسے لوگوں سے مختلف ھوتے ھیں وہ اتنے ھی کمیاب ھیں جتنا کہ سفید کوا۔ میں آپ کی جگہ پر ھوتا تو مجھے کوے کا سفید رنگ فریب نہ دے پاتا۔ سفید کوے کو غلطی سے کوئی سیدھی سادی چڑیا نہ سمجھ بیٹھئے کیونکہ سیاہ ھو یا سفید یہ ھے تو بہرحال مردارخور کوا ھی۔ اس کی زندگی کا انحصار ھی مردارخوری پر ھے۔"

اب کہیں جاکے میخائلوف کا نقطۂ نظر ابائی پر واضح ھوا۔

"ھمارے عوام بھی کہتے ھیں کہ کوا کوے کی آنکھیں نہیں نوچتا۔"

میخائلوف ھنس پڑا پھر اس نے سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی:

"یاد رکھئے کہ مردارخور ھمیشہ مردارخور ھی رھےگا اور عوام کے معاملات کو طے کرنا کسی مردارخور کوے کا کام نہیں ھے۔ لوسووسکی کو کوئی حق نہیں کہ وہ معصوم فاختہ جیسا نظر آئے اور آپ جیسے لوگوں کو فریب میں مبتلا کر دے۔ میں تو کوشکین جیسے لوگوں کو ایک لحاظ سے بہتر سمجھتا ھوں۔ وہ کم از کم اپنے اصلی رنگ میں تو نمودار ھوتے ھیں۔ لوگ ان کی کمینگی کو صاف صاف دیکھ سکتے ھیں لیکن لوسووسکی جیسے افسران اور مذبذب انصاف اور مشتبہ نیکیاں محض ایسی امیدوں کو جنم دیتے ھیں جو کبھی پوری نہیں ھوتیں۔ لوسووسکی جیسے افسروں ھی کی بدولت آپ اس غلطفہمی میں مبتلا ھیں کہ قصور معاشرے کا نہیں، لوگوں کا ھے۔ اسی کے جیسے "اچھے" افسروں کی وجہ

سے عوام ان کوؤں کو اصلی رنگ میں دیکھنے سے قاصر رهتے هیں جن پر زار کی نوکرشاهی مشتمل هے۔"

ابائی میخائلوف کی باتوں کا مفہوم پوری طرح سمجھ گیا اور عوام کی فلاح سے متعلق اس کی زبردست لگن پر عش عش کر اٹھا۔ وہ اس کی صاف‌گوئی کے لئے اس کا احسان‌مند تھا۔

"آپ نے تو میرے لئے ایک نامعلوم دنیا کا دروازہ کھول دیا" اس نے اعتراف کیا۔ "هماری یہ بات‌چیت ایک مفید سبق ثابت هوئی هے۔"

میخائلوف نے ابائی کے شانے پر هاتھ رکھ دیا۔

"دراصل آپ کو مجھ سے کچھ تھوڑی سیکھنا هے" اس نے محبت بھرے انداز میں کہا۔ "مجھ سے کہیں زیادہ صاحب فہم روسی مفکر موجود هیں۔ آپ چاهیں تو میں آپ کو کچھ کتابیں دے سکتا هوں۔ از راہ کرم مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے مطالعے میں آپ کی مدد کروں۔ آپ کا مطالعہ کرنے کا خیال بہت هی شاندار هے۔ آپ کے قزاخوں میں تعلیم‌یافتہ افراد کی زبردست کمی هے۔ آپ کو جس نوعیت کا تجربہ هوا هے اسی نوعیت کا واقعہ دوبارہ پیش آ سکتا هے۔ آپ کو بہت کچھ جاننے کی اشد ضرورت هے تاکہ آپ صداقت اور فریب میں امتیاز کر سکیں۔ صرف یہی ایک صورت هے جس سے اپنے عوام کے لئے آپ مفید ثابت هو سکتے هیں۔ روسی کتابیں بہت معاون هوں‌گی۔ یقین مانئے وہ آپ کی وفادار دوست ثابت هوں‌گی!" وہ مسکرانے لگا۔ "آپ اپنے آپ کو تعلیم دینے کے لئے جو کوششیں کریں‌گے ان میں میں آپ کے مشیر کا کام کروں‌گا خاص طور سے اس لئے اور بھی کہ اس میدان میں مجھے کچھ تجربات هو چکے هیں۔"

ابائی اس کی مہربانی اور محبت سے بہت متاثر هوا۔

"خدا کا شکرگزار هوں کہ آپ سے میری ملاقات هو گئی۔ میں آپ کی اس پیش‌کش کو آپ کی همدردی کی بیش‌بہا علامت کے طور پر قبول کرتا هوں۔"

اس بات‌چیت کے بعد ابائی هر تیسرے چوتھے روز میخائلوف سے ملنے کے لئے اس کے یہاں جانے لگا۔ وہ لوگ اکثر خانہ‌بدوشوں کی زندگی کے متعلق باتیں کرتے تھے۔ میخائلوف کو یرعلی کے واقعات

کی اصل کہانی جاننے سے بڑی دلچسپی تھی۔ آخر اورال‌بائے کون تھا؟

ابائی نے یہ کہانی تفصیل سے بیان کی۔ کس طرح اورال‌بائے کو کوریم‌بالا سے محبت ہوئی اور اس محبت کی بنا پر دونوں کو کتنی مشکلات برداشت کرنی پڑیں۔ کوریم‌بالا اپنی رسوائی کو نہیں جھیل سکی تھی اور اس کا انتقال ہو گیا تھا دوسری طرف اورال‌بائے لٹیرا بن گیا تھا۔ دونوں کو گانے میں کمال حاصل تھا۔

اورال‌بائے کو اس کے بہترین دوستوں نے انتقامی کارروائیوں پر آمادہ کیا تھا۔ اس بات کو ابائی نے ابھی تک اپنی ذات تک محدود رکھا تھا لیکن میخائلوف سے اپنی بات‌چیت کے دوران اورال‌بائے سے اپنی ہمدردی کا کھلم کھلا اعتراف کر لیا۔

"اسے چور اور لٹیرا قرار دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ سچ ہو لیکن صرف سرکاری ذمے‌داروں ہی کی نگاہ میں! عوام اسے ایک بہادر اور جائز بات کا بدلہ لینے‌والا شخص تصور کرتے ہیں۔ خود آپ کے روسیوں میں بھی اس کے جیسے لوگ گزرے ہیں۔ کیا ان لوگوں نے ظلم و جبر کے خلاف بغاوت نہیں کی؟ کیا وہ عزت و احترام کے مستحق نہیں ہیں؟ میرے بس میں ہو تو میں یقیناً ایسے افراد کی حمایت کروں۔ اور آپ کی کیا رائے ہے؟"

میخائلوف اس کی باتوں کو بڑے انہماک سے سن رہا تھا۔

"آپ نے بڑی شاندار کہانی سنائی ہے" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس میں قدیم روایتی قصوں‌والی بات پائی جاتی ہے اور اس کے متعلق کتاب بھی لکھی جا سکتی ہے لیکن حقیقی زندگی میں، خاص طور سے حیات عامہ میں اس مثال کو نمونہ نہیں بنایا جا سکتا۔ آپ کے علاقے میں رائے عامہ ابھی ناپختہ اور تقریباً بےبس ہے اور میں اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کی نگاہ میں یہ بانکا ظلم و جبر کے خلاف بغاوت کرنے‌والا ہے۔ پھر بھی کسی بانکے اور کسی لڑکی کی المناک محبت کسی عوامی تحریک کا کافی سبب نہیں بن سکتی۔ گھربار چھوڑکے بھاگ کھڑا ہونے‌والا آدمی جو انتقاماً لوٹ مار کر رہا ہو، کسی عوامی تحریک کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔"

میخائلوف نے ابائی کے خیالات و نظریات میں وسعت اور گہرائی

پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جہاں تک تجربات کا سوال تھا ابائی کو بھی وھی تجربات حاصل ھوئے تھے جو قونان‌بائے سمیت اس کے ارد گرد کے دوسرے افراد کو۔ اندرئیف جیسے افراد بےشک اس سے زیادہ باخبر تھے لیکن اسے زندگی کا جتنا علم حاصل تھا اسے دیکھتے ھوئے یہ لوگ بھی بمشکل ھی اس سے برتر تھے۔ میخائلوف کی بات ھی دوسری تھی۔ وہ اپنے زیادہ معاشرتی شعور کے ساتھ وسیع دائرہ نظر کا آدمی تھا۔ ابائی نے یرعلی میں خود اپنے طرز عمل کے متعلق یہ تسلیم کرتے ھوئے کہ عوام کی رھنمائی خود اسی نے کی تھی، میخائلوف کی رائے دریافت کی۔

"آپ نے کوشکین کو ایک سبق سکھا دیا اور یہ ایک اچھی بات ھے" میخائلوف نے کسی ھچکچاھٹ کے بغیر جواب دیا۔ "آپ کو معلوم ھے کہ آپ کیوں کامیاب ھوئے؟ اس لئے کہ آپ نے عوام کی مرضی کا بالکل صحیح صحیح اندازہ لگا لیا تھا۔ آپ کا معاملہ، اورال‌بائے کے معاملے سے کہیں زیادہ سنجیدہ نوعیت کا ھے۔ آپ کی حمایت میں اتنا زیادہ ثبوت نہ موجود ھوتا تو اس معاملے کو سیاسی رخ دے دیا جاتا۔ آپ کی دلیلوں نے اثر دکھایا اور اسی وجہ سے آپ اس معاملے سے بچ نکلے۔"

اس نے ابائی کو ضلع اور منطقائی دفاتر کی خبریں بھی بتائیں: کوشکین کا سیمی‌پالاتنسک میں اس کے عہدے سے استکامینوگورسک کو تبادلہ کر دیا گیا تھا جہاں اسے سیمی‌پالاتنسک جیسے عہدے ھی پر مامور ھونا تھا۔ کوشکین کے سابق فرائض کاؤنسلر لوسووسکی کو انجام دینے تھے۔ ضلع دفتر نے اسے ھدایت کی تھی کہ استیپیوں میں جاکے وولوست حکمرانوں کے انتخابات کرائے جن میں کوشکین کے اقدامات سے خلل پڑ گیا تھا۔ یہ انتخابات ارغیزبائے جرگے کے علاقہ چنگیز وولوست کے علاوہ قونیرکوک‌شے اور قزل‌ملا میں ھونے تھے۔

میخائلوف نے ابائی کو مشورہ دیا کہ وہ لوسووسکی کے ساتھ جائے اور صحیح معنوں میں اچھے افراد کو منتخب کرانے میں اس کی مدد کرے۔ اس نے کہا کہ لوسووسکی ابائی کے متعلق اچھی رائے رکھتا ھے اور اس کے تعاون سے اسے بہرحال خوشی ھوگی۔ یہ ایک دوست کا مشورہ تھا جس پر عمل کرنا ھی بہتر تھا اور ابائی فوری

طور پر راضی ہو گیا۔ اس بات سے اندرئیف کے ذریعے لوسووسکی کو مطلع کر دیا گیا اور جلد ہی ابائی کو دعوت‌نامہ مل گیا۔

یربول اور بائےمغم‌بیت کو جب پتہ چلا کہ ان لوگوں کی روانگی ایک بار پھر کیوں ملتوی کر دی گئی ہے تو انہوں نے گھر کی یاد کے تذکروں اور شہر کی گرمی اور گرد و غبار کی شکایتوں سے ابائی کو پریشان کرنا چھوڑ دیا۔ یہ دونوں گھر واپس جانے کے لئے ایک ماہ سے زائد سے انتظار کر رہے تھے اور اس دوران ابائی کے ساتھ بہت کم وقت گزار پائے تھے۔ وہ اپنا زیادہ‌تر وقت یا تو لائبریری میں گزارتا تھا یا میخائلوف کے ساتھ یا پھر گھر میں کتابوں کے مطالعے میں اور جو کچھ پڑھتا اس پر غور و خوض کرنے میں کھویا رہتا۔

بہت کم مواقع ایسے آتے تھے جب یربول کے اصرار کرنے پر ابائی تینی‌بائے کے یہاں جاتا جس کا گھر دریا کے دوسرے کنارے پر واقع تھا۔

سلطنت اور اس کی ماں اب بھی وہاں مقیم تھیں اور ابائی کو ایک روز سلطنت سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔

یربول کی کوششوں کا نتیجہ رہا ہو یا محض اتفاق بہرحال ایک روز شام کو وہ دونوں وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ ماکیش اور سلطنت کی ماں کسی پڑوسی کے یہاں گئی ہوئی ہیں اور سلطنت گھر میں اکیلی ہے۔ یربول باہری کمرے میں رہا اور اس نے راز و نیاز کی اس گفتگو کی طرف سے نوکروں کی توجہ ہٹائے رکھی۔

دونوں ایک اونچے صندوق پر جو قالین اور ایک موٹے گدے سے ڈھکا ہوا تھا، بیٹھے ہوئے تھے۔ خاصا اندھیرا ہو چلا تھا اور ہلکی ہلکی ہوائیں پردوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ دونوں میں سے کسی کا لیمپ روشن کئے جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا اور چونکہ اندھیرے میں بیٹھے ہونے کی وجہ سے وہ لوگ سڑک سے گزرنےوالوں کو دکھائی نہیں دے رہے تھے اس لئے ابائی نے پردے کو کچھ ہٹاکے اس کا ایک سرا پلنگ پر رکھ دیا۔ زرد چاندنی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے سلطنت کے چہرے کو جس پر حیا کی سرخیاں منڈلا رہی تھیں، منور کر دیا۔ چاند کی ایک شعاع لڑکی کی بڑی بڑی آنکھوں کے اوپر لمبی لمبی بھنووں کی محرابوں میں تھرتھراتی ہوئی اس کی سفید پیشانی کو چمکانے لگی۔

سلطنت نے ابائی کا پرانے دوست کی طرح خیرمقدم کیا۔ اس کے خاندان اور قبائلی گروہ کے متعلق دریافت کیا اور شکایت کرنے لگی کہ اس نے اپنے عزیزوں کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ کیا اسے ان لوگوں کی یاد نہیں ستا رہی ہے؟ اس نے ابائی سے پوچھا۔

ابائی نے تسلیم کیا کہ اسے بچوں کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آئی‌گیریم سے اس کی شادی کو اس کے عزیزوں نے پسند نہیں کیا۔ پھر اس نے سلطنت سے اس کی زندگی اور مستقبل کے متعلق دریافت کیا۔

ابائی کو اس سے اپنی پہلی ملاقات کے دوران اندازہ ہوا تھا کہ وہ خود کو بہت لئے دئے رہتی اور باتیں بہت کم کرتی ہے لیکن اس بار وہ کچھ بےتکلف سی ہو چلی تھی اور اس نے اپنی لمبی لمبی انگلیوں سے شول‌پی کے پھندنے سے کھیلتے ہوئے اپنے متعلق باتیں کیں۔ اس کی آنکھوں کی دھکتی ہوئی آگ ایسا لگتا تھا کہ بجھ چکی ہے۔ اب شعلوں کی جھلک صرف اس وقت نظر آتی تھی جب وہ آنکھوں کو جیسے درد و کرب کی کسی کیفیت سے ذرا بھینچ لیتی تھی۔ ابائی ان بانکوں سے مختلف تھا جن کو وہ جانتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ابائی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

"میری آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ میں بھی قیدی ہوں، یہ الگ بات ہے کہ میرے وجود کو جن زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے وہ نظر نہیں آتیں۔ بہتوں کو حیرت ہے کہ مجھے اتنی زیادہ آزادی حاصل ہے لیکن درحقیقت میری مثال اس باز جیسی ہے جسے خوب کھلا پلاکے شکار کے لئے تیار کیا گیا ہو مگر ایک غیر مرئی دھاگے سے اپنے مالک کی کلائی سے بندھا ہو۔ جلد ہی میں ایک شخص کی ملکیت بن جاؤں‌گی جو موسم خزاں میں مجھ سے ملنے آئےگا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم قزاخوں میں بدنصیب لڑکیوں کی تعداد کتنی زیادہ ہے۔ میں اپنی والدہ کے ذریعے والد کے کانوں میں یہ بات ڈال چکی ہوں کہ مجھے اپنے منگیتر سے ذرا بھی محبت نہیں اور اس شخص کے سوا کسی بھی آدمی سے شادی کرنے کو ترجیح دوں‌گی لیکن اباجان کا فیصلہ پتھر کی لکیر ٹھہرا، اس کے بدلنے کا بھلا کیا سوال۔ ان کی اکلوتی بیٹی ہوں، مجھ پر جان چھڑکتے ہیں، مجھے سلطنت کہتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر میں ہمیشہ بےحد لاڈ پیار حاصل رہا ہے۔ آج بھی میرے

والدین میری بڑی سے بڑی خواهش پوری کرنے کو تیار رهتے هیں لیکن جهاں تک شادی کا معامله هے اس میں مجھے ذرا بھی دخل نہیں۔ میری قسمت میں بہرحال تباهی لکھی هے اس لئے میرا گھر کسی معنی میں بھی پنجرے سے بہتر نہیں۔ مستقبل کے بارے میں سوچتی هوں تو دل‌شکسته هو جاتی هوں... بعض اوقات ایسا محسوس هوتا هے جیسے نه مجھے کسی چیز کی آرزو هے نه کسی بات کی فکر... راتوں کو آنسو بہاتی اور خدا سے دعا کرتی هوں که وہ مجھے اس دنیا سے اٹھا لے... اس ذلت‌آمیز اسیری سے موت هزار بار بہتر هے... میری زندگی جیسی هے اس کے ختم هو جانے کے تصور سے افسوس کا سوال هی نہیں اٹھتا۔"

اس نے سر پر باندھنے کا رومال اپنے تمتمائے هوئے چهرے پر رکھکے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کی۔ ابائی خاموش رها۔ اس کا دل بھر آیا تھا۔

"مجھے یقین هے، آپ سمجھتے هیں که نوجوان دل کس طرح سوچتا هے" سلطنت نے پرسکون انداز سے اپنی بات جاری رکھی حالانکه اب اس کے لهجے سے کچھ هچکچاهٹ جھلکنے لگی تھی۔ "میری جگه دوسری لڑکیاں هوتیں تو اپنے آپ سے کہتیں "ارے مستقبل کی فکر میں کیوں جان گھلائی جائے؟ میں فی‌الحال آزاد هوں، اس آزادی سے زیاده سے زیاده فائده اٹھانا چاهئے۔ محتاط رهنے کی ساری باتیں چولھے بھاڑ میں جائیں"۔ عموماً یهی هوتا بھی هے لیکن میں تھوڑی ایسا کر سکتی هوں۔ کراهت اور خوف میری خواهشات کا گلا گھونٹ دیتے هیں۔ میری محبت جنم لیتے هی دم توڑ دیتی هے۔ میں اپنے آپ سے کہتی هوں که مجھے بہرحال تباهی کے کگارے پر سے نیچے ڈھکیلا هی جانا هے تو محبت کی ضرورت هی کیا هے؟ میں تو دراصل کسی سانپ سے مسحور هو جانے‌والی گوریا جیسی هوں: بےچاری لاکھ پر پھڑپھڑائے، سیدھی کھنچتی هوئی سانپ کے منه میں چلی جاتی هے..."

وہ خاموش هو گئی۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ابائی نے اس سے قبل بھی جوان افراد کی اداس آپ بیتیاں سنی تھیں لیکن اتنی شدت کے ساتھ کبھی بھی متاثر نہیں هوا تھا۔ ایسے سچے اعترافات اس نے صرف بعض روسی کتابوں میں پڑھے تھے۔ اس نے جو کچھ سنا تھا

وہ دل کی زبان میں کہا گیا تھا اور الفاظ کے ادا ہو جانے کے بعد دل کو دم توڑ دینا تھا...

ابائی نے آگے جھک کے لڑکی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ نرم، گرم اور ذرا ذرا سے نم ہاتھ۔ اس نے اس کی انگلیوں پر اپنے ہونٹ رکھے تو سلطنت نے آہستگی سے اپنے ہاتھ الگ کھینچ لئے۔

"سلطنت... میری عزیزہ... میں نے اس سے زیادہ اداس قصہ اور کوئی نہیں سنا تھا۔ آپ نے جتنے خلوص سے یہ باتیں کی ہیں ان کا جواب بھی اتنے ہی خلوص سے دیا جانا چاہئے۔ اس وقت ایک بھی ایسا لفظ منھ سے نکالنا گناہ ہوگا جو آپ کو فریب میں مبتلا کر دے... میں آپ کو اس غم کے متعلق بتاتا ہوں جو میرے دل کو پارہ پارہ کئے ہوئے ہے۔"

سلطنت نے اس کی طرف بمشکل ہی نظر آنےوالی خفیف سی جنبش کی۔

"آپ مستقبل سے خوف‌زدہ ہیں۔ آپ کے لئے ایک ایسے شخص کا تصور باعث اذیت ہے جس سے آپ محبت نہیں کرتیں۔ اور میں ایک محبوبہ کی یاد میں تڑپ رہا ہوں۔ میرے لئے ان لمحات سے محرومی کا غم باعث اذیت ہے جنہیں مرتے دم تک فراموش نہ کر سکوں‌گا... میری نوجوانی کا زمانہ تھا۔ مجھے ساری باتیں اس طرح یاد ہیں جیسے یہ کل کا واقعہ ہو۔ لیکن مسرت کے وہ مختصر لمحات ہمیشہ کے لئے چھن چکے ہیں، اس ماہتاب کی طرح جو ڈوب گیا ہو... اس کا نام توغ‌جان تھا۔ اسے آخری بار دیکھے ہوئے کئی سال بیت چکے ہیں لیکن اس محبوبہ کی یاد آج بھی میرے سینے کے اندر کروٹیں لے رہی ہے۔ یہ خود میرے خون سے لکھا ہوا ایک گیت ہے۔ آپ اسے سن چکی ہیں اور ماکیش کہہ رہی تھی کہ آپ نے اسے پسند بھی کیا تھا..."

سلطنت نے کچھ اس انداز سے اثبات میں سر ہلایا جیسے وہ دل ہی دل میں اس گیت کو گنگنا رہی ہو۔ اس کے کانوں کے طلائی آویزے دھیرے دھیرے ہلنے لگے جیسے اس گیت کی دھن کا ساتھ دے رہے ہوں، جیسے کہہ رہے ہوں: "ہاں ہم جانتے ہیں، ہم نے سنا ہے، ہم نے دیکھا ہے..."

"مجھے ایک عورت سے شادی کرنی پڑی جس سے میں محبت

نہیں کرتا تھا" ابائی نے بات جاری رکھی۔ "بچے پیدا ہوئے جنہوں نے میرے دل کو مسرتوں سے بھر دیا لیکن غم بدستور میرے وجود پر حاوی رہا۔ پھر ایک شام کو جبکہ میں توغجان کو خواب میں دیکھ رہا تھا، مجھے ایک آواز سنائی دی جو بالکل اس کی ھی جیسی تھی۔ مجھے اس آواز نے سوتے سے بیدار کر دیا۔ یہ جس کی آواز تھی، جو دیکھنے میں توغجان کی جوڑواں بہن معلوم ھوتی تھی، میرا گیت، میری مسرت اور میری زندگی کا سہارا بن گئی۔ ھمارے ایک خوبصورت بچہ ھے، ھماری باھمی محبت کی علامت۔ لوگ سوچتے ھیں کہ میں شہر میں گلچھرے اڑانے کے لئے رھتا ھوں، انہیں کیا معلوم کہ مجھے آئی‌گیریم کی، اپنی دوسری توغجان کی یاد کتنی زیادہ ستاتی رھتی ھے..."

سلطنت نے کچھ کہے بغیر سر ھلا دیا۔ دراصل مزید کچھ کہنے کی ضرورت ھی نہیں باقی رہ گئی تھی۔

اس نے ابائی کو بڑی بےباکی کے ساتھ، اپنے بےباک اور بےتصنع کردار کے عین مطابق، کچھ اس انداز سے اپنی محبت پیش کی تھی جس کا زیادہ‌تر قزاخ لڑکیاں تصور تک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھیں: اس نے خود ھی اس کے قیدخانے کے دروازے کھول‌کے اسے آزاد کیا تھا لیکن وہ کسی ایسے شخص سے محبت نہیں کر سکتی تھی جو بندھنوں میں جکڑا ھوا تھا۔ وہ کسی دوسری عورت کی محبت میں رخنہ نہیں ڈال سکتی تھی۔ جہاں تک ابائی کا تعلق تھا وہ بہت بری طرح آئی‌گیریم کی کمی محسوس کر رھا تھا اور جھوٹ نہیں بول سکتا تھا، سلطنت سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کی محبت کا جواب محبت سے دے سکتا ھے۔

چنانچہ اس کے ساتھ ھی دونوں کی پرخلوص گفتگو ختم ھو گئی۔ سلطنت نے اپنا دومبرا تلاش کرکے ابائی کو تھما دیا۔

"کیا آپ اس وقت میرے لئے وہ گیت گائیں‌گے؟ دھیرے دھیرے، صرف میرے لئے۔"

ابائی کو اس کی ضرورت تو تھی نہیں کہ کوئی اصرار کرتا۔ اس نے دھیمی لے میں گیت چھیڑ دیا۔ پہلے وہ گیت اس کے ھونٹوں پر آیا جو اس نے توغجان کی یاد میں لکھا تھا پھر اس نے اسی دھن میں دوسرے مصرعے جو خلوص اور محبت کی ترجمانی کر رھے تھے

اور بےساختہ ھونٹوں پر آ گئے تھے، گائے۔ اس نے چاندنی میں سلطنت کے چہرے کی خوبصورتی اور اس نئے جذبے کو اپنا موضوع بنایا جو اس روز اس کے دل میں بیدار ھوا تھا اور ناقابل فراموش تھا۔ اس نے اپنے گیت میں کہا کہ وہ بہت دنوں تک دوستی کے اس رشتے کے گیت گاتا رھےگا اور ان دونوں کے دل اس جذبے کو ھمیشہ عزیز رکھیں گے۔ جدائی ناگزیر ھے لیکن اس کے حافظے میں ھمیشہ اپنی اس دوست کی یاد برقرار رھےگی۔ دونوں کے دل اپنے راز کو کسی نہایت ھی بیش‌قیمت شے کی طرح محفوظ رکھیں گے۔

اس اثنا میں یربول بغل‌والے کمرے میں اپنے دوست کے کسی اشارے کا منتظر تھا۔ اس نے گانے کی آواز سنی تو بائےمغم‌بیت کو لیمپ روشن کرنے کی ھدایت کی، خود ایک لیمپ ھاتھ میں لےکے ماکیش کے کمرے میں داخل ھوا اور ان دونوں کی طرف کھلم کھلا تجسس کی نگاہ سے دیکھا۔

ابائی اور سلطنت بالکل اسی حالت میں بیٹھے تھے جس میں اس نے انہیں چھوڑا تھا اور ابائی دھیمی لے سے گا رھا تھا۔ اس کے چہرے پر وہ کیفیت نہیں جس کی یربول توقع کر رھا تھا بلکہ کچھ عجب سی کیفیت طاری تھی۔ یربول کو یہ بات ذرا بھی پسند نہ آئی۔ اپنے دوست کے رویے سے وہ صرف ناخوش ھی نہیں ھوا، اسے تکلیف بھی پہنچی۔

بائےمغم‌بیت اور کچھ نوکر بھی چائے کی میز لگانے کے لئے اندر داخل ھوئے۔ ماکیش اور سلطنت کی ماں جلد ھی واپس آ گئیں اور ان کی آمد کے کچھ ھی دیر بعد تینی‌بائے کی بڑی بیوی بھی گھر آ گئی۔

ابائی اور یربول تمام شام گاتے رھے، کبھی الگ الگ اور کبھی ساتھ ساتھ۔ تینی‌بائے کی بڑی بیوی کی درخواست پر دونوں نے مختلف مواقع کے گیت سنائے۔ سلطنت جو کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آ رھی تھی، چپ چاپ بیٹھی توبیق‌تی گیتوں کی دھنیں سنتی رھی جو خود اس کے اپنے جرگے کی دھنوں سے بالکلً مختلف تھیں۔ شام ختم ھونے کو تھی اور ابائی، یربول اور بائےمغم‌بیت کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا، تب کہیں جاکے سلطنت نے اپنی خاموشی توڑی۔

"کیسی ناقابل فراموش شام تھی" اس نے ابائی سے کہا۔ "اور کتنی تیزی سے گزر گئی! میں آپ کی بےحد ممنون ھوں۔ میں جانتی تھی کہ

آپ دوسروں جیسے نہیں ہیں اور جو کچھ نہیں پیش آیا اس کا مجھے قطعاً ملال نہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ کی زندگی بھر مسرتیں آپ کے قدم چومتی رہیں۔"

ابائی کو اس کی صاف‌گوئی اور بےباکی نے ایک بار پھر بہت متاثر کیا۔ اس نے منھ سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر، سر کو ذرا سا خم کرکے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ سلطنت سمجھ گئی کہ وہ ایک غیرضروری لفظ بھی کہہ‌کر شام کے لطیف جذبات کو بےکیف نہیں بنانا چاہتا۔ اس نے سر کو جنبش دی اور کھڑکی کے پاس چلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اور نگاہیں وہاں سے جاتے ہوئے ابائی پر جمی ہوئی تھیں۔

آخرکار شہر سے روانگی کا دن آ ہی گیا۔ ابائی میخائلوف سے ہر روز ملنے جاتا تھا۔ ایک موقعے پر وہ ابائی کو اپنے ہاتھ میں ایک کھلی کتاب لئے ہوئے ملا۔ سلام کرتے ہوئے اس نے ابائی کا بازو تھام لیا اور اپنے کمرے کے اندر لے گیا۔

"بھئی قونان‌بائیف، میں نے آپ کے لئے کچھ کتابیں منتخب کی ہیں جو یہ ہیں" اس نے میز پر کتابوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "روسی ناولوں اور افسانوی مجموعوں کے علاوہ میں نے عام معلومات کی بھی کچھ کتابیں منتخب کی ہیں۔"

"کاہے کی ہیں یہ کتابیں، یوگینی پیتروویچ؟"

"کچھ کتابیں دنیا کی تاریخ، یورپ کی تاریخ اور جغرافیہ سے متعلق ہیں۔ آپ کو اس سال ان کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کرنا چاہئے۔ ان میں سے کچھ تو میری ذاتی ہیں اور کچھ کتابیں آپ کے لئے گوگول لائبریری میں رکھی ہیں۔ میں لائبریرین کو ان کی فہرست دے چکا ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ پہلے بھی تاریخ کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ تاریخ ہئی ایسی چیز۔ دراصل اسے تمام دانش کی ماں تصور کیا جانا چاہئے۔"

"جی ہاں، میں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے۔ اس موضوع پر کچھ کتابیں تو مدرسے کے نصاب میں شامل تھیں اور کچھ میں نے خود حاصل کی تھیں۔ لیکن آپ سے ملاقات کے بعد ایسا لگتا ہے کہ ان کتابوں کی اہمیت باقی نہیں رہ گئی۔ مجھے تو اب اس کا بھی یقین نہیں رہا کہ وہ تاریخ ہی کی کتابیں ہیں۔ آپ نے تو ان

کو میرے ذہن سے کچھ یوں خارج کرا دیا ہے جیسے وہ کہرے کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوں۔"

"مجھے امید ہے کہ سب کی سب ایسی نہ رہی ہوں گی" میخائلوف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تاریخ اسلام بھی دانش پر، بلاشبہ زبردست دانش پر مشتمل ہے لیکن آدمی کو کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ یہ تاریخ کس نے لکھی تھی اور کیسے لکھی گئی تھی۔"

اور پھر میخائلوف نے ایک ایسے نظریے کی وضاحت شروع کر دی جو ابائی کے لئے بالکل نیا تھا۔ اس نے کہا کہ مشرقی تہذیب نے عالمی علم و دانش کو کئی صدیوں تک متاثر کیا اور علوم انسانی کے فروغ میں زبردست کردار ادا کیا ہے۔ قدیم دنیا اور یورپ کی نشاط ثانیہ کے درمیان ذہنی تیرگی کی متعدد صدیاں گزری ہیں۔ اس زمانے میں مشرق نے روشنی نہ دکھائی ہوتی تو اس تیرگی کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس طرح مشرق، انسانی فکر و فلسفہ کے ارتقا کی زنجیر کی ایک کڑی بن گیا اور اس نے فکر انسانی کو اپنی بہت کچھ خصوصیات عطا کیں۔

اس گفتگو سے ابائی کی خاص طور سے بہت حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ میخائلوف سے اپنی شادمانی کو چھپا نہ سکا۔ اب تک وہ یقین کرتا رہا تھا کہ مشرق اپنی ثقافت اور علوم کے ساتھ بالکل الگ تھلگ کھڑا رہا ہے لیکن اب اس کے دوست نے علم و دانش کے تمام خزانوں کو جن میں ابائی کے خیال میں بعدالمشرقین تھا، ایک کل کا جزو بنا دیا تھا۔ اس نے سوچا کہ چیزوں کو دیکھنے کا صحیح طریقہ یہی ہے! دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد کم تو نہیں جو مشترکہ فلاح و بہبود، انصاف، صداقت اور ضمیر کے متعلق سوچتے ہیں۔ ہر دور نے، ہر قوم نے خود اپنے مفکرین اور معلمین پیدا کئے ہیں جنہیں، اس حقیقت کے باوجود کہ وہ مختلف زبانیں بولتے تھے، بنی نوع انسان کے مستقبل کی فکر رہی ہے۔ یقیناً یہی وجہ ہے کہ وہ اور میخائلوف اتنی آسانی سے ایک دوسرے کے خیالات اور طرز فکر کو سمجھ لیتے ہیں۔ شاید اسی مفاہمت نے ان دونوں کی دوستی کو، اس بات کے باوجود کہ ایک کو ثقافت ورثے میں ملی تھی اور دوسرے نے ابھی اس ثقافتی خزانے سے استفادہ شروع ہی کیا تھا، اتنی تیزی سے مستحکم کر دیا تھا۔

میخائلوف کی کشادہ پیشانی، دل میں اتر جانےوالی آنکھوں اور گھنی ترشی ترشائی داڑھی کو دیکھکے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ ایک ذی فہم معلم ہے۔ ابائی اس کے ایک ایک لفظ پر توجہ دے رہا تھا، اس کو میخائلوف کا ہر جملہ ایک حکیمانہ قول معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سیدھے سادے عام فہم انداز میں باتیں کر رہا تھا لیکن ان کی مدد سے جن نتائج پر پہنچتا تھا وہ بڑے بےباک اور دور رس تھے۔ اس نے اپنی اس رائے کا اعادہ کرتے ہوئے کہ اسلام کا مطالعہ ایک سنجیدہ علمی کام ہے، خیال ظاہر کیا کہ قزاخ عوام نے تہذیب و ثقافت کا ایک ایسا خزانہ اکٹھا کر رکھا ہے جس کی ابھی تک اہل دانش کو خبر نہیں اور جس کی قدر و قیمت کو خود ابائی بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔ یہ خزانہ زمین کے اندر موجود سونے کی طرح عوام کے درمیان پوشیدہ ہے۔

اس بات‌چیت نے دونوں کو کچھ اور بھی قریب کر دیا۔ میخائلوف ابائی کے لئے بڑے بھائی جیسا تھا، دونوں کے درمیان خون کے رشتے سے بھی زیادہ پائیدار رشتہ قائم ہو چکا تھا۔

”آج مجھے آپ کے بارے میں جتنا معلوم ہوا اتنا پہلے کبھی بھی نہیں معلوم ہوا تھا“ ابائی نے اس سے رخصت ہوتے وقت کہا۔ ”اب میں آپ کی صفات کو صحیح معنوں میں سراہ سکتا ہوں۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آپ کو صرف روسی قوم کی فکر ہے نیز یہ کہ میں آپ کو ایک عجیب و غریب دنیا کا انسان، استیپیوں کا دقیانوسی خیالات رکھنےوالا شخص معلوم ہوتا ہوں‌گا لیکن آپ تو مجھے اپنے ساتھ ایک پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے اور وہاں سے مجھے ہر زمانے کی، ہر قوم کی بستیاں دکھائیں اور بتایا کہ تمام لوگ ایک دوسرے کے رشتےدار ہیں، دور ہی کے کیوں نہ سہی۔ مجھے یہ سن‌کے خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے توبیق‌تی قبیلے تک کو فراموش نہیں کیا۔ خوشی بھی محسوس ہو رہی ہے اور فخر بھی۔“

میخائلوف نے اس کی باتوں کا دوستانہ مسکراہٹ سے جواب دیتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ ہماری دوستی دونوں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ بس اپنے وعدے پر قائم رہئےگا، لائبریری کو بھول نہ جائیے گا۔“

لوسووسکی کی استیپیوں کو روانگی سے قبل میخائلوف نے اندرئیف کے مکان پر اس سے ملاقات کی۔

"قونانبائیف علم کی زبردست پیاس رکھتے ھیں" اس نے کہا۔ "یہی وہ طریقہ ھے جس سے کسی جوان قوم کو حصول علم کے لئے جد وجہد کرنی چاھئے، جوش، توانائی بلکہ ھوس تک کے ساتھ!"

لوسووسکی مطمئن نہ ھوا۔

"آپ بھی کیسی بات کر رھے ھیں، یوگینی پیتروویچ۔ کہیں ایک آدمی کو بھی قوم کہا جا سکتا ھے؟ قزاخوں کو تو ابھی بہت ترقی کرنی ھوگی، اس کے بعد ھی وہ روسی ثقافت سے استفادے کی قدر و قیمت سمجھ پائیں گے۔ اس وقت تو یہ لوگ خواب غفلت میں کھوئے ھوئے ھیں۔ اور جہاں تک قونانبائیف کا تعلق ھے، میں سمجھتا ھوں کہ ان کی علم کی پیاس محض ویسی ھی ھے جیسی تمام جوان افراد کو ھوتی ھے۔ لوگ، بڑے ھوکے عموماً حصول علم کی فکر کرتے ھی ھیں۔"

میخائلوف نے اس مسئلے پر بحث نہ چھیڑی صرف اس امید کا اظہار کیا کہ لوسووسکی ابائی سے دھیرے دھیرے بہتر طور پر واقف ھو جائے گا۔

"قونانبائیف کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ ھے کہ وہ انصاف، عوام اور عوام کی خدمت کے متعلق باتیں کرنا پسند کرتے ھیں۔ یہ تصورات ان کے ذھن کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکے ھیں اور روسی تہذیب سے بھی ھمآھنگ ھیں۔ ھیں نا؟ وہ اس قسم کے پہلے خانہبدوش قبائلی ھیں جن سے میری ملاقات ھوئی ھے۔ میں آپ کی رائے جاننا چاھوں گا۔ آپ استیپیوں سے، عوام کے تعلقات سے مجھ سے کہیں بہتر طور پر واقف ھیں۔ میں قونانبائیف کے انسانیتدوست رجحانات سے متاثر ھوا ھوں اور دل ھی دل میں سوچتا رھتا ھوں کہ آئندہ چند برسوں میں ان کی شخصیت کا ارتقا کس ڈھنگ سے ھوگا۔"

میخائلوف نے یہ بات خود ابائی سے کبھی بھی نہیں کہی تھی لیکن اس وقت اس نے اپنے اس خیال کا اظہار بڑے پریقین انداز میں کیا اور اندرئیف نے فوراً ھی اس کی تائید کی۔

"آپ ھمیشہ اس خیال پر قائم رھے ھیں کہ قرغیز حکمراں زیادہتر کندذھن، بددیانت اور جاھل ھوتے ھیں" اس نے لوسووسکی سے کہا۔

"اب آپ قونان‌باتیف سے کہئے کہ وہ اس کام کے لئے موزوں افراد کے نام بتائیں۔ تجربہ کرکے دیکھنے میں کوئی نقصان تھوڑی ہے۔ ان افراد کو انتخابات میں منتخب کرا دیجئے اور دیکھئے کہ کیسے ثابت ہوتے ہیں۔"

لوسووسکی نے کوئی اعتراض نہ کیا، بعض شکوک البتہ ظاہر کئے۔

"قرغیز قبائلیوں کے سردار ہم افسروں کے لئے ہی نہیں خود قونان‌بائیف کے لئے بھی ایک معما ہیں۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ قونان‌بائیف کے دوست دوسروں سے زیادہ مختلف ثابت ہوں‌گے۔ یہ لوگ استیپیوں کی زندگی کو صحیح راستے پر لگا سکیں‌گے، اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ دراصل جب تک استیپیوں کے حالات میں بہت زیادہ تبدیلی نہ واقع ہوگی، ہم لوگوں کو خاصی گڑبڑی کا سامنا کرنا پڑتا رہےگا۔ لیکن جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں، تجربہ کرکے دیکھنے میں کوئی نقصان نہیں" پھر لوسووسکی نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی: "ہمیں امید کرنی چاھئے کہ دو سال میں قونان‌بائیف اور میں اپنے تجربات کو کامیاب ہوتے دیکھ سکیں‌گے۔ ویسے مجھے تو کامیابی میں شک ہے..."

چند روز بعد لوسووسکی انتخابات کرانے کے سلسلے میں استیپیوں کو روانہ ہو گیا۔ ابائی اور یربول اس کے ساتھ قزل‌ملا گئے اور بائےمغم‌بیت کے ذریعے "جائےلاؤ" پر خبر بھجوا دی۔ میخائلوف کی منتخب کی ہوئی گاڑی بھر کتابیں اس کے ساتھ تھیں۔

لوسووسکی نے اپنا وعدہ نبھاتے ہوئے قزل‌ملا، قونیر کوک‌شے اور چنگیز وولوستوں کے انتخابات میں ابائی سے مشورہ کیا اور ہر جگہ ابائی کے اثر و رسوخ کو مستحکم کرنے کی حتی‌الامکان کوشش کی۔ تمام پڑاوؤں پر ان لوگوں کا عزت و احترام کے ساتھ خیرمقدم کیا گیا، ان کے قیام کے لئے سلیقے سے خیمے نصب کئے گئے، مویشی ذبح ہوئے اور کھانے پکائے گئے۔ ابائی کو ہر وقت ضلعے کے حاکم اعلا کے ساتھ دیکھا جاتا تھا جس کی بنا پر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ شہر سے اس حالت میں واپس ہوا ہے کہ سرکاری ذمےداران ہمیشہ سے زیادہ اس کی عزت بھی کرتے ہیں اور اس پر اعتماد بھی۔ کچھ لوگ تو یہ تک سمجھ بیٹھے کہ وہ حاکم اعلا کا مشیر ہے۔

ابائی ہر وولوست میں پہلے ان افراد سے بات‌چیت کرتا جن کے متعلق وہ جانتا تھا کہ ایماندار اور منصف مزاج ہیں اس کے بعد خود کسی امیدوار کا نام تجویز کرتا۔ ان لوگوں کو منتخب کر لیا جاتا اور ان کی اہلیت کے بارے میں کوئی تنازعہ نہ کھڑا ہوتا۔

لوسووسکی کو شہر میں ہونے‌والے تجربات نے سکھا دیا تھا کہ خانہ‌بدوشوں پر اعتماد نہ کرنا چاہئے لیکن جہاں تک ابائی کا تعلق تھا، اس کے دل میں احترام کے سوا اور کوئی جذبہ نہ پیدا ہوا اور ایک ماہ ساتھ ساتھ رہنے کے بعد دونوں ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔

"بھئی ابراہیم قونان‌بائیویچ، ذرا پھونک پھونک‌کے قدم رکھئے‌گا" بعض اوقات وہ مزاحیہ انداز میں کہتا۔ "انتخابات دراصل آپ کرا رہے ہیں، میں نہیں۔ میں تو صرف آپ کی سفارشات کو سنتا اور آپ کے امیدواروں کو منظوری دے دیتا ہوں۔ یہ لوگ بھی بددیانت اور مغرور ثابت ہوئے تو کیا ہوگا؟ انہوں نے بھی جھوٹے بیانات تیار کئے اور قبائلی تصادموں کے لئے اشتعال دلایا تو کیا ہوگا؟ اس صورت میں آپ اپنے احباب میخائلوف اور اقباس کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

ابائی کو صرف اپنے احباب ہی کے نہیں، عوام کے سلسلے میں بھی جن کی زندگیوں کو بہتر بنانے کی اسے فکر تھی، اپنی ذمے‌داریوں کا احساس دلانے کے لئے لوسووسکی کے انتباہ کی ضرورت تھوڑی تھی۔ وہ تین ایسے نوجوانوں کو وولوست حکمراں منتخب کرانے میں کامیاب ہو گیا جن کے اس عہدے پر مامور ہونے کا خود انہیں تو خیر کیا، کسی کو بھی خیال تک نہ آیا تھا۔

چنگیز وولوست کے لئے اس نے توغجان کے بھائی اور اپنے ایک دوست اصیل‌بیک کا نام تجویز کیا جس کی نیک‌مزاجی اور رحمدلی کے باعث وہ اپنے بچپن ہی سے احترام کرتا تھا۔ اصیل‌بیک اس عہدے کے لئے جسے اب تک تکے‌جان اپنی ملکیت تصور کیا کرتا تھا، منتخب کر لیا گیا۔ اس انتخاب پر ارغیزبایوں اور خاص طور سے پرانی نسل کے لوگوں کو سخت طیش آیا۔

قونیر کوک‌شے میں ابائی نے دولت‌مند اور جاہ‌طلب ابین کے منصوبے خاک میں ملا دئے جس نے رشوت کے ذریعے اس عہدے پر قابض

ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس نے ابین کے بجائے مستقل‌مزاج اور ذہین بانکے شمیربائے کا نام تجویز کیا۔

قزل ملا وولوست کے حکمراں کے عہدے کے لئے اس نے اپنے چھوٹے بھائی اسحاق کا نام تجویز کیا جو اس کا ہم‌خیال تھا۔ اسحاق، اول‌جان کا بیٹا تھا لیکن اس کی پرورش کونکے نے قدائے‌بیردی کے ساتھ کی تھی۔ وہ خاصے طویل عرصے تک تکےجان کے زیر اثر رہا تھا لیکن ادھر کچھ دنوں سے ابائی سے قریب ہو گیا تھا اور اسے منصف‌مزاج بڑا بھائی اور حقیقی دوست تصور کرنے لگا تھا۔

تو ابائی کے سرکاری ذمےداروں سے ٹکراؤ سے جو یرعلی میں شروع ہوا تھا، یہ نتائج برآمد ہوئے۔ اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ فتح دراصل اسی کی ہوئی تھی اور اس کی شہرت استیپیوں میں کچھ اور بھی دور دور تک پھیل گئی۔

پرانی ڈگر پر

۱

"ارے ابائی، ابائی! خدا تمہیں کبھی خوشی کا منہ نہ دکھائے۔ آخر تم ہمیں سنسان استیپیوں میں تنہا، بےیار و مددگار کیوں چھوڑ گئے؟ گھر اپنے مالک کے بغیر ہے، بیوی بغیر شوہر کے اور بچے بغیر باپ کے۔ آخر ہم نے کیا گناہ کیا تھا جو ہماری یہ درگت بنی؟ خدا نے ہمیں اس قیامت کی گرمی کے ذریعے سزا دی ہے، یقیناً آسمان کو زمین پر پھٹ پڑنا چاہئے۔ پڑاؤ کے لئے کیا یہی موزوں جگہ رہ گئی ہے جہاں مکھیاں پل بھر کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتیں؟ روز بہ روز گرمی کی شدت بڑھتی جا رہی ہے اور ابائی، یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ نہیں، تمہیں کبھی بھی خوشی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا، کبھی بھی نہیں۔ آخر یہ مجھے کس گناہ کی اتنی بےرحمی کے ساتھ سزا دی جا رہی ہے؟"

دلدا بین کرنے کے انداز میں چیخ چیخ‌کے یہ اور ایسے ہی دوسرے الفاظ ادا کرتی ہوئی پڑاؤ سے گزرکے آئی‌گیریم کے خیمے پر پہنچی۔ آئی‌گیریم نے اس کا کچھ اس انداز سے جیسے کسی عمر میں بڑے رشتےدار کا خیرمقدم کیا جانا چاہئے تھا، استقبال کیا اور احترام کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

دلدا اب دیکھنے میں بوڑھی عورت سی معلوم ہوتی تھی، دبلی پتلی، مضطرب اور جھگڑالو۔ جلدی جلدی بچوں کی پیدائش سے اس پر قبل از وقت بڑھاپا آ گیا تھا، چہرے پر جھریاں نمودار ہو گئی تھیں اور رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ دبلی پتلی تو خیر وہ جوانی میں بھی تھی لیکن اب تو صحیح معنوں میں سوکھ‌کے کانٹا ہو گئی تھی۔

اس کا آئی‌گیریم سے ملنے آنا اور اسے سنا سناکے ابائی کو کوسنا، دلدا کے اپنی سوت کے سلسلے میں عام نفرت‌انگیز رویے سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ دراصل اس نے مصلحتاً یہ قدم اٹھایا تھا۔

مناس شہر سے ایک روز قبل ہی لوٹا تھا اور اس کے ذریعے ابائی نے یہ اطلاع بھجوائی تھی کہ وہ گرمیوں کے باقی ایام میں گھر سے باہر ہی رہےگا۔ مناس نے یہ بتانے کے بعد دلدا کے خیمے میں جہاں اس وقت پڑوسی اور نوکر بھی موجود تھے، ناشتہ کرتے ہوئے شہر میں ابائی کی زندگی پر تبصرے کئے تھے۔

"اس کی بوڑھی ماں نے مجھے اس حکم کے ساتھ اتنی دور بھیج دیا تھا کہ دن رات سیدھے گھوڑا دوڑاتے چلے جاؤ۔ کہنے لگی "میرا بیٹا جیل میں سڑ رہا ہوگا۔ کم از کم یہی معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ اس کی صحت تو ٹھیک ہے۔" میں پاگلوں کی طرح گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا شہر پہنچا۔ اور مجھے معلوم کیا ہوا؟ ارے بھئی، وہ تو جیل سے رہا ہو چکا تھا اور گلچھرے اڑا رہا تھا۔"

مناس نے اپنی باتوں کا سلسلہ جاری رکھا لیکن محتاط انداز میں، اشاروں کنایوں کے ساتھ کیونکہ اسے دلدا کے دل میں رشک و حسد کے جذبات بیدار ہونے کا ڈر تھا لیکن جلد ہی اس نے حیرت کے ساتھ محسوس کیا کہ دلدا کو تو ایک طرح کی خوشی سی ہو رہی تھی۔

"میرے عزیز، دیکھو مجھ سے کوئی بات راز میں نہ رکھو، خدا تمہاری خواہشات کی تکمیل کرے" اس نے مناس کو اکسایا۔ "جو کچھ دیکھا سنا ہو، سب کا سب ہمیں بتا دو۔ ہم سے کچھ چھپاؤگے تو خدا یقیناً تمہیں سزا دےگا۔"

اکھڑ اور احمق مناس کو بھلا کیا خبر تھی کہ سوجھ بوجھ سے کام لینا کس کو کہتے ہیں۔ اس نے ابائی اور سلطنت کو نیم تاریک کمرے میں دیکھا تھا اور خود ہی نتائج اخذ کر لئے تھے۔ الٹے سیدھے بےترتیب فقروں، جملوں کے بعد آخرکار وہ خود اپنے لفظوں کے جال میں پھنس‌کے رہ گیا۔

"میں ابائی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا حالانکہ میں نے اسے عین موقعے پر اس لڑکی کی موجودگی ہی میں کھری کھری سنا دی۔ کیا کروں مجھ سے تمہارا خیال کئے بغیر نہ رہا جا سکا۔ بھلا میں

اس سے کھل کے بات کیوں نہ کرتا؟ میں نے کہا: "تمہاری بیوی اور بچے تمہاری فکر میں اتنے پریشان ہیں کہ بےچاروں کو رات رات بھر نیند نہیں آتی، کھانا پانی حلق سے نیچے نہیں اترتا اور تم یہاں الدیکے کی بیٹی کو گلے سے لگائے بیٹھے ہو۔" میں تو غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ گھما پھرا کے تھوڑی، جو کچھ کہنا تھا صاف صاف کہہ دیا۔"

دلدا نے مناس سے ساری تفصیلات معلوم کر لیں اور صبح کو اسے "جائےلاؤ" جانے کے لئے رخصت کرکے آئیگیریم کے پاس پہنچی کہ اپنی باتوں سے اس کے کلیجے میں آگ لگا دے۔

پہلے تو آئیگیریم بالکل بدحواس ہوکے رہ گئی۔ دلدا بہت جوش و خروش میں تھی، قہقہے لگا رہی تھی، اپنی سوت سے بےحد محبت جتا رہی تھی اور یہ ایک ایسی بات تھی جو اس سے قبل کبھی بھی نہیں پیش آئی تھی۔ لیکن آخرکار وہ اصل مسئلے پر آئی اور اپنی مسرت کو چھپانے کی کوشش کئے بغیر خوب نمک مرچ لگاکے اس قصے کی تفصیلات مزہ لے لےکر بیان کیں جس میں اس سے قبل مناس بھی خاصی مبالغہ آمیزی کر چکا تھا۔

قیامت کی گرمی پڑ رہی تھی لیکن آئیگیریم کو اچانک محسوس ہوا کہ سردی سے اس کا کلیجہ تک ٹھٹھرکے رہ گیا، کچھ ایسا لگا جیسے خبیث کوڑے نے اس کے دل پر شدید ضرب لگائی ہو۔ اس نے اپنی سرد انگلیوں سے دلدا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس نے کپکپاتے ہوئے سرگوشی کی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ پائی اور دلدا کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ اس کی آنکھوں میں جو کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں، آنسو کے بڑے بڑے قطرے منڈلانے لگے لیکن آن کا سوال تھا اس لئے انہیں پی گئی۔ چہرے کا رنگ البتہ یوں فق ہو گیا جیسے بےہوش ہونے ہی والی ہو۔

"ارے آئیگیریم، ذرا سنو تو کیا ہوا" دلدا نے فاتحانہ انداز میں چیخ ماری اور آئیگیریم کے قریب کھسکتے ہوئے اس کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے لگا دئے۔ "خاص بات تو میں نے ابھی تم کو بتائی ہی نہیں۔ وہ فاحشہ لڑکی سلطنت جو ہے نا، وہ تین گھوڑوں کی گاڑی میں دوڑی ہوئی شہر پہنچی کہ کوئی شوہر ہاتھ لگ جائے۔ ابائی

سے کہنے لگی: "مجھ سے شادی کر لیجئے۔ آپ کو کیا یہ کہاوت نہیں معلوم: "تم نے جس عورت کے ساتھ گناہ کیا ھے، اسی کے ساتھ گناھوں سے پاک بھی ھوگے"؟ اب بھلا میں لوگوں کو کیا منھ دکھاؤں جبکہ ھر شخص کو معلوم ھے کہ میں نے آپ کو قید سے باھر نکالا ھے۔ اب تو میرا منگیتر بھی مجھے قبول نہ کرےگا۔ میں یہ تھوڑی برداشت کر سکتی ھوں کہ آپ مجھے سب کی نگاھوں میں ذلیل کریں" ابائی نے جواب دیا: "لیکن میرے تو بیوی اور بچے ھیں۔" اس پر سلطنت بول پڑی: "آپ کی بیوی شادی میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ بھلا استیپیوں کی وہ خونخوار بھتنی خوبصوتی میں کہیں میرا مقابلہ کر سکتی ھے؟ وہ میرے گھویلو کام کیا کرےگی۔ آپ کی بیوی ھونے کی اھل میں ھوں، وہ تھوڑی ھے اور میں آپ سے کہے دیتی ھوں کہ اپنی ضد منواکے رھوں‌گی، آپ کو مجھ سے شادی کرنی ھوگی۔ اس اثنا میں آپ گرمیوں بھر شہر میں ٹھہرے رھیں کیونکہ میں چاھتی ھوں کہ آپ کا پیار صرف مجھی کو حاصل ھو!.." بھئی آئی‌گیریم، یہ سارا قصہ میرے لئے تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں تو اس سے کبھی کی ھاتھ دھو چکی ھوں۔ لیکن تم؟.. غدار کہیں کا! ھم لوگوں کو بھیک منگے جاتقوں کی طرح یہاں چھوڑ گیا تاکہ سردیوں کی جائے رھائش تعمیر کریں جبکہ خود... میں تو برابر سوچتی تھی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ھے، کوئی ھے جو اسے شہر میں روکے ھوئے ھے اور تم دیکھو کہ آخر وھی ھوا۔ خدا کرے اسے کبھی بھی خوشی کا منھ دیکھنا نصیب نہ ھو!"

دلدا نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور آئی‌گیریم کے خیمے پر درد و کرب کے سیاہ بادل منڈلاتے چھوڑکر وھاں سے اتراتی ھوئی چلی آئی۔ دن جوں توں بیتتے ھوئے ھفتوں میں بدل گئے لیکن ابائی کی صورت نہ دکھائی دی۔

دراصل انتخابات کے بعد ابائی اپنی ماں سے ملنے کے لئے "بڑے پڑاؤ" پر چلا گیا تھا اور وھاں اسے دو ھفتے رکنا پڑا تھا کیونکہ اس کی مائیں، بھائی اور دوسرے عزیز و اقارب کسی طرح آنے ھی نہیں دے رھے تھے۔ وہ گھر پہنچنے کو بےحد بےتاب اور آئی‌گیریم کی طرف سے خاص طور سے فکرمند تھا لیکن اس نے اپنی ان الجھنوں کو چھپائے رکھنے کی کوشش کی۔ آخرکار جب چنگیز پہاڑوں کو روانگی

کی تیاریاں شروع ہو گئیں تو ابائی کو وہاں سے چلنے کا موقع ملا۔ بائےمغم‌بیت اس کے ساتھ تھا اور یربول نے قبائلی گروہوں کے موسم خزاں کی چراگاہوں کو روانہ ہونے تک وہیں ٹھہرے رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ان لوگوں نے جو شام کو اندھیرا ہو جانے کے بعد روانہ ہوئے تھے، رات میں سنسان پہاڑ کو پار کیا اور قیامت کی گرمی کے باوجود اپنے گھوڑوں سے صرف دوپہر کو اترے جبکہ وہ آق‌شوقی میں سردیوں کی قیام‌گاہ پر پہنچ چکے تھے۔ موسم بہار میں ابائی یہاں سے روانہ ہوا تھا تو اس کے مستقبل کے گھر کی صرف دیواریں ہی نظر آتی تھیں لیکن اب ایک پہاڑی ڈھلان پر خاصی کشادہ عمارت کھڑی تھی۔ دونوں گھوڑوں سے اترکے سردیوں کے اس مکان کے اندر گئے تو بائےمغم‌بیت دیواروں کی اونچائی اور چھتوں کی مضبوطی دیکھ‌کے بہت متاثر ہوا۔ ابائی نے پہلے عمارت کے دائیں جانب دونوں گودام جو سردیوں کے غذائی سامان رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے، دیکھے اس کے بعد ملحقہ مخصوص کمرہ جس میں دھوئیں پر گوشت بھوننے کے لئے چمنی لگی ہوئی تھی۔ پھر اس نے مکان کے تمام کمروں کو اچھی طرح دیکھا بھالا۔

تعمیراتی کام کی نگرانی تو آئی‌گیریم اور اوسپان نے کی تھی لیکن خاکہ ابائی کا مرتب کیا ہوا تھا۔ اس نے یہ کام بڑی احتیاط کے ساتھ کیا تھا اور مختلف کمروں کی لمبائی چوڑائی اور دروازوں کی جگہوں تک کا تعین کر دیا تھا۔ اب اس نے ایک ایک دیوار کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لیا کہ اس کے ذہن میں جو نقشہ تھا اس سے یہ عمارت کتنی مطابقت رکھتی ہے۔ بائےمغم‌بیت بےصبری سے لپک‌کے دوسرے کمروں میں چلا گیا اور مختلف چیزوں کو سراہتا بڑے جوش و خروش کے ساتھ واپس ہوا۔

"ارے ابائی آغا، ذرا یہاں تو آئیے۔ کتنا شاندار مکان ہے، بالکل شہر جیسا مکان۔ تختوں کی بھی ایک چھت ہے اور آتش‌دان کتنا شاندار ہے!"

مکان کو توجہ کے ساتھ گھوم پھرکے دیکھنے کے بعد ابائی کو بہت خوشی ہوئی۔ کونےوالا روشن اور کشادہ کمرہ ڈرائنگ روم تھا جس میں جانے کے لئے ایک لمبے ہال سے گزرنا ہوتا تھا۔ یہ کمرہ

ایک دوسرے چھوٹے کمرے کے بغل میں تھا جو مکان کے اس حصے کا آخری کمرہ تھا۔ اباِئی اور آئی‌گیریم نے طے کیا تھا کہ ان کمروں میں سے ایک میں دلدا اور اس کے بچے رہیں اور دوسرے میں ملا۔

اس کے بعد اباِئی نے وہ کمرے دیکھے جو اس کے اور آئی‌گیریم کے استعمال کے لئے تھے۔ اس کے نقشے کے بموجب اس حصے میں داخل ہونے کے لئے پہلے ایک کمرہ ہونا چاهئے تھا جس کے دروازے سے ہوکر اس حصے میں آیا جا سکتا تھا لیکن آئی‌گیریم نے اس میں ترمیم کر دی تھی۔ اس کے حکم سے عمارت کے اس حصے کا دروازہ ایک دوسرے کمرے میں کھلتا تھا جس سے ہوکر عمارت کے دوسرے حصے میں پہنچا جا سکتا تھا۔ اباِئی سمجھ گیا کہ اس ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ آتے جاتے دلدا کا سامنا نہ ہو۔ دونوں حصوں میں داخل ہونے کے الگ الگ دروازوں سے ان لوگوں کو زیادہ تنہائی مل سکتی تھی۔

یہ ٹھنڈا اور پرآسائش مکان حیرت‌انگیز طور پر آرام‌دہ تھا۔ اباِئی نے آئی‌گیریم کے کمرے میں ٹھہرکے اس جگہ کا تصور کیا جہاں پلنگ بچھایا جانا تھا۔ اس نے جھلملاتے ہوئے ریشمی پردوں کا بھی تصور کیا جو کبھی سرخ اور کبھی نیلے ہوکے چمکتے تھے۔

بائےمغم‌بیت نے پورا مکان جلدی جلدی دیکھ ڈالا۔ اس نے وہ کمرے بھی دیکھے تھے جو اس کے اور دوسرے نوکروں کے رہنے کے لئے بنوائے گئے تھے اور اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔ اباِئی اس کے پیچھے پیچھے مکان کے گوشے گوشے کو توجہ سے دیکھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

گھر کو تفصیل کے ساتھ دیکھنے کے بعد اباِئی اونچی اونچی دیواروں کے سائے میں آرام کرنے کو بیٹھ گیا اور بائےمغم‌بیت سے مذاق میں کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ ہمیں کسی بھاگ دوڑ اور پریشانی سے سابقہ نہیں پڑا۔ آئی‌گیریم کا بھلا ہو جس نے ساری ذمےداریاں بڑی خوش‌اسلوبی سے سنبھالیں" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "بھئی گھوڑے لے آؤ، اب ہم لوگ چل دیں، گھر کو!"

دراصل وہ آئی‌گیریم اور بچوں کی یاد سے بری طرح تڑپ اٹھا تھا۔

وہ اپنے پڑاؤ پر غروب آفتاب سے ذرا قبل پہنچا تو اس سے اور

بائےمغم‌بیت سے ملنے کے لئے بچے دوڑکے باھر نکل آئے۔ زیادہ عمر والے ان کے استقبال کے لئے خیموں کے باھر کھڑے ھوئے تھے۔ ابائی نے آئی‌گیریم کو جس نے آکے اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی تھی، پرتشویش نگاھوں سے دیکھا۔ وہ عجب بیمار سی لگتی تھی، چہرہ اترا ھوا اور حیرت‌انگیز حد تک زرد نظر آ رھا تھا جیسے کسی نے اس کی جلد سے جھلکتی ھوئی سرخی اور دمک کو جن کی بنا پر وہ اتنی زیادہ خوبصورت معلوم ھوا کرتی تھی، باھر کھینچ لیا ھو۔ ابائی نے آبیش اور گل‌بدن کو چوما، مغاش کو پیار کیا اور ننھے توراش کو جو بالکل اپنی ماں آئی‌گیریم پر پڑا تھا، گود میں اٹھا لیا۔ دلدا سے مختصراً پڑاؤ کے حالات دریافت کئے اس کے بعد آئی‌گیریم کی طرف متوجہ ھوا۔

اس کی نگاھوں میں اس محبت کی جھلک تک نہیں نظر آ رھی تھی جو ماضی میں ابائی کے لئے بےحد باعث مسرت ثابت ھوا کرتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے غم و اندوہ کا کوئی زبردست بار اس کے سارے وجود کو کچلے دے رھا ھے۔

ابائی کے لئے دوسروں کے چلے جانے کا انتظار کرنا مشکل ھو گیا۔ اس اثنا میں آئی‌گیریم جس سے اب آنسوؤں کو ضبط کرنا ممکن نہیں ھو رھا تھا، اچانک یوں سمٹ گئی جیسے اسے سردی لگ رھی ھو تو ابائی نے دھیرے سے کہا:

"آئی‌گیریم، میری طرف دیکھو نا۔"

ان دونوں نے ایک دوسرے سے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن ابائی کے پیار بھرے نرم لہجے سے آئی‌گیریم کو ایک بار پھر اپنے لئے شوھر کی عام پرمحبت تشویش کا احساس ھوا۔

وہ اداسی سے مسکرائی جیسے کہنا چاھتی ھو: "مجھے خوشی ھے کہ مجھ پر جو کچھ بیت رھی ھے اس کا کم از کم آپ کو اندازہ تو ھوا" لیکن اس کی پلکوں پر آنسوؤں کے قطرے چمک اٹھے۔

"ابائی، آپ بھلا مجھ سے کہنا کیا چاھیں گے؟"

وہ چونک پڑا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آئی‌گیریم، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ھے نا؟ آخر تمہیں ھوا کیا ھے؟ لگتا ھے تمہارے چہرے میں قطرہ بھر خون بھی نہیں باقی رھا۔ کوئی بات ھو گئی ھے کیا؟"

آئی‌گیریم کے جواب دینے سے قبل ہی دلدا کی جھنجھلائی ہوئی آواز گونجی:

"ارے واہ، اب یہ تشویش کاھے کی؟" اس نے طنزیہ ھنسی کے ساتھ پوچھا۔ "ھمیں اذیت میں بیماری نے تھوڑی مبتلا کیا ھے۔ یہ تو غم ھے غم اور اس کا سبب آپ کو اچھی طرح معلوم ھونا چاھئے" اور وہ ایک بار پھر خباثت کے ساتھ ھنسی۔

دلدا کے لہجے سے ابائی سے باتیں کرتے وقت ھمیشہ ھی کچھ برھمی سی جھلکتی تھی لیکن اس وقت تو خاص طور سے ناراضگی کا رویہ نمایاں تھا۔ ابائی نے محسوس کر لیا کہ اس کا لہجہ اپنے اندر اس کے خلاف ایک سنگین الزام کا انداز رکھتا ھے۔ اس نے سوچا کہ شاید اس کے خاندان کے لوگ اس سے ناراض ھیں کیونکہ وہ مقدمہ ختم ھوتے ھی شہر سے واپس نہیں لوٹا تھا۔ بہرحال اس نے اپنے کسی رد عمل کا اظہار نہ ھونے دیا اور دلدا اور آئی‌گیریم دونوں سے مخاطب نہ ھونے کی کوشش میں مردوں سے بات‌چیت جاری رکھی۔

آئی‌گیریم سے اس کا کبھی بھی جھگڑا نہیں ھوا تھا۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی جس میں کبھی ذرا سا بھی فرق نہیں پیدا ھوا تھا۔ وہ دل سے اس کی وفادار تھی۔ اب اس وقت جو بات اس کی پریشانی کا باعث تھی اس کے متعلق وہ اس سے دوسروں کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا اس لئے زبردستی بچوں اور پڑوسیوں سے نئے مکان کی باتیں کرتا رھا۔

دکھ درد کی اس طویل، افسردہ رات میں نہ ابائی کی پلک جھپکی، نہ آئی‌گیریم کی۔ وہ رشک اور وقار کو ٹھیس لگنے کے جذبات سے بری طرح مغلوب ھو رھی تھی اور جیسے ھی ان دونوں کو تنہائی نصیب ھوئی، اس نے مناس کی لگائی ھوئی آگ کا سارا قصہ ابائی سے کہہ سنایا اور پھوٹ پھوٹ‌کے رونے لگی۔

"ابائی، بھلا آپ سے یہ حرکت سرزد کیسے ھوئی؟" اس نے سسکیوں کے درمیان بار بار پوچھا۔ "زیادہ دن تو نہیں ھوئے کہ ھمارا گھر مسرتوں سے بھرا ھوا تھا۔ آخر آپ نے میرے دل کو جلاکے خاک کیوں کر دیا؟ میرے آنسوؤں نے اس گھر کی پرمسرت روشنیوں کو

بجھا دیا ہے۔ میری بیماری کا کوئی علاج نہیں، الفاظ مجھے تسلی نہیں دے سکتے۔ میری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔"

وہ رات بھر ابائی کے قدموں میں بیٹھی سسکیاں بھرتی رہی۔

ابائی نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ مناس نے جو کچھ کہا ہے وہ محض ایک احمقانہ قیاس‌آرائی ہے، سراسر جھوٹ ہے لیکن آئی‌گیریم کو نہ اس کے الفاظ تسلی دے سکے نہ پیار۔ آخر اچانک ابائی کو بڑے ہولناک طور پر احساس ہوا کہ اس کی تمام کوششیں بےسود ہیں۔ اسے اپنے نیچے زمین تک ٹھنڈی سانسیں بھرتی معلوم ہوئی اور اس نے خود کو اپنی مسرتوں کے سلگتے ہوئے ملبے کے درمیان پایا۔

وہ خاموش اور شکستہ دل، زرد زرد سی صبح کے نمودار ہونے تک لیٹا رہا۔ آئی‌گیریم نے ٹھنڈی سانس بھری اور اس کے دل سے جس پر گہرے زخم لگے تھے اور جو اب کسی مصالحت پر تیار نہ تھا، تلخ الفاظ پھوٹ نکلے۔

"خدا کرے بدنصیب عورت کے مقدر پر لعنت بھیجی جائے اور اس کی خاک ہواؤں میں اڑا دی جائے۔ دھکتے، کھولتے ہوئے آنسوؤں کے سوا اس کی تسلی کا اور ذریعہ ہی کیا ہے؟ لیکن آنسوؤں کی حقیقت ہی کیا ہے؟ زندگی کے آخری ایام تک میرے رخساروں پر یونہی بہتے رہیں۔ بھیانک بات تو یہ ہے کہ یہ آنسو ہر چیز کو، آپ کے لئے میری ساری محبت کو جس سے میرا سینہ معمور تھا، میرے دل سے بہا لے گئے۔ اب نہ کچھ پچھتانے کو ہے، نہ کسی چیز کی کوئی اہمیت باقی رہی۔ میں نے آپ سے کبھی بھی کچھ راز میں نہیں رکھا۔ اب آپ کو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہئے کہ اب میرے نہ دل رہ گیا ہے، نہ دل کے ولولے۔ میرے اندر بس خلا ہی خلا ہے۔"

یہ آواز اس کی آن بان‌والی خوبصورت بیوی کی نہیں تھی۔ یہ ایک ایسی عورت کی آواز تھی جو اپنی چھن جانےوالی مسرت کا ماتم کر رہی تھی۔

ابائی نے تشویش کے ساتھ اپنا سر اوپر اٹھایا۔

"بھئی آئی‌گیریم، یہ سب کیا کہہ رہی ہو؟ اپنے الفاظ واپس لو، آخر ایسی باتیں دل میں لاؤ ہی کیوں اور کچھ نہیں تو میرے ماضی ہی پر ترس کھاؤ جو بےداغ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی

ھمیں پرمسرت زندگی نصیب ھوگی۔ اسے قربان نہ کرو، اپنے الفاظ واپس لے لو، آئی‌گیریم!"

نیلاھٹ لئے ھوئے ھلکی ھلکی روشنی میں آئی‌گیریم کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ پیلا پیلا نظر آ رھا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک سیاہ ریشمی چغا پہن‌کے علی‌الصباح کے دھندلکے میں باھر نکل آئی۔ ابائی سفید خیمے میں اکیلا رہ گیا۔

دن گزرتے گئے لیکن آئی‌گیریم کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ واقع ھوئی۔ غم کی شدت سے شروع میں وہ ابائی پر برس پڑی تھی۔ بعد میں اس پر ایک خاموش بےحسی کی کیفیت طاری ھو گئی اور ابائی اس صورت‌حال کا کوئی مداوا نہ کر سکا۔ ان کے تعلقات میں پہلی بار سرد مہری پیدا ھوئی، ایک برف تھی جو کسی طرح پگھل ھی نہیں رھی تھی۔

آئی‌گیریم اس کی چہیتی بیوی اور عزیزترین دوست تھی۔ ان دونوں کی علاحدگی ناقابل برداشت اور ایک ایسے زخم کی حیثیت رکھتی تھی جو کبھی بھر نہیں سکتا تھا۔ شرارت‌آمیز بہتان نے ان کی مسرتوں کا گلا گھونٹ دیا تھا اور اس کی تمام ذمےداری دلدا پر عائد ھوتی تھی۔ ابائی کو زندگی میں پہلی بار پتہ چلا کہ کسی ناقابل تلافی غلطی کے غم میں گھلتے رھنا کس کو کہتے ھیں۔ اس نے سوچا کہ آخر اس نے آئی‌گیریم سے شادی کرنے سے قبل دلدا کو طلاق کیوں نہیں دے دی تھی؟ اب اس میں اور ان دوسرے مردوں میں فرق ھی کیا رہ گیا جو جاھل، احمق اور بےوفا ھیں؟ اب تو اسے اپنی غلطی کی سزا بھگتنی ھی تھی۔ اس زھر کو پینا ھی تھا جسے اس نے خود گھولا تھا۔

پچھتاوے اور تنہائی کے احساس سے شدید اذیت کا شکار ھوکے ابائی نے دن رات مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ کتابیں اس کے لئے اتنی ھی ضروری بن گئیں جتنی کہ سانس۔ جلد ھی وہ تمام کتابیں ختم ھو گئیں جنہیں شہر سے لایا تھا اور اس نے بائےمغم‌بیت کو مزید کتابیں لانے کے لئے شہر بھیجا۔

خود قدرت بھی ابائی کی ذھنی کیفیت کا ساتھ دیتی ھوئی معلوم ھو رھی تھی۔ کچھ عجب بھیانک سی خزاں کا موسم تھا۔ یرعلی اور اوئی‌قودیق میں مسلسل بارش ھوئے جا رھی تھی، استیپیوں کی طرف

سے سرد ھوائیں چلتی رھتی تھیں اور طویل راتیں بڑی گیلی گیلی سی اور بےحد سرد ھوتی تھیں۔

ابائی کسی گوشہ‌نشین مفکر کی طرح بمشکل ھی کسی وقت کتابوں سے آنکھیں ھٹاتا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے خزاں کی سردیاں اس کے دل میں سما گئی ھوں۔ احساس تنہائی کو اس نے اپنا مقدر سمجھکے صبر کر لیا تھا، اسے وہ ایک طرح کی مصیبت تصور کرتا تھا جو سنگین تو تھی لیکن بہرحال اس کا عادی ھو گیا تھا۔ بعض شاموں کو وہ اپنے گھوڑے پر سوار ھوکے یونہی بےمقصد مویشیوں کے گلوں کا چکر لگاتا اور اندھیرا ھونے کے بعد واپس لوٹتا تو اسے ایسا لگتا جیسے کوئی اس کا انتظار کر رھا ھو۔ آخر یہ کون ھو سکتا تھا؟

"مجھے ھر وقت محسوس ھوتا ھے کہ کوئی شخص آکے مجھے اداسی کی اس قید سے نجات دلائےگا لیکن آخر مجھے انتظار کس کا ھے؟" ایک روز شام کو اس نے سوچا۔ "کیا آئی‌گیریم میں پھر سے زندگی کی تڑپ بیدار ھو گئی ھے؟ نہیں، اس کا امکان نہیں۔ پھر آخر مجھے کس کا انتظار رھتا ھے؟"

اچانک اسے خیال آیا۔

"اوہ، میں تو یربول کا منتظر ھوں۔ کاش وہ یہ بےکیف ایام میرے ساتھ گزارنے کے لئے آ جاتا!"

اس شام کو جبکہ بارش ھو رھی تھی، وہ اپنے دلیر دوست سے ملاقات کی آرزو سے بےتاب ھو اٹھا۔ یربول کی دوستی کو اس نے اس سے قبل کبھی اتنا زیادہ نہ سراھا تھا۔ دونوں نے زندگی کی پرپیچ راھیں ساتھ ساتھ طے کی تھیں، گرمی اور سردی ساتھ ساتھ جھیلی تھی اور کبھی بھی آپس میں اختلاف رائے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ صرف ادھر کچھ دنوں سے وہ موسم سرما یا موسم گرما میں طویل وقفوں کے لئے ایک دوسرے سے بچھڑنے پر مجبور ھو گئے تھے۔

ابائی نے جن دنوں آئی‌گیریم سے شادی کی تھی، انھی دنوں یربول نے بھی دمیلی کو اپنی رفیقۂ حیات بنایا تھا اور توراش کی پیدائش کے زمانے ھی میں یربول کا بیٹا سماگل پیدا ھوا تھا۔ ابائی، یربول کے معاملات سے بھی خود اپنے نجی معاملات جیسی دلچسپی لیتا تھا۔ یربول کافی عرصے تک سویوندیک اور اپنے دوسرے رشتےداروں کا

محتاج رہا تھا لیکن اب اس کے پاس مویشیوں کا اچھا خاصا گلہ ہو گیا تھا اور وہ سویوندیک کے قبائلی گروہ کے ساتھ ساتھ خانہبدوشی کرنے پر مجبور نہیں تھا۔ اس نے سات خاندانوں کو متحد کرکے اپنا علاحدہ گروہ قائم کر لیا تھا جن کے خیمے خود اس کے خاندان کے پانچ پہلو والے چمکیلے خیمے کے ارد گرد نصب ہوتے تھے۔ دودھ دینےوالے اور باربرداری کرنےوالے مویشی بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ وہ ابائی کے ساتھ زیادہ دنوں تک قیام کرنے کے بعد جب بھی گھر واپس جاتا، اپنے دوست کی دی ہوئی کوئی گائے یا کچھ بھیڑیں اپنے ساتھ لے جاتا۔

ان دنوں یربول غراشوقی میں سردیوں کی قیام‌گاہ پر مقیم تھا۔ اس نے پہاڑیوں پر سے روانہ ہونے میں کچھ تاخیر کر دی تھی کیونکہ وہ چارے کے انتظام اور آنےوالی سردیوں کے سلسلے میں دوسری تیاریوں میں مصروف تھا۔ ابائی نے اسے خود نہیں بلوایا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ضروری کاموں سے فرصت پاتے ہی یربول اس سے ملنے آئےگا۔

دور دراز واقع چنگیز پہاڑوں پر یربول کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ ابائی کو اس کی ضرورت ہے چنانچہ ایک روز شام کو اس خاموش خیمے میں جہاں ابائی اپنی کتابوں میں گھرا ہوا بیٹھا تھا، لیمپ روشن کئے جا رہے تھے تو دروازہ تیزی سے کھلا اور یربول کی پرمسرت آواز فضا میں گونجی:

"شام بخیر!"

ابائی اچھل پڑا، لپک‌کے اپنے دوست کے پاس پہنچا اور پوری طاقت سے بھینچ‌کے گلے سے لگا لیا۔

"ارے یار، کتنا اچھا ہوا کہ تم آ گئے" اس نے یربول کو لے جاکے معزز جگہ پر بٹھاتے ہوئے کئی بار کہا۔ "مجھے تو تمہاری اتنی ہی ضرورت تھی جتنی کہ خود ہوا کی ہوتی ہے۔ اپنا یہ لبادہ وغیرہ اتارو نا۔ ارے بھئی آئی‌گیریم، ذرا مہربانی کرکے فرش پر کوئی گدا بچھاؤ اور ہاں دیکھو گاؤ تکیے نہ بھول جانا!"

وہ بچوں کی طرح خوش نظر آ رہا تھا، کچھ ایسی بھاگ دوڑ دکھا رہا تھا کہ آئی‌گیریم تک دھیرے سے ہنس پڑی لیکن دوسرے لمحے پھر خاموش ہو گئی۔ اسے یاد آیا کہ ابائی کبھی ایک

دن کی جدائی کے بعد خود آئی‌گیریم سے بھی ملتا تھا تو اسی انداز سے جوش وخروش کا مظاھرہ کرتا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ھی ابائی کے لئے ترس سے ملتا جلتا کوئی جذبہ اس کے دل میں بیدار ھوا لیکن محض پل بھر کے لئے۔

رقابت کی آگ میں جلتا ھوا نوجوان دل بعض اوقات بدلہ لینےوالا اور غیرمنصفانہ رویہ اختیار کر لیتا ھے، کسی بیش‌بہا پتھر کو شیشے کا بےمصرف ٹکڑا سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتا ھے۔ یہی حالت اس وقت آئی‌گیریم کی بھی ھوئی۔ اس نے ابائی کے پرمسرت جوش و خروش کے کچھ اور ھی معنی نکالے۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے دیرینہ دوست سے مل‌کے نہیں بلکہ ایسے شخص سے مل‌کے خوش ھو رھا ھے جو سلطنت سے اس کے تعلقات میں اس کا معاون تھا۔

وہ خود بھی ھمیشہ یربول کا ابائی ھی کی جیسی خوشی سے خیرمقدم کیا کرتی تھی۔ یربول کی دوستی ان دونوں کی مسرت کا ایک لازمی جزو تھی لیکن اب آئی‌گیریم کو خیال آیا کہ ابائی اور سلطنت کو اس شخصیت نے ایک دوسرے سے منسلک کر رکھا ھے جس نے خود آئی‌گیریم کو ابائی سے علاحدہ کر دیا ھے۔ "سلطنت کی وجہ سے مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور یربول نے ان دونوں کی ملاقات کرانے میں مدد کی۔ کون جانے کیسے کیسے باھمی راز ان دونوں کو معلوم ھوں!"

پھر بھی یربول کی آمد سے اداسی کی وہ فضا غائب ھو گئی جو خیمے میں کافی دنوں سے چھائی ھوئی تھی۔ اس نے قمیز کا پیالہ ختم کرتے ھی ھمیشہ کی طرح ھنسی مذاق کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"بھئی آئی‌گیریم، فوراً چائے اور کھانا لگاؤ۔ قراشوقی میں دمیلی نے مجھے چائے پلائی تھی اس کے بعد سے کھانے پینے کے نام پر مجھے کچھ بھی میسر نہیں ھوا۔ اتنی دیر میں ذرا جاکے دلدا کو سلام کر آؤں ورنہ الشین‌بائے کی بیٹی کل ھی چیخ چنگھاڑکے آسمان سر پر اٹھا لےگی۔ بچوں کو بھی دیکھنا چاھتا ھوں... ارے بھئی یوں ھی کھڑے کھڑے اس طرح کب تک مجھے تکے جاؤگی؟"

یربول نے ایک ایک خیمے میں جاکر بوڑھوں کو سلام کیا جیسے کہ خود اس کا اپنا پڑاؤ ھو۔ اس نے جلد ھی واپس لوٹ‌کے کھانا کھاتے ھوئے ان لوگوں کو تازہ‌ترین خبر بتائی۔ یس‌خواجہ کے پڑاؤ پر

امینئی کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ اپنے جرگے میں مقبولیت رکھنےوالی یه لڑکی جو اپنی خوبصورتی، نیک‌دلی اور سریلی آواز کے لئے خاصی شہرت رکھتی تھی، بیاہ‌کے کوک‌شے جرگے میں دوت‌بائے کے پڑاؤ پر جانےوالی تھی۔

اسی شام کو ابائی کے قبائلی گروہ کو شادی میں شرکت کی دعوت موصول ہو گئی۔ صبح کو عورتیں آئی‌گیریم کے ساتھ روانه ہو گئیں جبکه ابائی، یربول اور بائےمغم‌بیت کے ساتھ دو پہر کے کھانے کے وقت یس‌خواجه کے پڑاؤ پر پہنچ گیا۔

شادی کی دھوم دھام شباب پر تھی اور مہمانوں کے خیمے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ ابائی اور یربول یس‌خواجه کو سلام کرنے اور نئے شادی‌شده جوڑے کے لئے پرمسرت زندگی کی خواہشات ظاہر کرنے کو پہلے "بڑے خیمے" میں گئے جہاں ان لوگوں کو رات کے کھانے پر ٹھہرنے کی دعوت دی گئی۔ دولھا اور باراتیوں کے خیمے سے لڑکیوں، بھوؤں اور نوجوانوں کے گانے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ پھر اچانک زور زور سے باتیں کرنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں دوسری تمام آوازوں پر چھا گئیں۔ کوئی غیرمعمولی بات ہونےوالی تھی۔ نوجوان افراد اور بچے بڑے خیمے کے پاس سے دوڑتے ہوئے گزر رہے تھے اور کچھ معمر افراد بھی عام ہلچل اور بھاگ دوڑ میں شامل ہو گئے تھے۔ پڑاؤ پر شور غل کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔

"ارے دیکھو نا، "سیری"* لوگ آ گئے!"

"مگر یه لوگ کہاں سے آ ٹپکے؟"

"کپڑے تو دیکھو، پته ہی نہیں چلتا مرد ہیں که عورت۔ دیکھو نا، کچھ کے تمام کپڑے سرخ ہیں تو کچھ کے سبز۔"

"وہ رہا سب سے بڑی عمر والا "سیری"۔ دیکھو تو اس نے اپنے دومبرے کو کیسا سجا رکھا ہے۔ ایسا "سیری" تو پہلے کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا۔"

بچے بھیڑ بھاڑ میں چیختے چلاتے، قہقہے لگاتے چکر کاٹ رہے تھے۔

---

* "سیری" — پیشه‌ور مغنی شاعر جو رنگارنگ کپڑے پہن‌کر مواضعات میں جاتے اور رقص و موسیقی کے پروگرام پیش کرتے تھے۔

"ارے بھئی واہ! ذرا ٹوپیاں تو دیکھو۔ ہو بہ ہو ساؤکیلے* جیسی ہیں۔ یہ لوگ "سیری" کیا خاک ہوں‌گے دیکھنے میں بس دلھنیں معلوم ہوتے ہیں دلھنیں۔"

"اور ان لوگوں کے پتلون نہیں دیکھے؟ بالکل لہنگوں جیسے ہیں کہ نہیں؟ اور وہ آدمی جو ہے نا، اس کے پتلون کے پائنچے تو بالکل بھیڑ کی آنتوں کی طرح پیچھے گھسٹ رہے ہیں۔"

لوگ آپس میں دھکم پیل کر رہے تھے، جوش‌وخروش میں چیختے چلاتے ہوئے، قہقہے لگا رہے تھے۔

"سال"** اور "سیری" لوگ آ گئے" ہر شخص چیخ چیخ‌کے کہے جا رہا تھا۔

ازغوت‌تی بھی اس وقت یس‌خواجہ کے خیمے میں موجود تھا اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ان اجنبی مسخروں کو جنہوں نے اس دھوم دھڑکے کے ساتھ وہاں آنے کی جرأت کی تھی، "سال" اور "سیری" مان لینے کو اپنی شان سے گری ہوئی بات تصور کر رہا تھا۔

"ارے یہ لوگ آخر کون ہیں؟ کہاں کے رہنے‌والے ہیں؟" اس نے اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ارے بھئی، یہ اجنبی تھوڑی ہیں۔ یہ سب تو تمہارے امیر کا مسخرہ‌پن ہے" یس‌خواجہ نے وضاحت کی۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے پہلے ہی سے ان لوگوں کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔

ابائی اور یربول نے سن رکھا تھا کہ متعدد نوجوان بانکے جن کی قیادت امیر کر رہا تھا، موسم گرما میں اپنے گھوڑوں پر استیپیوں میں گھومتے پھرتے تھے اور مختلف گروہوں کے پڑاؤ پر "سالوں" اور "سیریوں" کی حیثیت سے جاتے تھے حالانکہ کسی نے انہیں "سال" اور "سیری" نہیں قرار دیا تھا۔

چنانچہ دونوں دوست امیر کے کرتب دیکھنے کے لئے باہر آئے۔ انہوں نے شوخ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس نوجوان افراد کی

---

* ساؤکیلے — دلھن کا سر کا لباس۔

** "سال" — پیشہ‌ور مغنی شاعر۔

خاصی بڑی سی بھیڑ کو دولھے کے تینوں خیموں کی طرف بڑھتے دیکھا۔

وسطی خیمہ ہشت پہلو تھا اس کے اوپری نمدے کے کنارے کنارے سرخ جھالر لگی ہوئی تھی اور اس پر سرخ اور سبز کپڑوں کے کٹے ہوئے بیل بوٹے جڑے تھے۔ دروازے پر کھڑی ہوئی لڑکیوں کے لباس بڑے شاندار تھے، سروں پر پروں کی کلغیوں‌والی سمور کی ٹوپیاں تھیں اور بالوں کی چوٹیوں میں چمکتی ہوئی بھاری شول‌پی۔ امیتیئی اپنے لباس کی وجہ سے خاص طور سے ممتاز نظر آ رہی تھی۔ اس نے سیاہ اودبلاؤ کے سمور کی ٹوپی کچھ ترچھی کرکے پہن رکھی تھی اور لڑکیوں کے جھرمٹ میں "سیریوں" کا خیرمقدم کرنے کے لئے آگے بڑھی تو اس کا چہرہ صبح کے روشن‌ترین ستارے شول‌پان* کی طرح دمک رہا تھا۔ گانےوالوں میں کچھ نوجوان عورتیں بھی شامل تھیں۔

"ان لوگوں کے ساتھ "سیری" عورتیں بھی ھیں کیا؟" بائےمغم‌بیت نے حیرت ظاھر کی۔

یربول نے گانےوالوں کی اس ٹولی کو پہچان لیا تھا۔

"ارے دیکھ نہیں رھے ھو کیا؟ ھماری آئی‌گیریم بھی تو ان میں شامل ھیں۔ ان لوگوں نے ھماری عورتوں کو اپنا رازدار بنا لیا ھے۔"

ان عجیب و غریب مہمانوں نے اپنی آمد سے قبل پیغام رساں بھیج دئے تھے جو عمدہ کپڑوں میں ملبوس نوجوان تھے اور اپنی پیٹیوں میں خنجر لٹکائے ہوئے تھے۔ دراصل انہی لوگوں نے شور غل مچایا تھا اور نوجوان عورتوں کو ساتھ لےکے "سیریوں" کے استقبال کو بڑھے تھے۔ اس اثنا میں "سیری" اپنے گھوڑوں سے اترکے لڑکیوں کی کمر میں ھاتھ ڈالے ہوئے آگے بڑھنے لگے اور ایک گیت کے ذریعے اپنی آمد کا اعلان کیا۔ ٹولی کی قیادت نسبتاً زیادہ عمر والا "سیری" کر رھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو جوان عورتیں چل رھی تھیں جو اپنا ایک ایک ھاتھ اس کے شانے پر رکھے ہوئے تھیں۔ یہ

شول‌پان — قزاخ زبان میں زھرہ کا نام۔

طویل قامت اور وجیہ بائےتاس تھا جس کی عمر نوجوانوں کی اس ٹولی میں سب سے زیادہ تھی۔ اس کا دومبرا دوسروں کے دومبروں کی بہ‌نسبت زیادہ سجا سجایا تھا۔ اس میں پروں کا ایک گھنا گچھا لٹک رہا تھا اور کھنکتی ہوئی گھنٹیاں بندھی تھیں، جیسا کہ سال دومبرے* کو ہونا چاہئیے تھا۔ وہ گیت کے بول چھیڑنے سے قبل دومبرے کو اپنے سر سے اوپر اٹھاکے ہلاتا تھا جو دوسرے "سیریوں" کے لئے اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ بھی اپنے سجے سجائے دومبرے بلند کرکے گیت کا بول "جیرما بیس" شروع کریں۔

ابائی اور یربول کو یہ دیکھکے حیرت ہوئی کہ سب کے سب ساتھ مل‌کے گا رہے ہیں۔ عموماً کوئی گیت زیادہ سے زیادہ دو ہی افراد گایا کرتے تھے خواہ خیمہ گانےوالوں سے کھچا کھچ بھرا ہی کیوں نہ ہو۔ سب کے ایک ساتھ گانے کی یہ جدت ان دونوں کو بہت پسند آئی۔

اپنے دامن نشاط سے بھر لو
عمر پچیس سال ہے جب تک
پھر نہ ہوگے کبھی جواں اتنے
یاد رکھو اسے، مزے کر لو!

کچھ یوں تھا ان کا گیت۔ گیت کیا تھا نعرہ شباب تھا۔

امیتیئی کی قیادت میں لڑکیوں نے بھی یہی گیت چھیڑ رکھا تھا۔ آخرکار دونوں ٹولیاں مل گئیں اور گیت کے بول سب نے ایک ساتھ گائے۔ گانےوالوں کے ساتھ جو لڑکیاں چل رہی تھیں وہ اب پیچھے ہٹ گئیں اور ان کی جگہ امیتیئی کے ساتھ آنےوالی ایک ایک لڑکی نے ایک ایک "سیری" کا بازو تھام لیا۔ بائےتاس کو اس بار بھی ساتھ دینے کے لئے دو لڑکیاں ملیں جبکہ امیتیئی، امیر کے پہلو میں چلنے لگی۔

ہجوم وسطی خیمے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پیغام رساں اپنے

---

* سال دومبرا — پیشہ‌ور گویے کا دومبرا۔

گھوڑوں سے اتر کے دوڑتے ہوئے ان لوگوں سے آگے ہو گئے اور پرتجسس تماشائیوں کو ذرا فاصلے ھی پر رکھنے کے لئے مسخرےپن سے اپنے سجے سجائے کوڑے لہرانے لگے۔ شادی سے متعلق خاص خیموں کے ارد گرد زبردست مجمع اکٹھا ھو گیا تھا جس میں آبائی اور اس کے احباب، باراتی اور شادی کرانےوالے افراد بھی شامل تھے۔ پیغام رساں صرف اپنے "سیریوں" ھی کی ھدایت پر عمل کر رھے تھے، کسی دوسرے کو خاک بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

"پیچھے ھٹ جاؤ۔ جگه خالی کرو!" یه لوگ مجمعے کو پیچھے ڈھکیلتے ہوئے چلا رھے تھے تاکه گانےوالوں کے اس جلوس کو راسته مل سکے۔

کوئی شخص آگے بڑھ آتا تو یه لوگ بڑی غضبناکی کا مظاھرہ کرتے اور سرکاری پیغام رسانوں کی نقل اتارتے ہوئے آنکھیں گھماتے بہت تیزی دکھاتے ہوئے آگے بڑھ آتے تھے ان کو یه طویل قامت بانکے قمچیاں بھی رسید کر دیتے تھے لیکن کوئی شخص برا نہیں مان رھا تھا۔ لوگ قمچی کی ضرب سے بچنے کے لئے ھنستے ہوئے الگ ھٹ جاتے تھے۔

اس سوانگ اور تماشے کی کشش بہت سے پڑاوؤں کے لوگوں کو کھینچ لائی تھی اور دور دراز سے آنےوالے گھڑسوار پچھلے حصے سے بڑھ کے آگے آنے کی کوشش کر رھے تھے۔ دراصل کسی نے اتنے زیادہ "سیریوں" کو اس سے قبل کسی ایک جگه پر دیکھا ھی نہیں تھا: تقریباً چالیس افراد رھے ھوں گے۔ ان کے رنگ برنگے لباس، مسخرےپن کی عجیب و غریب حرکتیں اور ان کا گانا سب کچھ لوگوں کے لئے باعث مسرت تھا۔

طویل قامت، سرخ و سفید رنگت اور نوکیلی سرخ داڑھیوالا بائےتاس جس پر لوگوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں، بڑے شاھانه تکبر کے ساتھ اترا اترا کے چل رھا تھا۔ دونوں لڑکیاں اب بھی اس کے شانوں پر ھاتھ رکھے ہوئے تھیں۔

اس کے پیچھے امیر اور امیتیئی دوسروں سے کچھ الگ تھلگ، طویل جدائی کے بعد ملنےوالے عاشق معشوق کی طرح ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے چل رھے تھے۔ کورس کی اگوائی یہی دونوں کر رھے تھے۔ یوں تو بائےتاس جلوس کی قیادت کر رھا تھا لیکن گانےوالے

"سیری" انہی دونوں کی تان میں تان ملاتے تھے۔ بڑی خوبصورت جوڑی تھی جس پر ہر شخص توجہ دے رہا تھا اور "سیریوں" کے الفاظ میں ان دونوں کو، ایسا لگتا تھا کہ خدا نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

امیتیئی کا لباس، سمور کی ٹوپی میں لگے ہوئے پروں سے لےکر بہترین چمڑے کے نوکدار جوتوں تک، بہت شاندار اور اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگانےوالا تھا اور خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

امیر بھی اپنی سج دھج میں کچھ کم نہ تھا۔ طویل قد اور چھوٹی مونچھوںوالے گورے گورے چہرے کے ساتھ وہ نیلی ساٹن کے لباس میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے امیتیئی کے علاوہ اور کسی سے کوئی سروکار نہ تھا، امیتیئی کے سوا اور کسی پر اس کی نظریں ہی نہیں پڑ رہی تھیں اور امیتیئی کا یہ حال تھا کہ خوشی کی لہروں پر تیرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ان کے دل ایک دوسرے کے ہو چکے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دونوں خاموش اور طویل بوسے کے ساتھ، عاشق و معشوق کی ہمآغوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے پیوست ہو جانے ہی کو ہوں۔

یربول ان دونوں کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ابائی کے دل میں بھی شک گزرا کہ کوئی ناخوشگوار صورت نہ پیدا ہو جائے۔ اچانک اس جلوس سے اس کی ساری دلچسپی ختم ہو گئی اور وہ لوگوں کو کہنیوں سے ڈھکیلتا ہوا بھیڑ سے باہر نکلنے لگا۔

لیکن وہ اپنے خیالات سے فرار نہیں کر سکتا تھا۔ ہر طرف سے لوگوں کے اظہار حیرت کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں اور ایسا لگتا تھا کہ یہ آوازیں اس کے کانوں پر کوڑے برسا رہی ہیں۔

ہجوم میں ہونےوالی یہ سرگوشیاں یقیناً ایک اچھے خاصے فضیحتے کی صورت اختیار کرنے کو تھیں۔ ابائی مضطرب ہو اٹھا۔ اسے امیر اور امیتیئی کی وجہ سے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہجوم کے سامنے بھی اور امیتیئی کے ہونےوالے شوہر دوتبائے کے سامنے بھی خود کو نادم محسوس کر رہا تھا۔ دوتبائے ابھی نوجوان

ہی تھا لیکن ابائی سمیت تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ ابائی نے سوچا کہ بات اس کے کانوں تک پہنچےگی تو اس کے لئے بھی پریشانیاں اٹھ کھڑی ہوں‌گی اور امیر اور امیتیئی کے لئے بھی۔ اب ابائی کو نہ گیت اچھا لگ رہا تھا، نہ جشن مسرت۔ بانکے ناشتہ کرکے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور کھیل کود اور گھڑ دوڑ کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے اپنا گھوڑا تلاش کیا اور چپ‌چاپ اکیلے ہی وہاں سے چل دیا۔

امیر اور امیتیئی کے شدت جذبات سے دمکتے ہوئے چہرے اب بھی اس کی نگاہوں کے سامنے منڈلا رہے تھے۔ وہ بےحد پریشان تھا پھر بھی اسے ان دونوں پر ترس بھی آ رہا تھا۔ وہ ان کی مذمت کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ ان دونوں کے رویے کے پیچھےکوئی ایسی قوت کام کر رہی تھی جو انسان کی قوت ارادی سے بھی زیادہ طاقتور تھی، ایک ایسی چیز جو اسے کتابوں میں بارہا ملی تھی۔ ابائی اپنے گھوڑے پر سوار خیالوں میں کھویا ہوا، استیپیوں سے گزر رہا تھا۔ قافیے مبہم طور پر برابر اس کے ذہن میں آتے چلے جا رہے تھے آخر ایک نئے نغمے نے خود بخود جنم لے لیا جس کی لے دھیمی اور اداس تھی، اس کے ہونٹوں پر منڈلاتے ہوئے الفاظ کے لئے بہت موزوں۔

محبت کرنےوالوں کی زباں کچھ اور ہوتی ہے
دلوں کی گفتگو کو لفظ کب درکار ہوتے ہیں
چمک اٹھتی ہیں آنکھیں، ہوتے ہیں ابرو میں خم پیدا
سوالوں اور جوابوں کے یہی اظہار ہوتے ہیں

وہ ان مصرعوں کو تمام دن اپنے ذہن سے نہ نکال سکا اور اپنے پڑاؤ پر واپس پہنچا تب بھی یہ اس کے ہونٹوں پر تھے۔

صرف پہلا دن ہی شادی کی دھوم دھام کی طرح قہقہوں اور شور غل کی فضا میں گزر سکا۔ دوسرا دن سر پر منڈلاتی ہوئی تباہی کا آئینہ‌دار تھا۔ استیپیوں کے علاقے میں افواہیں، تیز ہوا میں آگ کی طرح پھیل‌کے سارے جرگوں تک پہنچ گئیں: "امیر کے طرز عمل نے کوک‌شے جرگے کی نگاہوں میں ارغیزبائے جرگے کو ذلیل کر

دیا“ ارغیزبائے جرگے سے دل ھی دل میں ناراض افراد بڑی خباثت کے ساتھ کہتے پھر رہے تھے۔ دوسرے لوگ جو قراباتر سے بدلا لینے پر تلے ہوئے تھے، کہتے تھے کہ لڑکے کا کیا قصور، اس کو تو امیتیئی نے گمراہ کر دیا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ امیتیئی نے اس نوجوان کو اپنی شادی میں مدعو کرتے وقت کہا تھا: ”مجھے تم خود رخصت کرنا، اپنے گیتوں سے رخصت کرنا۔“

قصه جو کچھ بھی رہا ہو، امیر اور امیتیئی ایک جان دو قالب بن کے رہ گئے تھے اور مسلسل ایک ساتھ گائے چلے جا رہے تھے۔ آئی‌گیریم نے بھی بہت زیادہ گایا جیسے وہ ان تمام گیتوں کو جو عرصے سے اس کے سینے میں قید تھے، رہا کر رہی ہو۔ یہ گیت پنجرے سے آزاد ہونےوالی بلبلوں کی طرح اس کے ہونٹوں سے برابر نکلے جا رہے تھے۔

دوت‌بائے، کوک‌شے جرگے کے نہایت ذھین، خوش‌گفتار اور مشہور بانکوں میں سے ایک تھا جسے اپنے رشتےداروں میں خاصی عزت حاصل ہو چکی تھی۔ اسے خود اس کی شادی کے موقعے پر امیتیئی نے جس شرمناک صورت حال سے دوچار کر دیا تھا، وہ اس آن بان والے، ترقی کے خواهاں نوجوان کے لئے ظاہر تھا کہ بےحد باعث اذیت تھی۔ پہلے تو اس نے دوستوں کی اشاروں کنایوں میں کہی ہوئی باتوں کو ٹال دیا۔ پھر امیتیئی کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی کہ وہ ”سیریوں“ کا ساتھ چھوڑ دے۔ اس نے لعنت ملامت بھی کی لیکن امیتیئی پر خاک بھی اثر نہ ہوا۔

”میں اپنے عزیزوں سے رخصت ہو رہی ہوں، شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے“ اس نے جواب دیا۔ ”میں جانتی ہوں کہ یہ بات آپ کے لئے خوشگوار نہیں ھے لیکن خدا کے لئے مجھے اپنے ان دوستوں کے درمیان جن کے ساتھ بڑھی پلی ہوں، آخری بار خوشی منا لینے دیجئے!“

اسے اپنی باتیں منوا لینا خوب آتا تھا، خاص طور سے پھسلانے لبھانے کے ذریعے۔ اس کے علاوہ وہ کسی کا حکم ماننے کی عادی بھی نہیں تھی۔

دوت‌بائے بڑا مردم‌شناس اور متحمل مزاج واقع ہوا تھا اور اس ناخوشگوار صورت‌حال میں بھی اپنی آن بان کو برقرار رکھ سکتا تھا۔

اس نے مسئلے پر غور و خوض کے بعد نتیجه اخذ کیا که کسی براہ راست اقدام سے حالات بدترین رخ اختیار کر لیں گے اور کھلم کھلا لڑائی جھگڑے کی نوبت آ جائے گی۔ وہ امیتیئی سے بھی جسے اس نے همیشه پسند کیا تھا، محروم نہیں ہونا چاھتا تھا۔ اس لئے اس نے فیصله کیا که "سیریوں" کی موجودگی کو اذیت کے ساتھ ھی کیوں نه سہی، جھیل جائے گا اور چاروں طرف پھیلی ھوئی الٹی سیدھی افواھوں کو خاطر میں نه لائے گا۔

لیکن چوتھے روز اس کے صبر کا پیمانه لبریز ھو گیا۔ اس نے علی‌الصباح دلھن کے سفید خیمے کے پاس امیر اور امیتیئی کو جنھوں نے خود کو ایک سیاہ چغے سے ڈھک رکھا تھا، ایک دوسرے سے لپٹے ھوئے کھڑے پایا۔ اس نے چغا ان کے سروں پر سے کھینچ لیا تو اسے دونوں کے آنسوؤں سے بھیگے ھوئے چہرے نظر آئے۔ محبت کرنے‌والے، دنیا سے بالکل بےنیاز طویل الوداعی بوسے میں کھوئے ھوئے تھے۔

دوت‌بائے نے حکم دیا که گھوڑے فوراً چراگاہ سے ھانک لائے جائیں۔ شادی کے اگواکار کو اور بڑے بوڑھوں سمیت تمام باراتیوں کو فوری طور پر جگایا گیا: "سب لوگ، ایک گھونٹ پانی تک پئے بغیر اپنے گھوڑوں پر سوار ھو جائیں!" اس نے کچھ اس لہجے میں یه ھدایت جاری کی تھی که کسی کے انکار کرنے کا سوال ھی نہیں اٹھتا تھا اور طلوع آفتاب کے وقت دولھا اور تمام باراتی، کسی سے کچھ کہے بغیر یس‌خواجه کے پڑاؤ پر سے چل دئے۔

ذلت صرف دلھن ھی کی نہیں پورے قبائلی گروہ کی ھوئی تھی۔ دولھا، دلھن کو بڑی حقارت کے ساتھ اس کے عزیزوں کے حوالے کرکے اکیلا ھی چلا گیا تھا۔ یس‌خواجه نے بڑے بوڑھوں کو اکٹھا کیا اور یه لوگ گھوڑے دوڑاتے ھوئے شادی کے اگواکار تک جا پہنچے۔ "بھئی، دیکھئے شعلوں کو ھوا نه دیجئے، خواہ مخواہ مصیبت نه مول لیجئے۔ آپ کہه سکتے ھیں که آپ باراتیوں سے کچھ پہلے روانه ھو گئے تھے۔ ھر شخص سو رھا تھا اور کسی نے بھی آپ کو روانه ھوتے نہیں دیکھا۔ ھم لوگ اب بھی صورت حال کو ناخوشگوار رخ اختیار کرنے سے بچا سکتے ھیں۔ ھم شادی کے خیمے کو اکھاڑ کے امیتیئی

کو آپ کے پیچھے بھیج دیں گے۔ دشمنی کی نوبت نہ آنے دیں تو اچھا ہے۔"

شادی کے اگواکار نے دوت‌بائے سے بات‌چیت کی جس کا غصہ ٹھنڈا پڑ چلا تھا۔ دوت‌بائے نے اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اس کے انکار سے نہایت سنگین نتائج کا برآمد ہونا ناگزیر ہے، آمادگی ظاہر کر دی۔ یس‌خواجہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا پڑاؤ پر واپس لوٹا۔ دلھن کا خیمہ اکھاڑ دیا گیا اور جلد ہی امیتیئی کو ایک شخص کی حفاظت میں جہیز کے سامان کے ساتھ دولھا کے پڑاؤ کو روانہ کر دیا گیا۔

اس ہنگامی دن کے خاتمے پر آئی‌گیریم اپنے پڑاؤ پر واپس آ گئی۔ ابائی اور یربول کو جو اسے خیمے کے باہر ملے تھے، اس کے چہرے پر پرمسرت اور پرجوش جذبات کی جھلک دیکھ‌کر جو ماضی کی آئی‌گیریم کی یاد تازہ کر رہے تھے، سخت حیرت ہوئی۔ اس نے گاڑی سے اترکے اپنا کوٹ زلیخا کو تھماتے ہوئے یربول اور ابائی سے پڑاؤ کے حالات دریافت کئے۔

"ارے یربول، ذرا انہیں دیکھو تو۔ ان میں تو ایسا لگتا ہے کہ نئی جان پڑ گئی ہے۔ دراصل یہ انہی گیتوں کا کرشمہ ہے جن سے انہیں بےحد پیار ہے" ابائی نے اسے مسرت بھری حیرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو" یربول نے اتفاق رائے کیا۔ "یہ تو بالکل اس سرخ لومڑی جیسی نظر آ رہی ہیں جو اچھوتی برف پر لوٹی ہو۔"

آئی‌گیریم بےاختیار مسکرا دی۔

"اچھا اگر یہ بات ہے تو آپ لوگ مجھے میرے گیتوں کے ساتھ اکیلے چھوڑ کے کیوں چلے آئے اور اب آخر میرا مذاق کیوں اڑا رہے ہیں؟"

ابائی نے اسے بڑے سنجیدہ انداز میں یقین دلایا:

"ارے میری جان، ہم لوگ مذاق تھوڑی اڑا رہے ہیں۔ ہم تو پوری سنجیدگی کے ساتھ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ تم پیدائشی مغنیہ ہو۔ ہم نے تمہارا منھ بند کر دیا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے باز کے سر پر ٹوپی چڑھا دی جاتی ہے۔ اس وقت تم ایک ایسے باز جیسی

معلوم ہو رہی ہو جو طویل پرواز کے بعد پڑاؤ کے اوپر چکر کاٹ رہا ہو۔ ایسے مواقع پر باز بڑا شرمیلا ہو جاتا ہے اور آسانی سے اپنے مالک کی کلائی پر نہیں اترا کرتا۔ دراصل یہ باز کھلی فضاؤں میں پرواز کرنے کے لئے اتنے زیادہ عرصے سے خواب دیکھ رہا تھا کہ فوری طور پر اپنی آزادی کے مختصر وقفے کو فراموش نہیں کر سکتا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا، آئی‌گیریم؟"

پہلے تو آئی‌گیریم ان دونوں کے ساتھ خود بھی مسکرائی پھر اس نے بڑی تلخی کے ساتھ کہا:

"آپ دراصل اب بھی مذاق کئے جا رہے ہیں۔ کبھی مجھے لومڑی کہتے ہیں، کبھی باز۔ آخر میں ہوں کیا؟ میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ باز کی طرح ٹوپی چڑھاکے میری آنکھیں بند کئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ صداقت میری نگاہوں سے اوجھل رہے" اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور وہ خیمے کے اندر چلی گئی۔

امیتیئی کی روانگی سے بھی امیر کا جنون کم نہ ہوا۔ وہ یس‌خواجہ کے پڑاؤ پر سے اپنے "سیریوں" کے ساتھ دوسرے راستے سے چل دیا۔ پڑاؤ کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ اپنے گھوڑے کی گردن پر گر پڑا اور شدت غم سے آنسو بہانے لگا۔ بانکوں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی اور ان میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ وہ سب گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچ جائیں تاکہ امیر کو آخری بار امیتیئی کے دیدار کا موقع مل سکے۔

امیر نے لوگوں کی باتوں پر نہ پہلے کوئی توجہ دی تھی، نہ ہی اب اسے اپنی بدنامی کا خیال آیا۔ امیتیئی کو ایک بار پھر دیکھنے کے تصور ہی سے اس میں نیا جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ ایک بار پھر اٹھکے گھوڑے کی کاٹھی پر ٹھیک سے بیٹھ گیا۔

دولھا کے اچانک چلے جانے سے بھی امیتیئی کے ہوش و حواس درست نہیں ہوئے تھے۔ اس نے اپنے غم کو نہ اس وقت چھپانے کی کوشش کی تھی جب وہ امیر کی بانہوں میں سسکیاں بھر رہی تھی اور نہ ہی اب چھپا رہی تھی جبکہ وہ دولھا کے پڑاؤ پر جا رہی تھی۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں لیکن اب بھی بڑے دردناک انداز سے روئے جا رہی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر کے

بعد پیچھے مڑکے مغموم نگاھوں سے راستے کو دیکھ لیتی تھی۔ اچانک اس نے دیکھا کہ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس کچھ گھڑسوار تیزی سے ان لوگوں کے پاس پہنچنےوالے ھیں۔ قافلے کے آگے آگے جو بڑے بوڑھے چل رھے تھے انہوں نے بھی گھڑسواروں کو آتے دیکھا۔

"آخر یہ لوگ یہاں کیوں آ گئے؟ بالکل دماغ ھی خراب ھو گیا ان کا؟" یس‌خواجہ نے حیرت کے ساتھ ازغوت‌تی سے کہا۔

ایک گھڑسوار تیر کی پرواز کے فاصلے بھر دوسروں سے آگے آگے تھا۔

امیتیئی نے جسے یقین تھا کہ وہ گھڑسوار امیر کے سوا اور کوئی نہیں ھو سکتا، اپنا گھوڑا روک لیا۔

نوجوان سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ھوا اس کے بغل میں آکے رکا اور اسے گلے سے لگا لیا۔ اس اثنا میں اس کے ساتھ ان دونوں کے گرد کھڑے ھو گئے جن کے سفید گھوڑوں سے ایک زندہ خیمہ سا وجود میں آ گیا۔ "سیریوں" نے "قوزی قوش" الوداعی گیت چھیڑا اور الفاظ کو ایک مخصوص اھمیت اور سنجیدگی عطا کرنے کے لئے گیت کی لے دھیمی رکھی۔

نوجواں اور زندہ‌دل احباب میرے، الوداع
تھا تمہارے ساتھ تو لوٹ آیا تھا میرا شباب
ھو رھا ھوں تم سے رخصت میں تو صد افسوس اب
بیت جائےگا بہت ھی جلد مانگے کا شباب...

امیر اور امیتیئی ایک دوسرے سے لپٹے ھوئے آنسو بہاتے رھے۔ یس‌خواجہ اور ازغوت‌تی جو جلوس کے آگے آگے چل رھے تھے، جھپٹ کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور گھوڑوں سے بنے ھوئے حلقے کو توڑتے ھوئے غصے سے چیخ اٹھے:

"یہ سلسلہ فوراً بند کرو۔ تم لوگ جتنی مصیبت لا چکے ھو اس سے جی نہیں بھرا کیا؟

"امیر، اب ھوش میں آ جاؤ۔ تم الوداع کہہ چکے، اب یہاں سے چل دو۔"

ازغوت‌تی نے امیتیئی کے گھوڑے کی لگام پکڑکے بڑی غضبناکی سے اپنی طرف کھینچی، قدم‌باز گھوڑا اچھل‌کے ایک طرف ہو گیا اور امیتیئی، امیر کی بانہوں سے الگ ہو گئی۔

"امیر!" اس نے گھوڑے کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے سسکی بھری۔ "مجھے چھوڑکے نہ جاؤ! میرے رشتےدار مجھے آگ میں جھونک رہے ہیں۔ مجھے اس آگ تک پہنچا دو۔ تم سب کے سب میرے ساتھ ٹھہرے رہو۔"

اس کے آنسو اچانک خشک ہو گئے، اس نے امیر کے ساتھیوں کو بڑی مغموم نگاہوں سے دیکھا اور پھر کچھ عجیب تندی و تیزی کے ساتھ کہہ اٹھی:

"اس کا جی چاہے تو غصے سے پاگل ہو جائے۔ ہمت ہو تو میرے راستے میں حائل ہوکے دیکھے!" اس نے امیر کے گھوڑے کی لگام مضبوطی سے پکڑکے اسے اپنی طرف کھینچا۔

"میری پیاری، میرے مہتاب" اس نے امیتیئی کی طرف جھک‌کے اس کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔ "میرے چودھویں کے چاند، میں مر جانا پسند کروں‌گا لیکن تمہیں غروب ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہارے ساتھ چلوں‌گا خواہ جان ہی سے کیوں نہ ھاتھ دھونا پڑے" پھر اس نے "سیریوں" سے کہا: "ہم سب لوگ چلیں‌گے۔"

"سیریوں" کے گروہ نے یس‌خواجہ اور ازغوت‌تی کو راستے سے ڈھکیلتے ہوئے امیر اور امیتیئی کو گھیرے میں لے لیا۔ بڑے بوڑھے اور شادی کرانےوالے مخصوص ارکان، واقعات کا رخ بدلنے میں بےبسی محسوس کرتے ہوئے، جلوس کے اگلے حصے کو واپس لوٹ گئے۔

دلھن کا ھشت پہلو سجا سجایا خیمہ دولھا کے پڑاؤ پر پہنچایا جا چکا تھا۔ جوان بہو جسے امیر اور بائےتاس سہارا دئے ہوئے تھے اس میں داخل ہو گئی۔ اس کے سامنے پڑا ہوا ریشمی پردہ البتہ نہ ہٹایا گیا کیونکہ "سیری" لوگ عام رواج کو توڑنا نہیں چاھتے تھے۔ پڑاؤ کے لوگوں کا رویہ اس گروہ کے سلسلے میں تشویش سے بھرا ہوا بلکہ معاندانہ تھا۔

پھر بھی نئے جوڑے کے اس خیمے میں ان لوگوں کے داخلے سے ان کے ساتھ دشمنی کی فضا اندر نہ داخل ہوئی۔ نوجوان افراد اور

معمر بیبیوں نے دلھن کا خیرمقدم کیا۔ نیک خواھشات ظاھر کیں اور عام دستور کے بموجب اسے تحائف پیش کئے۔ امیر کی وھاں موجودگی کے بےتکےپن کو ایسا لگتا تھا کہ کوئی محسوس ھی نہیں کر رھا ھے۔

یہ سنجیدہ اور باوقار خیرمقدم دوت‌بائے کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اس نے نہ تو کوک‌شے جرگے کے بڑے بوڑھوں سے مشورہ کیا تھا، نہ ھی اپنے والد الاتائے سے۔ اس نے خود ھی فیصلہ کیا تھا کہ امیتیئی کے دامن سے رسوائی کا داغ دھو ڈالےگا اور اسے خاطر مدارات کے ساتھ خوشی خوشی قبول کر لےگا۔ اس فیصلے کو اس نے ثابت‌قدمی اور مردانگی کے ساتھ عملی جامہ پہنایا تھا۔

تاھم اسی روز شام کو وہ مہمانوں کی خاطر تواضع کا کام اپنی ماں کے سپرد کرکے جو ٹھنڈے مزاج کی ذھین عورت تھی، اپنے گھوڑے پر سوار ھوا اور کوک‌شے جرگے کے سردار اور اپنے چچا قراتائے کے پاس پہنچا جس کا پڑاؤ قریب ھی واقع تھا۔

قراتائے کے خیمے میں داخل ھوکے اس نے دوسرے تمام افراد سے الگ چلے جانے کی درخواست کی، اس کے بعد بتایا کہ امیر کس طرح اس کی عزت اور آن سے کھیل رھا ھے۔

"چچا، کیا آپ مہربانی کرکے قونان‌بائے کے یہاں جاکر تمام تفصیلات سے انہیں مطلع کر سکتے ھیں؟" اس نے آخر میں کہا۔ "انہیں اس لڑکے کی سرگرمیوں کی روک تھام کرنی چاھئے ورنہ کوک‌شے اور ارغیزبائے جرگوں کی دوستی خاک میں مل جائےگی۔"

قراتائے نے نوجوان کو توجہ سے دیکھتے ھوئے اس کے فیصلے پر غور و خوض کیا۔

"کسی سے کہو کہ میرا گھوڑا لے آئے" اس نے مختصراً حکم دیا۔ "اور ھاں، کسی شخص کو میرے ساتھ بھی چلنا ھوگا۔ میں بس ابھی ابھی قونان‌بائے کے پاس جا رھا ھوں۔"

دوت‌بائے نے ایک پیغام رساں کے ذریعے اپنے والد الاتائے اور جرگے کے ایک سردار بوزم‌بائے کو بلوا بھیجا اور ان سے قراتائے کے ساتھ جانے کی درخواست کی۔

قونان‌بائے کا پڑاؤ بالکل اکیلا قوریق پہاڑی پر واقع تھا۔ بوڑھے

حاجی نے ارغیزبائے جرگے سے جس کے پڑاؤ اس وقت اوئی‌قودیق کی سرمائی قیام‌گاھوں میں واقع تھے، علاحدگی اختیار کر لی تھی۔ دراصل نورغانیم، اوسپان کے ھاتھوں اپنی توھین کو فراموش کرنے کو تیار نہ تھی اور اس نے گرمیوں بھر قونان‌بائے کی خوشامد کی تھی کہ وہ اس کے لئے سردیوں میں قیام کا ایک علاحدہ مکان بنوا دے۔ وہ اپنی سوتوں اور ان کے جوان اور بدتمیز بیٹوں سے دور ھی رھنا چاھتی تھی۔ کچھ ایسا اتفاق ھوا کہ نورغانیم کی یہ درخواست قونان‌بائے کی بڑھاپے میں گوشہ‌نشینی کی زندگی بسر کرنے کی خواھش سے پوری طرح مطابقت رکھتی تھی۔ چنانچہ گرمیوں میں وہ دوسروں سے پہلے ھی اپنے اور نورغانیم کے لئے ایک چھوٹا سا سرمائی مکان بنوانے کے لئے بانکوں کے ایک گروہ کو ساتھ لےکر قوریق چلا گیا تھا۔ اب وہ موت کے جیسے سناٹے سے جس کی اسے آرزو تھی، لطف‌اندوز ھو رھا تھا۔

قراتائے اور اس کے ساتھی رات کو دیر سے پہنچے۔ پڑاؤ پر ایسا لگتا تھا کہ سوتا پڑ چکا ھے لیکن قونان‌بائے کے خیمے میں روشنی ھو رھی تھی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں اور کتوں کے زور زور سے بھونکنے کی بنا پر نورغانیم نے اندازہ لگایا کہ آنے‌والے کوئی اجنبی ھی ھوں‌گے کیونکہ لوگ عموماً دن کے وقت بھی پڑاؤ سے کتراکے گزر جایا کرتے تھے۔ قونان‌بائے دنیاوی بات‌چیت میں حصہ لینے کے لئے کبھی پردے کے پیچھے سے باھر ھی نہیں نکلتا تھا اس لئے اس کے یہاں جی اوبتا تھا اور وہ جلد از جلد وھاں سے چلے جانے کی فکر میں رھتے تھے۔

"قراتائے آئے ھیں" مردوں کے خیمے میں داخل ھونے پر نورغانیم نے دھیرے سے شوھر کو بتایا۔ اس نے قونان‌بائے کے قدموں کے پاس اپنی جگہ سے پردے کو ذرا سا کھسکاکے جھانک لیا تھا۔

قونان‌بائے بستر پر گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھا آنکھیں جھکائے تسبیح پڑھ رھا تھا۔ اس نے آنکھیں اٹھائیں اور اس کے چہرے سے عجز و انکسار اور گناھوں پر نادم ھونے کی کیفیت فوری طور پر غائب ھو گئی۔ مہمان معزز افراد کے بیٹھنے کی جگہ تک پہنچ بھی نہ پائے تھے کہ قونان‌بائے نے پردے کو جو صبح سے نہیں ھٹایا گیا تھا، ایک جھٹکے کے ساتھ ھٹاتے ھوئے اپنی واحد بےجان آنکھ نووارد

پر جما دیں۔ قراتائے کو توبہ و استغفار کرتے ہوئے حاجی کی نگاہ میں بےرحمی، عیاری اور کینہ‌پروری کی جھلک دیکھ‌کے بڑی تکلیف ہوئی۔ گزشتہ دس برسوں سے قونان‌بائے کی نگاہ کا یہ انداز کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ قراتائے کو کچھ ایسا لگا جیسے وہ بھٹک‌کے کسی خوابیدہ شکارخور درندے کی مانند میں پہنچ گیا ہو اور اسے بیدار کرکے فوری طور پر مشتعل کر دیا ہو۔

قراتائے کی آمد قونان‌بائے کے لئے باعث حیرت نہ تھی کیونکہ ایک روز قبل آئی‌غیز، یس‌خواجہ کے پڑاؤ سے لوٹتے ہوئے اپنے شوہر سے ملنے آئی تھی۔ شادی کے موقعے پر جو کچھ ہوا تھا، اسے سخت ناگوار گزرا تھا اور وہ جھلاھٹ کے عالم میں وھاں سے چل کھڑی ہوئی تھی۔ روانگی سے قبل اس نے یس‌خواجہ پر جو اس کا قریبی رشتےدار تھا، اپنا غصہ اتارا تھا معترض ہوئی تھی کہ آخر "سیریوں" کو اتنی آزادی کیوں دی گئی کہ انہوں نے شادی کو ذلت‌آمیز تماشے میں بدل دیا۔ اس سارے واقعے پر یس‌خواجہ کو بھی آئی‌غیز سے کم غصہ نہ تھا۔ اس نے جواب دیا کہ امیر کی موجودگی محض اس بنا پر برداشت کی جا رہی ھے کہ وہ قونان‌بائے کا پوتا ھے۔ اس نے آئی‌گیریم سے کہا تھا کہ ذرا قونان‌بائے کے کان میں بھی یہ بات ڈال دینا اور کہنا کہ یس‌خواجہ نے اس تمام بدتمیزی کے خلاف احتجاج کیا ھے۔

آئی‌غیز نے قونان‌بائے تک صرف یس‌خواجہ کے الفاظ ھی نہیں پہنچائے، اپنی طرف سے بھی بہت کچھ اضافہ کیا۔

اس کے دل میں خود سے کم عمر والوں کے خلاف عرصے سے نفرت بھری ہوئی تھی۔ اب جو موقع ملا تو قونان‌بائے سے بات‌چیت کے دوران دل کی ساری بھڑاس نکال لی اور جب اسے اپنی جلی کٹی باتوں کے رنگ لانے کا یقین ہو گیا تب کہیں جاکے اپنے پڑاؤ کو روانہ ہوئی۔

قونان‌بائے نے فوراً ھی اندازہ لگایا کہ یہ معمر افراد پورے کوک‌شے جرگے کی طرف سے اس کے پاس آئے ھیں۔ ان لوگوں کی رات گئے آمد، ان کے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرے اور چڑھی ہوئی تیوریاں، ساری کی ساری باتیں توبیق‌تی قبیلے کے لئے فال بد کی حیثیت رکھتی تھیں۔ بات‌چیت کا آغاز قونان‌بائے ھی نے کیا جو اپنے ایک ھاتھ سے پردے کا کونا مروڑ رھا تھا۔

"کہو بھئی، کون سی بری ہوا تمہیں یہاں لے آئی؟ آخر ہوا کیا؟ صاف صاف کہو!"

دونوں بوڑھے ایک دوسرے کی خفیف سے خفیف جنبش ابرو تک کا مفہوم سمجھ لیتے تھے اور قونانبائے نے اپنے دیرینہ جگری دوست کے چہرے پر سردمہری اور غصے کے جذبات کی جھلک دیکھ کے فوراً ھی اندازہ لگا لیا کہ اس نے بھی خود اس معاملے میں کٹڑپن کے ساتھ فیصلہ کر لیا ھے۔ "اس کے دل پر گہرا زخم لگا ھے اور صلح کرنے بہرحال نہیں آیا ھے" اس نے سوچا۔

اور قراتائے نے جو خود بھی حاجی کے خیالات کو بھانپ چکا تھا، محسوس کیا کہ وہ اس غصے کا آزادانہ طور سے اظہار کر سکتا ھے جو ایک روز قبل سے اسے دیوانہ بنائے ہوئے تھا۔

اس نے امیر، دوتبائے اور امیتیئی کے متعلق وہ سب کچھ کہہ سنایا جو اس کے علم میں تھا۔

"کاش کہ سوال صرف میری ھی عزت اور آن کا ھوتا! نہیں ایسا کہاں ھے۔ وہ لوگ تو ھمارے آبا و اجداد کو ذلیل کر رھے ھیں، ان کی خاک کی بےحرمتی پر آمادہ ھیں، ان کی قبروں پر ننگا ناچ ناچ رھے ھیں۔ اپنی غلاظت ھم لوگوں کے چہروں پر مل رھے ھیں تاکہ ھم بھی اتنے ھی روسیاہ نظر آئیں جتنے کہ خدا کی نگاھوں میں وہ خود ھیں۔ مجھے تمہارے اوپر رحم آتا ھے لیکن کیا کروں اب ضبط نہیں کیا جا رھا ھے۔ تم سے نہ شکایت کروں تو آخر اور کس سے کروں؟ اس بدکار زمانے میں تمہارے سوا اور کون میری حمایت کرےگا؟ اس سے قبل میں کبھی کوئی شکایت لےکے تمہارے پاس آنے کا تو خیر ذکر ھی کیا، تمہارے قبائلی گروہ کے کسی ذلیلترین شخص تک کے پاس نہیں آیا۔ لیکن اس وقت میرا مطالبہ ھے کہ تم ان بدتمیزیوں کا سلسلہ ختم کرا دو۔ وقت آ گیا ھے کہ اس معاملے میں تم کوئی فیصلہ کرو۔"

مزید باتچیت غیرضروری تھی۔ قونانبائے نے نورغانیم سے کہا کہ مہمانوں کو ایک علاحدہ خیمے میں ٹھہرایا جائے اور اس نے ان لوگوں کے لئے عمدہ کھانوں کا انتظام کئے جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اپنے بانکوں میں سے ایک کو بلاکے کہا:

"دو گھوڑے لےکے بہت تیزی سے شولاقتیریک پر واقع الاتائے

کے پڑاؤ پر جاؤ اور ازغوت‌تی کو تلاش کرکے ان تک میرا پیغام پہنچا دو۔ ان سے کہنا کہ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے امیر کو میرے پاس لے آئیں۔ وہ مزاحمت کرے تو ہاتھ پیر باندھ‌کے زبردستی لے آئیں اور ضرورت پڑے تو مار پیٹ‌کے اس کا دماغ درست کر دیں۔"

قونان‌بائے پردے کے کونے کو تھامے ہوئے صبح تک تقریباً بےحس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کے اندر شدید نفرت اور غصے کا ایک طوفان اٹھا ہوا تھا جس سے چہرے کی شکنیں کچھ اور گہری نظر آئی تھیں۔

علی‌الصباح کی اولین زرد دھاریاں کشادہ پیلے پیلے میدان کے اوپر خزاں کی سرخ پٹیوں میں بدل گئیں۔ آفتاب کی اولین شعاعیں خیمے میں ارغوانی دھوپ بکھیرنے لگیں اور ٹھیک اسی وقت ازغوت‌تی اور امیر اندر آئے۔ امیر کے چہرے پر موت جیسی پیلاہٹ چھائی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں افسردہ اور بےجان سی نظر آ رہی تھیں۔

قونان‌بائے نے اپنے اس پوتے کو کافی عرصے کے بعد دیکھا تھا۔ اس نے نوجوان پر خاموشی سے قہرآلود نگاہ ڈالی اور کچھ اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔ امیر نے اپنی ٹوپی اور کوڑا ایک طرف رکھ دئے اور دادا کے پاس پہنچ‌کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ بوڑھے کی سوکھی سوکھی سی انگلیوں نے اچانک پردے کے کونے کو چھوڑکے اس کا گلا پکڑ لیا اور دبانا شروع کیا۔ ضعیفی کے باوجود ہاتھوں میں اب بھی پہلے جیسی قوت باقی تھی اور آہنی گرفت سخت سے سخت‌تر ہوتی گئی یہاں تک کہ امیر کا چہرہ نیلا سا ہو گیا۔ وہ سانس لینے کے لئے زور سے ہانپا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ قونان‌بائے اس کے ساتھ ہی گھٹنوں کے بل گر گیا لیکن گلے کے گرد آہنی پنجے کی گرفت کچھ اور بھی زیادہ سخت ہو گئی۔ ازغوت‌تی، قونان‌بائے پر نہ ٹوٹ پڑتا اور مزید پل بھر کی دیر ہو جاتی تو امیر کا کام ہی تمام ہو گیا ہوتا۔

"ارے ارے، آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ وہ کتنا ہی کیوں نہ سہی، ہے تو بہرحال آپ کا پوتا" ازغوت‌تی نے کہا لیکن وہ قونان‌بائے کی قہرآلود نگاہ سے سہم‌کے رہ گیا۔ اتنے میں نورغانیم نے اپنے شوہر کے ہاتھ پکڑ لئے۔

"ارے حاجی صاحب، ہماری آنکھوں کی روشنی، ذرا ہوش میں آئیے نا! اسے معاف بھی کر دیجئے!" وہ چیخ اٹھی اور اس کے ہاتھوں پر اپنے جسم کا سارا وزن ڈالتے ہوئے کسی نہ کسی طرح امیر کے گلے کو اس کی گرفت سے نجات دلائی لیکن بوڑھے نے اس کے سینے پر اتنی زور سے گھٹنا مارا کہ وہ بےہوش ہوکے زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

اس اثنا میں نمدے کا دروازہ تیزی سے کھلا اور ابائی نمودار ہوا۔ نورغانیم کے گرتے ہی بوڑھا ایک بار پھر امیر پر ٹوٹ پڑا تھا۔ یہ دیکھکے ابائی ایک ہی چھلانگ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"بس اب رک جائیے!" وہ باپ کے ہاتھوں کو زبردستی امیر کے گلے سے الگ کرتے ہوئے چیخا۔

"ارے یہ کافر ہے، کافر!" قونان‌بائے چنگھاڑا۔

"میں آپ کو اسے ہلاک نہ کرنے دوں‌گا!"

دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے، دھکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، مارنے مرنے پر تیار۔ ابائی بری طرح متنفر تھا اور اس کے الفاظ میں خنجروں جیسی تیزی تھی۔

"ہونٹوں پر خدا کا نام ہے اور ہاتھوں میں خون؟ پھر خون؟ اور کاہے کے لئے؟ اس بار بھی شریعت ہی کے نام پر نا؟ کیا شریعت محبت کو ممنوع قرار دیتی ہے؟ یا پھر یہ وہی شریعت ہے جس کے نام پر آپ ایک بار بےگناہوں کا خون بہا چکے ہیں؟"

قودر کی موت کا سماں ایک بار پھر ابائی کی نگاہوں میں پھر گیا۔ ان دنوں تو وہ خیر محض لڑکا ہی تھا لیکن اب — اب وہ اپنے والد کو اسی نوعیت کے جرم کے ارتکاب کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

"تو اب آپ شرعی قانون کے خلاف ایک بار پھر ایک شخص کو قتل کرنے جا رہے ہیں؟ آپ نے خاموش رہنے اور عبادت کرنے کا عہد عجز و انکسار کے ساتھ کیا تھا کہ نہیں؟ یا پھر آپ نے یہ عہد محض اپنے اس وحشی دل کو چھپانے کے لئے کیا تھا؟"

آخرکار قونان‌بائے کی قوت گویائی بحال ہو گئی۔

"نکل جاؤ یہاں سے!" وہ زور سے چیخا۔ "دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے!"

"میں نہ جاؤں گا!"

"گنہگاروں کی اعانت کرنےوالے! بدچلن! تم ھی ھر چیز کے ذمےدار ھو، تم ان سب کو گمراہ کر دوگے!"

"چلئے، خیر یوں ھی سہی لیکن سوال یہ ھے کہ آپ اپنی زندگی کے آخری ایام سکون کے ساتھ کیوں نہ گزاریں؟ یہ میرا زمانہ ھے آپ کا نہیں، تو پھر آخر آپ ھماری زندگیوں میں ٹانگ کیوں اڑائیں؟"

"اچھا تو اب تم اس طرح کی باتیں بھی کرنے لگے! کتنی پستیوں میں گر گئے ھو..." قونان‌بائے غرایا پھر اچانک خاموش ھو گیا۔

اس نے اپنے دونوں ھاتھ اس طرح پھیلائے کہ ھتھیلیاں باھر کی طرف تھیں جیسے کسی کو دور ڈھکیل رھا ھو۔ وہ ھتھیلیوں سے ابائی اور امیر کی طرف اشارہ کر رھا تھا جسے ابھی ابھی ھوش آیا تھا۔ پھر اس نے اپنی انگلیوں کی پشت چہرے پر پھیری۔ یہ بدلہ لینے اور کوسنے کی خاموش دعا تھی۔

نورغانیم اور ازغوت‌تی ایک ساتھ چیخ اٹھے۔

"یا خدا، ان کی دعا قبول نہ کر!"

"اے خالق حقیقی، ان کی دعا نہ سننا۔ مصیبت آ گئی، مصیبت! اپنے بچوں کو بددعا دے رھے ھیں" دونوں نے دھشت‌زدہ ھوکے کہا۔

قونان‌بائے کو جیسے ان کی موجودگی کا احساس ھی نہ رہ گیا ھو۔ وہ اپنے پلنگ کے قریب گھٹنوں کے بل جھکا ھوا کبھی ابائی کی طرف اشارہ کرکے، کبھی پوتے کی طرف جو اب منھ کے بل پڑا ھوا تھا، واضح طور پر بددعائیں دے رھا تھا۔

"اس قرمزی صبح کو، آج سویرے ھی سویرے میں باپ کی حیثیت سے ان دوغلوں کو، اپنے قبیلے کے ان دو حرامیوں کو بددعا دے رھا ھوں۔ میرے خدایا، تو عظیم اور قادر مطلق ھے، تو نے مجھے اس نوجوان کو ھلاک کرنے سے باز رکھا ھے۔ میں تجھ سے التجا کرتا ھوں کہ اپنے اس حقیر بندے کی دعا سن لے۔ یہ میری واحد التجا ھے، پروردگار۔ تو ان دونوں کو اس دنیا سے اٹھا لے۔ انہیں موت دے دے، قبل اس کے کہ یہ دونوں دوسروں کو ناپاک کریں، انہیں غارت کر دے، میرے خدایا!"

ایک بار پھر اس نے اپنی انگلیوں کی پشت منھ پر پھیری۔

"نکل جاؤ یہاں سے!" وہ بڑی کرخت آواز میں چلایا۔ "ویسے تو حقیقتاً تمہاری رگوں میں میرا خون دوڑ رہا ھے، پھر بھی تم حرامی ھو! میں تم دونوں کو قربان کر دوں‌گا۔ جاؤ، اپنی موت کے پاس جاؤ، خدا تمہیں جلد از جلد غارت کر دے۔ نکل جاؤ!"

ابائی نے باپ کی طرف حقارت بھری نگاھوں سے دیکھتے ھوئے اس کی باتیں سنیں۔

"اچھی بات ھے میں جا رھا ھوں۔ ھمیشہ کے لئے جا رھا ھوں!" اس نے قطعیت کے ساتھ مختصراً کہا۔

قونان‌بائے نے پردہ کھینچ‌کے برابر کر دیا اور پیچھے کی طرف جھک گیا۔ اس کے دبلے پتلے ھاتھ جلدی جلدی تسبیح کے دانے گھمانے لگے۔ حاجی نے ایک بار پھر خود کو عبادت اور توبہ استغفار میں مصروف کر لیا تھا۔

امیر لڑکھڑاتا ھوا کھڑا ھو گیا، اپنی ٹوپی اور کوڑا اٹھائے لیکن اچانک پھر زمین پر ڈھیر ھو گیا۔ تب اس نے اپنی قوت سے کام لیتے ھوئے پردے کی طرف رخ کیا۔

"آپ نے میری موت کی دعا مانگی ھے لیکن میں خوف‌زدہ نہیں ھوں۔ ذرا بھی خوف‌زدہ نہیں ھوں، سن رھے ھیں آپ؟ چاھے آپ مجھے زندہ ھی کیوں نہ جلا دیں!" وہ بڑی جانبازی کے ساتھ چیخ اٹھا۔

ابائی نے اسے سہارا دےکے کھڑا کیا اور باھر کھلی جگہ میں لے آیا۔ کتنا اچھا ھوا کہ وہ عین موقعے پر پہنچ گیا تھا۔ اسے یہ تشویش‌ناک خبر کہ ازغوت‌تی امیر کو قونان‌بائے کے پاس لے گیا ھے، علی‌الصباح سے کچھ قبل موصول ھوئی تھی۔ وہ اپنے باپ کے کینہ‌پرور غصے سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے فوراً ھی گھوڑے پر سوار ھوکے حاجی کے پڑاؤ پر بروقت پہنچ گیا تھا۔

۲

اکتوبر کا مہینہ شروع ھو گیا تھا اور مختلف قبائلی گروہ بھیڑوں کا اون کترنے کا کام مکمل کر رھے تھے۔ خزاں کی چراگاھوں سے روانگی کا وقت قریب آ رھا تھا لیکن کسی کو سردیوں کی قیام‌گاھوں کو منتقل ھونے کی عجلت نہیں معلوم ھوتی تھی۔ یوں

سے پھر اپنے پرانے رنگ ڈھنگ اختیار کر لئے ھیں۔ عزیز اقارب میں کسی سے پوچھے گچھے بنا ھی کل اس نے اپنے پرانے دوستوں — ارے انھی "سالوں" اور "سیریوں" کو اکٹھا کر لیا۔ ان لوگوں نے اپنے رنگ برنگے کپڑے پھر پہن لئے ھیں اور کوئی پاگل‌پنے کی حرکت کرنے کی تیاریاں کر رھے ھیں۔ ابھی آج صبح ھی میں نے ان میں سے کچھ کو کہتے سنا ھے کہ وہ لوگ کوک‌شے جرگے کے پڑاؤ پر جائیں گے۔ لیکن سوچئے نا یہ تو ان لوگوں کو کھلی ھوئی چنوتی دینا ھوا۔ ٹھیک کہہ رھا ھوں نا؟ آخر ھمارے بوڑھے حاجی دادا کیا کہیں گے؟ ابھی تھوڑے ھی دن کی تو بات ھے کہ انہوں نے امیر کو بددعا دی تھی۔ یہی نہیں، کوک‌شے قبائلی بھی تو امیر سے بدلہ لینے کے لئے بس موقعے ھی کے منتظر ھیں۔ مجھے ڈر ھے کہ کوئی ناخوشگوار بات نہ واقع ھو جائے کیونکہ ظاھر ھے کہ کوک‌شے کے لوگ مارنے پر اتارو ھو جائیں گے۔ اب میں امیر اور اس کے دوستوں کو کیسے باز رکھوں؟ مجھے کوئی مشورہ دیجئے۔"

ابائی نے یہ پریشان‌کن خبریں شاکے کے ایک ایک لفظ پر توجہ دیتے ھوئے غور سے سنیں۔ اور اس کا فیصلہ سب کے لئے باعث حیرت ثابت ھوا۔

"ھم لوگ امیر کو اس کے غموں کے ساتھ نہ تنہا چھوڑ سکتے ھیں، نہ اسے مرنے دیں گے" اس نے کہا۔ "وہ کسی دوسرے زمانے میں زندگی بسر کر رھا ھوتا تو ھم سب لوگوں سے، اس نسل کے افراد سے جس نے اس پر لعنت بھیجی ھے، کہیں زیادہ ممتاز حیثیت کا مالک ھوتا۔ میری تمام ھمدردیاں امیر کے ساتھ ھیں۔ اسے کافی سزا مل چکی ھے۔ اب وہ جو چاھتا ھے اسے کرنے دو۔ کم سے کم اسے یہ کہنے کا موقع تو نہ دو کہ چھوٹے بڑے سبھی اسے ٹھوکریں مارتے رھتے ھیں۔ شاکے، تم اس کے راستے میں روڑے نہ اٹکاؤ۔ وہ کوک‌شے پڑاؤ پر جانا چاھتا ھے تو جانے دو۔ جہاں تک اباجان کا سوال ھے تو وہ اپنی بددعا واپس لینے سے رھے، امیر کچھ بھی کرے۔ اس کے علاوہ کوک‌شے قبائلیوں کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا ھے۔ امیر کسی گیت کے ذریعے اپنے غموں کا اظہار کر لےگا تو بہت ممکن ھے اس کے دل کا بوجھ کچھ ھلکا ھو جائے۔"

یربول اور شاکیے نے ابائی کی باتوں پر غور کرتے ہوئے اس سے اتفاق رائے ظاہر کیا۔ صرف آئی‌گیریم نے اس کی تجویز کی حمایت نہ کی۔

"ہونہہ، عزیز اقارب کے میٹھے بول بھلا آدمی کے کس کام کے اگر ان کی عملاً تصدیق نہ کی جائے؟" وہ اچانک بول پڑی اور اس نے اپنا منہ موڑ لیا۔

سیمی‌پالاتنسک سے واپسی کے بعد ھی سے ابائی کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی آئی‌گیریم کو کھو چکا ھے۔ زیادہ باتیں تو وہ کبھی بھی نہیں کرتی تھی لیکن ابائی کے خیالات اور جذبات کے معاملے میں ھمیشہ اس کی ھم‌نوائی کرتی تھی لیکن اب تو ایسا معلوم ھوتا تھا کہ وہ ابائی کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی صلاحیت ھی کھو چکی ھے۔ اس وقت بھی اس نے جو کچھ کہا اس میں ابائی کو کشیدگی اور اندرونی سردمہری کی واضح جھلک نظر آئی۔

ابائی، امیر کی طرف سے فکرمند تھا۔ اب جو آئی‌گیریم کے متعلق یہ خیال اس کے ذھن میں آیا تو اس کے احساس تنہائی میں کچھ اور بھی شدت پیدا ھو گئی۔ گرمجوشی کے پرانے پرمسرت ایام کی جگہ اداس اور بےکیف شادی‌شدہ زندگی نے لے لی تھی۔ اس گھر میں جہاں خوشیوں کا راج تھا، بےرونقی اور اداسی نے بسیرا کر لیا تھا۔ زندگی کی یہ کچھ عجب تاریک سی خزاں تھی، زخموں، ملامتوں اور الزامات سے بھری ہوئی۔ اور اس سب کا سبب تھی معصوم سلطنت۔

آئی‌گیریم کے الفاظ سے ابائی فوری طور پر تلملا اٹھا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ھو لیکن اس نے کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا اور سارے معاملے پر دل ھی دل میں غور کرنے لگا۔ "عملاً تصدیق" اس نے سوچا۔ لیکن کیا اس نے امیر کی جان بچانے کے لئے کھلم کھلا اپنے باپ سے ٹکر نہیں لے لی تھی؟ اسے قونان‌بائے کی بددعا یاد آئی اور وہ تلخی سے مسکرا دیا: ایک طرف باپ کی نفرت تھی جس نے خدا سے ابائی کی موت کی دعا مانگی تھی اور دوسری طرف آئی‌گیریم کی یہ کشیدگی، آئی‌گیریم جو واحد فرد تھی جسے وہ مکمل طور پر اپنا وفادار تصور کرتا تھا۔ آخر یہ کشیدگی، یہ بیگانگی

کیوں؟ آخر اس کا قصور کیا تھا؟ اس نے آئی‌گیریم کی محبت سے کبھی بھی بےوفائی نہیں کی تھی۔ آئی‌گیریم کے دل میں اس سلسلے میں جو بھی خیالات پنپ رہے تھے، غلط تھے۔

سلطنت کے بارے میں وہ اکثر سوچتا ضرور تھا لیکن محض انتہائی احترام کے ساتھ۔ اسے تو فخر تھا کہ اس نے اس معاملے میں بڑی سوجھ سے کام لیا تھا، یقین تھا کہ سلطنت جیسی کوئی دوسری لڑکی ملےگی تو اس کے ساتھ بھی ایسا ھی طرز عمل اختیار کرےگا۔ کیا یہ طرز عمل اس کی نئی حاصل کی ھوئی صفت نہ تھا؟ اس کی تعلیم کا نتیجہ نہ تھا؟ اس کے زمانے کے قزاخ معاشرے میں بےمثال واقعہ نہ تھا؟ وہ جانتا تھا کہ روسی کتابوں کے خیالات اس کے دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکے ھیں اور انہوں نے اسے پاکیزگی اور تہذیب و شائستگی کے نئے اثمار عطا کئے ھیں۔ اسے احساس تنہائی ضرور پریشان کئے ھوئے تھا لیکن اس کا ضمیر صاف تھا۔ اس نے سوچا کہ میں نے صرف تعلیم ھی نہیں بلکہ ایک نیا نقطۂ نظر بھی حاصل کیا ھے۔ سلطنت کے سلسلے میں میرا رویہ اسی نقطۂ نظر کا نتیجہ ھے حالانکہ یہ رویہ بانکوں کو نہایت ھی مضحکہ‌خیز معلوم ھوتا ھے۔

آئی‌گیریم ظاھر تھا کہ اس سب کو خاک بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ وہ تو صرف یہ جانتی تھی کہ کسی بانکے اور کسی لڑکی کے مراسم محض دوستی تک محدود ھی نہیں رہ سکتے۔ وہ معاملات کو پرانے ڈھنگ ھی سے سمجھ پاتی تھی۔ انسان کے نقطۂ نظر کی تشکیل، ابائی کے خیال میں کچھ تو اس کے ذاتی تجربات سے ھوتی تھی اور کچھ افراد اور زندگی کے متعلق نیا رویہ اپنانے سے۔ وہ یہ سب کچھ سمجھاتا بھی تو کیسے سمجھاتا؟ دراصل معاملے کا لب لباب یہی تھا۔ ”ھم دونوں ایک دوسرے کو فوراً ھی سمجھ لیتے بشرطیکہ آئی‌گیریم وسیع‌تر نقطۂ نظر کی مالک ھوتی۔ موجودہ حالات میں ظاھر ھے کہ یہ بات ناممکن ھے“ اس نے یہ یاد کرتے ھوئے سوچا کہ وہ آئی‌گیریم کے خیالی غم کو دور کرنے کی، اس کو اس بات پر آمادہ کرنے کی جانے کتنی ھی بار کوشش کر چکا ھے کہ وہ سلطنت کے متعلق ذرا مختلف ڈھنگ سے سوچے۔ لیکن ھر بار کچھ ایسا ھوتا تھا کہ آئی‌گیریم اپنے چہرے سے اداسی اور ناراضگی کے تاثرات ظاھر کرتی اور خاموش

ہو جاتی، اپنی ذات کے خول میں سمٹ جاتی۔ دونوں کسی دریا کے محالف کناروں پر کھڑے معلوم ہوتے تھے جسے پار کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ خاندانی زندگی کی بھاگ دوڑ میں ان دونوں کے درمیان ایک عمیق گھاٹی حائل ہو گئی...

اب پھر کتابیں اس کی ہم‌کلام، واحد دوست اور وفادار شریک حیات بن گئیں، کتابیں محض کتابیں۔

نازک حالات

۱

اپریل کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ بہار اس سال ذرا قبل از وقت ہی آ گئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف ہریالی چھا گئی تھی۔ بھیڑوں کے بچے دینے کا موسم تھا اور آق‌شوقی کی سرمائی قیام‌گاہ کے ارد گرد پہاڑیوں پر چرتی ہوئی بھیڑوں بکریوں کے بچے اپنی ماؤں کے پاس اچھلتے کودتے پھر رہے تھے۔ ابائی کے پڑاؤ کے لوگ ابھی تک سرمائی مکانوں ہی میں مقیم تھے صرف آئی‌گیریم نے قریب میں اپنا خیمہ نصب کرا لیا تھا۔

ابائی اور بائےمغم‌بیت اپنی پسندیدہ پہاڑی پر مشتاق سامعین میں گھرے ہوئے بیٹھے تھے۔

سردیوں کی شاموں کو ابائی اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے متعلق یربول، کیش‌کینبے ملا اور اپنے بڑے بچوں سے باتیں کرتا تو بائےمغم‌بیت ہمیشہ بڑی توجہ سے سنتا رہتا۔ وہ ہر کہانی کا پلاٹ، اس کے کثیر کرداروں اور واقعات کے ساتھ ایک ہی بار سن‌کے بہ‌آسانی یاد کر لیتا اور بعد میں پورے قصے کو صحیح صحیح، بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتا۔ چنانچہ قصہ‌گو کی حیثیت سے اس کی شہرت قوریق اور آق‌شوقی ہی میں نہیں بلکہ چنگیز سے سیمی‌پالاتنسک تک کے سارے علاقے میں پھیل گئی تھی۔

آفتاب غروب ہونے کو تھا اور شام کی ہوائیں سرد ہو چلی تھیں لیکن کوئی بھی شخص اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ بچے بھی دم بخود سننے میں مصروف تھے۔ ان میں ابائی کے خاندانی اسکول کا سب سے محنتی طالب علم آبیش، غیرمعمولی طور پر باصلاحیت لڑکا اور سب کا منظور نظر مغاش اور نوجوان عاقل‌بائے شامل تھے۔ آخرالذکر نورغانیم کے پڑاؤ سے خاص طور سے قصہ

سننے ھی کے لئے آیا تھا اور بائےمغم‌بیت کے قصے سننے کے لئے رات کو قیام کرنےوالا تھا۔ سب کے سب پر کچھ ایسی محویت طاری تھی کہ کسی کو ایک گھڑسوار کی آمد کی اس وقت تک خبر نہ ھوئی جب تک کہ وہ ان کے درمیان پہنچ کے گھوڑے سے نہ اترا۔

یہ "بڑے پڑاؤ" کا ایک گلےبان اصیل‌بائے تھا جو سیمی‌پالاتنسک سے اول‌جان کے پڑاؤ پر واپس جا رھا تھا۔ اس کا لاکھی رنگ کا گھوڑا جھاگ سے بھیگا ھوا تھا۔

"کہو بھائی، شہر کی کیا خبریں ھیں" دعا سلام کے بعد ابائی نے دریافت کیا۔

"ارے آپ نے کچھ نہیں سنا کیا؟" اصیل‌بائے صحیح معنوں میں متحیر نظر آنے لگا۔ "بڑی بھیانک قسم کی باتیں اڑی ھوئی ھیں، ابائی آغا۔ گورا زار جو ھم پر حکومت کرتا تھا نا، تو لوگ کہتے ھیں کہ وہ دنیا سے چل بسا اور موت بھی کتنی بھیانک تھی۔ کسی نے اسے گولی مارکے ھلاک کر دیا۔"

کیش‌کینبے ملا نے دھیرے دھیرے ھونٹ ھلائے اور بڑے احترام کے جذبے سے منہ پر ھاتھ پھیر لیا۔

"آخر ھوا کیا؟" ابائی نے پوچھا۔ "تم نے یہ بات کہاں سنی تھی؟ زار کو کب ھلاک کر دیا گیا؟ اور کس نے ھلاک کیا؟"

"ارے اس واقعے کو تو مہینے بھر سے زیادہ ھی ھو گیا ھوگا۔ سیمی‌پالاتنسک میں تو یہ حالت ھے کہ لوگوں کے پاس اس واقعے کے سوا بات‌چیت کے لئے جیسے اور کچھ رھا ھی نہیں۔ گرجے روسیوں سے بھرے ھوئے ھیں اور مسجدوں میں بھی شام کی نمازیں پڑھی جا رھی ھیں۔ لوگوں کو نئے زار سے وفاداری کا حلف لینا ھے نا۔ بڑا غل غپاڑہ مچا ھوا ھے، میں آپ سے سچ کہتا ھوں! زار کا بیٹا تخت پر بیٹھا ھے اور لوگ کہتے ھیں کہ قاتل گرفتار کر لیا گیا ھے۔ اس سے زیادہ کچھ اور سننے کا مجھے وقت ھی نہ مل سکا۔"

ابائی نے یہ خبر سننے کے بعد مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ زار کے قتل کی واردات کو منظم کرنےوالے افراد عام قاتل بہرحال نہیں ھو سکتے تھے۔ "وہ کچھ اس طرح کے لوگ ھوں‌گے جنہیں روکا یا ڈرایا دھمکایا نہیں جا سکتا"

اس نے سوچا۔ "ان کے ذھنوں میں سارا مسئلہ واضح ھے۔ وہ مضبوط قوت ارادی کے مالک ھیں۔ جلاوطنی سے ان کے حوصلے پست ھونے سے رھے۔ انھیں کوئی ایسا کام کرنا تھا جو سارے روس کو ھلاکے رکھ دئے اور انھوں نے یہ کام کر دکھایا۔"

اس اثنا میں کیش‌کینئے ملا نے اس موقعے پر ان لوگوں کی ذھنی اصلاح کرنے کا فیصلہ کیا۔

"شریعت ھمیں اس شخص کا جو ھم پر اور ھمارے عوام پر حکومت کرتا ھو، احترام کرنا سکھاتی ھے۔ خواہ وہ کسی بھی عقیدے کا کیوں نہ ھو۔ مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی تو اس کا مطلب یہ ھوا کہ مسلمان بھی سوگ منا رھے ھیں۔ واقعی یہ بڑا المناک سانحہ ھے۔ میں نے کسی بھی کتاب میں نہیں پڑھا کہ سیدھے سادے لوگ اپنے زار کو ھلاک کر سکتے ھیں۔ یقیناً روز قیامت قریب ھے اور دنیا اپنے آخری ایام گزار رھی ھے۔"

ابائی اس کے وعظ کے صرف آخری الفاظ ھی سن سکا۔

"جہاں کبھی بھی کوئی زبردست تشددآمیز واقعہ ھوتا ھے وھاں یقیناً زبردست نفرت بھی موجود ھوتی ھے" اس نے خفیف سی مسکراھٹ کے ساتھ کھڑے ھوتے ھوئے کہا۔ "آپ یہاں اتنی دوری پر رھتے ھیں۔ بھلا آپ کو کیسے معلوم ھو سکتا ھے کہ وہ کون سی بےانصافیاں تھیں، کیسا غصہ تھا جس نے اس شخص کو اس اقدام کی ترغیب دی؟" وہ خیمے کی طرف چل دیا اور بائےمغمبیت کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

"باکے"* اس نے خیمے کے قریب پہنچتے ھوئے اس سے کہا۔ "میں چاھتا ھوں کہ کل تم میرا ایک خط لےکے شہر چلے جاؤ اور واقعے کی جتنی تفصیلات معلوم ھو سکیں، معلوم کر لاؤ۔"

بائےمغمبیت اگلی صبح کو روانہ ھوا اور تین دن بعد واپس آ گیا۔ وہ اپنے ساتھ ٹوکری بھر کتابیں اور میخائلوف کا جواب لایا تھا۔

میخائلوف نے مختصراً سرکاری اطلاعات کا حوالہ دیا تھا: یکم مارچ کو زار چھل‌قدمی سے واپس لوٹ رھا تھا تو اس پر بم پھینکا

---

* باکے — نام بائےمغمبیت کا اختصار۔

گیا جس سے وہ شدید طور پر زخمی ہوا اور تھوڑی ہی دیر بعد سرمائی محل میں انتقال کر گیا۔ قتل کا منصوبہ پہلے سے تیار کر لیا گیا تھا۔ بعض سازشی گرفتار بھی کر لئے گئے تھے۔ سیمی‌پالاتنسک کے گورنر نے فوجی چھاؤنی اور شہری دفاتر کے تمام عملے کو اس سلسلے میں ایک عبادتی تقریب کے لئے اکٹھا کیا تھا جس کے بعد فوجی سپاہیوں سے لےکر کلرکوں تک، ہر ایک نے نئے زار الیکساندر سوم سے وفاداری کا حلف لیا تھا۔ یوگینی پیتروویچ نے اپنے خط کے آخر میں لکھا تھا کہ اسے خفیہ احکام کی بنا پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ "تو بھئی ابراھیم. یہ ہے وہ نازک صورت‌حال جس سے ہم دوچار ہیں" اس کے آخری الفاظ تھے۔ "لیکن بائےمغم‌بیت کے ذریعے جو اطلاع میں آپ کو بھیج رہا ہوں اس کے آپ کے لئے تسلی‌بخش ثابت ہونے کا ظاہر ہے کہ سوال ہی نہیں اٹھتا۔ آق‌شوقی میں کتنی ہی آرام‌دہ زندگی کیوں نہ بسر کر رہے ہوں، بہتر ہوگا کہ آپ شہر آکے خود صحیح معلومات حاصل کر لیں۔"

اگلے روز ابائی، بائےمغم‌بیت کے ساتھ شہر روانہ ہو گیا۔ تازی، حیات‌بخش ہوا کے ہلکے جھونکے ان کے چہروں سے ٹکرا رہے تھے۔ زمین خشک تھی اور کیچڑ کے ناہموار ٹکڑے غائب ہو چکے تھے۔ بہار کی گھاس جسے ابھی دھوپ اور غبار نے چھوا تک نہیں تھا، تازگی کے ساتھ چمک رہی تھی اور آق‌شوقی سے سیمی‌پالاتنسک تک ساری پہاڑیاں افسنتین کی نیچی جھاڑیوں اور لالہ کے جلدی اگنےوالے پودوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ پانی کے چھوٹے سے چھوٹے گڈھے تک کے کنارے کنارے ریشم جیسی نرم نرم گھاس اگی ہوئی تھی۔

بائےمغم‌بیت گاڑی کو تیزی سے دوڑانا بہت پسند کرتا تھا اور اس نے سفر کے لئے لاکھی رنگ کے تین موٹے تگڑے سدھے سدھائے گھوڑوں کا انتخاب کیا تھا۔ اس نے گھر کے سامنے ہی سے گھوڑوں کو تیز دلکی چال سے ھانکنا شروع کر دیا تھا لیکن پتھریلی سڑک پر گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاھٹ کے باوجود یہ تیزرفتار سفر تھکا دینےوالا نہیں بلکہ فرحت‌بخش ثابت ہو رہا تھا۔ بائےمغم‌بیت نے اپنے لمبے کوڑے سے گھوڑوں پر وار کرتے ہوئے "سیاہ دور" کا قصہ

جاری رکھا جس میں اصیل‌بائے کی غیرمتوقع آمد سے خلل پڑ گیا تھا۔ اسے امید تھی که قصے کے پیچیدہ‌ترین مقامات پر اس سے کوئی غلطی ہو جائے گی تو ابائی درست کر دے گا۔

ابائی کو بائےمغم‌بیت کے حافظے پر ہمیشه حیرت ہوتی تھی۔ اس وقت اس نے قصه بیان کرتے ہوئے مختلف کرداروں کے سلسلے میں خود اپنے رویے کا بھی اظہار کیا اور ان کے افعال، خیالات اور تعلیم و تربیت کا صحیح طور پر تجزیه کیا۔ اس نے قصے کا پیچیدہ پلاٹ ایک مقام پر بھی غلطی کئے بغیر یوں بیان کر دیا جیسے اس نے اس کتاب کا کئی بار اول تا آخر مطالعه کیا ہو۔

اس نے نه کبھی روسی پڑھی تھی، نه ہی قزاخی زبان لکھنا پڑھنا جانتا تھا لیکن ابائی کی پڑھی ہوئی ان کتابوں کو جن کا وہ تذکرہ کیا کرتا تھا، کچھ اس طرح سمجھ گیا تھا که ان کے زیراثر اس کے طرز عمل بلکه کردار تک میں نمایاں طور پر تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ ابائی دیکھ رہا تھا که یه شخص غیرشعوری طور پر اپنے ہیروؤں کے اقدامات اور بات‌چیت کی نقل کرتے ہوئے دوسرے بانکوں سے کسی حد تک مختلف ہو گیا ہے۔ وہ اس ماحول میں ایک حیرت‌انگیز مثال تھا، ایک تعلیم‌یافته ناخوانده۔ اس کی طوطے جیسی نمایاں ناک اور گھنی پلکوں‌والی تیز نیلی نیلی آنکھوں میں کچھ ایسی کشش تھی جو اسے دوسرے بانکوں سے ممیز کرتی تھی۔ ابائی کے لئے اس کی حیثیت کسی معمولی سائیس جیسی نہیں بلکه کسی نامعلوم سرزمین سے آئے ہوئے ہم‌سفر جیسی تھی۔

ابائی نے اب اپنے ساتھی کی طرف کچھ اس طرح دیکھا جیسے اسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ بائےمغم‌بیت واقعی ایک نیا آدمی تھا، سیدھا سادا، راست‌باز، خطرے کے وقت ثابت‌قدم اور حقیر گپ‌بازیوں سے بلند و برتر۔ کبھی کسی ایسی بات کو نہیں دوہراتا تھا جس سے کسی کے دل کو ٹھیس لگتی۔ رازوں کے معاملے میں بےحد قابل اعتماد تھا اور جیسا که آئی‌گیریم نے ایک بار مذاق میں کہا تھا، اس سے یه تک نہیں معلوم کیا جا سکتا تھا که ابائی اور اس کے ننھے بیٹے توراش کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں۔

آئی‌گیریم نے جسے لوگوں کو پہچاننا خوب آتا تھا، ایک بار کہا تھا: "آپ نے تو اس کو روسیوں کے بارے میں اتنا زیادہ بتا دیا

ہے کہ وہ خود ہی ان کا جیسا بنتا جا رہا ہے۔ چکردار راستے کے بجائے ہمیشہ سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اچھا اور ایماندار روسی ایسا ہی ہوتا ہوگا۔"

"دراصل ہم محسوس ہی نہیں کر پاتے کہ ہماری ذہنی تربیت اور ہمارے کرداروں کی تشکیل میں کتابوں کا کتنا زیادہ ہاتھ ہوتا ہے" ابائی نے سوچا۔ "بائےمغمبیت ابھی زیادہ عمر کا نہیں اور اس کے اندر یہ بات مجھ سے زیادہ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اس کی مثال ایک آئینے جیسی ہے اور اسے دیکھ کے میں سمجھ سکتا ہوں کہ میرے کردار میں کتنی زیادہ تبدیلی واقع ہو گئی ہے، صدیوں پرانے تصورات سے میں کتنا آگے نکل آیا ہوں۔"

دوپہر کو یہ لوگ گھوڑوں کو چارا کھلانے کے لئے ٹھہر گئے۔ سفر پھر شروع ہوا تو بائےمغمبیت نے دوبارہ "سیاہ دور" کا قصہ چھیڑ دیا اور شام کو اس وقت ختم کیا جب ان کی گھوڑا گاڑی تینیبائے کے مکان کے گیٹ کے سامنے پہنچ چکی تھی۔

ابائی نے اس بار شہر میں اپنے قیام کے دوران میخائلوف سے زیادہ ملاقاتیں کیں۔ ان کی باتچیت بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ دیر تک جاری رہتی تھی۔ دراصل یوگینی پیتروویچ ملازمت سے علاحدہ کئے جانے کی بنا پر اپنے وقت کا خود ہی مالک تھا اور وہ دونوں جب چاہتے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے۔ پہلی ملاقات میں میخائلوف نے ابائی کو واقعات کی وہ تفصیلات بتائیں جن کا تذکرہ خط میں اس کے نزدیک مناسب نہ تھا۔ زار کو قتل کرنے کی کوششیں اس سے قبل بھی ہوئی تھیں اور ژیلابوف اور بہادر روسی لڑکی سوفیا پیروفسکایا کو حال ہی میں پیٹربرگ میں پھانسی دی گئی تھی۔ جرأتمند مردوں اور عورتوں نے عوام کے مفادات کے لئے اپنی آزادی بلکہ اپنی زندگیوں تک کو کسی پس و پیش کے بغیر داؤں پر لگا دیا تھا۔ اس نے خیال ظاہر کیا کہ اس بار سرکاری ذمےداران کہیں زیادہ سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ۱۴ مارچ کے منشور میں کہا گیا ہے کہ حکومت معاشی اور معاشرتی مسائل پر توجہ مبذول کرےگی۔ یہ وہ بات ہے جس کا پہلے کبھی ذکر ہی نہیں آتا تھا۔

"ان لوگوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اگر "معاشرتی" جیسا لفظ شامل ہو گیا ہے" اس نے مزاحیہ انداز میں دہشت‌زدہ ہونے ہوئے کہا۔ "تو اس کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ زارشاہی نظام کو بس گرتی ہوئی دیوار ہی سمجھنا چاہئے۔ جی ہاں، پیٹربرگ میں لوگ انقلاب کے بھوت سے واقعی لرزہ بر اندام ہیں۔"

ابائی نے اپنے دوست پر سوالات کی بوچھار کر دی، خاص طور سے اس لئے اور بھی کہ اس موضوع پر ان دونوں کے درمیان کبھی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ میخائلوف نے بتایا کہ زار کے قتل کے لئے مطلق‌العنانیت کے خلاف بڑے پیمانے کی عوامی جدوجہد محرک ثابت ہوئی ہے۔ اس نے اس واقعے سے نتیجہ اخذ کیا کہ روسی معاشرہ اپنے بہترین افراد کی قیادت میں انقلاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میخائلوف اپنی باتوں سے ابائی کی نگاہوں میں کچھ اور بھی زیادہ قابل احترام شخص بن گیا۔ ابائی نے جو کچھ سنا تھا اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے ذہن میں اٹھنےوالے نئے مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں مزید سوالات دریافت کئے۔

"آپ نے ابھی ابھی کہا ہے کہ سرکاری ذمےداران خوف‌زدہ ہو گئے ہیں۔ تو پھر آخر وہ لوگ آپ جیسے جلاوطنوں کے حالات بہتر بنانے کے لئے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتے؟ آپ کو تو انہوں نے ملازمت تک سے برطرف کر دیا، ہے نا؟"

میخائلوف شانے اچکاتے ہوئے ہنس پڑا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں اور ذمےداران کے خیال میں انہیں میری طرف سے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے بازو تو یوں کہنا چاہئے کہ اسی وقت کتر دئے گئے تھے جب میں یونیورسٹی میں تیسرے سال کا طالب‌علم تھا۔ پھر ایک اور بات ہوی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے میرے عہدے پر اس لئے نہیں برداشت کیا تھا کہ وہ مجھے پسند کرتے تھے بلکہ اس لئے کیا تھا کہ اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ بھئی ہوا یہ تھا کہ گورنر کو دو سال قبل اعداد شمار کمیٹی مقرر کرنے کے لئے پیٹربرگ سے ہدایات موصول ہوئیں۔ بےچارے مقامی افسروں نے فن اعداد شمار کا کبھی نام تک نہیں سنا تھا۔ میں یونیورسٹی میں اس شعبے کا اچھا طالب‌علم تصور کیا جاتا تھا اور یہاں میرے سوا اور کوئی اس

کام کا جاننےوالا بھی نہیں تھا۔ تو یوں ان لوگوں کو مجبوراً مجھے اس کام کا نگراں مقرر کرنا پڑا جس سے مجھے کچھ اختیارات تو حاصل ہوئے لیکن بےشمار مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ان دنوں میرے پاس اس سے بہتر اور کوئی کام نہ تھا۔ اس لئے راضی ہو گیا۔ لیکن بدقسمتی سے میں ایک ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہوں: میں کوئی بھی کام بےدلی سے نہیں کر سکتا۔ چنانچہ پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کام میں جٹ گیا اور مجھے یہاں کے معاشی حالات کی پیچیدگیوں کا بھی اندازہ ہو گیا۔ لیکن پیٹربرگ کے واقعے کی جیسے ہی ان لوگوں کو اطلاع ملی انہوں نے ماہر اعداد شمار میخائلوف کو جس کی پولیس نگرانی کر رہی تھی، عہدے سے برطرف کر دیا۔ مگر محض اپنی برطرفی کی بنا پر میں اس کام سے کنارہ‌کشی تھوڑی اختیار کروں‌گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اب بھی اس میدان میں کچھ مفید خدمت انجام دے سکوں‌گا۔ میں تو اس بات کو اہمیت دیتا ہوں کہ آدمی اپنا کام خوش‌اسلوبی سے انجام دے اور تاجروں اور صنعت‌کاروں کا نہیں بلکہ عوام کا مفاد اپنے مدنظر رکھے تو اس ملک میں کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ اس موضوع پر دیر تک اظہار خیال کرتا رہا۔

ابائی نے میخائلوف سے اپنی ملاقاتوں میں آسانی کے خیال سے تینی‌بائے کے مکان کے بجائے کریم کے یہاں قیام کیا تھا۔ ارتیش کے بیچ میں چھوٹے چھوٹے جزیروں پر چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی۔ دونوں دوست یا تو دریا کے کنارے کنارے ٹہلتے رہتے یا کشتی کے ذریعے کرنل جزیرے پر پہنچ جاتے اور وہاں گھنٹوں باتیں کیا کرتے۔ ان کی گفتگو زیادہ سے زیادہ دلچسپ ہوتی گئی۔ میخائلوف، ابائی سے صرف چار ہی سال بڑا تھا لیکن اسے بےشمار تجربات ہو چکے تھے جو اپنے تنوع اور پیچیدگی کے اعتبار سے کافی مالامال نظر آتے تھے۔ "دراصل یہ ایک غیرنوشتہ داستان ہے" ابائی نے سوچا۔ پھر اس نے فوراً ہی اپنی اصلاح کر لی۔ "نہیں، داستان موزوں لفظ نہیں ہے۔ داستان میں تو کسی ایک ہیرو کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جبکہ یہاں متعدد ہیرو ہیں اور وہ جس اژدھے سے لڑ رہے ہیں وہ ہزار سال پرانا ہے، سونے اور قیمتی پتھروں میں ملبوس ایک دنیاوی خدا ہے۔"

ابائی کو یہ جاننے کا اشتیاق تھا کہ روس میں انقلابی خیالات نے کب اور کیسے جنم لیا تھا۔ میخائلوف نے اسے مطلق العنانیت کے خلاف جدوجہد کے آغاز کے متعلق، پشکن، بیلنسکی، گیرتسن کے متعلق اور نئی انقلابی تحریک کے جوش و خروش کے متعلق بتایا جس کے محرک چیرنیشیوسکی تھے۔ اس نے آخرالذکر شخص کا تذکرہ خاص احترام کے ساتھ کیا اور ابائی نے سوچا کہ یقیناً یہی شخص اس کے دوست کا معلم رہا ہوگا۔

اس نے کراکوزوف کی ناکام کوشش اور اس کو پھانسی دئیے جانے کا حال بھی سنا۔ کراکوزوف کے چچازاد بھائی اور گروہ کے سرغنہ ایشوتین کے انجام پر ابائی کو بےحد صدمہ ہوا۔ اسے خزاں کے ایک بےرونق دن کو پیٹربرگ کے سیمیونوف چوک لے جایا گیا تھا جہاں اسے موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ اس کے سر اور منھ کو ڈھکنے کے بعد پھانسی کا پھندا گلے میں ڈال دیا گیا تو ایک دوسرا حکم پڑھکے سنایا گیا جس کے تحت اس کی سزائے موت قید بامشقت میں بدل دی گئی۔ ابائی پہلی بار ایسے جیلوں کے متعلق سن رہا تھا جس کی مدد سے استبدادی حکومت اپنے اقتدار کو برقرار رکھے ہوئے تھی۔ یہ قیدخانے کیا تھے، دنیا میں بنے ہوئے جہنم تھے جہاں خون بہائے بغیر انسان کی روح اس کے جسم سے نکال لی جاتی تھی، جہاں پھانسی کے پھندے کے بغیر ھی آدمی کی سانس روک دی جاتی تھی۔ شلیسل‌برگ کا قلعہ، الیکسیئیف کا قلعہ اور شہر ارکتسک کے الیسندروف مرکزی جیل جہاں ایشوتین پاگل ہو گیا تھا۔ وہ بعد میں بھی وھاں کافی دنوں تک رہا تھا لیکن لوگ جب بھی اسے دیکھتے تھے، آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ ابائی نے سوچا کہ کوئی شکارخور درندہ ھی اپنے شکار کو کبھی موت کی دھمکی دےکے اور کبھی زندہ بچ جانے کی امید دلاکے اذیت پہنچاتے ہوئے اتنی بےرحمی کے ساتھ اس کی جان سے کھیل سکتا ہے۔

"یوگینی پیتروویچ، کیا واقعی ایسی باتیں بھی ممکن ھیں؟" وہ کہہ اٹھا۔ "کیا سارے روس کی نگاھوں کے سامنے ایک شخص کو جو مرنے کو تیار ھو، اذیت پہنچانا اور ذلیل کرنا ممکن ہے؟

میخائلوف نے اسے بتایا کہ چیرنیشیوسکی کے ساتھ بھی تقریباً

بھی سلوک کیا گیا تھا۔ اس نے چیرنیشیوسکی کو ترقی‌یافتہ روسی معاشرے کے لئے باعث فخر اور روشن‌خیالی کا علمبردار قرار دیا۔

"چیرنیشیوسکی ہمارے واحد معلم اور رھنما ھیں۔ ان کے خیالات گزشتہ پندرہ بیس برسوں سے نئی نسل کے حوصلے بڑھاتے رھے ھیں۔"

اس نے بتایا کہ چیرنیشیوسکی کو ۱۹ مئی ۱۸۶۴ء کو پیٹربرگ کے میتنایا چوک لے جایا گیا تھا جہاں اسے شارع عام پر سات سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی تھی۔ اس واقعے کو سترہ سال بیت چکے تھے لیکن وہ اب بھی سائبیریا کے ویلوئیسک جیل میں بند تھا۔

ابائی کو ایک اور بات سے بھی حیرت ھوئی۔ اس نے دل ھی دل میں فرض کر لیا تھا کہ زار کو قتل کرنے کی تجویز یقیناً چیرنیشیوسکی نے سمجھائی ھوگی لیکن اسے یہ سن‌کے بہت تعجب ھوا کہ میخائلوف کے معلم کا یکم مارچ کے واقعے سے ذرا بھی تعلق نہ تھا۔

"لیکن یہ تو بتائیے کہ کیا انہوں نے اپنے خیالات اور تعلیمات کے ذریعے اس واقعے کی ترغیب نہیں دی تھی؟"

میخائلوف کو اس نکتے کی خاصی تفصیل کے ساتھ وضاحت کرنی پڑی۔

"چیرنیشیوسکی کے خیالات اور نظریات میں اس نوعیت کی کسی بات کا وجود ھی نہیں ھے۔ دراصل چیرنیشیوسکی کے انقلابی تصورات قاتلوں کی سمجھ ھی میں نہیں آئے۔ اس گروہ نے ایک ایسے جذبے کے تحت جو چیرنیشیوسکی کے خیالات کی روح سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا، ساری باتیں خود ھی طے کی تھیں۔"

میخائلوف نے کہا کہ انفرادی دھشت‌پسندی سے بلکہ خود زار کو قتل کرکے بھی مطلق‌العنانیت کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک زار کی جگہ دوسرا زار لے لےگا اور کوئی تبدیلی نہ واقع ھوگی۔ چیرنیشیوسکی کے نزدیک کسانوں کو، لاکھوں محنت‌کشوں کو، مطلق‌العنانیت کے خلاف جدوجہد میں حصہ لینا ھوگا۔ اس نے ابائی کو روسی کسانوں کے نام چیرنیشیوسکی کے کتابچے کے متعلق بتایا جس کا عنوان تھا: "جاگیرداروں کی رعایا کے نام ان کے خیرخواھوں کی طرف سے سلام کے ساتھ"۔ اس کتابچے میں

اس کے مصنف نے کسانوں سے کلہاڑیاں ہاتھ میں لےکے میدان کارزار میں کود پڑنے کی اپیل کی تھی کیونکه عوام غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور زار نے ۱۸٦۱ء میں جھوٹی آزادی کے بہانے ان کو فریب دیا تھا۔ وہ اس کے سوا اور کچھ کر بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکه وہ عوام کا زار نہیں بلکه جاگیرداروں کا زار تھا۔ میخائلوف کو یه کتابچه یونیورسٹی میں طالب علمی کے زمانے سے یاد تھا اور اس نے ابائی کو اس کا تقریباً لفظ به لفظ اقتباس سنایا: "اس نے آپ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک دی ہے... وہ خود بھی اگر ایک جاگیردار نہیں تو اور ہے کیا؟.. آپ لوگ جاگیرداروں کی رعایا ہیں اور جاگیردار زار کی رعایا ہیں۔ وہ ان لوگوں کا جاگیردار ہے... اور وہ بلاشبه ان کی طرفداری کرتا ہے!" اس کے بعد آزادی سے متعلق جملے تھے: "... نیز یه که عوام کو ہر چیز کا نگراں اور مالک ہونا چاہئے اور سربراہوں کو عوام کی مرضی کا تابع... اور کسی شخص کو کسانوں کے استحصال کی جرأت نه کرنی چاہئے" میخائلوف نے جذبات سے بھری ہوئی آواز میں کہا که زارشاہی نظام سے نجات دراصل عوام کی کلہاڑیوں ہی کے ذریعے ملےگی، لوگوں سے الگ تھلگ رہنےوالے چار پانچ سازشیوں کے اقدامات سے نہیں۔ کسی وزیر یا زار کا قتل کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ابائی، چیرنیشیوسکی کے اس نقطه نظر کی درستی کو فوراً ہی سمجھ گیا که فیصله‌کن قوت دراصل عوام ہی کی ہوتی ہے۔ "عوام کے بہی خواہوں کا اصل فرض ان کو ذہنی طور پر بیدار کرکے انہیں بدی اور ظلم و جبر میں یقین رکھنےوالوں کے خلاف جدوجہد پر آماده کرنا ہے" ابائی نے اس کے خیالات سے دل ہی دل میں نتیجه اخذ کیا۔

چند روز بعد ابائی کی ملاقات اقباس سے ہوئی تو اس نے میخائلوف کا تذکرہ بڑے پرستائش انداز میں کیا۔

"میخائلوف بہت ہی عمده آدمی ہیں" اقباس نے ابائی کی تائید کرکے خوشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "انہیں کم‌عمری ہی میں معاشرتی ذمےداریوں کا شعور حاصل ہو گیا تھا۔ بیس سال کی عمر ہی میں وہ انقلابی بن چکے تھے اور ایک وہی کیا، ان کا تو سارا

خاندان ہی ایسا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کیا کہ چیرنیشیوسکی کو سزا دینے سے متعلق ڈھونگ کے موقعے پر ان کی بہن نے کیا کیا تھا؟ نہیں، یقیناً نہ بتایا ہوگا۔"

سزا کا حکم پڑھ کے سنایا گیا تو ایک نوجوان لڑکی اپنی کہنیوں سے راستہ بناتی ہوئی ہجوم سے نکل کے آگے بڑھی، بلند آواز سے "الوداع، ہمارے دوست!" کہا اور چیرنیشیوسکی کے قدموں میں ایک گلدستہ پھینک دیا۔ یہ الوداعی کلمہ تمام شریف افراد کی طرف سے کہا گیا تھا اور مطلق العنانیت کے لئے ایک للکار کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ وہ لڑکی یوگینی پیتروویچ کی بہن تھی۔

ابائی بےحد متاثر ہوا۔ یہ بہادر اور نڈر لڑکی اس کے دوست کی بہن تھی! کتنی حیرت انگیز بات تھی کہ میخائلوف نے اسے بہت سے انقلابیوں کے متعلق بتایا تھا لیکن اس واقعے کا کبھی تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے پیچھے اس کے دوست کی فطری منکسرمزاجی کا ہاتھ تھا۔ میخائلوف کبھی اپنے یا اپنی سرگرمیوں کے متعلق بات ہی نہیں کرتا تھا۔ ابائی کو ایک بھی ایسا موقع نہ یاد آیا جب اس نے کہا ہو: "میں نے یہ کیا، میں نے یوں کیا"۔ اس کے قصوں کے ہیرو ہمیشہ دوسرے لوگ ہوا کرتے تھے اور وہ خود ہجوم میں کھویا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ابائی کو صرف یہ معلوم تھا کہ اسے چیرنیشیوسکی کی گرفتاری سے دو سال قبل ہی جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

میخائلوف کی شخصیت اسے زیادہ سے زیادہ متاثر اور اس کے غور و فکر کے لئے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کرتی جا رہی تھی۔ "میخائلوف جیسے بہت سے لوگ موجود ہیں تو یہ نسل کتنی اچھی اور طاقتور ہے" اس نے سوچا۔ "کتنی زبردست قوت یکجا ہو گئی ہے! یہ کسی ہاتھی جیسی بھاری بھرکم بھی ہے اور صبر و ضبط سے کام لینےوالے بھی" اس نے طے کیا کہ موقع ملتے ہی وہ میخائلوف کو اپنے بارے میں باتیں کرنے پر آمادہ کرےگا۔

آخر ایک روز اس نے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو اس کے ذہن کو بےچین کئے ہوئے تھا۔

میخائلوف نے مختصراً جواب دیا۔ وہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ انہی دنوں اسے چیرنیشیوسکی کے خیالات نے اپنا گرویدہ بنا

لیا اور وہ اپنے بڑے بہنوئی شیل‌گونوف کی قیادت میں قائم حلقے میں شامل ہو گیا۔ دوسروں کی طرح اسے بھی کچھ کام سپرد کئے گئے اور اسے طلبا کے ایک مظاہرے کے موقعے پر گرفتار کر لیا گیا جسے اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل‌کے ظلمت‌پسند پروفیسروں کی برطرفی کے مطالبے کی حمایت میں منظم کیا تھا۔ نتیجتاً اسے جلاوطن کرکے پیتروزاوودسک بھیج دیا گیا۔ ایک سال بعد وہاں سے جلاوطنوں کے اس گروہ نے اپنے پیٹربرگ کے دوستوں کے مشورے پر زار کے نام ایک عرضداشت بھیجی جس میں سزا کم کئے جانے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کے برعکس اس گروہ کو اور بھی زیادہ دور یعنی سائبیریا میں جلاوطن کر دیا گیا۔ بعد میں میخائلوف کو اس کا سبب لوسووسکی سے معلوم ہوا جس نے یہ بات گورنر سے سنی تھی۔ زار نے عرضداشت کا پہلا صفحہ پڑھا تو اس کا رد عمل ان لوگوں کے حق میں تھا: "ایسے نوجوان افراد بھی جلاوطن ہیں! یہ لوگ ناقابل اصلاح حد تک تو بہرحال برے نہ ہوں‌گے۔ ایک سال سے جلاوطن ہیں۔ اب تو ان لوگوں کا دماغ درست ہی ہو گیا ہوگا۔" لیکن اس کے بعد بدقسمتی سے زار کی نگاہ آخری صفحے پر روشنائی کے ایک دھبے پر پڑ گئی۔ عرضداشت بھیجنے‌والوں میں سے ایک نے اس دھبے کو بہت احتیاط سے کھرچ دیا تھا لیکن یہی دھبا فیصلہ‌کن ثابت ہوا، اسے احتجاج اور حقارت کا نشان تصور کر لیا گیا۔ زار نے بھناکے کاغذ دور پھینکتے ہوئے حکم دیا: "نہیں، ان لوگوں کو واپس لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں تو کچھ اور دور بھیج دیا جائے!"

میخائلوف پرسکون انداز میں باتیں کر رہا تھا اور کہیں کہیں مزاحیہ فقرے بھی چست کرتا جاتا تھا لیکن یہ قصہ بیان کرنے کے بعد اس نے ایک ایسے معاملے کا ذکر چھیڑ دیا جو اس کے ذہن پر یقیناً کافی عرصے سے حاوی رہا ہوگا۔

"پولیس مجھے نہایت ہی خطرناک آدمی تصور کرتی ہے اور اس کا خیال ہے کہ میں زار کو قتل کرنے یا کم از کم گورنر کے مکان کو بم سے اڑانے کی تیاری کر رہا ہوں۔ لیکن سچ پوچھئے تو میں اب کر ہی کیا سکتا ہوں؟ ان لوگوں نے نوجوانی ہی میں مجھے کچل‌کے نہ رکھ دیا ہوتا تو شاید کوئی مفید خدمت انجام دے سکتا۔

آپ بھی مجھے معاشرتی خیالات اور انقلابی تحریک کا ایک طرح کا رہنما تصور کرتے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ محض دوستی میں ایسا سوچتے ہیں۔ درحقیقت میں عام لوگوں میں سے ہوں، ایک ایسا شخص جسے ہو سکتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر کوئی کام سونپ دیا جائے اور بس۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کس اذیت میں مبتلا ہیں" ابائی نے سنجیدگی سے کہا۔ "پھر بھی آپ کے عوام خوش‌قسمت ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے اوپر سے تاریکیوں کے سائے ہٹتے جا رہے ہیں اور صبح قریب ہے۔"

"آپ ایسا کس بنا پر سوچ رہے ہیں؟"

"عوام کے مخالفین سے ان کے حامیوں کی تعداد زیادہ ہو تو انہیں غم‌زدہ ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

ابائی نے قدرے توقف سے کہا:

"دراصل غم‌زدہ قوم، مصیبت‌زدہ قوم روسی نہیں بلکہ ہم قزاخ لوگ ہیں... ہمیں دبیز نمدے سے ڈھک دیا گیا ہے اور ہم تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں..."

ابائی قزاخ عوام کی زبوں‌حالی پر میخائلوف سے اپنی بات‌چیت میں اکثر تشویش ظاہر کیا کرتا تھا اور آج اسے ہمیشہ سے زیادہ یقین ہو گیا کہ اس کے دوست نے اس مسئلے پر کافی غور و خوض کیا ہے۔ میخائلوف نے اس موضوع پر دونوں کے درمیان اس سے قبل ہونےوالی باتوں کا لب لباب بیان کرنے کی کوشش کی۔

اس نے خیال ظاہر کیا کہ روسی اپنے ساتھ اچھی اور بری دونوں طرح کی باتیں لیکے استیپیوں میں آئے ہیں۔ بری باتیں سب کو بہ‌آسانی نظر آ جاتی ہیں جبکہ اچھائیوں کو دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ برائیاں مقامی ذمےداروں اور افسروں میں پائی جاتی ہیں جو اپنی ترقی اور رشوت کے سوا ہر چیز کی طرف سے اندھے اور بہرے ہیں۔ اچھائیاں روسی تہذیب میں پائی جاتی ہیں جو قزاخوں کے لئے اب تک بند کتاب کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ انہیں ہر روسی میں صرف حیوانیت ہی نظر آتی ہے۔ روس علم و دانش کے ایک ایسے خزانے کا مالک ہے جس کا دنیا بھر میں احترام کیا جاتا ہے۔ اس کے مفکرین عالمگیر شہرت کے مالک ہیں لیکن قزاخوں کو اس سب

کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔ یہ ساری چیزیں ان سے بہت دور اور الگ تھلگ ہیں۔ اس کے باوجود قزاخ عوام میں بیداری کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ابائی جیسے لوگ روس کے فکری اور روحانی سرمایے سے استفادہ کر رہے ہیں۔ تمام قزاخ عوام کے لئے روشن‌خیالی کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

"بےشک آدمی کے لئے خود اپنے مستقبل تک کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنا بڑی دشوار بات ہوتی ہے۔ پوری قوم کے مستقبل کا سوال تو خیر بہت بڑا سوال ہے" میخائلوف نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے مجھے ایک بار بہت عمدہ قزاخ کہاوت سنائی تھی جو مجھے یاد ہے: "پگڈنڈی قدموں کے اولین نشانات سے جنم لیتی ہے"۔ بہت ہی سچی بات ہے۔ آغاز ہمیشہ ایک شخص کرتا ہے، دوسرے بہت سے افراد اس کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک دانے سے ایک بالی پیدا ہوتی ہے اور بالی سے گیہوں کا کھیت۔ چنگاری سے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں"۔ ان الفاظ کو یاد رکھئے، یہ دانشمندانہ الفاظ ہیں!.. آپ کو کیا کرنا چاہئے، اس کے متعلق کون سا مشورہ دوں؟ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قزاخوں کی نئی نسل کو تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ آپ اپنے بچوں سے اس کام کا آغاز کیجئے۔ انہیں روسی لکھنا پڑھنا سیکھنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے علم کو دوسروں تک پہنچائیے۔ یہ بےکراں استیپیوں میں محض ایک ننھے جگنو جیسا معلوم ہوگا، تنہا ہاتھ میں جھلملاتی ہوئی شمع کی مانند لیکن آپ اسے تاریکیوں میں لے ضرور جائیے۔ ایک بات اور: آپ کے عوام کے جسم پر بہت سے پھوڑے بھی ہیں۔ آپ ان کو شناخت کرنا، تشخیص کرنا اور چیرنا سیکھئے۔ مختصر یہ کہ بےباک تنقیدی فکر کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے پاس ایک موثر ہتھیار موجود ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ کی قوم شاعرانہ دل کی حامل قوم ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ عوام کے دومبرے، روایاتی قصے اور گیت ان کی ضروریات اور ان کے مصائب کے اسباب کی ترجمانی کریں۔ گیتوں میں روشن‌خیالی اور حصول علم کو سراہا جائے۔ آپ کے عوام موزوں استعاروں کے بےحد دلدادہ ہیں اور وہ سیمی‌پالاتنسک کی مسجدوں میں اماموں کے پند و نصائح کی بہ‌نسبت کہیں زیادہ تیزی سے ان

گیتوں کے لب لباب سے متاثر ہوں گے۔ جیسا کہ آپ جانتے ھیں روس میں معاشرتی فکر کے ارتقا میں ھمارے شاعروں نے بہت زیادہ ھاتھ بٹایا ھے۔ اس میں شک نہیں کہ ھم ایک طاقتور معاون بھی رکھتے ھیں۔ جس سے آپ محروم ھیں اور وہ ھے طباعت و اشاعت لیکن آپ کی جگہ میں ھوتا تو اس دشواری سے ھار نہ مانتا۔ عوام میں روشن‌خیالی پیدا کرنا بہرحال لازمی ھے، یہ کام کیسے بھی کیوں نہ کیا جائے۔ آپ کو جیسا کہ آپ خود ھی دیکھ سکتے ھیں، ایک بہت بڑے پروگرام کو عملی جامہ پہنانا ھے" میخائلوف نے ابائی کا شانہ پرمذاق انداز سے تھپتھپاتے ھوئے اپنی بات ختم کی۔

میخائلوف کے خیالات ابائی کے ذھن میں کچھ اس طرح رچ بس گئے تھے کہ جلد ھی اس کے لئے خود اپنے خیالات کو اپنے دوست کے خیالات سے علاحدہ کرنا ناممکن ھو گیا۔ ان خیالات نے اس کے لئے دراصل عقائد کا درجہ اختیار کر لیا۔

بات‌چیت جس میں زبردست اور اھم مسائل زیربحث آئے تھے، میخائلوف کے اس سوال پر ختم ھوئی کہ ابائی کے بچوں کو پڑاؤ پر کس طرح تعلیم دی جاتی ھے۔ ابائی نے بتایا کہ اس کے بیٹے آبیش اور مغاش اور بیٹی گل‌بدن خاندان کے اسلامی اسکول میں تعلیم پاتے رھے ھیں لیکن اس نے انہیں روسی تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا ھے حالانکہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رھا ھے کہ وہ اس معاملے میں کیا انتظام کرے۔

"بھئی، آپ انہیں یہاں لے آئیے، ھم لوگ کوئی انتظام کر دیں گے۔ بچے کسی روسی خاندان کے ساتھ ٹھہریں گے تو دو تین سال میں روسی زبان میں یقیناً مہارت حاصل کر لیں گے۔ لیکن اس بات کو اچھی طرح ذھن‌نشیں کر لیجئے کہ انہیں افسر بننے کے لئے تعلیم نہیں حاصل کرنی ھے۔ انہیں ان الفاظ کو ھمیشہ یاد رکھنا چاھئے: میں پہل کرنے‌والا ھوں، اپنے لئے تعلیم حاصل کر رھا ھوں اور عوام کے لئے نشو و نما پا رھا ھوں۔"

"آبیش اور مغاش اگر میخائلوف جیسے آدمی بن جائیں تو کیسا رھے؟" اچانک ابائی نے سوچا۔ اس نے تصور ھی تصور میں ان دونوں کو توبیق‌تی طرز کے قزاخ کپڑے نہیں بلکہ شہر میں رھنے‌والے روسیوں جیسے کپڑے زیب‌تن کئے ھوئے دیکھا اور سوچا کہ شاید

وہ بڑے ہوکر مفکر، عوام کے بےباک حامی اور نئی نسل کے رہنما بن جائیں۔ کتنا شاندار ہوگا ان کا یہ مستقبل۔ "کاش کہ میں یہ سب دیکھنے کے لئے زندہ رہتا!" اس نے تقریباً دعا مانگنے کے انداز میں سوچا۔ "کاش کہ میں اتنے دنوں تک زندہ رہتا کہ ان سے کہہ سکتا: "میں معمر اور نڈھال ہو چکا ہوں اور اپنے مشترکہ مقصد کی تکمیل کا کام تم کو سونپ رہا ہوں!" میرا یہ خواب سچا ثابت ہوا تو خود کو خوش‌قسمت‌ترین باپوں میں سے ایک تصور کروں گا..."

کسی کی آمد نے اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ یہ تھا وکیل اندرئیف۔

وہ ضلعے کے افسر اعلا کے دفتر کی ایک خبر بتانے آیا تھا۔ خبر کا تعلق پورے توبیق‌تی قبیلے سے تھا اور اس نے ابائی کو اس سے مطلع کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ ایک افسر اعلا کے دفتر ہی میں نہیں مجسٹریٹ بلکہ جنرل تک کے دفتر میں توبیق‌تیوں کی عرضداشتوں کا تانتا سا بندھا ہوا تھا۔ ان میں شکایات بھی ہوتی تھیں اور قبائلی سرداروں کے فیصلوں کی اطلاع بھی۔ الزامات بھی اور کارروائی کے لئے درخواستیں بھی۔ ان کاغذات پر مدعیوں کی انگلیوں کے نشانات بنے ہوتے تھے اور آگ لگانے، لوٹ مار کرنے بلکہ حاملہ عورتوں کے بچے تک گر جانے کے مبینہ واقعات کی تفصیلات۔

"بھئی ابراھیم، آپ کو ذرا بھی خبر نہیں کہ آپ کے وولوست حکمراں کیا کر رہے ہیں" اقباس نے آخر میں کہا۔ "قبائلی لڑائی جھگڑے پھر شروع ہو گئے ہیں یا پھر ممکن ہے کہ عہدوں کے لئے چھینا جھپٹی شروع ہو گئی ہو کیونکہ اس سال نئے انتخابات ہونےوالے ہیں۔"

"شکایات کون کر رہا ہے؟" میخائلوف نے خبر سننے کے بعد اقباس سے پوچھا۔ "وولوست حکمراں یا عوام؟"

"تمام شکایات وولوست حکمرانوں کے خلاف موصول ہو رہی ہیں" اندرئیف نے ابائی کو طنزیہ مسکراہٹ سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ وہی حکمراں ہیں جن کی آپ نے گزشتہ انتخابات کے موقعے پر لوسووسکی سے سفارش کی تھی۔ اگر مجھے ٹھیک سے یاد ہے تو

اس وقت آپ نے کہا تھا کہ یہ لوگ عوام کے دوست ثابت ہوں گے"
وہ هنس پڑا۔ "درخواستوں کے ڈھیر میں ایک سنگین شکایت بھی ھے جو غریب جانقوں کی طرف سے کی گئی ھے۔ ان میں سے بعض نے مجھ سے کہا ھے کہ میں ان کی طرف سے اس معاملے میں دلچسپی لوں: "ھمارے مقدمے کو آپ لے لیجئے اور سرکاری ذمےداروں کو بتائیے کہ حکمرانوں کی طرف سے ھم لوگوں کو شدید نقصانات پہنچائے جا رھے ھیں"۔"

ابائی نے ان وولوست حکمرانوں کے نام دریافت کئے جن کے خلاف شکایات موصول ھوئی تھیں لیکن اقباس کو ایک نام بھی یاد نہ آیا۔ اس نے یہ ضرور بتایا کہ اس نے ان حکمرانوں کے چند بیانات دیکھے ھیں جن میں ان جاتقوں کے خلاف چوری کے الزامات لگائے گئے ھیں جنھوں نے حکمرانوں کے خلاف شکایت دائر کی تھی۔

میخائلوف نے اس واقعے کی توضیح اپنے ڈھنگ سے کی۔

"صاف ظاھر ھو رھا ھے کہ ابراھیم قونانبائیویچ نے جن لوگوں کو عوام کی خدمت کرنے کے قابل تصور کیا تھا وہ اقتدار کے نشے میں سرشار ھو گئے ھیں۔ انھوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے خیال کو بالائے طاق رکھ دیا ھے اور اب اپنے لئے صرف ووٹ حاصل کرنے کے کوشاں ھیں۔ ایسا لگتا ھے کہ کوئی گروہ ان لوگوں کی مخالفت پر کمربستہ ھو گیا ھے اور جاتقوں نے خود کو ان دونوں میں سے کسی سے بھی وابستہ نہیں کیا ھے۔ انھوں نے موجودہ حکمرانوں کا ساتھ دینے سے ایسا لگتا ھے کہ انکار کر دیا ھے۔ اس لئے انھیں چور اور لٹیرا قرار دیا جا رھا ھے۔ اور ابراھیم قونانبائیویچ، آپ کو امید تھی کہ یہ حکمراں، عوام کے مفادات کے علمبردار ثابت ھوں گے۔ اب یہی لوگ خود اپنے ان عوام پر جو سرکاری ذمےداروں کی اطاعت نہیں کرتے، کیچڑ اچھال رھے ھیں۔ یقیناً یہ وولوست حکمراں احمق نہیں ھیں۔ انھیں اچھی طرح معلوم ھے کہ آپ کی بہ‌نسبت گورنر اور ضلعے کے حاکم سے اچھے مراسم رکھنا کہیں زیادہ اھم بات ھے۔ آپ کے عوام کے "محافظین" اگر اس طرح کے ھیں تو عوام کو بلاشبہہ مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان حکمرانوں نے کسی نہ کسی طرح آپ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیابی حاصل کر لی حالانکہ آپ ان کی تمام چالوں سے بخوبی واقف ھیں اور عوام کے

ساتھ بھی یہ لوگ یقیناً یہی رویہ اختیار کریں گے۔ جہاں تک سرکاری ذمےداروں کا تعلق ھے تو ان کی نگاھوں میں خود کو ایماندار ثابت کرنا ان لوگوں کے لئے ذرا بھی مشکل نہ ھوگا۔ دراصل ذمےداروں کو ضرورت بھی تو بالکل ایسے ھی لوگوں کی ھے۔ وولوست حکمراں ان کے ھاتھوں کا کھلونا بن جاتے ھیں اور ان ذمےداروں کو عوام کی خاک بھی پروا نہیں ھوتی کیونکہ عوام میں اختلافات پیدا ھونے سے انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا!"

"نقصان؟ نقصان تو انہیں اس صورت میں پہنچتا ھے جب عوام متفقہ طور پر زندگی بسر کریں۔ تب ذمےداروں کو پھوٹی کوڑی بھی نہ حاصل ھوگی! لیکن جب آپسی لڑائی جھگڑے شروع ھوتے ھیں تو ایک طرف تو ان پر رشوتوں کی بوچھار ھونے لگتی ھے اور دوسری طرف جھگڑے بند کرانے کے صلے میں عہدوں میں ترقی ملتی ھے۔"

ابائی کو یہ جان کے سخت کوفت اور اذیت ھوئی کہ جن لوگوں کی ایمانداری کی اس نے ضمانت دی تھی، جن کی عوامی مفادات کا محافظ کہہ کے سفارش کی تھی وہ بھی ویسے ھی نکلے جیسے کہ ان سے پہلے کے وولوست حکمراں تھے۔ یہی نہیں، ان میں اس کا بھائی اسحاق بھی شامل تھا۔ اسے کچھ ایسا لگا جیسے تمام بدعنوانیوں میں خود اس کا اپنا ھاتھ بھی ھو...

وہ اس بات‌چیت میں مزید حصہ نہ لے سکا۔ ذرا دیر تک شرم کے مارے مغموم اور خوماش بیٹھا رھا۔ پھر اٹھ کے وھاں سے چلا آیا۔

۲

ابائی نے سیمی‌پالاتنسک میں جتنے دن ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تھا اس سے زیادہ دنوں تک قیام کیا۔ بات یہ تھی کہ میخائلوف اور اندرئیف سے رخصت ھونے کو اس کا کسی طرح جی ھی نہیں چاھتا تھا اور وہ ان دونوں سے اپنی بات‌چیت کو کسی بھی کتاب کے مطالعے سے زیادہ اھمیت دے رھا تھا۔

آخرکار موسم‌گرما کے وسط میں وہ اپنے پڑاؤ کے لئے روانہ ھوا۔ راستے میں وہ یرعلی گیا جہاں جاتقوں کے ساتھ رات بسر کی۔

درکیم‌بائے کے خیمے میں صبح کی چائے ابھی ختم ھوئی تھی۔

میزبان پھٹا پرانا "بیشرمیت" پہنے، ابائی کے سامنے بیٹھا سینگ کی زرد ڈبیا سے ھتھیلی پر تمباکو انڈیلتے ہوئے اپنے مہمان کو اطمینان بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے ابائی جیسے شخص سے باتیں کرکے بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ اس کی دبلی پتلی سن‌رسیدہ بیوی بھی کچھ کم خوش نہ تھی کیونکہ ابائی نے انہی کے خیمے میں رات بسر کی تھی۔ اس نے چائے کے برتن ہٹاتے ہوئے ان دونوں کے درمیان ہونےوالی ہنسی مذاق کی باتوں کو سننے کی کوشش کی اور اس کے جھری‌دار چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"وہ لوگ ہم سے اور کوئی بات ہی نہیں کرتے سوا اس کے کہ اتکامنیروں اور وولوست حکمرانوں کی فرمانبرداری کرنی چاہئے" درکیم‌بائی نے گزشتہ رات ہونےوالی گفتگو کا سلسلہ پھر شروع کرتے ہوئے کہا۔ "کسی امیر خاندان کا آدمی ہوتا ہے تو وہ اپنے اقتدار و اختیار کی باتیں کرتا اور اپنی چالاکی اور ذہانت کی ڈینگ مارتا ہے۔ کوئی غریب آدمی ہوتا ہے تو وہ اپنی ضروریات اور مصائب کی باتیں کرتا ہے۔ لیکن ابائی، تم نے ہمیں ان بہادر لوگوں کے متعلق بتایا جنھوں نے زار کو ہلاک کر دیا اور اس سلسلے میں مصائب جھیلے۔ اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ غریبوں کے بھی ایسے ایسے طرفدار موجود ہیں جو ان کی بدحالی کی طرف سے فکرمند رہتے ہیں جو عوام کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اِن کا نصب‌العین عوام کو پرمسرت زندگی سے ھمکنار کرنا ہے۔ یہ لوگ ان جانوروں کے بھی محافظ اور طرفدار ہیں جو لنگڑے بھیڑیوں کی طرح اپنی ماندوں میں چھپے ہوئے ہیں۔"

بوڑھے نے ھتھیلی پر سے ایک چٹکی تمباکو لی، ذرا دیر تک سوچتا رہا پھر اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا:

"ہاں. صورت حال یونہی ہے۔ طاقتور اپنے مظالم کے متعلق ڈینگیں مارتے ہیں اور کمزور شکایت کرتے ہیں کہ انہیں طاقتور لوگوں کے ھاتھوں مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔"

ابائی اس طرز استدلال کی صفائی سے بہت متاثر ہوا۔

"بہت اچھی بات کہی" وہ بول اٹھا۔ "تم نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ کسی کہاوت جیسا اچھا ہے۔ مجھ پر اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ صاف ذہن بہت سے گلوں کے مالک امیر آدمی کا نہیں

بلکه اس غریب آدمی کا ہوتا ہے جسے اس کی ضروریات غور و خوض کرنا سکھاتی ہیں۔"

درکیم‌بائے مسکرانے لگا۔

"کسی شخص کو سردار بنانے کے لئے صرف صاف ذہن ہی کافی نہیں ہوتا۔ کوئی غریب آدمی چالاک نہیں ہوتا تو لوگ کہتے ہیں کہ بالکل احمق ہے۔ چالاک ہوتا ہے اور سلیقے سے باتیں کر لیتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ بڑا باتونی ہے۔ نہیں ابائی، انصاف حاصل کرنے میں ہوشیار زبان معاون نہیں ثابت ہوتی۔"

پڑوسی ایک ایک کرکے خیمے میں داخل ہونے لگے۔ ان میں کوتی‌باق جرگے کے بوڑھے دندی‌بائے، یرےنائے اور قاریکے بھی شامل تھے۔ یہ بوڑھے جن کو ابائی پہلے سے جانتا تھا، اپنے قبائلی گروہ کے معاملات پر باتیں کرنے آئے تھے جس کے خیموں کی تعداد اب پچاس ہو چکی تھی۔ درکیم‌بائے کو بھی اپنے مہمان سے ان بےانصافیوں کے متعلق باتیں کرنی تھیں جو خود اس کے اور اس کے پڑوسیوں کے ساتھ کی گئی تھیں لیکن گزشتہ رات کو اس نے ابائی کو پریشان کرنا مناسب نہیں خیال کیا تھا کیونکہ وہ سفر کی وجہ سے خاصا تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

ابائی نے بوڑھوں سے پڑاؤ کی زندگی، فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے متعلق دریافت کیا۔

"آپ لوگوں کے پاس تو کافی قابل کاشت زمین موجود ہے۔ اس سال زیادہ بوائی ہوئی کہ نہیں؟"

"میرے عزیز، بھلا ہم میں سے کون ایسا ہے جو زیادہ بوائی کر سکتا؟" دندی‌بائے نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "عجب بدبختی کی زندگی ہے۔ کتوں کے سوا ہل کھینچنے کے لئے کچھ بھی تو نہیں۔ ان حالات میں ہم میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ خدا نے جو چیزیں دے رکھی ہیں انہی کی کٹائی کر لیں۔ ہم بھلا کاہے کی ڈینگ ماریں۔ میالی نائےقابل کے قریب جو بیس خیمے نصب ہیں نا، ان میں رہنےوالوں نے مشکل سے بیس چھوٹے کھیتوں میں بوائی کی ہے۔"

"گیہوں کی فصل شاداب تو ہے نا؟" ابائی نے پوچھا۔ "بعض اوقات چھوٹے کھیت میں بھی بہت زیادہ غلہ پیدا ہو جاتا ہے۔"

دندی‌بائے، یرےنائے اور درکیم‌بائے ایک ساتھ بول پڑے:

"کیا کہا تم نے، بہت زیادہ؟"

"بھلا اس کا کیا سوال!"

"بہت زیادہ تو کیا، میں تو کہوں گا کہ کچھ بھی نہیں۔"

"میرے تو خاک بھی نہیں پلے پڑ رہا ہے" ابائی نے اپنے میزبان سے محاطب ہوکے کہا۔

تب آخرکار درکیم‌بائے نے ہمت کرکے شروع کیا:

"گزشتہ سال تم نے کہا تھا: "یہ توقع ہی فضول ہے کہ اچھی باتیں آسمان سے نیچے اتریں‌گی بہتر ہوگا کہ ان کے لئے تم لوگ خود ہی کام کرو"۔ ہم نے تمہارا مشورہ مان‌کے حتی‌الامکان محنت کی اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ شروع میں نتائج برے نہیں تھے۔ شول‌پان، کندیک اور میالی بائےقابل میں فصلوں کو دیکھ‌کے ہمارے دل باغ باغ ہو اٹھے۔ لیکن ہوا کیا! تمہیں یاد نہیں کہ یرعلی میں انتخابات کے بعد کیا مصیبت آن پڑی تھی؟"

یرےنائے بیچ میں بول اٹھا:

"اور تکےجان اور میباسر نے ہماری فصلوں کو تباہ نہیں کر دیا تھا کیا؟ "اپنے سڑے گلے خیموں کے سوال پر سرکاری ذمےداروں سے ربان نہ لڑاؤ!" ان لوگوں نے کہا۔ کیا کہوں کہ کیسی شاندار فصل ہوئی ہوتی! ہم کٹائی کرنے جا رہے تھے کہ ان لوگوں نے پانچ پڑاوؤں کے مویشیوں کو کھیتوں میں ہنکاکے ساری فصل چرا لی۔"

ابائی کو یہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔ ارغیزبائے اور کوتی‌باق جرگوں نے جو جاتقوں کے کھیتوں کے قرب وجوار میں منڈلا رہے تھے، یہ واہیات حرکت تکےجان کے بھڑکانے پر کی تھی۔ ابائی نے نئے وولوست حکمراں اصیل‌بیک کے ذریعے یہ طے کرا دیا تھا کہ جاتقوں کو ہونےوالے نقصانات کے سلسلے میں انہیں مویشیوں کی شکل میں معاوضہ ادا کر دیا جائے لیکن اسے اس بات کا علم نہ تھا کہ کھیت چرا لینےوالے گروہوں میں سے کسی نے بھی معاوضہ ادا کرنے کی زحمت نہیں گوارہ کی تھی۔

درکیم‌بائے نے ابائی سے دریافت کیا کہ اگر وہ لوگ باقاعدہ شکایت کے ساتھ اپنے ایک نمائندے کو سیبان، کوتی‌باق اور ازواق کے بین‌قبائلی جلسے میں جو عنقریب ہونےوالا تھا، بھیجیں تو کامیابی کے کیا امکانات ہیں۔

ابائی نے جواب دینے سے قبل ان لوگوں سے پوچھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی شکایت تو نہیں۔

"ان لوگوں نے اس سال کی فصل بھی تو جانوروں سے نہیں روندوا ڈالی؟ اور ہاں، بوائی اور کٹائی کے دوران کسی رشتےدار نے گھوڑوں کے ذریعے مدد کی تھی کہ نہیں؟"

بوڑھے ایک بار پھر ھنس پڑے۔

"ارے نور چشم، یہ تم بھی کیسی باتیں کر رھے ھو" قاریکے نے کہا۔ "مدد تو صرف ان لوگوں کو فراھم کی جاتی ھے جو اس کا معاوضہ ادا کر سکیں۔ ھمارے جیسے کنگالوں کی بھلا کون مدد کرےگا۔"

"مدد کا سوال ھی کہاں اٹھتا ھے؟ اور پھر کیا وہ لوگ واقعی ھمارے رشتےدار ھیں؟" دندیبائے نے اضافہ کیا۔ "اس موسم بہار میں بھی قاریکے کے کھیت میں پودے اگ ھی رھے تھے کہ ان لوگوں نے اسے روندوا ڈالا۔"

"اور ھمارے مریل گھوڑوں کو بھی ھنکا لے گئے" درکیمبائے تلخی کے ساتھ بول پڑا۔ "اور انھیں آخر اصل واقعے کے متعلق کیوں نہیں بتاتے؟"

پھر اس نے بتایا کہ ابائی کی عدم موجودگی میں قبائلی رشتےداروں نے ان لوگوں پر اور کون کون سی زیادتیاں کی تھیں۔

تکےجان، میباسر، کونتو اور قراتائے کے گروہ خانہبدوشی کرتے ھوئے جب اس ضلعے میں پہنچے تھے تو جاتقوں نے ان لوگوں سے ملاقات کرکے فصل کے نقصان کا معاوضہ طلب کیا جو اس وقت تک ادا نہیں کیا گیا تھا۔ جاتقوں کی اس جرأت پر ان لوگوں کو بےحد تاؤ آیا اور کھیتوں میں دوبارہ ھریالی نظر آنے لگی تو پہلے کی طرح اس بار بھی فصل گھوڑوں سے چروا لی گئی۔ جاتقوں نے بااثر افراد سے واقعے کی شکایت کی جنھوں نے جاتقوں سے ھمدردی ظاھر کی اور تسلیم کیا کہ یہ بڑی ناجائز بات ھے لیکن وہ کھلم کھلا جاتقوں کی حمایت پر تیار نہ ھوئے کیونکہ انھیں طاقتور قبائلی گروھوں سے تعلقات خراب ھو جانے کا اندیشہ تھا چنانچہ مصیبتزدہ عوام کے سلسلے میں ان کی یہ ھمدردیاں خیمے کے اندر سرگوشیوں سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

آخر جاتقوں نے تنگ آکر درکیم‌بائے اور دندی‌بائے کی قیادت میں تکےجان کے گلےبانوں سے جھگڑا کیا اور دو گھوڑے پکڑ لے گئے لیکن دوسرے ھی دن سوئیلوں سے مسلح کم و بیش سو بانکے غریبوں کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑے، اپنے گھوڑے واپس لے لئے اور درکیم‌بائے کو مارتے مارتے چھوڑا۔ جاتق قبائلی روتے دھوتے شکایت کرنے تکےجان اور میباسر کے پاس پہنچے تو انہیں گالیاں دےکے بھگا دیا گیا۔ "کمبختو، تم لوگ ھل چلا چلاکے چراگاھوں کا ستیاناس کئے دے رھے ھو" میباسر ان پر برس پڑا تھا۔ اور تکےجان نے اس میں اضافه کیا: "تم جیسے بھیک منگوں کو تو مار مارکے یہاں سے بھگا دیا جانا چاھئے۔ ارے کتو، تمہاری ھی وجه سے تو میں اپنے عہدے سے برطرف کیا گیا تھا۔ ھم لوگ مشترک آبا و اجداد کی اولاد ضرور ھیں لیکن اس سے کیا ھوتا ھے۔ تم لوگ میرے رشتےدار نہیں ھو۔ چولھے بھاڑ میں جاؤ تم سب کے سب!"

"اور بات اتنے ھی پر ختم تھوڑی ھوئی" دندی‌بائے بیچ میں بول پڑا۔ "مہینه بھر ھوا، ھمارے یہاں سے سات گھوڑے چرا لئے گئے..."

"ھمارے عوام نے ھم چاروں سے کہا ھے که گھوڑے واپس دلائیں" درکیم‌بائے نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اور چور قریب ھی قزل ملا وولوست کے اھیم‌بیت مقام پر موجود تھے۔ چوروں اور گھوڑوں کا پته لگانے کے لئے جو کچھ ھمارے پاس تھا، ھم نے سب دے دیا اور ھمیں یقین تھا که ھمارے گھوڑے واپس مل جائیں‌گے۔ وولوست حکمراں، تمہارے بھائی اسحاق نے ھماری ھمت بندھائی تھی اور کہا تھا که گھوڑے واپس دینے سے وہ لوگ انکار کریں تو میرا نام لےکے دھمکی دینا۔ پہلے تو وہ لوگ اسحاق کا نام سن‌کے خوف‌زدہ ھو گئے لیکن بعد میں انہوں نے ھمیں ٹال دینے کا فیصله کیا۔ کہنے لگے: "ھم لوگوں نے خود تمہارے گھوڑے تھوڑی لئے ھیں۔ ھمیں تو یه گھوڑے تمہارا رشتےدار سیریک‌بائے دے گیا ھے۔ اس پر ھماری رقم باقی تھی جس کی اس نے ان گھوڑوں کے ذریعے ادائیگی کی ھے۔ پہلے تم لوگ جاکے اسے یہاں لاؤ تب دیکھیں‌گے۔" ھم واپس‌ھوئے تو ھمیں پته چلا که چور تکےجان کے پڑاؤ پر گزشته سال سے رھتا ھے لیکن تکےجان نے ھمیں اس شخص کے قریب تک پھٹکنے ھی نه دیا۔ "جاتقوں کو اپنی زبانیں بند کر لینی چاھئیں۔ سیریک‌بائے غریب آدمی ھے اور میں

جاتقوں کو اسے نقصان نہ پہنچانے دوں گا۔" تکےجان اب غریبوں کا حامی بن گیا ہے، سمجھے کہ نہیں! دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ سیریک‌بائے، تکےجان کی سرپرستی میں گھوڑے چرانے کا کام کرتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ چور کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ ہم لوگ اھیم‌بیت واپس لوٹے تو نئی مصیبتوں کو اپنا منظر پایا۔ تکےجان نے اسحاق کے پاس ایک پیغام‌رساں بھیج کے کہلوا دیا تھا: "جاتق میرے دشمن ہیں۔ انہیں گھوڑے واپس نہ دلاؤ بلکہ بھگا دو..." اور اسحاق نے کیا بھی یہی۔ وہ تو دوسروں سے بھی بدتر ثابت ہوا۔ ان حالات میں کوئی تعجب کی بات تھوڑی ہے کہ ہم لوگ درد و غم سے کراہ رہے ہیں۔ اسی لئے اس سال اور گزشتہ سال کی فصلوں کے نقصانات کے معاوضے اور سات گھوڑوں کی واپسی کے لئے ہم لوگ درخواست دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ ہمارے پاس باربرداری کا دوسرا اور کوئی مویشی نہیں ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے نا کہ بائے لوگ اور وولوست حکمراں بعض اوقات روسی افسروں سے خوف‌زدہ ہو جاتے ہیں؟ شاید ہم لوگ خوش‌قسمت ثابت ہوں اور ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ بات ہم لوگ صرف اپنی ہی طرف سے نہیں بلکہ پچاس خیموں کے جاتقوں کی طرف سے کہہ رہے ہیں جنہیں لوٹا کھسوٹا گیا ہے۔"

ابائی ہونٹ کاٹتے ہوئے، تیوریوں پر بل ڈالے سن رہا تھا۔ اسے اپنے دونوں بھائیوں پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ اس کے دل میں کوفت، ندامت اور نفرت کی تند و تیز لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ غلاظت کے کسی طوفان میں پھنس گیا ہو جو اپنے ناپاک دھوئیں سے اس کے ذہن کو زہر دے رہا ہو۔ اور اس سب کے درمیان بار بار اسے کچھ نئے الفاظ سے سنائی دے رہے تھے۔ کسی نئی نظم کے الفاظ؟ "صاف ذہن ہر اس چیز کو ٹھکرا دے گا جس پر ضمیر ملامت کرتا ہو۔" لیکن ان لوگوں کے لئے ندامت کیا معنی رکھتی تھی جن کے ضمیر مر چکے تھے، دل پتھر ہو چکے تھے اور جن کی ہوس کی کوئی تھاہ نہ تھی! انہیں رحم اور انصاف کی بھلا کیا فکر ہو سکتی تھی۔

خیمے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"اور یہ زیادتی میرے بھائیوں نے کی ہے" آخرکار ابائی نے کہا۔

"اسی لئے میں بھی آپ لوگوں کے سامنے خود کو مجرم تصور کرتا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ بےانصافی کرنےوالے ہاتھ کے اقدام پر ملامت کرنےوالے دل کو افسوس ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی تسلی‌بخش بات نہ ہوگی۔ اس سے بھلا آپ لوگوں کو فائدہ ہی کیا پہنچ سکتا ہے؟"

"ارے درکیم‌بائے. مجھے تمہاری ایک اچھی بات یاد آ رہی ہے: "جن کی ضروریات مشترکہ ہوتی ہیں ان کی زندگی بھی مشترکہ ہوتی ہے، اصلی رشتےدار اپنے ایک جیسے مقدر کی بنا پر متحد ہوتے ہیں"۔ تمہارے الفاظ کی صداقت مجھ پر ایک عقل‌مند روسی سے بات‌چیت کرتے وقت روشن ہوئی۔ پتہ یہ چلا کہ اس قسم کے رشتےدار صرف قزاخوں ہی میں نہیں بلکہ روسیوں میں بھی ہیں۔ زار اور اس کے افسران بھی روسی ہیں لیکن غریب روسی ان کو کبھی بھی اپنا رشتےدار نہ تصور کریں گے۔ سائبیریا اور روس کے روسی جاتقوں کے خیالات وہی ہیں جو کوک‌شے اور ماماۓ کے جاتقوں کے ہیں۔"

ابائی کو اپنے طرز استدلال پر خوشی ہوئی۔ درکیم‌بائے نے اس کی باتوں کی تائید کے طور پر سر ہلایا حالانکہ ان میں سے زیادہ‌تر باتیں اس کے لئے بالکل اجنبی تھیں۔

"اور اگر آپ حالات کا ذرا گہرائی سے تجزیہ کریں" ابائی نے مزید کہا۔ "تو آپ کو پتہ چلےگا کہ توبیق‌تی اور کیرئیی، قراکیسیک اور نائےمان کے قبائلی حکمراں سیمی‌پالاتنسک، اومسک، اورین‌برگ اور پیٹربرگ کے بر سر اقتدار لوگوں کے صحیح معنوں میں رشتےدار ہیں۔ دراصل وہ ایک ہی قبیلے کے لوگ ہیں اور ان کا ایک ہی مشترکہ قبائلی نعرہ بھی ہے۔ ان کی آپس میں ایسی ہی گاڑھی دوستی ہے جیسی چوروں میں ہوتی ہے۔ معمے کا حل یہی ہے، میرے دوستو۔ ایک عقل‌مند روسی آدمی ہے جو عوام کے لئے اسی طرح مصائب جھیلتا ہے جیسے وہ خود اس کے بچے ہوں۔ تو اس عقل‌مند آدمی نے کہا ہے کہ عوام کو صرف ان کی کلہاڑیاں ہی ظلم و جبر سے نجات دلا سکتی ہیں۔ اور استیپیوں میں ساری برائیوں کی جڑ پر ضرب لگانے کے لئے ان کلہاڑیوں کو استعمال کرنے کا وقت غالباً آ چکا ہے!"

ابائی اپنے خیالات کی رو میں بہہ کر جتنا کہنا چاہتا تھا، اس سے

زیادہ کہہ گیا اور اسے خیال آیا کہ ان لوگوں کو قول سے نہیں عمل سے مدد کی ضرورت ہے۔

"جلسہ ارکات میں نہیں بالقی‌بیک میں ہوگا" اس نے چاروں بوڑھوں کو سنجیدگی کے ساتھ دیکھتے ہوئے اچانک کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ شروع بھی ہو چکا ہو۔ شہر میں تو لوگوں نے مجھے یہی بتایا تھا۔ میرا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اب میں آپ لوگوں کے معاملے کو افسران کے سامنے رکھنے کے لئے جاؤں‌گا۔ تین دن کے اندر ہی آپ لوگ بھی وہاں آ جائیں۔ ہم لوگ تکےجان، اسحاق اور میباسر سے پورے معاوضے کا مطالبہ کریں گے۔ میں تو خیر آپ کا معاملہ اٹھاؤں‌گا ہی لیکن آپ کو بھی میری مدد کرنی چاہئے۔ درکیم‌بائے، تم شہر آ جانا۔ دندی‌بائے کو ساتھ لانا۔ یہ بھی باعزم اور جرأت‌مند آدمی ہیں۔"

ابائی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا تو پھر طے رہا۔ باقی باتیں ہم لوگ وہیں موقعے ہی پر کریں گے لیکن دیر نہ کرنا، یاد رہے تین دنوں کے اندر ہی! اور میں یہاں سے سیدھے وہیں جا رہا ہوں۔ بائےمغم‌بیت، گاڑی میں گھوڑا جوت دو!"

۳

ابائی اور بائےمغم‌بیت نے راستے میں مزید ایک رات بسر کی اور اگلے روز شام تک بائےقوش‌قار پہنچ گئے جہاں اول‌جان اور ابائی کے پڑاؤ واقع تھے۔ ان کی گاڑی بوتقان سے آگے بڑھی تو انہیں ایک بڑا سا پڑاؤ نظر آیا جو پتہ چلا کہ تکےجان کا تھا۔ قریب ہی گھوڑوں کے گلے اور بھیڑوں کے جھنڈ چر رہے تھے اور بڑے خیمے کے ارد گرد نوکروں کے ایک درجن سے زائد خیمے نصب تھے۔

"ہم لوگ یہاں ٹھہریں گے نہیں" ابائی نے بائےمغم‌بیت سے کہا۔

دونوں بائےقوش‌قار پہنچے تو پڑاؤ پر سوتا نہیں پڑا تھا اور ابائی کو یہ دیکھ‌کے خوشی ہوئی کہ بچے ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ سن‌کے وہ اس سے ملنے کے لئے دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ مغاش اور توراش باپ کی گود میں چڑھ‌کے لپٹ گئے

اور خوشی سے چیخنے لگے۔ دوسرے بچوں میں سے کچھ کوچوان کی نشست پر چڑھ گئے اور کچھ گاڑی کے پچھلے حصے پر۔ بائےمغمبیت نے اول‌جان کے خیمے کی طرف گاڑی بڑھائی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ابائی سب سے پہلے اپنی ماں سے ملاقات کرنا چاہے گا۔

ابائی بچوں کے ساتھ اندر داخل ہوا تو اول‌جان اپنے بڑے سے پلنگ کے قریب کھڑی تھی۔ اس نے بیٹے کو گلے لگاکے پیار کیا۔ آئی‌گیریم، آئی‌غیز اور دوسری عورتیں بھی خیمے میں اکٹھا تھیں اور اوسپان بھی وھیں موجود تھا۔ بھاری بھرکم کشادہ شانوں‌والا مرد جو اپنی سفید قمیض کے اوپر مخمل کے کالروالا ھلکا چغا پہنے ہوئے تھا۔ وہ اپنی نوجوان، خوبصورت اور چھریرے بدن کی بیوی یرکےجان کو بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔

اوسپان اپنے بھائی کو دیکھ‌کے بےحد خوش ھوا اور اسے فوراً ھی اچھی خبر سنانے کی بےتابی میں بچوں سے بھی زیادہ شور غل مچانے لگا۔ خاندان کے تین افراد تکےجان، شوبار اور اسحاق وولوست حکمراں منتخب ھو گئے تھے اور اس نے ھنستے ہوئے مطالبہ کیا کہ ابائی کو "سوئیون‌شی"* ادا کرنی چاھئے۔

"امید کرتا ھوں کہ اس کامیابی سے سب کو مسرت نصیب ھوگی" ابائی نے اول‌جان کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز سے کہا۔ "میں دیکھ رھا ھوں کہ تم سب خوشی سے پھولے نہیں سما رھے ھو۔"

اول‌جان فوراً سمجھ گئی کہ اسے اس خبر سے خاک بھی خوشی نہیں ھوئی۔

"ھاں میرے بیٹے، خدا کرے اس کامیابی سے سب کو مسرت نصیب ھو!" اس نے ابائی کی بات دوھرائی۔

اوسپان غل غپاڑے کے ساتھ خوشی مناتا رھا۔

"ارے میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ھی گیا کہ بازارعلی کو پکڑ لیا گیا ھے اور نئے وولوست حکمرانوں نے اس کے متعلق اپنا فیصلہ لکھ‌کے اسے شہر بھیج دیا ھے۔ اونٹ پر بٹھاکے، مگر ایسے ھی تھوڑی باقاعدہ ھتکڑی بیڑی پہناکے تاکہ بھاگ نہ سکے!"

ابائی تیزی سے مڑا۔

---

* سوئیون‌شی — اچھی خبر سنانے پر دیا جانےوالا تحفہ۔

"موسم بہار میں جب تم شہر چلے گئے تھے نا تو ایک نوجوان روسی بانکا جیدےبائے آیا" اول‌جان نے وضاحت کی۔ "شہر میں سال بھر تک وہ ترجمان کی حیثیت سے کام کر چکا تھا۔ اسی لئے لوگ اسے بالا تول‌مچ* کہتے ھیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کچھ بیمار ھے اور قمیز کے ذریعے علاج کے لئے پڑاؤ پر آیا ھے۔ کہنے لگا آپ اجازت دیجئے تو میں یہیں رھوں اور بچوں کو روسی زبان کی تعلیم دوں۔ مجھے یاد آیا کہ یہی تو تم چاھتے ھی تھے چنانچہ اسے آق‌شوقی بھجوا دیا۔ صرف آبیش ھی نہیں بالا تول‌مچ بائیف سے مغاش اور گل‌بدن بھی روسی پڑھ رھے ھیں۔"

ابائی خوشی سے پھولا نہ سمایا۔

"اچھا تو یہ لوگ ٹھیک سے پڑھ رھے ھیں نا؟ کیش‌کینے ملا کے ساتھ پڑھنے میں جتنی محبت کرتے تھے اتنی ھی محبت اب بھی کرتے ھیں؟ استاد کے آرام سے رھنے کے انتظامات کر دئے گئے نا؟"

جواب آئی‌گیریم نے دیا تو ابائی کو اچانک احساس ھوا کہ وہ اس کی آواز سننے کے لئے شہر میں کتنا بےتاب رھتا تھا۔

"بچے بڑے جوش و خروش کا مظاھرہ کر رھے ھیں۔ پڑھائی میں ایک دن کا بھی ناغہ نہیں کیا۔ "جائےلاؤ" جاتے ھوئے راستے میں بھی پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ استاد بھی ان لوگوں کو بہت پسند کرتا ھے۔ سبق ختم ھو جانے کے بعد وہ اکثر دو سالہ گھوڑے پر سوار ھوکے آبیش سے گھوڑا دوڑانے کا مقابلہ کرتا ھے" آئی‌گیریم محبت بھرے انداز میں مسکرائی۔ "یہ روسی ملا بھی کتنے عجیب و غریب ھوتے ھیں! ذرا بھی تو مقطع نہیں نظر آتا اور بچوں کو پڑھاتا اس طرح ھے جیسے کوئی ھنسی مذاق سے بھرا کھیل ھو۔ اسی لئے تو بچے بھی اس پر جان چھڑکتے ھیں۔"

ابائی نے سر ھلاکے پسندیدگی ظاھر کی۔ اتنے میں اوسپان نے اپنی بھابی سے مذاق شروع کر دیا۔

"ذرا دیکھئے تو! کسی ایسے ملا کی تعریف نہیں کر رھی ھیں جو شریعت و طریقت سے واقف ھو بلکہ ایک روسی تول‌مچ کو سراہ رھی ھیں۔ ھم لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلےگا اور یہ خود ھی روسی پڑھنے

---

* بالا تول‌مچ — مترجم لڑکا۔

لگیں گی" اس کے بعد اس نے آئی‌گیریم کی نقل اتارتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی روسی میں چند الفاظ ادا کئیے۔ سب لوگ ہنس پڑے لیکن اوسپان کا قہقہہ سب سے زوردار تھا۔

ابائی نے خیمے کے اندر کی مختلف چیزوں کی طرف اشارہ کرکے بچوں سے دریافت کیا کہ انہیں روسی میں کیا کہتے ہیں اور وہ بڑے شوق سے چلا چلاکے جواب دینے لگے جنہیں اس نے بڑی خوشی کے ساتھ سنا۔

شام کے کھانے کے بعد وہ بچوں کے ساتھ آئی‌گیریم کے خیمے میں گیا۔ آبیش، مغاش اور گل‌بدن اس سے لپٹے اور اس کے ڈھیلے ڈھالے چغے سے خود کو ڈھکے ہوئے چل رہے تھے۔ ابائی صحیح معنوں میں مسرتوں سے ہمکنار، خوش‌قسمت باپ تھا۔

"میری آنکھوں کے نور!" اس نے آبیش کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم نے روسی زبان سیکھنا شروع کر دیا۔ ہمارے ملا صاحب سے تم کافی دنوں تک پڑھ چکے۔ اب اس سال میں تمہیں روسی اسکول میں بھیجوں گا۔ انشااللہ تم بڑے ہوکے ایک تعلیم‌یافتہ آدمی ہوگے۔ بیٹے، یہ میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ مجھے اس بات کی اور بھی زیادہ خوشی ہے کہ تم نے میرے کہے بغیر ہی خود اپنی مرضی سے پڑھنا شروع کر دیا!" ابائی نے چودھویں کے چاند کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور خاموشی سے دعا مانگنے لگا: "خدایا اس کی زندگی برباد نہ ہو! میرے بیٹوں کو وہ سب نصیب ہو جو مجھے نہیں نصیب ہوا: علم اور بہترین انسانی صفات۔ اے خدا، اسے مسرت عطا کر، اس کے راستے کو منور کر دے" یہ ایک خاموش، دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا تھی۔ اس نے بیٹے کو ایک بار پھر کلیجے سے لگا لیا۔

آبیش نے کوئی جواب نہ دیا لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت متاثر ہوا ہے۔ دراصل شدت جذبات سے اس کا چہرہ زرد سا ہو رہا تھا۔

"مجھے بھی خوشی ہے، آغا" اس نے دھیرے سے کہا۔

"ارے واہ اباجان، صرف آبیش ہی کیوں؟" مغاش، ابائی کی پیٹی پکڑتے ہوئے رشک سے چلایا۔ "میں بھی روسی پڑھنے کے لئے شہر جانا چاہتا ہوں۔"

"اور میں بھی، اباجان!" گل‌بدن چلائی۔ "میں بھی پڑھنا چاھتی ھوں۔ آپ بائیف سے پوچھ لیجئے۔ وہ ھمیشہ کہتے رھتے ھیں کہ میں ان لوگوں سے پہلے ھی روسی بولنا سیکھ لوں‌گی۔ آپ مجھے شہر نہ لے جائیں‌گے تو میں خود ھی چلی جاؤں‌گی۔"

ابائی خوشی سے مسکرایا۔ اس نے محبت سے گل‌بدن کے سر پر ھاتھ پھیرا اور مغاش کے ناراضگی سے لٹکے ھوئے ھونٹ چوم لئے۔

"میں خزاں میں تم دونوں کو شہر لے جاؤں‌گا۔ تم سب کو لے جاؤں‌گا، وعدہ کرتا ھوں۔"

آئی‌گیریم اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑی ھوئی مسکراتے ھوئے ان سب کو دیکھ رھی تھی۔ اس نے ابائی کے اندر داخل ھونے کے لئے نمدے کا دروازہ پیچھے ھٹا لیا۔

چوراھے پر

۱

قبائلی جلسے کے سلسلے میں ابائی اپنے پرانے احباب یربول، بائےمغمبیت اور شاکے کے ساتھ بالقی‌بیک گیا۔ راستے میں ان لوگوں نے یربول کے پڑاؤ پر قیام کیا۔ وھاں سے اصیل‌بیک بھی ان کے ساتھ ھو لیا جو ابائی کی سفارش پر وولوست حکمراں منتخب ھوا تھا لیکن گزشتہ انتخابات میں اس عہدے سے محروم ھو گیا تھا۔

یہ جلسہ چار قبائل سیبان، توبیق‌تی، کیرئیی اور اوواق نے باھمی جھگڑوں، شکایتوں اور پرانی رنجشوں کی چھان بین کرکے صلح صفائی کے سلسلے میں طلب کیا تھا۔ جلسے کے لئے ایسی جگہ کی ضرورت تھی جو فریقین میں سے کسی کے قبضے میں نہ ھو کیونکہ قبائلی سردار اپنی قربت سے فائدہ اٹھاکے ھمیشہ ھی قبائلی جلسوں پر مختلف معاملات میں دباؤ ڈالتے تھے۔ بالقی‌بیک تیں قبیلوں توبیق‌تی، سیبان اور کیرئیی کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں پانی اور چارے کی افراط تھی لیکن برسوں سے کسی کے قبضے میں نہ تھا۔ چاروں قبائل میں سے کوئی ایک قبیلہ اس پر قابض ھونے کی کوشش کرتا تو باقی تینوں قبائل فوری طور پر اس کوشش کو ناکام بنا دیتے۔ اس اعتبار سے جلسے کے لئے یہ موزوں‌ترین جگہ تھی۔

جلسہ دو اضلاع سیمی‌پالاتنسک اور قارقرالنسک کے نو وولوستوں کی آبادی کی نمائندگی کر رھا تھا۔ چار وولوست توبیق‌تی کے تھے، دو دو سیبان اور اوواق کے اور ایک کیرئیی کا۔ اب ارغیزبائے جرگا ھمیشہ سے زیادہ بااثر ھو چکا تھا۔ چاروں طرف اس خبر کے چرچے تھے کہ قونان‌بائے کے دو بیٹے اور ایک پوتا منتخب ھو گئے ھیں۔ توبیق‌تی قبیلے کے وہ افراد جن کا تعلق امیر اور طاقتور

قبائلی گروہوں سے تھا اور جو عہدے کے خواہاں ہو سکتے تھے، اس صورت حال سے ناراض بھی تھے، فکرمند بھی۔

"ارے بھئی، یہ ارغیزبائےوالے بھی کتنے خوش‌قسمت ہیں!" وہ بڑے حاسدانہ انداز میں کہتے تھے۔ "جب قونان‌بائے آغا سلطان تھا تو ان لوگوں کو دوسروں سے ممتاز حیثیت حاصل تھی اور اب جبکہ وہ دنیاوی معاملات سے کنارہ‌کشی اختیار کرکے بوڑھے اونٹ کی طرح الاؤ کی راکھ پر آرام کر رہا ہے، اس کے بیٹوں کو خوش‌قسمتی اور اقتدار حاصل ہیں۔ وہ لوگ تین وولوستوں پر حکمرانی کر رہے ہیں! اور اس کا داماد دوت‌بائے، موقیر میں چوتھے وولوست کا حکمراں ہے۔ اب تو پورا توبیق‌تی قبیلہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے!.."

ابائی کو یہ ساری باتیں راستے میں یربول سے معلوم ہوئی تھیں جو چند دنوں قبل اس قبائلی اجتماع میں آیا تھا اور جسے "عوام" کے جذبات کی خبر تھی۔ اس معاملے میں "عوام" سے مراد اتکامنیروں، بایوں اور وولوست حکمرانوں سے تھی جو اقتدار کے مالک تھے اور تقریریں کرنے کا حق رکھتے تھے۔ ان لوگوں کے قریب‌ترین رفقا بھی انہی کے ہم‌خیال تھے۔

"دنیا کی ساری چیزوں میں جو چیز انہیں سب سے زیادہ پسند ہے، وہ ہے رشوت" یربول نے کہا۔ "پہلے کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ زندہ اونٹ نگل سکتے ہیں لیکن میری بات مانو، یہ جو نیا گروہ ہے نا، یہ تو کہیں زیادہ بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے! یہ لوگ تو بھیڑوں کے جھنڈ کے جھنڈ. گھوڑوں کے گلے کے گلے نگل جاتے ہیں اور شہر کے اعلا افسران بھی، خدا ان پر عذاب نازل کرے، جو کچھ پاتے ہیں ہڑپ کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو برابر تکےجان کی یاد آتی رہتی ہے۔ نئے وولوست حکمراں اب اپنے نقصانات کی تلافی کے لئے عوام کو لوٹ رہے ہیں۔"

"اور بائے لوگوں کا کیا خیال ہے؟ وہ بھی بےایمان ہیں کیا؟" ابائی نے پوچھا۔

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ سب کے سب بےایمان ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ لوگ بھی اچھی خاصی کمائی کر رہے ہیں۔ تم خود ہی اندازہ لگا لو نا۔ مثال کے طور پر کیرئیی اور توبیق‌تی کے

درمیان جھگڑا ھو جاتا ھے تو دونوں فریق وولوست حکمرانوں سے شکایت کرتے ھیں جو اس معاملے کو بایوں کے سپرد کر دیتے ھیں اور ساتھ ھی ساتھ یہ بھی سمجھا دیتے ھیں کہ ان کا فیصلہ موافق ھوا تو انھیں انعام ملےگا۔ اور بائے لوگ فرشتے تھوڑی ھیں۔ تو اس طرح ان لوگوں کو بھی مال غنیمت میں حصہ ملتا ھے۔"

"اچھا یربول، صاف صاف بتانا، کیا یہ ممکن ھے کہ جیرین‌شے اور اورازبائے بھی بددیانت ھیں؟"

"ھیں کیوں نہیں، بےشک ھیں!"

"اور میں انھیں اپنا دوست تصور کرتا تھا" ابائی نے سر ھلاتے ھوئے کہا۔ "میں ھی ان لوگوں کو بائے بنوانے کا ذمےدار ھوں۔ یربول، تم شاید مبالغے سے کام لے رھے ھو۔ کاش کہ تم غلطی پر ھو۔ میں یقین کرنا چاھتا ھوں کہ وہ ایمان‌دار لوگ ھیں۔ یہ دونوں بھی بددیانت ٹھہرے تو پھر اور کس پر اعتماد کیا جا سکےگا؟"

ابائی افسردہ ھوکے خاموش ھو گیا۔ یربول نے اس سلسلے میں مزید کچھ نہ کہا۔ وہ ان افراد کی گندی حرکتوں کے متعلق جنھیں ابائی اپنا دوست کہتا تھا، اسے کچھ بتاتا بھی تو کیسے؟ اسے ابائی کے الفاظ یاد آ رھے تھے: "دوستوں اور رشتےداروں کے درمیان تمام جھگڑوں کے پیچھے بہتان‌تراشیوں اور کینہ‌پروری کا ھاتھ ھوتا ھے۔"

دریا کے دونوں کناروں پر خیموں کی دو بےکراں قطاریں موجود تھیں اور ابائی اور اس کے ساتھیوں کو اپنے رشتےداروں کی تلاش میں خاصا وقت لگ گیا۔ سات اور آٹھ پہلووالے خیمے بہت ھی کم نظر آ رھے تھے۔ اکٹھا ھونےوالے زیادہ‌تر قزاخوں نے پانچ اور چھ پہلووالے بالکل نئے سفید خیمے نصب کئے تھے جن کو کشیدہ‌کاری اور رنگین کپڑوں سے سجایا گیا تھا۔ معمولی اور دھوئیں سے کالے خیمے جن میں یا تو نوکر رھتے تھے یا باورچی‌خانے قائم تھے، کچھ ھٹ‌کے الگ تھلگ نصب کئے گئے تھے۔ قریب ھی بہت سے بچھیڑے بچھیڑیاں بھی بندھے تھے کیونکہ گھڑسواری اور گاڑیاں کھینچنےوالے گھوڑوں کے ساتھ دودھ دینےوالی گھوڑیاں بھی لائی گئی تھیں۔

ابائی اور اس کے احباب جلد ھی اس جگہ پہنچ گئے جہاں اعلا ذمےداروں کے قیام کے لئے دو دو تین تین کے گروھوں میں کھڑے ھوئے چھوٹے چھوٹے خیموں کے درمیان تین خیموں‌کو جوڑکر آٹھ گوشوں‌والے

خیمے نصب کئے گئے تھے۔ یہاں وولوست حکمراں، بائے لوگ، قبائلی سردار اور پیغام‌رساں بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ گلےبان اور متجسس تماشائی بھی ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ چاروں طرف رنگ برنگے چغے، جیکٹ، کاٹھیاں اور لگامیں نظر آ رہی تھیں اور مختلف وضع قطع کی ٹوپیاں اس بات کا ثبوت تھیں کہ تمام جرگوں اور قبیلوں کے نمائندے یہاں موجود ہیں۔

بائےمغم‌بیت جو لوگوں سے پوچھے جا رہا تھا کہ قونان‌بائے کے بیٹوں کے خیمے کہاں نصب کئے گئے ہیں، آخرکار تکےجان کے خیمے اور اسحاق کے پڑاؤ کا پتہ لگا لیا لیکن ابائی نے دونوں میں سے کسی جگہ بھی ٹھہرنا پسند نہ کیا۔

بھائیوں نے اپنے خیمے ایک دوسرے کے بغل میں لگائے تھے۔ ان سے ملا ہی ہوا قونان‌بائے کے پوتے شوبار کے خیمے لگے ہوئے تھے جو اب چنگیز وولوست کا نیا حکمراں تھا۔ وہ اپنے بھورے رنگ کے دوگامہ چلنےوالے گھوڑے پر ابائی اور اس کے ساتھیوں سے ملنے کو آگے بڑھا۔ وہ طویل قامت، چوڑے چکلے شانوں اور متناسب ناک نقشے کا بانکا تھا جس کے چہرے پر چیچک کے ہلکے ہلکے سے داغ تھے۔ وولوست حکمراں ہونے کے لئے اس کی عمر ابھی دو سال کم تھی لیکن ارغیزبایوں نے اس کی عمر چھبیس سال بتائی تھی۔ نوجوانی کے باوجود وہ دوسروں سے زیادہ تعلیم‌یافتہ تھا، دس سال تک عابدخان سے تعلیم حاصل کی تھی اور خود بھی چاہتا تو ملا بن جاتا۔ لیکن وہ اتنی تعلیم حاصل کرکے بھی مطمئن نہیں ہوا تھا اور اس نے اپنے مترجم سے روسی بولنا سیکھ لیا تھا۔ وہ اپنے عزم، مستعدی اور بےباکی کی بنا پر اپنی عمر کے لوگوں میں خاصی نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ شوبار قبائلی جلسے کے مباحثوں اور فیصلوں پر متعدد بار اثر انداز ہو چکا تھا اور انتخابات کے موقعوں پر بڑے بوڑھے روسیوں سے بات‌چیت کرنے کی ذمےداری اسے سونپتے تھے۔

اس نے اپنے چچا کو سلام کرتے ہوئے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

"ابائی آغا، یہ رہے ہمارے خیمے۔ مہربانی کرکے اور آگے نہ بڑھئے، ہمارے ساتھ ہی قیام کیجئے۔"

ابائی نے اس کے سلام کا خوش‌اخلاقی سے جواب دیا، مبارک‌باد

دی کہ اتنی کم عمری ھی میں ایسے اہم عہدے پر فائز ہو گیا ھے لیکن اس کے یہاں قیام کرنے سے انکار کر دیا۔

"بھئی، بات یہ ھے کہ تم اب ایک سرکاری ذمےدار کی حیثیت رکھتے ہو اور تمہارے اوپر کاموں کا ویسے ھی بہت بوجھ ھے۔ تم اعلا افسروں، مدعیوں، عرضداشتیں پیش کرنےوالوں اور اپنے احباب کے ساتھ ہر وقت مصروف رہوگے۔ جہاں تک ہم لوگوں کا تعلق ھے، تم جانتے ھی ہو کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے عادی ھیں۔ شام کو جلدی سو جاتے ھیں اور صبح کو دیر سے بیدار ہوتے ھیں۔ اس لئے ہم لوگ اوسپان کے یہاں ٹھہریں گے۔ تم برا نہ ماننا۔"

شوبار کو کچھ مایوسی تو ہوئی لیکن اس نے اصرار نہ کیا۔

"میں پہلے آپ سے چند الفاظ عرض کرنا چاھوں گا، ابائی آغا" اس نے ابائی کو روکتے ہوئے کہا جبکہ اس کے ساتھی اپنے گھوڑوں پر آگے بڑھ گئے۔ "اویاز جب یہاں پہنچے تو ہم لوگ، میرا مطلب ھے کہ ہم وولوست حکمراں، انہیں اپنے ساتھ لےکے مہمانوں کے خیمے میں گئے۔ وھاں انہوں نے پہلا سوال جو کیا وہ یہ تھا: "ابراھیم قونانبائیویچ بھی جلسے کے لئے آ گئے ھیں کہ نہیں؟" ان کے سوال سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ "جی ھاں، وہ آ گئے ھیں اور یقیناً آپ کو سلام کرنے آئیں گے" میں نے سب سے پہلے جواب دیا۔"

شوبار اپنی خوشی کو چھپا نہیں پا رہا تھا کہ ابائی کی بدولت اسے خود کو ذمےداروں کی نگاہ میں لانے کا موقع نصیب ہوا۔

"بڑا اچھا ہو اگر آپ ان سے ملاقات کر لیں" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "جیسا کہ آپ جانتے ھیں اس وقت یہاں بہت سے لوگ اکٹھا ھیں اور ہر شخص دوسرے شخص کی ٹانگ کھینچنے میں مصروف ھے۔ ہم لوگوں کے لئے بڑی اہم بات ہوگی اگر آپ دوسروں سے قبل ھی اویاز کو سلام کر آئیں۔"

ابائی نے اندازہ لگا لیا کہ دراصل لوسووسکی نے اس کے متعلق دریافت کیا ہوگا اور اس نے اس سے ملنے جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس نقطہ نظر سے نہیں جو شوبار کے ذھن میں تھا۔ بس یونہی اپنے ایک پرانے ملاقاتی سے ملنے کے لئے۔

"تمہیں مجھے ترغیب دینے کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔ میں ان

سے یقیناً ملاقات کروں‌گا" اس نے جواب دیا اور اوسپان کے خیمے کی طرف چل پڑا جہاں اس کے ساتھی منتظر تھے۔

اوسپان کے یہاں بہت سے مہمان اکٹھا تھے۔ وہ وولوست حکمراں تو نہ تھا لیکن قونان‌بائے کے بڑے خیمے کے مالک کی حیثیت سے اس نے پانچ بڑے خیمے نصب کئے تھے اور جیسا کہ کسی اہم کام مثلاً کسی مہم یا مقدمے کے آغاز کے موقعے پر عام رواج تھا، اس نے ایک بھوری گھوڑی ذبح کئے جانے کا بھی حکم دیا تھا جس کی پیشانی پر صداقت اور وفاداری کی علامت تصور کئے جانےوالا چاندی جیسا سفید دھبا تھا۔ دونوں اضلاع کے وولوست حکمرانوں کو کھانے پر مدعو کیا گیا تھا۔

ہشت پہلو بڑے خیمے میں سیبان کے نہایت ھی بااثر سرداروں میں سے ایک کا بیٹا اور وولوست حکمراں جمعہ‌قان بیٹھا ھوا تھا۔ کیرئیی کی نمائندگی ان کا چالاک وولوست حکمراں توئی‌سری کر رہا تھا۔ توبیق‌تی قبیلے کے جرگوں میں سے ایک کا نمائندہ پراعتماد اور جھگڑالو وولوست حکمراں مولدابائے بھی یہیں موجود تھا جو ھٹا کٹا اور طاقتور نظر آنےوالا بانکا تھا۔ تکےجان، اسحاق اور دوسرے وولوست حکمراں بھی آ گئے۔

الفاظ نہیں ضائع کئے جا رھے تھے۔ سب کے سب خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے ھوئے سوچ رھے تھے کہ دیکھیں اعلا سرکاری افسروں کی خوشنودی ان میں سے کس کو حاصل ھوتی ھے۔ دلوں میں رشک و حسد اور نفرت کے جذبات کروٹیں لے رھے تھے جن پر خوش‌اخلاقی کا ھلکا سا پردہ پڑا ھوا تھا۔ تھوڑی بہت باتیں جو بھی ھو رھی تھیں تو محض اشاروں کنایوں کے انداز میں۔ سیبان اور قزل‌ادیر کے مقدمے کی سماعت عنقریب بلکہ غالباً کل ھی ھونےوالی تھی۔ زیادہ صاف صاف یوں کہا جا سکتا تھا کہ دو وولوست حکمرانوں — تکےجان اور جمعہ‌قان کے درمیان مقابلہ ھونےوالا ھے۔ اس کے بعد جس مقدمے کی سماعت ھونی تھی وہ کیرئیی کے خلاف موتیش کا مقدمہ تھا۔ اس میں بھی دو وولوست حکمرانوں — مولدابائے اور توئی‌سری کے درمیان مقابلہ ھونا تھا۔ دراصل کئی برسوں سے قبائلی جلسہ منعقد نہیں ھوا تھا بہت سی شکایات اور درخواستیں سماعت کے لئے ڈھیر ھو گئی تھیں۔ ان میں چھاپے مارنے اور اغوا کرنے کے

واقعات اور دوسرے جرائم سے متعلق شکایات بھی شامل تھیں۔ جلد ھی بایوں کو لچھےدار تقریروں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنی تھی، ھر وولوست حکمراں کو اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاھرہ کرنا تھا۔

صرف ابائی ان تمام فکروں اور اندیشوں سے آزاد تھا لیکن وہ بھی صورت حال سے بہرحال واقف ھونا چاھتا تھا چنانچہ اس نے کیرئیی اور سیبان کے درمیان چلنےوالے معاملے کے سلسلے میں جمعہقان اور توئیسری سے تفصیلات دریافت کیں۔ یہ معاملہ عرصے سے اس منطقے میں پریشانی کا باعث تھا اور اس کا ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں ھوا تھا۔ فریقین اکثر ایک دوسرے پر چھاپے مارتے اور گھوڑے چوری کر لیتے تھے۔ معاملہ "لڑکی صالحہ کا مقدمہ" کے نام سے چل رہا تھا۔

توئیسری نے تو گول مول جواب دیا لیکن جمعہقان نے صاف طور سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"خیرسگالی کے جذبات سے کام لیا جائے تو میرے عزیز ابائی، بہآسانی امن بحال ھو سکتا ھے لیکن کوئی معمولی چھوکری تک حکم نہ مانے تو بھلا عدالت میں معاملہ کیسے طے پائے؟"

صاف ظاھر ھو رھا تھا کہ اس کی مراد پورے کیرئیی قبیلے سے ھے۔ اس مقدمے نے دونوں قبیلوں کے درمیان کافی دشمنی پیدا کر دی تھی اور ابائی نے مزید سوالات نہ پوچھے کیونکہ وہ آگ پر تیل نہیں چھڑکنا چاھتا تھا۔

قمیز پیش کیا گیا تو لوگوں میں جان سی پڑ گئی اور کسی نے تجویز پیش کی کہ اچھا سا گیت سننے کے لئے یہ نہایت ھی موزوں وقت ھے۔ ابائی نے شاکے کے ھاتھ سے دومبرا لےکے جو اس کے پاس بیٹھا ھوا دھیرے دھیرے اس ساز کو چھیڑ رھا تھا، بائےکوکشے کو دے دیا۔ یہ مغنی شاعر تکےجان کے ساتھ قزلادیر سے آیا تھا اور اوسپان کے خیمے میں مقیم تھا۔ وہ ادھر ادھر گھومتا پھرتا رھتا تھا اور بعض اوقات میزبان کے سامنے اپنی دیکھی ھوئی باتوں کو بیان کرتا تھا۔

"ان لوگوں نے رشوتیں لے لےکے اپنی توندیں پھلا لی ھیں" اس نے کہا تھا۔ "میری مراد وولوست حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور ھمارے محترم بائے لوگوں سے ھے۔ آدمی کے پاس جو کچھ ھو اس

سے مطمئن نہ ہو تو وولوست حکمراں بن جائے۔ مزے سے ہر ایک کی کھال کھینچتا رہے، قطع نظر اس سے کہ کوئی مجرم ہے یا معصوم۔ اور کسی کی کیا مجال جو اس حکمراں کو برا بھلا کہہ سکے۔"

اوسپان، نے مقامی خبریں گہری دلچسپی کے ساتھ سنی تھیں۔

"لیکن بھئی، تم کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟" اس نے اس مغنی سے پوچھا۔ "رشوت لینے دینے کے کام تو چوری چھپے ہوتے ہیں۔ معاہدے سرگوشیوں میں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ الفاظ کے بغیر ہی محض آنکھ مارکے کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ایسا لگتا ہے کہ تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ تم کوئی جن ون ہو کیا؟"

بائےکوک‌شے نے اپنے طریقہ‌کار کی وضاحت کر دی۔

"کسی سے کچھ کہنا سننا تھوڑی چاہئے۔ محض وولوست حکمرانوں کے پیغام رسانوں سے دوستی رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور بس۔ جتنی بھی رشوتیں دی اور لی جاتی ہیں سب ان لوگوں کے ہاتھوں سے گزتی ہیں۔ یہ لوگ مجھ سے کچھ بھی تو نہیں چھپاتے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کو اپنے مالکوں کے کرتوت دوسرے حکمرانوں کے پیغام رسانوں سے بھی معلوم ہوتے رہتے اور یہ باتیں بھی مجھے بتا دیتے ہیں۔"

بائےکوک‌شے نے دومبرا لےکے خیموں میں موجود لوگوں کے خیرمقدم سے متعلق ایک فی‌البدیہ گیت گایا۔ وولوست حکمرانوں نے جو قمیز پی‌کے کچھ ترنگ میں آ گئے تھے، بیچ بیچ میں جی کھول‌کے تعریفیں کیں۔

"کیا کہنا! ارے بھئی، یہ تو اس زمانے کے بہترین مغنی شاعر ہیں۔"

"گائے جاؤ، میرے بلبل! قدیم طرز موسیقی کو میں فوراً ہی پہچان گیا!"

بائےکوک‌شے نگاہیں اوپر اٹھائے بغیر گاتا رہا۔ اس کی تعریفوں کے یہ جو پل باندھے جا رہے تھے ان کا اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ خیرمقدمی گیت کے بعد اس نے نئی دھن میں نیا گیت چھیڑ دیا۔ "تمہیں اپنی منزل مل چکی ہے اور اب احترام و اقتدار سے لطف‌اندوز ہو رہے ہو۔ اگر ایماندار ہو تو عوام کے ساتھ بےانصافی نہ کرو۔ بدمعاشوں کی سرپرستی نہ کرو، انہیں اس بات

کی اجازت نہ دو کہ وہ کمزوروں کو ستائیں۔ عوام کو نہ لوٹو، ان کی مسرتوں کا خون نہ کرو، ان کے لئے ایک بوجھ بن کے نہ رہ جاؤ" اس نے کسی کا نام نہ لیا لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہ باتیں موجودہ حکمرانوں کی اکثریت سے کہہ رہا تھا۔

اس گیت کی کسی نے تعریف نہ کی اور مغرور مولدابائے نے اسے توہین تصور کیا۔

"یہ بائے کوک شے کسی بھی اعتبار سے کوک شے* نہیں ہے" اس نے غصے سے کہا۔ "بڑا چلاک آدمی ہے۔ دبے پاؤں آپ کے پاس پہنچ کے آپ کے سارے کئے دھرے پر غلاظت پھیر دیتا ہے۔"

"سامعین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ سن لیں اور کچھ کہیں نہیں" اصیل بیک نے ہنستے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "دراصل مغنی شاعر کے الفاظ بہت سی باتوں کی صداقت کو سامنے لاتے ہیں۔"

وولوست حکمرانوں نے زور زور سے باتیں کرکے قہقہوں کے ذریعے موضوع بدلنے کی کوشش کی لیکن ابائی نے ایک بار پھر انہیں مغنی کی طرف متوجہ کر دیا۔

"اور اسی وجہ سے بائے کوک شے کے گیت کو سنا بھی جانا چاہئے۔ یہ کسی مدعی کی چاپلوسی ہے، نہ کسی بھکاری کی طرف سے کی جانے والی تعریف۔ یہ تو عوام کی تیز نگاہ اور آواز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ گیت تو عوام کے خیالات کا، قبل اس کے وہ انہیں الفاظ کا جامہ پہنا سکیں، اظہار کرتا ہے۔"

"بھلا اعوام کا اس گیت سے کیا تعلق!" تکے جان نے سخت لہجے میں کہا۔ "عوام نے انہیں کبھی اس بات کا اختیار نہیں دیا کہ وہ ان کی طرف سے ایسے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ استعمال کریں۔ بات صرف اتنی ہے کہ خدا نے انہیں نفرت کرنے والا مزاج دیا ہے۔"

اسحاق اور توئی سری نے اس کی حمایت کی۔

"آخر انہیں عوام کا ترجمان کہہ کے غلط فہمی کیوں پھیلائی جائے؟ ان کا تو بس چلے تو عوام میں اپنے کینہ پروری کے جذبات پھیلا دیں۔"

کوک شے — جرگے کا نام جس کے لفظی معنی ہیں "منکسرمزاج"۔

"کھجلی‌والا گھوڑا جہاں بھی ممکن ہوتا ہے اپنے جسم کو رگڑتا رہتا ہے۔"

"بڑبڑائے بغیر کوئی بھی شخص سچی بات نہیں سن پاتا" ابائی نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "تم لوگ جو کہہ رہے ہو اس سے تو صرف یہی مطلب نکلتا ہے: "سچائی کو اپنے ہی تک محدود رکھو ورنہ ہمیں غصہ دلاؤگے!" اگر ایک بائےکوک‌شے ہم لوگوں کو اتنا غصہ دلا سکتا ہے تو سارے عوام کی باتیں سننا کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟"

"بائےکوک‌شے عوام تھوڑی ہیں" تکےجان نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں، میرے قابل احترام وولوست حکمراں" مغنی شاعر دومبرے پر سے جسے وہ دھیرے دھیرے چھیڑ رہا تھا، اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے بیچ میں بول پڑا۔ "بائےکوک‌شے دراصل عوام ہی ہے۔ میرا گیت سن‌کر بلاشبہ آپ برہم ہو جاتے ہیں لیکن میں تو اسی بات کو دوہراتا ہوں جسے عوام کہتے ہیں۔"

"اچھا، ذرا بتاؤ تو، عوام کیا کہتے ہیں؟ شاید تم اس بات کو ایک شعر میں گاکے ادا کر سکتے ہو؟" تکےجان نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ دوسرے لوگ بھی تکےجان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے مغنی کا مذاق اڑانے لگے۔

ابائی نے شرارت‌آمیز انداز میں آنکھ مارتے ہوئے بائےکوک‌شے کو دیکھا۔

"کیوں نہیں! میں شروع کرتا ہوں، تم اسے ختم کرنا" ابائی نے کہا۔

گھاٹیوں اور دلدلوں میں گھاس اگتی ہے گھنی
ہوتے ہیں کچھ لوگ پیدا عیش کرنے کے لئے

مغنی شاعر اپنی جگہ سے اٹھنے لگا لیکن پوری طرح کھڑے ہوئے بغیر ہی مزاحیہ انداز میں پلکیں اوپر اٹھاتے ہوئے آخری دونوں مصرعے گاتے ہوئے بند پورا کر دیا۔

حکمراں بن جاتے ہیں وہ جیب بھرنے کے لئے
رشوتیں لیتے ہیں، چھن جاتی ہے آخر افسری

"لوگ تو بہرحال یہی کہتے ہیں" اس نے کہا اور تکےجان کی طرف دیکھکے ہنس پڑا۔ خیمے میں موجودہ افراد نہ چاہتے ہوئے بھی الفاظ کی موزونیت کے قائل ہونے پر مجبور ہو گئے۔

"محض خالی خولی بکواس ہے" تکےجان نے منہ پھیرتے ہوئے نتھنوں سے آواز نکالکے ناراضلی کا اظہار کیا۔ "خدا کرے، تمہاری زبان جل جائے!"

ابائی بیٹھے بیٹھے ہنسی سے لوٹ پوٹ گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ مولدابائے کا خیال درست نہیں تھا۔ وولوست حکمرانوں کے لئے یہ بائےکوکشے نہیں، ژائےکوکشے* ہیں" وہ کھڑا ہوا اور قہقہہ لگاتے ہوئے خیمے سے باہر چلا گیا۔

وولوست حکمراں بری طرح تلملاکے رہ گئے۔ وہ بالکل ان موٹی تازی دہشتزدہ مرغابیوں یا فیلمرغ جیسے نظر آ رہے تھے جو جھپٹتے ہوئے باز کے سائے میں زمیں پر دبککے رہ گئے ہوں۔

"بھئی، بہت ہو چکا! اب خاموش ہو جاؤ!" اوسپان نے یہ دیکھکے کہ مغنی شاعر کے الفاظ اس کے زیادہتر مہمانوں کو سخت ناگوار معلوم ہوئے تھے، بائےکوکشے سے کہا۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے مہمانوں کو قمیز کے پیالے دوبارہ بھرنے لگا۔

شوبار کو بھی غصہ آیا کہ اس کے چچا اور انکامنیروں کی جنہیں اس نے مدعو کیا تھا، توہین کی گئی ہے۔

"ارے بائےکوکشے، خدا کرے، تمہاری زبان خشک ہو جائے! تم بےباکی سے کوئی بات کہنا چاہتے ہو تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کیا کہ ہر ایک کی توہین کرو؟ یہ آخر تہذیب اور شائستگی کو تم نے کب سے بالائے طاق رکھ دیا؟ یہ کب سے سیکھا کہ جس پیالے میں کھاؤ اسی میں تھوکو؟"

اس کے الفاظ سے اوسپان کچھ اور بھڑک اٹھا اور اس نے اپنی باہر کو نکلی ہوئی آنکھیں لال پیلی کرتے ہوئے بائےکوکشے کو دیکھا۔

"میں نے اپنے رشتےداروں کو یہاں ایک خاص تقریب کی دعوت میں مدعو کیا ہے تاکہ وہ ذرا آرام کر لیں، ہنس بول لیں۔ تم صحیح

---

* ژائے — بجلی کی کڑک۔

معنوں میں عقل‌مند ہو تو تمہیں یہ کہاوت تو یاد ہی رکھنی چاہئے "محبت بھرے الفاظ ہی سے آدھی خوشی حاصل ہو جاتی ہے"۔ مجھے تم سے ایسے ہی الفاظ کی توقع تھی لیکن ان کے بجائے تم نے ہمیں کیا دیا؟ دیکھو، میرے خیمے میں کوئی لڑائی جھگڑا ہرگز نہ شروع کرو!"

میزبان کی طرف سے اس ملامت کے بعد بائےکوک‌شے، شاکے اور بائےمغم‌بیت ایک ایک کرکے خیمے سے پھوٹ لئے۔

اسی روز شام کو ابائی، لوسووسکی سے ملنے گیا۔ روسی افسر نے جس کا چہرہ دھوپ سے سنولایا ہوا تھا، مسکراتے ہوئے اس کا خیرمقدم کیا اور گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ رسمی مزاج‌پرسی کے بعد اس نے اپنے مہمان کو بٹھاتے ہوئے اسے ایک معاملے کی تفصیلات بتائیں جو اس کے زیرغور تھا۔ میز پر ایک اپیل سے متعلق کاغذات ڈھیر تھے جو کئی قبائل کی طرف سے دائر کی گئی تھی۔

"بھئی، یہ ساری کی ساری مہریں اور دستخط" اس نے کہا۔ "جعلی ثابت ہوئے ہیں۔ مجھے خوشی ہے، ابراھیم قونان‌بائیویچ کہ آپ اس وقت یہاں موجود ہیں۔ شاید آپ میری مدد کر سکیں۔ یہ موقیر وولوست کے ایک نوجوان قرغیز کی اپیل ہے جو اس نے گورنر سے کی ہے۔ اس کا نام کوک‌پائے جناتائیف ہے۔ اس کا تعلق بالقی‌بیک سے ہے۔ اس کے معاملے پر چار وولوست حکمرانوں نے جنہیں اس آراضی سے دلچسپی تھی، فیصلہ دیا ہے۔ میں پڑھ‌کے آپ کو سناتا ہوں: "ہم وولوست حکمراں اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ آراضی مذکور جو بالقی‌بیک کے نام سے مشہور ہے، کافی عرصے سے موقیر وولوست کے کوک‌پائے جناتائیف کی ملکیت ہے اور اس پر مدعی کا قبضہ بحال کیا جانا چاہئے۔ اس لئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ اب بالقی‌بیک کو کوک‌پائے جناتائیف کی ملکیت تصور کیا جائے..." اور اس پر مہریں بھی لگی ہوئی ہیں جو مستند معلوم ہوتی ہیں، کیوں معلوم ہوتی ہیں نا؟ میں نے بھی یہی خیال کیا تھا لیکن جب معاملے پر ذرا احتیاط سے غور کیا تو پتہ چلا کہ دوسرے وولوست حکمرانوں کا تو خیر ذکر ہی کیا، خود موقیر کے وولوست حکمراں نے بھی کہا کہ اس کاغذ پر اپنی مہر نہیں لگائی ہے۔ سیدھا سیدھا جعل‌سازی کا واقعہ ہے۔ ذرا دیکھئے نا۔"

لوسووسکی نے کاغذات کو الٹ پلٹ کے مہروں کی طرف اشارہ کیا۔

"مدعی کا دعوا ہے کہ یہ چار وولوست حکمرانوں کی اصلی مہریں ہیں لیکن درحقیقت ایک ہی مہر سے کام لیا گیا ہے اور وہ بھی قبائلی گروہ کے سردار کی مہر ہے جسے ہر کاغذ پر غیرنمایاں طور پر لگا دیا گیا ہے۔ ذرا سوچئے تو ایک نوجوان بانکا جعل‌سازی کے اس سنگین معاملے میں ملوث ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہمارے افسروں کو استیپیوں کی زندگی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے اور ان سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں جو بعض اوقات نہایت ہی واہیات قسم کی ہوتی ہیں لیکن قصوروار آخر کون ہے؟ یہ جس قسم کا معاملہ ہے نا، بس اسی نوعیت کے معاملات کی بنا پر غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ لوگ دروغ حلفی سے کام لیتے ہیں، یا ہمارے پاس جھوٹے اور فرضی الزامات پر مشتمل درخواستیں بھیجتے ہیں یا پھر رہزنی اور لوٹ میں مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ یہ معاملہ شاہد ہے۔ کتنی ناجائز بات ہے! میں نے اس جعل‌ساز کو بلوایا ہے، وہ ابھی آتا ہی ہوگا۔ اس اثنا میں آپ آرام سے بیٹھئے۔"

لوسووسکی نے دروازے پر کھڑے ہوئے سفید مونچھوں‌والے سنتری سے مخاطب ہوکے کہا:

"ارے بھئی، کہو کہ چائے لے آئیں۔"

وولوست حکمراں جو کچھ دیر پہلے ہی اوسپان کے خیمے میں دعوت اڑا رہے تھے، اب تین خیموں کو ملاکر بنائے گئے بڑے خیمے کے سامنے اکٹھا تھے اور جب بھی دروازہ کھلتا تھا باہر کھڑے ہوئے لوگ ابائی کو میز کے پاس اویاز کے ساتھ بیٹھے اور کاغذات کو پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے۔ کچھ کو خوشی ہو رہی تھی اور کچھ رشک و حسد کی آگ میں سلگ رہے تھے۔ سرگوشیوں اور ایک دوسرے کو کہنیاں مارکے مخاطب کرنے کا سلسلہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اتنے میں سنتری نے باہر آکے چلاتے ہوئے چائے لانے کو کہا تو سب کے سب دنگ رہ گئے۔

"ارے کیا، چائے ابائی کے لئے منگائی گئی ہے؟"

"تو اویاز، ابائی کے ساتھ مہمان جیسا سلوک کر رہے ہیں!"

"ابائی کی ضرور ان سے دوستی ہوگی!"

چاروں طرف قیاس‌آرائیاں شروع ہو گئیں: "اویاز سے ابائی کے قریبی مراسم کا مختلف مقدمات پر کیا اثر پڑےگا؟"

"کھلی ہوئی بات ہے کہ توبیق‌تی قبائلی جو چاہیں‌گے وہی ہوگا۔ ابائی کی اویاز سے گاڑھی چھنتی ہے تو قونان‌بائے کے بیٹے کسی دوسرے کو زبان ہی نہ کھولنے دیں‌گے۔"

جمعہ‌قان، توئی‌سری اور مولدابائے گھنٹے بھر قبل اوسپان کے خیمے سے واپس ہوئے تھے تو وہ مغنی شاعر کی گستاخی کے سوال پر گرما گرم بحث میں الجھے ہوئے تھے۔

"بھلا بائےکوک‌شے کو کب ہمت پڑتی جو وہ اپنی مرضی سے ایسی باتیں کہتا۔ اسے تو ابائی نے سکھایا پڑھایا ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو، یہ ابائی کی کارستانی تھی" توئی‌سری نے اتفاق رائے ظاہر کیا۔ "اس نے اپنے مغنی کو ہم پر کتے کی طرح بھونکنے پر لگا دیا اور خود چلتا بنا۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا؟"

"بھئی، سیدھی سی بات یہ ہے کہ قونان‌بائے کے بیٹے اس وقت پورے عروج پر ہیں" مولدابائے نے خیال ظاہر کیا۔ "یقیناً ابائی نے کوئی منصوبہ بنا رکھا ہوگا۔ لیکن سنو، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ہم لوگوں کو محض دہشت‌زدہ کرنا چاہتا ہو؟ اس نے سردیوں اور گرمیوں میں سرکاری ذمےداروں کا ہم‌نوالہ و ہم‌پیالہ رہ‌کے قونان‌بائے کے تین چھوکروں کو کسی نہ کسی طرح وولوست حکمراں بنوا دیا۔ اب ظاہر ہے اس کا دماغ عرش پر ہے۔"

لیکن جب وہ اویاز کے خیمے پر پہنچے اور انہیں پتہ چلا کہ ابائی خود بڑے صاحب کے ساتھ چائے پی رہا ہے تو حیرت‌انگیز طور پر ان کے غباروں سے ہوا نکل گئی۔ سارے دم خم جاتے رہے۔ انہیں ابائی پر رشک آ رہا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ ان میں سے ہر ایک یہ بھی سوچ رہا تھا: "کچھ بھی ہو مجھے ابائی سے اچھے مراسم بہرحال قائم رکھنے چاہئیں۔ مجھے بہرحال اسے اپنا طرفدار بنائے رکھنا ہے۔"

چائے پر ابائی نے استیپیوں کے معاملات، وولوست حکمرانوں یا قبائلی جلسے کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔

"میں تو جلسے پر بس یوں ہی ایک نگاہ ڈالنے کو آ گیا ہوں"

ابائی نے لوسووسکی سے اپنی آمد کے فوراً بعد کہا۔ "مجھے صرف ایک چھوٹے سے معاملے میں دلچسپی لینی ھے۔ میں غریب جاتقوں کی طرف سے بیچ میں پڑنا چاھتا ھوں جن کو امیر گروھوں نے لوٹا کھسوٹا ھے۔ خود ھی ان کی مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ ابھی ھمیں اس کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف آپ سے ملاقات کرنے اور شہر کی خبریں معلوم کرنے آیا ھوں۔ اچھا یہ بتائیے کہ یوگینی پیترووویچ اور اقباس اندرئیویچ کا کیا حال ھے؟"

"بڑی شاندار بات ھے، ابراھیم قونان‌بائیویچ، بڑی خوشی ھے کہ آپ آ گئے۔ آپ جانتے ھیں کہ استیپیوں میں ایک آپ ھی تو ھیں جس سے میں کچھ باتیں کر سکتا ھوں۔"

اسے مشترکہ احباب کے متعلق جو کچھ معلوم تھا ابائی کو خوشی خوشی بتایا اور پیٹربرگ کے اخبارات و رسائل میں شائع ھونےوالے دلچسپ‌ترین مضامین کے سلسلے میں بھی معلومات فراھم کیں۔ ان کی بات‌چیت میں لال لال چہرےوالے فربہ‌اندام پولیس‌والے کی آمد سے خلل پڑ گیا جو اندر داخل ھوکے اٹنشن کھڑا ھو گیا۔

"یور ایکسیلینسی، کوک‌پائے جنانائیف حاضر ھے! اجازت ھو تو اندر لے آؤں؟"

"ھاں، لے آئیے۔"

ایک طویل قامت، چوڑے چکلے شانوں‌والے نوجوان بانکے کو باھری خیمے سے اندر لایا گیا۔ ابائی کو اس کی چمکتی ھوئی پیشانی، بڑی بڑی بھوری آنکھوں کی پرجوش کیفیت اور طوطے کی ناک کی طرح ذرا سی مڑی ھوئی ناک پسند آئی۔ اسے اس نوجوان کی بھاری، حلق سے تلفظ ادا کرنےوالی آواز خاص طور سے پسند آئی جبکہ اس نے روسی زبان میں کہا:

"دن بخیر، اویاز!" اتنے میں اس نے ابائی کو دیکھا تو س کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور اس نے دل پر ھاتھ رکھتے ھوئے کہا: "السلام علیکم ابائی آغا!"

اس کے بعد کوک‌پائے کا مترجم اندر آیا۔

لوسووسکی نے پوچھ گچھ شروع کی تو ابائی کو اس کے متعلق تفصیلات معلوم ھوئیں: بیس سال کی عمر تھی اور حضرت کمالی کے مدرسے میں کئی سال سے تعلیم حاصل کر رھا تھا۔ کوک‌شے جرگے سے

تعلق رکھتا تھا اور موقیر وولوست کے حکمراں دوت‌بائے کا رشتےدار تھا۔

"جناتائیف" لوسووسکی نے اسے مخاطب کیا۔ "چھ کے چھ وولوست حکمرانوں نے جن میں تمہارے عزیز دوت‌بائے بھی شامل ہیں، آج تصدیق کی ہے کہ تم نے جو کاغذات پیش کئے ہیں وہ جعلی ہیں۔ ہمیں روسی قوانین کو تو فی‌الحال زیر بحث ہی نہ لانا چاہئے۔ تم ایک اسلامی مدرسے میں زیر تعلیم ہو نا؟ شریعت کے بموجب دروغ‌گوئی کی کیا سزا دی جانی چاہئے؟ تم ابھی نوجوان ہو لیکن ابھی سے غلط راستے پر لگ جاؤگے تو آخر تمہارا انجام کیا ہوگا؟ سچ کہہ رہا ہوں، میں تمہاری طرف سے خاصا فکرمند ہوں۔ جاہل تو ہو نہیں، اچھی طرح جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔ انجانے میں کوئی جرم سرزد ہو جائے تو نرم رویہ اپنایا جا سکتا ہے لیکن موجودہ معاملے میں جرم کی سزا دوگنی سخت ہونی چاہئے۔ تمہیں اپنے دفاع میں کچھ کہنا ہے؟"

مترجم نے ان باتوں کا ترجمہ جیسے ہی پورا کیا، کوک‌پائے نے یوں حلق صاف کیا جیسے گانے کی تیاری کر رہا ہو۔ ابائی کو یاد آیا کہ چند سال قبل اس نے کسی سے سنا تھا کہ نوجوان اچھا مغنی ہے۔ کوک‌پائے کبھی لوسووسکی کی طرف دیکھتا تھا کبھی ابائی کی طرف اور گھبراہٹ میں اس کا چہرہ سرخ پھر پیلا سا پڑ گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ مجھ سے زبردست تقصیر ہوئی ہے لیکن مجھے وضاحت کرنے کا موقع دیجئے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ آپ کے فیصلے کو میں مناسب سزا کے طور پر قبول کر لوں‌گا۔"

"اچھا تو بتاؤ پھر کہ کیوں کیا؟"

"ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہوکے۔ میں ایک کمزور قبیلے کوک‌شے کا ایک غریب آدمی ہوں۔ ہمارے پڑوس میں ایک طرف طاقتور مامائے قبیلے کا علاقہ ہے اور دوسری طرف ایک دوسرے امیر قبیلے توبیق‌تی کا۔ بہترین زمینیں ان دونوں قبائل کی ملکیت ہیں اور ہم لوگ باقانس دریا کے کنارے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کی لمبائی آدمی کی زبان سے زیادہ نہیں۔ ہاں، تو اس دریا کے کنارے پر تھوڑی سی جگہ میں اس بھیڑ بھاڑ کے ساتھ آباد ہیں جیسے پن‌کشن میں پن ٹھنسے ہوئے ہوں۔ بالقی‌بیک ہم سے بہت ہی قریب

واقع ہے۔ سیبان. کیرئیی اور توبیق‌تی کی بہ‌نسبت ہم سے کہیں زیادہ قریب واقع ہے۔ یہ وادی اور اس کی وسیع چراگاہیں بےکار پڑی رہتی ہیں۔ یہاں یہ طویل دریا بھی واقع ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ جگہ ہمارے یہاں سے بہت ہی قریب واقع ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے قبائلی رشتےداروں کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ میرا بیان جھوٹا ہے۔ میری اپیل پر کسی وولوست حکمراں نے اپنی مہر نہیں لگائی۔ اور لگاتا بھی کیوں؟ انہیں رشوت دینے کے لئے میرے پاس کچھ بھی‌تو نہیں۔ میرے رشتےدار طاقتور نہیں ہیں اور حکمرانوں کو ان کی طرفداری کرکے کوئی فائدہ حاصل ہونے سے رہا۔ وہ کبھی بھی راضی نہ ہوتے اس لئے میں نے خود ہی وہ بیان تیار کر لیا لیکن خود کو دولت‌مند بنانے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنے غریب رشتےداروں کے مفاد میں۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں، میں ہر سزا قبول کرنے کو تیار ہوں۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیں‌گے تو... میرا دل ہمیشہ آپ کا احسان‌مند رہےگا۔"

ابائی بہت غور سے سن رہا تھا تاکہ مترجم اس کے الفاظ کو توڑ مروڑکے نہ پیش کرے۔ نوجوان کی شائستگی، بےباکی اور پروقار رویے نے ابائی کو بہت متاثر کیا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ ضرورت پڑےگی تو وہ اس کی سفارش کرےگا۔ لوسووسکی کو اکثر عرضداشت پیش کرنےوالوں سے سابقہ پڑتا رہتا تھا اور اس کی تجربےکار آنکھیں ایک نظر دیکھکے ہی لوگوں کو پہچان لیتی تھیں، سمجھ جاتی تھیں وہ کیسے ہیں۔ اسے فوری طور پر یہ نوجوان بانکا پسند آیا اور اس نے ابائی کے خیالات کو بھانپتے ہوئے ذرا مزاحیہ انداز میں کہا:

"صرف جعل‌سازی ہی نہیں جناتائیف خود اپنی وکالت کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیوں بھئی ابراہیم قونان‌بائیوبچ، آپ کے خیال میں اس نے یہ جرم انہی اسباب سے کیا ہے جو بیان کئے ہیں؟"

ابائی کو خوشی ہوئی کہ لوسووسکی نے اسے مخاطب کیا کیونکہ ویسے اس کے لئے سرکاری تفتیش میں مداخلت کرنا بڑی بھونڈی اور بےتکی بات ہوتی۔ اس نے لوسووسکی کو شکرگزار مسکراہٹ سے دیکھا۔

"مہریں تو بےشک جعلی ہیں لیکن جو صفائی پیش کی گئی ہے وہ بالکل سچی ہے۔ مجھے اس کی صداقت کا پورا یقین ہے اور میں تصدیق کرنے کو تیار ہوں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ جائز طریقوں سے انصاف حاصل کرنے کے بجائے جرم کا ارتکاب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔"

"اس عمر ہی سے اگر اس نوجوان نے ایسی حرکتیں شروع کر دیں تو اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"ظاہر ہے کہ انجام برا ہوگا اور اپنی ذہانت کے ساتھ یہ دوسرے مردوں کی بہ‌نسبت زیادہ خطرناک مجرم ثابت ہوگا۔"

"بالکل سچ ہے۔ اور عوام کو اس بانکے سے محفوظ رکھا جانا چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ ہمیں اسے سزا دینی ہوگی۔"

"جی ہاں، میں بھی یہی سمجھتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ اسے کافی سزا مل چکی ہے۔ جیل کی طرف سے نہیں، خود اس کے ضمیر کی طرف سے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس نے جو کچھ کیا ہے اس سے وہ سخت اذیت میں مبتلا ہے۔ اب ذرا اسے دیکھئے تو۔"

لوسووسکی نے ہنستے ہوئے کوک‌پائے کو دیکھا جو مجسم ندامت بنا ہوا تھا۔

"تو آپ اس کے ضمیر کی طرف سے اتنے زیادہ مطمئن ہیں کہ اس کی ضمانت لے لیں گے، بتائیے نا؟"

کوک‌پائے نے اچانک ابائی سے قزاخی میں باتیں شروع کر دیں۔

"ابائی آغا، آپ جانتے ہیں کہ سچا بانکا شاذ و نادر ہی قسم کھاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ صحیح معنوں میں آدمی بننے کی کوشش کی ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ایک حقیقت ہے۔ مجھے بہت کم روسی آتی ہے لیکن آپ کے الفاظ کا مفہوم سمجھ گیا ہوں۔ جی ہاں، واقعی میں بےحد نادم ہوں۔ مہربانی کرکے میری ضمانت کر لیجئے۔ میں قسم کھاکے کہتا ہوں کہ مرتے دم تک آپ کا مقروض رہوں گا۔"

ابائی اس کی اس بات سے بہت متاثر ہوا۔

"میرے محترم حاکم اعلا" اس نے تیزی سے لوسووسکی کی طرف

مڑتے ہوئے کہا۔ "اس بانکے نے قسم کھا لی ہے اور میں اس کی طرف سے ضمانت دینے کو تیار ہوں۔ اسے معاف کر دیجئے اور آئندہ کوئی نامناسب بات کرے تو مجھے ذمےدار سمجھئےگا۔"

"اچھا تو جناتائیف، میری بات سنو" لوسووسکی نے بڑی سنجیدگی سے، اپنے ایک ایک لفظ سے اسے متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تم صحیح راستے سے بھٹک نہ جاؤگے تو بہت ممکن ہے کہ بڑے ہوکر اچھے اور کارآمد آدمی بن جاؤ۔ تم تباہی کے کگارے پر کھڑے تھے، اس بات کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ صحیح معنوں میں بانکے بننے کی کوشش کرنا اور ابراہیم قونانبائیویچ کے مشورے پر عمل کرنا جنہوں نے تمہارے نیک چال چلن کی ضمانت دی ہے۔ وہ آن بانوالے آدمی ہیں اور اگر تم بھی آن بان کے مالک ہو تو یہ جرم تمہارا پہلا اور آخری جرم ہونا چاہئے۔"

اس کے بعد لوسووسکی نے جعلی کاغذات کو پھاڑکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

باہر کھڑے ہوئے لوگوں کو پہلے سے کہیں زیادہ حیرت ہوئی۔

"ابائی نے مجھے موت کے چنگل سے رہا کرا دیا ہے۔ میں ابائی آغا کو مرتے دم تک کبھی بھی فراموش نہ کر سکوںگا!" نوجوان خیمے سے باہر نکلکے چلایا۔

ابائی وہیں بیٹھا رات گئے تک لوسووسکی سے باتیں کرتا رہا۔

باہر نکلا تو اس نے کوکپائے کو اپنا منتظر پایا اور اسے اپنے ساتھ لےکے اوسپان کے خیمے کو چلا گیا۔

وولوست حکمراں اس بات پر عش عش کرتے ہوئے جا چکے تھے کہ ابائی نے جانے کیسے معجزنما انداز سے اویاز کے اوپر اپنا سکہ جما لیا ہے۔

"جیل کی دہلیز پر سے کسی شخص کو کھینچکے رہا کرا لینا، کوئی معمولی بات تھوڑی ہے! ارے بھئی، کوئی ایسی بات نہیں جو ابائی کے بس سے باہر ہو" ان لوگوں نے کہا۔

وہ لوگ رات بھر بیٹھے جیسا کہ ایک قزاخ کہاوت ہے: "پرچھائیں کے نمونے کا لبادہ کاٹنے کی کوشش" کرتے رہے۔ بالقیبیک کے خیموں سے قیاسآرائیاں کچھ اس طرح اڑیں جیسے خوفزدہ ہو جانےوالی چڑیوں کا جھنڈ زمین سے اڑتا ہے۔

اگلی صبح کو سب لوگ اکٹھا ہوئے تو اتکامنیروں، بایوں، وولوست حکمرانوں یہاں تک که ان کے پیغام رسانوں اور نوکروں تک کے قبائلی رقابت کے جذبات میں ابال آ گیا۔

"صدارت کرنے والا بائے کون ہوگا؟"

"دو اضلاع ہیں اور دو اویاز، بھلا لوگ کس کا انتخاب کریں گے؟"

"کہا جا رہا ہے که اویازوں نے یه کام قبائلی سرداروں کو سونپ دیا ہے۔"

"تو بھئی، جس قبیلے سے صدارت کرنے کے لئے بائے چنا جائے گا اسے تو سمجھو که بڑا تر نواله کھانے کو ملے گا۔ اس بار کس کی قسمت کا ستاره چمکے گا، توبیق‌تی کا که سیبان، کیرئیی یا اوواق کا؟"

"توبیق‌تی لوگ ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ انہی کو یه اعزاز ملے گا!"

ابائی اور اس کے ساتھی اس روز صبح کو دیر سے بیدار ہوئے۔ انہیں کاہے کی فکر ہوتی۔ ان کا نه کوئی مقدمه زیرسماعت آنے کو تھا نه عرضداشت۔ وہ تو بس متجسس تماشائی تھے۔ وہ لوگ دوپہر کو خیمے سے نکلے اور اجتماع کو جا رہے تھے تو بائے کوک‌شے اور کوک‌پائے بھی جو راستے میں مل گئے تھے، ساتھ ہو لئے۔

اعلا افسروں کے خیمے کے قریب وولوست حکمراں منڈلاتے نظر آئے جنہیں دیکھ‌کر ابائی کو یاد آیا که گزشته رات یه لوگ باہر کھڑے ہوئے کس طرح جھانک جھانک کے اسے اور لوسووسکی کو دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ان لوگوں کا مذاق اڑانے کے سلسلے میں جو الفاظ اس کے ذہن میں کروٹیں لینے لگے تھے وہ اب ہونٹوں پر آنے کے لئے بےتاب ہو گئے۔ چنانچه اس نے ان لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کی طرف اپنے کوڑے سے اشاره کرتے ہوئے کہنا شروع کیا:

وہ پیغامبر، جان گھوڑے کی لیتا ہوا آ رہا ہے
بری طرح سے ہانپ‌کر حکم دیتا ہے، چلا رہا ہے:
"اویاز آ رہے ہیں! یہاں ایک جلسه بہت جلد ہوگا"

چلو اپنے اونٹوں کو ھانکو، کرو ذبح تم اپنی بھیڑیں
سلیقے سے خیمے لگانا، خبردار ھرگز نہ سونا!"

بائےکوک‌شے، یربول اور کوک‌پائے نے زوردار قہقہہ لگایا جس میں دوسرے لوگ بھی شامل ھو گئے۔ بائےکوک‌شے نے اپنے گھوڑے کو کوڑا رسید کیا اور جھپٹ کے ابائی کے بغل میں آ گیا۔

"جاری رکھئے، جاری رکھئے! ھاں تو وولوست حکمراں کیا کہتا ھے؟"

ابائی نے اس کے جواب میں یہ مصرعے پڑھے:

کھپاتا ھوں لوگوں کی خدمت میں دن رات میں جان اپنی
زبان شہد کی جیسی شیریں، کبھی بھی نہیں خشک ھوتی
ارادہ ھے میرا کہ میں آج کھل‌کر خوشامد کروں‌گا
خدا نے جو چاھا تو میں چال اپنی دکھاکر رھوں‌گا
بڑے بھولے بھالے ھیں، آسان ھے ان کو الو بنانا
میں اچھی طرح جانتا ھوں انہیں انگلیوں پر نچانا
ھوں تنہا اویاز اور حاصل ھو ان کی نگاہ عنایت
تو جھوٹا مقدمہ بنانے میں مجھ کو بھلا کیا ھو زحمت

اس نے ھنستے ھوئے، اشعار کا سلسلہ ختم کیا۔

کوک‌پائے اشعار سے گہرا لگاؤ رکھتا تھا اور اسے خود بھی سیدھے سادے مختصر طنزیہ گیت کہنے میں مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے مصرعوں کا اضافہ کیا:

میں سونے کی مانند رکھتا ھوں رازوں کو اپنے چھپاکر
میں لوٹا ھوا مال قبضے میں رکھتا ھوں سب سے بچاکر
مری دشمنی کرکے کوئی نہ لے مول اپنی مصیبت
کوئی بھی نہ ھرگز کرے میری توھین کرنے کی ھمت

"واہ کوک‌پائے، الحمدللہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم محض مغنی ھی نہیں، شاعر بھی ھو" ابائی نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ آپ شاعر ہیں!" کوک‌پائے ہنس پڑا۔

ابائی کے دوستوں نے اسے گھیر لیا اور مزید اشعار کی فرمائش کی لیکن وہ اعلا افسروں کے خیموں کے قریب پہنچنے کو تھے کہ کسی کے پکارنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کچھ معمر افراد گھاس پر ایک دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور تکےجان انٰ کے درمیان کھڑا ہوا ٹوپی ہلا ہلاکے ان لوگوں کو اشارہ کر رہا تھا۔ یہ لوگ ان کے پاس چلے گئے اور بیٹھے ہوئے افراد کو سلام کیا۔

"بھئی ابائی اور اصیل‌بیک، تم دونوں اپنے گھوڑے بانکوں کے حوالے کرکے یہاں ٹھہر جاؤ" تکےجان نے جو اب بھی کھڑا ہوا تھا، کہا۔ "ہم لوگ توبیق‌تی قبیلے کے بڑے بوڑھوں کا مشاورتی جلسہ کر رہے ہیں اور ایک خاص معاملے میں تمہاری رائے بھی معلوم کرنا چاہیں گے۔"

ابائی نے گھوڑے سے اترکے لگام اپنے دوستوں کو تھما دی جو وہاں سے چلے گئے۔

"اچھا گھوڑا اپنی قوت اور صلاحیت کا ثبوت کسی دوڑ کے آغاز میں نہیں بلکہ آخری مرحلے پر دیتا ہے" بائےغلاق نے جو وہاں موجود افراد میں سب سے معمر تھا، کہا۔ "ہماری ابتدا بڑی شاندار تھی اور آج توبیق‌تی قبیلے کا ستارہ اتنی بلندیوں پر پہنچ چکا ہے کہ ہم چاند کو تقریباً چھو رہے ہیں۔ اب ہمیں صدارت کرنےوالے بائے کا انتخاب کرنے کا اعزاز ملا ہے کیونکہ دوسرے تینوں قبائل اس معاملے میں اس حقیقت کی بنا پر ہمارے حق میں دست‌بردار ہو گئے ہیں کہ ہم لوگ سب سے بڑے بھائی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں اپنے وولوست حکمرانوں تکےجان، اسحاق اور شوبار کا کا شکرگزار ہونا چاہئے کیونکہ اعلا افسروں کی کانفرنس میں انہی کی کوشش سے ہمیں یہ اعلا اعزاز نصیب ہوا ہے۔ توبیق‌تی قبیلے کے ہم بڑے بوڑھے صلاح مشورے کے لئے یہاں اکٹھا ہوئے ہیں۔ صدارت کرنےوالے بائے کو کل اپنا عہدہ سنبھالنا ہے۔ ہمیں ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہئے جس کی سب عزت کرتے ہوں۔ ہم جسے منتخب کریں گے اس کے نام کی منظوری اویازوں کو دینی ہی ہوگی۔ ہمیں اپنے قبیلے کی نیک‌نامی برقرار رکھنی چاہئے اور اپنے لوگوں میں

سے ایسے شخص کو تلاش کرنا چاھئے جو اس عہدے کا اھل ھو۔ خدا اس پر نعمتوں کی بارش کرے۔ آمین۔ بھئی ابائی، سرکاری ذمےداران تمہاری بڑی عزت کرتے ھیں اور ھمیں امید ھے کہ تم اویاز کے پاس جاکے اس شخص کا نام بتا دوگے جسے ھم منتخب کریں‌گے۔ اچھا تو عزیزو اور دوستو، وہ آدمی کون ھوگا؟"

ابائی جانتا تھا کہ ان میں سے ھر ایک دوسرے پر نگاہ رکھے ھوئے چوکسی کے ساتھ اپنے موقعے کا منتظر ھے۔ اس کو ان لوگوں پر ھنسی آ رھی تھی۔ ان کی خاموشی تھی کہ کسی طرح ختم ھی نہیں ھو رھی تھی۔ آخر اس نے خود ھی بات شروع کی:

"اچھا بھئی عزیزو، خدا نے ھمیں ایسا اعزاز عطا کیا ھے تو اس طرح جھجکنے کی کیا ضرورت ھے؟ جس کے ذھن میں جو بات ھو کہے ورنہ توبیق‌تی کے قسمت کے ستارے اور قبیلے کی نیک‌نامی کی یہ ساری باتیں محض کھوکھلے الفاظ معلوم ھوں‌گی۔ آخر کسی کا نام کیوں نہیں لیا جاتا؟"

اس نے کھڑے ھوکے کولھوں پر ھاتھ رکھے، شانوں کو ذرا پیچھے کی طرف جھکایا اور دھیرے دھیرے ایک ایک شخص پر نگاہ ڈالی۔ اب بھی کسی کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ ان لوگوں کو بخوبی علم تھا کہ خوش‌بیانی، تعلیم اور قانون کی جانکاری کے معاملے میں ابائی ان سے کہیں زیادہ برتر ھے۔ وہ اس سے جلتے بھی تھے، ڈرتے بھی تھے اور اس وقت اس کی آواز میں مذاق اڑانے کا جو انداز تھا وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ اس صورت حال کے مد نظر اتکامنیروں نے چپ چاپ بیٹھے رھنے اور انتظار کرنے کو ترجیح دی۔ "آخر وہ کہنا کیا چاھتا ھے؟" ان لوگوں نے سوچا۔ "اس کی چال کیا ھے؟"

ابائی نے ان لوگوں کی خاموشی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

"میرے عزیز رشتےدارو، جو غلطیاں ھو چکی ھیں انہیں در گزر کیجئے" اس نے کہا۔ "ھمیں سچی بات فوراً ھی کہنی چاھئے! صدارتی بائے کا عہدہ محض اعزاز ھی نہیں اس سے زیادہ ھے۔ یہ ایک آزمائش ھے۔ آپ لوگ توبیق‌تی قبیلے کے اعزاز کے متعلق بہت کچھ کہہ چکے ھیں لیکن عوام کو صرف اسی ایک بات کی فکر تھوڑی ھے۔ صدارت کرنےوالے بائے کو آپ کے ذاتی اختلافات پر غور و خوض نہیں کرنا

کا حشر بہت خراب ہوا: پندرہ سال کی قید بامشقت۔ مجھے بس اتنا ہی معلوم ہے۔"

ابائی اس خبر سے اتنا پریشان ہوا کہ اچانک لوسووسکی کے خیمے سے نکل آیا، اسے الوداع کہنے تک کا خیال نہ رہا۔

اسے تکےجان، اسحاق اور ان دوسرے رشتےداروں کا خیال کرکے سخت اذیت پہنچی جنہوں نے بازارعلی کو سرکاری ذمےداروں کے حوالے کر دیا تھا اور اس کے خلاف جھوٹی شہادت دی تھی۔ وہ اپنے گرد و پیش سے بےخبر چلا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے بازارعلی کا چہرہ منڈلا رہا تھا۔ کتنا دشوار تھا اس بات کا تصور کرنا کہ بازارعلی جیسا پرجوش اور سرگرم آدمی زنجیروں میں جکڑا ہوا، ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھا جو نہ اس کی زبان سمجھ سکتے تھے نہ اس کے شاندار کردار کی قدر کر سکتے تھے۔ اس کے رخساروں پر آنسو بہہ نکلے اور اس نے غل غپاڑے والی بھیڑ بھاڑ سے دور نکل جانے کی کوشش کی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اسے مارتے مارتے بدن میں نیل ڈال دئے ہوں۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سن‌کر وہ چونک سا پڑا۔ یہ جیرین‌شے اور کونتو تھے جنہیں پتہ لگانے کے لئے بھیجا گیا تھا کہ لوسووسکی سے اس کی بات‌چیت میں کیا طے پایا ہے۔

"اصیل آغا کا نام منظور کر لیا گیا ہے۔ خدا کرے یہ نیک فال ثابت ہو! دوسروں کو بھی یہ خبر بتا دینا" اس نے کہا۔

"ہم تمہارے انصاف کے لئے شکرگزار ہیں۔ خدا تمہیں خوش‌قسمتی عطا فرمائے!" جیرین‌شے نے کہا۔ "تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں بلکہ جیسا کہ تم نے اکثر کہا ہے "عوام کے بیٹے" ہو" جیرین‌شے ہنس پڑا اور اس کی آنکھیں کچھ سکڑ سی گئیں۔ "تمہاری شہرت استیپیوں کے سارے علاقے میں پھیل جائےگی۔ تم صدارت کرنےوالے بائے نہیں ہو لیکن تم نے چار قبیلوں کے اجتماع میں بائے کا انتخاب کیا ہے۔ ارغیزبایوں کو برا لگا ہو تو لگتا رہے۔ ان لوگوں کو تو جیسے احساس ہی نہیں کہ انہیں جو کچھ ملا ہے تمہاری بدولت ملا ہے۔ کونتو کو اصیل‌بیک کے خوش‌قسمت ثابت ہونے کی خوشی ہے اور میں تمہاری وجہ سے خوش ہوں!"

اس نے گرمجوشی سے ابائی کے ہاتھ تھام لئے جس کے رد عمل

کے طور پر ابائی مسکرانے لگا لیکن اس کی دل‌شکستگی پہلے کی طرح اب بھی برقرار تھی۔

"ارے جیرین‌شے! مجھے اس کی کیا پروا؟ اویاز کے خیمے میں دراصل ایک تیر میرے کلیجے کے پار ہو گیا ھے۔ میرا بازارعلی کہاں گیا؟ مجھے امید تھی کہ میں لوسووسکی کے ذریعے اس کی مدد کر سکوں‌گا لیکن آج نہ پوچھو کہ کیسی اندوہ‌ناک خبر سنی۔ بازارعلی کو اومسک بھیجا گیا ھے بعد میں اسے پندرہ سال کی قید بامشقت جھیلنے کے لئے جیل بھیج دیا جائےگا۔ میری ساری امیدیں خاک میں مل گئیں!"

جیرین‌شے یہ خبر سن‌کے بدحواس ہو گیا۔

ابائی اسی طرح چلتا گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ لوسووسکی تک بےبس ھے تو خود اس کے اس معاملے میں کچھ کر سکنے کا سوال ھی نہیں اٹھتا تھا پھر اس نے سوچا کہ کیا لوسووسکی واقعی بےبس ھے؟ اچانک اسے یاد آیا کہ بازارعلی کے متعلق باتیں کرتے وقت لوسووسکی کا لہجہ بےحد خشک تھا۔ صاف ظاھر تھا کہ وہ اس معاملے سے بری‌الذمہ ھونا چاھتا ھے۔ ابائی کو لوسووسکی کے متعلق میخائلوف کے الفاظ یاد آئے: "کسی سنگین معاملے کے سلسلے میں اس پر بھروسہ کرنے کی کوشش کیجئے تو اس کی اصلیت واضح ھو جائےگی۔" کتنی سچی بات تھی! لوسووسکی چاھتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا۔ کم از کم جھوٹی شہادت کی تو تردید کر ھی سکتا تھا، اس بات کی تصدیق تو کر ھی سکتا تھا کہ بازارعلی کا اورال‌بائے سے کوئی تعلق نہیں ھے۔ بےضرر قسم کے نوجوان کوک‌پائے کے لئے اس نے جو کچھ کیا تھا وہ بازارعلی کے لئے کرنے کو کسی بھی طرح تیار نہ تھا کیونکہ اسے شک تھا کہ بازارعلی سرکاری ذمےداروں اور افسرشاھی کا عام طور پر کٹر دشمن ھے۔ ھاں، یوگینی پیترووویچ کا خیال بالکل درست تھا۔ وہ زندگی کو بھی جانتا تھا عوام کو بھی!

اتنے میں پرمسرت چیخیں اس کے کانوں میں پڑیں۔

"ارے وہ کیا رھے۔ ابائی ھی تو ھیں، بالکل وھی ھیں!"

"آخرکار ھم لوگوں نے تمہیں ڈھونڈ ھی لیا، نور چشم!"

ابائی مڑا تو اس نے درکیم‌بائے اور دندی‌بائے کو تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا۔

اس نے فوری طور پر ان لوگوں کے معاملے کو نپٹانے کا فیصلہ کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ یرعلی میں ان کے پڑاؤ کے حالات راستے میں دریافت کئے۔

نیا چغا درکیم‌بائے کے چوڑے چکلے شانوں پر بہت زیب دے رہا تھا۔ وہ نئی ٹوپی بھی پہنے ہوئے تھا۔ دندی‌بائے گھر کا بنا ہوا اونٹ کے بال کا "بیش‌میت" اور میمنے کی کھال کی پرانی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ وہ درکیم‌بائے سے عمر میں کچھ بڑا تھا۔ دبلا پتلا، چہرے پر جھریاں، چھدری داڑھی کے اوپر رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی۔ اس کی کمر جھکنے لگی تھی۔ پسلیوں میں درد کی بھی شکایت رہتی تھی اور اس وقت وہ بمشکل دوسروں جیسی تیزرفتاری سے چل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ جن میں گھڑسواری کا کوڑا تھا، پیچھے کمر پر رکھے ہوئے تھے اور وہ درکیم‌بائے کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھنے میں کوئی بوڑھا سائیس معلوم ہو رہا تھا۔

ابائے انہیں اپنے ساتھ لےکے ارغیزبایوں کے ایک گروہ کے پاس پہنچا۔ وہ لوگ بھیڑ بھاڑ سے کچھ الگ تھلگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ گٹھے جسم کا میباسر بیچ میں بیٹھا ہوا اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا تھا جبکہ تکےجان، اسحاق، شوبار، آق‌بیردی اور دوسرے اتکامنیر اس کے دونوں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ ابائی کو برا بھلا کہہ رہے تھے کیونکہ اس نے اپنے قبائلی رشتےداروں میں سے کسی کو بھی صدر نہیں منتخب کیا تھا۔ ان کو حیرت تھی کہ خدا جانے اس نے بوکین‌شی جرگے کے اصیل‌بیک کو کیوں چنا۔ میباسر خاص طور سے سخت برہم تھا۔

ابائی دونوں بوڑھوں کے ساتھ ان لوگوں کے پاس پہنچا تو جاتقوں نے بڑے احترام کے ساتھ ارغیزبایوں کو سلام کیا اور مختلف قبائلی گروہوں کی خیریت معلوم کرنے کے سلسلے میں خوش‌اخلاقی سے سوالات پوچھے لیکن انہیں جوابات بڑی سردمہری کے ساتھ دئیے گئے کیونکہ ارغیزبائے قبائلی جانتے تھے کہ یہ وہی جاتق ہیں جو فصلوں کی تباہی کے معاوضے کے خواہاں تھے اور جاتقوں کا ان کے پاس لایا جانا کوئی اتفاق نہ تھا۔

ابائی نے کسی کو سلام نہ کیا حالانکہ وہاں کچھ ایسے افراد بھی موجود تھے جن سے ابھی تک اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

وہ ان لوگوں کے سامنے کمر پر ہاتھ رکھے، منہ میں سگریٹ دبائے ہوئے کھڑا، انہیں ایسی نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا جن میں سردمہری کی جھلک تھی اور جو بڑی چبھتی ہوئی تھیں۔

"تکےجان، اسحاق اور شوبار" اس نے سگریٹ منہ سے نکالتے ہوئے یہ نام اس انداز سے لئے جیسے کسی فہرست سے پڑھ رہا ہو۔ "تم تینوں میرے ساتھ آؤ، ہمیں کچھ باتیں کرنی ہیں۔" پھر اس نے دونوں بوڑھوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور مڑکے دیکھے بغیر ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

شوبار فوراً ہی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تکےجان اور اسحاق بھی طوعاً و کرہاً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ سن‌رسیدہ اشخاص درکیم‌بائے اور دندی‌بائے چالیس جاتق خاندانوں کی طرف سے یہاں آئے ہیں" سب لوگ ایک جگہ ڈھونڈکے بیٹھ گئے تو ابائی نے بغیر کسی تمہید کے کہنا شروع کیا۔ "میں کوپ‌جاتق گیا تھا جہاں میں نے ان لوگوں سے کہا کہ ان دونوں کو قبائلی اجتماع میں بھیج دیں۔ میں نے ان سے مدد کا وعدہ بھی کیا تھا۔ یہ لوگ آ گئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ تم تینوں وولوست حکمراں ان سے صلح صفائی کر لو۔ ہاں یہ نہ بھولنا کہ ان لوگوں کا مقدمہ یہاں پیش ہو گیا تو تم لوگ مدعا علیہ ہوگے۔"

ابائی کی تیز اور سخت نگاہوں نے ان لوگوں کو بدحواس سا کر دیا اور تکےجان اپنے بھائی کو قہرآلود نظروں سے دیکھتے ہوئے فورا ہی برس پڑا۔

"اچھا تو ہم لوگ مدعا علیہ ہو گئے؟ کیا تکےجان اور اسحاق نے ان کے پڑاؤ پر چھاپہ مارا تھا؟ تم تو خیر مجھے قصوروار ٹھہرانا ہی چاہوگے۔ تم انہیں مجھے ڈرانے کے لئے یہاں لائے ہو۔ ہونہہ، پرندوں کو ڈرانےوالے پتلوں جیسے یہ بدقطع افراد یقیناً مجھے خوف‌زدہ کر دیں گے!"

غصے کی شدت سے ابائی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"تکےجان بھائی، یہ سوانگ رچنے کی کوشش نہ کیجئے کہ آپ بڑے تیس‌مارخاں ہیں۔ یہ سچ سہی کہ یہ بوڑھے بدقطع ہیں، اچھے کپڑے نہیں پہنے ہوئے ہیں لیکن جہاں تک بری باتوں کا تعلق ہے تو ان سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے

وولوست حکمراں کے سچے فرائض سے آپ دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔"

"تو تمہارے خیال میں میں نے انہیں بھکاری بنا دیا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ھونہہ، کیا شاندار الزام لگایا ہے میرے اوپر!"

"لیکن میں تو ٹھیک اسی بات کا آپ پر الزام لگا رہا ہوں! اگر آپ ذاتی طور پر نہیں تو آپ کے داداجان اور ان کے بیٹے - میری مراد اباجان اور میباسر چچا سے ہے - مورد الزام ہیں۔ ان کے گھر میں یہ بوڑھے افراد جلانےوالی لکڑی کی طرح گئے تھے اور وہاں سے نکلے تو راکھ بن چکے تھے۔ ان کا خون چوسنے کے بعد انہیں نکال باھر کیا گیا۔ اس کے باوجود یہ لوگ ہیں تو آپ کے رشتےدار ہی۔"

غصے سے ابائی کا خون کھول رہا تھا اور عوام کے کلہاڑیاں سنبھال کے اٹھ کھڑے ہونے کی بات اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

"اس معاملے سے بچ کے نکل جانے کی کوشش نہ کیجئے" وہ چیخ پڑا۔ "اگر آپ چاروں قبائل کے سامنے ذلیل نہیں ہونا چاہتے تو اس مسئلے کو یہاں اور ابھی ابھی حل کر لیجئے۔ ورنہ مجھے جو کچھ کرنا ہے، کروں گا۔ ذرا جلدی کیجئے، مجھے آپ کا جواب درکار ہے!"

ابائی کی دھمکی کا مطلب یہ تھا کہ وہ سیدھا اویاز کے پاس جائے گا، یہ سوچ کے تکےجان خوف‌زدہ ہو گیا۔ اسحاق بھی خاموش تھا، نظریں نیچی کئے بیٹھا تھا۔ درکیم‌بائے کو دیکھتے ہی اسے ان سات گھوڑوں کی یاد آ گئی تھی جنہیں اس نے جاتقوں کو واپس نہیں کیا تھا۔ اسے یہ سوچ کے پریشانی ہو رہی تھی کہ ابائی اس بات کا بھی تذکرہ کر سکتا ہے۔ اب وہ ابائی کو کسی حد تک احترام کے ساتھ اور کسی حد تک خوف سے، سرکاری ذمےداروں کا نمائندہ تصور کرنے کو تیار تھا۔ اس نے شوبار کو توقع بھری نگاہوں سے دیکھا۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جس کی بات ابائی سن سکتا تھا۔

"اچھا تو بھئی رشتےدارو، آپ لوگ کس بات کی شکایت کرنے آئے ہیں؟" شوبار نے بوڑھوں سے پوچھا۔ "اب جبکہ حجاب ٹوٹ چکا ہے آپ لوگ خود اپنے معاملے کا تذکرہ کر سکتے ہیں۔"

"میری آنکھوں کے نور، بیٹے، بات یہ ہے کہ ہم لڑنا جھگڑنا نہیں پسند کرتے" درکیم‌بائے نے جسارت اور اعتماد کے ساتھ کہنا شروع

کیا۔ "اور ہم میں اس کی طاقت بھی نہیں ہے۔ ہم ابائی کے ذریعے کوئی چیز تم سے اینٹھ لینا نہیں چاہتے۔ ہم تو صرف اپنی خون پسینے کی کمائی واپس لینا چاہتے ہیں۔ یہاں ہم لوگ دو شکایات لےکے آئے ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ گزشتہ موسم خزاں میں تکےجان اور میباسر کے اور میرے عزیز شوبار، تمہارے بھی مویشیوں نے گیہوں کے پانچ کھیت جن میں فصل تقریباً تیار تھی، روند ڈالے۔ تم لوگوں کے مویشی ان کھیتوں میں چار دن تک چرتے رہے اور ایک دانا بھی ہمارے ہاتھ نہ لگ سکا۔ اس سال بھی تم لوگوں کے گھوڑوں نے گیہوں کے نئے اگے ہوئے پودوں کو اس بری طرح روندا کہ سیاہ مٹی کے سوا کھیتوں میں کچھ باقی نہ رہا۔ عزیز رشتےدارو، تم خود تصور کر سکتے ہو کہ غم و اندوہ سے ہماری کیا حالت ہوئی ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے عزیز اسحاق، تمہارے قزل ملا وولوست میں اھیمبیت نام کا چوروں کا ایک اڈہ ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے سات گھوڑے چوری کر لئے ہیں۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے ہم نے چوروں کا پتہ لگا لیا لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ محض طول طویل خطبازی اور کچھ دوسرے خفیہ نوعیت کے لین دین۔ خیر گزشتہ را صلوات۔ مختصراً یہ کہ ہم لوگ اپنے گھوڑے واپس لینے کے لئے گئے اور آنسو بہاتے ہوئے لوٹ آئے۔ تو میرے لائق و قابل وولوست حکمرانو، مجھے بس اتنا ہی کہنا ہے۔ ہم لوگ ابائی سے شکایت نہ کرتے تو اور کس سے کرتے؟ اس اجتماع میں فریاد کرنے نہ آتے تو اور کہاں جاتے؟"

تکےجان غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا لیکن ابائی کی موجودگی میں ان جاتقوں پر ٹوٹ پڑنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی اس لئے وہ انہیں بس کھا جانےوالی نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔

شوبار کو فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ معاملہ بایوں یا سرکاری ذمےداروں کے سامنے پیش ہوا تو وہ تینوں وولوست حکمراں چکر میں پڑ جائیں گے اور ابائی کو کوئی روک نہ سکے گا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آج تو آپ لوگ چٹان جیسی مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہیں!" اس نے مذاق کے انداز میں ہنستے ہوئے کہا جیسے قریبی پرانے دوستوں سے باتیں کر رہا ہو۔ "اس اجتماع میں ایسا اور کوئی بھی شخص موجود نہیں ہے جو قونانبائے کے بیٹوں پر اتنا

زیادہ دباؤ ڈالنے کی جرأت کر سکے۔ میں نے خود ہی آپ کے معاملے کی وکالت کرنے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ آپ کا تعلق میرے وولوست سے ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں کو میری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابائی آغا کی ذات میں آپ کو ایک طاقتور محافظ مل گیا ہے۔ انہیں ایک طرف صدارت کرنےوالے بائے کی اور دوسری طرف اویاز کی حمایت حاصل ہے۔ اس طرح آپ کی باتیں ہماری باتوں کی بہ‌نسبت کہیں زیادہ تیزی سے ذمےداروں تک پہنچ جائیں‌گی جس کے بعد مصیبت آ جائےگی۔ بوڑھے لوگو، آپ واقعی بہت خوش‌قسمت ہیں۔ اس صورت حال میں ہمارے لئے بحث مباحثے کی کوئی گنجائش باقی نہیں اور ہمیں آپ سے صلح صفائی کرنی ہی ہوگی۔ میں نے آپ کی شکایت کا ذکر گزشتہ سال سنا تھا۔ بہرحال یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ایک خدا بھی ہے...“

شوبار نے معنی‌خیز نگاہوں سے تکےجان اور اسحاق کو دیکھا۔

”ہم لوگ ان کی محنت کے پھل نہیں ہتھیانا چاہتے، ٹھیک ہے نا بھائیو؟ ابائی آغا اپنا فیصلہ ہمیں بتا دیں اور یہ معاملہ ختم ہو جائےگا“ اس نے کہا۔

ابائی کو یہ بات پسند آئی کہ شوبار نے اتنی تیزی سے صورت حال کا اندازہ لگا لیا ہے۔ اس نے بات‌چیت کو ایک نیا موڑ دے دیا تھا اور اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس کی زبان خوب چلتی تھی۔ ”یہ لڑکا تکےجان اور اسحاق سے کہیں زیادہ عقل‌مند ہے حالانکہ عمر میں دونوں سے چھوٹا ہے“ اس نے سوچا۔ ”وہ بہت ترقی کرےگا لیکن کس سمت میں؟..“

دندی‌بائے جس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا، سمجھ گیا کہ شوبار، تکےجان کو ان لوگوں کا مطالبہ مان لینے، ابائی سے صلح کرنے اور قونان‌بائے کے بیٹوں کی آن کو برقرار رکھنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ ساری باتوں کو سنتے ہوئے تائید میں سر ہلاتا رہا۔

”بات‌چیت ختم ہو گئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھوڑے ہمارے گلوں کو واپس چلے جائیں‌گے“ اس نے حلق صاف کرنے کے بعد کہا۔ ”ہم تمہارے فیصلے سے مطمئن ہیں۔ تم نوجوان تو ضرور ہو لیکن تم نے جو کچھ کہا ہے وہی ہونا چاہئے۔“

"ٹھیک ھے، ابائی بھائی اپنا فیصلہ بتا دیں ھم ان کے حکم کی تعمیل کریں گے" اسحاق نے اعلان کیا۔

تکےجان نے محسوس کیا کہ ان دونوں کے راضی ھو جانے کے بعد بحث کرنا فضول ھی نہیں خطرناک بھی ھوگا۔ "ابائی سرکاری ذمےداروں سے اتنا زیادہ قریب ھے کہ اس کی طرف سے کسی بھی لمحے خطرہ لاحق ھو سکتا ھے" اس نے ابائی کے بولنے کا انتظار کرتے ھوئے سوچا۔

ابائی کے فیصلے کے بموجب ھر کھیت کی فصل کے معاوضے میں جاتقوں کو دو پانچ سالہ گھوڑے یعنی دو سال کی پانچ کھیتوں کی فصل کے عوض جسے برباد کر دیا گیا تھا مجموعی طور پر بیس گھوڑے ملنے تھے۔ چوری جانےوالے سات گھوڑوں کے بدلے میں ان بچوں کا خیال رکھتے ھوئے جو اس دوران پیدا ھوئے ھوتے، "پوری قیمت"* کے مزید دس مویشی ملنے تھے۔

بوڑھے حیران و ششدر رہ گئے اور دل ھی دل میں دعا مانگنے لگے کہ ابائی اس فیصلے پر عملدرآمد بھی کرا دے۔ وولوست حکمران بھی خاموش تھے۔ اس فیصلے پر جس کو وہ پہلے ھی سے تسلیم کر چکے تھے، اعتراض کرنے کا مطلب عام رواج کی خلاف‌ورزی کرنا ھوتا۔

ابائی نے کچھ ایسا تاثر دیا جیسے اسے ان لوگوں کے غصے کی خبر ھی نہ ھو۔

"اچھا تو فیصلہ کیا جا چکا ھے" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "اب ھمیں جس چیز کا خیال کرنا ھے وہ یہ ھے کہ گھوڑے ان بوڑھوں کو واقعی مل بھی جائیں۔ تم لوگ اس وقت تو یہ ظاھر کر رھے ھو کہ فیصلے سے متفق ھو لیکن میں جانتا ھوں کہ یہاں اس قبائلی جلسے کے ختم ھو جانے کے بعد اس سے بچ نکلنے کی کوشش کروگے۔ اس کی روک تھام کے لئے میں یہ چاھتا ھوں کہ تم وہ تیسوں گھوڑے انہیں تین دن کے اندر دے دو۔ تمہارے پاس تمہارے احکام پر عمل کرنے کے لئے کافی تعداد میں پیغام رساں موجود ھیں۔ ان کو بھیج کے گھوڑے یہاں منگوا لو۔ یہ گھوڑے میری موجودگی میں

---

* "پوری قیمت کا مویشی" — ایک طاقتور صحت‌مند گھوڑا یا بچھیڑے سمیت گھوڑی یا بچھیڑے سمیت گائے۔

ان لوگوں کے سپرد کئے جانے چاھئیں۔ اس کے بعد یہ خیال کیا جائے گا کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ میری بات واضح ہو گئی نا؟"

"ھاں" ان تینوں نے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے کچھ یوں کہا کہ جیسے یہ لفظ بڑی مشکل سے زبان پر آیا ھو۔

ابائی نے کھڑے ھوکے سگریٹ سلگائی اور دونوں بوڑھوں کے ساتھ چل دیا۔

پانچ سالہ تیس گھوڑے تین دن کے اندر ھی لاکے ابائی کی موجودگی میں بوڑھوں کو دے دئے گئے۔

دندی‌بائے اور درکیم‌بائے خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

"ھمارے جیسے نقصان کے لئے عموماً جو معاوضہ دیا جاتا ھے اس سے یہ کہیں زیادہ ھے، دلھن کے عوض میں دی جانےوالی رقم سے بھی زیادہ۔ یہ تو قتل کے معاوضے کے برابر ھے۔"

"جاتقوں کو کبھی اتنا زیادہ معاوضہ نہیں ملا تھا۔ خدا ابائی کو عمر بھر خوش رکھے!"

لیکن دلوں میں کچھ اندیشے بھی پیدا ھو رھے تھے جن کا اظہار پہلے دندی‌بائے نے کیا جو محتاط رویہ اختیار کرنےوالا آدمی تھا۔

"ابائی‌جان، ان لوگوں سے گھوڑے تو تم نے دلا دئے" اس نے گھبراھٹ اور ندامت سے پلک جھپکاتے ہوئے کہا۔ "لیکن کہیں ایسا نہ ھو کہ گھوڑے وولوست حکمرانوں کے پاس واپس پہنچ جائیں۔ خوف سے میرا دماغ اسی فکر میں پریشان ھے۔ ھم ان گھوڑوں کو لےکے گھر تک جا ھی نہ پائیں گے۔ استیپیوں سے ھوکے گزرنے کا بڑا طویل سفر ھے۔ اور راستے میں دو بوڑھوں کو لوٹ لینا اور الزام چوروں کے سر تھوپنا کوئی مشکل بات نہ ھوگی۔"

درکیم‌بائے جو باھمت آدمی تھا خطرے کے مقابلے کو تیار تھا۔

"ارے دندی‌بائے، اس طرح کی بات کاھے کو کرتے ھو، بھائی؟ ھمیں ڈر کس چیز کا؟ ھم لوگ کچھ ساتھی تلاش کر لیں گے اور گھوڑوں کو بہ‌حفاظت گھر تک ھانک لے جائیں گے۔"

لیکن ابائی کو بھی اس سلسلے میں اندیشے تھے اور اس نے فوراً ھی بائے‌مغم‌بیت کو طلب کیا۔

"دیکھو تم ان بوڑھوں کے ساتھ جاؤگے" اس نے کہا۔ "گھوڑوں کو ھنکاتے ہوئے پہلے بائےقوش‌قار میں ھمارے پڑاؤ پر جانا اور وھاں

ایک دو روز آرام کر لینا۔ آئی‌گیریم سے میری طرف سے کہنا کہ وہ ان بڑے بوڑھوں کے آرام کا زیادہ سے زیادہ خیال کریں اور تم کو میرا پستول دے دیں۔ میں اسے بڑےوالے صندوق میں رکھتا ہوں۔ اپنے لئے کوئی اچھا سا گھوڑا منتخب کر لینا اور یرعلی تک گھوڑے پہنچانے میں ان لوگوں کی مدد کرنا۔ میرے بوڑھے دوستو، راستے میں خدا تمہاری حفاظت کرے۔ اپنے پڑاؤ پر سب لوگوں سے میرا سلام کہنا۔"

اس مسئلے کے حل ہو جانے کے بعد ابائی یہاں سے واپس جا سکتا تھا لیکن اس نے ٹھہرکے جلسے کی کارروائی دیکھنے کو بہتر خیال کیا۔ اب ایک نہایت ہی پیچیدہ مقدمے کی سماعت شروع ہو چکی تھی جو "لڑکی صالحہ کا مقدمہ" کے نام سے مشہور تھا۔ یہ گزشتہ سال سے گھسٹتا چلا آ رہا تھا اور فریقین کے الزامات اور جوابی الزامات سے شیطان کی آنت کی طرح طول پکڑ گیا تھا۔

کیرئیی قبیلے کی صالحہ نام کی ایک لڑکی کی سیبان قبیلے کے ایک شخص سے منگنی ہوئی تھی جس کا گزشتہ سال انتقال ہو گیا تھا۔ لڑکےوالے دلھن کے عوض دی جانےوالی پوری رقم ادا کر چکے تھے اور دلھن چنانچہ سیبان قبائلیوں نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کی شادی مرنےوالے کے بڑے بھائی کے ساتھ ہونی چاہئے جس کی عمر ساٹھ سال کی تھی اور جو دو بیویوں کا شوہر تھا۔ صالحہ نے اس تجویز کی بڑی بہادری اور سرکشی کے ساتھ مخالفت کی تھی۔ اس نے کیرئیی کے سرداروں کو ایک خط اور اپنے رشتےداروں کے ذریعے ایک پیغام بھی بھیجا: "ہمیں اپنی آن بان سے ہاتھ نہ دھونا چاہئے! میں نے ہمیشہ آپ کا حکم مانا ہے۔ محترم کیرئیی سردارو، اپنی بیٹی کی جوانی کو آگ میں نہ جھونکئے۔ مجھے ایک ایسے شخص کی تیسری بیوی کی حیثیت سے اس کے حوالے نہ کیجئے جو میرے والد سے بھی زیادہ عمر کا ہے۔"

لڑکی کے دل کی اس پکار کی گونج دور دور تک پھیل گئی اور نوجوان افراد نے مداخلت کرنے کی ٹھان لی۔ "ہم اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتے" انہوں نے کہا۔ ایک بوڑھے مغنی شاعر نے "صالحہ کی فریاد اپنے رشتےداروں سے" کے عنوان سے ایک گیت بھی لکھ دیا جسے چاروں طرف لوگ گانے لگے۔ آخرکار لڑکی کے لئے اس عام ہمدردی کا

کیرئیی کے بڑے بوڑھوں پر بھی اثر ھوا اور طے پایا کہ دلھن کے عوض دی جانےوالی رقم واپس کرکے منگنی توڑ دی جائے۔ سیبان قبیلے میں یہ خبر پہنچی اور فسادی افراد نے آگ پر تیل چھڑکنا شروع کر دیا: "ارے قصہ یہ ھے کہ کیرئیی‌والے اپنی طاقت کا مظاھرہ کرکے ھمیں ذلیل کرنا چاھتے ھیں۔ ان لوگوں نے ھمارے آبا و اجداد تک کا مذاق اڑایا ھے۔ یہ بات تو سیبان قبیلے کے لئے نہایت توھین‌آمیز ھے" تمام مصالحتی کوششیں رائیگاں ثابت ھوئیں اور قبائلی جھگڑے کی نوبت آ گئی۔

جھگڑوں کا آغاز برف پگھلنے اور ابتدائی گھاس نمودار ھونے کے زمانے میں ھوا۔ دونوں قبائل نے ایک دوسرے کی بھیڑیں اور گھوڑے چوری کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور باھمی تصادموں میں پچاس سے زائد بانکے زخمی ھوئے۔ قبائلی اجتماع کے دوران بھی دونوں کے تعلقات پر امن نہ ھو سکے۔ چھاپے مارنے کا سلسلہ پورے عروج پر تھا اور ھر رات نیزوں سے مسلح حملہ‌آور عمدہ عمدہ گھوڑوں کو ھانک لے جاتے تھے۔ایسا لگتا تھا کہ دونوں کے درمیان زبردست لڑائی بس ھونے ھی والی ھے۔

قارقرالنسک اور سیمی‌پالاتنسک کے حکام اعلا کو جتنی بھی درخواستیں دی گئی تھیں ان سب سے یہ معاملہ اھم اور فوری توجہ کا طالب تھا کیونکہ صورت حال روز بہ روز سنگین سے سنگین‌تر ھوتی جا رھی تھی۔ بےشمار افراد ملوث تھے اور دونوں فریق آئے دن نئی درخواستیں دیتے رھتے تھے۔

دونوں اضلاع کے حکام اعلا کو کثیر تعداد میں اپیلیں موصول ھوئی تھیں جن میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ خود ھی کوئی فیصلہ کر دیں لیکن دونوں افسروں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اصیل‌بیک کا انتخاب بھی کیرئیی کو اپنے لئے سازگار نہیں معلوم ھو رھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ سیبان قبیلے سے بہت زیادہ قربت رکھتا ھے نیز یہ کہ اس کی بیوی گھوڑے چوری کرنےوالے قبائلی گروہ کے ایک خاندان سے تعلق رکھتی ھے۔ ٹھیک اسی وقت ابائی کی حیرت‌انگیز منصف‌مزاجی اور دیانت‌داری کی سارے بالقی‌بیک میں دھوم مچ گئی۔

اس اثنا میں ابائی جلسوں میں شرکت کرکے بابوں کے متعلق

اپنی رائے قائم کر رہا تھا۔ ایک روز اسے اویاز کے خیمے میں طلب کیا گیا جہاں اس نے صدارت کرنےوالے بائے اصیل‌بیک اور قارقرالنسک ضلعے کے حاکم اعلا کو بھی موجود پایا۔ بات‌چیت تھوڑی ھی دیر تک ھوئی جس کے دوران اصیل‌بیک نے ابائی کو بتایا کہ کیرئیی اور سیبان قبائل نے خواھش ظاھر کی ھے کہ وہ ثالث کے فرائض انجام دےکے ان کے لڑائی جھگڑے کا سلسلہ ختم کرا دے۔ ابائی نے خود کو اس بات سے مطمئن کرنے کے بعد کہ اس سے ثالث بننے کی درخواست حکام اعلا کے اشارے پر نہیں بلکہ دونوں قبائل کی مرضی سے کی گئی ھے، رضامندی ظاھر کر دی۔

دونوں اضلاع کے حکام اعلا بہت خوش ھوئے اور انھوں نے فوراً ھی اس کے ثالث بنائے جانے کی منظوری دے دی۔ اس کے بعد قارقرالنسک کے حاکم اعلا سینیتسین نے دو اپیلیں اس کے حوالے کیں جو لڑکی نے عربی رسم‌الخط میں لکھی تھیں۔ ابائی نے ان کا مطالعہ کیا لیکن فوری طور پر کوئی رائے نہ ظاھر کی۔

ابائی نے اسی روز فریقین کے تین تین نمائندے طلب کئے۔ سیبان کی نمائندگی کرنے کے لئے ان کا وولوست حکمراں جمعہ‌قان اور دو بڑے بوڑھے آئے۔ کیرئیی نے توئی‌سری کے علاوہ جو خود بھی وولوست حکمراں تھا، دو اتکامنیروں کو بھیجا۔ ابائی، جیرین‌شے اور اورازبائے نے ان لوگوں کا خیرمقدم کیا۔

"بھائیو، جہاں تک میں سمجھ سکتا ھوں، آپ کے جھگڑے نے کھلم کھلا کشیدگی کی صورت اختیار کر لی ھے" ابائی نے کہا۔ "نوبت یہاں تک پہنچ چکی ھے کہ آپ لوگ ایک دوسرے کے پڑاوؤں پر چھاپے مارتے اور گھوڑے چوری کر لیتے ھیں۔ متنازعہ معاوضہ پہلے پہل تو دلھن کے عوض دی جانےوالی رقم تک محدود تھا لیکن اب اس نے بڑھ‌کے اس قسم کی متعدد رقوم کی شکل اختیار کر لی ھے بلکہ یوں کہنا چاھئے کہ قتل کے عوض دئے جانےوالے معاوضے سے بھی بڑھ گیا ھے۔ آپ کے معاملے میں فیصلہ کرنےوالے شخص کے لئے ضروری ھے کہ تمام اطلاعات کے صحیح یا غلط ھونے کی جانچ کرے، تمام تفصیلات حاصل کرے۔ ظاھر ھے کہ اتنا زیادہ کام ایک آدمی کے بس کا تو ھے نہیں۔ میں نے کہیں پڑھا ھے کہ "ایک سر اچھا ھوتا ھے لیکن دو اس سے بہتر ھوتے ھیں"۔ آپ لوگ معترض نہ ھوں تو میں دو بایوں کو اس

کام میں اپنا معاون مقرر کر دوں۔ یہ ہیں جیرین‌شے اور اورازبائے۔ دونوں کا تعلق توبیق‌تی قبیلے سے ہے جن پر آپ لوگ اعتماد کرنے کو راضی ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ایسا ہی ہونا چاہئے" جمعہ‌قان اور توئی‌سری اپنے رشتےداروں سے مشورہ کئے بغیر فوری طور پر رضامند ہو گئے۔

"اپنے معاونین کا انتخاب بہرحال تم ہی کو کرنا ہے۔"

ابائی نے خاموشی سے سر جھکایا اور بات‌چیت ختم ہو گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ثالث کو کم‌سخن ہونا چاہئے کیونکہ غیرضروری الفاظ خیالات کا اکثر انکشاف کر دیتے ہیں۔ دونوں طرف جوڑ توڑ کرنےوالے افراد موجود تھے جو ہوا کے رخ کا اندازہ لگانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اس نے اپنے معاونین کو موقعے پر بھیج‌کر چھان بین کرانے کا فیصلہ کیا۔ جیرین‌شے کو کیرئیی کے علاقے میں اور اورازبائے کو سیبان کے علاقے میں جانا تھا۔

"بھئی تم لوگوں کو بہت سی باتوں کی چھان بین کرنی ہوگی لیکن یہ بہرحال یاد رکھنا کہ صداقت اور صداقت کی مشابہت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دشمنوں کی کوشش ہوتی ہے کہ سچ میں جھوٹ بھی شامل کر دیں، کسی بات کو بہت بڑھا چڑھاکر پیش کریں یا اسے چھپا لیں۔ تم لوگ اپنی رائے کو اپنے سینے تک محدود رکھنا اور کسی سے یہ نہ کہنا: "یہ سچ ہے اور یہ جھوٹ!" ایک خاص بات یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کی نہ طرفداری کرنا نہ وعدے کرکے خود کو کسی بات کا پابند بنانا۔ تم لوگ خود کو کسی بات کا پابند کر لوگے تو مجھے پابند ہونا پڑےگا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کوئی سودےبازی نہ کرنا۔ قبائلی بھائیوں نے میری ایمانداری پر بھروسہ کرکے میرا انتخاب کیا ہے۔ میری تم سے گزارش ہے کہ تم میرے ایسے بازو بنو جو صرف صداقت اور انصاف کے راستے پر پرواز کریں۔"

تفتیش میں ایک ہفتے سے زیادہ وقت لگا اور یہ بیک وقت تین جگہوں پر ہوئی: سیبان قبیلے کے علاقے میں، کیرئیی علاقے میں اور خود قبائلی اجتماع کی جگہ پر جہاں دونوں طرف کے بہت سے مدعی اور گواہ آئے ہوئے تھے۔

خود ابائی نے مقدمے کے اصل مدعی اور خاص مدعا علیہ ہی سے

پوچھ گچھ کی۔ یہ تھے سیبان قبیلے کا سباتار نام کا ایک بوڑھا جس سے لڑکی کی شادی ہونی تھی اور لڑکی کا باپ، کیرئیی قبیلے کا قالدیبائے۔

ابائی نے منگنی توڑنے سے دلھن کے عوض دی جانےوالی رقم، تحائف اور جہیز کی شکل میں ہونےوالے نقصانات کا اندازہ لگایا۔

دولھا جس کا انتقال ہو گیا تھا، ایک امیر شخص کا محبوب بیٹا تھا اور دلھن کے عوض دی گئی رقم اس منطقے میں ادا کی گئی بہت بڑی رقوم میں سے ایک تھی۔ نوجوان کی موت کے بعد جب یہ پتہ چلا کہ لڑکی کو ایک ایسے شخص سے شادی کرنی ہوگی جو عمر میں اس سے بہت بڑا ہے تو اس کے باپ نے سباتار سے پہلےوالی رقم کا مزید نصف حصہ حاصل کر لیا۔

خود قالدیبائے کو بھی کافی نقصانات برداشت کرنے پڑے تھے۔ پہلے جتنا جہیز طے پایا تھا اس میں اسے کافی اضافہ کرنا پڑا تھا جس کے بعد جہیز میں آٹھ گوشوںوالے سجے سجائے خیمے کے علاوہ جس کے قوقند کے ایک کارواں سے سو بھیڑوں کے عوض خریدا جانےوالا ریشمی قالین بھی تھا، سمور کے پچیس کوٹ، نمدے کے کڑھے ہوئے پچیس قالین اور پچیس صندوق شامل ہو گئے تھے۔ لباس، چادریں، میزپوش، چائے کے برتن، تکیے، کمبل اور ہاتھی دانت کے جڑاؤ کاموالے پلنگ کے لئے ریشمی پلنگپوش–ساری کی ساری چیزیں پچیس پچیس تھیں۔

جہیز ابھی تک نہیں بھیجا گیا تھا جبکہ دلھن کے عوض دی جانےوالی رقم پوری طرح ادا کی جا چکی تھی۔ سیبانوالوں کو اس کا خاص طور سے افسوس تھا کہ نقد رقم کے ایک جزو کے طور پر اتنی کثیر تعداد میں مویشی دے دئے گئے اور یہی سبب تھا کہ منگنی کا معاهدہ ٹوٹتے ہی ان لوگوں نے کیرئیی قبیلے کے گھوڑوں کی چوری شروع کر دی۔ کیرئیی قبائلیوں نے بھی یہ کام گھوڑوں کو واپس لینے کے سلسلے میں شروع کر دیا جنہیں وہ اب اپنی ملکیت تصور کرنے لگے تھے۔ ہر چھاپے میں کسی فریق کے جتنے گھوڑوں کا نقصان ہوتا اتنے ہی گھوڑے دوسرے فریق کے گلوں سے چوری کرنے کی کوشش کی جاتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طاقتور بانکے جو چھاپے مارنے اور گھوڑے ہنکانے میں خاصے تجربےکار تھے، بار بار اپنے حریفوں پر ٹوٹ پڑتے

تھے۔ جلد ھی ھر مرد جو سوئیل چلا سکتا تھا، اس جھگڑے میں ملوث ھو گیا اور شادی کے اس افسوس‌ناک معاھدے سے متعلق تنازعہ زیادہ سے زیادہ پیچیدگی اور سنگینی اختیار کرتا گیا۔

ابائی نے جھگڑے میں ملوث تمام افراد سے ایک ایک کرکے پوچھ گچھ کی۔ اس کے بعد اس کو یہ جاننے کی فکر ھوئی کہ آخر خود صالحہ کیا کہتی ھے۔

وہ قارقرالنسک ضلعے کے حاکم اعلا کو اپنی درخواست خود اپنے ھاتھوں سے دینے کے لئے بالقی‌بیک آئی تھی اور ابھی تک یہیں مقیم تھی۔ ابائی نے اسے اور اس کے رشتےداروں کو اوسپان کے خیمے میں مدعو کیا جہاں وہ ٹھہرا ھوا تھا۔

زیتونی رنگ کی ایک طویل قامت لڑکی سنجابی ٹوپی، ریشمی چغا اور چاندی کی بڑی بڑی بالیاں پہنے اپنے باپ قالدی‌بائے اور دوسرے رشتےداروں کے ساتھ خیمے میں داخل ھوئی۔ وہ دھیرے دھیرے لیکن بےباکی کے ساتھ چل رھی تھی۔ خیمہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ھوا تھا کیونکہ جس لڑکی کا نام بچے بچے کی زبان پر تھا، اسے ایک نظر دیکھنے کے سبھی مشتاق تھے۔ لیکن اوسپان ھر ایک کو قمیز پلا چکا تو ابائی نے توبیق‌تیوں کو اشارہ کیا اور اس کے قریب بیٹھے ھوئے لوگ اٹھکر جانے لگے۔ قالدی‌بائے بھی کھڑا ھوا اور اپنے عزیزوں کو لےکے باھر چلا گیا۔

ابائی خیمے میں لڑکی کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو اسے نظر بھرکے دیکھا۔ اس کی کالی کالی بڑی بڑی آنکھیں کسی عجیب و غریب آگ سے چمک رھی تھیں اور لمبی لمبی پلکوں سے ان میں کچھ اور گہرائی سی پیدا ھو گئی تھی۔ اس کی ناک کی باریک لکیر میں خفیف سے خم کی جھلک نظر آتی تھی اور منہ کے دونوں کنارے بھی کچھ خمیدہ سے تھے۔ چہرے پر قبل از وقت نمودار ھونےوالی شکنیں جو بمشکل ھی نظر آتی تھیں، اس کی فکروں اور غموں کی آئینہ‌دار تھیں۔

ابائی نے بہت کم بولنے اور دوسروں کی باتوں کو غور سے سننے کا خود کو عرصے سے عادی بنا رکھا تھا۔

"میری عزیز صالحہ! ھم لوگوں کی پہلے کبھی ملاقات نہیں ھوئی لیکن مجھے یقین ھے کہ تمہارے بارے میں مجھے اتنی ھی زیادہ معلومات حاصل ھیں جتنی کہ تمہارے کسی رشتےدار کو" آخرکار اس نے کہا۔

وہ کچھ شرمائی، مسکرائی اور اس کے چہرے کا رنگ فوراً ھی بدل سا گیا۔ اس کے سفید سفید دانت چمک اٹھے اور چہرہ اچانک تابندہ، پرخلوص اور بےجھجک نظر آنے لگا۔

"میں نے تمہاری اپیل پڑھی ھے" ابائی نے اپنی بات جاری رکھی۔ "تم نے جو کچھ لکھا تھا اس پر اب بھی قائم ھو نا؟"

صالحہ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس کی سیاہ آنکھوں میں جھنجھلاھٹ کی ھلکی سی جھلک نمودار ھوئی۔

"ابائی مرزا" اس نے ذرا مایوسی کے ساتھ کہا۔ "میں نے اس لئے تھوڑی لکھا تھا کہ بعد میں تردید کر دوں‌گی۔ میرے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ھوئی" اور وہ ایک بار پھر مسکرائی۔

"اچھا تو مجھے ایک دوسرا سوال پوچھنے دو: تم نے لکھا ھے کہ تم کبھی شادی نہ کروگی تو اس کا مطلب کیا یہ ھے کہ بوڑھے سباتار سے کبھی شادی نہ کروگی؟ یا یہ کہ سیبان قبیلے میں ایک بھی شخص ایسا نہیں جس سے شادی کرنا تمہیں پسند ھو؟ سیبان قبیلے کا کوئی نیک آدمی تمہارا دل جیتنے کی کوشش کرے تو کیا تم اپنا خیال بدل دوگی؟"

"میری عمر کا کوئی مرد ھوتا تو میں کبھی بھی انکار کرنے کی جرأت نہ کرتی۔ میرے خاندان اور میرے پڑاؤ کے لوگ بھی مجھے انکار کی اجازت نہ دیتے۔"

"کیا تم نے اپنے منگیتر کے رشتےداروں سے کہا تھا کہ وہ کسی دوسرے بانکے کو تمہارا دولھا بنا دیں؟"

"جی ھاں میں نے کہا تھا لیکن ان لوگوں نے جواب دیا: رقم ادا کی جا چکی ھے اور اب سباتار کو اس سے شادی کرنے کا حق حاصل ھے جو اسے خدا نے دیا ھے۔ اس لڑکی کو اپنی بکواس بند کر دینی چاھئے!"

"اچھا صالحہ، مجھے ایک اور بات بتاؤ" ابائی نے نسبتاً زیادہ نرم لہجے میں کہا۔ "اب یہ کوئی راز کی بات نہیں رھی کہ تمہارے منگیتر کے رشتےدار اکثر کہتے ھیں: "کیرئیی کے ایک بانکے نے انکار کرنے کے لئے اس سے اصرار نہ کیا ھوتا تو وہ کبھی بھی شادی سے انکار نہ کرتی۔ اس نوجوان سے تعلقات بڑھ جانے کے بعد ھی وہ اتنی ضدی ھوئی ھے۔ اس لئے کیرئیی قبیلہ ھمارے آباواجداد کے سامنے دو

اعتبار سے مجرم ھے۔ ان لوگوں نے رقم قبول کر لی اور دلھن کے دامن پر رسوائی کا داغ بھی لگ جانے دیا۔" وہ لوگ بہرحال یہی کہتے ھیں۔ تم اس سلسلے میں کیا کہتی ہو؟ تمہیں اس بانکے سے لگاؤ کب پیدا ہوا تھا: سباتار کے ساتھ شادی سے انکار سے قبل یا بعد میں؟"

صالحه کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا پھر اس پر حیا کی سرخی چھا گئی۔ اس نے کسی ھچکچاھٹ کے بغیر جواب دیا۔

"ابائی مرزا، اس معاملے میں جو کچھ میں کہنے جا رھی ھوں وہ اتنا ھی سچا ھے جتنا کہ ھمارا ایمان" اس نے جذبات سے لبریز آواز میں کہا اور اس کے کانوں کی بالیاں ھلنے لگیں۔ "سیبان قبیلے نے جب یہ جواب دیا کہ اس بوڑھے آدمی کے سوا وہ اور کسی شخص کو دولھا کی حیثیت سے نامزد نہ کریں گے تو میں نے فیصلہ کیا کہ پہلا آدمی جو مجھے ملےگا اس کے ساتھ بھاگ کھڑی ھوں گی۔ اور تب ھی یہ بانکا میری زندگی میں آیا۔ اس سے قبل کوئی زندہ آدمی میرے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا تھا۔ میرا پہلا منگیتر زندہ تھا تو میں سیبان قبیلے کے پڑاؤ کو بخوشی اپنا گھر تصور کرتی تھی" اس نے کڑھے ھوئے رومال سے آنسو پونچھتے ھوئے کہا۔

"بس اتنا ھی کافی ھوگا" ابائی نے جو اب بھی اس کی طرف تکے جا رھا تھا، کہا۔

وہ کچھ متحیر سی معلوم ھونے لگی کہ بات‌چیت کا سلسلہ اتنی جلدی ختم ھو گیا۔ اس نے اپنے رشتےداروں سے بات کی تھی تو کافی وقت لگا تھا۔ ابائی کے الفاظ میں اسے ھمدردی کی جھلک نظر آئی جس سے اس کا عزم کچھ اور قوی ھو گیا۔

"ابائی مرزا، یقین مانئے، انکار کرنے کے لئے مجھے کسی نے بھی نہیں بھڑکایا!" اس نے افسوس اور غصے کے ساتھ تیوریوں پر بل ڈالتے ھوئے کہا۔ "یہ تلخ خیال خود بخود میرے دل میں پیدا ھوا تھا۔ میں بار بار اپنے آپ سے پوچھتی کی آخر میں سباتار کی تیسری بیوی کیوں بنوں جو قبر میں پاؤں لٹکائے ھوئے ھے۔ میں خود کو زندہ نہیں تصور کرتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے زندگی اور موت کے درمیان معلق ھوکر رہ گئی ھوں۔ میرے دل میں جو کچھ ھے وہ سب کا سب آپ کو بتا دوں؟ میں ھر روز بالقی‌بیک دریا کے گھرے

پانیوں میں جھانکتی رہتی ہوں جیسے کہ اپنے پڑاؤ کے نزدیک واقع دریا باقانس کے پانیوں میں جھانکتی رہتی تھی۔ میں سوچا کرتی ہوں کہ اس دریا میں بھی میرے لئے جگہ بن جائےگی۔ یہ کہیں بہتر ہے کہ میرے جسم کو بوڑھے سباتار کے بجائے دریا کا سرد پانی پیار کرے۔"

ابائی نے جو بہت متاثر ہو گیا تھا، نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ صالحہ اٹھکے دروازے کی طرف بڑھنے لگی لیکن وہ بےحس و حرکت اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور صرف سر کے اشارے سے اسے رخصت کر دیا۔ وہ تصور ہی تصور میں دیکھ رہا تھا کہ صالحہ کے جسم کے سامنے پانی بیچ سے پھٹ گیا، کہ پانی کی پرسکون سطح کے نیچے اس کی نازک نازک پلکیں دہشت‌زدہ ہوکے اٹھ رہی ہیں، کہ اس کے سڈول اور خوبصورت ہاتھ موت کی طرف بڑھ رہے ہیں... ابائی کے ذہن میں مختلف خیالات کا ہجوم تھا۔ الفاظ اس کے ہونٹوں پر آئے اور خود بخود مصرعوں میں ڈھل گئے:

"ہے یہ بہتر بوڑھے شوہر کے بجائے
جسم سے میرے کریں لہریں ہی پیار"
یہ کہا لڑکی نے اور چٹان سے
کودی، دریا سے ہوئی وہ ہم‌کنار۔

پوچھ گچھ مزید تین دنوں تک جاری رہی۔ جیرین‌شے اور اورازبائے تفصیلی معلومات فراہم کرکے لوٹ آئے تھے۔ فریقین کے نقصانات اور ان کے دعووں کا پوری طرح تخمینہ لگایا جا چکا تھا۔ الجھا ہو مقدمہ مکمل طور پر ابائی کے ہاتھ میں تھا لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کس فیصلے پر پہنچا ہے۔

اس نے کیرئیی اور سیبان کے عوام کو ضلع حکام کے خیموں کے سامنے اکٹھا ہونے کی ہدایت کی۔ چنانچہ پیغام رساں گھوڑوں پر سوار ہوکے ساری بستی میں چیخ چیخ‌کے اعلان کر آئے: "لڑکی صالحہ کا مقدمہ! کیرئیی اور سیبان کا تنازعہ! آج مقدمے کی سماعت! فیصلے کا اعلان بھی!"

لوگ کثیر تعداد میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کے قریب اکٹھا ہو

گئے۔ دونوں اضلاع کے حاکم بھی پیتل کے بٹن‌والی یونیفارمیں پہنے ہوئے باھر آ گئے تھے اور مترجمین، گارڈوں اور پولیس‌والوں کے گھیرے میں دوسروں سے الگ تھلگ کھڑے تھے۔ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کا سارا ماحول اپنی سنجیدگی کے ساتھ جشن کی سی کیفیت رکھتا تھا۔

ابائی پہاڑی کے قریب پہنچا تو جیرین‌شے اور اورازبائے لپکے ہوئے اس کے پاس آ گئے۔

"بھئی ابائی، تم لگاموں کے چار سرے اپنے ھاتھوں میں تھامے ہوئے ہو۔ تمہارے لئے بھی اور ھمارے جرگوں کے لئے بھی آزمائش کی آخری گھڑی آ گئی ہے" جیرین‌شے نے کہا۔ "لیکن تم نے اپنا فیصلہ ھم دونوں تک کو نہیں بتایا۔ کیا اب ھم اسے جان سکتے ھیں؟ آخر کون سچا اور کون جھوٹا ہے؟"

ابائی نے ھنستے ہوئے اپنے دوستوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔

"تم لوگ کیا سوچتے ہو؟" اس نے پوچھا۔ "ھمیں کس کی طرفداری کرنی چاھئے؟"

دونوں میں سے کوئی بھی نہ بولا۔

"ارے جیرین‌شے، تمہارے حلق میں کچھ پھنس گیا ھے کیا؟ بولو نا۔"

"سونا دیکھکے کسی فرشتے کی نیت بھی ڈاواں ڈول ہو جائےگی" جیرین‌شے نے ابائی کے چہرے کے تاثرات کو غور سے دیکھتے اور پرسکون اور سخت لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے معنی‌خیز انداز میں کہنا شروع کیا۔ "آبا و اجداد کے رواج ان کے ورثا کے لئے قانون کی حیثیت رکھتے ھیں۔ سیبان کے سرداروں نے ھمارے ذریعے تمہیں یہ پیغام بھیجا ھے: "اسے کیرئیی قبیلے کی بیٹی کو سباتار سے بیاہے جانے کے حق میں فیصلہ دینا چاھئے جس کے عوض اسے سیبان قبیلے کے گلے سے عمدہ نسل کے چالیس گھوڑے ملیں‌گے۔" تم سے ھم لوگ دراصل یہی بات کہنا چاھتے تھے..."

ابائی کو ایسا لگا جیسے جیرین‌شے کے منہ سے الفاظ نہیں بلکہ ناقابل بیان گالیاں نکل رھی تھیں۔ اس نے غصے کی ایک نگاہ سے اسے خاموش کر دیا لیکن پلک جھپکتے ھی میں خود پر قابو پاکے ھنس پڑا۔ ابائی کے تاثرات میں تیری سے پیدا ہونےوالی یہ تبدیلی

جیرین‌شے سے ڈھکی چھپی نہ رہ سکی اور اس کے دل میں فوراً ھی امید کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔

ابائی اب بھی ھنستے ہوئے ان دونوں کو دیکھے جا رہا تھا۔

"اچھا اورازبائے، تم کیا کہتے ہو؟ کیا تم بھی مجھے یہی مشورہ دے رہے ہو؟ ھم لوگ تحفہ قبول کرکے کیرئیی کو سیبان پر قربان کر دیں؟ ھے نا؟"

اورازبائے اس نوعیت کے معاملات کے سلسلے میں ابائی کے رویے سے اچھی طرح واقف تھا پھر بھی اس نے اپنے خیالات کے اظہار کا تہیہ کر رکھا تھا:

"ھاں! میرا مشورہ بھی یہی ھے۔ میں جیرین‌شے سے متفق ہوں۔ بات دن کی طرح روشن ھے۔ کوئی حاکم اعلا بھلا ایسا بھی ھے جو رشوت نہ لیتا ہو؟ کون بائے ھے جو دونوں ھاتھوں سے دولت نہیں بٹورتا؟ رشوت کا سلسلہ نہ ھم نے شروع کیا، نہ ھم پر ختم ہوگا ھم لوگ عازمین حج کی طرح مکے شریف میں نہیں آئے ھیں، بلکہ بالقی‌بیک کے قبائلی اجتماع میں آئے ھیں۔"

"تو یہ ھے تمہارا فیصلہ" ابائی نے کہا۔ اس کی آواز یا چہرے سے اس کے خیالات کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

جیرین‌شے اور اورازبائے کی ھمت بڑھ گئی۔

"ھاں! ھمارا فیصلہ یہی ھے۔"

"جیسا سیبان قبیلہ چاھتا ھے ویسا ھی ہونا چاھئے۔"

"بہت بھونک چکے، بازاری کتو!" ابائی جس کے لئے خود کو قابو میں رکھنا اب ناممکن ہو گیا تھا، کرخت آواز سے چلایا اور اس نے بعض بہت سخت الفاظ بھی کہے۔

دونوں عمر میں ابائی سے بڑے تھے اور ان سے اس نے کبھی اتنی زیادہ بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی۔

"تم دونوں کو اس معاملے میں میری معاونت کرنی تھی" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ وہ ان پر بری طرح برس پڑا تھا لیکن اس سے بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ "ھونہہ، میرے دست و بازو تھے تم لوگ! اس سے اچھا ہوتا کہ میں نے تکے‌جان کا انتخاب کیا ہوتا۔ تمہارے لئے انصاف اور بےانصافی دونوں ایک ھی چیز ھیں! تمہیں تو نہ سیبان کی فکر ھے نہ کیرئیی کی! لیکن جہاں تک میرا

تعلق ھے دونوں قبائل کو اپنے عوام پر مشتمل سمجھتا اور عزیز رکھتا ہوں! تم اپنی ھوس پر مجھے قربان کر دینا چاھتے تھے، مجھے قبائلی اجتماع کے سامنے، تمام قزاخوں کی نظروں میں ذلیل کر دینا چاھتے تھے۔ اس سے تو کہیں اچھا ھوتا کہ تم نے مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا ھوتا۔ آخر تم لوگ اتنی پستیوں میں کیسے گر گئے؟ عوام نے تمھارے قبیلوں کے وقار اور تمھارے اجداد کی روحوں پر اعتماد کیا اور خود تم نے کیا کیا؟ تم نے خود ان کے کفن کے نیچے سے رشوت کے لئے ھاتھ بڑھایا۔ دور ھو جاؤ میری نگاھوں سے!"

وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا ان لوگوں سے آگے نکل گیا۔

تکےجان اور اسحاق لپکتے ہوئے اس کی طرف چلے آ رھے تھے۔

"دونوں حاکم تمھارا انتظار کر رھے ھیں، ابائی! آخر تم چلے کہاں گئے تھے"؟ دونوں ھانپ ھانپ کے سانس لیتے ہوئے چلائے۔

وہ ھجوم سے گزرتا ہوا پہاڑی کی سبز و شاداب چوٹی پر پہنچا، دونوں حاکموں کو خوش اخلاقی سے سلام کیا اس کے بعد فریقین کے بایوں سے مخاطب ہوا۔

اس نے مقدمے کی سماعت دونوں بایوں سے یہ کہتے ہوئے شروع کی کہ وہ اپنے اپنے خیالات ظاھر کریں۔ دونوں نے اپنی تقریروں کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا: "ھم اپنے مقدمے کو پہلے خدا کے اور بعد میں تمھارے حوالے کرتے ھیں۔ پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ ھمارے اجداد کی روحوں کو اس معاملے میں آخری لفظ کہنا چاھئے۔"

پھر اس نے بولنا شروع کیا۔ وہ آلتی پالتی مارے ٹوپی کو ھاتھ سے بغل میں دبائے بیٹھا ہوا تھا۔ کشادہ پیشانی اور بڑی سی سیدھی ناک پر پسینے کے قطرے لرز رھے تھے۔ وہ جذبات سے بری طرح مغلوب ھو رھا تھا لیکن اس کی آواز صاف، لہجہ سخت اور تقریر پرسکون اور رواں تھی۔

"میرے عوام، وہ تمام افراد جو یہاں اکٹھا ھیں! کیرئیی اور سیبان سے تعلق رکھنےوالے میرے بھائیو اور رشتےدارو! آپ لوگوں نے مجھے بیچ میں ڈالا تھا تاکہ آپ کے اختلافات کا اصل سبب معلوم کرکے آپ کے درمیان پرامن تعلقات بحال کر دوں۔ آپ نے اس کام کو میرے سپرد کرتے ہوئے کہا تھا: "خدا کرے آپ اس سیون کے فرائض

انجام دیں جو پھاڑکے الگ الگ کی ہوئی چیز کو پھر سے جوڑ دیتی ہے۔" میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں بحیثیت مجموعی عوام کے بارے میں سوچتا رہا ہوں، افراد کے بارے میں نہیں۔ لیکن عوام کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی میں نے نوجوان نسل کو سب سے زیادہ ترجیح دی ہے۔ دلھنوں کے مسئلے پر ہماری قابل نفرت لڑائیاں سالہا سال سے قزاخوں کے درمیان عداوت کا سرچشمہ بنی ہوئی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قوانین فرسودہ اور متروک الاستعمال ہو جاتے ہیں اور ان تنازعات کو حل کرنے کے لئے نئی راہیں تلاش کی جانی چاہئیں جو ہمارے امن کو درہم برہم کرتے ہیں، ہم میں پھوٹ ڈالتے ہیں اور ہماری بےعزتی کا باعث بنتے ہیں۔ تو یہ تھے وہ خیالات جن کی روشنی میں اس مقدمے پر میں نے غور و خوض کیا ہے اور جو میرے فیصلے پر اثرانداز ہوئے ہیں۔ میرے پہلے فیصلے کا تعلق لڑکی صالحہ سے ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے اجداد نے ایسے معاملات پر فیصلے کئے تھے کہ نہیں اور کئے تھے تو ان کے فیصلے کن تصورات پر مبنی تھے لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ نوجوان افراد غم و آلام کی زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے۔ نیا زمانہ اپنے ساتھ نئے رسم و رواج لایا ہے اور عوام کے جو بڑے بوڑھے نوجوانوں کے مطالبات پر توجہ دینے سے انکار کرتے ہیں، وہ زخموں کا مداوا نہ کر سکیں گے بلکہ انہیں کچھ اور گہرا ہی کر دیں گے۔ صالحہ ایک بار اپنے والدین کی فرمانبرداری کا مظاہرہ کر چکی ہے اور انہوں نے اس کے لئے جس آدمی کا انتخاب کیا تھا اس کی منگیتر بن گئی تھی لیکن قسمت نے اس کے منگیتر کو جو اس کے لئے معقول دولھا ثابت ہوتا، اس سے چھین لیا۔ ایک زندگی میں انسان دو بار نہیں مر سکتا۔ قانون قدرت یہی ہے لیکن سباتار کے مطالبے کا مطلب کیا اس لڑکی کے لئے دوسری موت کے مرادف نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں کہ کیا کہہ رہا ہوں کیونکہ یہ لڑکی اپنی بدبختی سے جو اس کی منتظر ہے، بچنے کے لئے جان دینے پر آمادہ ہے۔ میرے عزیز لوگو، آپ سب بہنوں بیٹیوں والے ہیں، ذرا سوچئے نا کسی لڑکی کو دو بار فروخت کرنا کیا کوئی مناسب بات ہے؟ اس لڑکی نے ایک بار اپنی آزادی سے اپنے قبیلے کے حق میں خود کو دستبردار کر لیا۔ اب اس کی آزادی اسے واپس مل جانی

چاهئے۔ صالحه کو اس کی منگنی کے بندھن سے آزاد کیا جا رہا ہے۔ یه ہے میرا پہلا فیصله۔"

اس نے اپنے آخری الفاظ جان بوجھکے بلند آواز میں صاف صاف ادا کئے اس کے بعد اپنی بات جاری رکھی:

"لیکن لڑکی کے منگیتر کی موت کے لئے سیبان قبیلے کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ سیبان‌والوں کی نیت صاف تھی اور انہوں نے ایمانداری کے ساتھ رقم ادا کی۔ کیرئیی کے قبائلیو، آپ کو پوری رقم مل چکی ہے، ایک بار نہیں بلکه دو بار۔ پہلی رقم بہت زیادہ تھی، کم از کم پچاس اونٹوں کی قمیت کے برابر۔ لیکن آپ لوگ اس سے بھی مطمئن نہیں ہوئے اور اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے که اب صالحه کو ایک بوڑھے آدمی کی تیسری بیوی بننا تھا، مزید رقم کا مطالبه کیا جو فیاضی کے ساتھ دی گئی۔ اس طرح آپ نے اپنی بیٹی کو دوسری بار فروخت کیا اور اس کے لئے سیبان قبیلے کو قطعاً قصوروار نہیں گردانا جا سکتا۔ اس کے برعکس آپ کو، کیرئیی قبیلے کو، اپنی حرص و ہوس کی بنا پر قصوروار تصور کیا جائے‌گا۔ اس لئے کیرئیی کو رقم واپس کرنی چاهئے، صرف یہی نہیں، معاوضه بھی ادا کرنا چاهئے۔ پہلی بار انہیں پچاس اونٹوں کی قیمت کے برابر مالیت کی چیزیں اور دوسری بار پچیس اونٹوں کی قیمت کے برابر مالیت کی چیزیں ملی تھیں۔ میں نے فیصله کیا ہے که کیرئیی قبائلیوں سے سیبان کے سلسلے میں اور خود اپنی بیٹی کے سلسلے میں جو قصور سرزد ہوئے ہیں ان کا معاوضه پچیس اونٹ ہوئے۔ اس طرح کیرئیی کو مجموعی طور پر سو اونٹ سیبان کو دینا ہوں‌گے۔ اس ادائیگی کے لئے دلھن کے جرگے کو اور اس بانکے کے جرگے کو جس سے اب صالحه نے شادی کرنے کا فیصله کیا ہے، برابر برابر تعداد میں اونٹ دینا ہوں‌گے۔ یه ہے میرا دوسرا فیصله۔

گزشته تین دنوں سے میں معلومات یکجا کرتا رہا ہوں که اس جھگڑے میں فریقین کو کتنے نقصانات برداشت کرنے پڑے ہیں۔ سیبان قبائلی دو سو گھوڑے ہانک لے گئے ہیں جبکه کیرئیی نے ایک سو ستر گھوڑے ہتھیا لئے ہیں۔ دونوں فریقوں کو چاهئے که یه گھوڑے ایک دوسرے کو واپس کر دیں اور چرائے ہوئے جو گھوڑے کسی وجه سے اب ان کے پاس نه رہ گئے ہوں ان کی جگه پانچ سال

کے گھوڑے شامل کرکے تعداد پوری کریں۔ میرے عزیزو، یہ میرا آخری فیصلہ ہے جس کے پیچھے میرا یہ جذبہ کارفرما رہا ہے کہ قبائل کے درمیان امن اور اتحاد بحال ہو۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔"

ہجوم خاموش تھا۔ صرف دونوں اویازوں نے جو اپنے مترجمین سے ابائی کی تقریر کا ترجمہ سن رہے تھے، فیصلوں کی منظوری کے طور پر ایک دوسرے سے چند کلمات کہے۔ انہوں نے ابائی کی طرف دیکھکے مسکراتے ہوئے تائید میں سر ہلائے اور فوراً ہی اٹھکے اس کے پاس گئے۔ ہجوم نے ان کے اس اقدام کو اس بات کی علامت تصور کیا کہ مقدمہ ختم ہو چکا ہے۔

لیکن نہ تو کیرئیی قبائلیوں کے درمیان، نہ ہی سیبان قبائلیوں کے بیچ پرجوش آوازوں کا وہ شور و غل سنائی دیا جو عموماً کسی فیصلے کے اعلان کے بعد سنائی دیا کرتا تھا۔ کسی طرف سے بھی یہ آوازیں نہیں ابھر رہی تھیں: "مجھے اتفاق ہے!"، "مجھے اتفاق ہے!" "ایسا نہیں ہو سکتا!" "بہت ہی اچھا فیصلہ ہے!" توبیق‌تیوں نے بھی کچھ نہ کہا حالانکہ انہیں معاملے سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اور وہ محض تماشائیوں کی حیثیت سے اکٹھا تھے۔

اس کے بعد قبائلی اجتماع جلد ہی ختم ہو گیا۔ دونوں اضلاع کے حکام جا چکے تھے اور قبائلی اپنے اپنے بڑاوؤں کو روانہ ہو رہے تھے۔ ابائی اور اس کے احباب بائےقوش‌قار چلے گئے۔ جیرین‌شے اور اورازبائے بھی اسی راستے پر سفر کر رہے تھے لیکن وہ تیر کی پرواز بھر کے فاصلے پر آگے چل رہے تھے۔

ابائی کو ان لوگوں سے مزید بات‌چیت کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اور اب اس نے ان تک پہنچنے کے لئے اپنے لاکھی رنگ کے گھوڑے کو کوڑے رسید کئے۔ لیکن ان دونوں نے اسے آتے دیکھا تو ایک دوسرے پر نظر ڈالی اور اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔

"اچھا تو یہ بات ہے، اب میں سمجھ گیا!" ابائی پکار اٹھا۔

دونوں نے پل بھر کو اپنے گھوڑے روک لئے۔

"ہاں یہی بات ہے!" جیرین‌شے غصے سے چلایا۔

"اور یہ اور بھی اچھا ہے کہ تم سمجھ گئے!" اورازبائے نے اضافہ کیا۔

یہ کہہ کے دونوں اپنے اپنے گھوڑوں کو بے تحاشا دوڑاتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ابائی نے اپنے گھوڑے کی رفتار دھیمی کر لی اور اداسی سے ان لوگوں کی طرف دیکھا جنہیں کبھی اس نے اپنا دوست کہا تھا۔ دونوں اب اس کے دشمن بن چکے تھے۔

تکے جان اور میباسر بالقی بیک سے لوگوں کے ہجوم کے ساتھ واپس ہوئے۔ یہ لوگ بھی ابائی پر لعنت ملامت بھیج رہے تھے۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ سیبان نے چالیس گھوڑے دینے کا وعدہ کیا ہے۔

لیکن کیرئیی یا سیبان کو ابائی سے کوئی شکایت نہ تھی۔ انہوں نے اس کے فیصلے کو منظور کرتے ہوئے اویازوں سے کہا: "ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے۔ ہم اس کی پابندی کرتے ہوئے آپس میں صلح کر لیں گے۔" دونوں فریق ابائی کے مداح ہو گئے تھے اور نئے خیالات کو فروغ دینے اور فرسودہ قزاخ روایات کو پاش پاش کرنے کے سلسلے میں اس کی جرأت کی داد دے رہے تھے۔

"ابائی نے بڑی اچھی باتیں کہیں۔ ان سے عوام کو راحت ملے گی اور پورا ضلع اس شخص پر اعتماد کرے گا" انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

۳

ایک کھلی گاڑی جس میں تین گھوڑے جتے ہوئے تھے، آق شوقی سے سیمی پالاتنسک جانے والی سڑک پر تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ بائے مغم بیت جو کوچوان کی نشست پر بیٹھا ہوا تھا، خزاں کی ٹھنڈی صبح کے دوران زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینے کے لئے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گھوڑوں کے چابک رسید کر دیتا تھا۔ گاڑی میں جس کی نشستوں پر بکری کا سرخ چمڑا چڑھا ہوا تھا، ابائی اور اس کے تین بچے آبیش، مغاش اور گل بدن بیٹھے تھے۔ دبلے پتلے آبیش کا چہرہ جو عموماً پیلا نظر آتا تھا، اس وقت جوش و خروش سے سرخ ہو رہا تھا۔

"اچھا اباجان یہ بتائیے کہ ہم لوگ شہر پہنچ جائیں گے تو

رهیں گے کہاں؟" وہ بار بار پوچھتا تھا۔ "کسی قزاخ کے گھر میں یا کسی روسی کے گھر میں؟ ہم تینوں ساتھ ساتھ رهیں گے کیا؟ میں تو سمجھتا ھوں کہ کسی روسی خاندان کے ساتھ اکیلا رهوں تو میرے لئے بہتر ھوگا۔"

"اچھا؟ دیکھ لینا روسی خاندان کے ساتھ اکیلی تو میں رهوں گی۔ ان لوگوں کے میری هی عمر کی ایک بیٹی هے اور میں تم دونوں سے پہلے روسی بولنا سیکھ لوں گی" گل‌بدن چلائی جس کی ذهنی نشوونما اپنے بھائیوں کی به‌نسبت زیادہ تیزی سے ھو رھی تھی۔ وہ مغاش کو اپنے راستے سے ڈھکیل کے باپ کے گھٹنوں پر جا بیٹھی تھی۔ ابائی کو اپنی ننھی لڑکی کی جرأت بھی پسند آئی اور خوش‌وخرم رهنے کی عادت بھی جس کی بنا پر اس نے اپنی ماں سے اس پہلی جدائی کو بھی هنسی خوشی برداشت کر لیا تھا۔

"میری عزیز از جان، بےفکر بیٹی" اس نے گل‌بدن کی ٹھوڑی پیار سے چھوتے ھوئے کہا۔ "تم اپنے بھائیوں سے زیادہ باهمت ھو اور تم ایک تعلیم‌یافتہ روسی عورت کے خاندان کے ساتھ رهوگی جو تمہارے لئے ماں جیسی ھوگی۔ تم سب کے سب آرام سے رهوگے۔ میں جلدی جلدی شہر آیا کروں گا کیونکہ میرے لئے تمہاری تعلیم سے زیادہ اهم بات اور کوئی نہیں هے۔"

اس نے اپنے بازو پھیلاکے تینوں بچوں کو اپنے جسم سے لپٹا لیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ مغاش نے کچھ نہیں کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے دوسرے بچوں کی به‌نسبت گھر چھوڑنے کا زیادہ افسوس هے۔ چنانچہ ابائی نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"ارے بھئی مغاش، تم کوئی گیت کیوں نہیں گاتے؟"

چھوٹے بچے کو دل هی دل میں اس خیال سے بڑی خوشی ھوئی کہ باپ نے اس کی طرف توجہ مبذول کی هے۔ اس کے پتلے ھونٹ مسکراھٹ کے ساتھ کھل گئے اور ننھے ننھے دانت نظر آنے لگے۔

"کون سا گیت آپ کو سناؤں؟" اس نے خوش ھوکے باپ سے لپٹے ھوئے دریافت کیا۔ "مجھے گیت شروع کرتے ھوئے الجھن ھوتی هے کیونکہ ڈرتا ھوں کہ اسے الٹ پلٹ کے رکھ دوں گا۔ بہتر ھوگا کہ آپ خود هی شروع کیجئے۔"

گل‌بدن نے بھی جو اپنے باپ کے ارادے کو بھانپ گئی تھی، مغاش

کو باتوں میں لگانے کی کوشش کی۔ مذاق کرتے ہوئے بولی: "مغاش گیت شروع کرنا کبھی بھی نہیں پسند کرتے۔ کوئی ان سے گانے کو کہتا ہے تو ڈر جاتے ہیں، بالکل کسی بچھیڑے کی طرح پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔"

بائےمغم‌بیت سمیت سب لوگ ہنس پڑے۔ مغاش خود بھی ہنس پڑا حالانکہ اس نے ٹیک لگانے کے تکیے میں اپنا منھ چھپا لیا۔

"کوئی بچھیڑا پیچھے ہٹتا ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہوتا ہے کہ وہ کبھی آگے جا ہی نہیں سکتا" آبیش نے اپنی بہن سے کہا۔ "ویسے یہ بات تمہیں معلوم ہی کیسی ہو سکتی ہے جبکہ تم گھوڑے پر کبھی چڑھتیں ہی نہیں؟"

مغاش نے سر اٹھایا۔

"ارے بچھیڑے کی بات تو خیر جانے ہی دو، یہ تو بھیڑ تک پر سوار نہیں ہو سکتیں۔ اور میرا تائے* جو ہمیشہ پچھاڑ کھاتا ہے، دوڑ میں پانچ بار اول آ چکا ہے" اس نے کہا۔ اب اس کی ساری اداسی غائب ہو چکی تھی۔ "ہوگا اباجان، اب آپ گیت شروع کیجئے نا۔"

ابائی نے "قوزی قوش" گایا جس میں بچے بھی شریک ہوئے۔

دو دن کے سفر کے دوران ابائی بچوں کو کبھی گیت سناتا کبھی کہانیاں اور کبھی آبیش اور گل‌بدن سے کہتا کہ انہیں جو کچھ آتا ہو سنائیں۔ انہیں نیند آنے لگتی تو بائےمغم‌بیت سمیت سب لوگ ایک ساتھ گانے لگتے۔ آخرکار وہ شہر پہنچ گئے۔

میخائلوف کے مشورے پر ابائی نے مغاش کا داخلہ لڑکوں کے اسکول میں اور گل‌بدن کا لڑکیوں کے اسکول میں کرا دیا اور ان کے قیام کا انتظام ایک روسی خاندان میں کر دیا جس کی سفارش اندرئیف نے کی تھی۔ آبیش کے سلسلے میں میخائلوف نے ذرا مختلف قسم کی تجویز پیش کی۔ یہ لڑکا جو عربی لکھنا پڑھنا سیکھ چکا تھا، بےحد تیزفہم اور متجسس قسم کا تھا۔ بول چال کی روسی اچھی طرح سمجھ لیتا تھا لیکن ابتدائی اسکول کے پہلے درجے میں داخلے کے لئے اس کی عمر زیادہ ہو چکی تھی اس لئے ایک تعلیم‌یافتہ روسی خاندان

* تائے — ایک سال کا بچھیڑا۔

میں روسی زبان سیکھنے اور اچھی تربیت حاصل کرنے کے لئے اس کے قیام کا انتظام کر دیا گیا۔ ابائی نے اسے پڑھانے کے لئے ایک پرائیویٹ ٹیچر رکھ دیا۔

میخائلوف نے اس لڑکے میں شروع ھی سے زیادہ دلچسپی لی اور اس کے متعلق ابائی کو ایک اور مشورہ دیا۔

"بھئی ابراھیم قونانبائیویچ، آپ کا سب سے بڑا بیٹا میری رائے میں سنجیدہ مطالعے کی صلاحیت رکھتا ھے۔ اسکول میں داخلے کے لئے اس کی عمر کچھ زیادہ ضرور ھو چکی ھے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اچھا ھی ھے کہ وہ اپنی مادری زبان میں کچھ تعلیم حاصل کرکے یہاں آیا ھے۔ اس سے دوسری زبان کے مطالعے میں اسے مدد ملےگی۔ آپ میرا مشورہ مانئے: اس سال سردیوں میں اپنے عبدالرحمان کو اس ٹیچر سے پڑھنے دیجئے اور اگلے سال اسے اسکول بھیج دیجئے لیکن سیمیپالاتنسک کے اسکول میں نہیں۔ اسے تو تیومین بھیجئےگا جہاں یہاں سے بہتر اسکول قائم ھیں۔ وھاں میرے کچھ اچھے دوست ھیں جن کے ساتھ وہ رہ سکتا ھے۔ اسے گرمیاں استیپیوں میں اور سردیاں شہر میں گزارنی چاھئیں جہاں وہ روسی تعلیم حاصل کرےگا۔ اس کی صحت اچھی رھی تو بہت ممکن ھے کہ ایک روز ھم لوگ اسے پیٹربرگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج سکیں!"

ابائی، میخائلوف کا بہت شکرگزار تھا۔ وہ ایک ایسا دوست تھا جس نے اس کے بچوں پر اس کے پڑاؤ کے تمام رشتےداروں سے زیادہ توجہ مبذول کی تھی اور ابائی نے ھر معاملے میں اس کا مشورہ بلا کسی پس و پیش کے مان لیا۔

ابائی نے پورا موسم خزاں ھی نہیں، نصف سردیاں بھی شہر میں گزاریں۔ بچے اب اسکول جانے لگے تھے لیکن وہ ان سے رخصت ھونے پر خود کو آمادہ ھی نہیں کر پا رھا تھا۔ اتوار کو چھوڑکے ھفتے کے تمام دن گوگول لائبریری میں گزارتا تھا جہاں اس کا مطالعہ انتہائی دلچسپ تحقیقی کام کی نوعیت اختیار کرتا جا رھا تھا۔ شام کو وہ اپنی پڑھی ھوئی بعض کتابوں کے متعلق بائےمغمبیت سے باتیں کرتا اور اسے بتاتا کہ اس نے کیا کیا پڑھا ھے۔ چنانچہ آخرالذکر کے قصوں کہانیوں کی تعداد باقاعدگی سے بڑھتی جا رھی تھی۔

سنیچر کو بائےمغمبیت برف گاڑی میں گھوڑے جوت گے مغاش، گل‌بدن اور آبیش کو لینے جاتا تھا۔ اس طرح ابائی ھفتے میں دو راتیں اور ایک دن اپنے بچوں کے ساتھ گزار لیتا تھا۔ اس دوران اس کا کوئی دوسرا پروگرام نہیں ھوتا تھا۔ پڑاؤ پر سے کوئی آ جاتا تھا تو اس سے بھی ملاقات نہیں کرتا تھا۔ ایک ایک لمحہ بچوں کے لئے وقف رکھتا تھا: کبھی ان کے سبق یاد کراتا، کبھی ان کے ساتھ کھیلتا اور کبھی بائےمغمبیت سے ان کو کہانیاں سنواتا۔ بعض اوقات سب لوگ مل کے گیت بھی گاتے اور اس طرح ھنسی خوشی وقت گزر جاتا۔

اس نے متعدد قزاخ یتیم بچوں کے لئے کچھ انتظامات کئے جو میخائلوف سے اس کی بات‌چیت کا نتیجہ تھے۔ میخائلوف نے بتایا تھا کہ اومسک سے "کور" کی طرف سے موصول ھونےوالے ایک حکم کے بموجب ھر وولوست سے ایک لڑکے کو شہر کے اسکول میں بھیجا جانا تھا۔ والدین اپنے بیٹوں کو شہر بھیجنے پر تیار نہیں ھوئے تھے، کچھ لوگ ضرور راضی ھو سکتے تھے لیکن محض اس صورت میں کہ انہیں بچوں کو اسکول بھیجنے کے سلسلے میں معقول معاوضہ دیا جاتا۔ استیپیوں میں علم کی جو ھلکی سی روشنی پہنچی تھی اسے صدیوں پرانے تعصبات نے جلد ھی بجھا دیا تھا۔ میخائلوف نے بڑی تلخی کے ساتھ کہا کہ پورے سیمی‌پالاتنسک ضلعے میں ایک بھی خاندان ایسا نہیں جو اپنے بیٹے کو اسکول بھیجنے پر تیار ھو۔ اس صورت حال کے مد نظر ابائی نے اس سلسلے میں توبیق‌ی کے کچھ رشتےداروں کو جنہیں وہ متاثر کر سکتا تھا، خطوط بھیجے تھے۔

غریب جاتقوں کا خیال اسے مسلسل پریشان کئے ھوئے تھا۔ حال ھی میں اسے معلوم ھوا تھا کہ بالقی‌بیک میں قبائلی جلسے کے موقعے پر اس نے ان غریبوں کو جتنے گھوڑے دلوائے تھے ان میں سے کچھ ان سے چھن چکے تھے۔ یہ سچ تھا کہ تیسوں گھوڑے بہ‌حفاظت یرعلی پہنچا دئے گئے تھے لیکن موسم خزاں تک ان میں سے ایک دو نہیں دس گھوڑے غائب ھو چکے تھے۔ انہیں ایک ایک دو دو کرکے نامعلوم گھوڑے چور ھانک لے گئے تھے۔ "کم از کم کچھ ھی جاتقوں کو علم کی دولت ھاتھ لگ جائے، یہ ایسی چیز ھے جو چرائی نہیں جا سکتی" اس نے اسکولوں میں غریبوں کے بچوں کے لئے انتظابات کرتے وقت سوچا۔

نصف سے زائد موسم سرما بیت چکا تھا اور اب ابائی کے اپنے پڑاؤ پر واپس جانے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے ایک سنیچر کو بائےمغمبیت کو شہر میں زیر تعلیم قزاخ بچوں کو اکٹھا کرنے کی ہدایت کی جو نصف دن اس کام میں مصروف رہا۔ شام کو ابائی کا گھر بچوں کے گیتوں سے گونج اٹھا۔ وہ طرح طرح کے کھیل کھیلتے رہے، ابائی نے انہیں معمے حل کرنے کو دئے اور بائےمغمبیت نے انہیں کہانیاں اور مزاحیہ کہاوتیں سنائیں۔ شام کے کھانے سے قبل جبکہ بچے تھک چکے تھے اور شور غل نہیں مچا رہے تھے، ابائی نے اپنے ننھے مہمانوں اور خود اپنے بچوں کو اپنے پاس بلایا۔

بچے اس کے گرد اس توقع میں کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے، کھڑے ہوئے تھے۔ ابائی نے ایک کاغذ نکالا۔ یہ ایک نظم تھی جو اس نے اسی روز صبح کو لکھی تھی:

تیرگی اور جہل میں میرا لڑکپن کٹ گیا
علم کے اثمار کی دولت سے تھا میں بےخبر
تم ہماری آس ہو بچو، توقع اور خوشی
بڑھکے جرأت سے کرو حاصل وہ سب علم و ہنر
جن کی برسوں قبل ہم محسوس کرتے تھے کمی
چاہتا ہوں میں تمہارا مقصد اصلی یہ ہو
عہد و منصب کی، اپنی ذات کی خاطر نہیں
قوم، ساری قوم کی بہبود کی خاطر پڑھو
یوں پڑھوگے تم تو خود ہی دیکھ لوگے، میری جاں
کوششیں ہرگز نہ جائیں گی تمہاری رائیگاں

اس نے بچوں کو یہ نظم کئی بار سنائی۔ پھر ان سے چند الوداعی کلمات کہے:

"میرے پیارے بچو! ہم لوگ جو تمہارے باپ اور بڑے بھائی ہیں، اس گھاس جیسے ہیں جو صحیح معنوں میں بڑھنے پھیلنے سے قبل ہی مرجھا گئی ہو۔ افسوس کہ جب ہماری عمر تعلیم حاصل کرنے کی تھی تو ہمیں کوئی تعلیم نہ میسر ہوئی۔ ہم لکھنے پڑھنے کے خواب دیکھا کرتے تھے لیکن یہ خواب کبھی حقیقت نہ بن سکے۔ میری

بہت زیادہ خواہش ہے کہ تم ایسا ہی کرو جیسا کہ میں نے اپنی اس نظم میں کہا ہے۔ یہ صرف میری ہی خواہش نہیں ہے بلکہ استیپیوں میں تمہارے دوستوں کی بھی، ان سب کی بھی خواہش ہے جن کو توقع ہے کہ تم ایک دن بڑے ہوکے ان کے کام آؤگے۔ تم لوگوں کو صرف ایک خیال ذہن میں رکھکے تعلیم حاصل کرنی چاہئے اور وہ یہ کہ تم مفید اور ایماندار آدمی اور اپنے عوام کے مفادات کے علمبردار بن سکو۔"

ذرا دیر خاموش رہکے اس نے اپنی بات ان الفاظ پر ختم کی:

"اپنی روانگی سے قبل مجھے تم سے بس یہی کہنا ہے۔ یہ نظم ایک مغنی شاعر نے جس کا نام کوک‌پائے ہے، خاص طور سے تم لوگوں کے لئے لکھی ہے۔"

اس موسم سرما میں ابائی اپنے محبوب خوابوں اور خیالوں کو اکثر شعر کے قالب میں ڈھالتا رہا تھا لیکن اسے اب بھی اپنے صحیح معنوں میں شاعر ہونے کا یقین نہ تھا۔ اسی لئے اس کا بلند سے بلندتر معیار کا طالب قلم، غیرمعروف نام کوک‌پائے کے پردے میں اس کی شخصیت کو چھپائے رہتا تھا۔

چوٹی پر

۱

کئی سال، سخت محنت اور تلاش و جستجو کے کئی سال بیت چکے تھے۔ لیکن ابائی کے لئے سب سے پرمسرت وقت وهی هوتا تھا جو کسی کتاب کے مطالعے یا اشعار کی تخلیق میں صرف هوتا تھا۔ غور و فکر میں کھوئے رهنا اور اپنے تجربات کو کاغذ پر منتقل کرنا اس کا مقصد زندگی بن چکا تھا۔ صداقت کی وہ چنگاریاں جو اسے کتابوں میں ملتی تھیں یا جنهیں وہ زندگی سے اخذ کرتا تھا، اس کی نظموں اور گیتوں میں ڈھل جاتی تھیں۔ ایسی نظمیں اور گیت قزاخی زبان میں اس سے قبل کبھی بھی نہیں تخلیق کئے گئے تھے۔

اس کے نام کی دور دور تک شہرت هو چکی تھی اور اسے احساس تھا کہ اس کی شعری تخلیقات عوام کے سلسلے میں اس کے ایک فرض کی حیثیت رکھتی تھیں۔ "عوامی" نام کے اس کے شعری مجموعے میں جاهل طفیلیوں، استیپیوں کے سنگ دل امیروں اور بددیانت افسروں کو خوب خوب نشانہ تضحیک بنایا گیا تھا۔ نوجوان افراد کے لیے وہ حسن و عشق کے گیت گاتا اور خیالات اور جذبات میں وسعت اور گهرائی پیدا کرتا تھا۔

آق‌شوقی میں تخلیق کئے جانے‌والے گیت جلد هی بےکراں استیپیوں میں پھیل گئے۔ وہ انهیں کاغذ پر لکھ لیتا تھا اور اس کے نوجوان، جوشیلے مداح انهیں یاد کر لیتے، ان کے لئے موزوں دھنیں تیار کرتے اور انهیں گا گاکے دور دور تک عام کر دیتے۔

سردیوں کی ایک صبح کو جبکہ دھوپ پھیلی هوئی تھی، ابائی

اپنے اونچے، هاتھی دانت کے جڑاؤ کام‌والے پلنگ کے قریب اپنی عام جگہ پر اپنا محبوب گاؤ تکیہ پہلو میں رکھے بیٹھا ہوا تھا، ہاتھ کبھی گھٹنے پر رکھ لیتا تھا، کبھی چھوٹی گول چوکی کے سرے پر۔ وہ خیالوں میں کھویا ہوا، دریچے سے آق‌شوقی پہاڑیوں کی برف‌پوش ڈھلانوں پر جو دھوپ میں چمک رہی تھیں، نظریں جمائے ہوئے تھا۔ سوچ رہا تھا کہ ان برف‌پوش پہاڑوں سے ابھرتی ہوئی قوت کتنی پراسرار ہے!

اسے اکثر صلح صفائی کرانے‌والے شخص کی ذمے‌داریاں نبھانی پڑتی تھیں لیکن اس سال اس نے کسی نہ کسی طرح اس کام سے اپنا پیچھا چھڑا لیا تھا اور موسم سرما کا زیادہ‌تر وقت گھر کے اندر ہی گزارا تھا۔ کتابوں کے مطالعے، نظموں کی تخلیق اور گھنٹوں وجدانی کیفیت سے غور و فکر کرنے کے اس زمانے میں وہ ان پہاڑیوں کو اپنا پرانا دوست تصور کرنے لگا تھا۔ وہ صبح کو اور شام کے جھٹپٹے میں اس کی اداسیوں کی ہم‌نوائی کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ پہاڑیاں اپنی تمام سادگی کے ساتھ اپنے سینے میں شدید آرزوئیں چھپائے ہوئے معلوم ہوتی تھیں۔ ابرآلود ایام میں آفتاب کی آرزو اور موسم سرما میں آمد بہار کی تمنا۔ لیکن آج ان کی سفید چوٹیوں سے اداسی نہیں ٹپک رہی تھی: ان کی کھڑی ڈھلانوں پر طرح طرح کے جانوروں کے گلے نظر آ رہے تھے اور ان کے سنسان ماحول میں گلے‌بان کا گیت گونج رہا تھا۔

بائے‌مغم‌بیت کو ابائی کے خیالوں میں کھوئے ہونے کا احساس تھا اس لئے وہ احترام کے ساتھ خود کو ذرا الگ تھلگ رکھے ہوئے تھا۔ وقت گزارنے کے لئے اس نے ابائی کا پرانا کوڑا اٹھا لیا تھا اور اس کا تسمہ بدل رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد ابائی پر ایک نگاہ ڈال لیتا تھا جو ہوا میں ہاتھ لہرائے ہوئے کچھ بدبدا رہا تھا۔ یہ عجیب سی عادت اسے انہی سردیوں میں پڑی تھی۔ بائے‌مغم‌بیت کو یقین تھا کہ وہ کسی بھی لمحے اس سے کاغذ پنسل مانگنے ہی والا ہے لیکن ابائی نے کچھ نہ کہا صرف بایاں ہاتھ پھیلا دیا۔ بائے‌مغم‌بیت نے اس کی خواہش کو بھانپ لیا اور دو موٹی پرانی کتابیں اٹھاکے چوکی پر رکھ دیں۔

ابائی نے ان میں سے ایک کتاب کھولی، وہ صفحہ نکالا جس

گی اسے تلاش تھی؛ ایک نظر میں اسے پڑھا اور پیچھے ٹیک لگاکے پھر خیالوں میں کھو گیا۔

میلوں تک کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو بہت دور، ایک دوسری دنیا اور زمانے سے تعلق رکھنےوالے دو شاعروں کی ان کتابوں کو پڑھ سکتا۔

پشکن اور لیرمونتوف دونوں نے، استیپیوں سے بہت دور دراز علاقے میں زندگی بسر کی تھی اور قزاخوں کے لئے جنہوں نے کبھی ان کے نام نہیں سنے تھے، بالکل اجنبی تھے۔ انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار بھی ایک اجنبی زبان میں کیا تھا لیکن ابائی کو قریبی عزیزوں جیسے معلوم ہوتے تھے۔ایسا لگتا تھا جیسے اپنی اداسی کے ساتھ وہ اس سے کہہ رہے ہوں: "تم ہمارے ہی جیسے ہو، ہمارے خیالات یکساں ہیں۔"

یہ شاعر زندوں میں سے نہیں تھے لیکن مرے بھی نہیں تھے۔ ابائی نے سوچا کہ یہ شاعر تو جاوداں ہیں، ان کے نام تو دنیا ہمیشہ یاد رکھےگی۔ کوئی آدمی عموماً اپنے پیچھے چھوڑ ہی کے کیا جاتا ہے؟ محض ایک قبر اور اسے بھی ہوائیں دھیرے دھیرے زمین کے برابر کر دیتی ہیں لیکن یہ دونوں شاعر آق‌شوقی کی دو چوٹیوں کی طرح ہمیشہ برقرار رہیں گے۔

"کتنی خوش‌نصیب ہے وہ قوم جو علم کی دولت سے مالا مال ہو" ابائی نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے سوچا۔ "کاش ہم قزاخوں کو بھی اپنے آبا و اجداد سے علم و دانش کے خزانے ورثے میں ملے ہوتے۔ ان دو شاعروں کی یاد تو آنےوالی نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔"

ابائی نے "یوگینی اونیگین" سے تاتیانا کا خط پڑھنا شروع کیا تو اس نے سوچا: "الفاظ کا تانا بانا کتنی مہارت کے ساتھ بنا گیا ہے اور یہ الفاظ اپنی لطافت اور نرمی کے ساتھ آج بھی اتنے ہی زندہ ہیں جتنی کہ خود سانس۔" اسے اچانک اپنی ایک پرانی نظم یاد آ گئی:

محبت کرنےوالوں کی زباں کچھ اور ہوتی ہے
دلوں کی گفتگو کو لفظ کب درکار ہوتے ہیں

چمک اٹھتی ھیں آنکھیں، ھوتے ھیں ابرو میں خم پیدا
سوالوں اور جوابوں کے یہی اظہار ھوتے ھیں۔
محبت کی زباں میں بات کرتا تھا کبھی میں بھی
اشاروں کو سمجھتا تھا، بخوبی جانتا تھا میں
مگر افسوس ایام جوانی ھو گئے رخصت
زمانہ اس طرح گزرا کہ سب کچھ بھول بیٹھا میں

اس نے خط کے مصرعے باربار پڑھے۔

"مجھ پر خود بھی یہ ساری کیفیت بیتی ھے لیکن میں نے اور کہیں بھی نہیں پڑھا کہ اس کیفیت کا اظہار ایسے حیرت‌انگیز طور پر کیا گیا ھو!"

دو صورتیں اچانک دو ٹوٹتے ھوئے ستاروں کی طرح اس کی نگاھوں میں پھر گئیں۔ ایک تھی توغجان – تابندہ شباب کی علامت اور دوسری تھی سلطنت – فکر میں ڈوبی آرزومندی کا پیکر۔ گزشتہ رات وہ تاتیانا کے خط کا قزاخی زبان میں ترجمہ کرتے وقت انہی دونوں کے بارے میں سوچ رھا تھا۔ تاتیانا کی طرح ان دونوں نے بھی عقل کی آواز پر لبیک کہہ‌کر دل کی آواز کو کچل دیا تھا اور خود کو بندھنوں سے آزاد نہیں کر سکی تھیں۔ ان کے الوداعی الفاظ اس کے دل میں گونجنے لگے۔

اس کا خیال تھا کہ توغجان اور سلطنت، تاتیانا کے الفاظ کو اپنے الفاظ تصور کریں‌گی اور اسی لئے اس نے ان کا ترجمہ کیا تھا۔ دو دنوں سے وہ تاتیانا کے منہ سے ایک اجنبی زبان – قزاخی کے الفاظ ادا کرا رھا تھا۔ وہ اس کام میں سخت جانفشانی سے مصروف تھا تو اسے اظہار کے نئے نئے انداز سوجھے جو اپنی اداسی کے ساتھ بڑے لطیف تھے۔ اس نے اپنے ترجمے کو روسی اصل سے ملایا تو اسے پتہ چلا کہ خود اس کی تاتیانا نے بعض اوقات ایسے الفاظ بھی استعمال کئے تھے جو بہت ھی معمولی تھے لیکن ان سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ وہ نئے سننےوالوں کے لئے لکھے گئے تھے۔ "اس کے باوجود لوگ سمجھ بھی سکیں‌گے؟" اس نے سوچا۔

وہ اپنے دومبرے پر انگلیاں پھیرتے ھوئے دھیرے دھیرے گنگنانے لگا۔ کہنے کو تو اس کی آنکھیں آق‌شوقی کی دو چوٹیوں پر جمی

ہوئی تھیں لیکن وہ دیکھ اندر کی طرف رہا تھا۔ گزشتہ رات وہ سونے لیٹا تھا تو گیت کی دھن کی مبہم سی لے اس کے سینے میں کروٹیں لے رہی تھی لیکن اس وقت وہ زیادہ سے زیادہ نمایاں ہونے لگی۔ اس نے گانے کی کوشش کی تو دھن کو نظم کی بحر سے بہت قریب پایا۔

مرے خاوند ہوتے تم — خدا نے بھی یہ چاہا تھا
لٹاتی جان و دل تم پر، سمجھتی تم کو میں اپنا...

تاتیانا کے راز کا نغمے میں اظہار ہونے لگا تھا لیکن ذرا جھینپے جھینپے، غیریقینی سے انداز میں۔ ابائی نے دومبرے پر اپنی کوششیں جاری رکھیں اور آخرکار گیت کے سر واضح ہو گئے۔ آخری دو مصرعے خاص طور سے دشوار ثابت ہو رہے تھے لیکن ذرا دیر بعد وہ بھی نغمے کے سر سے ہمآہنگ ہو گئے۔

اس کے بعد ابائی نے تاتیانا کے خط کے تین بند گائے اور مطمئن ہوکے مسکرانے لگا۔ اس نے تمباکو کی ایک اور چٹکی منھ میں رکھی۔ نغمے کے سر اسے یاد ہو گئے تھے۔

۲

ابائی کے سردیوں کے مکان میں اتنے زیادہ مہمان اکٹھا تھے کہ اس کا وہ بڑا کمرہ جہاں شام کو چائے پینے کے بعد بیٹھا کرتا تھا، ان سب کے بیٹھنے کے لئے بہت ہی چھوٹا ثابت ہو رہا تھا۔

آئیگیریم، یربول، بائےمغمبیت اور ابائی کا نوجوان بھتیجا کاکیتائے میزبان کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ بوڑھا بائےتوری، برکتبائے اور بائےقدم اپنی بیویوں کے ساتھ آئے تھے اور اس وقت ابائی کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ کاکیتائے کی آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی۔ اس نوجوان خوشاخلاق بانکے نے جس کے چہرے پر مسکراہٹ منڈلاتی رہتی تھی، اپنی خوشدلی سے ہر ایک کو اپنا

گرویدہ بنا لیا تھا اور سب کے ساتھ دوستانہ رویہ اپناتے ہوئے ہنس بول رہا تھا۔

کاکی‌تائے، ابائی کے بھائی اسحاق کا بیٹا تھا جسے ابائی نے گود لے لیا تھا اور وہ دو سال سے ابائی کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

وہ بےفکر شباب کی جیتی جاگتی تصویر تھا: کشادہ چہرہ جس سے صاف‌دلی ٹپکتی تھی، بڑی بڑی کسی حد تک باہر نکلی ہوئی آنکھیں اور ذرا اوپر کو ابھری ہوئی ناک۔ بھرے بھرے سرخ ہونٹ اتنے پرکشش تھے کہ کسی بھی نوجوان عورت کے لئے باعث رشک ثابت ہوتے۔ ابائی کو لڑکے کی شفاف آنکھیں اور پرمسرت آواز جو اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، خاص طور سے پسند تھیں۔

کاکی‌تائے کو اسکول نہیں بھیجا جا سکا لیکن ابائی کے ساتھ رہتے ہوئے اس نے روسی زبان کا غیرمعمولی جوش و خروش سے مطالعہ کیا تھا اور گھنٹوں روسی کتابوں کے مطالعے میں کھویا رہتا تھا۔ وہ آبیش کے چھٹیوں میں گھر آنے پر اس کے ساتھ بھی پڑھتا اور اسے بتاتا تھا کہ اس نے کیا کیا پڑھا ہے۔ وہ ہمیشہ ابائی کے ساتھ رہتا تھا، جہاں بھی ابائی جاتا اس کے ساتھ رہتا اور اپنے چچا سے اس کی پڑھی ہوئی روسی کتابوں کے متعلق برابر دریافت کرتا رہتا۔ دراصل اب وہ ہر اعتبار سے شہر کے کسی بھی طالب علم جیسی استعداد کا مالک ہو گیا تھا اور کوئی بھی ٹیچر اس پر فخر کر سکتا تھا۔

نوجوان شاعروں اور مغنیوں کا ابائی کے گھر میں ہمیشہ ہی خیرمقدم کیا جاتا تھا۔ ان کا ایک گروہ سیمی‌پالاتنسک میں چند مہینے گزارکے گھوڑوں اور گھوڑا گاڑیوں پر ابھی ابھی استیپیوں کو واپس ہوا تھا۔ ان میں کوک‌پائے، موخا، مغاویا، ارسائے کا بیٹا اسحاق، شوبار اور محمدجان بھی شامل تھے۔ آخرالذکر جس کی ابائی سے رشتےداری بھی تھی. ضلعے کا بہترین گلوکار تھا۔ گزشتہ برسوں میں بھی یہ لوگ اکثر ابائی کے یہاں آتے، کافی دنوں تک قیام کرتے اور قریبی تعلقات‌والے احباب کے اس پرمسرت حلقے میں اپنے دن اور راتیں گزارتے تھے۔

وہ ذرا دیر پہلے ہی ابائی کے یہاں پہنچے تھے اور کوک‌پائے نے دوسروں کی طرف سے ابائی اور آئی‌گیریم کو مخاطب کیا۔

"ابائی آغا، اب کے سیمی‌پالاتنسک میں تو ہم لوگوں نے دھوم ہی مچا دی۔ ہماری اتنی قدر کی گئی کہ کچھ نہ پوچھئے جیسے ہم لوگ سچ مچ بڑے نامور افراد ہوں۔ دریا کے دونوں ہی جانب کوئی بھی خاندانی تقریب، شادی بیاہ اور دوسرے جشن کیا مجال جو ہماری شرکت کے بغیر ہو جائیں۔ ہم پر لطف و کرم کی بارش کے معاملے میں لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے کوشاں رہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ محض آپ کے گیتوں کے طفیل میں ہوا خاص طور سے "تاتیانا کا نغمہ" کی وجہ سے جسے محمدجان نے ہم لوگوں تک پہنچایا تھا۔ وہاں ہر شخص متفق تھا کہ ہم لوگ گیتوں کے بادشاہ ہیں بادشاہ۔ اجازت دیجئے تو دکھائیں کہ ہم لوگ گیتوں سے کیا گل کھلاتے ہیں۔"

"لیکن بھئی تم میں سے ہر ایک الگ الگ بڑے بڑے مجمعوں کی تفریح طبع کا سامان فراہم کر سکا تو یہاں جانے کیا صورت پیدا ہو جبکہ تم سب ایک ساتھ گاؤ" ابائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آئی‌گیریم، کاکی‌تائے، یربول اور بائےمغم‌بیت! پڑاؤ کے تمام افراد — جوانوں، بوڑھوں سب کو بلا لو! گلوکاروں کو اپنی صلاحیتوں پر کچھ اتنا گھمنڈ ہے کہ یہ صرف ہم چار پانچ افراد کے لئے گانے سے رہے۔ اور ہاں اس کہاوت کو یاد رکھنا: "خاطر تواضع اور کھلانے پلانے میں بخل سے کام لیا جاتا ہے تو مہمان اپنی زبان کاٹ لیتا ہے!" خیال رکھنا کہ ہمارے مہمانوں کے لئے اس کی نوبت نہ آنے پائے! ہر ایک کے آرام کا خیال کیا جائے اور خوب خاطر مدارات ہو۔"

شام کے جھٹپٹے میں کاکی‌تائے اور بائےمغم‌بیت سارے پڑوسیوں کے یہاں جاکے انہیں مدعو کر آئے۔

مہمان اکٹھا ہو رہے تھے تو کوک‌پائے نے ابائی کو شہر کی تازہ‌ترین خبریں بتائیں۔ اس نے بتایا کہ میخائلوف کو تاتیانا کے خط کا ترجمہ کئے جانے سے بےحد خوشی ہوئی ہے اور اس نے ابائی کو مبارک‌باد دی ہے۔ میخائلوف نے کچھ اعتراضات کئے تھے ان کا بھی اس نے تذکرہ کر دیا۔

ابائی کو اپنے دوست کی باریک‌بینی سے بہت خوشی ہوئی۔
"بھئی بانکو، میخائلوف کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے" اس نے تسلیم کیا۔ "میرا ترجمہ اتنا نپا تلا نہیں ہے جتنا کہ ہونا چاہئے تھا۔ بات یہ ہے کہ میں خود اپنے جذبات کی رو میں بہہ گیا تھا۔"
وہ ان مصرعوں کے سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا جو خود اس کی یادوں کے زیراثر لکھے گئے تھے اس لئے وہ اپنے دوست کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔
"دراصل میخائلوف بڑی تیز ناقدانہ نگاہ کے مالک ہیں۔ قزاخی زبان انہیں ٹھیک سے نہیں آتی، پھر بھی انہیں ترجمے کی خامیوں کا پتہ چل گیا۔ مطالعہ انسان کو ایسی ہی بصیرت عطا کرتا ہے۔"
شام نغمات اور شعر و سخن کی محفل میں بدل گئی جس کے دوران شاعروں اور مغنیوں میں شاعری کے مقابلے بھی ہوئے اور نصف شب کے بہت دیر بعد بڑے بوڑھے اس کے خیمے سے گئے۔ گانے میں مہمان اور پڑاؤ کے لوگ دونوں شریک ہوئے۔ صرف ابائی اور آئی‌گیریم نے حصہ نہ لیا۔ کبھی موخا، محمدجان اور کوک‌پائے نے باری باری گیت گائے کبھی مغاویا اور کاکی‌تائے نے مل‌کے گایا۔ بعد میں اسحاق، یربول اور بائےمغم‌بیت نے شوبار اور کوک‌پائے کی آواز میں آواز ملاکے نغمے چھیڑے۔ ابائی اور آئی‌گیریم کی درخواست پر بہترین گلوکاروں نے اپنے پسندیدہ گیت سنائے جن میں پرانے اور نئے دونوں طرح کے گیت شامل تھے۔ آخر میں کوک‌پائے اور محمدجان نے آئی‌گیریم سے گانے کی فرمائش کی۔
"جانے کتنے دن ہو گئے انہیں گاتے نہیں سنا۔ آخر یہ کبھی گاتیں کیوں نہیں؟ ابائی آغا، کیا آج بھی ہم لوگ ان کا گانا نہ سن سکیں‌گے؟" ان لوگوں نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔
ابائی نے آئی‌گیریم کی طرف دیکھا۔ اس کا حسن پگھلے ہوئے سونے کی طرح دمکتا معلوم ہو رہا تھا۔
"آئی‌گیریم اب کہاں گاتی ہیں۔ وہ گانا ہی نہیں چاہتیں" اس کی اداس آواز میں تلخی کی بھی آمیزش تھی۔
ان کی ازدواجی زندگی، گزشتہ ان برسوں میں ایک دوسرے کے احترام پر مبنی تھی۔ اس کے سوا اس میں اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ مسرت جس سے کبھی دونوں ہمکنار تھے، واپس نہیں آئی تھی۔ ایسا

لگتا تھا کہ ان کے دل ہمیشہ ہمیشہ کو ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن چکے ہیں۔

ابائی کی آواز میں ایک محبت بھری شکایت، بیتے ہوئے رنگین ایام کی ایک گونج مضمر تھی اور آئی‌گیریم کو اچانک اپنے دل کی دھڑکن رکتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔ وہ تیزی سے ابائی کی طرف مڑی، آنکھیں کسی چیز کی متلاشی سی تھیں اور ہونٹ تقریباً مسکراتے ہوئے۔

"ابائی، اچھا بتائیے اس کے لئے کیا میں قصوروار ہوں؟ آپ نے خود ہی میرے گیت سننا بند نہیں کیا تھا؟"

"خیر تو اب سہی، اب گاؤ نا، آئی‌گیریم! ہمارے لئے نئے گیت گاؤ نا!"

اب آئی‌گیریم کے سوا اسے اور کسی سے گیت سننے سے کوئی دلچسپی نہیں باقی رہ گئی تھی۔

آئی‌گیریم نے یربول پر نظر ڈالتے ہوئے بہت ہلکا سا اشارہ، تقریباً دکھائی نہ دینےوالا اشارہ کیا اور وہ فوراً ہی سمجھ گیا۔ اس نے دومبرا اٹھایا اور کچھ زیادہ قریب کھسک‌کے ساز کو چھیڑ دیا۔ "تاتیانا کا نغمہ" اپنی نقرئی لہروں کے ساتھ سارے گھر میں گونج اٹھا۔ سب لوگ خاموش تھے، گیت میں کھوکے رہ گئے تھے۔

ابائی دنگ رہ گیا۔ جہاں تک اسے معلوم تھا آئی‌گیریم نے یہ نظم کبھی بھی نہیں گائی تھی لیکن اسے ایک ایک لفظ بھی یاد تھا اور نغمے کا ایک ایک اتار چڑھاؤ بھی۔ دراصل اس نے یربول کی مدد سے اسے یاد کر لیا تھا۔

"یہ تو خود تاتیانا ہے جو گا رہی ہے!" وہاں موجود ہر شاعر کے ذہن میں اچانک خیال آیا۔

ابائی نے اپنے اس گیت کو پہلی بار محمدجان کے ہونٹوں سے سنا تھا، اسی روز جبکہ اس نے اسے مکمل کیا تھا۔ اب اسے دوسری بار سنا تو جذبات کی ایک نئی لہر میں بہہ سا گیا۔ آئی‌گیریم نے تاتیانا کے الفاظ کو اپنی آواز سے نئے معنی پہنا دئے تھے اور یہ گیت خود اپنے خالق کے سامنے دوسری بار جنم لے رہا تھا۔

ابائی کو ایسا لگا جیسے اس کی جوانی واپس آ گئی ہو۔ اس لئے کہ وہ اس وقت اپنے سینے میں وہی گرمی جذبات محسوس کر رہا

تھا جو اس نے محبوبہ کو پہلی بار گاتے ہوئے سن کے محسوس کی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی آئی‌گیریم صرف گا ہی نہیں رہی تھی بلکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے گیت کے الفاظ اور نغمہ اس کی ذات میں ڈھل کے رہ گئے ہوں۔ ساری پرشوق آرزوئیں، ساری سرگوشیاں ایک شعلے میں تبدیل ہوکر رہ گئی تھیں، ایک ایسی آگ میں جو صرف اس کے لئے، صرف ابائی کے لئے روشن تھی۔

مرے خاوند ہوتے تم — خدا نے بھی یہ چاہا تھا
لٹاتی جان و دل تم پر سمجھتی تم کو میں اپنا
مگر تم کو یہ کب منظور تھا، تم تو ہوئے رخصت
میں تنہا رہ گئی، تاریکیوں کے درمیاں تنہا...

کیا یہ ایک غمگین شکایت نہ تھی؟ اس کا چہرہ بےحد زرد پڑ گیا تھا۔ اس کی خفیہ آرزوؤں کا، کانپتے ہوئے ایک ایک لفظ سے اظہار ہو رہا تھا، جیسے وہ ابائی سے دریافت کر رہی ہو: "قصور کیا میرا ہی ہے؟ اور اگر ہے بھی تو کیا مجھے معاف نہیں کر سکتے؟ کیا ہم اپنی ماضی کی مسرتیں دوبارہ نہیں حاصل کر سکتے؟"

آئی‌گیریم کچھ تھک سی گئی جیسے گیت نے اس کی ساری قوت کھینچ لی ہو۔ ذرا دیر تک کسی کو خاموشی کا طلسم توڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ابائی بالکل بےحس و حرکت بیٹھا ہوا تھا، اپنے اوپر قابو ہی نہیں پا رہا تھا۔ آخر اس نے ایک اچانک عزم کے ساتھ آئی‌گیریم کو اپنے بازو میں سمیٹ لیا۔

"آئی‌گیریم، میری جنت، تم نے اپنے گیت اور اپنے آنسوؤں کے ذریعے مجھ سے بات کر لی۔ تم میرے پاس لوٹ آئیں!"

مہمانوں پر بےحد اثر ہوا۔

"اوہ تاتیانا، تم نے ایک قزاخ کی بیٹی میں خود کو پا لیا" کوک‌پائے نے کہا۔ "بہت سے دل تمہارے الفاظ کی زبان میں باتیں کریں گے۔"

لیکن ابائی اور آئی‌گیریم کچھ نہ کہہ سکے۔ دلوں میں بیدار ہونےوالی نئی محبت کو نہ الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کسی اجنبی کی نگاہ برداشت کر سکتی ہے۔

موخا، کوک‌پائے اور دوسرے بانکے اٹھ کے چلے گئے۔

گیت نے آئی‌گیریم اور ابائی کے دلوں میں پڑی ہوئی گرھیں کھول دی تھیں۔

شاعری ان دونوں کو برابر والوں کی حیثیت سے، یکساں طور پر وجدانی کیفیت سے متاثر افراد کی حیثیت سے پھر ایک دوسرے کے قریب لے آئی تھی۔ شاعری نے انہیں ایک دوسرے سے غداری کرنے یا ایک دوسرے کو کھونے نہیں دیا تھا۔ ان کی محبت کا شعلہ از سر نو بھڑک اٹھا تھا۔

اس طرح عظیم روسی شاعر الیکساندر پشکن پہلی بار ۱۸۸۷ء کے موسم سرما میں قزاخ استیپیوں میں وارد ہوا۔ وہ اپنے ساتھ اپنے گیتوں اور اپنی تاتیانا کو لایا جس نے قزاخوں کو صاف اور سیدھی سادی زبان میں جو اس سے قبل کبھی نہیں استعمال کی گئی تھی، اپنی محبت کا اظہار کرنا سکھایا۔

گیت اوسپان کے خیمے میں گئے۔ پڑاؤ کے نوجوان افراد اور ملازمین کی خیمے کے گرد اچھی خاصی بھیڑ سی اکٹھا ہو گئی۔

اول‌جان نے ابائی کو عرصے سے نہیں دیکھا تھا اور اس کی یاد میں بری طرح تڑپتی رہتی تھی۔ وہ ابائی کی نظم سن رہی تھی اور کچھ اتنی زیادہ کھو سی گئی تھی کہ اسے مہمانوں کی آمد کی بھی خبر نہ ہوئی۔ شاید ان الفاظ میں خود اسے مخاطب کیا گیا تھا؟

پھر میں آیا ہوں، مخاطب ہوں نئی آواز سے
اب نئے اشعار کو سنئے، نئے انداز سے

اس کا بیٹا بوڑھے اور جاھل مغنی شاعروں کی مذمت کرتا تھا جو لفظوں کے تاجر تھے، امتیازی حیثیت حاصل کرنے کی فکر میں دیوانے رہتے تھے۔

یہ توبیق‌تی قبیلےوالے اس سارے علاقے میں
بڑے جھگڑالو ہیں، ہر ایک سے زیادہ فسادی ہیں
یہ سب ہیں بےحیا اور سازشی تاجر مگر خود کو
ہر اک سے قوم کا ہمدرد کہلانے کے عادی ہیں

وہ اوسپان کے زوردار قہقہے سے چونک پڑی۔ وہ خاموشی سے بیٹھا سن رہا تھا لیکن اس پر ہنسی کا دورہ پڑا اور اس نے تکےجان اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا جو سنجیدگی سے بیٹھے قمیز پی رہے تھے۔

"یہ رہے وہ لوگ" اس نے قہقہے کے درمیان کہا۔ "ابائی بھائی کی مراد دراصل انہی لوگوں سے ہے۔"

اوسپان نے جب یہ دیکھا کہ اس کی بات تکےجان، جیرین‌شے اور اورازبائے کو ناگوار ہوتی ہے تو وہ اور زیادہ جی کھول‌کے ہنسنے لگا اور پل بھر کے لئے ویسا ہی شرارتی بن گیا جیسا کہ اپنے بچپن میں تھا۔

"اوسپان، یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ یہ قہقہے کیوں؟ کسی جوان گدھے کی طرح ڈھینچو ڈھینچو کیوں؟" جیرین‌شے غرایا۔

"سارے توبیق‌تی قبیلے میں آپ تینوں سے بڑھ‌کے سازشی اور کوئی نہیں۔ اسی لئے تو ابائی نے آپ لوگوں پر ضرب لگائی ہے۔ ہمت ہو تو انکار کیجئے نا، جیرین‌شے!"

اول‌جان مسکرائی لیکن دوسرے ہی لمحے پھر اپنے خیالوں میں کھو گئی۔

"ابائی اپنی پیدائش کے دن ہی سے ہمیشہ میری ایک دنیا بنے رہے اور باقی تمام لوگ دوسری دنیا" محمدجان نظمیں پڑھ چکا تو اول‌جان نے کہا۔ "میرا سونے کا ڈلا، میرے دل کی مسرت۔ اور اب میں دیکھ رہی ہوں کہ میری امید پاپلر کا ایک خوبصورت درخت بن گئی ہے۔ اب میں سکون کے ساتھ مر سکتی ہوں۔ میرے پیارے خدا، مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہئے، میں تیری شکرگزار ہوں۔"

تکے‌جان کا غصہ اوسیان پر پھر بھڑک اٹھا۔ اس کی ماں نے جو کچھ کہا تھا اس کے بعد اس سے اظہار برھمی کئے بغیر نہ رہا جا سکا۔

"ارے آپا" اس نے اول‌جان سے کہا۔ "آپ یہ سب محض اس لئے کہہ رہی ہیں کہ آپ نے اپنا دل صرف ایک بیٹے کو دے رکھا ہے۔ کیا ہمارے خاندان کا اس کے علاوہ اور کوئی شخص شریف اور خوش‌بیان نہیں ہے؟ آپ نے لوگوں کو اکثر یہ کہتے نہیں سنا کیا: "خدا کا شکر ہے کہ ہمارے خاندان میں ایک بھی جادوگر یا مغنی شاعر نہیں پیدا ہوا"؟ تو پھر آخر ابائی سے اتنا زیادہ خوش ہونے کی کیا ضرورت آ پڑی؟ کیا وہ صحیح معنوں میں جادوگر نہیں؟" جیرین‌شے نے اورازبائی کی ٹانگ میں چٹکی لیتے ہوئے اسے اول‌جان کے چہرے کی طرف دیکھنے کا اشارہ کیا جو غصے کی شدت سے مسخ سا ہو گیا تھا۔

"مجھے یقین ہے تم سوچتے ہو کہ تم بھی اسی جھول میں پیدا ہوئے ہو جس میں ابائی لیکن عمدہ نسل کے شکاری کتے اور دوغلے کتے میں بہرحال فرق ہوتا ہے۔ کہنے کو جو جی چاہے کہو لیکن یاد رکھنا کہ تم ابائی کے ایک ناخن جتنی وقعت نہیں رکھتے!"

اس کا کشادہ جھری‌دار چہرہ نیلا پڑ گیا تھا اور آنکھیں جن میں آنسو منڈلا رہے تھے، لال انگارہ ہو رہی تھیں۔

تکےجان نے اپنی قمچی اور ٹوپی اٹھائی۔

"ہمیں چلنا چاھئے" اس نے اپنے اوپر بہ‌دقت قابو پاتے ہوئے جیرین‌شے اور اُورازبائے سے کہا۔ "میں بہت سن چکا!" اور وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

نظمیں اور نغمات جن کی تخلیق آق‌شوقی میں ہوئی تھی اور جنہیں لکھکے زبانی یاد کر لیا گیا تھا، قونان‌بائے کی بےخواب راتوں میں سے ایک رات کو اس تک پہنچے۔ وہ بستر پر پڑا بےچینی سے کروٹیں بدل رہا تھا اور کسی گیت کے بول جو بار بار دوھرائے جا رہے تھے، اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، مسلسل اس کی جھنجھلاھٹ میں اضافہ کئے جا رہے تھے۔

یہ گیت پڑاؤ کا رات کا پہریدار قریپ‌جان گا رہا تھا۔ یہ گیت اس نے پہلی بار سنا تھا تو اسے پورا کا پورا نہیں یاد ہو سکا تھا۔ صرف پہلا بند یاد تھا جسے اس کا بس چلتا تو ہمیشہ گاتا رہتا:

مرے خاوند ھوتے تم—خدا نے بھی یہ چاھا تھا
لٹاتی جان و دل تم پر، سمجھتی تم کو میں اپنا...

قونان‌بائے کو سارے الفاظ ٹھیک سے نہیں سنائی دے رہے تھے۔ وہ صرف اتنا ھی سمجھ پا رہا تھا کہ قسمت نے کسی شخص کو عذاب میں مبتلا کرکے ظلمتوں میں تنہا چھوڑ دیا ہے۔ نغمے نے جس سے مفر ممکن نہ تھا اور اس خوف نے جو اسے گیت کے لفظوں میں پوشیدہ سا محسوس ہو رہا تھا، اسے بالکل بدحواس کر دیا اور اس نے اپنی بیوی کو پکارا:

"ارے بھئی یہ شخص آخر کس کو کوس رہا ہے؟ ذرا جاکے معلوم تو کرو۔"

لیکن نورغانیم اس گیت کو جانتی تھی۔

"لوگ کہتے ھیں کہ یہ بھی ابائی کا ایک گیت ہے... آج تو ھر ایک کی زبان پر ھے" اس نے قونان‌بائے کو بتایا اور وہ بند سنایا۔

قونان‌بائے نے زور سے کراھتے ہوئے کروٹ لےکے منہ دیوار کی طرف کر لیا۔

"اس سے کہہ دو کہ خاموش ہو جائے، اپنی یہ گریہ و زاری بند کرے! کمبخت نے نیند حرام کر دی۔"

مرے خاوند ہوتے تم—خدا نے بھی یہ چاھا تھا
لٹاتی جان و دل تم پر، سمجھتی تم کو میں اپنا
مگر تم کو یہ کب منظور تھا، تم تو ہوئے رخصت
میں تنہا رہ گئی، تاریکیوں کے درمیاں تنہا...

نورغانیم نے پہلی بار یہ نظم سنی تھی تو ناقابل بیان حد تک اداس ہو گئی تھی۔ الفاظ خود اس کے درد و غم کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اسے بازارعلی کا، اس دوست کا خیال آیا تھا جو ضرورت کے وقت اسے چھوڑکے چلا گیا تھا۔ بازارعلی کی یاد آتے ہی اس کا دل بری طرح ملول ہو گیا تھا۔

اس نے پہریدار کو بلایا لیکن اس کو قونان‌بائے کی ھدایات سے مختلف ھدایات دیں:

"بھئی سنو تم اپنا یہ گیت پڑاؤ کے بالکل دور والے سرے پر گاؤ اور جب ھمارے خیمے کے قریب پہنچو تو اپنی آواز بالکل دھیمی کر لو... دراصل تمہارے اس جذباتی گیت سے بڑے میاں کے دل میں آگ لگ جاتی ھے۔ تمہارا گیت گرم‌ترین آگ سے بھی گرم ھے... اسے یہاں نہیں پسند کیا جاتا" اس نے بہت دھیرے کہی ہوئی یہ بات ایک سرد آہ کے ساتھ ختم کی۔

دراصل اس نے یہ بات پہریدار سے نہیں، خود اپنے آپ سے کہی تھی۔ ایک ایسی بات جو اس کی روح کی گہرائیوں میں راز کی طرح پوشیدہ تھی...

گرمیوں کی ایک پرسکون شام کو ابائی چٹانوں‌والی پہاڑی قاسقہ‌بلاق پر بیٹھا، پڑاؤ سے ابھرنے‌والی آوازوں کو سن رہا تھا۔ اس سال گرمیوں میں اس کا چھوٹا سا قبائلی گروہ "جائےلاؤ" نہیں گیا تھا۔ وھاں جانے کے بجائے وہ یہ موسم جاتقوں کے پڑوس میں گزار رہا تھا۔

اس روز صبح کو "جائےلاؤ" سے کئی مہمان آئے تھے۔ یہ نوجوان

مغنی شاعر تھے جو خوشخبری لائے تھے کہ ابائی کے گیت تمام استیپیوں میں بےحد مقبولیت حاصل کر چکے ھیں۔ قویان‌دین کے بھیڑ بھاڑ والے میلے میں ابائی کا نام ھر شخص کی زبان پر تھا۔

"استیپیوں میں ایک بہت ھی اچھا آدمی ابھرا ھے جس کا نام ھے ابائی۔ اس کے پاس ھمارے لئے مخصوص الفاظ اور ھدایات ھیں۔ بہت ھی عقل‌مند، غریبوں کا حامی اور ظالموں کا دشمن ھے۔ پیدا تو وہ توبیق‌تی قبیلے میں ھوا تھا لیکن دراصل عوام کا بیٹا ھے۔ ھم اس کے الفاظ اور ھدایات کے آگے سر تسلیم خم کریں گے۔"

یہ خبریں کوک‌پائے، موخا، محمدجان، مغاش اور کاکی‌تائے لائے تھے۔ یہ لوگ بڑے جوش وخروش سے آغا شاعر کے گرد جمع ھو گئے تھے اور سب کے سب اپنے اس دوست پر نازاں تھے۔

ابائی اپنے دوستوں کو چھوڑکے اس پہاڑی پر چڑھ آیا تھا اپنے خیالات کی دنیا میں تنہا کھو جانے کے لئے۔

اس کی نگاھیں یرعلی، اوئی‌قودیق اور قوریق کی بےکراں وسعتوں میں بھٹک رھی تھیں۔ شام کے سناٹوں میں ڈوبی اور آفتاب کی ترچھی شعاعوں سے نہاتی ھوئی یہ دنیا کتنی شاندار نظر آ رھی تھی!

ابائی کو ایسا لگا جیسے وہ کسی بحر بےکنار میں تنہا جہاز پر سوار ھو۔ بادبان کھلے ھوئے تھے اور وہ اجنبی ساحلوں کی طرف، اس منزل کی طرف جا رھا تھا جو مستقبل کہلاتی ھے۔ جہاز کا نام "امید اور جدوجہد" تھا اور وہ برابر آگے بڑھتا جا رھا تھا۔

ابائی نے اپنے اس خیالی جہاز کا راستہ دیکھنے کی کوشش میں ایک بار پھر دور افق کی طرف نظریں اٹھائیں۔

اس کی مسرتوں کے اس نظارے پر سیاہ بادل چھا گئے تو اس کے ذھن میں لمحاتی انبساط کی جگہ نئے خیالات کروٹیں لینے لگے۔

اس نے سوچا کہ اس کے سامنے زندگی ھے اور جدوجہد، اور وہ تنہا ھے۔یہ ضرور ھے کہ اسے طاقت اور امید میسر ھیں، اس کی طاقت اس کی شاعری اور امید عوام ھیں لیکن یہ امید تو ابھی تک خواب غفلت میں کھوئی ھوئی ھے۔ اور اس کی طاقت؟ کیا عوام اس کی شاعری کو سمجھ سکیں گے؟ کیا تنہا جدوجہد جاری رکھنے کے لئے اس میں صبر و ضبط اور قوت ارادی موجود ھیں؟

وہ اپنی زندگی کے بلندترین مقام پر پہنچ چکا تھا۔ اب سوال یہ

تھا کہ اس کے عقب میں، ماضی کے دامن میں کس چیز کی زیادتی ھے: نقصانات کی یا فوائد کی؟ اس نے جو کچھ کھو دیا تھا اس کے زیادہ‌تر حصے کے سلسلے میں اسے کوئی افسوس نہ تھا۔ اس کا باپ اس کے لئے اجنبی بن چکا تھا اور اس کا بھائی تکےجان بھی اجنبی ھی کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ تکےجان ھی کی طرح دوسرے بہت سے لوگ اس کے دشمن بن گئے تھے مثلاً جیرین‌شے اور اورازبائے۔ اس نے سوچا کہ ان لوگوں کی طرح اور بھی بہت سے لوگ اس کے دشمن بن جائیں گے لیکن جب تک عوام اس کے ساتھ ھیں، جب تک عوام کے دلوں تک پہنچنے کے راستے کو روشن کرنےوالی مشعل اس کے ھاتھ میں ھے، فکر اور پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔

اس نے ان الفاظ کو چپکے چپکے کسی عہد کی طرح ادا کیا۔

لیکن اس کے اس بحر بےکنار کو کیا ھو گیا تھا؟ اس نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔

سمندر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ یرعلی کا وسیع میدان ھمیشہ کی طرح اس کی نگاھوں کے سامنے پھیلا ھوا تھا۔ دور زمین سے غبار کا ایک بادل سا ابھر رہا تھا، اس کے بعد ایک اور بادل، پھر ایک اور۔ آخر یہ تھا کیا؟

اس کے عقب سے ایک گھڑسوار تیزی سے اس کے پاس آیا۔ اسے یرعلی سے درکیم‌بائے نے اس کے پاس بھیجا تھا۔

"ابائی آغا! آپ کو وہ غبار کے بادل نظر آ رھے ھیں نا؟" اس نے غصے سے کانپتی ھوئی آواز میں چلاکے پوچھا۔ "جاتقوں کے مویشیوں کے حقیر گلے پر لٹیرے ٹوٹ پڑے ھیں۔ وہ ھمارے آخری گھوڑوں کو بھی بھگائے لئے جا رھے ھیں۔ ایک بار پھر ھمیں لوٹے لے رھے ھیں!"

اب نہ سمندر باقی رہا نہ خواب۔ مسرت اور سکون کا وہ لمحاتی منظر بھی غائب ھو گیا۔ زندگی اپنے تلخ حقائق اور سنگین جدوجہد کے ساتھ، ابائی کو بر سر پیکار ھونے کے لئے ایک بار پھر آواز دے رھی تھی۔

М. Ауэзов

А Б А Й

Роман

На языке урду

Перевод выполнен
с английского языка по книге:
М Ауэзов. «Абай»,
«Прогресс», М., 1975 г.

Редактор русского текста *И. Осипова*
Редактор *Ш. Мирзаев*
Художественный редактор *Н. Нурудинов*
Технический редактор *Г. Максудова*

Сдано в набор 2.03.79 г. Подписано в печать 18.06.79 г. Формат 84×108 1/32. Бумага типографская № 1. Печать высокая. Гарнитура «Насхи Асуани». Условн. печ. л. 36,54. Уч.-изд. л 51,21. Тираж 1450
Цена 8 р. 03 к. Изд. № 18045. Зак № 827.

Ташкентское отделение издательства «Прогресс»
Государственного комитета СССР по делам
издательств, полиграфии и книжной торговли.
Ташкент, 700129, ул. Навои, 30.

Набрано и отпечатано в типографии № 3. Книга изготовлена в Полиграфкомбинате Ташкентского полиграфического производственного объединения «Матбуот» Государственного комитета УзССР по делам издательств, полиграфии и книжной торговли.
Ташкент, 700129, ул. Навои, 30.